توضیح القرآن

آسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ



از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi - Pakistan.

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

تشریحات کے ساتھ

از
مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبۂ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

ISBN 978-969-9306-02-0

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبۂ معارف القرآن کراچی نے "آسان ترجمۂ قرآن" کی تصحیح و طباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

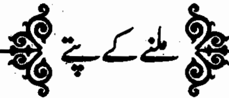


مکتبۂ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)



maktabamaarifulquran.com
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خضر اشفاق قاسمی
طبع جدید : ربیع الاوّل - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011
مطبع : احمد برادرز پرنٹنگ پریس
ناشر : مکتبۂ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : (92-21) 35031565, 35123130
ای میل : info@quranicpublishers.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com



ملنے کے پتے

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔
- بیت العلوم، ۲۰، نابھ روڈ، لاہور۔

- Azhar Academy Ltd.,
54-68, Little Ilford Lane,
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.
Ph : +44-20-8911-9797

- Darul Uloom Al-Madania,
182, Sobieski Street Buffalo,
NY, 14212-U.S.A

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه

ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا

من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له

ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له

ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله

صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه أجمعين



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا
ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه أجمعين،
وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے کلامِ مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس آڑے آتا، اور دُوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اَطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہوگئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہوکر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو قرآنِ کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیشِ نظر میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآنِ کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اُسلوب اور تاثیر کو کسی دُوسری زبان میں منتقل کردے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآنِ کریم کا مطلب آسان، بامحاورہ اور رواں انداز میں واضح ہوجائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآنِ کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآنِ کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآنِ کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہوسکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ راجح معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دُشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔

قرآنِ کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کررہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّۂ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور دُرست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ اِلتجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرماکر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

فہرست

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر



صفحہ نمبر	سورة کا نام

مُقدّمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

وحی اور اُس کی حقیقت

قرآنِ کریم چونکہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے نازل کیا گیا ہے، اس لئے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا دُنیا میں آنے کے بعد اِنسان کے لئے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دُوسرے یہ کہ اس کائنات کو اِستعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو مدِنظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو "علم" کی ضرورت ہے، اس لئے کہ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کونسی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دُنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کونسے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ بالا باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں، دُوسرے عقل اور تیسرے وحی۔ چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہوجاتی ہیں، بہت سی عقل

کے ذریعے، اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہوسکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں اِنسان کو اپنے حواس سے معلوم ہوجاتی ہیں، اُن کا علم نری عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہوسکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں، وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جاکر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی، اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا؟ یہ نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے، نہ عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب اِنسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ''وحی'' ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر، اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ''وحی'' کہا جاتا ہے۔

یہ بات ایک اور مثال سے شاید زیادہ واضح ہوگی، فرض کیجئے کہ میرے ہاتھ میں ایک پستول ہے، اُسے آنکھ سے دیکھ کر میں اس کا سائز اور اس کی صورت معلوم کرسکتا ہوں، میں ہاتھ سے چھو کر یہ معلوم کرسکتا ہوں کہ یہ کسی ٹھوس چیز سے بنی ہوئی ہے، اُس کا ٹریگر دَبا کر میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس سے ایک گولی پوری قوت سے نکل کر دُور گئی ہے، اس کی آواز سن کر مجھے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سے ایک دھما کا پیدا ہوتا ہے، اور اُس کی نالی کو سونگھ کر یہ پتہ لگا سکتا ہوں کہ اس میں سے بارود کی بو آرہی ہے، یہ ساری اِطلاعات مجھے میرے ظاہری حواس یعنی آنکھ، ہاتھ، کان اور ناک نے فراہم کی ہیں۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسے کس نے بنایا؟ تو میرے یہ ظاہری حواس اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے، اس موقع پر میں عقل سے سوچتا ہوں تو عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ پستول جس انداز سے بنا ہوا ہے، وہ خود بخود وجود میں نہیں آسکتا، یقیناً کسی کاریگر نے اُسے بنایا ہے، وہ کاریگر نہ میری آنکھوں سے نظر آرہا ہے، اور نہ میرے کان اس کی آواز سن رہے ہیں، مگر اپنی عقل کے ذریعے مجھے یہ علم

حاصل ہوگیا کہ اسے کسی کاریگر اِنسان نے بنایا ہے۔

اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہتھیار کا کونسا اِستعمال جائز اور کونسا ناجائز ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی میری عقل ایک حد تک میری مدد کرسکتی ہے، میں عقل سے سوچ سکتا ہوں کہ اس ہتھیار کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا بہت بُرا کام ہے، جس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو بے گناہ کہا جائے اور کس کو مجرم؟ اور کونسا جرم ایسا ہے جس کی سزا میں اس پستول کو اِستعمال کر کے کسی کو قتل کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر اگر میں صرف عقل کی بنیاد پر غور کروں تو عقل مجھے اُلجھن میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً اگر ایک قاتل میرے سامنے ہے، جس نے کسی بے گناہ کی جان لی، اس کے بارے میں، میں عقل سے سوچتا ہوں تو کبھی عقل یہ کہتی ہے کہ اس قاتل نے ایک جیتے جاگتے اِنسان کو موت کی نیند سلادیا، اس کی بیوی کو بیوگی کا زخم لگایا، بچوں کو بلاوجہ یتیم بنا کر انہیں باپ کی شفقت سے محروم کیا، اس لئے یہ مجرم اس لائق ہے کہ اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار کر دُوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنادیا جائے۔ لیکن دُوسری طرف وہی عقل ایک دُوسری دلیل دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ جس مقتول کو مرنا تھا وہ تو مرگیا، قاتل کو قتل کرنے سے نہ وہ واپس آسکتا ہے، نہ اس کی بیوی بچوں کو اُن کا محبوب واپس مل سکتا ہے، اس کے بجائے اگر اس قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا تو اُس کے وہ بیوی بچے مصائب کا شکار ہوں گے جن کا کوئی جرم نہیں ہے۔

یہ دونوں دلیلیں عقل ہی کے سہارے وجود میں آئی ہیں، اس لئے نری عقل کے بھروسے پر کوئی ایسا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے جس پر سب کی عقل مطمئن ہوجائے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں نہ میرے حواس کوئی فیصلہ کن جواب دینے کے قابل ہیں، نہ میری عقل۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درکار ہوتی ہے جو وہ اپنے پیغمبروں پر وحی نازل کر کے انسانیت کو فراہم کرتا ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہوسکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ اِنسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحیٔ اِلٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا اِدراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں، بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دِینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے اِدراک کے لئے نری عقل پر بھروسہ کرنا دُرست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو، اس سے تو وحی کے مسئلے پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ پر اِیمان رکھتا ہے، اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے اِمکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر آپ اس بات پر اِیمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دُنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کرسکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش وحواس سلامت ہوں ایسا کرسکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے، اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اُس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کرسکتا تو آخر اس خداوندِ قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کرسکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر اِیمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رِسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ''وحی'' محض ایک دِینی اِعتقاد ہی نہیں، بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔ یہ وحی اللہ تعالیٰ نے اُن ہزاروں پیغمبروں پر نازل فرمائی جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ حضورِ اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم قیامت تک آنے والے اِنسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس مقدس سلسلے کی تکمیل ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی

ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲)۔

اس حدیث میں آپ نے ''وحی'' کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے، شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں، دُوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور کلامِ اِلٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح اِدراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لئے آپ نے اُسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔

(فیض الباری ج:۱ ص:۱۹و۲۰)

جب اس طریقے سے آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی مبارک پیشانی پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رُکنے لگتا، چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑجاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان ج:۱ ص:۴۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے، وہ آپ کے بوجھ سے دَب کر بیٹھ جاتا۔ اور ایک مرتبہ آپ نے اپنا سرِ اَقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ (زاد المعاد ج:۱ ص:۱۸و۱۹)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دُوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(تبویب مسند احمد، کتاب السیرۃ النبویۃ ج:۲۰ ص:۲۱۲)

وحی کی دُوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف

لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دُوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں۔ بہر کیف! جب حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی۔ (الاتقان ج:۱ ص:۴۶)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصل صورت میں دِکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دُوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اَجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری ج:۱ ص:۱۸و۱۹)

چوتھی صورت براہِ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (اتقان ج:۱ ص:۴۶)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلبِ مبارک میں کوئی بات اِلقاء فرمادیتے تھے، اسے اِصطلاح میں "نفث فی الرّوع" کہتے ہیں۔ (ایضاً)

تاریخ نزولِ قرآن

اس پر تقریباً اِتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کا تدریجی نزول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر ہوا، اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ کی عمر چالیسؔ سال تھی، اس نزول کی اِبتدا بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر میں ہوئی ہے، لیکن یہ رات رمضان کی کونسی تاریخ تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترھویں، بعض سے اُنیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔

(تفسیر ابن جریرؒ ج:۱۰ ص:۷)

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اُتریں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی اِبتدا تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کو تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا،

اوراس دوران آپ غارِ حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ "اِقْرَأْ" (یعنی پڑھو) حضور نے فرمایا کہ: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی اِنتہا ہوگئی، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ "اِقْرَأْ"، میں نے جواب دیا کہ: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی اِنتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ "اِقْرَأْ"، میں نے جواب دیا کہ: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس پر اُس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھینچ کر چھوڑ دیا، پھر کہا:-

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞" الخ

(العلق:۱-۵)

"پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے" الخ۔

یہ آپ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانے کو "فترتِ وحی" کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں آیا تھا، آپ کو آسمان و زمین کے درمیان دِکھائی دیا، اور اس نے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات آپ کو سنائیں، اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآنِ کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورۃ کے ساتھ "مکی" اور کسی کے ساتھ "مدنی" لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ مفسرین کی اِصطلاح میں "مکی آیت" کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ کے بغرضِ ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، اور "مدنی آیت" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔ بعض لوگ "مکی" کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہرِ مکہ میں نازل ہوئی، اور "مدنی" کا یہ کہ وہ شہرِ مدینہ میں اُتری، لیکن یہ مطلب دُرست نہیں، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہرِ مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہوچکی تھیں، اس لئے انہیں "مکی" کہا جاتا ہے، چنانچہ جو آیات منیٰ، عرفات یا سفرِ معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی "مکی" کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفرِ ہجرت کے دوران مدینہ کے راستے میں نازل ہوئیں، ان کو بھی "مکی" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہرِ مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ "مدنی" ہیں، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دُور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے

والی آیتیں ''مدنی'' ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ اُن آیتوں کو بھی ''مدنی'' کہا جاتا ہے جو فتحِ مکہ یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہرِ مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چنانچہ آیتِ قرآنی: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" (۵۸:۴) ''مدنی'' ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

(البرہان ج:۱ ص:۱۸۸، ومناہل العرفان ج:۱ ص:۱۸۸)

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورۂ مدثر پوری مکی ہے، اور سورۂ آل عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت مکی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے، مثلاً سورۂ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں: "وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ" سے لے کر "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ" الخ تک کی آیات مدنی ہیں (۷:۱۶۳)۔ اسی طرح سورۂ حج مدنی ہے، لیکن اس میں چار آیتیں یعنی: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى" سے لے کر "عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ" تک مکی ہیں (۲۲:۵۲-۵۵)۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہوگئیں اُسے مکی قرار دے دیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (مناہل العرفان ج:۱ ص:۱۹۲)

قرآنِ کریم کا تدریجی نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم دفعۃً اور ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیئس سال میں اُتارا گیا ہے، بعض اوقات جبرئیل علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جزء لے کر بھی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآنِ کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ "غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ" (النساء:۹۵) ہے جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، دُوسری طرف پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ج:۲ ص:۱۲۲)

سارے قرآنِ کریم کو ایک دفعہ نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکینِ عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:-

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾" (الفرقان)

''اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ''ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا

گیا؟" (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دِل مضبوط رکھیں، اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔"

اِمام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآنِ کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دُشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے اُن پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

۲- اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام اَحکام کی پابندی فوراً لازم ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعتِ محمدی میں ملحوظ رہی ہے۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآنِ کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلے کو آسان بنا دیتا تھا، اور آپ کی تقویتِ قلب کا سبب بنتا تھا۔

۴- قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآنِ کریم کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج:۶ ص:۳۳۶)

شانِ نزول

قرآنِ کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اُن کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دُوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعے کی وجہ سے یا کسی سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے، یہ پس منظر مفسرین کی اِصطلاح میں "سببِ نزول" یا "شانِ نزول" کہلاتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ہے:-

"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ"

"اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک

مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آ رہی ہو۔"

یہ آیت ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ حضرت مرثدؓ کسی کام سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثدؓ نے صاف اِنکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثدؓ نے آپ سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ (اسباب النزول للواحدیؒ ص:۳۸)

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا "شانِ نزول" یا "سببِ نزول" ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر میں "شانِ نزول" نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک اُن کا شانِ نزول معلوم نہ ہو۔

تاریخ حفاظتِ قرآن

عہدِ رسالت میں حفاظتِ قرآن

قرآنِ کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لئے عہدِ رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اُسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، چنانچہ اِبتدائے اسلام میں قرآنِ کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظے پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ اُس کے الفاظ کو اُسی وقت دُہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر سورۂ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ قرآنِ کریم کو یاد رکھنے کے لئے آپ کو عین نزولِ وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ میں ایسا حافظہ پیدا فرما دے گا کہ ایک مرتبہ نزولِ وحی کے بعد آپ اُسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اِدھر آپ پر آیاتِ قرآنی نازل ہوتیں اور اُدھر وہ آپ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک قرآنِ کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا اِمکان نہیں تھا، پھر آپ مزید اِحتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور

جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا۔
(صحیح بخاری مع فتح الباری ج:۹ ص:۳۶)

پھر آپ صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملے میں دُوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآنِ کریم کی تعلیم دیں گے۔ سینکڑوں صحابہؓ نے اپنے آپ کو ہر غمِ ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی، وہ قرآنِ کریم کو نہ صرف یاد کرتے، بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دُہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے۔ اور مسجدِ نبوی میں قرآن سیکھنے سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانا پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ (مناہل العرفان ج:۱ ص:۲۳۴)

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہوگئی جسے قرآنِ کریم اَزبر حفظ تھا، اس جماعت میں خلفائے راشدینؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابنِ مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔[1]

غرض اِبتدائے اسلام میں زیادہ زور حفظِ قرآن پر دیا گیا، اور اس وقت کے حالات میں یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابلِ اعتماد تھا، اس لئے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اِعتماد کیا جاتا تو نہ قرآنِ کریم کی وسیع پیمانے پر اِشاعت ہوسکتی، اور نہ اُس کی قابلِ اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو حافظے کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اَشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں، اُن کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لئے قرآنِ کریم کی حفاظت میں اسی قوتِ حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعے قرآنِ کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "علوم القرآن" احقر کی مفصل کتاب۔

کتابتِ وحی

قرآنِ کریم کو حفظ کرانے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی، اور آپ کے جسمِ اَطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر جب آپ سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے، اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہرحال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے: "پڑھو!" میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپ اس کی اِصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔ (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۵۶ بحوالہ طبرانی)

حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، جن میں خلفائے راشدینؓ، حضرت اُبیّ بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن الولیدؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ج:۹ ص:۱۸، اور زادالمعاد ج:۱ ص:۳۰)۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ (فتح الباری ج:۹ ص:۱۸) اُس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑوں کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ (ایضاً ج:۹ ص:۱۱)

اس طرح عہدِ رسالت میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے آیاتِ قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے اِبتدائی عہد سے جاری تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی اُن کی بہن اور بہنوئی کے ایک صحیفے میں آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ (سیرت ابنِ ہشام)

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے، اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابیؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآنِ کریم کے ان منتشر حصوں کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا، اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگِ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''عمر نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگِ یمامہ میں قرآنِ کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآنِ کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآنِ کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں'' میں نے عمر سے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ ہم کیسے کریں؟

عمر نے جواب دیا کہ: ''خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے'' اس کے بعد عمر مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرحِ صدر ہوگیا، اور اَب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''تم نوجوان اور سمجھ دار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابتِ وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآنِ کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کرو۔''

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: ''خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمعِ قرآن کے کام کا ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ: آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: ''خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔'' اس کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآنِ کریم کو جمع کیا۔'' (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن)

جمعِ قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا طریقِ کار

اس موقع پر جمعِ قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریقِ کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، وہ خود حافظِ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اُس وقت موجود تھے، اُن کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآنِ کریم لکھا جاسکتا تھا۔

نیز قرآنِ کریم کے جو نسخے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھے گئے تھے، حضرت زیدؓ ان سے بھی قرآنِ کریم نقل فرما سکتے تھے، لیکن انہوں نے احتیاط کے پیشِ نظر صرف کسی ایک طریقے پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں، وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے انہیں یکجا فرمایا تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلانِ عام کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآنِ کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآنِ کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:-

۱- سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲- پھر حضرت عمرؓ بھی حافظِ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔ (فتح الباری ج:۹ ص:۱۱ بحوالہ ابنِ ابی داود)

۳- کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابلِ اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ (اتقان ج:۱ ص:۶۰)

۴- اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا اُن مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ (البرہان فی علوم القرآن للزرکشیؒ ج:۱ ص:۲۳۸)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر رُوم اور ایران کے دُور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدینِ اسلام یا اُن تاجروں سے قرآنِ کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، اور مختلف صحابہ کرامؓ نے قرآنِ کریم آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب قراءتوں کے مطابق اسے پڑھنے کی اجازت تھی، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود انہوں نے حضور سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دُور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآنِ کریم کی مختلف قراءتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہیں، اُس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دُور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات اُن میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآنِ کریم کی مختلف قراءتیں ہیں، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دُوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآنِ کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دُوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخے کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالمِ اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری اُمت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دُوسرے نسخے اِنفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں تمام قراءتوں کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیے کی قابلِ اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالمِ اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں تمام معتبر قراءتیں جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کونسی قراءت صحیح اور کونسی غلط ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس غرض کے لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اُن کو مصاحف میں نقل کرکے آپ کو واپس کردیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کرکے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زیدؓ انصاری تھے اور باقی تینوں حضرات قریشی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ: ”جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصے میں اِختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآنِ کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔“

بنیادی طور پر تو یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دُوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگا دیا گیا،[1] ان حضرات نے کتابتِ قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:-

(۱) یہ پوری تفصیل اور اس سلسلے کی تمام روایات ”فتح الباری“ ج:۹ ص:۱۳ تا ۱۵ سے ماخوذ ہیں۔

۱- حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا، اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔ (مستدرک ج:۲ ص:۲۲۹)

۲- قرآنِ کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لئے اُن پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے، مثلاً "ىسرها" لکھا تاکہ اسے "نَنْشُرُهَا" اور "نُنْشِزُهَا" دونوں طرح پڑھا جاسکے، کیونکہ یہ دونوں قراءتیں دُرست ہیں۔ (مناہل العرفان ج:۱ ص:۲۵۳ و ۲۵۴)

۳- اب تک قرآنِ کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری اُمت کی اِجتماعی تصدیق سے تیار کیا گیا ہو، صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، لیکن ابوحاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔ (فتح الباری ج:۹ ص:۱۷)

اَحزاب یا منزلیں

صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کرلیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے "حزب" یا "منزل" کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات اَحزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔ (البرہان ج:۱ ص:۲۵۰)

اَجزاء یا پارے

آج کل قرآنِ کریم تیس ۳۰ اَجزاء پر منقسم ہے، جنھیں تیس ۳۰ پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے قرآنِ کریم تیس ۳۰ مساوی حصوں پر منقسم کردیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہوجاتا ہے۔ یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس ۳۰ پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔ لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس ۳۰ پارے مشہور چلے آتے

ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں اُن کا رِواج ہے (البرہان ج:۱ ص:۲۵۰ و مناہل العرفان ج:۱ ص:۴۰۲) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

رُکوع

برصغیر کے نسخوں میں ایک علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رُکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین قرآنِ کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام ختم ہوا، وہاں رُکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ''ع'') بنادی گئی۔ احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رُکوع کی اِبتدا کس نے اور کس دَور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو ''رُکوع'' اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رُکوع کیا جائے۔

رُموزِ اَوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اِشارے لکھ دیئے گئے جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اِشارات کو ''رُموزِ اَوقاف'' کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کرسکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ ان میں سے اکثر رُموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے (النشر فی القراءات العشر ج:۱ ص:۲۲۵) ان رُموز کی تفصیل یہ ہے:-

ط یہ ''وقفِ مطلق'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج یہ ''وقفِ جائز'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز یہ ''وقفِ مجوّز'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا دُرست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص یہ ''وقفِ مرخص'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہوگیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دُوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے۔ (المنح الفکریۃ ص:۶۳)

م یہ ''وقفِ لازم'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت

کے معنی میں فحش غلطی کا اِمکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے وقفِ واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (النشر ج:۱ ص:۲۳۱)

لا یہ "لا تقف" کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ "یہاں نہ ٹھہرو" لیکن اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اوراس کے بعد والے لفظ سے اِبتدا کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتدا کرنا مستحسن نہیں۔

(النشر ج:۱ ص:۲۳۳)

ان رُموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندیؒ کے وضع کیے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رُموز قرآنِ کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:۔

مع یہ "معانقہ" کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دُوسری تفسیر کے مطابق دُوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دُوسری جگہ وقف کرنا دُرست نہیں۔ مثلاً: "ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ" الخ اس میں اگر "التَّوْرٰىةِ" پر وقف کرلیا تو "الْاِنْجِيْلِ" پر وقف دُرست نہیں، اور اگر "الْاِنْجِيْلِ" پر وقف کرنا ہے تو "التَّوْرٰىةِ" پر وقف دُرست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو دُرست ہے، اس کا ایک نام "مقابلہ" بھی ہے، اوراس کی سب سے پہلے نشان دہی اِمام ابوالفضل رازیؒ نے فرمائی ہے۔ (النشر ج:۱ ص:۲۳۷، والاتقان ج:۱ ص:۸۸)

سکتة یہ "سکتہ" کی علامت ہے، اوراس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رُکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملاکر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفة اس جگہ "سکتہ" سے قدرے زیادہ دیر تک رُکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق یہ "قیل علیہ الوقف" کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف یہ لفظ "قف" ہے جس کے معنی ہیں "ٹھہر جاؤ" اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف دُرست نہیں۔

صلے یہ "الوصل اولیٰ" کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں کہ "ملاکر پڑھنا بہتر ہے"۔

صل یہ "قد یوصل" کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں، اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اُن مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔

علم تفسیر

اب کچھ ضروری معلومات علم تفسیر کے سلسلے میں پیشِ خدمت ہیں۔ عربی زبان میں "تفسیر" کے لفظی معنی ہیں "کھولنا" اور اِصطلاح میں علمِ تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآنِ کریم کے معانی بیان کئے جائیں، اور اس کے اَحکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے (البرہان) قرآنِ کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

"وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ" (۱۶:۴۴)

"اور ہم نے قرآن آپ پر اُتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہیں۔"

نیز قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

"لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ" (۳:۱۶۴)

"بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ اُن کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور انہیں پاک صاف کرے، اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے۔"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو صرف قرآنِ کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے، بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف فرما تھے، اُس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، صحابہ کرامؓ کو جہاں کوئی دُشواری پیش آتی وہ آپ سے رُجوع کرتے اور انہیں تسلی بخش جواب مل جاتا، لیکن آپ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیرِ قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا،

تاکہ اُمت کے لئے قرآنِ کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہوجائیں، اور ملحد وگمراہ لوگوں کے لئے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے اس اُمت نے یہ کارنامہ اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں ہیں، بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر وتشریح بھی محفوظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔

تفسیرِ قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآنِ کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسرِ قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو وصرف اور بلاغت وادب کے علاوہ علمِ حدیث، اُصولِ فقہ وتفسیر اور عقائد وکلام کا وسیع وعمیق علم رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآنِ کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیرِ قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کردیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد بد رکھنے والے لوگ، جنھیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کردیتے ہیں، بلکہ پُرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کرکے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اِنتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے، جو دِین کے معاملے میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دُنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کرلے تو دُنیا کا کوئی صاحبِ عقل اُسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کرسکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کرسکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ

کر کے انجینئر بننا چاہے تو دُنیا کا کوئی بھی باخبر اِنسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کرسکتا، اس لئے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لئے ماہر اساتذہ کے زیرِ تربیت رہ کران سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے۔ جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن و حدیث کے معاملے میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی کیسے ہوسکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص اس اُصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنھیں پورا کئے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لئے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملے میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے خود اِرشاد فرمایا ہے کہ:-

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ“ (۱۷:۵۴)

”اور بلاشبہ ہم نے قرآنِ کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔“

اور جب قرآنِ کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں۔

لیکن یہ اِستدلال ایک شدید مغالطہ ہے، جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً دُنیا کی ناپائیداری، جنت ودوزخ کے حالات، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دُوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ ”لِلذِّكْرِ“ (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کررہا ہے۔

اس کے برخلاف دُوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو اَحکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کماحقہٗ سمجھنا اور ان سے اَحکام ومسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لئے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے اِمام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضراتِ صحابہؓ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان

بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا اِحاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ:-

"فتعلّمنا القرآن والعلم والعمل جميعًا" (الاتقان ج:۲ ص:۱۷۶)

''ہم نے قرآن اور علم و عمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔''

چنانچہ مؤطا اِمام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صَرف کئے، اور مسندِ احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: ''ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھ لیتا، ہماری نگاہوں میں اُس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا تھا۔'' (اتقان ج:۲ ص:۱۷۶ نوع:۷۷)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضراتِ صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر و ادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے اَزبر ہوجایا کرتے تھے، انہیں قرآنِ کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہوجائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآنِ کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اُٹھانا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود ''عالمِ قرآن'' بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزولِ قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کرکے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم و دِین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا اِرتکاب کرتے ہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ:-

"من قال في القرآن بغير علم فليتبوّأ مقعده في النّار"

''جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

اور:-

"من تكلّم في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ"

''جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔'' (ابوداود و نسائی، از اتقان ج:۲ ص:۱۷۹)

سُورَةُ الفَاتِحَة

تعارف

سورۂ فاتحہ نہ صرف قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورت ہے، بلکہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی، اس سے پہلے کوئی سورت پوری نہیں نازل ہوئی تھی، بلکہ بعض سورتوں کی کچھ آیتیں آئی تھیں۔ اس سورت کو قرآنِ کریم کے شروع میں رکھنے کا منشا بظاہر یہ ہے کہ جو شخص قرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ایک حق کے طلب گار کی طرح اسی سے ہدایت مانگنی چاہئے۔ چنانچہ اس میں بندوں کو وہ دُعا سکھائی گئی ہے جو ایک طالبِ حق کو اللہ سے مانگنی چاہئے، یعنی سیدھے راستے کی دُعا۔ اس طرح اس سورت میں صراطِ مستقیم یا سیدھے راستے کی جو دُعا مانگی گئی ہے، پورا قرآن اس کی تشریح ہے کہ وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟

آیاتها ۷ ۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع ۱/۷

سورہ فاتحہ مکی ہے اور اس میں سات آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے[(۱)]

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے[(۲)] ﴿۱﴾ جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے ﴿۲﴾ جو روزِ جزا کا مالک ہے[(۳)] ﴿۳﴾ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں[(۴)] ﴿۴﴾ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما ﴿۵﴾ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے ﴿۶﴾ نہ کہ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے، اور نہ اُن کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں ﴿۷﴾

---

(۱) عربی کے قاعدے سے ''رحمٰن'' کے معنی ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت وسیع (Extensive) ہو، یعنی اس رحمت کا فائدہ سب کو پہنچتا ہو، اور ''رحیم'' کے معنیٰ ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت زیادہ (Intensive) ہو، یعنی جس پر ہو مکمل طور پر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دُنیا میں سب کو پہنچتی ہے، جس سے مؤمن کافر سب فیض یاب ہو کر رزق پاتے ہیں، اور دُنیا کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، اور آخرت میں اگرچہ کافروں پر رحمت نہیں ہوگی، لیکن جس کسی پر (یعنی مؤمنوں پر) ہوگی، مکمل ہوگی کہ نعمتوں کے ساتھ کسی تکلیف کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کے معنیٰ میں جو یہ فرق ہے، اس کو ظاہر کرنے کے لئے رحمٰن کا ترجمہ ''سب پر مہربان'' اور رحیم کا ترجمہ ''بہت مہربان'' کیا گیا ہے۔

(۲) اگر آپ کسی عمارت کی تعریف کریں تو درحقیقت وہ اس کے بنانے والے کی تعریف ہوتی ہے، لہٰذا اس کائنات میں جس کسی چیز کی تعریف کی جائے وہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ وہ چیز اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ ''تمام جہانوں کا پروردگار'' کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انسانوں کا جہان ہو یا جانوروں کا، جمادات کا جہان ہو یا نباتات کا، آسمانوں کا جہان ہو یا ستاروں، سیاروں اور فرشتوں کا، سب کی تخلیق اور پرورش اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اور ان جہانوں میں جو کوئی چیز قابلِ تعریف ہے، وہ اللہ کی تخلیق اور شانِ ربوبیت کی وجہ سے ہے۔

(۳) ''روزِ جزا'' کا مطلب ہے وہ دن جب تمام بندوں کو اُن کے دُنیا میں کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یوں تو روزِ جزا سے پہلے بھی کائنات کی ہر چیز کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے، لیکن یہاں خاص طور پر روزِ جزا کے مالک ہونے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کو بہت سی چیزوں کا مالک بنایا ہوا ہے، یہ ملکیت اگرچہ ناقص اور عارضی ہے، تاہم ظاہری صورت کے لحاظ سے ملکیت ہی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جب جزا و سزا کا مرحلہ آئے گا تو یہ ناقص اور عارضی ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اُس وقت ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں ہوگی۔

(۴) یہاں سے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت کے لائق نہیں، نیز ہر کام میں حقیقی مدد اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئے، کیونکہ صحیح معنی میں کارساز اُس کے سوا کوئی نہیں۔ دُنیا کے بہت سے کاموں میں بعض اوقات کسی انسان سے جو مدد مانگی جاتی ہے، وہ اُسے کارساز سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک ظاہری سبب سمجھ کر مانگی جاتی ہے۔

سُورَةُ البَقَرَة

تعارف

یہ قرآنِ کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی آیات ۶۷ تا ۷۳ میں اُس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ بقرہ ہے، کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ سورت کا آغاز اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے ہوا ہے، اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں، یعنی مؤمن، کافر اور منافق بیان کی گئی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، تاکہ انسان کو اپنی پیدائش کا مقصد معلوم ہو۔ اس کے بعد آیات کے ایک طویل سلسلے میں بنیادی طور پر خطاب یہودیوں سے ہے جو بڑی تعداد میں مدینہ منوّرہ کے آس پاس آباد تھے۔ ان پر اللہ تعالی نے جو نعمتیں نازل فرمائیں، اور جس طرح انہوں نے ناشکری اور نافرمانی سے کام لیا اس کا مفصل بیان ہے۔ پہلے پارے کے تقریباً آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اس لئے کہ انہیں نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ عرب کے بت پرست بھی اپنا پیشوا مانتے تھے۔ ان سب کو یاد دِلایا گیا ہے کہ وہ خالص توحید کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی کسی قسم کے شرک کو گوارا نہیں کیا۔ اسی ضمن میں بیت اللہ کی تعمیر اور اسے قبلہ بنانے کا موضوع زیرِ بحث آیا ہے۔ دُوسرے پارے کے شروع میں اس کے مفصل اَحکام بیان کرنے کے بعد اس سورت میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں جن میں عبادات سے لے کر معاشرت، خاندانی اُمور اور حکمرانی سے متعلق بہت سے مسائل داخل ہیں۔

آياتها ٢٨٦ ۲ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ٨٧ رکوعاتها ۴٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢

معانقة

سورۂ بقرہ مدنی ہے اور اس میں ۲۸۶ آیتیں اور ۴۰ رُکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ (۱) ﴿۱﴾ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں (۲) یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں کے لئے (۳) ﴿۲﴾

---

(۱) مختلف سورتوں کے شروع میں یہ حروف اسی طرح الگ الگ نازل ہوئے تھے، ان کو ''حروفِ مقطعات'' کہتے ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک راز ہے جس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اور عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

(۲) یعنی اس کتاب کی ہر بات کسی شک وشبہ کے بغیر دُرست ہے۔ انسان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو سو فیصد شک سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم محدود ہوتا ہے، اور اکثر اس کی کتاب اس کے ذاتی گمان پر مبنی ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کا علم لامحدود بھی ہے اور سو فیصد یقینی بھی، اس لئے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کسی کو شک ہو تو یہ اس کی ناسمجھی کی وجہ سے ہوگا، کتاب کی کوئی بات شبہ والی نہیں۔

(۳) اگرچہ قرآنِ کریم نے صحیح راستہ ہر ایک کو دِکھایا ہے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے اس کی ہدایت سب کے لئے ہے، لیکن نتیجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس ہدایت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کی بات مان کر اس کے تمام اَحکام اور تعلیمات پر عمل کریں۔ اس لئے یہ فرمایا گیا کہ ''یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں الخ'' ڈر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھے کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، لہٰذا مجھے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہئے جو اس کی ناراضی کا باعث ہو۔ اسی خوف اور دِھیان کا نام تقویٰ ہے۔

''بے دیکھی چیزوں'' کے لئے قرآنِ کریم نے ''غیب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں،(۴) اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾

آنکھوں سے دِکھائی نہیں دیتیں، نہ ہاتھ سے چھوکر یا ناک سے سونگھ کر انہیں محسوس کیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی یا تو قرآنِ کریم میں اُن کا ذکر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے وہ باتیں معلوم کرکے ہمیں بتائی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت و دوزخ کے حالات، فرشتے وغیرہ۔ یہاں اللہ کے نیک بندوں کی یہ تعریف کی جارہی ہے کہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین کرکے اُن چیزوں کو دِل سے مانتے ہیں جو انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے اگر یہ چیزیں آنکھوں سے نظر آجاتیں اور پھر کوئی شخص اُن پر ایمان لاتا تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اِنسان کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے، لیکن اُن کے وجود کے بیشمار دلائل مہیا فرمادیئے ہیں کہ جب کوئی شخص ذرا انصاف سے غور کرے گا تو اِن باتوں پر ایمان لے آئے گا، اور اِمتحان میں کامیاب ہوگا۔ قرآنِ کریم نے بھی وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اِن شاء اللہ آگے آتے رہیں گے، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ قرآنِ کریم کو حق طلبی کے جذبے سے غیر جانبدار ہوکر پڑھا جائے، اور یہ خیال دِل میں رکھا جائے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں لاپروائی برتی جائے۔ یہ انسان کی ہمیشہ کی زندگی کی بہتری اور تباہی کا معاملہ ہے۔ لٰہذا یہ ڈر دِل میں ہونا چاہئے کہ کہیں میری نفسانی خواہشات قرآنِ کریم کے دلائل ٹھیک ٹھیک سمجھنے میں رُکاوٹ نہ بن جائیں، اس لئے مجھے اس کی دی ہوئی ہدایت کو تلاشِ حق کے جذبے سے پڑھنا چاہئے، اور پہلے سے دِل میں جمے ہوئے خیالات سے ذہن کو خالی کرکے پڑھنا چاہئے، تاکہ مجھے واقعی ہدایت نصیب ہو۔ ''یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

(۴) جو لوگ قرآنِ کریم کی ہدایت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، یہاں ان کی اہم صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ ''غیب'' یا اَن دیکھی چیزوں پر اِیمان لاتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزری۔ اِس میں تمام ایمانیات داخل ہوگئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بیان فرمایا، یا جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اُس سب پر اِیمان لاتے ہیں۔ دُوسری چیز نماز قائم کرنا بیان کی گئی ہے جو بدنی عبادتوں میں سب سے اہم ہے، اور تیسری چیز اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، جس میں زکوٰۃ و صدقات آجاتے ہیں جو مالی عبادات ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

اور جو اُس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اُتاری گئی اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری گئی،[۵] اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں[۶] ﴿۴﴾ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے صحیح راستے پر ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۵﴾

---

(۵) یعنی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو وحی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئی وہ بھی بالکل سچی ہے، اور جو آپ سے پہلے انبیائے کرام (علیہم السلام) مثلاً حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہ پر نازل کی گئی تھی وہ بھی بالکل سچی تھی، اگرچہ بعد میں لوگوں نے اسے ٹھیک ٹھیک محفوظ نہ رکھا، بلکہ اس میں تحریف کردی۔

اس آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی موجود ہے کہ وحی کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوگا جس پر وحی آئے یا اُسے پیغمبر بنایا جائے، کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی اور آپ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کا ذکر فرمایا ہے، آپ کے بعد کی کسی وحی کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی نیا پیغمبر آنے والا ہوتا یا اُس کی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو اُس کو بھی یہاں بیان فرمایا جاتا، جیسا کہ پچھلے پیغمبروں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپ حضرات کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، آپ کو ان پر بھی ایمان رکھنا ہوگا۔ (دیکھئے قرآنِ کریم، سورۂ آل عمران، آیت:۸۱)۔

(۶) ''آخرت'' سے مراد وہ زندگی ہے جو مرنے کے بعد حاصل ہوگی، اور جو ہمیشہ کے لئے ہوگی، اور اس میں ہر بندے کو دُنیا میں کیے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔ اگرچہ یہ ''آخرت'' بھی اُن ''اَن دیکھی چیزوں'' (غیب) میں شامل ہے جس پر ایمان لانے کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا تھا۔ لیکن آخر میں اسے علیحدہ کرکے خصوصی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ''آخرت'' کا عقیدہ ہی درحقیقت انسان کی سوچ اور اس کی عملی زندگی کو صحیح راستے پر رکھتا ہے۔ جو انسان یہ یقین رکھتا ہو کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے پیش ہوکر اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے، وہ کسی گناہ یا جرم کے ارتکاب پر بھی ڈھٹائی کے ساتھ آمادہ نہیں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ ع

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنالیا ہے،(۷) اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں،(۸) وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۶﴾ اللہ نے اُن کے دِلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی ہے،(۹) اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور اُن کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۷﴾

---

(۷) یہاں اُن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ چاہے کتنے واضح اور روشن دلائل اُن کے سامنے آجائیں، وہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو کفر پر اَڑ گئے ہیں" ترجمے میں "کفر اپنالیا ہے" کے الفاظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۸) "ڈرانا" اِنذار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو بکثرت "ڈرانے" سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو کفر اور بداعمالیوں کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ چاہے اُن کو دعوت دیں، یا نہ دیں، اُن کے سامنے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، چونکہ انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ کوئی بات ماننی نہیں ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۹) اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی بڑی خطرناک چیز ہے، اگر کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت وغیرہ کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کی اصلاح کی اُمید ہو سکتی ہے، لیکن جو شخص غلطی پر اَڑ جائے اور یہ تہیہ کر لے کہ کسی بھی حالت میں بات نہیں ماننی، تو اُس کی ضد کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دِل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کے بعد اس سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے محفوظ رکھے۔ لہٰذا اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کے دِل پر مہر لگا دی تو وہ معذور ہو گئے، اس لئے کہ یہ مہر لگانا خود انہی کی ضد اور یہ تہیہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ حق بات نہیں ماننی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱

وقف لازم

کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں[10] ﴿۸﴾ وہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں، دھوکا دیتے ہیں۔ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے[11] ﴿۹﴾ ان کے دِلوں میں روگ ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے روگ میں اور اضافہ کردیا ہے،[12] اور ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے، کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾

(۱۰) سورت کے شروع میں پہلے مؤمنوں کے اوصاف اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا، پھر اُن لوگوں کا ذکر ہوا جو کھلے کافر ہیں۔ اب یہاں سے ایک تیسرے گروہ کا بیان ہو رہا ہے جسے ''منافق'' کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، مگر دِل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

(۱۱) یعنی بظاہر تو وہ اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، کیونکہ اس دھوکے کا انجام خود اُن کے حق میں بُرا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے وہ کفر کے دُنیوی انجام سے بچ گئے، حالانکہ آخرت میں اُن کو جو عذاب ہوگا، وہ دُنیا کے عذاب سے زیادہ سنگین ہے۔

(۱۲) یہ وہی بات ہے جو پیچھے آیت نمبر ۷ میں کہی گئی تھی۔ یعنی شروع میں انہوں نے اپنے اختیار سے اس گمراہی کو اَپنایا اور اُس پر اَڑ گئے، یہ اُن کے دِل کی بیماری تھی۔ پھر اُن کی ضد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی بیماری کو اور بڑھا دیا کہ اب انہیں واقعی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوگی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

یاد رکھو! یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے ﴿۱۲﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے دُوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے ﴿۱۳﴾ اور جب یہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو اِیمان لاچکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب یہ اپنے شیطانوں (۱۳) کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کر رہے تھے ﴿۱۴﴾ اللہ ان سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (۱۴) ﴿۱۵﴾

---

(۱۳) ''اپنے شیطانوں'' سے مراد وہ سردار ہیں جو ان منافقین کی سازشوں میں اُن کے سربراہ اور رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی رسّی دراز کر رکھی ہے کہ ان کے دوغلے پن کی فوری سزا دُنیا میں انہیں نہیں مل رہی جس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری تدبیر کارگر ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی اس گمراہی میں اور پختہ ہوتے جارہے ہیں۔ آخرت میں انہیں ایک دم پکڑ لیا جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمل اُن کے ''مذاق'' کا نتیجہ تھا، اُسے یہاں ''اللہ اُن سے مذاق کرتا ہے'' کے عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشۡتَرَوُاْ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلۡهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمۡ وَمَا كَانُواْ مُهۡتَدِينَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ ٱلَّذِي ٱسۡتَوۡقَدَ نَارٗا فَلَمَّآ أَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهُۥ ذَهَبَ ٱللَّهُ بِنُورِهِمۡ وَتَرَكَهُمۡ فِي ظُلُمَٰتٖ لَّا يُبۡصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمُّۢ بُكۡمٌ عُمۡيٞ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوۡ كَصَيِّبٖ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٞ وَرَعۡدٞ وَبَرۡقٞ يَجۡعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمۡ فِيٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ ٱلصَّوَٰعِقِ حَذَرَ ٱلۡمَوۡتِۚ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، لہٰذا نہ اُن کی تجارت میں نفع ہوا، اور نہ انہیں صحیح راستہ نصیب ہوا ﴿۱۶﴾ اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک آگ روشن کی،[(۱۵)] پھر جب اس (آگ نے) اس کے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کا نور سلب کر لیا اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا ﴿۱۷﴾ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، چنانچہ اب وہ واپس نہیں آئیں گے ﴿۱۸﴾
یا پھر (ان منافقوں کی مثال ایسی ہے)[(۱۶)] جیسے آسمان سے برستی ایک بارش ہو، جس میں اندھیریاں بھی ہوں، اور گرج بھی اور چمک بھی۔ وہ کڑکوں کی آواز پر موت کے خوف سے اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے ہیں۔

(۱۵) یہاں سے اُن منافقوں کی مثال دی جا رہی ہے جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود نفاق کی گمراہی میں پھنسے رہے۔ اسلام کے واضح دلائل کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح اس روشنی سے ماحول کی چیزیں صاف نظر آنے لگتی ہیں، اسی طرح اسلام کے دلائل سے حقیقت اُن پر واضح ہو گئی، لیکن پھر ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی ان سے سلب کر لی اور وہ دیکھنے کی قوت سے محروم ہو گئے۔
(۱۶) منافقوں کی پہلی مثال تو اُن منافقین سے متعلق تھی جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود خوب سوچ سمجھ کر کفر اور نفاق کا راستہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اب منافقین کے اس گروہ کی مثال دی جا رہی ہے جو اسلام لانے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا۔ جب اسلام کی حقانیت کے دلائل سامنے آتے تو اس کے دِل

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ ڎ

اور اللہ نے کافروں کو گھیرے میں[۱۷] لے رکھا ہے ﴿۱۹﴾ ایسا لگتا ہے کہ بجلی اُن کی آنکھوں کو اُچک لے جائے گی۔ جب بھی بجلی اُن کے لئے روشنی کر دیتی ہے، وہ اُس (روشنی) میں چل پڑتے ہیں، اور جب وہ اُن پر اندھیرا کر دیتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں چھین لیتا، بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۰﴾

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُن لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿۲۱﴾

میں اسلام کی طرف جھکاؤ پیدا ہوتا اور وہ اسلام کی طرف بڑھنے لگتے، لیکن جب اسلامی اَحکام کی ذمہ داریاں اور حلال وحرام کی باتیں سامنے آتیں تو وہ اپنی خودغرضی کی وجہ سے رُک جاتے۔ یہاں اسلام کو ایک برستی ہوئی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس میں کفر وشرک کی خرابیوں کا جو بیان ہے، اُسے اندھیریوں سے، اور اس میں کفر و شرک پر عذاب کی جو دھمکیاں دی گئی ہیں، انہیں گرج سے تشبیہ دی گئی ہے، نیز قرآنِ کریم میں حق کے جو دلائل اور حق کو تھامنے والوں کے لئے جنت کے جو وعدے کئے گئے ہیں، انہیں بجلی کی روشنی سے۔ جب یہ روشنی ان کے سامنے چمکتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں مگر کچھ دیر میں ان کی خواہشات کی ظلمت ان پر چھا جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

(۱۷) یعنی جب قرآنِ کریم کفر اور فسق پر عذاب کی وعیدیں سناتا ہے تو یہ اپنے کان بند کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عذاب سے محفوظ ہوگئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور وہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

(وہ پروردگار) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور آسمان کو چھت، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل نکالے، لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو[18] ﴿۲۲﴾ اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُتارا ہے، تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو ﴿۲۳﴾ پھر بھی اگر تم یہ کام نہ کرسکو، اور یقیناً کبھی نہیں کرسکو گے، تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے[19] ﴿۲۴﴾

---

(۱۸) ان دو آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقیدے توحید کی دعوت دی گئی ہے، اور مختصر انداز میں اس کی دلیل بھی بیان کردی گئی ہے، اہلِ عرب یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنا، زمین و آسمان کی تخلیق اور آسمان سے بارش برسانا، اور اس سے پیداوار اُگانا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے کام بتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، اور وہ بت اپنے اپنے کاموں میں براہِ راست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہر چیز پیدا کرنے والے ہم ہیں، اور ہمیں کائنات چلانے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، تو عبادت کسی اور کی کرنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔

(۱۹) پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا، اب اسلام کے دُوسرے اہم عقیدے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ٭ۙ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغات (تیار) ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،[۲۰] جب کبھی ان کو ان (باغات) میں سے کوئی پھل رزق کے طور پر دیا جائے گا، تو وہ کہیں گے "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا" اور انہیں وہ رزق ایسا ہی دیا جائے گا جو دیکھنے میں ملتا جلتا ہوگا،[۲۱] اور اُن کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور وہ ان (باغات) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵﴾

رسالت کا بیان ہے، اور عرب کے جو لوگ قرآن پر ایمان لانے کے بجائے یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے یہ کلام بنالیا ہے، انہیں زبردست چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر ایسا کلام کوئی انسان بنا سکتا ہے تو تم بڑے فصیح و بلیغ ہو، تم سب مل کر قرآن جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ، ساتھ ہی قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ تم سب مل کر بھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اہلِ عرب جو اپنی زبان و ادب پر ناز کرتے تھے، ان سب کو اس چیلنج کے بعد سانپ سونگھ گیا، اور کوئی شخص یہ چیلنج قبول کرنے کے لئے آگے نہ بڑھا، بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں نے اس خدائی کلام کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآنِ کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح ثابت اور واضح ہوگئی۔

(۲۰) یہ اسلام کے تیسرے عقیدے یعنی "آخرت پر ایمان" کا بیان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس میں ہر انسان کو اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اگر ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ جنت نصیب ہوگی جس کی ایک جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔

(۲۱) اس کا مطلب ایک تو یہ ہو سکتا ہے کہ جنت ہی میں انہیں وقفوں وقفوں سے ایسے پھل دیئے جائیں گے جو دیکھنے میں بالکل ملتے جلتے ہوں گے، مگر لذت اور ذائقے میں ہر پھل نیا ہوگا، اور دُوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے پھل دیکھنے میں دُنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے، اس لئے انہیں دیکھ کر جنتی یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں پہلے یعنی دُنیا میں ملے تھے، لیکن جنت میں ان کی لذت اور خصوصیات دُنیا کے پھلوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسۡتَحۡىٖۤ اَنۡ يَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ‌ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَيَقُوۡلُوۡنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ‌ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا ‌ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِيۡنَ ۙ﴿۲۶﴾

وقف لازم

بیشک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے، چاہے وہ مچھر (جیسی معمولی چیز) کی ہو، یا کسی ایسی چیز کی جو مچھر سے بھی زیادہ (معمولی) ہو،[۲۲] اب جو لوگ مؤمن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ایک حق بات ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس (حقیر) مثال سے اللہ کا کیا مطلب ہے؟ (اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے، اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔ (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں[۲۳] ﴿۲۶﴾

(۲۲) بعض کافروں نے قرآنِ کریم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اس میں کچھ مثالیں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ کی دی گئی ہیں، اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بڑا بے تکا اعتراض تھا، کیونکہ مثال ہمیشہ مضمون کی مناسبت سے دی جاتی ہے، اگر کسی حقیر و ذلیل چیز کی مثال دینی ہو تو ایسی ہی کسی چیز سے دی جائے گی جو حقیر و ذلیل ہو۔ یہ کسی کلام کا عیب تو کیا ہوتا؟ اُس کی فصاحت و بلاغت کی دلیل ہے، مگر یہ بات انہی کی سمجھ میں آتی ہے جو طالبِ حق ہوں اور حق پر اِیمان لا چکے ہوں، لیکن جنہوں نے کفر کی قسم کھا رکھی ہے، انہیں تو ہر بات پر ہر حالت میں اعتراض کرنا ہے، اس لئے وہ ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں۔

(۲۳) یعنی قرآنِ کریم کی یہی آیتیں جو طالبِ حق کو ہدایت بخشتی ہیں، ایسے لوگوں کے لئے مزید گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں جنہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ کر یہ طے کر لیا ہے کہ حق بات ماننی نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر نئی آیت کا انکار کرتے ہیں، اور ہر آیت کا انکار ایک مستقل گمراہی ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں،(۲۴) اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں،(۲۵) ایسے ہی لوگ بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾

(۲۴) عہد سے مراد اکثر مفسرین نے وہ عہدِ اَلست لیا ہے جس کا ذکر سورۂ اعراف (۷:۱۷۲) میں آنے والا ہے، وہیں اِن شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی، یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے سے بہت پہلے آنے والی تمام روحوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا تھا کہ "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا اقرار کر کے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ پھر اس آیت میں عہد کو پختہ کرنے سے مراد بظاہر یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے جو اس عہد کو یاد دِلا کر اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے پر دلائل قائم کرتے رہے۔

اِس عہد کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ اس سے مراد وہ عملی اور خاموش عہد (Tacit Covenant) ہے جو ہر انسان پیدا ہوتے ہی اپنے خالق و مالک سے کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر شخص جو کسی ملک میں پیدا ہوتا ہے وہ اس ملک کا شہری ہونے کے ناتے یہ خاموش عہد کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کا پابند ہوگا۔ خواہ زبان سے اس نے کچھ نہ کہا ہو، لیکن اس کا کسی ملک میں پیدا ہونا ہی اس عہد کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اس کائنات میں جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے وہ خود بخود اس عہد کا پابند ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ اس عہد کے لئے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اگلی آیت میں باری تعالیٰ نے فوراً یہ ارشاد فرمایا کہ "تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا طرزِ عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی" یعنی اگر ذرا غور کرو تو تنہا یہ بات کہ کسی نے تمہیں پیدا کیا ہے، تمہاری طرف سے یہ عہد و پیمان ہے کہ تمہارے لئے اس کی نعمتوں کا اعتراف اور اُس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا لازمی ہوگا۔ ورنہ یہ کونسی عقل اور کونسا انصاف ہے کہ پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، اور فرمانبرداری اس کے بجائے کسی اور کی کی جائے، پھر اس خاموش عہد کو مزید پختہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعے متواتر تمہیں اس عہد کی یاد دہانی کراتا رہا ہے، اور ان پیغمبروں نے وہ مضبوط دلائل تمہارے سامنے پیش کئے ہیں جن سے یہ عہد مزید پختہ ہوگیا ہے کہ انسان کو ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے۔

(۲۵) اس سے مراد رشتہ داروں کے وہ حقوق پامال کرنا ہے جنھیں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾

ع ۳ ۹

تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرزِ عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا، اور پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۸﴾ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا، [۲۶] پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک ٹھیک بنا دیا، اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾

کافروں کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں، دُوسرے یہ کہ وہ رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے ہیں، اور تیسرے یہ کہ زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے، یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو رکھنا چاہئے، اور نہ اس کی وہ عبادت کرتے ہیں جو اُن پر فرض ہے۔ دُوسری اور تیسری چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف رشتوں کے جو حقوق مقرّر فرمائے ہیں، اُن کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے ہی ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، اگر ان رشتوں کو کاٹ کر باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی ایک دُوسرے کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیں تو وہ خاندانی نظام تباہ ہو جاتا ہے جس پر ایک صحت مند تمدّن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد کی صورت میں نکلتا ہے، اسی لئے قرآنِ کریم نے رشتوں کو کاٹنے اور زمین میں فساد مچانے کو سورۂ محمد میں بھی ایک ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ" (۲۲:۴۷)۔

(۲۶) انسان کو توجہ دِلائی جا رہی ہے کہ وہ کائنات کی جتنی چیزوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہیں، ان میں سے ہر چیز اس کی توحید کی گواہی دے رہی ہے، اس کے باوجود اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کرنا کتنی بڑی ناشکری ہے۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ اُصول بھی مستنبط کیا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز اصل میں حلال ہے اور جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک اس کو حلال ہی سمجھا جائے گا۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں[۲۷]، وہ کہنے لگے: "کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے، اور خون خرابہ کرے، حالانکہ ہم آپ کی تسبیح اور حمد و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں؟"[۲۸] اللہ نے کہا: "میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" ﴿۳۰﴾ اور آدم کو (اللہ نے) سارے کے سارے نام سکھا دیئے[۲۹]، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (اُن سے) کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام تو بتلاؤ ﴿۳۱﴾

---

(۲۷) آیت: ۲۱ اور ۲۲ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واجب ہونے کی نہایت مختصر اور سادہ، مگر مضبوط دلیل یہ دی گئی تھی کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ آیت: ۲۸ میں کافروں کے کفر پر تعجب کا اظہار بھی اسی بنا پر کیا گیا تھا۔ اب انسان کی پیدائش کا پورا واقعہ بیان کر کے اس دلیل کو مزید پختہ کیا جا رہا ہے۔ آیت میں خلیفہ سے مراد انسان ہے، اور اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے اَحکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنی طاقت کے مطابق دُوسروں سے بھی کروانے کی کوشش کرے۔

(۲۸) فرشتوں کے اس سوال کا منشاء خدانخواستہ کوئی اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ وہ حیرت کر رہے تھے کہ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جو نیکی کے ساتھ بدی کی صلاحیت بھی رکھتی ہو گی جس کے نتیجے میں زمین پر فساد پھیلنے کا امکان ہو گا۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسان سے پہلے زمین پر جنات پیدا کئے گئے تھے اور انہوں نے آپس میں لڑ لڑ کر ایک دوسرے کو ختم کر ڈالا تھا۔ فرشتوں نے سوچا کہ شاید انسان کا انجام بھی ایسا ہی ہو۔

(۲۹) ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

وہ بول اُٹھے: آپ ہی کی ذات پاک ہے، جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ (۳۰) حقیقت میں علم وحکمت کے مالک تو صرف آپ ہیں ﴿۳۲﴾ اللہ نے کہا: ''آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو'' چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتا دیے تو اللہ نے (فرشتوں سے) کہا: ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو مجھے اس سب کا علم ہے'' ﴿۳۳﴾

مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔ اگرچہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے، لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرادیا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔

(۳۰) بظاہر ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے، اور فرشتے اس تعلیم میں شریک نہیں تھے۔ اس صورت میں ان سے ان ناموں کے بارے میں پوچھنا یہ جتانے کے لئے تھا کہ تم میں وہ صلاحیت نہیں رکھی گئی جو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مقصود ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کو سکھاتے وقت فرشتے موجود تو تھے لیکن چونکہ ان میں ان باتوں کو سمجھنے یا یاد رکھنے کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے وہ امتحان کے وقت جواب نہ دے سکے۔ اس صورت میں ان کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمیں وہی علم حاصل ہوسکتا ہے جو آپ ہمیں دینا چاہیں اور اس کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کردیں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ: آدم کو سجدہ کرو،(۳۱) چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے اِبلیس کے کہ اس نے انکار کیا،(۳۲) اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہوگیا ﴿۳۴﴾ اور ہم نے کہا: ''آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی مت جانا،(۳۳) ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے'' ﴿۳۵﴾

---

(۳۱) فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی عظمت کا عملی مظاہرہ اور ان کا امتحان لینے کے لئے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سجدہ عبادت کا نہیں تعظیم کا سجدہ تھا جو بعض پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، بعد میں تعظیم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی سختی سے ممانعت کردی گئی تاکہ شرک کا کوئی شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ یہ سجدہ کروانا اس بات کا بھی مظاہرہ تھا کہ فرشتوں کو اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ان کے اختیار میں دی گئی ہیں وہ انسان کے لئے مسخر کردی جائیں، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ ان کو صحیح استعمال کرتا ہے یا غلط۔

(۳۲) اگرچہ براہِ راست سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، مگر اس میں تمام جاندار مخلوقات بھی شامل تھیں، لہٰذا اِبلیس جو جنات میں سے تھا اس پر بھی اس حکم کی تعمیل لازم تھی۔ لیکن جیسا کہ خود قرآنِ کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، میں اسے کیوں سجدہ کروں؟ (قرآن کریم، سورہ اعراف ۷:۱۲)۔ اس واقعے سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو بذاتِ خود دوسروں سے بڑا سمجھنا اور اپنی بڑائی بگھارنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا سبق یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح حکم آجائے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کو دِل وجان سے بجا لائے، چاہے اس کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

(۳۳) یہ کونسا درخت تھا؟ قرآنِ کریم نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی، نہ اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اتنا

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا، اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا[۳۴] اور ہم نے (آدم، ان کی بیوی اور اِبلیس سے) کہا: ''اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے، اور تمہارے لئے ایک مدّت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے''[۳۵] ﴿۳۶﴾ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔[۳۶] بیشک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۷﴾

جان لینا کافی ہے کہ جنت کے درختوں میں ایک درخت ایسا تھا جس کا پھل کھانے سے انہیں روک دیا گیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا، بعض میں انگور کا ذکر ہے، مگر کوئی روایت ایسی نہیں جس پر پورا بھروسہ کیا جا سکے۔

(۳۴) یعنی شیطان نے انہیں بہکا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر دیا۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ یوں تو یہ درخت بڑا مفید ہے، کیونکہ اس کو کھانے سے ابدی زندگی حاصل ہو جاتی ہے، لیکن شروع میں آپ کو اس لئے منع کیا گیا تھا کہ آپ کی جسمانی کیفیت اس کو برداشت نہ کر سکتی تھی، اب چونکہ آپ جنت کے ماحول کے عادی ہوگئے ہیں، اور آپ کے قویٰ مضبوط ہو چکے ہیں، اس لئے اب وہ ممانعت باقی نہیں رہی۔ اس واقعے کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سورۂ اَعراف (۷:۱۹ تا ۲۳) اور سورۂ طٰہٰ (۲۰:۱۲۰)۔

(۳۵) مطلب یہ ہے کہ اس واقعے کے نتیجے میں آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو جنت سے اور شیطان کو آسمانوں سے نیچے زمین پر اُترنے کا حکم دے دیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسان اور شیطان کے درمیان رہتی دُنیا تک دُشمنی قائم رہے گی، اور زمین کا یہ قیام ایک معین مدت تک ہوگا جس میں کچھ دُنیوی فائدے اُٹھانے کے بعد سب کو بالآخر اللہ تعالیٰ کے پاس دوبارہ پیش ہونا ہوگا۔

(۳۶) جب آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہوگئے، لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کن الفاظ میں معافی مانگیں، اس لئے زبان سے کچھ نکل نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دِلوں کے حال سے بھی

خوب واقف ہیں اور رحیم و کریم بھی ہیں، ان کی اس کیفیت کے پیشِ نظر خود ہی ان کو توبہ کے الفاظ سکھائے جو سورۂ اعراف میں مذکور ہیں: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ یعنی: ''اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجنے سے پہلے انسان کو یہ تعلیم دے دی کہ جب کبھی نفسانی خواہشات یا شیطان کے بہکاوے میں آکر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اسے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے، اور اگرچہ توبہ کے لئے کوئی خاص الفاظ لازمی نہیں ہیں، بلکہ ہر وہ جملہ جس میں اپنے کئے پر ندامت اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ شامل ہو، اس کے ذریعے توبہ ممکن ہے، لیکن چونکہ یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے ہیں، اس لئے ان الفاظ میں توبہ کرنے سے قبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ، جیسا کہ پیچھے آیت ۳۰ سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، لیکن زمین پر بھیجنے سے پہلے انہیں جنت میں رکھنے اور اس کے بعد کے واقعات کا تکوینی مقصد بظاہر یہ تھا کہ ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام جنت کی نعمتوں کا خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان کی اصل منزل کیا ہے، اور زمین پر پہنچنے کے بعد اس منزل کے حصول میں کس قسم کی رُکاوٹیں پیش آسکتی ہیں، اور ان سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہوگا؟ چونکہ فرشتوں کے مقابلے میں انسان کا امتیاز ہی یہ تھا کہ اس میں اچھائی اور بُرائی دونوں کی صلاحیت رکھی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ اسے زمین پر بھیجنے سے پہلے ایسے تجربے سے گذارا جائے۔ پیغمبر چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، اس لئے آدم علیہ السلام کی یہ غلطی درحقیقت اِجتہادی غلطی (Bonafide Mistake) تھی، یعنی سوچ کی یہ غلطی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو شیطان کے بہکانے سے ایک خاص وقت تک محدود سمجھ لیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ہرگز ان سے تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم چونکہ یہ قصور بھی ایک پیغمبر کے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اسے بعض آیات میں گناہ یا حکم عدولی سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ساتھ ہی زیرِ نظر آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور اس طرح اس عیسائی عقیدے کی تردید فرمادی گئی ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا یہ گناہ ہمیشہ کے لئے انسان کی سرشت میں داخل ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے، اور اس مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا بیٹا دُنیا میں بھیج کر اسے قربان کرنا پڑا تاکہ وہ ساری دُنیا کے لئے کفارہ بن سکے۔ قرآنِ کریم نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی تھی اس لئے نہ وہ گناہ باقی رہا تھا، نہ اس کے اولادِ آدم کی طرف منتقل ہونے کا کوئی سوال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل میں ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالا جاتا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٣٨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٣٩ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝٤٠

ع

ہم نے کہا: ''اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ کفر کا ارتکاب کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' ﴿۳۹﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، تا کہ میں بھی تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں، اور تم (کسی اور سے نہیں، بلکہ) صرف مجھی سے ڈرو[۳۷] ﴿۴۰﴾

(۳۷) ''اسرائیل'' حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ تمام تر یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نہ صرف ان کو اسلام کی دعوت دی تھی، بلکہ ان سے امن کا معاہدہ بھی فرمایا تھا۔ لہٰذا اس مدنی سورت میں زیرِ نظر آیت سے آیت ۱۴۳ تک مسلسل بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے جس میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی ہے اور ان کو نصیحت کرنے کے ساتھ ان کی بدعنوانیوں پر متنبہ بھی کیا گیا ہے۔ شروع میں ان کو یاد دِلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے انعامات فرمائے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہو کر اس عہد کو پورا کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا کہ وہ تورات پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں گے اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر ایمان لائیں گے۔ لیکن انہوں نے تورات پر عمل کرنے کے بجائے اس کی من مانی تاویلیں شروع کردیں اور اس کے اَحکام کو بدل ڈالا۔ چونکہ اس طرزِ عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حق کو قبول کرنے کی صورت میں انہیں اپنے ہم مذہب لوگوں کا ڈر تھا کہ وہ کہیں ان سے بدظن نہ ہوجائیں، اس لئے ان دو آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ مخلوق سے ڈرنے کے بجائے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور اللہ کے سوا کسی کا خوف دِل میں نہیں رکھنا چاہئے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾

اور جو کلام میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ اُس کتاب (یعنی تورات) کی تصدیق بھی کررہا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دِل میں رکھو (۳۸) ﴿۴۱﴾ اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ جبکہ (اصل حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو ﴿۴۲﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع کرو (۳۹) ﴿۴۳﴾

---

(۳۸) بنی اسرائیل کو یاد دِلایا جارہا ہے کہ قرآنِ کریم وہی دعوت لے کر آیا ہے جو تورات اور اِنجیل کی دعوت تھی اور جن آسمانی کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں، قرآنِ کریم انہیں جھٹلانے کے بجائے دو طرح سے ان کی تصدیق کرتا ہے: ایک اس لحاظ سے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ ہی کی نازل کی ہوئی تھیں، (یہ اور بات ہے کہ بعد کے لوگوں نے ان میں کافی رَدّ و بدل کرڈالا جس کی حقیقت قرآن نے واضح فرمائی) اور دوسرے قرآن اس حیثیت سے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کتابوں میں آخری نبی کی تشریف آوری کی جو پیشینگوئیاں کی گئی تھیں قرآنِ کریم نے انہیں سچا کر دکھایا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل عرب کے بت پرستوں سے پہلے اس پر ایمان لاتے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جس تیز رفتاری سے بت پرست اسلام لا رہے ہیں اس رفتار سے یہودی ایمان نہیں لا رہے، اور اس طرح گویا بنی اسرائیل قرآن کی تکذیب کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ: ’’تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ‘‘۔ بعض یہودیوں کا طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ رِشوت لے کر تورات کی تشریح عام لوگوں کی خواہشات کے مطابق کردیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اس کے اَحکام کو چھپالیتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ’’میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، ... اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ‘‘۔

(۳۹) رُکوع کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہودیوں کی نماز میں رُکوع نہیں ہوتا تھا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟ ﴿۴۴﴾

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر اُن لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں ﴿۴۵﴾ جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۴۶﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۴۷﴾ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ لیا جائے گا، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی ﴿۴۸﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ (۴۰) اور اس ساری صورتِ حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا ﴿۴۹﴾

(۴۰) فرعون مصر کا بادشاہ تھا جہاں بنی اسرائیل بڑی تعداد میں آباد تھے، اور فرعون کی غلامی میں دن گذار

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ ڈالا تھا، چنانچہ تم سب کو بچالیا تھا اور فرعون کے لوگوں کو (سمندر میں) غرق کرڈالا تھا،[41] اور تم یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے ﴿۵۰﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا تھا، پھر تم نے ان کے پیچھے (اپنی جانوں پر) ظلم کرکے بچھڑے کو معبود بنالیا[42] ﴿۵۱﴾ پھر اس سب کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کردیا تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور حق و باطل میں تمیز کا معیار (بخشا) تاکہ تم راہِ راست پر آؤ ﴿۵۳﴾

رہے تھے۔ فرعون کے سامنے کسی نجومی نے یہ پیشینگوئی کردی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اس کی بادشاہی کا خاتمہ کردے گا۔ یہ سن کر اس نے یہ حکم دے دیا کہ اسرائیلیوں میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اسے قتل کردیا جائے، البتہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ ان سے خدمت لی جاسکے۔ اس طرح بہت سے نوزائیدہ بچے قتل کئے گئے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی سال پیدا ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کا مفصل واقعہ سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں خود قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

(۴۱) اس کا واقعہ بھی مذکورہ بالا دو سورتوں میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

(۴۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کوہِ طور پر آکر چالیس دن اِعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سامری جادوگر نے ایک گائے کا بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اسے اپنا معبود قرار دینے اور اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کرلیا، اور اس طرح وہ شرک میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا کر واپس تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ اس توبہ کا ایک حصہ یہ تھا کہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ’’اے میری قوم! حقیقت میں تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہٰذا اب اپنے خالق سے توبہ کرو، اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔‘‘ اس طرح اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔ بیشک وہی ہے جو اِتنا معاف کرنے والا، اِتنا رحم کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ اور جب تم نے کہا تھا: ’’اے موسیٰ! ہم اُس وقت تک ہرگز تمہارا یقین نہیں کریں گے جب تک اللہ کو ہم خود کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں‘‘ نتیجہ یہ ہوا کہ کڑکے نے تمہیں اس طرح آ پکڑا کہ تم دیکھتے رہ گئے ﴿۵۵﴾ پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد دوسری زندگی دی تاکہ تم شکر گذار بنو۔ (۴۳) ﴿۵۶﴾

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس شرک میں ملوّث نہیں ہوئے تھے وہ ملوّث ہونے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد قتل کی گئی، اور اس طرح ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ واقعات اِن شاء اللہ تفصیل سے سورۂ اَعراف اور سورۂ طٰہٰ میں آئیں گے۔

(۴۳) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تورات لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ واقعی اللہ نے ہمیں اس کتاب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ شروع میں ان پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب فرما کر تورات پر عمل کا حکم دیا، مگر وہ کہنے لگے کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے ہمیں یقین نہ آئے گا۔ اُن کے اس گستاخانہ طرزِ عمل پر ایک بجلی کے کڑکے نے انہیں آگھیرا اور وہ بعض روایات کے مطابق مرگئے، اور بعض کے مطابق بے ہوش ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔ اس واقعے کی تفصیل بھی اِن شاء اللہ سورۂ اَعراف میں آئے گی۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا (اور کہا کہ:) ''جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں بخشا ہے (شوق سے) کھاؤ۔ (۴۴)'' اور (یہ نافرمانیاں کرکے) انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے رہے ﴿۵۷﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: ''اِس بستی میں داخل ہوجاؤ اور اِس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، (اس طرح) ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔'' ﴿۵۸﴾

(۴۴) جیسا کہ سورۂ مائدہ میں آئے گا، بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کردیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں اُن کا ذکر ہورہا ہے۔ صحرا میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو دُھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحرا میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے غیب سے من وسلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔ بعض روایات کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کردی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد بٹیریں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، اور کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو وہ بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل نے ان تمام نعمتوں کی بُری طرح ناقدری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

ع ۶ ۱۳

مگر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، ظالموں نے اُسے بدل کر ایک اور بات بنالی۔[۴۵] نتیجہ یہ کہ جو نافرمانیاں وہ کرتے آرہے تھے ہم نے اُن کی سزا میں اِن ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا ﴿۵۹﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: ''اپنی لاٹھی پتھر پر مارو'' چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔[۴۶] ہر ایک قبیلے نے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کرلی۔ (ہم نے کہا:) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرنا ﴿۶۰﴾

---

(۴۵) اسی صحرا میں رہتے ہوئے جب مدّت گذر گئی اور بنی اسرائیل من وسلویٰ سے بھی اُکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گذارہ نہیں کرسکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ آگے آیت ٦١ میں آرہا ہے۔ اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔ لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے انہیں جو اَلفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: ''حِطّة'' (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل کر جس لفظ کے نعرے لگائے وہ تھا: ''حِنطة'' یعنی گندم!

(۴۶) یہ واقعہ بھی اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل میدانِ تیہ (صحرائے سینا) میں محصور تھے، وہاں پانی کا کوئی

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۠﴿۶۱﴾ ع

اور (وہ وقت بھی) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہماری خاطر اپنے پروردگار سے مانگئے کہ وہ ہمارے لئے کچھ وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اُگایا کرتی ہے، یعنی زمین کی ترکاریاں، اس کی ککڑیاں، اس کا گندم، اس کی دالیں اور اس کی پیاز۔ موسیٰ نے کہا: "جو (غذا) بہتر تھی کیا تم اُس کو ایسی چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو جو گھٹیا درجے کی ہیں؟ (خیر!) ایک شہر میں جا اُترو، تو وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں۔"(۴۷) اور ان (یہودیوں) پر ذِلت اور بیکسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا، اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا اِنکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ بیحد زیادتیاں کرتے تھے ﴿۶۱﴾

چشمہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معجزے کے طور پر پتھر سے بارہ چشمے پیدا فرما دیئے۔ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، ہر بیٹے کی اولاد ایک مستقل قبیلہ بن گئی، اور اس طرح بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں تقسیم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے کے لئے الگ چشمہ جاری فرما دیا تاکہ کوئی اُلجھن پیش نہ آئے۔

(۴۷) یہ وہی واقعہ ہے جو اُوپر حاشیہ نمبر ۴۵ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔[(۴۸)] ﴿۶۲﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا تھا، اور کوہِ طور کو تمہارے اوپر اُٹھا کھڑا کیا تھا

---

(۴۸) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی نافرمانیوں کے تذکرے کے بیچ میں یہ آیت کریمہ بنی اسرائیل کے ایک باطل گھمنڈ کی تردید کے لئے آئی ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف اُنہی کی نسل اللہ کے منتخب اور لاڈلے بندوں پر مشتمل ہے۔ ان کے خاندان سے باہر کا کوئی آدمی اللہ کے اِنعامات کا مستحق نہیں ہے۔ (آج بھی یہودیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اسی لئے یہودی مذہب ایک نسل پرست مذہب ہے، اور اس نسل کے باہر کا کوئی شخص یہودی مذہب اختیار کرنا بھی چاہے تو یا اختیار کر ہی نہیں سکتا یا اُن حقوق کا مستحق نہیں ہوسکتا جو ایک نسلی یہودی کو حاصل ہیں)۔ اِس آیت نے واضح فرمایا کہ حق کسی ایک نسل میں محدود نہیں ہے۔ اصل اہمیت ایمان اور نیک عمل کو حاصل ہے، جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر اِیمان لانے اور عمل صالح کی بنیادی شرطیں پوری کردے گا، خواہ وہ پہلے کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو، اللہ کے نزدیک اجر کا مستحق ہوگا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے علاوہ عرب میں کچھ ستارہ پرست لوگ رہتے تھے جنہیں ''صابی'' کہا جاتا تھا، اس لئے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اللہ پر اِیمان لانے میں اس کے تمام رسولوں پر اِیمان لانا بھی داخل ہے، لہٰذا نجات پانے کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پیچھے آیت ۴۰-۴۱ میں اسی لئے تمام بنی اسرائیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید دیکھئے قرآنِ کریم کی آیات ۵:۶۵ تا ۶۸، ۷:۱۵۵ تا ۱۵۷۔

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

(کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامو،[49] اور اس میں جو کچھ (لکھا) ہے اُس کو یاد رکھو، تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو ﴿۶۳﴾ اس سب کے باوجود تم دوبارہ (راہِ راست سے) پھر گئے۔ چنانچہ اگر اللہ کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور سخت نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو جاتے ﴿۶۴﴾

اور تم اپنے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سنیچر (سبت) کے معاملے میں حد سے گذر گئے تھے، چنانچہ ہم نے اُن سے کہا تھا کہ تم دُھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ[50] ﴿۶۵﴾ پھر ہم نے اِس واقعے کو اُس زمانے کے اور اُس کے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت، اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کا سامان بنا دیا ﴿۶۶﴾

---

(۴۹) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ اس کے بعض اَحکام بہت سخت ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ پہلے تو اُنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کہے کہ تورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مطالبہ اگرچہ نامعقول تھا مگر اُن پر حجت تمام کرنے کے لئے اُن میں سے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہِ طور پر بھیجے گئے (جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ اَعراف ۷:۱۵۵ میں بیان فرمایا ہے) جن کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تورات پر عمل کا حکم دیا۔ مگر جب یہ واپس لوٹے تو اُنہوں نے اپنی قوم کے سامنے تصدیق تو کی کہ اللہ تعالیٰ نے تورات پر عمل کا حکم دیا ہے، لیکن ایک بات اپنی طرف سے بڑھا دی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جتنا تم سے ہو سکے

اُتنا عمل کر لینا، لیکن جو نہ ہو سکے وہ ہم معاف کر دیں گے، چنانچہ تورات کے جس حکم میں بھی اُنہیں کچھ مشکل نظر آتی وہ یہ بہانہ تراش لیتے کہ یہ حکم بھی اُسی چھوٹ میں داخل ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور ان کے سروں پر بلند کر دیا کہ تورات کے تمام اَحکام کو تسلیم کرو، جب انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں پہاڑ اُن پر گرا نہ دیا جائے، تب ان لوگوں نے تورات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ کوہِ طور کو ان کے سروں پر بلند کرنے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا ہو، جیسا کہ حافظ ابنِ جریر رحمہ اللہ نے متعدّد تابعین سے نقل کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بھی بعید نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ایسی صورت پیدا فرما دی گئی ہو کہ ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوا ہو کہ پہاڑ اُن پر آگرے گا، مثلاً کوئی زلزلہ آگیا ہو جس سے انہیں ایسا لگا کہ پہاڑ گرنے والا ہے۔ چنانچہ سورۂ اَعراف (آیت ۱۷۱) میں اس واقعے کے بارے میں الفاظ یہ ہیں: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۔ اس میں لفظ "نتق" استعمال ہوا ہے جس کے معنی لغت میں زور زور سے ہلانے کے آتے ہیں۔ (دیکھئے: قاموس اور مفردات القرآن) لہٰذا آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ''جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اُوپر زور سے اس طرح ہلایا کہ ان کو یہ گمان ہوا کہ وہ ان پر گر پڑے گا'' یہاں یہ بات واضح رہے کہ کسی شخص کو اِیمان قبول کرنے پر تو زبردستی مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن جب ایک شخص ایمان لے آئے تو اسے نافرمانی پر سزا بھی دی جاسکتی ہے اور ڈرا دھمکا کر حکم ماننے پر آمادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ ایمان پہلے ہی لاچکے تھے اس لئے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرا کر فرمانبرداری پر آمادہ کیا گیا۔

(۵۰) سنیچر کو عربی اور عبرانی زبان میں ''سبت'' کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً حضرت داوٗد علیہ السلام کے زمانے میں) کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورۂ اَعراف (۷: ۱۶۳-۱۶۶) میں آنے والی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟(۵۱) موسیٰ نے کہا: میں اِس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں (جو مذاق میں جھوٹ بولیں) ﴿۶۷﴾ انہوں نے کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رَبّ سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اس نے کہا: ''اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بہت بوڑھی ہو نہ بالکل بچی، (بلکہ) ان دونوں کے بیچ بیچ میں ہو۔ بس اب جو حکم تمہیں دیا گیا ہے اس پر عمل کرلو'' ﴿۶۸﴾ کہنے لگے: آپ ہماری خاطر اپنے رَبّ سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: ''اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کا دِل خوش کردے'' ﴿۶۹﴾ اُنہوں نے (پھر) کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رَبّ سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اِس گائے نے تو ہمیں شبہے میں ڈال دیا ہے۔ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کا پتہ لگالیں گے ﴿۷۰﴾

---

(۵۱) جیسا کہ نیچے آیت ۷۲ میں آرہا ہے، یہ حکم ایک مقتول کا قاتل دریافت کرنے کے لئے دیا گیا تھا اس لئے بنی اسرائیل نے اس کو مذاق سمجھا کہ گائے ذبح کرنے سے قاتل کیسے معلوم ہوگا؟

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِى الۡحَـرۡثَ‌ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيۡهَا ‌ؕ قَالُوا الۡـــٰٔنَ جِئۡتَ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِيۡهَا ‌ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ‌ۚ ﴿۷۲﴾ فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ بِبَعۡضِهَا ‌ؕ كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى ۙ وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۳﴾

موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو کام میں جت کر زمین نہ گاہتی ہو، اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، پوری طرح صحیح سالم ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں! اب آپ ٹھیک ٹھیک پتہ لے کر آئے۔ اس کے بعد انہوں نے اُسے ذبح کیا، جبکہ لگتا نہیں تھا کہ وہ کر پائیں گے (۵۲) ﴿۷۱﴾ اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اور اُس کے بعد اُس کا اِلزام ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، اور اللہ کو وہ راز نکال باہر کرنا تھا جو تم چھپائے ہوئے تھے ﴿۷۲﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ اس (مقتول) کو اس (گائے) کے ایک حصے سے مارو۔ (۵۳) اِسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور تمہیں (اپنی قدرت کی) نشانیاں دِکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ﴿۷۳﴾

---

(۵۲) مطلب یہ ہے کہ شروع میں جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا تو کسی خاص قسم کی گائے نہیں بتائی گئی تھی، چنانچہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پورا ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے خواہ مخواہ کھود کرید شروع کر دی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی نت نئی شرطیں عائد فرمائیں، اور ایسی گائے تلاش کرنا مشکل ہو گیا جو ان شرطوں کو پورا کرتی ہو۔ یہاں تک کہ ایک مرحلے پر ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید وہ ایسی گائے تلاش کر کے ذبح کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اس واقعے میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ بلاوجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے۔

(۵۳) اس واقعے کی تفصیل تاریخی روایات میں یہ آئی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے ایک بھائی کو اس کی میراث حاصل کرنے کی خاطر قتل کیا اور اس کی لاش سڑک پر ڈال دی، پھر خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا کہ قاتل کو پکڑ کر سزا دی جائے۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں گائے ذبح کرنے کو کہا جس کا واقعہ اُوپر گذرا۔ جب گائے ذبح ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ گائے کا

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اس سب کے بعد تمہارے دِل پھر سخت ہوگئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہوگئے جیسے پتھر! بلکہ سختی میں کچھ اُن سے بھی زیادہ۔ (کیونکہ) پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ بہتی ہیں، اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور انہی میں وہ (پتھر) بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں۔[۵۴] اور (اس کے برخلاف) جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۷۴﴾

کوئی عضو اُٹھا کر مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہوکر قاتل کا نام بتادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس طرح قاتل کا پول کھل گیا، اور وہ پکڑا گیا۔ قاتل کی دریافت کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ قاتل کو کوئی بہانہ بنانے کا ہر راستہ بند ہوگیا، اور دوسرا فائدہ یہ کہ مردوں کو زندہ کرنے کی خدائی طاقت کا عملی مظاہرہ کرکے ان لوگوں کی زبانیں بند کردی گئیں جو دوسری زندگی کو ناممکن سمجھتے تھے۔ غالباً اس واقعے کے بعد ہی بنی اسرائیل میں یہ طریقہ جاری ہوا کہ جب کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل رہا ہو تو ایک گائے ذبح کرکے اس پر اپنے ہاتھ دھوئیں اور قسم کھائیں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا، جس کا ذکر بائبل کی کتاب استثناء ۲۱-۱ تا ۸ میں آیا ہے۔

(۵۴) یعنی بعض مرتبہ تو پتھروں سے چشمے نکل آتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل خود دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک سنگلاخ چٹان سے پانی کے چشمے بہہ پڑے تھے، (دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۶۰) اور بعض اوقات بھاری مقدار میں تو پانی نہیں نکلتا، مگر پتھر شق ہوکر تھوڑا بہت پانی نکال دیتا ہے، اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے لڑھک بھی پڑتے ہیں، مگر ان کے دِل ایسے سخت ہیں کہ ذرا نہیں پسیجتے۔ کسی زمانے میں یہ بات کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ پتھر جیسی بے جان چیز میں خوف کا کیا تصوّر ہوسکتا ہے؟ لیکن قرآنِ کریم نے کئی جگہوں پر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ جن چیزوں کو ہم بظاہر بے جان یا بے شعور سمجھتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ شعور موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) اور سورۂ اَحزاب (۳۳: ۷۲) لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ کچھ پتھر اللہ کے خوف سے

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡٓا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾

(مسلمانو!) کیا اب بھی تمہیں یہ لالچ ہے کہ یہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے، پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی جانتے بوجھتے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے ﴿۷۵﴾ اور جب یہ لوگ ان (مسلمانوں) سے ملتے ہیں جو پہلے ایمان لا چکے ہیں تو (زبان سے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جاتے ہیں تو (آپس میں ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ''کیا تم اِن (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ یہ (مسلمان) تمہارے پروردگار کے پاس جا کر انہیں تمہارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں[55]؟ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں؟'' ﴿۷۶﴾

لڑھک جاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ آج تو سائنس بھی رفتہ رفتہ اس نتیجے پر پہنچ رہی ہے کہ جمادات میں بھی نمو اور شعور کی کچھ نہ کچھ صلاحیت موجود ہے۔

(۵۵) تورات میں آخر زمانے میں آنے والے نبی کی جو پیشینگوئیاں موجود تھیں وہ تمام تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی تھیں، بعض منافق یہودی جو مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ پیشینگوئیاں مسلمانوں کو سنا دیتے تھے، اس پر دوسرے یہودی تنہائی میں ان کو ملامت کرتے تھے کہ مسلمان ان پیشینگوئیوں کو جان لیں گے تو قیامت میں ہمارے خلاف استعمال کریں گے اور ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے وقوفی کی بات تھی، کیونکہ اگر مسلمانوں سے یہ پیشینگوئیاں چھپا بھی لی جائیں تو اللہ سے تو نہیں چھپ سکتیں۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کیا یہ لوگ (جو ایسی باتیں کرتے ہیں) یہ نہیں جانتے کہ اللہ کو اُن ساری باتوں کا خوب علم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں؟ ﴿۷۷﴾ اور اِن میں سے کچھ لوگ اَن پڑھ ہیں جو کتاب (تورات) کا علم تو رکھتے نہیں، البتہ کچھ آرزوئیں پکائے بیٹھے ہیں، اور اُن کا کام بس یہ ہے کہ وہم و گمان باندھتے رہتے ہیں ﴿۷۸﴾ لہٰذا تباہی ہے اُن لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی آمدنی کمالیں۔(۵۶) پس تباہی ہے ان لوگوں پر اُس تحریر کی وجہ سے بھی جو ان کے ہاتھوں نے لکھی، اور تباہی ہے اُن پر اُس آمدنی کی وجہ سے بھی جو وہ کماتے ہیں ﴿۷۹﴾

اور یہودیوں نے کہا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے علاوہ آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ آپ اُن سے کہئے کہ کیا تم نے اللہ کی طرف سے کوئی عہد لے رکھا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، یا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کچھ پتہ نہیں؟ ﴿۸۰﴾

---

(۵۶) یہاں قرآنِ کریم نے ترتیب یہ رکھی ہے کہ پہلے ان یہودی علماء کا ذکر فرمایا ہے جو تورات میں جان بوجھ کر رَدّ و بدل کرتے تھے، پھر اُن اَن پڑھ یہودیوں کا جنہیں تورات کا علم تو تھا نہیں، مگر انہیں مذکورہ بالا علماء نے اِن جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کر رکھا تھا کہ سارے یہودی اللہ کے لاڈلے ہیں، اور وہ بہرصورت جنت میں

بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

(آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی ہے[(۵۷)] تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۱﴾ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، تو وہ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۲﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: ''تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروگے، اور والدین سے اچھا سلوک کروگے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔ اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔'' (مگر) پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی سب (اس عہد سے) منہ موڑ کر پھر گئے ﴿۸۳﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا عہد لیا تھا کہ: ''تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے، اور اپنے آدمیوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکالو گے'' پھر تم نے اقرار کیا تھا، اور تم خود اس کے گواہ ہو ﴿۸۴﴾

جائیں گے۔ ان کا سارا علم اسی قسم کے گمانوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ ان کے اس گمان کی بنیادی وجہ علماء کی تحریفات تھیں اس لئے آیت ۸۶ میں ان کی تباہی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۵۷) بدی کے گھیرے میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کریں جس کے بعد کوئی نیک عمل آخرت میں کارآمد نہ ہو، اور وہ گناہ کفر اور شرک ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

اس کے بعد (آج) تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو، اور اُن کے خلاف گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کر کے (ان کے دُشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ (دُشمنوں کے) قیدی بن کر تمہارے پاس آجاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھر سے) نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا۔(۵۸) تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو اِیمان رکھتے ہو اور کچھ کا اِنکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اُس کی سزا اِس کے سوا کیا ہے کہ دُنیوی زندگی میں اُس کی رُسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے ﴿۸۵﴾

---

(۵۸) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منوّرہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنوقریظہ اور بنونضیر۔ دوسری طرف بُت پرستوں کے بھی دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ قریظہ کی دوستی اوس قبیلے سے تھی، اور بنونضیر کی خزرج سے۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے، اور بنونضیر خزرج کا۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں کے دونوں قبیلے بالواسطہ ایک دوسرے کے مدِ مقابل آجاتے اور ان لڑائیوں میں جہاں اوس اور خزرج کے آدمی مارے جاتے وہاں قریظہ اور نضیر کے یہودی بھی قتل ہوتے، یا اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوتے۔ اس طرح اگرچہ بنوقریظہ اور بنونضیر دونوں قبیلے یہودی تھے، مگر وہ ایک دوسرے کے دُشمنوں کی امداد کر کے آپس میں ایک دوسرے کے قتل اور خانماں بربادی میں حصہ دار ہوتے تھے۔ ہاں اگر کوئی یہودی دُشمن کے ہاتھوں قید ہو جاتا تو وہ سب مل کر اس کا فدیہ ادا کرتے اور اسے چھڑا لیتے جس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی یہودی دُشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جس تورات نے یہ حکم دیا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دُنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، لہٰذا نہ اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اُن کی مدد کی جائیگی ﴿۸۶﴾ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔[۵۹] پھر یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی بات لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہشات کو پسند نہیں تھی تو تم اکڑ گئے؟ چنانچہ بعض (انبیاء) کو تم نے جھٹلایا، اور بعض کو قتل کرتے رہے ﴿۸۷﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''ہمارے دِل غلاف میں ہیں''۔[۶۰] نہیں! بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ﴿۸۸﴾

ہے اسی نے یہ حکم بھی تو دیا تھا کہ نہ ایک دوسرے کو قتل کرنا، نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالنا۔ ان اَحکام کو تو تم نے چھوڑ دیا اور صرف فدیہ کے حکم پر عمل کرلیا۔

(۵۹) ''روح القدس'' کے لفظی معنیٰ ہیں: مقدس روح، اور قرآنِ کریم میں یہ لقب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، (دیکھئے: سورۂ نحل ۱۶: ۱۰۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ تائید حاصل تھی کہ وہ ان کے دُشمنوں سے ان کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ رہتے تھے۔

(۶۰) ان کے اس جملے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی شیخی بگھارتے تھے کہ ہمارے دِلوں پر ایک حفاظتی غلاف ہے جس کی وجہ سے کوئی غلط بات ہمارے دِلوں میں گھر نہیں کرسکتی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوس کرنے کے لئے طنزاً یہ کہتے تھے کہ آپ تو بس یہ سمجھ لو کہ ہمارے دِلوں پر غلاف

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۫ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾ بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اُس (تورات) کی تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے اِن کے پاس ہے، (تو ان کا طرزِ عمل دیکھو!) باوجودیکہ یہ خود شروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے،(۶۱) مگر جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا، تو اس کا انکار کر بیٹھے۔ پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر! ﴿۸۹﴾

بُری ہے وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے، کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کا صرف اس جلن کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ اپنے فضل کا کوئی حصہ (یعنی وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہ رہا ہے (کیوں) اُتار رہا ہے؟ چنانچہ یہ (اپنی اس جلن کی وجہ سے) غضب بالائے غضب لے کر لوٹے ہیں۔(۶۲) اور کافر لوگ ذِلت آمیز سزا کے مستحق ہیں۔ ﴿۹۰﴾

چڑھا ہوا ہے، اور ہمیں اسلام کی دعوت دینے کی فکر میں نہ پڑو۔

(۶۱) جب یہودیوں کی بت پرستوں سے جنگ ہوتی یا بحث ومباحثہ ہوتا تو وہ یہ دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے تورات میں جس آخری نبی کی خبر دی ہے اسے جلدی بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر بت پرستوں پر فتح حاصل کریں۔ مگر جب وہ نبی (حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے تو وہ اس حسد میں مبتلا ہو گئے کہ انہیں بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں بھیجا گیا؟ چنانچہ یہ جان لینے کے باوجود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ ساری علامتیں صادق آتی ہیں جو تورات میں نبی آخر الزمان کی بیان کی گئی ہیں انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

(۶۲) یعنی ایک غضب کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی وجہ سے تھے، دوسرا غضب ان پر حسد اور ضد کی وجہ سے ہوا۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۹۱ وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝۹۲ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا ‌ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ‌ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۹۳

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام اُتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (صرف) اُسی کلام پر ایمان رکھیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا، (یعنی تورات) اور وہ اس کے سوا (دوسری آسمانی کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی حق ہیں، (اور) جو کتاب اِن کے پاس ہے وہ اُس کی تصدیق بھی کرتی ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو کہ اگر تم واقعی (تورات پر) ایمان رکھتے تھے تو اللہ کے نبیوں کو پہلے زمانے میں کیوں قتل کرتے رہے؟ ﴿۹۱﴾ اور خود موسیٰ تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے ان کے پیٹھ پیچھے یہ ستم ڈھایا کہ گائے کے بچھڑے کو معبود بنالیا ﴿۹۲﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اُوپر طور کو بلند کردیا (اور یہ کہا کہ) ''جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھامو[۶۳] اور (جو کچھ کہا جائے اسے ہوش سے) سنو۔'' کہنے لگے: ''ہم نے (پہلے بھی) سن لیا تھا، مگر عمل نہیں کیا تھا (اب بھی ایسا ہی کریں گے)'' اور (دراصل) اُن کے کفر کی نحوست سے اُن کے دِلوں میں بچھڑا بسا ہوا تھا۔ آپ (اُن سے) کہئے کہ اگر تم مؤمن ہو تو کتنی بُری ہیں وہ باتیں جو تمہارا ایمان تمہیں تلقین کر رہا ہے! ﴿۹۳﴾

(۶۳) اس واقعے کی تفصیل اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۶۳ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے، اور بچھڑے کا واقعہ آیت ۵۱ کے تحت۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ع قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

معانقة ٢

آپ (اُن سے) کہئے کہ: "اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے (جیسا کہ تمہارا کہنا ہے) تو موت کی تمنا تو کر کے دِکھاؤ، اگر واقعی سچے ہو" ﴿٩٤﴾ اور (ہم بتائے دیتے ہیں کہ) انہوں نے اپنے جو کرتوت آگے بھیج رکھے ہیں، ان کی وجہ سے یہ کبھی ایسی تمنا نہیں کریں گے۔(٦٤) اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿٩٥﴾

(بلکہ) یقیناً تم اِن لوگوں کو پاؤ گے کہ انہیں زندہ رہنے کی حرص دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ ہے، یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال عمر پائے، حالانکہ کسی کا بڑی عمر پا لینا اسے عذاب سے دُور نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو عمل بھی کرتے ہیں اللہ اسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿٩٦﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ اگر کوئی شخص جبرئیل کا دُشمن ہے(٦٥) تو (ہوا کرے) انہوں نے تو یہ کلام اللہ کی اجازت سے تمہارے دِل پر اُتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کر رہا ہے، اور ایمان والوں کے لئے مجسم ہدایت اور خوشخبری ہے ﴿٩٧﴾

(٦٤) یہ بھی قرآنِ کریم کی طرف سے ایک چیلنج تھا جسے قبول کر لینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ وہ بآسانی کم از کم زبان سے علی الاعلان موت کی تمنا کر کے دِکھا سکتے تھے، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خدائی چیلنج ہے، اس لئے ایسی تمنا کا اظہار انہیں فوراً قبر میں پہنچا دے گا، اس لئے کسی نے ایسی جراٴت نہیں کی۔

(٦٥) بعض یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۹۸ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝۹۹ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۰ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱

اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا، اور جبرئیل اور میکائیل کا دُشمن ہے تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا دُشمن ہے ﴿۹۸﴾ اور بیشک ہم نے آپ پر ایسی آیتیں اُتاری ہیں جو حق کو آشکار کرنے والی ہیں، اور اُن کا اِنکار وہی لوگ کرتے ہیں جو نافرمان ہیں ﴿۹۹﴾ یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ ان لوگوں نے جب کوئی عہد کیا، ان کے ایک گروہ نے اسے ہمیشہ توڑ پھینکا؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لاتے ہی نہیں ﴿۱۰۰﴾ اور جب اِن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آئے جو اُس (تورات) کی تصدیق کر رہے تھے جو اِن کے پاس ہے، تو اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات و اِنجیل) کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نہ تھے (کہ اس میں نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہدایات دی گئی تھیں) ﴿۱۰۱﴾

وہ چونکہ ہمارے لئے بڑے سخت اَحکام لایا کرتے تھے اس لئے ہم انہیں اپنا دُشمن سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لارہا ہوتا تو ہم کچھ غور کرسکتے تھے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تو محض پیغام پہنچانے والے ہیں، جو کچھ لاتے ہیں اللہ کے حکم سے لاتے ہیں۔ لہٰذا نہ ان سے دُشمنی کی کوئی معقول وجہ ہے اور نہ اس کی وجہ سے اللہ کے کلام کو رَدّ کرنے کے کوئی معنیٰ ہیں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۲

اور یہ (بنی اسرائیل) اُن (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا تھا، البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے۔[66] نیز (یہ بنی اسرائیل) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔[67] یہ دو فرشتے کسی کو اس وقت تک کوئی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیں کہ: ''ہم محض آزمائش کے لئے (بھیجے گئے) ہیں، لہٰذا تم (جادو کے پیچھے لگ کر) کفر اختیار نہ کرنا۔'' پھر بھی یہ لوگ اُن سے وہ چیزیں سیکھتے تھے جس کے ذریعے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا کردیں۔ (ویسے یہ واضح رہے کہ) وہ اس کے ذریعے کسی کو اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔[68] (مگر) وہ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کے لئے نقصان دہ تھیں، اور فائدہ مند نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص اِن چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بُری تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اِس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔[69] ﴿۱۰۲﴾

(۶۶) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ایک اور بدعملی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ جادو ٹونے

کے پیچھے لگنا شرعاً ناجائز تھا، بالخصوص اگر جادو میں شرکیہ کلمات منتر کے طور پر پڑھے جائیں تو ایسا جادو کفر کے مرادف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ شیاطین نے، جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہو سکتے ہیں، بعض یہودیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا سارا راز جادو میں مضمر ہے، اور اگر تم جادو سیکھ لو گے تو تمہیں بھی حیرت انگیز اقتدار نصیب ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ جادو سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے میں لگ گئے، حالانکہ جادو پر عمل کرنا نہ صرف ناجائز تھا، بلکہ اس کی بعض قسمیں کفر تک پہنچتی تھیں۔
دوسرا غضب یہودیوں نے یہ کیا کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر قرار دے کر ان کے بارے میں یہ مشہور کردیا کہ انہوں نے آخری عمر میں بتوں کو پوجنا شروع کردیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ جھوٹی داستانیں انہوں نے اپنی مقدس کتابوں میں شامل کردیں جو آج تک بائبل میں درج چلی آتی ہیں۔ چنانچہ بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۱-۱ تا ۲۱ میں ان کے معاذ اللہ مرتد ہونے کا بیان آج بھی موجود ہے۔ قرآنِ کریم نے اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس ناپاک بہتان کی تردید فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جن لوگوں نے قرآنِ کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہے، وہ کتنا غلط الزام ہے۔ یہاں قرآنِ کریم صریح الفاظ میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی تردید کررہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ یہ خود معلوم کرسکتے کہ یہودیوں کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس بات کا علم آپ کو وحی کے سوا کسی اور راستے سے نہیں ہوسکتا تھا۔ لہٰذا یہ آیت بذاتِ خود آپ کے صاحبِ وحی رسول ہونے کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ بتلایا کہ یہودیوں کی کتابوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا بہتان لگایا گیا ہے، بلکہ اس قدر جم کر اس کی تردید فرمائی ہے۔
(۶۷) بابل عراق کا مشہور شہر تھا۔ ایک زمانے میں وہاں جادو کا بڑا چرچا ہوگیا تھا، اور یہودی بھی اس ناجائز کام میں بُری طرح ملوّث ہوگئے تھے۔ انبیائے کرام اور دوسرے نیک لوگ انہیں جادو سے منع کرتے تو وہ بات نہ مانتے تھے۔ اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ لوگوں نے جادوگروں کے شعبدوں کو معجزے سمجھ کر انہیں اپنا دِینی مقتدا بنالیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا دُنیا میں انسانی شکل میں بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کریں، اور یہ بتائیں کہ خدائی معجزات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معجزہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس میں کسی ظاہری سبب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جادو کے ذریعے جو کوئی شعبدہ دِکھایا جاتا ہے وہ اسی عالمِ اسباب کا ایک حصہ ہے۔ یہ بات واضح کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کے مختلف طریقے بھی بتانے پڑتے تھے تاکہ یہ دِکھایا جاسکے کہ کس طرح وہ سبب اور مسبب کے رشتے سے منسلک ہیں، لیکن جب وہ ان طریقوں کی تشریح کرتے تو ساتھ ساتھ لوگوں کو متنبہ بھی کردیتے تھے کہ

یاد رکھو! یہ طریقے ہم اس لئے نہیں بتا رہے ہیں کہ تم ان پر عمل شروع کردو، بلکہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ تم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو، اور تم جادو سے پرہیز کرو۔ اس لحاظ سے ہمارا وجود تمہارے لئے ایک امتحان ہے کہ ہماری باتوں کو سمجھ کر تم جادو سے پرہیز کرتے ہو یا ہم سے جادو کے طریقے سیکھ کر ان پر عمل شروع کردیتے ہو۔ یہ کام انبیاء کے بجائے فرشتوں سے بظاہر اس بنا پر لیا گیا کہ جادو کے فارمولے بتانا، خواہ وہ صحیح مقصد سے کیوں نہ ہو، انبیائے کرام کو زیب نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس فرشتے چونکہ غیر مکلف ہوتے ہیں، اس لئے ان سے بہت سے تکوینی کام لئے جاسکتے ہیں۔ بہرحال! نافرمان لوگوں نے ان فرشتوں کی طرف سے کہی ہوئی باتوں کو تو نظر انداز کردیا، اور ان کے بتائے ہوئے فارمولوں کو جادو کرنے میں استعمال کیا اور وہ بھی ایسے گھناؤنے مقاصد کے لئے جو ویسے بھی حرام تھے، مثلاً میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر نوبت طلاق تک پہنچا دینا۔

(۶۸) یہاں سے جملۂ معترضہ کے طور پر ایک اور اُصولی غلطی پر متنبہ کیا جارہا ہے، اور وہ یہ کہ جادو پر ایمان رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ جادو میں بذاتِ خود ایسی تاثیر موجود ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ خود بخود اللہ کے حکم کے بغیر بھی برآمد ہوجاتا ہے، گویا اللہ چاہے یا نہ چاہے، وہ نتیجہ پیدا ہوکر رہے گا۔ یہ عقیدہ بذاتِ خود کفر تھا۔ اس لئے یہ واضح کردیا گیا کہ دُنیا کے دوسرے اسباب کی طرح جادو بھی محض ایک سبب ہے اور دُنیا میں کوئی سبب بھی اپنا مسبّب یا نتیجہ اس وقت تک ظاہر نہیں کرسکتا جب تک اللہ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ کائنات کی کسی چیز میں بذاتِ خود نہ کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ لہٰذا اگر کوئی ظالم کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ اللہ کی قدرت اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ البتہ چونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے اس لئے یہاں اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کوئی گناہ کرنا چاہتا ہے یا کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ تکوینی مصلحت کے مطابق سمجھتا ہے تو اپنی مشیت سے وہ کام کرادیتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں ظالم کو گناہ اور مظلوم کو ثواب ملتا ہے، ورنہ اگر اللہ اسے اس کام کی قدرت ہی نہ دے تو امتحان کیسے ہو؟ لہٰذا جتنے گناہ کے کام دُنیا میں ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی رضامندی ان کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضامندی میں فرق یہی ہے کہ مشیت اچھے بُرے ہر کام سے متعلق ہوسکتی ہے، مگر رضامندی صرف جائز اور ثواب کے کاموں سے مخصوص ہے۔

(۶۹) اس آیت کے شروع میں تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جو مشرکانہ جادو کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، لیکن آیت کے آخری حصے میں فرمایا ہے کہ ''کاش وہ علم رکھتے''، جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔ بظاہر دونوں باتیں متضاد لگتی ہیں، لیکن درحقیقت اس اندازِ بیان سے یہ عظیم

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

اور (اِس کے برعکس) اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے ملنے والا ثواب یقیناً کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ کاش کہ اُن کو (اِس بات کا بھی حقیقی) علم ہوتا ﴿۱۰۳﴾
ایمان والو! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر) "رَاعِنَا" نہ کہا کرو، اور "اُنْظُرْنَا" کہہ دیا کرو۔ (۷۰) اور سنا کرو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۰۴﴾ کافر لوگ، خواہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی تم پر نازل ہو، حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرمالیتا ہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۱۰۵﴾

سبق دیا گیا ہے کہ نرا علم جس پر عمل نہ ہو حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ وہ کالعدم ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ بات جانتے تو ہیں مگر ان کا عمل اس کے برخلاف ہے تو وہ علم کس کام کا؟ کاش کہ وہ حقیقی علم رکھتے تو اس پر ان کا عمل بھی ہوتا۔

(۷۰) مدینہ میں رہنے والے بعض یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ سے کہتے تھے: رَاعِنَا۔ عربی میں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "ہماری رعایت فرمایئے" اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا اور اس میں گستاخی کے کوئی معنیٰ نہیں تھے۔ لیکن عبرانی زبان میں جو یہودیوں کی مذہبی زبان تھی، اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بددُعا اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا، نیز اگر اسی لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو وہ رَاعِینَا بن جاتا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں: "ہمارے چرواہے!" غرض یہودیوں کی اصل نیت اس لفظ کو خراب معنیٰ

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔[71] کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟ ﴿۱۰۶﴾ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اُسی کی ہے، اور اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا رکھوالا ہے نہ مددگار؟ ﴿۱۰۷﴾

میں استعمال کرنے کی تھی، لیکن چونکہ عربی میں بظاہر اس کا مطلب ٹھیک تھا، اس لئے بعض مخلص مسلمانوں نے بھی یہ لفظ بولنا شروع کر دیا۔ یہودی اس بات سے بڑے خوش ہوتے اور اندر اندر مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اس لئے اس آیت نے مسلمانوں کو اس شرارت پر متنبہ بھی کر دیا، آئندہ اس لفظ کے استعمال پر پابندی بھی لگا دی اور یہ سبق بھی دے دیا کہ ایسے الفاظ کا استعمال مناسب نہیں ہے جن میں کسی غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا ان سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو۔ نیز اگلی آیت میں اس سارے عناد کی اصل وجہ بھی بتا دی کہ درحقیقت ان کو یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّت کی نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں عطا فرما دی ہے۔ رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کا لفظ سکھا دیا کیونکہ اس کے معنی ہیں "ہم پر (شفقت کی) نظر فرمائیے" اس میں کسی اور معنی کا اِحتمال نہیں۔

(۷۱) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی اَحکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگرچہ دِین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں، لیکن جو عملی اَحکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں نبوّت عطا ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَحکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، جیسا کہ قبلے کے تعین میں اَحکام بدلے گئے جن کی کچھ تفصیل آگے آیت ۱۱۵ میں آ رہی ہے۔ فروعی اَحکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَ اصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱۰﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اُسی قسم کے سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں؟(۷۲) اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا ﴿۱۰۸﴾ (مسلمانو!) بہت سے اہلِ کتاب اپنے دِلوں کے حسد کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنا دیں، باوجودیکہ حق اُن پر واضح ہو چکا ہے۔ چنانچہ تم معاف کرو اور درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا فیصلہ بھیج دے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور (یاد رکھو کہ) جو بھلائی کا عمل بھی تم خود اپنے فائدے کے لئے آگے بھیج دو گے اُس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بیشک جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۰﴾

یہودیوں نے بالخصوص اور دوسرے کافروں نے بالعموم اس پر یہ اعتراض اُٹھایا کہ اگر یہ سارے اَحکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان میں یہ تبدیلیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ یہ آیتِ کریمہ اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بدلتے ہوئے حالات میں یہ تبدیلیاں کرتے ہیں، اور جو حکم بھی منسوخ کیا جاتا ہے اس کی جگہ ایسا حکم لایا جاتا ہے جو بدلے ہوئے حالات میں زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے، یا کم از کم اتنا ہی بہتر ہوتا ہے جتنا بہتر پہلا حکم تھا۔

(۷۲) یہ خطاب یہودیوں کو بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بجائے طرح طرح کے مطالبے پیش کرتے تھے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: "جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا۔"[۷۳] یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ آپ اِن سے کہئے کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے کر آؤ ﴿۱۱۱﴾ کیوں نہیں؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی اپنا رُخ اللہ کے آگے جھکا دے، اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو، اُسے اپنا اَجر اپنے پروردگار کے پاس ملے گا۔ اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۱۲﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ (مشرکین) جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم ہی سرے سے نہیں ہے، انہوں نے بھی اِن (اہلِ کتاب) کی جیسی باتیں کہنی شروع کردی ہیں۔ چنانچہ اللہ ہی قیامت کے دن اِن کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ﴿۱۱۳﴾

پر ایمان لانے کے باوجود یہودی ان سے نامعقول اور غیر ضروری سوالات اور مطالبے کرتے رہے ہیں، تم ایسا نہ کرنا۔

(۷۳) یعنی یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسائی۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔(۷۴) ایسے لوگوں کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا ﴿۱۱۴﴾

---

(۷۴) اُوپر یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب تینوں گروہوں کا ذکر آیا ہے۔ یہ تینوں گروہ کسی نہ کسی زمانے میں اور کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے شاہ طیطوس کے زمانے میں بیت المقدس پر حملہ کر کے اسے تاخت وتاراج کیا۔ ابرہہ نے جو عیسائی ہونے کا مدعی تھا بیت اللہ پر حملہ کر کے اُسے ویران کرنے کی کوشش کی۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے رہے، اور یہودیوں نے بیت اللہ کے تقدس سے انکار کر کے عملاً لوگوں کو اس کی طرف رُخ کرنے سے روکا۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ ایک طرف ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ تنہا وہی جنت کا حق دار ہے، اور دوسری طرف ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں رُکاوٹ ڈالنے یا عبادت گاہوں کو ویران کرنے کے درپے رہے ہیں۔ اسی آیت کا اگلا جملہ ذومعنیٰ ہے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا خوف لے کر داخل ہوتے، نہ یہ کہ متکبرانہ انداز میں انہیں ویران کریں، یا لوگوں کو وہاں اللہ کی عبادت سے روکیں۔ لیکن ساتھ ہی اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ متکبر لوگ جو اللہ کی مسجدوں سے لوگوں کو روک رہے ہیں، حق پرستوں کے سامنے ایسے مغلوب ہوں گے کہ انہیں خود ان جگہوں پر ڈر ڈر کر داخل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے موقع پر کفارِ مکہ کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور مشرق ومغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ لہٰذا جس طرف بھی تم رُخ کروگے، وہیں اللہ کا رُخ ہے۔(۷۵) بیشک اللہ بہت وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۱۶﴾

---

(۷۵) اُوپر جن تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے ان کے درمیان ایک اختلاف قبلے کا بھی تھا۔ اہلِ کتاب بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے تھے اور مشرکین بیت اللہ کو قبلہ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور یہ بات یہودیوں کو ناگوار تھی۔ ایک مختصر عرصے کے لئے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہودیوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ دیکھو! مسلمان ہماری بات ماننے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ پھر دوبارہ بیت اللہ کو مستقل قبلہ بنادیا گیا جس کی تفصیل اِن شاء اللہ اگلے پارے کے شروع میں آنے والی ہے۔ یہ آیت بظاہر اُس موقع پر نازل ہوئی ہے جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ کوئی بھی سمت اپنی ذات میں کسی تقدس کی حامل نہیں۔ مشرق ومغرب سب اللہ کی مخلوق اور اسی کی تابعِ فرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدے، بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہو جہاں قبلے کی صحیح سمت پتہ نہ چل رہی ہو تو وہاں وہ اپنے اندازے سے جس سمت کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھے گا اس کی نماز ہوجائے گی، یہاں تک کہ اگر بعد میں پتہ چلے کہ جس رُخ پر نماز پڑھی ہے وہ صحیح رُخ نہیں تھا تب بھی نماز دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ کے حکم کی تعمیل کرلی۔ دراصل کسی بھی جگہ یا کسی بھی سمت میں اگر کوئی تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ قبلے

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بس اتنا کہتا ہے کہ: ''ہوجا'' چنانچہ وہ ہوجاتی ہے (۷۶) ﴿۱۱۷﴾ اور جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ ہم سے (براہِ راست) کیوں بات نہیں کرتا؟ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ جو لوگ اِن سے پہلے گذرے ہیں وہ بھی اسی طرح کی باتیں کہتے تھے جیسی یہ کہتے ہیں۔ ان سب کے دِل ایک جیسے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یقین کرنا چاہیں اُن کے لئے ہم نشانیاں پہلے ہی واضح کرچکے ہیں ﴿۱۱۸﴾ (اے پیغمبر!) بے شک ہم نے تمہیں کو حق دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم (جنت کی) خوشخبری دو اور (جہنم سے) ڈراؤ۔ اور جو لوگ (اپنی مرضی سے) جہنم (کا راستہ) اختیار کرچکے ہیں ان کے بارے میں آپ سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی ﴿۱۱۹﴾

کے تعین میں اپنے اَحکام بدل رہا ہے تو اس میں کسی فریق کی ہار جیت کا سوال نہیں۔ یہ تبدیلی یہی دِکھانے کے لئے آرہی ہے کہ کوئی سمت اپنی ذات میں مقصود نہیں۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہے۔ اگر آئندہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدے تو یہ بات نہ قابلِ تعجب ہونی چاہئے نہ قابلِ اعتراض۔

(۷۶) عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہی ہیں۔ بعض یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکینِ مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ آیت ان سب کی تردید کررہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کی ضرورت اسے ہوسکتی ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے، اور اسے کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اولاد کا محتاج کیوں ہو؟ اسی دلیل کو اگر منطقی پیرائے

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم اُن کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔ کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعے) جو علم آ گیا ہے، اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار (۷۷) ﴿۱۲۰﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، جبکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہوں جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے، تو وہ لوگ ہی (درحقیقت) اس پر اِیمان رکھتے ہیں۔ (۷۸) اور جو اس کا اِنکار کرتے ہوں، تو ایسے لوگ ہی نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾

میں بیان کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگی کہ اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے، اور ہر کُل اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر اِحتیاج سے پاک ہے اس لئے اس کی ذات بسیط ہے جسے کسی جزء کی حاجت نہیں۔ لہٰذا اس کی طرف اولاد منسوب کرنا اسے محتاج قرار دینے کے مرادف ہے۔

(۷۷) اگرچہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ناقابلِ تصوّر تھی کہ آپ کفار کی خواہشات کے پیچھے چلیں، لیکن اس آیت نے فرضِ محال کے طور پر یہ بات کہہ کر اُصول یہ بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک شخصیات کی اہمیت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے اَفضل اسی بنا پر ہیں کہ اللہ کے سب سے زیادہ فرماں بردار ہیں۔

(۷۸) بنی اسرائیل میں جہاں سرکش لوگ بڑی تعداد میں تھے وہاں بہت سے لوگ ایسے مخلص بھی تھے جنہوں نے تورات اور اِنجیل کو صرف پڑھا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے حق کی ہر بات کو قبول کرنے کے لئے اپنے سینوں کو کشادہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۱۲۲﴾ اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اُس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔(۷۹) ﴿۱۲۳﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے وہ ساری باتیں پوری کیں۔ اللہ نے (اُن سے) کہا: ''میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔'' ابراہیم نے پوچھا: ''اور میری اولاد میں سے؟'' اللہ نے فرمایا: ''میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے۔''(۸۰) ﴿۱۲۴﴾

انہوں نے کسی عناد کے بغیر اسے قبول کیا۔ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف کی گئی ہے اور سبق یہ دیا گیا ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے تمام اَحکام کو دِل سے مان کر ان کی تعمیل کی جائے۔ درحقیقت تورات پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جو اس کے اَحکام کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لاتے ہیں۔

(۷۹) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور ان کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا جو ذکر اُوپر سے چلا آرہا ہے، اس کا آغاز آیت ۴۷ اور ۴۸ میں تقریباً انہی الفاظ سے کیا گیا تھا۔ اب سارے واقعات تفصیل سے یاد دِلانے کے بعد پھر وہی بات ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ان سب باتوں کو یاد دِلانے کا اصل مقصد تمہاری خیر خواہی ہے، اور تمہیں ان واقعات سے اس نتیجے تک پہنچ جانا چاہئے۔

(۸۰) یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کچھ حالات وواقعات شروع ہورہے ہیں، اور پچھلی آیتوں سے ان واقعات کا دوطرح گہرا تعلق ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ یہودی، عیسائی اور عرب کے بت پرست، یعنی تینوں وہ گروہ جن کا ذکر اُوپر آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے تھے، مگر ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ اُسی کے مذہب کے حامی تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صحیح صورتِ حال واضح کی جائے۔ قرآنِ کریم نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ اُن کا تینوں گروہوں کے باطل عقائد سے کوئی تعلق نہیں تھا، ان کی ساری زندگی توحید کی تبلیغ میں خرچ ہوئی، اور انہیں اس راستے میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا جن میں وہ پورے اُترے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام)۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوّت کا سلسلہ انہی کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں چلا آرہا تھا جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا بھر کی پیشوائی کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔ کسی اور نسل میں کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو اُن کے لئے واجب الاتباع ہو۔ قرآنِ کریم نے یہاں یہ غلط فہمی دُور کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا ہے کہ دِینی پیشوائی کا منصب کسی خاندان کی لازمی میراث نہیں ہے، اور یہ بات خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صریح لفظوں میں کہہ دی گئی تھی۔ انہیں جب اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمالیا اور یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہے، انہیں توحید کے عقیدے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا، انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، انہیں اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے کو مکہ کی خشک وادی میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا اور وہ بلا تأمل یہ ساری قربانیاں دیتے چلے گئے، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا بھر کی پیشوائی کا منصب دینے کا اعلان فرمایا۔ اُسی موقع پر جب انہوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا تو صاف طور پر بتلا دیا گیا کہ ان میں جو لوگ ظالم ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کریں گے وہ اس منصب کے حق دار نہیں ہوں گے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں آزمانے کے بعد ثابت یہ ہوا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ قیامت تک پوری انسانیت کی دِینی پیشوائی ان کو دی جائے۔ اس لئے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بھیجے جارہے ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ وہ اہلِ مکہ میں سے بھیجے جائیں۔ اب چونکہ دِینی پیشوائی منتقل کی جارہی ہے، اس لئے اب قبلہ بھی اس بیت اللہ کو بنایا جانے والا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اس مناسبت سے آگے تعمیرِ کعبہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں سے آیت نمبر ۱۵۲ تک جو سلسلۂ کلام آرہا ہے اس کو اِس پسِ منظر میں سمجھنا چاہئے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو۔(۸۱) اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔(۸۲) اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ تاکید کی کہ: ''تم دونوں میرے گھر کو اُن لوگوں کے لئے پاک کرو جو (یہاں) طواف کریں اور اِعتکاف میں بیٹھیں اور رُکوع اور سجدہ بجالائیں'' ﴿۱۲۵﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: ''اے میرے پروردگار! اس کو ایک پُر امن شہر بنادیجئے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر اِیمان لائیں اُنہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمایئے۔'' اللہ نے کہا: ''اور جو کفر اختیار کرے گا اس کو بھی میں کچھ عرصے کے لئے لطف اُٹھانے کا موقع دوں گا، (مگر) پھر اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔'' ﴿۱۲۶﴾

---

(۸۱) اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ حرمت رکھی ہے کہ نہ صرف مسجدِ حرام میں بلکہ اُس کے اردگرد کے وسیع علاقے میں جسے حرم کہا جاتا ہے، نہ کسی انسان کو قتل کیا جاسکتا ہے، نہ شدید دِفاعی ضرورت کے بغیر جنگ کرنا جائز ہے، نہ کسی جانور کا شکار حلال ہے، نہ کوئی خودرو پودا اُکھاڑنے کی اجازت ہے، نہ کسی جانور کو قید رکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح یہ صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں، حیوانات اور نباتات کے لئے بھی امن کی جگہ ہے۔

(۸۲) مقامِ ابراہیم اُس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ یہ پتھر آج بھی موجود ہے، اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو بیت اللہ کا طواف کرے، سات چکر لگانے کے بعد اس پتھر کے سامنے کھڑا ہو کر بیت اللہ کا رُخ کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ ان رکعتوں کا اسی جگہ پڑھنا افضل ہے۔

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۱۵

اور اُس وقت کا تصوّر کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے،(۸۳) اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ:) "اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنالے، اور ہماری نسل سے بھی ایسی اُمت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے، اور ہماری توبہ قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، معاف کردینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے ﴿۱۲۸﴾ اور ہمارے پروردگار! اِن میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو اِنہی میں سے ہو، جو اِن کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔(۸۴) بیشک تیری، اور صرف تیری، ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل" ﴿۱۲۹﴾

(۸۳) بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حوادثِ روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے از سرِ نو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ کو بتادی تھیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کررہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

(۸۴) دِل سے نکلی ہوئی اس دُعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور کون ہے جو اِبراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اُس شخص کے جو خود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دُنیا میں اُنہیں (اپنے لئے) چن لیا تھا، اور آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا ﴿۱۳۰﴾ جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا کہ: ''سرِ تسلیم خم کردو[۸۵]!'' تو وہ (فوراً) بولے: ''میں نے ربّ العالمین کے (ہر حکم کے) آگے سر جھکا دیا'' ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کرسکتا ہے۔ یہاں اس دُعا کو نقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دِکھانا ہے کہ انبیائے کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دُعا مانگتے ہیں۔ تیسرے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں شامل تھی، اور اس طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تجویز دی تھی کہ آپ بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوں، نہ کہ بنی اسرائیل میں سے۔ اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بنیادی مقاصد بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ ان مقاصد کو قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے، اور ان کی تشریح اِن شاء اللہ آگے اسی سورت کی آیت ۱۵۱ میں آئے گی۔

(۸۵) یہاں سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے قرآنِ کریم نے ''اسلام'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے لفظی معنیٰ سر جھکانے اور کسی کے مکمل تابعِ فرمان ہوجانے کے ہیں۔ ہمارے دِین کا نام بھی اسلام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾

اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ: ''اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دِین تمہارے لئے منتخب فرمالیا ہے، لہٰذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو'' ﴿۱۳۲﴾ کیا اُس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا، [۸۶] جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ اُن سب نے کہا تھا کہ ہم اُسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اُسی کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۳۳﴾ وہ ایک اُمت تھی جو گذر گئی۔ جو کچھ اُنہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے ﴿۱۳۴﴾

کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے ہر قول و فعل میں اللہ تعالیٰ ہی کا تابعدار بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ شروع ہی سے مؤمن تھے اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ کا مقصد ان کو ایمان لانے کی تلقین کرنا نہیں تھا، اسی لئے یہاں اس لفظ کا ترجمہ اسلام لانے سے نہیں کیا گیا۔ البتہ اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو وصیت اپنی اولاد کے لئے مذکور ہے وہاں اسلام کے مفہوم میں دونوں باتیں داخل ہیں، دِینِ برحق پر ایمان رکھنا بھی اور اس کے بعد اللہ کے ہر حکم کی تابعداری بھی۔ اس لئے وہاں لفظ ''مسلم'' ہی استعمال کیا گیا ہے۔

(۸۶) بعض یہودیوں نے کہا تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ یہودیت کے دِین پر رہیں۔ یہ آیت اس کا جواب ہے۔ اس آیت کو سورۂ آلِ عمران کی آیت ۶۵ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور یہ (یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ''تم یہودی یا عیسائی ہوجاؤ، راہِ راست پر آجاؤ گے۔'' کہہ دو کہ: ''نہیں، بلکہ (ہم تو) ابراہیم کے دِین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔'' ﴿۱۳۵﴾ (مسلمانو!) کہہ دو کہ: ''ہم اللہ پر اِیمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم پر اُتارا گیا اور اُس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اُتارا گیا، اور اُس پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اُس پر بھی جو دوسرے پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا۔ ہم ان پیغمبروں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اُسی (ایک خدا) کے تابعِ فرمان ہیں۔'' ﴿۱۳۶﴾ اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو درحقیقت وہ دُشمنی میں پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا، اور وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾ (اے مسلمانو! کہہ دو کہ:) ''ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔''(۸۷) ﴿۱۳۸﴾

---

(۸۷) اس میں عیسائیوں کی رسم بپتسمہ (Baptism) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اصطباغ (رنگ

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ۚ وَنَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

کہہ دو کہ: ’’کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ (یہ) اور (بات ہے کہ) ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم نے تو اپنی بندگی اُسی کے لئے خالص کرلی ہے‘‘ ﴿۱۳۹﴾ بھلا کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھیں؟ (مسلمانو! ان سے) کہو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اُس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچی ہو؟ (۸۸) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۱۴۰﴾ (بہر حال!) وہ ایک اُمت تھی جو گذر گئی۔ جو کچھ اُنہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے؟ ﴿۱۴۱﴾

چڑھانا) بھی کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کو عیسائی بناتے وقت وہ اسے غسل دیتے ہیں جو بعض اوقات رنگا ہوا پانی ہوتا ہے۔ اُن کے خیال میں اِس طرح اُس پر عیسائی مذہب کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ یہ بپتسمہ پیدا ہونے والے بچوں کو بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے، اور جب تک وہ بپتسمہ نہ لے گنہگار رہتا ہے اور یسوع مسیح کے کفارے کا حق دار نہیں ہوتا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اس بے سروپا خیال کی کوئی حقیقت نہیں۔ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو توحیدِ خالص کا رنگ ہے۔

(۸۸) یعنی یہ حقیقت دراصل اِن کو بھی معلوم ہے کہ یہ تمام انبیائے کرام توحیدِ خالص کا درس دیتے رہے ہیں،

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے اِن (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رُخ پھیرنے پر آمادہ کردیا جس کی طرف وہ منہ کرتے چلے آرہے تھے؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کردیتا ہے[(۸۹)] ﴿۱۴۲﴾ اور (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔[(۹۰)] اور جس قبلے پر تم پہلے کاربند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے مقرّر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟[(۹۱)] اور اِس میں شک نہیں کہ یہ بات تھی بڑی مشکل، لیکن اُن لوگوں کے لئے (ذرا بھی مشکل نہ ہوئی) جن کو اللہ نے ہدایت دے دی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے۔[(۹۲)] درحقیقت اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۴۳﴾

اور ان بے بنیاد عقیدوں سے انبیائے کرام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود ان کی کتابوں میں یہ حقیقت واضح طور پر لکھی ہوئی موجود ہے، اور اُن میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں بھی موجود ہیں جو اِن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں، مگر یہ ظالم اُن کو چھپائے بیٹھے ہیں۔

(۸۹) یہاں سے قبلے کی تبدیلی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا تفصیلی بیان شروع ہورہا ہے۔ واقعات کا

پس منظر یہ ہے کہ مکہ مکرّمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپ کو بیت المقدس کا رُخ کرنے کا حکم دیا گیا جس پر آپ تقریباً سترہ مہینے تک عمل فرماتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ بیت اللہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ تبدیلی کا یہ حکم آگے آیت نمبر ۱۴۴ میں آرہا ہے۔ یہ آیت پیشینگوئی کررہی ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تبدیلی پر بڑے اعتراضات کریں گے، حالانکہ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے ہر شخص کے لئے کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قبلے کی کوئی خاص سمت مقرّر کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلے کی سمت میں تشریف فرما ہے۔ وہ تو ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے اور مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، یہ ساری جہتیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ البتہ چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرتے وقت تمام مؤمنوں کے لئے کوئی ایک سمت مقرّر کردی جائے، اِس لئے یہ سمت اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے تحت مقرّر فرماتا ہے، اِس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سمت بذاتِ خود مقدس یا مقصود ہے۔ جو کچھ تقدس کسی قبلے یا اس کی سمت میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے جس سمت کو چاہے قبلہ قرار دے سکتا ہے۔ ایک مؤمن کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کردے۔ آیت کے آخر میں سیدھی راہ کا جو ذکر ہے اس سے مراد اسی حقیقت کا ادراک ہے۔

(۹۰) یعنی جس طرح ہم نے اس آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبے کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطا فرمایا، اور تمہیں اسے دِل وجان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری اُمتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن اُمت بنایا ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ اس اُمت کی شریعت میں ایسے مناسب اَحکام رکھے گئے ہیں جو قیامِ قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کرسکیں۔ معتدل اُمت کی یہ خصوصیت بھی اِس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس اُمت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی اُمتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کردیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا تو اُمتِ محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی اُمتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا تھا، اور اگرچہ ہم خود اُس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبیِ کریم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے باخبر ہوکر ہم کو یہ بات بتلادی تھی اور ہمیں اُن کی بات پر اپنے ذاتی مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔

دوسری طرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی اس بات کی تصدیق فرمائیں گے۔ نیز بعض مفسرین نے اُمتِ محمدیہ کے گواہ ہونے کے یہ معنیٰ بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت وتبلیغ ہے، اور یہ اُمت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنچایا تھا۔ باتیں دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں۔

(۹۱) مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلے کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون ہے جو کسی ایک قبلے کو بذاتِ خود ہمیشہ کے لئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اُسی کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ قبلے کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت اللہ کو قبلہ مانتے چلے آرہے تھے، اُن کے لئے اچانک بیت المقدس کی طرف رُخ موڑ دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ صدیوں سے دِلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکایک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطا فرمائی کہ کسی بھی چیز میں کوئی ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رُخ کرنے میں ذرا بھی دِقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اس کے تابعِ فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔

(۹۲) اس سلسلۂ کلام میں اِس جملے کا ایک مطلب تو حضرت حسن بصریؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ نئے قبلے کو اختیار کر لینا مشکل تھا لیکن جن لوگوں نے اپنی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بے چون وچرا مان لیا اللہ تعالیٰ ان کے اس ایمانی جذبے کو ضائع نہیں کرے گا، بلکہ انہیں اِس کا عظیم اجر ملے گا۔ (تفسیرِ کبیر) دوسرے یہ جملہ ایک سوال کا جواب بھی ہے جو بعض صحابہ کے دِل میں پیدا ہوا تھا، اور وہ یہ کہ جو مسلمان اُس وقت انتقال فرما گئے تھے جب قبلہ بیت المقدس تھا تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن کی وہ نمازیں جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی تھیں، قبلے کی تبدیلی کے بعد ضائع اور کالعدم ہو جائیں؟ آیت نے جواب دے دیا کہ نہیں، چونکہ انہوں نے اپنے ایمانی جذبے کے تحت وہ نمازیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں پڑھی تھیں اس لئے وہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم تمہارا رُخ ضرور اُس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے۔[۹۳] لو اَب اپنا رُخ مسجدِ حرام کی سمت کرلو۔ اور (آئندہ) جہاں کہیں تم ہو اپنے چہروں کا رُخ (نماز پڑھتے ہوئے) اُسی کی طرف رکھا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی بات حق ہے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔[۹۴] اور جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔ ﴿۱۴۴﴾

---

(۹۳) جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اُسی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ اس آیت میں آپ کی اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۹۴) یعنی اہلِ کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبلے کی تبدیلی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں کعبہ تعمیر کیا تھا، بلکہ بعض مؤرخین نے خود تورات کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد (بشمول حضرت اسحاق علیہ السلام) کا قبلہ کعبہ ہی تھا۔ (اس کی تحقیق کے لئے دیکھئے مولانا حمید الدین فراہی کا رسالہ "ذبیح کون ہے؟" ص ۳۵ تا ۳۸)۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

وقف لازم — ع ۱۷

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلے پر عمل کرنے والے ہو، نہ یہ ایک دوسرے کے قبلے پر عمل کرنے والے ہیں۔ (۹۵) اور جو علم تمہارے پاس آچکا ہے اس کے بعد اگر کہیں تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کر لی تو اس صورت میں یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا ﴿۱۴۵﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (۹۶) اور یقین جانو کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔ ﴿۱۴۶﴾ اور حق وہی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہو جانا۔ ﴿۱۴۷﴾

(۹۵) یہودی بیت المقدس کو اپنا قبلہ مانتے تھے، اور عیسائی بیت اللحم کو جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(۹۶) اس کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کعبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اُوپر گذرا، اور یہ معنیٰ بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیائے کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بنا پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے۔ لہٰذا تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں بھی ہوگے، اللہ تم سب کو (اپنے پاس) لے آئے گا۔(۹۷) یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۴۸﴾ اور تم جہاں سے بھی (سفر کے لئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور یقیناً یہی بات حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔(۹۸) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۱۴۹﴾

(۹۷) جو لوگ قبلے کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے اُن پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے قبلے الگ الگ بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دُنیا میں اُن کو کسی ایک قبلے پر جمع کرسکو۔ لہٰذا اب ان لوگوں سے قبلے کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذہبوں والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی تُرکی تمام ہوجائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہوجائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم ان آیتوں میں تین مرتبہ دُہرایا ہے۔ اس سے ایک تو حکم کی اہمیت اور تاکید جتلانی مقصود ہے۔ دوسرے یہ بھی بتانا ہے کہ قبلے کا رُخ کرنا صرف اس حالت میں نہیں ہے جب کوئی شخص بیت اللہ کے سامنے موجود ہو، بلکہ جب مکہ مکرّمہ سے نکلا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے، اور کہیں دُور چلا جائے تب بھی یہ فریضہ ختم نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ''سمت'' کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ کعبے کا رُخ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان کعبے کی سو فی صد سیدھ میں ہو۔ بلکہ اگر سمت وہی ہے تو کعبے کی طرف رُخ کرنے کا حکم پورا ہوجائے گا۔ اور انسان اس معاملے میں اتنا ہی مکلّف ہے کہ وہ اپنے بہترین ذرائع استعمال کر کے سمت صحیح متعین کرلے۔ ایسا کرلینے کے بعد اس کی نماز ہوجائے گی۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

معانقۃ ۳ ع ۱۸ ۵ ۲

اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے اُسی کی طرف رکھو، تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف حجت بازی کا موقع نہ ملے(۹۹) ــــــ البتہ اُن میں جو لوگ ظلم کے خوگر ہیں، (وہ کبھی خاموش نہ ہوں گے) سو اُن کا کچھ خوف نہ رکھو، ہاں میرا خوف رکھو ــــــ اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام مکمل کردوں، اور تاکہ تم ہدایت حاصل کرلو ﴿۱۵۰﴾ (یہ انعام ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،(۱۰۰) اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾ لہٰذا مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو، اور میری ناشکری نہ کرو ﴿۱۵۲﴾

---

(۹۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بیت المقدس قبلہ تھا، یہودی یہ حجت کرتے تھے کہ دیکھو ہمارا دین برحق ہے، اسی لئے یہ لوگ ہمارے قبلے کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اور مشرکینِ مکہ یہ بحث کرتے تھے کہ مسلمان اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متبع کہتے ہیں مگر انہوں نے ابراہیمی قبلے کو چھوڑ کر اُن سے سنگین انحراف کرلیا ہے۔ اب جبکہ قبلے کی تبدیلی میں جو مصلحت تھی وہ حاصل ہوگئی اور اس کے بعد مسلمان ہمیشہ کے لئے کعبے کو قبلہ قرار دے کر اس پر عمل پیرا ہوں گے تو ان دونوں کی حجتیں ختم ہوجائیں گی۔ البتہ وہ کٹ حجت لوگ جنہوں نے

اعتراض کرتے رہنے کی قسم ہی کھا رکھی ہے، ان کی زبانیں کوئی نہیں روک سکتا، لیکن مسلمانوں کو ان سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔

(۱۰۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے وقت دو دُعائیں کی تھیں: ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایسی اُمت پیدا فرمایئے جو آپ کی مکمل فرماں بردار ہو۔ اور دوسری یہ کہ ان میں ایک رسول بھیجئے (دیکھئے پیچھے آیات ۱۲۸-۱۲۹) اللہ تعالیٰ نے پہلی دُعا اس طرح قبول فرمائی کہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) کو "معتدل اُمت" قرار دے کر پیدا فرمایا (دیکھئے آیت ۱۴۳) اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول کرتے ہوئے تم پر یہ اِنعام فرمایا کہ تمہیں معتدل اُمت بنا کر آئندہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی رہنمائی تمہیں عطا کردی جس کی ایک اہم علامت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ کے لئے کعبے کو قبلہ بنادیا گیا ہے، اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دُعا قبول کرتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درمیان بھیج دیا ہے جو انہی خصوصیات اور فرائضِ منصبی کے حامل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے مانگے تھے۔ ان میں سے پہلا فریضہ تلاوتِ آیات ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی آیات کو تلاوت کرنا بذاتِ خود ایک مقصد اور ایک نیکی ہے، خواہ وہ تلاوت بغیر سمجھے کی جائے، کیونکہ قرآن کے معنی کی تعلیم آگے ایک مستقل فریضے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ دوسرا مقصد قرآنِ کریم کی تعلیم ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر قرآنِ کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا ممکن نہیں، اور یہ کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے قرآنِ کریم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی، کیونکہ اہلِ عرب عربی زبان سے خوب واقف تھے، انہیں ترجمہ سکھانے کے لئے کسی اُستاد کی ضرورت نہیں تھی۔ تیسرے آپ کا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ "حکمت" کی تعلیم دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت، دانائی اور عقلمندی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ اس سے نہ صرف آپ کی احادیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اُس کی عقل کا نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے۔ چوتھا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو پاکیزہ بنائیں۔ اس سے مراد آپ کی عملی تربیت ہے جس کے ذریعے آپ نے صحابۂ کرام کے اخلاق اور باطنی صفات کو گندے جذبات سے پاک کرکے انہیں اعلیٰ درجے کی خصوصیات سے آراستہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کا صرف کتابی علم بھی انسان کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس نے اس علم کو اپنی زندگی میں نافذ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔[101] بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں، مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا ﴿۱۵۴﴾ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنا دو ﴿۱۵۵﴾

کرنے کی عملی تربیت نہ لی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنی صحبت سے سرفراز فرما کر ان کی تربیت فرمائی، پھر صحابہ نے تابعین کی، اور تابعین نے تبع تابعین کی اسی طرح تربیت کی اور یہ سلسلہ صدیوں سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ باطنی اخلاق کی اسی تربیت کا علم ''علم احسان'' یا تزکیہ کہلاتا ہے اور تصوف بھی درحقیقت اسی علم کا نام تھا، اگرچہ بعض نااہلوں نے اس میں غلط خیالات کی ملاوٹ کر کے بعض مرتبہ اسے خراب بھی کر دیا، لیکن اس کی اصل یہی تزکیہ ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم نے یہاں فرمایا ہے، اور ہر دور میں تصوّف کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

(۱۰۱) اس سورت کی آیت نمبر ۴۰ سے بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلۂ کلام شروع ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا، اور آخر میں مسلمانوں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ فضول بحثوں میں اُلجھنے کے بجائے اپنے دِین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ اب مختلف اسلامی عقائد اور اَحکام کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس بیان کا آغاز صبر کی تاکید سے ہوا ہے، کیونکہ یہ دور وہ ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے دِین پر عمل اور اس کی تبلیغ میں دُشمنوں کی طرف

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁۱۵۶ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ؁۱۵۷

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم سب اللہ ہی کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''(۱۰۲) ﴿۱۵۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں ﴿۱۵۷﴾

سے طرح طرح کی رُکاوٹیں پیش آرہی تھیں، اسی زمانے میں جنگوں کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور بہت سی سختیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔ جنگوں میں اپنے عزیز رشتہ دار اور دوست شہید بھی ہو رہے تھے یا ہونے والے تھے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ دِینِ حق کے راستے میں یہ آزمائشیں تو پیش آنی ہیں۔ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہ کر صبر کا مظاہرہ کرے۔ واضح رہے کہ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر آپریشن کرے تو انسان کو تکلیف تو ہوتی ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے انسان بیساختہ چلا بھی اُٹھتا ہے، لیکن اسے ڈاکٹر سے شکایت نہیں ہوتی، کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کی ہمدردی میں اور اس کی مصلحت کی خاطر کر رہا ہے۔

(۱۰۲) اس فقرے میں پہلے تو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ چونکہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اس لئے اسے ہمارے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، اور چونکہ ہم اس کے ہیں، اور کوئی بھی اپنی چیز کا بُرا نہیں چاہتا، اس لئے ہمارے بارے میں اس کا ہر فیصلہ خود ہماری مصلحت میں ہوگا، چاہے فی الحال ہمیں وہ مصلحت سمجھ میں نہ آرہی ہو۔ دوسری طرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ایک دن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا کوئی عزیز یا دوست گیا ہے، لہٰذا یہ جدائی عارضی ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، اور جب ہم اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہمیں اس صدمے یا تکلیف پر ان شاء اللہ ثواب بھی ملنا ہے۔ جب یہ اعتقاد دِل میں ہو تو اسی کا نام صبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ساتھ بے اختیار آنسو بھی نکل رہے ہوں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔(۱۰۳) اور جو شخص خوشی سے کوئی بھلائی کا کام کرے تو اللہ یقیناً قدر دان (اور) جاننے والا ہے ﴿۱۵۸﴾

بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں،(۱۰۴) تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہو اور اپنی اصلاح کر لی ہو اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) کھول کھول کر بیان کر دیا ہو تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں۔ اور میں توبہ قبول کرنے کا خوگر ہوں، بڑا رحمت والا ﴿۱۶۰﴾

---

(۱۰۳) صفا اور مروہ مکہ مکرمہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ کو اپنے دودھ پیتے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ چھوڑ کر گئے تو حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ حج اور عمرے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اگرچہ سعی واجب ہے مگر یہاں ''کوئی گناہ نہیں'' کے الفاظ اس لئے استعمال فرمائے گئے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں یہاں دو بت رکھ دیئے گئے تھے جو اگرچہ بعد میں ہٹا لئے گئے، مگر بعض صحابہ کو یہ شک ہوا کہ شاید ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو۔ آیت نے یہ شک دور کر دیا۔

(۱۰۴) اشارہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف ہے جو پچھلی آسمانی کتابوں میں مذکور ان بشارتوں کو چھپاتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآ بَّةٍ ۖ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے ﴿۱۶۱﴾ وہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے۔ نہ ان پر سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۱۶۲﴾ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۶۳﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات دن کے لگاتار آنے جانے میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان لے کر سمندر میں تیرتی ہیں، اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اُتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اُس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔[105] ﴿۱۶۴﴾

(۱۰۵) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ کائنات کے ان حقائق کی طرف توجہ دِلائی ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلے پڑے ہیں، اور اگر اُن پر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور کاش کہ یہ ظالم جب (دُنیا میں) کوئی تکلیف دیکھتے ہیں اُسی وقت یہ سمجھ لیا کریں کہ تمام تر طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب (آخرت میں) اُس وقت بڑا سخت ہوگا ﴿۱۶۵﴾

پر دلالت کرتے ہیں۔ چونکہ روزمرہ ان کو دیکھتے دیکھتے ہماری نگاہیں ان کی عادی ہوگئی ہیں، اس لئے ان میں کوئی حیرت کی بات ہمیں محسوس نہیں ہوتی، ورنہ ان میں سے ایک ایک چیز ایسے محیر العقول نظام کا حصہ ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سوا کائنات کی کسی طاقت کے بس میں نہیں ہے۔ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات جس طرح کام کررہی ہیں، چاند اور سورج جس طرح ایک لگے بندھے نظام الاوقات کے تحت دن رات سفر میں ہیں، سمندر جس طرح نہ صرف پانی کا ذخیرہ کئے ہوئے ہے بلکہ کشتیوں کے ذریعے خشکی کے مختلف حصوں کو جوڑے ہوئے ہے، اور ان کی ضرورت کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کررہا ہے، بادل اور ہوائیں جس انداز میں انسانوں کی زندگی کا سامان مہیا کررہے ہیں، ان سب چیزوں کے بارے میں بدترین حماقت کے بغیر یہ سمجھنا ممکن نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود کسی خالق کے بغیر ہورہا ہے۔ مشرکینِ عرب بھی یہ مانتے تھے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان تمام کاموں میں کئی دیوتا اُس کے مددگار ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جس ذات کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ یہ سارا نظامِ کائنات اس نے بلاشرکتِ غیرے پیدا کردیا ہے، آخر اسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے کسی شریک یا مددگار کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا جو شخص بھی اپنی عقل کو کام میں لائے گا، اسے کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل نظر آئے گی۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

جب وہ (پیشوا) جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان کریں گے، اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے، اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور جنہوں نے ان (پیشواؤں) کی پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک مرتبہ پھر (دُنیا میں) لوٹنے کا موقع دے دیا جائے، تو ہم بھی ان (پیشواؤں) سے اسی طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح اللہ انہیں دِکھا دے گا کہ ان کے اعمال (آج) اُن کے لئے حسرت ہی حسرت بن چکے ہیں، اور اِب وہ کسی صورت دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں ﴿۱۶۷﴾

اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ،[106] اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو کہ وہ تمہارے لئے ایک کھلا دُشمن ہے ﴿۱۶۸﴾ وہ تو تم کو یہی حکم دے گا کہ تم بدی اور بے حیائی کے کام کرو اور اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم نہیں ہے ﴿۱۶۹﴾

(۱۰۶) مشرکینِ عرب کی ایک گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے کسی آسمانی تعلیم کے بغیر مختلف چیزوں کے بارے میں حلال وحرام کے فیصلے خود گھڑ رکھے تھے۔ مثلاً مردار جانور کو کھانا ان کے نزدیک جائز تھا، مگر بہت سے حلال جانوروں کو انہوں نے اپنے اُوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ اَنعام میں آئے گی۔ یہ آیات ان کی اسی گمراہی کی تردید میں نازل ہوئی ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اُتارا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی چاہئے) جب ان کے باپ دادے (دِین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور انہوں نے کوئی (آسمانی) ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟ ﴿۱۷۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کو اپنا لیا ہے ان (کو حق کی دعوت دینے) کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن (جانوروں) کو زور زور سے بلائے جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، لہٰذا کچھ نہیں سمجھتے ﴿۱۷۱﴾

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو ﴿۱۷۲﴾ اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار جانور، خون، اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔[107] ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذّت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے، تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ﴿۱۷۳﴾

---

(۱۰۷) اس آیت میں تمام حرام چیزوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ جتلانا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۱ ۵

حقیقت یہ ہے کہ جولوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اوراس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کرلیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے۔ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اوران کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب کی خریداری کرلی ہے۔ چنانچہ (اندازہ کروکہ) یہ دوزخ کی آگ سہنے کے لئے کتنے تیار ہیں! ﴿۱۷۵﴾ یہ سب کچھ اِس لئے ہوگا کہ اللہ نے حق پر مشتمل کتاب اُتاری ہے، اور جن لوگوں نے ایسی کتاب کے بارے میں مخالفت کا رویہ اختیار کیا ہے وہ ضدا ضدی میں بہت دُور نکل گئے ہیں ﴿۱۷۶﴾

حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کیے، تم خواہ مخواہ ان کی حرمت اللہ کے ذمے لگا رہے ہو، البتہ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو تم حرام نہیں سمجھتے، مگر اللہ نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ حرام چیزیں وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو، حرام تو وہ ہیں جنہیں تم نے حلال سمجھا ہوا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو،(۱۰۸) بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جب کوئی عہد کرلیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، اور تنگی اور تکلیف میں، نیز جنگ کے وقت، صبر و استقلال کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگ ہیں جو سچے (کہلانے کے مستحق) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں ﴿۱۷۷﴾

---

(۱۰۸) روئے سخن ان اہلِ کتاب کی طرف ہے جنہوں نے قبلے کے مسئلے پر بحث و مباحثہ اس انداز سے شروع کررکھا تھا جیسے دِین میں اس سے زیادہ اہم کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔ مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ قبلے کے مسئلے کی جتنی وضاحت ضروری تھی وہ ہو چکی ہے۔ اب آپ کو دِین کے دوسرے اہم مسائل کی طرف توجہ دینی چاہئے، اور اہلِ کتاب سے بھی یہ کہنا چاہئے کہ قبلے کے مسئلے پر بحث سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اپنا ایمان درست کرو، اور وہ صفات پیدا کرو جو اِیمان کو مطلوب ہیں۔ اس سلسلے میں آگے قرآنِ کریم نے نیکی کے مختلف شعبے بیان فرمائے ہیں، اور اسلامی قانون کے مختلف اَحکام کی وضاحت کی ہے جو ایک ایک کرکے آگے آرہے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۖۚ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ؕ

اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کردیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کردیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے)[۱۰۹]۔ پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے[۱۱۰] تو معروف طریقے کے مطابق (خوں بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اسے خوش اُسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے[۱۱۱] ﴿۱۷۸﴾ اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کا سامان ہے) اُمید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔ ﴿۱۷۹﴾

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا وقت قریب آجائے، وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے۔[۱۱۲] یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے ﴿۱۸۰﴾

(۱۰۹) قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ لینا۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل

کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔ جاہلیت کے زمانے میں اگرچہ قصاص تو لیا جاتا تھا، لیکن اس میں ناانصافی یہ تھی کہ انہوں نے مختلف انسانوں کے جو درجے اپنے خیال میں مقرّر کر رکھے تھے، ان کے لحاظ سے اگر نچلے درجے کے کسی شخص نے اُونچے درجے کے کسی آدمی کو قتل کردیا تو ورثاء کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ قاتل کے بجائے اس کے قبیلے کے کسی دوسرے آدمی کو قتل کیا جائے جو رُتبے میں مقتول کے برابر ہو۔ چنانچہ اگر ایک غلام نے کسی آزاد آدمی کو قتل کردیا ہوتو مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ ہم قاتل غلام کے بجائے کسی آزاد آدمی کو قتل کریں گے، اسی طرح اگر قاتل عورت ہو اور مقتول مرد، تو کہا جاتا تھا کہ قاتل عورت کے بجائے قبیلے کا کوئی مرد قتل کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر قاتل مقتول سے اُوپر کے درجے کا ہو، مثلاً قاتل مرد ہو اور مقتول عورت، تو قاتل کا قبیلہ کہتا تھا کہ ہماری کسی عورت کو قتل کردو، قاتل مرد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اِس آیت نے جاہلیت کی اس ظالمانہ رسم کو ختم فرمادیا اور اعلان کیا کہ جان ہر ایک کی برابر ہے، اور قصاص ہر صورت میں قاتل ہی سے لیا جائے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد۔

(۱۱۰) بنی اسرائیل کے قانون میں قصاص تو تھا، لیکن دِیت یا خوں بہا کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ اِس آیت نے مقتول کے ورثاء کو یہ حق دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مقتول کا قصاص معاف کرکے خوں بہا کے طور پر کچھ رقم کا مطالبہ کریں۔ ایسی صورت میں ان کو چاہئے کہ رقم کی مقدار معقولیت کی حد میں رکھیں، اور قاتل کو چاہئے کہ خوش اُسلوبی سے اس کی ادائیگی کرے۔

(۱۱۱) مطلب یہ ہے کہ اگر خوں بہا لے کر وارثوں نے قصاص معاف کردیا ہوتو اب ان کے لئے قاتل کی جان لینا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ زیادتی ہوگی جس کی بنا پر وہ دُنیا اور آخرت دونوں میں سزا کے مستحق ہوں گے۔

(۱۱۲) یہ آیت اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مرنے والے کے ترکے میں وارثوں کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے، چنانچہ سارا ترکہ مرنے والے کے لڑکوں کو مل جاتا تھا۔ اس آیت نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر انسان مرنے سے پہلے اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرکے جائے، اور یہ واضح کرے کہ ان میں سے کس کو کتنا حصہ دیا جائے گا۔ بعد میں سورۂ نساء کی آیات نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں تمام وارثوں کی تفصیل اور اُن کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے مقرّر فرمادیئے۔ اس کے بعد جس وصیت کا اِس آیت میں ذکر ہے وہ فرض تو نہیں رہی، البتہ اگر کسی شخص کے ذمے کوئی حق ہوتو اس کی وصیت کرنا اب بھی فرض ہے۔ نیز جو لوگ شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، ان کے لئے اپنے ترکے کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا اب بھی جائز ہے۔

فَمَنۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

پھر جو شخص اِس وصیت کو سننے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کرے گا، تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے۔(۱۱۳) یقین رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے ﴿۱۸۱﴾ ہاں اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی وصیت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا اِرتکاب کر رہا ہے، اور وہ متعلقہ آدمیوں کے درمیان صلح کرادے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔(۱۱۴) بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۸۲﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو ﴿۱۸۳﴾ گنتی کے چند دِن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے۔

---

(۱۱۳) یعنی جن لوگوں نے مرنے والے کی زبان سے کوئی وصیت سنی ہو اُن کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی کمی بیشی کریں۔ اس کے بجائے ان کے لئے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۱۱۴) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے والا ناانصافی سے کام لے اور کوئی اسے سمجھا بجھا کر اپنی وصیت میں مرنے سے پہلے پہلے تبدیلی کرنے پر آمادہ کردے تو یہ جائز ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کردیں۔[(۱۱۵)] اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے ﴿۱۸۴﴾ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دِکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کردیتی ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا، تاکہ (تم روزوں کی) گنتی پوری کرلو، اور اللہ نے تمہیں جو راہ دِکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو،[(۱۱۶)] اور تاکہ تم شکر گذار بنو ﴿۱۸۵﴾

---

(۱۱۵) شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کردے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں آیت نمبر ۱۸۵ نازل ہوئی جو آگے آرہی ہے، اس آیت نے اس سہولت کو واپس لے لیا، اور یہ حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔ تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کے لئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی اُمید بھی نہ ہو۔

(۱۱۶) اس آیت میں ایک لطیف اشارہ ان تکبیرات کی طرف بھی ہے جو رمضان کے فوراً بعد عید کی نماز میں کہی جاتی ہیں۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠

اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔(۱۱۷) لہٰذا وہ بھی میری بات دِل سے قبول کریں، اور مجھ پر اِیمان لائیں، تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔ ﴿۱۸۶﴾ تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔ اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی،(۱۱۸) چنانچہ اب تم ان سے صحبت کرلیا کرو، اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو،(۱۱۹)

(۱۱۷) رمضان کے ذکر کے عین درمیان اس آیت کو لانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ پیچھے رمضان کی گنتی پوری کرنے کا جو ذکر آیا تھا، اس سے کسی کو خیال ہوسکتا تھا کہ رمضان گذرنے کے بعد شاید اللہ تعالیٰ سے وہ قرب باقی نہ رہے جو اس مبارک مہینے میں حاصل ہوا تھا۔ اس آیت نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ ہر آن اپنے بندوں سے قریب ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔

(۱۱۸) شروع شروع میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ اِفطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سو جائے تو اس کے لئے رات کے وقت بھی نہ کھانا جائز ہوتا تھا، نہ جماع کرنا۔ بعض حضرات سے اس حکم کی خلاف ورزی سرزد ہوئی اور انہوں نے رات کے وقت اپنی بیویوں سے جماع کرلیا۔ یہ آیت اس خلاف ورزی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اور ساتھ ہی جن حضرات سے یہ غلطی ہوئی تھی ان کی معافی کا اعلان کرکے آئندہ کے لئے یہ پابندی اُٹھا رہی ہے۔

(۱۱۹) اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت رکھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۗ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ

اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔ اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور ان (اپنی بیویوں) سے اس حالت میں مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، لہٰذا اِن (کی خلاف ورزی) کے قریب بھی مت جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿۱۸۷﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو ﴿۱۸۸﴾

لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ انہیں بتا دیجئے کہ یہ لوگوں کے (مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لئے ہیں۔

دوران وہی لذت طلب کرنی چاہیئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے داخل ہو،[(۱۲۰)] بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ ﴿۱۸۹﴾ اور اُن لوگوں سے اللہ کے راستے میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔[(۱۲۱)] ﴿۱۹۰﴾

---

(۱۲۰) بعض اہلِ عرب کا یہ معمول تھا کہ اگر حج کا اِحرام باندھنے کے بعد انہیں کسی ضرورت سے گھر واپس جانا پڑتا تو وہ گھر کے عام دروازے سے داخل ہونے کو ناجائز سمجھتے تھے، اور ایسی صورت میں گھر کے پچھلے حصے سے داخل ہوتے تھے، خواہ اس کے لئے انہیں گھر میں نقب ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔ یہ آیت اس فضول رسم کو بے بنیاد قرار دے رہی ہے۔

(۱۲۱) یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مکہ کے مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صلحِ حدیبیہ کے موقع پر عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال آکر عمرہ کریں گے۔ جب اگلے سال عمرے کا ارادہ کیا گیا تو کچھ صحابہ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مشرکینِ مکہ عہد شکنی کر کے ہم سے لڑائی شروع نہ کر دیں۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئے گی کہ حدودِ حرم میں، اور خاص طور پر ذیقعدہ کے مہینے میں لڑائی کیسے کریں جبکہ اس مہینے میں جنگ ناجائز ہے۔ ان آیات نے وضاحت فرمائی کہ اپنی طرف سے تو جنگ نہ کی جائے، البتہ اگر کفار معاہدہ توڑ کر خود جنگ شروع کر دیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے جنگ جائز ہے، اور اگر وہ حدودِ حرم اور محترم مہینے کی حرمت کا لحاظ کئے بغیر حملہ آور ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے بھی ان کی زیادتی کا بدلہ دینا درست ہے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۗ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور انہیں اس جگہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔[۱۲۲] اور تم ان سے مسجدِ حرام کے پاس اُس وقت تک لڑائی نہ کرو جب تک وہ خود اس میں تم سے لڑائی شروع نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے اس میں لڑائی شروع کردیں تو تم ان کو قتل کرسکتے ہو۔ ایسے کافروں کی سزا یہی ہے ﴿۱۹۱﴾ پھر اگر وہ باز آجائیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۹۲﴾ اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دِین اللہ کا ہوجائے۔[۱۲۳] پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدّد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہئے ﴿۱۹۳﴾

---

(۱۲۲) لفظ ''فتنہ'' قرآنِ کریم میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنیٰ ظلم اور تشدّد کے بھی ہیں، اور شاید یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو اپنے دِین پر عمل سے روکنے کے لئے بدترین تشدّد روا رکھا ہوا تھا۔ لہٰذا بظاہر یہاں مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کسی کو قتل کرنا اپنی ذات میں کوئی اچھی بات نہیں ہے، لیکن فتنہ اس کے مقابلے میں زیادہ سخت برائی ہے، اور جہاں فتنے کا سدِّباب قتل کے بغیر ممکن نہ ہو وہاں قتل کے سوا چارہ نہیں ہے۔

(۱۲۳) یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ شرعاً جہاد کا اصل مقصد کسی کو اِسلام پر مجبور کرنا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں کوئی شخص کفر پر اِصرار کرے، تب بھی جزیہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کرکے

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾ ملع

حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے، اور حرمتوں پر بھی بدلے کے اَحکام جاری ہوتے ہیں۔(۱۲۴) چنانچہ اگر کوئی شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس کا خوف دِل میں رکھتے ہیں ﴿۱۹۴﴾ اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو،(۱۲۵) اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۱۹۵﴾

اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن جزیرۂ عرب کا حکم مختلف ہے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست بھیجا گیا، اور جہاں کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی تعلیمات براہِ راست سنیں۔ ایسے لوگ اگر اِیمان نہ لائیں تو پچھلے انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں انہیں عذابِ عام کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عذابِ عام تو موقوف فرما دیا گیا، لیکن یہ حکم دیا گیا کہ جزیرۂ عرب میں کوئی کافر مستقل شہری کی حیثیت میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں اس کے لئے تین ہی راستے ہیں، یا اسلام لائے، یا جزیرۂ عرب سے باہر چلا جائے، یا جنگ میں قتل ہو جائے۔

(۱۲۴) یعنی اگر کوئی شخص مہینے کی حرمت پامال کر کے تم سے لڑائی کرے تو تم بھی اس سے بدلہ لے سکتے ہو۔

(۱۲۵) اشارہ یہ ہے کہ اگر تم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہو سکے تو یہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دُشمن مضبوط ہو کر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا پورا اَدا کرو، ہاں اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو، (اللہ کے حضور پیش کردو)۔ (۱۲۶) اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔ (۱۲۷)

---

(۱۲۶) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرے کا اِحرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے اعمال پورے نہ ہو جائیں، اِحرام کھولنا جائز نہیں۔ البتہ کسی کو ایسی مجبوری پیش آسکتی ہے کہ اِحرام باندھنے کے بعد مکہ مکرمہ تک پہنچنا ممکن ہی نہ رہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صورت پیش آئی کہ آپ اور آپ کے صحابہ عمرے کا اِحرام باندھ کر روانہ ہوئے، لیکن جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور ان میں ایسی صورتِ حال کا یہ حل بتایا گیا کہ ایسی صورت میں قربانی کر کے اِحرام کھولا جاسکتا ہے۔ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں یہ قربانی حدودِ حرم میں ہونی چاہئے، جیسا کہ اگلے جملے میں فرمایا گیا ہے: ''اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے''۔ نیز اس کے بعد جس حج یا عمرے کا اِحرام باندھا تھا اس کی قضا بھی ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کی قضا اگلے سال فرمائی۔

(۱۲۷) اِحرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو اس کو یہ فدیہ دینا ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔ احادیث کی روشنی میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تین روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے یا ایک بکری قربان کی جائے۔

فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ ۟ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ‌ؕ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ‌ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ‌ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

پھر جب تم امن حاصل کرلو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اُٹھائے، وہ جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور پیش کرے)۔ ہاں اگر کسی کے پاس اس کی طاقت نہ ہو تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے، اور سات (روزے) اُس وقت جب تم (گھروں کو) لوٹ جاؤ۔ اس طرح یہ کُل دس روزے ہوں گے۔(۱۲۸) یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔(۱۲۹) اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۹۶﴾

---

(۱۲۸) اُوپر اس صورت میں قربانی کا حکم بیان ہوا تھا جب کسی شخص کو دُشمن نے روک دیا ہو، اب یہ بتایا جارہا ہے کہ قربانی امن کے عام حالات میں بھی واجب ہوسکتی ہے جب کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ بھی جمع کرے، یعنی قران یا تمتع کا اِحرام باندھے۔ (اگر صرف حج کا اِحرام باندھا ہو، جسے اِفراد کہتے ہیں، تو قربانی واجب نہیں ہے) البتہ اگر کوئی شخص قران یا تمتع کے باوجود قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ قربانی کے بدلے دس روزے رکھ سکتا ہے جن میں سے تین روزے عرفہ کے دن (یعنی ۹ ذوالحجہ) تک پورے ہوجانے چاہئیں، اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنے ہوں گے۔

(۱۲۹) یعنی تمتع یا قران کے ذریعے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا صرف ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو باہر سے حج کے لئے آئیں، جو لوگ حدودِ حرم، یا حنفی مسلک کے مطابق حدودِ میقات میں رہتے ہوں، وہ صرف اِفراد کرسکتے ہیں، تمتع یا قران نہیں کرسکتے۔

اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى ۚ وَاتَّقُوۡنِ يٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۖ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اُوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ اور تم جو کوئی نیک کام کروگے، اللہ اسے جان لے گا۔ اور (حج کے سفر میں) زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو، کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔[۱۳۰] اور اے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو ﴿۱۹۷﴾ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔[۱۳۱] پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعرِ حرام کے پاس (جو مزدلفہ میں واقع ہے) اللہ کا ذکر کرو،

(۱۳۰) بعض لوگ حج کو روانہ ہوتے وقت اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے حج کریں گے، لیکن جب راستے میں کھانے کی ضرورت پڑتی تو بسا اوقات وہ لوگوں سے مانگنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ نے یہ بتلایا کہ توکل کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ اسباب کو اختیار کرنا شریعت کا تقاضا ہے، اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، یعنی وہ زادِ راہ جس کے ذریعے انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہے۔

(۱۳۱) بعض حضرات حج کے سفر میں کوئی تجارت کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ یہ آیت ان کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، اور اس نے بتا دیا کہ سفرِ حج میں روزی کمانے کا کوئی مشغلہ اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حج کے ضروری کام متاثر نہ ہوں۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے،(۱۳۲) جبکہ اس سے پہلے تم بالکل ناواقف تھے ﴿۱۹۸﴾ اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔(۱۳۳) اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۹۹﴾ پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔(۱۳۴) اب بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دُعا میں بس) یہ کہتے ہیں کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا فرما'' اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ﴿۲۰۰﴾

---

(۱۳۲) حج کے دوران عرفات سے آکر مزدلفہ میں رات گذاری جاتی ہے، اور اگلی صبح طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے وقوف کیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جاہلیت میں بھی اہلِ عرب اللہ کا ذکر تو کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کا ذکر بھی شامل کر لیتے تھے۔ بتایا یہ جارہا ہے کہ مؤمن کا ذکر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۳۳) جاہلیت میں اہلِ عرب نے یہ طریقہ مقرّر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ رذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ''حمس'' کہلاتے تھے، عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہیں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حدودِ حرم سے باہر ہے اس لئے ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نویں تاریخ کا دن عرفات میں گذارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کے لئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اور ان کو عرفات سے آنا نہیں پڑتا تھا۔ اس آیت نے یہ رسم ختم کر دی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اور انہی کے ساتھ روانہ ہو کر مزدلفہ آئیں۔

(۱۳۴) جاہلیت میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حج کے بنیادی ارکان سے فارغ ہو کر جب منیٰ میں جمع ہوتے تو

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓٮِٕكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِىۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے" ﴿۲۰۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ (ثواب کی صورت میں) ملے گا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۲۰۲﴾ اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو۔ پھر جو شخص دو ہی دن میں جلدی چلا جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو شخص (ایک دن) بعد میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔(۱۳۵) یہ (تفصیل) اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور تم سب تقویٰ اختیار کرو، اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا ﴿۲۰۳﴾

بعض لوگ ایک پورا دن اپنے آباء و اجداد کی تعریفیں کرنے اور ان کے کارنامے بیان کرنے میں گذارا کرتے تھے۔ یہ اشارہ اس رسم کی طرف ہے۔ اور بعض لوگ دُعائیں تو مانگتے، مگر چونکہ وہ آخرت کے قائل نہیں تھے اس لئے ان کی دُعا صرف دُنیا کی بہتری تک محدود ہوتی تھی۔ اگلے جملے میں بتایا گیا ہے کہ ایک مؤمن کو دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔

(۱۳۵) منیٰ میں تین دن گذارنا سنت ہے، اور اس دوران جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔ البتہ ۱۲ تاریخ کے بعد منیٰ سے چلا جانا جائز ہے، ۱۳ تاریخ تک رُکنا ضروری نہیں۔ اور اگر کوئی رُکنا چاہے تو ۱۳ تاریخ کو بھی رَمی کر کے واپس جاسکتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اورلوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے کہ دُنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں، اور جو کچھ اس کے دِل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ (تمہارے) دُشمنوں میں سب سے زیادہ کٹر ہے ﴿۲۰۴﴾ اور جب اُٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دُھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا[۱۳۶] ﴿۲۰۵﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر، تو نخوت اس کو گناہ پر اور آمادہ کردیتی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تو جہنم ہی راس آئے گی، اور یقین کرو وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۲۰۶﴾ اور (دوسری طرف) لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان کا سودا کر لیتا ہے،[۱۳۷] اور اللہ (ایسے) بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۰۷﴾

---

(۱۳۶) بعض روایات میں ہے کہ اخنس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منوّرہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بڑی چکنی چپڑی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں کی کھیتیاں جلا دیں اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھیں، البتہ یہ ہر قسم کے منافقوں پر پوری اُترتی ہیں۔

(۱۳۷) یہ اُن صحابۂ کرام کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی جانیں اسلام کے مقاصد کے لئے کھپا رکھی تھیں۔ ایسے کئی صحابہ کے واقعات مفسرین نے ذکر کئے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

ع ۲۵ / ۱۴ / ۹

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۲۰۸﴾ پھر جو روشن دلائل تمہارے پاس آچکے ہیں، اگر تم اُن کے بعد بھی (راہِ راست سے) پھسل گئے تو یاد رکھو کہ اللہ اقتدار میں بھی کامل ہے، حکمت میں بھی کامل۔ (۱۳۸) ﴿۲۰۹﴾ یہ (کفار ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ خود بادل کے سائبانوں میں ان کے سامنے آموجود ہو، اور فرشتے بھی (اس کے ساتھ ہوں) اور سارا معاملہ ابھی چکا دیا جائے؟ (۱۳۹) حالانکہ آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف تو لوٹ کر رہیں گے ﴿۲۱۰﴾ بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے ان کو کتنی ساری کھلی نشانیاں دی تھیں! اور جس شخص کے پاس اللہ کی نعمت آچکی ہو، پھر وہ اس کو بدل ڈالے، تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲۱۱﴾

(۱۳۸) ان دو صفتوں کو ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس کا اقتدار کامل ہے اس لئے وہ کسی وقت بھی تمہاری بدعملی کی سزا دے سکتا ہے، لیکن چونکہ اس کی حکمت بھی کامل ہے، اس لئے وہی اپنی حکمت سے یہ طے کرتا ہے کہ کس کو کب اور کتنی سزا دینی ہے۔ لہٰذا اگر ایسے کافر فوری طور سے عذاب میں پکڑے نہیں جا رہے تو اس سے یہ سمجھ بیٹھنا حماقت ہے کہ وہ سزا سے ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

(۱۳۹) مختلف کفار، اور خاص طور پر یہودِ مدینہ، اس قسم کے مطالبات کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہمیں نظر آکر ہمیں ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یہ آیت اس قسم کے مطالبات کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ یہ

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوا فِيْهِ ؕ

جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے لئے دُنیوی زندگی بڑی دِلکش بنادی گئی ہے، اور وہ اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے ہیں، حالانکہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے وہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (۱۴۰) ﴿۲۱۲﴾ (شروع میں) سارے انسان ایک ہی دِین کے پیرو تھے۔ پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو (حق والوں کو) خوشخبری سناتے، اور (باطل والوں کو) ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں ان کا اختلاف تھا۔

دُنیا اس آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کرے اور کائنات میں پھیلے ہوئے واضح دلائل کی روشنی میں اللہ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اسی لئے اس آزمائش میں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ براہِ راست نظر آجائیں تو آزمائش کیا ہوئی؟ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب غیب کی چیزیں انسان کو آنکھوں سے نظر آجائیں تو پھر ایمان معتبر نہیں ہوتا اور ایسا اُسی وقت ہوگا جب یہ کائنات ختم کر کے سزا اور جزا کا مرحلہ آجائے گا۔ معاملہ چکانے سے یہاں یہی مراد ہے۔

(۱۴۰) یہ فقرہ دراصل کفار کے اس باطل دعوے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہمیں خوب رزق دے رہا ہے اس لئے یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہمارے عقائد اور اعمال سے ناراض نہیں ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں رزق کی فراوانی کسی کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ دُنیوی رزق کے لئے اللہ کے نزدیک الگ معیار مقرّر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور (افسوس کی بات یہ ہے کہ) کسی اور نے نہیں بلکہ خود انہوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی، روشن دلائل آجانے کے بعد بھی، صرف باہمی ضد کی وجہ سے اسی (کتاب) میں اختلاف نکال لیا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انہیں اپنے حکم سے حق کی ان باتوں میں راہِ راست تک پہنچایا جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے ﴿۲۱۳﴾ (مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اُٹھے کہ ''اللہ کی مدد کب آئے گی؟''، یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔ ﴿۲۱۴﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہونا چاہئے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۱۵﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

تم پر (دُشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُرا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ﴿۲۱۶﴾ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟[۱۴۱] آپ کہہ دیجیے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی رَوِش اختیار کرنا، مسجدِ حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دِین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دِین چھوڑ دے، اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ﴿۲۱۷﴾

(۱۴۱) سورۂ توبہ (۹:۳۶) میں چار مہینوں کو "اَشہرِ حرم" کہا گیا ہے، یعنی حرمت والے مہینے۔ آنحضرت صلی اللہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

(اس کے برخلاف) جو لوگ اِیمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، تو وہ بیشک اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۱۸﴾
لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ (۱۴۲)

علیہ وسلم نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ چار مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ان مہینوں میں جنگ منع ہے، البتہ اگر کوئی دُشمن حملہ کردے تو اپنا دِفاع کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران چند صحابہ کی کچھ مشرکین سے جھڑپ ہوگئی، اور مشرکین میں سے ایک آدمی عمرو بن اُمیہ ضمری مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ کی ۲۹ تاریخ کی شام کو واقع ہوا، لیکن اس شخص کے قتل ہوتے ہی رجب کا چاند نظر آ گیا۔ اس پر مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان مچادیا کہ یہ لوگ حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں کررہے ہیں۔ یہ آیت اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو عمرو بن اُمیہ کا قتل غلط فہمی میں ہوا، جان بوجھ کر حرمت والے مہینے میں قتل نہیں کیا گیا، لیکن جو لوگ اس واقعے پر طوفان کھڑا کئے ہوئے ہیں، انہوں نے اس سے کہیں بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو نہ صرف مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، بلکہ جو لوگ حقیقۃً مسجدِ حرام میں عبادت کے اہل ہیں ان کے لئے زندگی اجیرن بنا کر انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کی رَوِش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۱۴۲) چونکہ اہلِ عرب صدیوں سے شراب کے عادی تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کے اعلان میں تدریج سے کام لیا۔ پہلے سورۂ نحل (۱۶:۶۷) میں ایک لطیف اشارہ دیا کہ نشہ لانے والی شراب اچھی چیز نہیں ہے۔ پھر سورۂ بقرہ کی اس آیت میں قدرے وضاحت سے فرمایا کہ شراب پینے کے نتیجے میں انسان سے بہت سی ایسی حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں جو گناہ ہیں، اور اگرچہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، مگر گناہ کے امکانات

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

اورلوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ ''جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔''(۱۴۳) اللہ اسی طرح اپنے اَحکام تمہارے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر سے کام لو ﴿۲۱۹﴾ دُنیا کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔ اورلوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی بھلائی چاہنا نیک کام ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔(۱۴۴) یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۲۲۰﴾

زیادہ ہیں۔ پھر سورۂ نساء (۴:۴۳) میں یہ حکم آیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ بالآخر سورۂ مائدہ (۵:۹۰-۹۱) میں شراب کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے مکمل پرہیز کرنے کا صاف صاف حکم دے دیا گیا۔

(۱۴۳) بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے صدقے کا ثواب سن کر اپنی ساری پونجی صدقہ کر دی یہاں تک کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ نہ چھوڑا، اور گھر والے بھوکے رہ گئے۔ اس آیت نے بتلایا کہ صدقہ وہی درست ہے جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورتِ پوری کرنے کے بعد کیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس پر زور دیا ہے کہ صدقہ اتنا ہونا چاہئے کہ گھر والے محتاج نہ ہو جائیں۔

(۱۴۴) جب قرآنِ کریم نے یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید سنائی (دیکھئے سورۂ نساء ۴: ۲و۱۰) تو بعض صحابہ جن کی سرپرستی میں کچھ یتیم تھے، اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا الگ پکواتے، اور انہیں الگ ہی کھلاتے،

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

اورمشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔ اور اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک مرد تمہیں پسند آرہا ہو۔ یہ سب دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنے احکام لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۲۱﴾

اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے، لہٰذا حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان سے قربت (یعنی جماع) نہ کرو۔

یہاں تک کہ اگر ان کا کچھ کھانا بچ جاتا تو سڑ جاتا تھا۔ اس میں تکلیف بھی تھی اور نقصان بھی۔ اس آیت نے واضح کردیا کہ اصل مقصد یہ ہے کہ یتیموں کی مصلحت کا پورا خیال رکھا جائے، سرپرستوں کو مشکل میں ڈالنا مقصد نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا کھانا ساتھ پکانے اور ساتھ کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ معقولیت اور انصاف کے ساتھ ان کے مال سے ان کے کھانے کا خرچ وصول کیا جائے۔ پھر اگر غیر ارادی طور پر کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو معاف ہے۔ ہاں جان بوجھ کر ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ رہی یہ بات کہ کون انصاف اور اصلاح سے کام لے رہا ہے اور کس کی نیت خراب ہے، اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ہاں جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس اسی طریقے سے جاؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رُجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں ﴿۲۲۲﴾ تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لہٰذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ،(۱۴۵) اور اپنے لئے (اچھے عمل) آگے بھیجو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ تم اس سے جا کر ملنے والے ہو۔ اور مؤمنوں کو خوشخبری سنادو ﴿۲۲۳﴾

---

(۱۴۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف کنایہ استعمال کر کے میاں بیوی کے خصوصی ملاپ کے بارے میں چند حقائق بیان فرمائے ہیں۔ پہلی بات تو یہ واضح فرمائی ہے کہ میاں بیوی کا یہ ملاپ صرف لذّت حاصل کرنے کے مقصد سے نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے انسانی نسل کی بڑھوتری کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ جس طرح ایک کاشتکار اپنی کھیتی میں بیج ڈالتا ہے تو اس کا اصل مقصد پیداوار کا حصول ہوتا ہے، اسی طرح یہ عمل بھی دراصل انسانی نسل باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اس عمل کا اصل مقصد یہ ہے تو یہ عمل نسوانی جسم کے اسی حصے میں ہونا چاہئے جو اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پیچھے کا جو حصہ اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا، اس کو فطرت کے خلاف جنسی لذّت کے لئے استعمال کرنا حرام ہے۔ تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ نسوانی جسم کا جو اگلا حصہ اس غرض کے لئے بنایا گیا ہے، اس تک پہنچنے کے لئے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اس حصے میں مباشرت کرنے کے لئے بس ایک ہی طریقہ جائز ہے، یعنی سامنے کی طرف سے۔ اگر مباشرت آگے ہی کے حصے میں ہو، لیکن اس تک پہنچنے کے لئے راستہ پیچھے کا اختیار کیا جائے تو وہ کہتے تھے کہ اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دُور کردی۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں میں اس غرض سے استعمال نہ کرو کہ اس کے ذریعے نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے سے بچ سکو۔[۱۴۶] اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ﴿۲۲۴﴾ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرے گا،[۱۴۷] البتہ جو قسمیں تم نے اپنے دِلوں کے ارادے سے کھائی ہوں گی ان پر گرفت کرے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بُردبار ہے۔ ﴿۲۲۵﴾

(۱۴۶) بعض مرتبہ انسان کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر کوئی قسم کھالیتا ہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، حالانکہ وہ نیک کام ہوتا ہے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت مسطحؓ سے ایک غلطی ہوگئی تھی تو حضرت صدیقِ اکبرؓ نے یہ قسم کھالی تھی کہ آئندہ وہ ان کی مالی مدد نہیں کریں گے، یا جیسے روح المعانی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے بہنوئی کے بارے میں قسم کھالی تھی کہ وہ ان سے بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کی بیوی سے ان کی صلح کرائیں گے۔ یہ آیت ایسی قسم کھانے سے منع کر رہی ہے، کیونکہ اس طرح اللہ کا نام ایک غلط مقصد میں استعمال ہوتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نامناسب قسم کھالے تو اسے توڑ دینا چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۱۴۷) لغو قسم سے مراد ایک تو وہ قسم ہے جو قسم کھانے کے ارادے سے نہیں، بلکہ تکیہ کلام کے طور سے زبان پر آجائے، خاص طور پر عربوں میں اس کا بہت رواج تھا کہ بات بات میں وہ ''واللہ'' کہہ دیتے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان ماضی کے کسی واقعے پر قسم کے ارادے ہی سے قسم کھاتا ہے، لیکن اس کے اپنے خیال کے مطابق وہ قسم صحیح ہوتی ہے، جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں ہوتا، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو بات قسم کھا کر کہی تھی، وہ حقیقت میں صحیح نہیں تھی۔ ان دونوں طرح کی قسموں کو لغو کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے بتایا کہ اس پر گناہ نہیں ہوتا۔ البتہ انسان کو چاہئے کہ وہ قسم کھانے میں احتیاط سے کام لے، اور ایسی قسم سے بھی پرہیز کرے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

جولوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں (یعنی ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں) ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔[۱۴۸] چنانچہ اگر وہ (قسم توڑ کر) رُجوع کرلیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۲۶﴾ اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو (بھی) اللہ سننے جاننے والا ہے ﴿۲۲۷﴾ اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔[۱۴۹] اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ (حمل یا حیض) پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔

(۱۴۸) عربوں میں یہ ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ وہ یہ قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ بیوی غیر معین مدت تک لٹکی رہتی تھی۔ نہ اسے بیوی جیسے حقوق ملتے تھے، اور نہ وہ کہیں اور شادی کرسکتی تھی۔ ایسی قسم کو ''ایلاء'' کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے یہ قانون بنادیا کہ جو شخص ایلاء کرے، وہ یا تو چار مہینے کے اندر اندر اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کردے اور اپنی بیوی سے معمول کے ازدواجی تعلقات بحال کرلے، ورنہ چار مہینے تک اگر اس نے قسم نہ توڑی تو بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ آیت میں جو کہا گیا ہے کہ ''اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو''، اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ چار مہینے قسم توڑے بغیر گزار دیں تو نکاح خود بخود ختم ہوجائے گا۔

(۱۴۹) یہ مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان ہے، یعنی طلاق کے بعد انہیں تین مرتبہ اَیامِ ماہواری پورے ہونے تک عدت گذارنی ہوگی جس کے بعد وہ کہیں اور نکاح کرسکیں گی۔ لیکن سورۂ اَحزاب (۳۳:۴۹) میں واضح کردیا گیا ہے کہ عدت گذارنا اسی وقت واجب ہے جب میاں بیوی کے درمیان خلوت ہوچکی ہو۔ اگر اس سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو عدت واجب نہیں۔ نیز سورۂ طلاق (۶۵:۴) میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہو یا ابھی آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہوجائے گی۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ ع ۲۸ ۱۲

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ

اوراس مدت میں اگران کے شوہر حالات بہتر بنانا چاہیں تو ان کو حق ہے کہ وہ ان عورتوں کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لیں۔ اوران عورتوں کومعروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) اُن پر حاصل ہیں۔ ہاں مردوں کوان پر ایک درجہ فوقیت ہے۔(۱۵۰) اوراللہ غالب اورحکمت والا ہے ﴿۲۲۸﴾ طلاق (زیادہ سے زیادہ) دوبار ہونی چاہئے۔ اس کے بعد (شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کرلے) یا خوش اُسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گذر جانے دے)۔ اور (اے شوہرو!) تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم نے ان (بیویوں) کو جو کچھ دیا ہو وہ (طلاق کے بدلے) ان سے واپس لو، اِلا یہ کہ دونوں کواس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ (نکاح باقی رہنے کی صورت میں) اللہ کی مقرّر کی ہوئی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔(۱۵۱)

---

(۱۵۰) جاہلیت کے دور میں عورت کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ شوہر اور بیوی کے حقوق ایک دوسرے کے برابر ہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ زندگی کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے مرد کوامیر اور نگراں بنایا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ نساء (۴: ۳۴) میں واضح فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے اس کوایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔

(۱۵۱) اس آیت نے ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دوطلاقیں دینی چاہئیں، کیونکہ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلقات بحال ہونے کا امکان رہتا ہے۔ چنانچہ عدت کے دوران شوہر کوطلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت کے بعد دونوں کی باہمی رضامندی سے نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے، تین طلاقوں کے بعد دونوں راستے بند

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

چنانچہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرلے۔ یہ اللہ کی مقرّر کی ہوئی حدود ہیں؛ لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں ﴿۲۲۹﴾ پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کرکے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔ اور یہ سب اللہ کی حدود ہیں جو وہ ان لوگوں کے لئے واضح کررہا ہے جو سمجھ رکھتے ہوں ﴿۲۳۰﴾

ہوجاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کا فیصلہ کرے یا علیحدگی کا، دونوں صورتوں میں معاملات خوش اُسلوبی سے طے کرنے چاہئیں۔ عام حالات میں شوہر کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بدلے مہر واپس کرنے یا معاف کرنے کا مطالبہ کرے۔ ہاں اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر کی کسی زیادتی کے بغیر ہو، مثلاً بیوی شوہر کو پسند نہ کرتی ہو اور اس بنا پر دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ خوشگواری کے ساتھ نکاح کے حقوق ادا نہ کرسکیں گے، تو اس صورت میں یہ جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ عورت مالی معاوضے کے طور پر مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کردے یا اگر اس وقت تک وصول نہ کیا ہو تو معاف کردے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدّت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) روک رکھو، یا انہیں بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو۔ اور انہیں ستانے کی خاطر اس لئے روک کر نہ رکھو کہ ان پر ظلم کر سکو۔ (۱۵۲) اور جو شخص ایسا کرے گا وہ خود اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی آیتوں کو مذاق مت بناؤ اور اللہ نے تم پر جو اِنعام فرمایا ہے اُسے، اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿۲۳۱﴾ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدّت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں۔ (۱۵۳)

---

(۱۵۲) جاہلیت میں ایک ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے اور جب عدت گذرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتے، تاکہ وہ دوسرا نکاح نہ کر سکے، پھر اس کے حقوق ادا کرنے کے بجائے کچھ عرصے کے بعد پھر طلاق دیتے، اور عدت گذرنے سے پہلے پھر رجوع کر لیتے، اور اس طرح وہ غریب بیچ میں لٹکی رہتی، نہ کسی اور سے نکاح کر سکتی، اور نہ شوہر سے اپنے حقوق حاصل کر سکتی۔ یہ آیت اس ظالمانہ طریقے کو حرام قرار دے رہی ہے۔

(۱۵۳) بعض مرتبہ طلاق اور اس کی عدت گذرنے کے بعد میاں بیوی کو سبق مل جاتا اور وہ از سرِ نو نئی زندگی شروع

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

ان باتوں کی نصیحت تم میں سے ان لوگوں کو کی جارہی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہی تمہارے لئے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۲۳۲﴾ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دُودھ پلائیں۔ یہ مدت ان کے لئے ہے جو دُودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔ اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اُٹھائے۔ (۱۵۴)

کرنے کے لئے آپس میں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے تھے، چونکہ طلاقیں تین نہیں ہوئی ہوتی تھیں، اس لئے شرعاً نیا نکاح جائز بھی تھا اور عورت بھی اس پر راضی ہوتی تھی، لیکن عورت کے میکے والے خودساختہ غیرت کی بنا پر اسے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے سے روکتے تھے۔ یہ آیت اس غلط رسم کو ناجائز قرار دے رہی ہے۔

(۱۵۴) طلاق کے اَحکام کے درمیان بچے کو دُودھ پلانے کا ذکر اس مناسبت سے آیا ہے کہ بعض اوقات یہ مسئلہ ماں باپ کے درمیان جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن جو اَحکام یہاں بیان کئے گئے ہیں، وہ طلاق کی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ تمام حالات کے لئے ہیں۔ پہلی بات تو اس میں یہ واضح کی گئی ہے کہ دُودھ زیادہ سے زیادہ دو سال تک پلایا جاسکتا ہے، اس کے بعد ماں کا دُودھ چھڑانا ہوگا۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر ماں باپ بچے کی مصلحت سمجھیں تو پہلے بھی دُودھ چھڑا سکتے ہیں، دو سال پورے کرنا شرعاً واجب نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ دُودھ پلانے والی ماں کا خرچ اس کے شوہر یعنی بچے کے باپ پر واجب ہے۔ اگر نکاح قائم ہو تب تو یہ خرچ نکاح کی وجہ سے واجب ہے، اور اگر طلاق ہوگئی ہو تو عدت کے دوران دُودھ پلانا مطلقہ ماں پر واجب ہے، اور اس دوران اس کا نفقہ طلاق دینے والے شوہر پر ہے۔ عدت کے بعد نفقہ تو ختم ہوجائے گا، لیکن مطلقہ ماں عدت کے بعد دُودھ پلانے کی اُجرت کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُۥ بِوَلَدِهِۦ ۚ وَعَلَى ٱلْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوٓا۟ أَوْلَٰدَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّآ ءَاتَيْتُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

(ہاں) کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے، اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے۔(۱۵۵) اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔(۱۵۶) پھر اگر وہ دونوں (یعنی والدین) آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے (دو سال گذرنے سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں بھی ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی انا سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، جبکہ تم نے جو اُجرت ٹھہرائی تھی وہ (دودھ پلانے والی انا کو) بھلے طریقے سے دے دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۳﴾

---

(۱۵۵) یعنی ماں اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے دودھ نہ پلائے، تو اسے مجبور نہ کیا جائے، دوسری طرف اگر بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ نہ لیتا ہو تو ماں کے لئے انکار جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ انکار باپ کو بلا وجہ ستانے کے مرادف ہے۔

(۱۵۶) یعنی اگر کسی بچے کا باپ زندہ نہ ہو تو دودھ پلانے کے سلسلے میں جو ذمہ داری باپ کی ہے، وہ بچے کے وارثوں پر عائد ہوگی۔ یعنی جو لوگ بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے ترکے کے حق دار ہوں گے، انہی پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس بچے کو دودھ پلانے اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی ذمہ داری اُٹھائیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۳۴﴾ اور (عدت کے دوران) اگر تم ان عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا (ان سے نکاح کا ارادہ) دِل میں چھپائے رکھو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان (سے نکاح) کا خیال تو دِل میں لاؤ گے، لیکن ان سے نکاح کا دوطرفہ وعدہ مت کرنا، اِلا یہ کہ مناسب طریقے سے کوئی بات کہہ دو۔[۱۵۷] اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔ اور یاد رکھو کہ جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے؛ لہٰذا اس سے ڈرتے رہو؛ اور یاد رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۲۳۵﴾

(۱۵۷) جو عورت عدت گذار رہی ہو اس کو صاف لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا اور یہ بات پکی کر لینا جائز نہیں

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے ان کو چھوا بھی نہ ہو، اور نہ ان کے لئے کوئی مہر مقرر کیا ہو۔ اور (ایسی صورت میں) ان کو کوئی تحفہ دو،(۱۵۸) خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق بھلے طریقے سے یہ تحفہ دے۔ یہ نیک آدمیوں پر ایک لازمی حق ہے ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے ہی اس حالت میں طلاق دی ہو جبکہ ان کے لئے (نکاح کے وقت) کوئی مہر مقرر کرلیا تھا تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا تھا اس کا آدھا دینا (واجب ہے) اِلّا یہ کہ وہ عورتیں رعایت کردیں (اور آدھے مہر کا بھی مطالبہ نہ کریں) یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، رعایت کرے (اور پورا مہر دیدے) اور اگر تم رعایت کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں فراخ دِلی کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔ جو عمل بھی تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اسے دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۷﴾

ہے کہ عدت کے بعد تم مجھ سے نکاح کروگی۔ البتہ اس آیت نے کوئی مناسب اشارہ دینے کی اجازت دی ہے جس سے وہ عورت سمجھ جائے کہ اس شخص کا ارادہ عدت کے بعد پیغام دینے کا ہے۔ مثلاً کوئی اتنا کہلوادے کہ میں بھی کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہوں۔

(۱۵۸) یہ وہ صورت ہے جس میں دو مرد وعورت نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا، اور پھر دونوں کے درمیان خلوَت کی نوبت آنے سے پہلے ہی طلاق ہوگئی: اس صورت میں شوہر پر مہر تو واجب نہیں ہوتا، لیکن کم از کم ایک جوڑا کپڑا دینا واجب ہے، اور کچھ مزید تحفہ دیدے تو زیادہ بہتر ہے۔ (اس تحفے کو اِصطلاح میں متعہ کہا جاتا ہے) اور اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے کرلی گئی تھی، پھر خلوت سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو اس صورت میں آدھا مہر واجب ہوگا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۳۱ / ۷ / ۱۵

تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔[159] اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو ﴿۲۳۸﴾ اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو)[160] پھر جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے ﴿۲۳۹﴾ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اُٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔[161] ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۲۴۰﴾ اور مطلقہ عورتوں کو قاعدے کے مطابق فائدہ پہنچانا متقیوں پر ان کا حق ہے[162] ﴿۲۴۱﴾ اللہ اپنے اَحکام اسی طرح وضاحت سے تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ داری سے کام لو۔ ﴿۲۴۲﴾

(۱۵۹) آیت نمبر ۱۵۳ سے اسلامی عقائد اور اَحکام کا جو بیان شروع ہوا تھا (دیکھئے اس آیت پر ہمارا حاشیہ) وہ اب ختم ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۳ میں یہ بیان نماز کی تاکید سے شروع ہوا تھا، اب آخر میں دوبارہ نماز کی یہ اہمیت

بیان کی جارہی ہے کہ جنگ کے شدید حالات میں بھی امکان کی آخری حد تک اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ''بیچ کی نماز'' سے مراد عصر کی نماز ہے۔اس کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور سے اس وقت لوگ اپنا کاروبار سمیٹنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور اس مشغولیت میں بے پروائی ہونے کا امکان زیادہ ہے۔

(۱۶۰) جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے۔البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضا کرنا بھی جائز ہے۔

(۱۶۱) آخر میں طلاق کے جو مسائل چل رہے تھے ان کا ایک تکملہ ضمنی طور پر بیان ہوا ہے جو مطلقہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ہے۔زمانۂ جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال ہوتی تھی، لیکن اسلام نے پیچھے آیت نمبر ۲۳۴ میں عدت کی مدت گھٹا کر چار مہینے دس دن مقرر کر دی۔جس وقت زیرِ نظر آیت نازل ہوئی ہے اُس وقت تک میراث کے اَحکام نہیں آئے تھے، اور جیسا کہ اُوپر آیت نمبر ۱۸۰ میں گذرا، لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کریں کہ ان کے ترکے سے کس کو کتنا دیا جائے۔لہٰذا اس آیت میں اسی اُصول کے تحت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگرچہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے لیکن اس کے شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں یہ وصیت کر جایا کرے کہ اسے سال بھر تک اس کے ترکے سے نفقہ بھی دیا جائے اور اس کے گھر میں رہائش بھی فراہم کی جائے۔البتہ اگر وہ خود اپنا یہ حق چھوڑ دے اور چار مہینے دس دن کے بعد شوہر کے گھر سے چلی جائے تو کچھ حرج نہیں۔ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے اس کے لئے بھی شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگلے جملے میں جو کہا گیا ہے کہ ''ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا'' اس میں قاعدے سے مراد یہی ہے کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکلیں، پہلے نہیں۔لیکن یہ سارا حکم میراث کے اَحکام آنے سے پہلے پہلے تھا۔جب سورۂ نساء میں میراث کے اَحکام آگئے، اور بیوی کا حصہ ترکے میں مقرر کر دیا گیا تو سال بھر کے نفقے اور رہائش کا یہ حق ختم ہوگیا۔

(۱۶۲) مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا لفظ بڑا عام ہے۔اس میں عدت کے دوران کا نفقہ بھی داخل ہے، اور اگر ابھی مہر نہ دیا گیا ہو تو وہ بھی داخل ہے، نیز اُوپر آیت نمبر ۲۳۶ میں جس تحفے کا ذکر ہے وہ بھی اس میں شامل ہے۔یہ تحفہ اس صورت میں تو واجب ہے جب کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور خلوت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو، لیکن جب مہر مقرر ہوا ہو تو اس صورت میں بھی مستحب ہے کہ مطلقہ عورت کو مہر کے علاوہ یہ تحفہ بھی دیا جائے۔ان تمام اَحکام سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اوّل تو طلاق کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اور اس کا اِقدام اسی وقت کرنا چاہئے جب کوئی اور صورت باقی نہ رہی ہو، دوسرے جب یہ اِقدام کیا جائے تو نکاح کے تعلق کا اِختتام بھی شرافت، فراخ دِلی اور اِحترام سے خوشگوار ماحول میں ہونا چاہئے، دُشمنی کے ماحول میں نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا جو موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ چنانچہ اللہ نے ان سے کہا: ''مرجاؤ'' پھر انہیں زندہ کیا۔ (۱۶۳) حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾ اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۲۴۴﴾

---

(۱۶۳) یہاں سے آیت نمبر ۲۶۰ تک دو مضمون ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ بنیادی مقصد جہاد کی ترغیب دینا ہے، لیکن بعض منافقین اور کمزور طبیعت کے لوگ جہاد میں جانے سے اس لئے کتراتے تھے کہ انہیں موت کا خوف تھا۔ اس لئے دوسرا مضمون ساتھ ساتھ بیان ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو جنگ کے بغیر بھی موت دیدے، اور چاہے تو شدید جنگ کے درمیان بھی انسانوں کی حفاظت کرلے، بلکہ اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی انسانوں کو زندہ کردے۔ اس قدرت کا عمومی مظاہرہ تو آخرت میں ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں بھی چند ایسے نمونے دُنیا کو دِکھا دیئے ہیں جن میں بعض لوگوں کو مرنے کے بعد بھی زندہ کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اس آیت ۲۴۳ میں دی گئی ہے۔ ایک اشارہ آیت نمبر ۲۵۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے، جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کئی مردوں کو زندہ کیا۔ تیسرا حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مکالمے (آیت نمبر ۲۵۸) میں اللہ تعالیٰ کے موت اور زندگی دینے سے متعلق ہے۔ چوتھا واقعہ آیت نمبر ۲۵۹ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت (نمبر ۲۶۰) میں پانچواں واقعہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔

زیرِ نظر آیت (۲۴۳) میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی تفصیل قرآنِ کریم نے بیان نہیں فرمائی۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ کسی زمانے میں کوئی قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی، موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑی

ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی، اور پھر زندہ کرکے یہ دِکھا دیا کہ اگر موت سے بچنے کے لئے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی تدبیر اختیار کرے تو ضروری نہیں کہ موت سے بچ ہی جائے، اللہ تعالیٰ اسے پھر بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے۔ یہ لوگ کون تھے؟ کس زمانے میں تھے؟ وہ موت کا خوف کیا تھا جس کی بنا پر یہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ یہ تفصیل قرآنِ کریم نے بیان نہیں فرمائی، کیونکہ قرآنِ کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس میں جو واقعات بیان ہوتے ہیں، وہ کوئی سبق دینے کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا اکثر ان کا صرف اتنا حصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے وہ سبق مل جائے۔ اور اس واقعے سے مذکورہ بالا سبق لینے کے لئے اتنی بات کافی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ البتہ جس انداز سے قرآنِ کریم نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس وقت لوگوں میں مشہور و معروف تھا۔ آیت کے شروع میں یہ الفاظ کہ: ''کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا؟'' اس قصے کی شہرت پر دلالت کر رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض تابعین سے کئی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بنو اسرائیل کے لوگوں کا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود یا تو کسی دُشمن کے مقابلے سے کترا کر اپنا گھر بار چھوڑ گئے تھے یا طاعون کی وبا سے گھبرا کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ جب یہ اس جگہ پہنچے جسے وہ پناہ گاہ سمجھتے تھے تو اللہ کے حکم سے موت نے وہیں ان کو آلیا۔ بعد میں جب وہ بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو گئے تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان ہڈیوں سے خطاب کریں، اور ان کے خطاب کے بعد وہ ہڈیاں پھر سے انسانی شکل میں زندہ ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کا یہ قصہ موجودہ بائبل میں بھی مذکور ہے۔ (دیکھئے: حزقی ایل ۳۷:۱ تا ۱۵) اس لئے کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے ذریعے مشہور ہو گیا ہو۔

واقعے کی یہ تفصیلات مستند ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنی بات قرآنِ کریم کے صاف اور صریح الفاظ سے واضح ہے کہ ان لوگوں کو حقیقی طور پر موت کے بعد زندہ کیا گیا تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنّفین نے مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از قیاس سمجھتے ہوئے اس آیت میں یہ تأویل کی ہے کہ یہاں موت سے مراد سیاسی اور اخلاقی موت ہے، اور دوبارہ زندہ ہونے سے مراد سیاسی غلبہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تأویل قرآنِ کریم کے صریح الفاظ سے میل نہیں کھاتی، اور عربیت اور قرآنِ کریم کے اُسلوب سے بھی بہت بعید ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہے تو اس قسم کے واقعات میں تعجب کی کیا بات ہے جس کی بنا پر یہ دُور از کار تأویلیں کی جائیں؟ بالخصوص یہاں سے آیت ۲۶۰ تک جو سلسلۂ کلام چل رہا ہے، اور جس کی تفصیل اُوپر بیان ہوئی ہے، اس کی روشنی میں یہاں موت اور زندگی سے حقیقی معنیٰ مراد ہونا ہی قرینِ قیاس ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

وقف لازم

کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے کہ وہ بدرجہا زیادہ ہو جائے؟ (۱۶۴) اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے، اور وہی وسعت دیتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ ﴿۲۴۵﴾

کیا تمہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کے اس واقعے کا علم نہیں ہوا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ (اس کے جھنڈے تلے) ہم اللہ کے راستے میں جنگ کر سکیں۔ (۱۶۵) نبی نے کہا: ''کیا تم لوگوں سے یہ بات کچھ بعید ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کی جائے تو تم نہ لڑو؟'' انہوں نے کہا: ''بھلا ہمیں کیا ہو جائے گا جو ہم اللہ کے راستے میں جنگ نہ کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بچوں کے پاس سے نکال باہر کیا گیا ہے۔'' پھر (ہوا یہی کہ) جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب پیٹھ پھیر گئے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۲۴۶﴾

(۱۶۴) اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے، اور جہاد کے مقاصد میں خرچ کرنا بھی۔ اسے قرض مجازاً کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا بدلہ ثواب کی صورت میں دیا جائے گا۔ اور ''اچھے طریقے'' کا مطلب یہ ہے کہ اِخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیا

جائے، دِکھاوا یا دُنیا میں بدلہ لینا مقصود نہ ہو، اور اگر جہاد کے لئے یا کسی غریب کی مدد کے طور پر قرض ہی دیا جائے تو اس پر کسی سود کا مطالبہ نہ ہو۔ کفار اپنی جنگی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیتے تھے۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اوّل تو وہ قرض کے بجائے چندہ دیں، اور اگر قرض ہی دیں تو اصل سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں، کیونکہ اگرچہ دُنیا میں تو انہیں سود نہیں ملے گا، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اصل سے بدر جہا زیادہ عطا فرمائیں گے۔ جہاں تک اس خطرے کا تعلق ہے کہ اس طرح خرچ کرنے سے مال میں کمی ہو جائے گی، اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ تنگی اور وسعت اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ جو شخص اللہ کے دِین کی خاطر اپنا مال خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو تنگی پیش آنے نہیں دیں گے، بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

(۱۶۵) یہاں نبی سے مراد حضرت سموئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد پیغمبر بنائے گئے تھے۔ سورۂ مائدہ (۵:۲۴) میں مذکور ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان عمالقہ سے جہاد کرنے کی دعوت دی تھی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہو گئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کر دیا جس کی سزا میں انہیں صحرائے سینا میں محصور کر دیا گیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی، بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا۔ حضرت یوشع علیہ السلام آخر عمر تک ان کی نگرانی کرتے رہے، اور ان کے معاملات کے تصفیے کے لئے قاضی مقرر کئے۔ تقریباً تین سو سال تک نظام اسی طرح چلتا رہا کہ بنی اسرئیل کا کوئی بادشاہ یا حکمران نہیں تھا، بلکہ قبیلوں کے سردار اور حضرت یوشع علیہ السلام کے مقرر کئے ہوئے نظام کے تحت قاضی ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے اس دور کو قاضیوں کا زمانہ کہا جاتا تھا۔ بائبل کی کتاب قضاۃ میں اسی زمانے کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ چونکہ اس دور میں پوری قوم کا کوئی متفقہ حکمران نہیں تھا، اس لئے آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں۔ آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے ان پر حملہ کر کے انہیں سخت شکست دی اور وہ متبرک صندوق بھی اُٹھا کر لے گئے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی کچھ یادگاریں، تورات کا نسخہ اور آسمانی غذا ''من'' کا مرتبان محفوظ تھا، اور جسے بنی اسرائیل تبرک کے لئے جنگوں کے موقع پر آگے رکھا کرتے تھے۔ حالات کے اس پس منظر میں ایک قاضی حضرت سموئیل علیہ السلام کو نبوّت کا منصب عطا ہوا۔ ان کے دور میں بھی فلسطینیوں کا ظلم و ستم جاری رہا تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں طالوت کو بادشاہ بنایا گیا جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔ بائبل میں دو کتابیں حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے پہلی کتاب میں بنی اسرائیل کی طرف سے بادشاہ مقرر کرنے کی فرمائش بھی ذکر کی گئی ہے، مگر بادشاہ کا نام طالوت کے بجائے ساؤل مذکور ہے۔ نیز بعض تفصیلات میں فرق بھی ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: "اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔" کہنے لگے: "بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔" نبی نے کہا: "اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے، اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے" ﴿۲۴۷﴾ اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: "طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اُٹھائے ہوئے لائیں گے (۱۶۶) اگر تم مؤمن ہو تو تمہارے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ ﴿۲۴۸﴾

(۱۶۶) جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا اور ان کے بادشاہ مقرر ہونے پر کوئی نشانی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے یہ کہلوایا کہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ اشدودی قوم کے لوگ جو متبرک صندوق اُٹھا کر لے گئے تھے، ان کے زمانے میں اللہ کے فرشتے وہ صندوق تمہارے پاس اُٹھا کر لے آئیں گے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اشدودیوں نے وہ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ

چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: ''اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جو شخص اس دریا سے پانی پیئے گا وہ میرا آدمی نہیں ہوگا، اور جو اسے نہیں چکھے گا وہ میرا آدمی ہوگا، اِلا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کچھ حرج نہیں)(۱۶۷)۔'' پھر (ہوا یہ کہ) ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس دریا سے (خوب) پانی پیا۔ چنانچہ جب وہ (یعنی طالوت) اور اس کے ساتھ ایمان رکھنے والے دریا کے پار اُترے، تو یہ لوگ (جنہوں نے طالوت کا حکم نہیں مانا تھا) کہنے لگے کہ: ''آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہم میں بالکل طاقت نہیں ہے۔''

صندوق ایک مندر میں لے جا کر رکھا، مگر اس کے بعد وہ طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہونا شروع ہو گئے، کبھی ان کے بت اوندھے پڑے ہوئے ملتے، کبھی گلٹیوں کی وبا پھیل جاتی، کبھی چوہوں کی کثرت پریشان کرتی۔ آخرکار ان کے نجومیوں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ یہ ساری آفتیں اس صندوق کی وجہ سے ہیں، چنانچہ انہوں نے وہ صندوق بیل گاڑیوں پر رکھ کر انہیں شہر سے باہر کی طرف ہنکا دیا۔ بائبل میں فرشتوں کے صندوق لانے کا ذکر نہیں ہے، مگر قرآنِ کریم نے صاف کہا ہے کہ اسے فرشتے لے کر آئیں گے۔ اگر بائبل کی یہ روایت درست مانی جائے کہ ان لوگوں نے خود صندوق کو باہر نکال دیا تھا تو یہ ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں نے اسے شہر سے باہر چھوڑ دیا ہو، اور وہاں سے اسے فرشتے اُٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں پر ہنکانے کا قصہ ہی غلط ہو اور فرشتے اسے براہِ راست اُٹھا لائے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱۶۷) یہ دریائے اُردن تھا، اور یہ امتحان بظاہر یہ دیکھنے کے لئے لیا گیا تھا کہ لشکر کے کتنے لوگ ہیں جو اپنے

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ
اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ ﴿۲۵۰﴾
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۛ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

(مگر) جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جا ملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ: ''نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں'' ﴿۲۴۹﴾ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے کہا: ''اے ہمارے پروردگار! صبر و استقلال کی صفت ہم پر اُنڈیل دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافر قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرما دے'' ﴿۲۵۰﴾ چنانچہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت کے ساتھیوں) کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا،[۱۶۸] اور اللہ نے اس کو سلطنت اور دانائی عطا کی، اور جو علم چاہا اس کو عطا فرمایا۔ اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دِفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے ﴿۲۵۱﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اور آپ بیشک ان پیغمبروں میں سے ہیں جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔[۱۶۹] ﴿۲۵۲﴾

امیر کی اطاعت کا ایسا جذبہ رکھتے ہیں کہ اس پر اپنی خواہشات کو بھی قربان کر دیں، کیونکہ اس طرح کی جنگ میں

ایسی مضبوط اطاعت کے بغیر کام نہیں چلتا۔

(۱۶۸) جالوت دُشمن کی فوج کا بڑا قوی ہیکل پہلوان تھا، سموئیل (علیہ السلام) کے نام پر جو پہلی کتاب بائبل میں ہے اس میں مذکور ہے کہ وہ کئی روز تک بنی اسرائیل کو چیلنج دیتا رہا کہ کوئی اس کے مقابلے کے لئے آئے، مگر کسی کو اس سے دوبدو لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ داؤد علیہ السلام اس وقت نوعمر نوجوان تھے، ان کے تین بھائی جنگ میں شریک تھے، مگر وہ چونکہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے اپنے بوڑھے والد کی خدمت کے لئے ان کے پاس رہ گئے تھے۔ جب جنگ شروع ہوئے کئی دن گذر گئے تو ان کے والد نے انہیں اپنے تین بھائیوں کی خیر خبر لینے کے لئے میدانِ جنگ بھیجا، یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جالوت مسلسل چیلنج دے رہا ہے، اور کوئی اس سے لڑنے کے لئے آگے نہیں بڑھ رہا، تو انہیں غیرت آئی اور انہوں نے طالوت سے اجازت مانگی کہ وہ جالوت کے مقابلے کے لئے جانا چاہتے ہیں؛ ان کی نوعمری کے پیش نظر شروع میں طالوت اور دوسرے لوگوں کو بھی تردّد ہوا، لیکن ان کے اِصرار پر انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے جالوت کے سامنے جا کر اللہ کا نام لیا اور ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جو اس کے سر میں گھس گیا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ اس کے پاس گئے اور خود اسی کی تلوار لے کر اس کا سر قلم کر دیا۔ (۱-سموئیل، باب ۱۷) یہاں تک بائبل اور قرآنِ کریم کے بیان میں کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن اس کے بعد بائبل میں یہ کہا گیا ہے کہ طالوت (یا ساؤل) کو حضرت داؤد علیہ السلام کی مقبولیت سے حسد ہو گیا تھا، چنانچہ بائبل میں ان کے خلاف بہت سی ناقابلِ یقین باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ بظاہر یہ داستانیں ان بنی اسرائیل کی کارروائی ہے جو شروع سے طالوت کے مخالف تھے۔ قرآنِ کریم نے جن الفاظ میں طالوت کی تعریف کی ہے ان میں حسد جیسی بیماری کی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال حضرت داؤد علیہ السلام کے اس کارنامے نے انہیں ایسی مقبولیت عطا کی کہ بعد میں وہ بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی بنے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوّت سے بھی سرفراز فرمایا، اور ان کے ذریعے پہلی بار ایسا ہوا کہ نبوّت اور بادشاہت ایک ہی ذات میں جمع ہوئیں۔

(۱۶۹) یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دِلائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر ان آیات کا جاری ہونا آپ کے رسول ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ کے پاس ان واقعات کو جاننے کا وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور ''ٹھیک ٹھیک'' کے الفاظ سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اہلِ کتاب نے ان واقعات کو بیان کرنے میں کہیں مبالغے سے کام لیا ہے، اور کہیں من گھڑت قصے مشہور کر دیئے ہیں۔ قرآنِ کریم ان میں سے صرف صحیح باتیں بیان کرتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لئے) بھیجے ہیں، ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور ان میں سے بعض کو اس نے بدرجہا بلندی عطا کی۔(۱۷۰) اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی مدد فرمائی۔(۱۷۱) اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ اپنے پاس روشن دلائل آجانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے، لیکن انہوں نے خود اِختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جو اِیمان لائے، اور کچھ وہ جنہوں نے کفر اپنایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔(۱۷۲) ﴿۲۵۳﴾

---

(۱۷۰) مطلب یہ ہے کہ تھوڑی بہت فضیلت تو مختلف انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر دی گئی ہے، لیکن بعض انبیائے کرام کو دوسروں پر بدرجہا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

(۱۷۱) یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں آچکا ہے۔ تشریح کے لئے اس آیت کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱۷۲) قرآنِ کریم نے بہت سے مقامات پر یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ وہ تمام انسانوں کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کردیتا، اور اس صورت میں سب کا دِین ایک ہی ہوجاتا، اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا، لیکن اس سے وہ سارا نظام تلپٹ ہوجاتا جس کے لئے یہ دُنیا بنائی گئی ہے اور انسان کو اس میں بھیجا گیا ہے۔ انسان کو یہاں بھیجنے کا مقصد اس کا یہ امتحان لینا ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں سے ہدایت کا راستہ معلوم کرنے کے بعد کون ہے جو اس ہدایت پر اپنی مرضی سے چلتا ہے، اور کون ہے جو اس کو نظر انداز کر کے اپنی من گھڑت خواہشات کو اپنا رہنما بناتا ہے۔ اس لئے اللہ نے زبردستی لوگوں کو اِیمان پر مجبور نہیں کیا۔ چنانچہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۬ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے وہ دن آنے سے پہلے پہلے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرلو جس دن نہ کوئی سودا ہوگا، نہ کوئی دوستی (کام آئے گی)، اور نہ کوئی سفارش ہو سکے گی۔[۱۷۳] اور ظالم وہ لوگ ہیں جو کفر اختیار کیے ہوئے ہیں ﴿۲۵۴﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے؛ جس کو نہ کبھی اُونگھ لگتی ہے، نہ نیند۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے (وہ بھی) اور زمین میں جو کچھ ہے (وہ بھی)، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ سارے بندوں کے تمام آگے پیچھے کے حالات کو خوب جانتا ہے، اور وہ لوگ اُس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لا سکتے، سوائے اُس بات کے جسے وہ خود چاہے۔ اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے؛ اور اِن دونوں کی نگہبانی سے اسے ذرا بھی بوجھ نہیں ہوتا، اور وہ بڑا عالی مقام، صاحبِ عظمت ہے۔ ﴿۲۵۵﴾

آگے آیت نمبر ۲۵۶ میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کے دلائل واضح کر دیئے گئے ہیں، اس کے بعد جو کوئی حق کو اختیار کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرے گا، اور جو شخص اسے نظر انداز کر کے شیطان کے سکھائے ہوئے راستے پر چلے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

(۱۷۳) اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

ع ۳۴ ۔ وقف لازم ۲

دِین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔ اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۵۶﴾ اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے؛ وہ انہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے رکھوالے وہ شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیریوں میں لے جاتے ہیں۔ وہ سب آگ کے باسی ہیں؛ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۵۷﴾

کیا تم نے اس شخص (کے حال) پر غور کیا جس کو اللہ نے سلطنت کیا دے دی تھی کہ وہ اپنے پروردگار (کے وجود ہی) کے بارے میں ابراہیم سے بحث کرنے لگا؟ جب ابراہیم نے کہا کہ: ”میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی“ تو وہ کہنے لگا کہ: ”میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں“ (۱۷۴)۔ ابراہیم نے کہا: ”اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم ذرا اسے مغرب سے تو نکال کر لاؤ۔“ اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۲۵۸﴾

(۱۷۴) یہ بابل کا بادشاہ نمرود تھا جو خدائی کا بھی دعوے دار تھا۔ اس نے جو دعویٰ کیا کہ میں زندگی اور موت دیتا

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ

یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گذر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی؟ (۱۷۵) اس نے کہا کہ ''اللہ اس بستی کو اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟'' پھر اللہ نے اس شخص کو سو سال تک کے لئے موت دی، اور اس کے بعد زندہ کر دیا۔ (اور پھر) پوچھا کہ تم کتنے عرصے تک (اس حالت میں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ''ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ!'' اللہ نے کہا: ''نہیں! بلکہ تم سو سال اسی طرح رہے ہو۔ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ ذرا نہیں سڑیں۔

ہوں اس کا مطلب یہ تھا کہ میں بادشاہ ہونے کی وجہ سے جس کو چاہوں موت کے گھاٹ اُتار دوں اور جس کو چاہوں موت کا مستحق ہونے کے باوجود معاف کر کے آزاد کر دوں، اور اس طرح اسے زندگی دے دوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ جواب قطعی طور پر غیر متعلق تھا، اس لئے کہ گفتگو زندگی اور موت کے اسباب سے نہیں ان کی تخلیق سے ہو رہی تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ یا تو موت اور حیات کی تخلیق کا مطلب ہی نہیں سمجھتا یا کٹ حجتی پر اُتر آیا ہے، اس لئے انہوں نے ایک ایسی بات فرمائی جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر لاجواب ہو کر حق کو قبول کرنے کے بجائے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے قید کیا، پھر آگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس کا ذکر قرآنِ کریم نے سورۂ انبیاء (۲۱: ۶۸ تا ۷۱) سورۂ عنکبوت (۲۹: ۲۴) اور سورۂ صافات (۳۷: ۹۷) میں فرمایا ہے۔

(۱۷۵) آیت نمبر ۲۵۹ اور ۲۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے واقعے ذکر فرمائے ہیں جن میں اس نے اپنے دو خاص بندوں کو اس دُنیا ہی میں مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرایا۔ پہلے واقعے میں ایک ایسی بستی کا ذکر ہے جو مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی، اس کے تمام باشندے مر کھپ چکے تھے، اور مکانات چھتوں سمیت گر کر مٹی میں مل گئے تھے۔ ایک صاحب کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے دِل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس ساری بستی کو کس طرح زندہ کرے گا۔ بظاہر اس سوچ کا منشا خدانخواستہ کوئی شک کرنا نہیں تھا، بلکہ حیرت کا اظہار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵

اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (کہ گل سڑ کر اس کا کیا حال ہو گیا ہے) اور یہ ہم نے اس لئے کیا تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنا دیں۔ اور (اب اپنے گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اُٹھاتے ہیں، پھر ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں!" چنانچہ جب حقیقت کھل کر اس کے سامنے آگئی تو وہ بول اُٹھا کہ "مجھے یقین ہے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے" ﴿۲۵۹﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دِکھایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: "کیا تمہیں یقین نہیں؟" کہنے لگے: "یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی ہے) تاکہ میرے دِل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے"[۱۷۶]۔ اللہ نے کہا: "اچھا! تو چار پرندے لو، اور انہیں اپنے سے مانوس کرلو، پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، وہ چاروں تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے[۱۷۷]۔ اور جان رکھو کہ اللہ پوری طرح صاحبِ اقتدار بھی ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت والا بھی۔" ﴿۲۶۰﴾

قدرت کا مشاہدہ اس طرح کرایا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ صاحب کون تھے؟ اور یہ بستی کونسی تھی؟ یہ بات قرآنِ کریم نے نہیں بتائی، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بستی بیت المقدس تھی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بخت نصر نے اس

پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا تھا، اور یہ صاحب حضرت عزیر یا حضرت ارمیا علیہما السلام تھے۔ لیکن نہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے، نہ اس کھوج میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ قرآنِ کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی واضح ہے۔ البتہ یہ بات تقریباً یقینی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صاحب کوئی نبی تھے، کیونکہ اوّل تو اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوئے، نیز اس طرح کے واقعات انبیائے کرام ہی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ دیکھئے نیچے حاشیہ ۱۷۷۔

(۱۷۶) اس سوال وجواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف کردی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش خدانخواستہ کسی شک کی وجہ سے نہیں تھی، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر پورا یقین تھا۔ لیکن آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس کے بعد انسان دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، دلائل سے اس کا علم حاصل کرنے کے علاوہ آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔

(۱۷۷) یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر وقت مردے کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کراسکتی ہے، مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، اور انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ان حقائق پر آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر اِیمان لائے۔ البتہ انبیائے کرام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ جب غیب کے حقائق پر غیر متزلزل ایمان لاکر یہ ثابت کرچکے ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان نہ کسی شک کی گنجائش رکھتا ہے اور نہ وہ آنکھ کے کسی مشاہدے پر موقوف ہے تو ان کے ایمان بالغیب کا امتحان اسی دُنیا میں پورا ہوجاتا ہے۔ پھر انہیں حکمتِ خداوندی کے تحت بعض غیبی حقائق آنکھوں سے بھی دِکھا دیئے جاتے ہیں، تاکہ ان کے علم واطمینان کا معیار عام لوگوں سے زیادہ ہو، اور وہ ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ سکیں کہ وہ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس کی حقانیت انہوں نے آنکھوں سے بھی دیکھ رکھی ہے۔

بعض وہ لوگ جو خلافِ عادت باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، انہوں نے اس آیت میں بھی ایسی کھینچ تان کی ہے جس سے یہ نہ ماننا پڑے کہ وہ پرندے واقعۃً مر کر زندہ ہوگئے تھے۔ لیکن قرآنِ کریم کا پورا سیاق اور جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کا اُسلوب ایسی تأویلات کی تردید کرتا ہے۔ جو شخص عربی زبان کے محاورات اور اَسالیب سے واقف ہو وہ ان آیات کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں نکالے گا جو ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اُگائے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں۔(۱۷۸) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے ﴿۲۶۱﴾ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے: نہ ان کو کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۶۲﴾ بھلی بات کہہ دینا اور درگذر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد کوئی تکلیف پہنچائی جائے۔(۱۷۹) اور اللہ بڑا بے نیاز، بہت بردبار ہے ﴿۲۶۳﴾

---

(۱۷۸) یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات سو گنا ثواب ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کا ثواب چاہیں اور بڑھا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ "اللہ کے راستے میں خرچ" کا قرآنِ کریم نے بار بار ذکر کیا ہے، اور اس سے مراد ہر وہ خرچ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس میں زکوٰۃ، صدقات، خیرات سب داخل ہیں۔

(۱۷۹) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سائل کسی سے مانگے اور وہ کسی وجہ سے دے نہ سکتا ہو تو اس سے نرم الفاظ میں معذرت کر لینا اور اگر وہ مانگنے پر ناروا اِصرار کرے تو اس کی غلطی سے درگذر کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان دے تو دے، مگر بعد میں احسان جتلائے یا اسے ذلیل کر کے تکلیف پہنچائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اُس شخص کی طرح ضائع مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دِکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنی چٹان پر مٹی جمی ہو، پھر اس پر زور کی بارش پڑے اور اس (مٹی کو بہا کر چٹان) کو (دوبارہ) چکنی بنا چھوڑے۔ (۱۸۰) ایسے لوگوں نے جو کمائی کی ہوتی ہے وہ ذرا بھی ان کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اور اللہ (ایسے) کافروں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۶۴﴾ اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اور اپنے آپ میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ کسی ٹیلے پر واقع ہو؛ اس پر زور کی بارش برسے تو وہ دُگنا پھل لے کر آئے۔ اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی برسے تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے ہو اللہ اسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۲۶۵﴾

---

(۱۸۰) چٹان پر اگر مٹی جمی ہو تو یہ اُمید ہوسکتی ہے کہ اس پر کوئی چیز کاشت کرلی جائے، لیکن اگر بارش مٹی کو بہا لے جائے تو چٹان کے چکنے پتھر کاشت کے قابل نہیں رہتے۔ اسی طرح صدقہ خیرات سے آخرت کے ثواب کی اُمید ہوتی ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ ریاکاری یا احسان جتانے کی خرابی لگ جائے تو وہ صدقے کو بہا لے جاتی ہے اور ثواب کی کوئی اُمید نہیں رہتی۔

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۲۶۷﴾

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) اس کو اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے پھل حاصل ہوں، اور بڑھاپے نے اسے آ پکڑا ہو، اور اس کے بچے ابھی کمزور ہوں؛ اتنے میں ایک آگ سے بھرا بگولا آ کر اس کو اپنی زد میں لے لے اور پورا باغ جل کر رہ جائے؟[181] اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم غور کرو ﴿۲۶۶﴾ اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا کرو؛ اور یہ نیت نہ رکھو کہ بس ایسی خراب قسم کی چیزیں (اللہ کے نام پر) دیا کرو گے جو (اگر کوئی دوسرا تمہیں دے تو نفرت کے مارے) تم اسے آنکھیں میچے بغیر نہ لے سکو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ ہر قسم کی تعریف اسی کی طرف لوٹتی ہے ﴿۲۶۷﴾

---

(۱۸۱) صدقات کو برباد کرنے کی یہ دوسری مثال ہے۔ جس طرح ایک آگ سے بھرا بگولا ہرے بھرے باغ کو یکا یک تباہ کر ڈالتا ہے، اسی طرح ریاکاری یا صدقہ دے کر احسان جتلانا یا کسی اور طرح غریب آدمی کو ستانا صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کر ڈالتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے؛ اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۲۶۸﴾ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہوگئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔ اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں ﴿۲۶۹﴾ اور تم جو کوئی خرچ کرو یا کوئی منّت مانو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور ظالموں کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۲۷۰﴾ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تب بھی اچھا ہے؛ اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا؛ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۷۱﴾ (اے پیغمبر!) ان (کافروں) کو راہِ راست پر لے آنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ (۱۸۲)

---

(۱۸۲) بعض انصاری صحابہ کے کچھ غریب رشتہ دار تھے مگر چونکہ وہ کافر تھے اس لئے وہ ان کی امداد نہیں کرتے تھے، اور اس انتظار میں تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان کی امداد کریں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) اس طرح

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اور جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ خود تمہارے فائدے کے لئے ہوتا ہے جبکہ تم اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے سوا کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۷۲﴾ (مالی امداد کے بطور خاص) مستحق وہ فقراء ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لئے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، اس لئے ناواقف آدمی انہیں مال دار سمجھتا ہے۔ تم ان کے چہرے کی علامتوں سے ان (کی اندرونی حالت) کو پہچان سکتے ہو (مگر) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔[۱۸۳] اور تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۲۷۳﴾ جو لوگ اپنے مال دن رات خاموشی سے بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے، اور نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۷۴﴾

مسلمانوں کو بتایا گیا کہ آپ پر ان کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر آپ ان غریب کافروں پر بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کچھ خرچ کریں گے تو اس کا بھی پورا پورا ثواب ملے گا۔

(۱۸۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اُٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: ''بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔''(۱۸۴) حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ (سودی معاملات سے) باز آ گیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔(۱۸۵) اور اس (کی باطنی کیفیت) کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا(۱۸۶) تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۷۵﴾

یہ وہ صحابہ تھے جنہوں نے اپنی زندگی علمِ دین حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجدِ نبوی سے متصل ایک چبوترے پر آ پڑے تھے، طلبِ علم کی وجہ سے وہ کوئی معاشی مشغلہ اختیار نہیں کر سکتے تھے، مگر مفلسی کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے، کسی سے مانگنے کا سوال نہیں تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ ایسے لوگ امداد کے زیادہ مستحق ہیں جو ایک نیک مقصد سے پوری اُمت کے فائدے کے لئے مقید ہو کر رہ گئے ہیں اور سختیاں جھیلنے کے باوجود اپنی ضرورت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۲۶۱ سے ۲۷۴ تک صدقات کی فضیلت اور اس کے اَحکام بیان ہوئے تھے۔ آگے آیت نمبر ۲۸۰ تک اس کی ضد یعنی سود کا بیان ہے۔ صدقات انسان کے جذبۂ سخاوت کی نشانی ہیں، اور سود بخل اور مال کی محبت کی علامت ہے۔

(۱۸۴) سود یا رِبا ہر اُس زیادہ رقم کو کہا جاتا ہے جو کسی قرض پر طے کر کے وصول کی جائے۔ مشرکین کا کہنا تھا کہ

جس طرح ہم کوئی سامان فروخت کر کے نفع کماتے ہیں اور اس کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے، اسی طرح اگر قرض دے کر کوئی نفع کمائیں تو کیا حرج ہے؟ ان کے اس اعتراض کا جواب تو یہ تھا کہ سامانِ تجارت کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اسے بیچ کر نفع کمایا جائے، لیکن نقدی اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی کہ اسے سامانِ تجارت بنا کر اس سے نفع کمایا جائے۔ وہ تو ایک تبادلے کا ذریعہ ہے تاکہ اس کے ذریعے اشیائے ضرورت خریدی اور بیچی جاسکیں۔ نقدی کا نقدی سے تبادلہ کر کے اسے بذاتِ خود نفع کمانے کا ذریعہ بنالیا جائے تو اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو ربا کے موضوع پر میرا وہ فیصلہ ملاحظہ فرمایئے جو میں نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں لکھا تھا اور اس کا اُردو ترجمہ بھی "سود پر تاریخی فیصلہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں بیع اور سود کے درمیان فرق کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے ایک حاکمانہ جواب دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دے دیا ہے تو ایک بندے کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حکم کی حکمت اور اس کا فلسفہ پوچھتا پھرے اور گویا عملاً یہ کہے کہ جب تک مجھے اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آجائے گا میں اس حکم پر عمل نہیں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کی سمجھ میں بھی آجائے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو پہلے اس کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اپنے مزید اطمینان کے لئے حکمت اور فلسفہ سمجھنے کی کوشش کرے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنا ایک مؤمن کا طرزِ عمل نہیں۔

(۱۸۵) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے لوگوں سے سود وصول کیا ہے، چونکہ اس وقت تک سود کے حرام ہونے کا اعلان نہیں ہوا تھا اس لئے وہ پچھلے معاملات معاف ہیں، اور ان کے ذریعے جو رقمیں وصول کی گئی ہیں وہ واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ حرمت کے اعلان کے وقت جو سود کسی پر واجب الأدا ہو وہ لینا جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے چھوڑنا ہوگا، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۲۷۸ میں حکم دیا گیا ہے۔

(۱۸۶) یعنی جن لوگوں نے حرمتِ سود کو تسلیم نہ کیا اور وہی اعتراض کرتے رہے کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں، وہ کافر ہونے کی وجہ سے ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے۔ سود کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ان آیات کے تحت معارف القرآن اور مسئلۂ سود از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میرا مذکورہ بالا فیصلہ۔

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

۳۸ ع ۸ ۲

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہگار ہو ﴿۲۷۶﴾ (ہاں) وہ لوگ جو ایمان لائیں، نیک عمل کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ اپنے رَبّ کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے؛ نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۷۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو ﴿۲۷۸﴾ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے ﴿۲۷۹﴾ اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔ اور صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں زیادہ بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو ﴿۲۸۰﴾ اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۸۱﴾

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَكْتُبْ ۚ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِهٖ ؕ

اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لئے اُدھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تم میں سے جو شخص لکھنا جانتا ہو انصاف کے ساتھ تحریر لکھے، اور جو شخص لکھنا جانتا ہو، لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جب اللہ نے اسے یہ علم دیا ہے تو اسے لکھنا چاہئے۔ اور تحریر وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہو، اور اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (حق) میں کوئی کمی نہ کرے۔[۱۸۷] ہاں اگر وہ شخص جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہے ناسمجھ یا کمزور ہو یا (کسی اور وجہ سے) تحریر نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا سرپرست انصاف کے ساتھ لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، ہاں اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہو جائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو، تاکہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے۔ اور جب گواہوں کو (گواہی دینے کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور جو معاملہ اپنی میعاد سے وابستہ ہو، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسے لکھنے سے اُکتاؤ نہیں۔

---

(۱۸۷) یہ قرآنِ کریم کی سب سے طویل آیت ہے، اور اس میں سود کی حرمت بیان کرنے کے بعد اُدھار خرید و

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹/۷

یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف اور گواہی کو درست رکھنے کا بہتر ذریعہ ہے، اور اس بات کی قریبی ضمانت ہے کہ تم آئندہ شک میں نہیں پڑو گے۔ ہاں اگر تمہارے درمیان کوئی نقد لین دین کا سودا ہو تو اس کو نہ لکھنے میں تمہارے لئے کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو۔ اور نہ لکھنے والے کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے، نہ گواہ کو۔ اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے نافرمانی ہوگی۔ اور اللہ کا خوف دِل میں رکھو۔ اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ لئے جائیں۔ ہاں اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو گواہی کو چھپائے وہ گنہگار دِل کا حامل ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ ﴿۲۸۳﴾

فروخت کے سلسلے میں اہم ہدایات دی گئی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام معاملات صفائی کے ساتھ ہوں۔ اگر کوئی اُدھار کسی کے ذمے واجب ہو رہا ہو تو اسے ایسی تحریر لکھنی یا لکھوانی چاہئے جو معاملے کی نوعیت کو واضح کردے۔ اس تحریر میں پوری بات لاگ لپیٹ کے بغیر لکھنی چاہئے اور کسی کا حق مارنے کے لئے تحریر میں کتر بیونت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور جو باتیں تمہارے دِلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔ (۱۸۸) پھر جس کو چاہے گا معاف کردے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۸۴﴾ یہ رسول (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں، کسی پر نہ لائیں) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے (اللہ اور رسول کے اَحکام کو توجہ سے) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے (ان کی) تعمیل کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔'' ﴿۲۸۵﴾

---

(۱۸۸) آگے آیت نمبر ۲۸۶ کے پہلے جملے نے واضح کردیا کہ انسان کے اختیار کے بغیر جو خیالات اس کے دِل میں آجاتے ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر جو غلط عقیدے دِل میں رکھے، یا کسی گناہ کا سوچ سمجھ کر بالکل پکا ارادہ کرلے تو اس کا حساب ہوگا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

ع ۴۰ ۸

اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔ اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ (مسلمانو! اللہ سے یہ دُعا کیا کرو کہ:) ''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہوجائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالئے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے جسے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیے، ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے۔ آپ ہی ہمارے حامی و ناصر ہیں، اس لئے کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں نصرت عطا فرمائیے۔'' ﴿۲۸۶﴾

الحمدللہ آج بتاریخ ۵ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ رجولائی ۲۰۰۵ء کراچی میں سورۂ بقرہ کے ترجمہ اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں اور باقی سورتوں کے ترجمہ اور تفسیر کو بھی آسان فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ آلِ عِمرَان

تعارف

عمرانؔ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ''آلِ عمران'' کا مطلب ہے ''عمران کا خاندان''۔ اس سورت کی آیات ۳۳ تا ۳۷ میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام ''سورۂ آلِ عمران'' ہے۔

اس سورت کے بیشتر حصے اُس دور میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، مگر یہاں بھی کفار کے ہاتھوں انہیں بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، اور کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اگلے سال اُنہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، اور غزوۂ اُحد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو عارضی پسپائی بھی اِختیار کرنی پڑی۔ ان دونوں غزوات کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، اور ان سے متعلق مسائل پر قیمتی ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے اَطراف میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، سورۂ بقرہ میں ان کے عقائد و اعمال کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، اور ضمناً عیسائیوں کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ سورۂ آلِ عمران میں اصل رُوئے سخن عیسائیوں کی طرف ہے، اور ضمناً یہودیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عرب کے علاقے نجرانؔ میں عیسائی بڑی تعداد میں آباد تھے، اُن کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ سورۂ آلِ عمران کا ابتدائی تقریباً آدھا حصہ اُنہی کے دلائل کے جواب اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح حیثیت بتانے میں صَرف ہوا ہے۔ نیز اس سورت میں زکوٰۃ، سود اور جہاد سے متعلق اَحکام بھی عطا فرمائے گئے ہیں، اور سورت کے آخر میں دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں پر اِنسان کو غور کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اِیمان لانا چاہئے، اور ہر حاجت کے لئے اُسی کو پکارنا چاہئے۔

آیاتها ۲۰۰ ۳ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ رکوعاتها ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ ۞

سورۂ آلِ عمران مدنی ہے اور اس میں ۲۰۰ آیتیں اور ۲۰ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے: ﴿۲﴾ اس نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جو حق پر مشتمل ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اسی نے تورات اور اِنجیل اُتاریں ﴿۳﴾ جو اس سے پہلے لوگوں کے لئے مجسم ہدایت بن کر آئی تھیں، اور اسی نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار نازل کیا۔[1] بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اِنکار کیا ہے ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست اقتدار کا مالک اور بُرائی کا بدلہ دینے والا ہے ﴿۴﴾ یقین رکھو کہ اللہ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ زمین میں نہ آسمان میں ﴿۵﴾

(۱) یہاں قرآنِ کریم نے لفظ ''فرقان'' استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو صحیح اور غلط کے درمیان فرق واضح کرنے والی ہو۔ قرآنِ کریم کا ایک نام ''فرقان'' بھی ہے، اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے یہاں ''فرقان'' سے قرآن ہی مراد لیا ہے۔ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو انبیائے کرام کے ہاتھ پر ظاہر کئے گئے اور جنہوں نے ان کی نبوّت کا ثبوت فراہم کیا۔ نیز اس لفظ سے وہ تمام دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زبردست اقتدار کا بھی مالک ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت کا بھی[۲] ﴿۶﴾ (اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔[۳]

---

(۲) اگر انسان اپنی پیدائش کے مختلف مراحل پر غور کرے کہ وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح پرورش پاتا ہے، اور کس طرح اس کی صورت دوسرے اربوں انسانوں سے بالکل الگ بنتی ہے کہ کبھی دو آدمی سو فیصد ایک جیسے نہیں ہوتے تو اسے یہ تسلیم کرنے میں دیر نہ لگے کہ یہ سب کچھ خدائے واحد کی قدرت اور حکمت کے تحت ہو رہا ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور حکمت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ اس سے ایک اور پہلو کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا، اور اس نے اپنے عقائد کے بارے میں آپ سے گفتگو کی تھی۔ سورۂ آلِ عمران کی کئی آیات اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس وفد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے پر یہ دلیل بھی دی تھی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ یہ آیت اس دلیل کی تردید بھی کر رہی ہے۔ اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص کی تخلیق اور صورت گری اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔ اگرچہ اس نے معمول کا طریقہ یہ بنایا ہے کہ ہر بچہ کسی باپ کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ اس طریقے کا نہ پابند ہے نہ محتاج۔ لہٰذا وہ جب چاہے، جس کو چاہے بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، اور اس سے کسی کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) اس آیت کو سمجھنے کے لئے پہلے اس حقیقت کا احساس ضروری ہے کہ اس کائنات کی بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت تو ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر انسان اپنی عقل سے معلوم کر سکتا ہے، لیکن اس کی ذات اور صفات کی تفصیلات انسان کی محدود عقل سے ماورا ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر فرمایا ہے، ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ

بالغہ ظاہر کی گئی ہے، لیکن کوئی شخص ان صفات کی حقیقت اور کنہ کی فلسفیانہ کھوج میں پڑ جائے تو حیرانی یا گمراہی کے سوا اسے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، کیونکہ وہ اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کی ان لامحدود صفات کا احاطہ کرنے کی کوشش کررہا ہے جو اس کے ادراک سے باہر ہیں۔ مثلاً قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک عرش ہے، اور یہ کہ وہ اس عرش پر مستوی ہوا۔ اب یہ بات کہ وہ عرش کیسا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب انسان کی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے، اور انسان کی زندگی کا کوئی عملی مسئلہ اس پر موقوف بھی نہیں۔ ایسی آیات جن میں اس قسم کے حقائق بیان کئے گئے ہیں متشابہات کہلاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف الگ الگ نازل کئے گئے ہیں، (مثلاً اسی سورت کے شروع میں الف، لام، میم) اور جنہیں حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے وہ بھی متشابہات میں داخل ہیں۔ ان کے بارے میں قرآنِ کریم نے اس آیت میں یہ ہدایت دی ہے کہ ان کی کھود کرید میں پڑنے کے بجائے ان پر اِجمالی طور سے ایمان رکھ کر ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم کی دوسری آیتیں ایسی ہیں جن کا مطلب واضح ہے، اور درحقیقت وہی آیات ہیں جو اِنسان کے لئے عملی ہدایات فراہم کرتی ہیں، انہی آیات کو "محکم" آیتیں کہا گیا ہے۔ ایک مؤمن کو انہی پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

متشابہات کے بارے میں صحیح طرزِ عمل بتلانا یوں بھی ضروری تھا، لیکن اس سورت میں اس وضاحت کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اور جس کا ذکر اُوپر کے حاشیہ میں گذرا ہے، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ خود قرآن نے انہیں "کلمۃ اللہ" (اللہ کا کلمہ) اور "روح من اللہ" فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفتِ کلام اور اللہ کی روح تھے۔ اس آیت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآنِ کریم ہی نے جگہ جگہ صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا قرار دینا شرک اور کفر ہے۔ ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر "کلمۃ اللہ" کے لفظ کو پکڑ بیٹھنا اور اس کی بنیاد پر ایسی تأویلیں کرنا جو قرآنِ کریم کی محکم آیات کے بالکل برخلاف ہیں، دِل کے ٹیڑھ کی علامت ہے۔ حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باپ کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے تھے (جیسا کہ قرآنِ کریم نے اسی سورت کی آیت: ۵۹ میں بیان فرمایا ہے۔ اور انہیں "روح من اللہ" اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی روح براہِ راست اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی۔ اب یہ بات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ "کن" سے پیدا کرنے کی کیفیت کیا تھی؟ اور براہِ راست ان کی روح کس طرح پیدا کی گئی؟ یہ اُمور متشابہات میں سے ہیں، اس لئے ان کی کھود کرید بھی منع ہے، (کیونکہ یہ باتیں انسان کی سمجھ میں آہی نہیں سکتیں) اور ان کی من مانی تأویل کرکے ان سے خدا کے بیٹے کا تصوّر برآمد کرنا بھی کج فہمی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾ ع اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ ۙ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم / وقف لازم

اب جن لوگوں کے دِلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تأویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)۔ سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے۔'' اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ﴿۷﴾ (ایسے لوگ یہ دُعا کرتے ہیں کہ:) ''اے ہمارے رَبّ! تو نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دِلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بیشک تیری، اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے ﴿۸﴾ ہمارے پروردگار! تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔'' بیشک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کی دولت ان کے کچھ کام آئے گی، نہ ان کی اولاد، اور وہی ہیں جو آگ کا ایندھن بن کر رہیں گے ﴿۱۰﴾

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ان کا حال فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے معاملے جیسا ہے۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لے لیا، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہوگے[۴] اور تمہیں جمع کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۱۲﴾

تمہارے لئے ان دو گروہوں (کے واقعے) میں بڑی نشانی ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ تھا جو اپنے آپ کو کھلی آنکھوں ان سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہا تھا۔[۵] اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ بیشک اس واقعے میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے ﴿۱۳﴾

---

(۴) اس سے دُنیا میں کافروں کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی بھی مراد ہوسکتی ہے، اور آخرت میں مغلوب ہونے کی بھی۔

(۵) پیچھے یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کہ کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوں گے۔ اب اس کی ایک مثال دینے کی غرض سے جنگِ بدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں کافروں کا لشکر ایک ہزار مسلح لوگوں پر مشتمل تھا، اور مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ کافر کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور کافروں کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

لوگوں کے لئے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنادی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں، یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگائے ہوئے گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں۔ یہ سب دُنیوی زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ ﴿۱۴﴾ کہہ دو! کیا میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جو ان سب سے کہیں بہتر ہیں؟ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور پاکیزہ بیویاں ہیں، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور تمام بندوں کو اللہ اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۱۵﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے۔" ﴿۱۶﴾ یہ لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں، سچائی کے خوگر ہیں، عبادت گذار ہیں، (اللہ کی خوشنودی کے لئے) خرچ کرنے والے ہیں، اور سحری کے اوقات میں اِستغفار کرتے رہتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے، اور فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے انصاف کے ساتھ (کائنات کا) انتظام سنبھالا ہوا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۸﴾ بیشک (معتبر) دِین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بلکہ علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا، اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾ پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ''میں نے تو اپنا رُخ اللہ کی طرف کرلیا ہے، اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے انہوں نے بھی۔'' اور اہلِ کتاب سے اور (عرب کے) اَن پڑھ (مشرکین) سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر انہوں نے منہ موڑا تو تمہاری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانے کی حد تک ہے، اور اللہ تمام بندوں کو خود دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور انصاف کی تلقین کرنے والے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں،

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ

ان کو دردناک عذاب کی ''خوشخبری'' سنادو۔ ﴿۲۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہو چکے ہیں، اور ان کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہیں ہوں گے ﴿۲۲﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا کہ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے باوجود ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ کر انحراف کر جاتا ہے ﴿۲۳﴾ یہ سب اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہوا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہرگز نہیں چھوے گی۔ اور انہوں نے جو جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں انہوں نے ان کے دین کے معاملے میں ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے ﴿۲۴﴾ بھلا اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک ایسے دن (کا سامنا کرنے) کے لئے جمع کرلائیں گے جس کے آنے میں ذرا بھی شک نہیں ہے، اور ہر ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۵﴾ کہو کہ: ''اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزّت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ز وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ج وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے[۶] ﴿۲۶﴾ تو ہی رات کو دِن میں داخل کرتا ہے اور دِن کو رات میں داخل کرتا ہے۔[۷] اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کرلیتا ہے اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے،[۸] اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ﴿۲۷﴾ مؤمن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یارومددگار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، اِلا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔[۹] اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾

(۶) جب غزوۂ اَحزاب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گی تو کفار نے بڑا مذاق اُڑایا کہ ان لوگوں کو اپنے دِفاع کے لئے خندق کھودنی پڑرہی ہے اور ان پر فاقے گذر رہے ہیں، مگر دعوے یہ ہیں کہ یہ روم اور ایران فتح کرلیں گے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو یہ دُعا تلقین فرماکر ایک لطیف پیرائے میں ان کا جواب دے دیا گیا۔

(۷) سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے تو گرمیوں کے دن کا کچھ حصہ رات بن جاتا ہے، اور گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے تو سردیوں کی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہوجاتا ہے۔

(۸) مثلاً بے جان انڈے سے جاندار چوزہ نکل آتا ہے اور جاندار پرندے سے بے جان انڈا۔

(۹) ''یارومددگار'' عربی لفظ ''ولی'' کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ''ولی'' بنانے کو ''موالات'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی دوستی اور قلبی محبت کا تعلق ہے جس کے نتیجے میں دو آدمیوں کا مقصدِ زندگی اور ان کا نفع ونقصان ایک ہوجائے۔

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ

معانقة ۳

(اے رسول!) لوگوں کو بتادو کہ جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اسے جان لے گا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۹﴾ وہ دن یاد رکھو جس دن کسی بھی شخص نے نیکی کا جو کام کیا ہوگا اسے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور بُرائی کا جو کام کیا ہوگا اس کو بھی (اپنے سامنے دیکھ کر) یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کی بدی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہوتا!

اس قسم کا تعلق مسلمان کا صرف مسلمان ہی سے ہوسکتا ہے، اور کسی غیر مسلم سے ایسا تعلق رکھنا سخت گناہ ہے، اور اس آیت میں اسے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ یہی حکم سورۂ نساء (۴: ۱۳۹ و ۱۴۴)، سورۂ مائدہ (۵: ۵۱ و ۵۷ و ۸۱)، سورۂ توبہ (۹: ۲۳)، سورۂ مجادلہ (۵۸: ۲۲) اور سورۂ ممتحنہ (۶۰: ۱) میں بھی دیا گیا ہے۔ البتہ جو غیر مسلم جنگ کی حالت میں نہ ہوں ان کے ساتھ حسنِ سلوک، رواداری اور خیر خواہی کا معاملہ نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، جیسا کہ خود قرآنِ کریم نے سورۂ ممتحنہ (۶۰: ۸) میں واضح فرمادیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری حیاتِ طیبہ میں یہ رہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا۔ اسی طرح ان کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون کے وہ معاہدے اور تجارتی معاملات بھی کئے جاسکتے ہیں جن کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ معاہدے یا معاملات اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف نہ ہوں، اور ان میں کسی خلافِ شرع عمل کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد صحابۂ کرام نے ایسے معاہدات اور معاملات کئے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ موالات کی ممانعت کرنے کے بعد قرآنِ کریم نے جو فرمایا ہے کہ: ''اِلا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے ظلم و تشدد سے بچاؤ کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے جس سے بظاہر موالات معلوم ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۟﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ

اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت شفقت رکھتا ہے ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۱﴾ کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾ اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۳۳﴾ یہ ایسی نسل تھی جس کے افراد (نیکی اور اِخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ [10] اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۳۴﴾ (چنانچہ اللہ کے دُعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: ''یا ربّ! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کرکے تیرے لئے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔

(۱۰) آیت کا یہ ترجمہ حضرت قتادہؒ کی تفسیر پر مبنی ہے (دیکھئے روح المعانی ۳:۱۷۶) واضح رہے کہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی نام ہے، اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا بھی، یہاں دونوں مراد ہوسکتے ہیں، لیکن چونکہ آگے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ آرہا ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضرت مریم علیہا السلام ہی کے والد مراد ہیں۔

اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡؕ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰىۚ وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًاۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًاۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَاؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔" ﴿۳۵﴾ پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: "یا ربّ! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہوگئی ہے" ـــــ حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے ـــــ "اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔" ﴿۳۶﴾ چنانچہ اس کے رَبّ نے اس (مریم) کو بطریقِ اَحسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا۔ اور زکریا اس کے سرپرست بنے۔[11] جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے۔ انہوں نے پوچھا: "مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟" وہ بولیں: "اللہ کے پاس سے! اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔" ﴿۳۷﴾

(۱۱) حضرت عمران بیت المقدس کے اِمام تھے؛ ان کی اہلیہ کا نام حنّہ تھا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے کوئی اولاد ہوگی تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی۔ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حضرت عمران کا انتقال ہوگیا، حضرت حنّہ کے بہنوئی زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو ہوئے۔ حضرت مریم کی سرپرستی کا مسئلہ پیدا ہوا تو قرعہ اندازی کے ذریعے اس کا فیصلہ کیا گیا اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا جس کا ذکر آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۴۴ میں آرہا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۙ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾

اس موقع پر زکریا نے اپنے رَبّ سے دُعا کی، کہنے لگے: ''یا رَبّ! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بیشک تو دُعا کا سننے والا ہے۔''(۱۲) ﴿۳۸﴾ چنانچہ (ایک دن) جب زکریا عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انہیں آواز دی کہ: ''اللہ آپ کو یحییٰ کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے،(۱۳) لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے،(۱۴) اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔'' ﴿۳۹﴾

(۱۲) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے موسم کے پھل آیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انہیں توجہ ہوئی کہ جو خدا ان کو بے موسم کے پھل دیتا ہے وہ مجھے اس بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ دُعا مانگی۔

(۱۳) ''اللہ کے کلمے'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں اُوپر واضح کیا گیا ہے انہیں ''کلمۃ اللہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمۂ ''کن'' سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان سے پہلے پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی تصدیق فرمائی۔

(۱۴) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو رکھنے والے ہوں گے۔ یہ صفت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے، لیکن ان کا خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے تھے کہ ان کو نکاح کرنے کی طرف رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عام حالات میں نکاح سنت ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اتنا قابو یافتہ ہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے تو اس کے لئے کنوارا رہنا بلا کراہت جائز ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

ع ۱۱ ۱۲

زکریا نے کہا: ''یا ربّ! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟[(۱۵)]'' اللہ نے کہا: ''اسی طرح! اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' ﴿۴۰﴾ انہوں نے کہا: ''پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے۔'' اللہ نے کہا: ''تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہیں کرسکو گے۔[(۱۶)] اور اپنے ربّ کا کثرت سے ذکر کرتے رہو، اور ڈھلے دن کے وقت بھی اور صبح سویرے بھی اللہ کی تسبیح کیا کرو۔'' ﴿۴۱﴾ اور (اب اس وقت کا تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا کہ: ''اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دُنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کرکے فضیلت بخشی ہے ﴿۴۲﴾

(۱۵) دُعا حضرت زکریا علیہ السلام نے خود مانگی تھی، اس لئے یہ سوال خدانخواستہ کسی بے یقینی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ایک غیر معمولی نعمت کی خبر سن کر تعجب کا اظہار تھا جو درحقیقت شکر کا ایک انداز ہے۔ نیز سوال کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا بچہ اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوجائے گا یا ہماری جوانی لوٹادی جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ''اسی طرح!'' یعنی لڑکا اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوگا۔

(۱۶) حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی نشانی معلوم ہوجائے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ اب حمل قرار پاگیا ہے، تاکہ وہ اسی وقت سے شکر ادا کرنے میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتلائی کہ جب حمل قرار پائے گا تو تم پر ایسی حالت طاری ہوجائے گی کہ تم اللہ کے ذکر اور تسبیح کے سوا کسی سے کوئی بات نہیں کرسکو گے، اور بات کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اشاروں سے کرنی ہوگی۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اے مریم! تم اپنے ربّ کی عبادت میں لگی رہو، اور سجدہ کرو اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع بھی کیا کرو۔" ﴿۴۳﴾ (اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے رہے ہیں۔ تم اُس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا،(۱۷) اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے ﴿۴۴﴾ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا کہ: "اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا،(۱۸) جو دُنیا اور آخرت دونوں میں صاحبِ وجاہت ہوگا، اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا(۱۹) اور بڑی عمر میں بھی، اور راست باز لوگوں میں سے ہوگا۔" ﴿۴۶﴾

---

(۱۷) جیسا کہ اُوپر آیت نمبر ۳۷ میں ذکر کیا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کی وفات کے بعد ان کی کفالت کے بارے میں اختلافِ رائے پیدا ہوا تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا گیا۔ اس زمانے میں قرعہ قلموں کے ذریعے ڈالا جاتا تھا اس لئے یہاں قلم ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ اُوپر حاشیہ نمبر ۱۳ میں گذر چکی ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی واضح کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے کے طور پر اس وقت بات کرنے کی قدرت عطا فرمائی تھی جب وہ دُودھ پیتے بچے تھے۔ اس کا ذکر سورۂ مریم (آیت نمبر ۲۹ تا ۳۳) میں آیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ۚ

مریم نے کہا: ''پروردگار! مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں؟'' اللہ نے فرمایا: ''اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ''ہو جا'' بس وہ ہو جاتا ہے ﴿۴۷﴾ اور وہی (اللہ) اس کو (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو) کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا ﴿۴۸﴾ اور اسے بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجے گا (جو لوگوں سے یہ کہے گا) کہ: ''میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں وہ سب بتا دیتا ہوں[20]۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لئے (کافی) نشانی ہے ﴿۴۹﴾

(۲۰) یہ سب معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نبوت کے ثبوت کے طور پر عطا فرمائے تھے، اور آپ نے ان کا عملی مظاہرہ فرمایا۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تا کہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کردوں[21]۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۵۰﴾ بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے (کہ صرف اسی کی عبادت کرو)'' ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں، تو انہوں نے (اپنے پیروؤں سے) کہا: ''کون کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوں؟'' حواریوں[22] نے کہا: ''ہم اللہ (کے دِین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر اِیمان لاچکے ہیں، اور آپ گواہ رہیئے کہ ہم فرماں بردار ہیں ﴿۵۲﴾ اے ہمارے ربّ! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے ہم اس پر اِیمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے، لہٰذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجئے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔'' ﴿۵۳﴾

---

(۲۱) بنی اسرائیل کے لئے موسوی شریعت میں بعض چیزیں حرام کی گئی تھیں، مثلاً اُونٹ کا گوشت اور چربی، بعض پرندے اور مچھلیوں کی بعض اقسام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں انہیں جائز قرار دے دیا گیا۔

(۲۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو حواری کہا جاتا ہے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ (اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ: "اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا،(۲۳) اور تمہیں اپنی طرف اُٹھالوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کردوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔(۲۴) پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۵۵﴾

---

(۲۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین نے انہیں سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا اور جو لوگ آپ کو گرفتار کرنے آئے تھے ان میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا، اور مخالفین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دھوکے میں اسے سولی پر چڑھادیا۔ آیت کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے وہ عربی لفظ "توفی" کے لغوی معنیٰ پر مبنی ہے، اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں یہی معنیٰ مراد لئے ہیں۔ اس لفظ کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن ص: ۷۴ ج: ۲۔

(۲۴) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے (خواہ انہیں صحیح طور پر مانتے ہوں جیسے مسلمان، یا غلو کے ساتھ مانتے ہوں جیسے عیسائی) ان کے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے، البتہ صدیوں کی تاریخ میں اگر کچھ مختصر عرصے کے لئے جزوی طور پر کہیں ان کے مخالفین کا غلبہ ہوگیا ہو تو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

چنانچہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کو تو میں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا، اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۵۶﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۷﴾ (اے پیغمبر!) یہ وہ آیتیں اور حکمت بھرا ذکر ہے جو ہم تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں ﴿۵۸﴾ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے؛ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے کہا: ''ہو جاؤ'' بس وہ ہو گئے ﴿۵۹﴾ حق وہی ہے جو تمہارے رَبّ کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا ﴿۶۰﴾ تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا) جو صحیح علم آ گیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو کہ: ''آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں، اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں[(۲۵)]'' ﴿۶۱﴾

---

(۲۵) اس عمل کو مباہلہ کہا جاتا ہے۔ جب بحث کا کوئی فریق دلائل کو تسلیم کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی پر تل

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

یقین جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۲﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۶۳﴾ (مسلمانو! یہود ونصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ''اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رَبّ نہ بنائیں۔'' پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: ''گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔'' ﴿۶۴﴾

جائے تو آخری راستہ یہ ہے کہ اسے مباہلہ کی دعوت دی جائے جس میں دونوں فریق اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں کہ ہم میں ۔ ے جو جھوٹا یا باطل پر ہو وہ ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے، شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، اس نے آپ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر بحث کی جس کا اطمینان بخش جواب قرآنِ کریم کی طرف سے پچھلی آیتوں میں دے دیا گیا۔ جب وہ کھلے دلائل کے باوجود اپنی گمراہی پر اصرار کرتے رہے تو اس آیت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ انہیں مباہلے کی دعوت دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعوت دی اور خود اس کے لئے تیار ہو کر اپنے اہلِ بیت کو بھی جمع فرمالیا، لیکن عیسائیوں کا وفد مباہلے سے فرار اختیار کر گیا۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ وَٱلۡإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِهِۦٓۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجۡتُمۡ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلۡمٞ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيۡسَ لَكُم بِهِۦ عِلۡمٞۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبۡرَٰهِيمُ يَهُودِيّٗا وَلَا نَصۡرَانِيّٗا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفٗا مُّسۡلِمٗا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ﴿٦٧﴾

اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں؛ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ ﴿۶۵﴾ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنھوں نے اُن معاملات میں اپنی سی بحث کرلی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔[۲۶] اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے ﴿۶۷﴾

(۲۶) یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اوّل تو قرآنِ کریم نے فرمایا کہ یہ دونوں مذہب تورات اور انجیل کے نزول کے بعد وجود میں آئے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت پہلے گذر چکے تھے، لہٰذا یہ انتہائی احمقانہ بات ہے کہ انہیں یہودی یا عیسائی کہا جائے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا کہ جب تمہارے وہ دلائل جو کسی نہ کسی صحیح حقیقت پر مبنی تھے، تمہارے دعووں کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بے بنیاد اور جاہلانہ بات کیسے تمہارے دعوے کو ثابت کرسکتی ہے؟ مثلاً تمہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور اس کی بنیاد پر تم نے ان کی خدائی کی دلیل پیش کرکے بحث کی، مگر کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا کسی کی خدائی کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے، مگر ان کو تم بھی خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ جب تمہاری وہ دلیلیں بھی کام نہ آسکیں جو اس صحیح واقعے پر مبنی تھیں تو یہ سراسر جاہلانہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی یا یہودی تھے، کیسے تمہارے لئے کارآمد ہوسکتی ہے؟

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوا بِالَّذِيٓ أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوٓا اٰخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾

ع ۸ / ۱۵

ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق داروہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مؤمنوں کا کارساز ہے ﴿۶۸﴾ (مسلمانو!) اہلِ کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو گمراہ کردے، حالانکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو گمراہ نہیں کررہے، اگرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے ﴿۶۹﴾ اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود (ان کے من جانب اللہ ہونے کے) گواہ ہو؟[27] ﴿۷۰﴾ اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں گڈمڈ کرتے ہو اور کیوں جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو؟ ﴿۷۱﴾ اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا ہے کہ: ”جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے، اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ، اور دن کے آخری حصے میں اس سے انکار کردینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دِین سے) پھر جائیں۔“[28] ﴿۷۲﴾

(۲۷) یہاں آیتوں سے مراد تورات اور انجیل کی وہ آیتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اور مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تم تورات اور انجیل کے من جانب اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہو، اور دوسری طرف ان پیشینگوئیوں کے مصداق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت کا انکار کرتے ہو جو بالواسطہ ان آیتوں کا انکار ہے۔

(۲۸) بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو اِسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ اسکیم بنائی تھی کہ ان میں سے کچھ

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

مگر دِل سے اُن لوگوں کے سوا کسی کی نہ ماننا جو تمہارے دِین کے متبع ہیں۔'' آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہدایت تو وہی ہدایت ہے جو اللہ کی دی ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں تم اس ضد میں کر رہے ہو کہ کسی کو اُس جیسی چیز (یعنی نبوت اور آسمانی کتاب) کیوں مل گئی جیسی کبھی تمہیں دی گئی تھی یا یہ (مسلمان) تمہارے رَبّ کے آگے تم پر غالب کیوں آگئے!'' آپ کہہ دیجئے کہ فضیلت تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۷۳﴾ وہ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب کرلیتا ہے، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۷۴﴾ اہلِ کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھوادو تو وہ تمہیں واپس کردیں گے، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دِینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھواؤ تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، اِلا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

لوگ صبح کے وقت اسلام لانے کا اعلان کردیں، اور پھر شام کو یہ کہہ کر اِسلام سے پھر جائیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے جا کر دیکھ لیا، آپ وہ پیغمبر نہیں ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ مسلمان یہ سوچ کر اِسلام سے برگشتہ ہوسکتے ہیں کہ یہ لوگ جو تورات کے عالم ہیں جب اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں تو ان کی بات میں ضرور وزن ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ان کا یہ طرزِ عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ: "اُمیوں (یعنی غیر یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔" اور (اس طرح) وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۷۵﴾ بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور گناہ سے بچے گا تو اللہ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے ﴿۷۶﴾ (اس کے برخلاف) جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے بات کرے گا، نہ انہیں (رعایت کی نظر سے) دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک! ﴿۷۷﴾ اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تاکہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۷۸﴾

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ع ۸ / ۹ / ۱۶

یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے، اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ (۲۹) اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے ﴿۷۹﴾ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہوچکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا؟ ﴿۸۰﴾ اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: "اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔" اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ: "کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اُٹھاتے ہو؟" انہوں نے کہا تھا: "ہم اقرار کرتے ہیں۔" اللہ نے کہا: "تو پھر (ایک دُوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں ﴿۸۱﴾

---

(۲۹) یہ عیسائیوں کی تردید ہو رہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان کر گویا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اس کے بعد بھی جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔" ﴿۸۲﴾ اب کیا یہ لوگ اللہ کے دِین کے علاوہ کسی اور دِین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے، (کچھ نے) خوشی سے اور (کچھ نے) ناچار ہوکر،(۳۰) اور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: "ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر اُتاری گئی اُس پر، اور اُس (ہدایت) پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (ان کی) اولاد پر ان کے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی، اور اُن باتوں پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) پیغمبروں کو عطا کی گئیں۔ ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک اللہ) کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں" ﴿۸۴﴾ جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دِین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دِین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۸۵﴾

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہی حال ان بعض یہودی فرقوں کا تھا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات میں حکم اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ اہلِ ایمان اللہ کے ہر حکم کو دِل و جان سے

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا؟ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں، اور ان کے پاس (اس کے) روشن دلائل بھی آچکے تھے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۸۶﴾ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے ﴿۸۷﴾ اسی (پھٹکار) میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے لئے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائیگی ﴿۸۸﴾ البتہ جو لوگ اس سب کے بعد بھی توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۸۹﴾ (اس کے برخلاف) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی،[۳۱] ایسے لوگ راستے سے بالکل ہی بھٹک چکے ہیں ﴿۹۰﴾

بخوشی قبول کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے بھی نہ ہوں ان کو بھی چار و ناچار اللہ کے ان فیصلوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے جو وہ اس کائنات کے انتظام کے لئے کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اگر کسی کو بیمار کرنے کا فیصلہ فرمالے تو کوئی اسے پسند کرے یا ناپسند، ہر حال میں وہ فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اور کوئی مؤمن ہو یا کافر، اسے فیصلے کے آگے سر جھکائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(۳۱) یعنی جب تک وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان نہیں لائیں گے، دوسرے گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ ۗ

جن لوگوں نے کفر اپنایا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان میں سے کسی سے پوری زمین بھر کر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کی پیشکش ہی کیوں نہ کرے۔ ان کو تو دردناک عذاب ہو کر رہے گا، اور ان کو کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۹۱﴾

تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔(۳۲) اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۹۲﴾ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اِسرائیل (یعنی یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اُوپر حرام کرلی تھی۔

---

(۳۲) پیچھے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ میں یہ حکم گذرا ہے کہ صرف خراب اور ردّی قسم کی چیزیں صدقے میں نہ دیا کرو، بلکہ اچھی چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اب اس آیت میں مزید آگے بڑھ کر یہ کہا جارہا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اچھی چیزیں اللہ کی خوشنودی کے لئے دو، بلکہ جن چیزوں سے تمہیں زیادہ محبت ہے، ان کو اس راہ میں نکالو تاکہ صحیح معنیٰ میں اللہ کے لئے قربانی کا مظاہرہ ہوسکے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ نے اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں صدقہ کرنی شروع کردیں جس کے بہت سے واقعات حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوم ص: ۱۰۷ و ۱۰۸۔

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوهَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

اتباع ابراہیم علیہ السلام

(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔''[(۳۳)] ﴿۹۳﴾ پھر ان باتوں کے (واضح ہونے کے) بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں، تو ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں ﴿۹۴﴾ آپ کہئے کہ اللہ نے سچ کہا ہے، لہٰذا تم ابراہیم کے دِین کا اتباع کرو جو پوری طرح سیدھے راستے پر تھے، اور ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کی خدائی میں کسی کو شریک مانتے ہیں ﴿۹۵﴾

---

(۳۳) بعض یہودیوں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں، حالانکہ آپ اُونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، جو تورات کی رُو سے حرام ہے۔ ان آیات میں اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دِین میں حرام نہیں تھا، بلکہ تورات نازل ہونے سے پہلے بنی اِسرائیل کے لئے بھی وہ سب چیزیں حلال تھیں جو آج مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ البتہ ہوا یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُونٹ کا گوشت اپنے اُوپر حرام کرلیا تھا، جس کی وجہ حضرت ابنِ عباسؓ نے یہ بتائی ہے کہ ان کو عرق النساء کی بیماری تھی، اور انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہوگئی تو میں اپنے کھانے کی سب سے پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔ انہیں اُونٹ کا گوشت سب سے زیادہ پسند تھا، اس لئے شفا حاصل ہونے پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم بسند صحیح) اب قرآنِ کریم نے یہاں صریح الفاظ میں یہ بات نہیں بتائی کہ آیا اس کے بعد یہ گوشت بنی اسرائیل پر بھی حرام کردیا گیا تھا یا نہیں، لیکن سورۂ نساء (۴:۱۶۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر بہت سی اچھی چیزیں بھی حرام کردی گئی تھیں۔ اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۰ میں گذر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ: ''اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کردوں۔'' نیز یہاں ''تورات نازل ہونے سے پہلے'' کے الفاظ بھی یہ بتارہے ہیں کہ اُونٹ

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‌ۚ ﴿۹۶﴾ فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ‌ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا‌ ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ‌ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔[۳۴] ﴿۹۶﴾ اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔ اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔ اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دُنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿۹۷﴾

کا گوشت شاید تورات نازل ہونے کے بعد ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔ اب جو چیلنج ان کو دیا گیا ہے کہ ''اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ اُونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلا آتا ہے۔ اس کے برعکس یہ حکم صرف بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، چنانچہ اب بھی بائبل کی کتاب احبار میں جو یہودیوں اور عیسائیوں کی نظر میں تورات کا ایک حصہ ہے، اُونٹ کی حرمت بنی اسرائیل ہی کے لئے بیان ہوئی ہے: ''تم بنی اسرائیل سے کہو کہ ...تم اِن جانوروں کو نہ کھانا، یعنی اُونٹ کو... سو وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔'' (احبار ۱۱: ۱-۴) خلاصہ یہ کہ اُونٹ کا گوشت اَصلاً حلال ہے، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے ان کی نذر کی وجہ سے اور بنی اسرائیل کے لئے ان کی نافرمانیوں کی بنا پر حرام کیا گیا تھا۔ اب اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا اصل حکم لوٹ آیا ہے۔

(۳۴) یہ یہودیوں کے ایک اور اِعتراض کا جواب ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیتے آئے ہیں، مسلمانوں نے اسے چھوڑ کر مکہ کے کعبہ کو کیوں قبلہ بنا لیا۔ آیت نے جواب یہ دیا ہے کہ کعبہ تو بیت المقدس کی تعمیر سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی ہے۔ لہٰذا اسے پھر سے قبلہ اور مقدس عبادت گاہ بنانا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ‌ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ‌ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ‌ ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۰

کہہ دو کہ: ’’ اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کا گواہ ہے‘‘ ﴿۹۸﴾ کہہ دو کہ: ’’ اے اہلِ کتاب! اللہ کے راستے میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کر کے ایک مؤمن کے لئے اس میں کیوں رُکاوٹ ڈالتے ہو جبکہ تم خود حقیقتِ حال کے گواہ ہو؟ (۳۵) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔‘‘ ﴿۹۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لوگے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو دوبارہ کافر بنا کر چھوڑیں گے ﴿۱۰۰﴾ اور تم کیسے کفر اپناؤ گے جبکہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے؟ اور (اللہ کی سنت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لے، وہ سیدھے راستے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ ﴿۱۰۱﴾

(۳۵) یہاں سے آیت نمبر ۱۰۸ تک کی آیات ایک خاص واقعے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ مدینہ منورہ میں دو قبیلے اوس اور خزرج کے نام سے آباد تھے۔ اسلام سے پہلے ان کے درمیان سخت دُشمنی تھی، اور دونوں میں وقتاً فوقتاً جنگیں ہوتی رہتی تھیں جو بعض اوقات سالہا سال جاری رہتی تھیں۔ جب ان قبیلوں کے لوگ مسلمان ہوگئے تو اِسلام کی برکت سے ان کی یہ دُشمنی ختم ہوگئی اور اِسلام کے دامن میں آکر وہ شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔ بعض یہودیوں کو ان کا یہ اتحاد ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایک مرتبہ دونوں قبیلوں کے لوگ ایک مجلس میں جمع تھے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اے ایمان والو! دِل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبر دار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی رَسّی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو اِنعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دُوسرے کے دُشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دِلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے؛ اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ ﴿۱۰۳﴾

ایک یہودی شماس بن قیس نے اِن کے پیار محبت کا یہ منظر دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا، اور اس نے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک شخص سے کہا کہ اس مجلس میں وہ اَشعار سنادو جو زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے شاعروں نے ایک لمبی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ اس شخص نے وہ اَشعار سنانے شروع کردیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان اَشعار سے پرانی باتیں تازہ ہوگئیں، شروع میں دونوں قبیلوں کے لوگوں میں زبانی تکرار ہوئی، پھر بات بڑھ گئی اور آپس میں نئے سرے سے جنگ کی تاریخ اور وقت مقرر ہونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ یہ سب شیطانی حرکت تھی۔ بالآخر آپ کے سمجھانے سے یہ فتنہ ختم ہوا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہودیوں سے خطاب کرکے فرمایا ہے کہ اوّل تو تم کو خود اِیمان لانا چاہئے، اور اگر خود اس سعادت سے محروم ہو تو کم از کم ان لوگوں کے راستے میں رُکاوٹ تو نہ ڈالو جو اِیمان لاچکے ہیں۔ اس کے بعد بڑے مؤثر انداز میں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے، اور آخر میں باہمی جھگڑوں سے بچنے کا علاج یہ بتایا ہے کہ اپنے آپ کو دِین کی تبلیغ و دعوت میں مصروف کرلو تو اس سے اشاعتِ اسلام کے علاوہ یکجہتی بھی پیدا ہوگی۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں، اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۴﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی ﴿۱۰۵﴾

اُس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے! چنانچہ جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اُن سے کہا جائے گا کہ: "کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا؟(۳۶) لو پھر اب مزہ چکھو اس عذاب کا، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" ﴿۱۰۶﴾ دوسری طرف جن لوگوں کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پائیں گے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۰۷﴾

---

(۳۶) اگر یہ یہودیوں کا ذکر ہے تو ایمان سے مراد ان کا تورات پر ایمان لانا ہے، اور اگر منافقین مراد ہیں تو ایمان کا مقصد ان کا زبانی اعلان ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو کسی بھی وقت اسلام سے مرتد ہوگئے تھے۔ پیچھے چونکہ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھنا، اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ واقعۃً مرتد ہوجائیں گے، ان کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اٰمَنَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ الۡاَدۡبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں، اور اللہ دُنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا ﴿۱۰۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے ﴿۱۰۹﴾ (مسلمانو!) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مؤمن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے ﴿۱۱۰﴾ وہ تھوڑا بہت ستانے کے سوا تمہیں کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے بھی تو تمہیں پیٹھ دِکھا جائیں گے، پھر انہیں کوئی مدد بھی نہیں پہنچے گی ﴿۱۱۱﴾ وہ جہاں کہیں پائے جائیں، ان پر ذِلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، اِلَّا یہ کہ اللہ کی طرف سے کوئی سبب پیدا ہو جائے یا انسانوں کی طرف سے کوئی ذریعہ نکل آئے جو ان کو سہارا دیدے؛ انجامِ کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں، اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿١١٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ (نیز) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور ساری حدیں پھلانگ جایا کرتے تھے ﴿۱۱۲﴾ (لیکن) سارے اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں(۳۷) ﴿۱۱۳﴾ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار صالحین میں ہے ﴿۱۱۴﴾ وہ جو بھلائی بھی کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾ (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال ان کے کچھ کام آئیں گے، نہ اولاد۔ وہ دوزخی لوگ ہیں؛ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱۶﴾

(۳۷) اس سے مراد وہ اہلِ کتاب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، مثلاً یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

جو کچھ یہ لوگ دُنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سخت سردی والی تیز ہوا ہو جو ان لوگوں کی کھیتی کو جا لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہو، اور وہ اس کھیتی کو برباد کردے۔(۳۸) ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۱۷﴾

اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔(۳۹) ان کی دِلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اُٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتا دی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۱۸﴾

---

(۳۸) کافر لوگ جو کچھ خیرات وغیرہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، ان کے کفر کی وجہ سے اس کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ لہٰذا ان کے خیراتی اعمال کی مثال ایک کھیتی کی سی ہے، اور ان کے کفر کی مثال اس تیز آندھی کی ہے جس میں پالا بھی ہو اور وہ اچھی خاصی کھیتی کو برباد کر ڈالے۔

(۳۹) مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے جو قبیلے آباد تھے، زمانۂ دراز سے یہودیوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات چلے آتے تھے۔ جب اوس اور خزرج کے لوگ مسلمان ہوگئے تو وہ ان یہودیوں کے ساتھ اپنی دوستی نبھاتے رہے، مگر یہودیوں کا حال یہ تھا کہ ظاہر میں تو وہ بھی دوستانہ انداز میں ملتے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ

هٰٓاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ‌ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ‌ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـــًٔا ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾

ع ۱۲ / ۱۱ / ۳

دیکھو! تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم تو تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے، اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصّے کے مارے اپنی اُنگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ ''اپنے غصّے میں خود مر رہو۔ اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔'' ﴿۱۱۹﴾ اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے ﴿۱۲۰﴾

یہ بھی ظاہر کرتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ان کے دِل میں مسلمانوں کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسلمان ان کی دوستی پر بھروسہ کرتے ہوئے سادہ لوحی میں انہیں مسلمانوں کی کوئی راز کی بات بھی بتا دیتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ ان پر بھروسہ نہ کریں اور انہیں رازدار بنانے سے مکمل پرہیز کریں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

(اے پیغمبر! جنگِ اُحد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جمار ہے تھے،(۴۰) ـــــ اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے ـــــ ﴿۱۲۱﴾ جب تمہی میں کے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں،(۴۱) حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۲۲﴾

اللہ نے تو (جنگِ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔(۴۲) لہٰذا (صرف) اللہ کا خوف دِل میں رکھو، تاکہ تم شکر گذار بن سکو۔ ﴿۱۲۳﴾

---

(۴۰) جنگِ اُحد میں تین ہزار کفارِ مکہ کا ایک لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلے کے لئے اُحد پہاڑ کے دامن میں تشریف لے گئے تھے جہاں یہ جنگ لڑی گئی۔ آنے والی آیات میں اس کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابلے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے، لیکن منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبیّ راستے میں یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں سمیت واپس چلا گیا کہ ہماری رائے یہ تھی کہ دُشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے۔ ہماری رائے کے خلاف آپ باہر نکل آئے ہیں، اس لئے ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس موقع پر سچے مسلمانوں کے دو قبیلے بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے دِل بھی ڈگمگا گئے، اور ان کے دِل میں بھی خیال آیا کہ تین ہزار کے مقابلے میں صرف سات سو افراد بہت تھوڑے ہیں، اور ایسے میں جنگ لڑنے کے بجائے الگ ہوجانا چاہئے، لیکن پھر اللہ نے مدد فرمائی، اور وہ جنگ میں شامل ہوئے۔ اس آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۲) جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی، اور ان کے پاس ستر اُونٹ، دو گھوڑے اور صرف آٹھ تلواریں تھیں۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿١٢٧﴾

جب (بدر کی جنگ میں) تم مؤمنوں سے کہہ رہے تھے کہ: "کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟ ﴿۱۲۴﴾ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔"(۴۳) ﴿۱۲۵﴾ اللہ نے یہ انتظام صرف اس لئے کیا تھا تاکہ تمہیں خوشخبری ملے، اور اس سے تمہارے دِلوں کو اِطمینان نصیب ہو، ورنہ فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک ﴿۱۲۶﴾ (اور جنگِ بدر میں یہ مدد اللہ نے اُس لئے کی) تاکہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ان کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے، یا ان کو ایسی ذِلت آمیز شکست دے کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ ﴿۱۲۷﴾

(۴۳) یہ سارا حوالہ جنگِ بدر کا ہے۔ اس جنگ میں شروع میں تو تین ہزار فرشتوں کی بشارت دی گئی تھی، لیکن بعد میں صحابۂ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ کُرز بن جابر اپنا لشکر لے کر کفارِ مکہ کے ساتھ شامل ہونے کے لئے آ رہا ہے۔ کفار کی تعداد پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی، اب اس لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس موقع پر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر کُرز کا لشکر اچانک آ گیا تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیجے جائیں گے۔ لیکن پھر کُرز کا لشکر نہیں آیا، اس لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں[*] ﴿۱۲۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾ اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سُود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو[۴۴] ﴿۱۳۰﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور اپنے ربّ کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔ وہ اُن پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۳﴾

(*) جنگِ اُحد کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جس کا نبی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہو اور وہ اس سے جنگ کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴۴) امام رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر مکہ کے مشرکین نے سود پر قرضے لے کر جنگ کی تیاری کی تھی، اس لئے کسی مسلمان کے دِل میں بھی یہ خیال ہوسکتا تھا کہ مسلمان بھی جنگ کی تیاری میں یہی طریقہ اختیار کریں۔ اس آیت نے انہیں خبردار کردیا کہ سود پر قرض لینا حرام ہے۔ یہاں سود کو کئی گنا بڑھا کر کھانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کم شرح پر سود کی اجازت ہے، بلکہ اس وقت چونکہ

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصّے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۳۴﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں ـــ اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ ـــ اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اِصرار نہیں کرتے ﴿۱۳۵﴾ یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں انہیں دائمی زندگی حاصل ہوگی۔ کتنا بہترین بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے! ﴿۱۳۶﴾

تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں۔ اب تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جنہوں نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ان کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۱۳۷﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے واضح اعلان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت! ﴿۱۳۸﴾

سودی قرضوں میں بکثرت یہی ہوتا تھا کہ سود اصل سے کئی گنا بڑھ جاتا تھا اس لئے ایک واقعے کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے، ورنہ سورۂ بقرہ (آیت ۲۷۷ اور ۲۷۸) میں صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ اصل قرض پر جتنی بھی زیادتی ہو وہ سود میں داخل اور حرام ہے۔

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾

(مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔ (۴۵) ﴿۱۳۹﴾

(۴۵) جنگِ اُحد کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ شروع میں مسلمان کافر حملہ آوروں پر غالب آگئے، اور کفار کا لشکر پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے پچاس تیرانداز صحابہ کا ایک دستہ میدانِ جنگ کے ایک عقبی ٹیلے پر متعین فرمایا تھا، تاکہ دُشمن پیچھے سے حملہ نہ کرسکے۔ جب دُشمن پسپا ہوا اور میدانِ جنگ خالی ہوگیا تو صحابہ نے اس کا چھوڑا ہوا ساز و سامان مالِ غنیمت کے طور پر اِکٹھا کرنا شروع کردیا۔ تیراندازوں کے اس دستے نے جب یہ دیکھا کہ دُشمن بھاگ چکا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہماری ذمہ داری پوری ہوچکی ہے اور ہمیں بھی مالِ غنیمت جمع کرنے میں حصہ لینا چاہئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے ٹیلہ چھوڑنے کی مخالفت کی، اور اپنے ساتھیوں کو یاد دِلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر حال میں یہاں جمے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر ان میں سے اکثر نے وہاں ٹھہرنے کو بے مقصد سمجھ کر ٹیلہ چھوڑ دیا۔ دُشمن نے جب دُور سے دیکھا کہ ٹیلہ خالی ہوگیا ہے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے ہیں تو انہوں نے موقع پاکر ٹیلے پر حملہ کردیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے اپنی بساط کے مطابق ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر وہ سب شہید ہوگئے، اور دُشمن اس ٹیلے سے اُتر کر ان بے خبر مسلمانوں پر حملہ آور ہوگیا جو مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ یہ حملہ اس قدر غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ اسی دوران کسی نے یہ افواہ اُڑادی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں۔ اس افواہ سے بہت سے مسلمانوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ ان میں سے بعض میدان چھوڑ گئے، بعض جنگ سے کنارہ کش ہوکر ایک طرف کھڑے رہ گئے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کی ایک جماعت آپ کے اِردگرد ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی، کفار کا نرغہ اتنا سخت تھا کہ اس کشمکش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دانت شہید ہوگیا، اور چہرۂ مبارک لہولہان ہوگیا۔ بعد میں جب صحابہ کو پتہ چلا کہ آپ کی شہادت کی خبر غلط تھی اور ان کے حواس بجا ہوئے تو ان میں سے بیشتر میدان میں لوٹ آئے، اور پھر کفار کو بھاگنا پڑا، لیکن اس درمیانی عرصے میں ستر صحابۂ کرام شہید ہوچکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے سے تمام مسلمانوں کو شدید صدمہ ہوا۔ قرآنِ کریم ان آیتوں میں انہیں تسلی بھی دے رہا ہے کہ یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جن سے مایوس اور دِل شکستہ نہ ہونا چاہئے، اور اس طرف بھی متوجہ کررہا ہے کہ یہ شکست کچھ غلطیوں کا نتیجہ تھی جن سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

۱۴ ع ۱۴ ۵

اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔(۴۶) یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے ﴿۱۴۱﴾ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں ﴿۱۴۲﴾ اور تم تو خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔(۴۷) چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں اسے دیکھ لیا ہے ﴿۱۴۳﴾

---

(۴۶) جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں کفارِ مکہ کے ستر سردار مارے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے۔

(۴۷) جو لوگ جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ شہدائے بدر کی فضیلت سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی شہادت کا رُتبہ نصیب ہو۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں؛ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ بھلا اگر ان کا انتقال ہوجائے یا انہیں قتل کردیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گذار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا ﴿۱۴۴﴾ اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔ اور جو شخص دُنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ دے دیں گے، اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ عطا کردیں گے،(۴۸) اور جو لوگ شکر گذار ہیں ان کو ہم جلد ہی ان کا اجر عطا کریں گے ﴿۱۴۵﴾

اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا۔ اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾

(۴۸) اس سے اشارہ مالِ غنیمت کی طرف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف مالِ غنیمت حاصل

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: "ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرمادے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرمادے" ﴿۱۴۷﴾ چنانچہ اللہ نے انہیں دُنیا کا اِنعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی۔ اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۴۸﴾ اے ایمان والو! جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے اگر تم ان کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹا دیں گے، اور تم پلٹ کر سخت نقصان اُٹھاؤ گے ﴿۱۴۹﴾ (یہ لوگ تمہارے خیر خواہ نہیں) بلکہ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے، اور وہ بہترین مددگار ہے ﴿۱۵۰﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ہم عنقریب ان کے دِلوں میں رُعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کی خدائی میں ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ ظالموں کا بدترین ٹھکانا ہے ﴿۱۵۱﴾

کرنے کی نیت سے جہاد میں شریک ہوگا، اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ تو مل جائے گا، لیکن آخرت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اس کے برعکس اگر اصل نیت اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی ہوگی تو آخرت کا ثواب حاصل ہوگا، اور مالِ غنیمت بھی ایک اضافی فائدے کے طور پر ملے گا (روح المعانی)۔

وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ‌ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَعَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ‌ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ‌ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ۚ وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دُشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دِکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دِکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا(۴۹) ـــــ تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دُنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے ـــــ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رُخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ﴿۱۵۲﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اُٹھائے چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسول کو) غم (دینے) کے بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو،(۵۰) نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۵۳﴾

---

(۴۹) ''پسندیدہ چیز'' سے یہاں مراد مالِ غنیمت ہے جسے دیکھ کر عقبی ٹیلے کے اکثر حضرات اپنے امیر کے حکم کے خلاف ٹیلہ چھوڑ گئے تھے۔

(۵۰) یعنی اس قسم کے واقعات سے تمہارے اندر پختگی آئے گی، اور آئندہ جب کوئی تکلیف پیش آئے گی اس پر زیادہ پریشان اور مغموم رہنے کے بجائے تم صبر اور اِستقامت سے کام لوگے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانینت نازل کی، ایک اُونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی![51] اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟'' کہہ دو کہ: ''اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔'' یہ لوگ اپنے دِلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔[52] کہتے ہیں کہ: ''اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔'' کہہ دو کہ: ''اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے۔

---

(۵۱) جنگِ اُحد میں جو غیر متوقع شکست ہوئی، اس پر صحابہ صدمے سے مغلوب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دُشمن کے جانے کے بعد بہت سے صحابہ پر اُونگھ مسلط فرمادی جس سے غم غلط ہو گیا۔

(۵۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ جو کہہ رہے تھے کہ ''کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟'' اس کا ظاہری مطلب تو یہ تھا کہ اللہ کی تقدیر کے آگے کسی کا اختیار نہیں چلتا، اور یہ بات صحیح تھی، لیکن ان کا اصل مقصد وہ تھا جو آگے قرآنِ کریم نے دُہرایا ہے، یعنی یہ کہ اگر ہماری بات مانی جاتی اور باہر نکل کر دُشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر دِفاع کیا جاتا تو اتنے سارے آدمیوں کے قتل کی نوبت نہ آتی۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ سب اس لئے ہوا تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے، اور جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے اس کا میل کچیل دُور کردے۔(۵۳) اللہ دِلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے ﴿۱۵۴﴾ تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کردیا تھا۔(۵۴) اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کردیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۵۵﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے کفر اختیار کرلیا ہے، اور جب ان کے بھائی کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا جنگ میں شامل ہوتے ہیں تو یہ اُن کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ''اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے، اور نہ مارے جاتے۔'' (اِن کی اس بات کا) نتیجہ تو (صرف) یہ ہے کہ اللہ ایسی باتوں کو ان کے دِلوں میں حسرت کا سبب بنادیتا ہے، (ورنہ) زندگی اور موت تو اللہ دیتا ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ﴿۱۵۶﴾

(۵۳) اشارہ اس طرف ہے کہ اس طرح کے مصائب سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور باطنی بیماریاں دُور ہوتی ہیں۔

(۵۴) یعنی جنگ سے پہلے ان سے کچھ ایسے قصور ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر شیطان کو حوصلہ ہوا اور اس نے انہیں بہکا کر مزید غلطی میں مبتلا کردیا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ

اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ، تب بھی اللہ کی طرف سے ملنے والی مغفرت اور رحمت اُن چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو اللہ ہی کے پاس تو لے جا کر اکٹھے کئے جاؤ گے! ﴿۱۵۸﴾ ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے اِن لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دِل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہٰذا اِن کو معاف کر دو، اِن کے لئے مغفرت کی دُعا کرو، اور اِن سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مؤمنوں کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ﴿۱۶۰﴾ اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے،(۵۵)

---

(۵۵) شاید اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت اِکٹھا کرنے کے لئے اتنی جلدی کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جو مال بھی حاصل ہوتا، خواہ وہ کسی نے جمع کیا ہو، بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اسے شرعی قاعدے سے انصاف کے ساتھ تقسیم فرماتے، اور ہر شخص کو اس کا حصہ مل جاتا، کیونکہ کوئی نبی مالِ غنیمت میں خیانت نہیں کر سکتا۔

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

النصف

اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۱﴾ بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ناراضی لے کر لوٹا ہو، اور جس کا ٹھکانا جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے! ﴿۱۶۲﴾ اللہ کے نزدیک اِن لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھتا ہے ﴿۱۶۳﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا اِحسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور اُنہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اِس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ﴿۱۶۴﴾ جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دُگنی تم (دُشمن کو) پہنچا چکے تھے (۵۶) تو کیا تم ایسے موقع پر یہ کہتے ہو کہ "یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟" کہہ دو کہ "یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔" بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۶۵﴾

---

(۵۶) اشارہ جنگِ بدر کی طرف ہے جس میں کفارِ قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے،

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾

اور تمہیں جو مصیبت اُس دن پہنچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تاکہ وہ مؤمنوں کو بھی پرکھ کر دیکھ لے ﴿۱۶۶﴾ اور منافقین کو بھی دیکھ لے۔ اور اِن (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ "آؤ اللہ کے راستے میں جنگ کرو یا دِفاع کرو" تو انہوں نے کہا تھا کہ: "اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ کی طرح) جنگ ہوگی تو ہم ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔"(۵۷) اُس دن (جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دِلوں میں نہیں ہوتی۔(۵۸) اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے ﴿۱۶۷﴾

جبکہ جنگِ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ستر ضرور تھی مگر کوئی مسلمان گرفتار نہیں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بدر میں مسلمانوں نے کفار کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ اس نقصان سے دُگنا تھا جو کافروں نے اُحد میں مسلمانوں کو پہنچایا۔

(۵۷) ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور اس میں شریک ہوتے، لیکن یہاں تو مسلمانوں کا دُشمن سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ دُشمن کی تعداد تین گنے سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا یہ جنگ نہیں، خودکشی ہے، اس میں ہم شامل نہیں ہوسکتے۔

(۵۸) یعنی زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اگر برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور شامل ہوتے، لیکن یہ صرف ایک بہانہ ہے، درحقیقت ان کے دِل میں یہ ہے کہ برابر کی جنگ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دینا۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

وقف لازم ع ۱۷ ۱۶ ۸

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے (شہید) بھائیوں کے بارے میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بناتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ: ''اگر تم سچے ہو تو خود اپنے آپ ہی سے موت کو ٹال دینا'' ﴿۱۶۸﴾ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رَبّ کے پاس رزق ملتا ہے ﴿۱۶۹﴾ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، اُن کے بارے میں اِس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مؤمنوں کا اَجر ضائع نہیں کرتا ﴿۱۷۱﴾ وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اَجر ہے ﴿۱۷۲﴾

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَہٗ ۪ فَلَا تَخَافُوۡہُمۡ وَ خَافُوۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾

وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا۔ تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا اور وہ بول اُٹھے کہ: ”ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ (۵۹) ﴿۱۷۳﴾ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۱۷۴﴾ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مؤمن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو ﴿۱۷۵﴾

---

(۵۹) جب کفارِ مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہیں پچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آگئے، اگر ہم کچھ اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید ان کے ارادے سے باخبر ہوکر یا اُحد کے نقصان کی تلافی کے لئے جنگِ اُحد کے اگلے دن سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ہم دُشمن کے تعاقب میں جائیں گے، اور جو لوگ جنگِ اُحد میں شریک تھے صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ صحابہ کرام اگرچہ اُحد کے واقعات سے زخم خوردہ تھے، اور تھکے ہوئے بھی تھے، مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہا جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر حمراء الأسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص معبد آپ سے ملا جو کافر ہونے کے باوجود آپ سے ہمدردی رکھتا تھا، اس نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا اور جب وہاں سے نکلا تو اس کی ملاقات کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہوگئی، اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کے

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دِکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے میں نہ ڈالیں۔ یقین رکھو وہ اللہ کا ذرا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے، اور اُن کے لئے زبردست عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۶﴾ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا ہے وہ اللہ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اُن کے لئے ایک دُکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم اُنہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ اُن کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو انہیں صرف اِس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں، اور (آخرکار) ان کے لئے ایسا عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۷۸﴾

لشکر اور اس کے حوصلوں کے بارے میں بتایا اور مشورہ دیا کہ وہ لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا جائے۔ اس سے کفار پر رُعب طاری ہوا اور وہ واپس تو چلے گئے لیکن عبدالقیس کے ایک قافلے سے جو مدینہ منورہ جا رہا تھا یہ کہہ گئے کہ جب راستے میں ان کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو ان سے یہ کہیں کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے مسلمانوں پر رُعب پڑے۔ چنانچہ یہ لوگ جب حمراء الأسد پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو یہی بات کہی، لیکن صحابہ کرام نے اس سے مرعوب ہونے کے بجائے وہ جملہ کہا جو اس آیت میں تعریف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾

اللہ ایسا نہیں کرسکتا کہ مؤمنوں کو اُس حالت پر چھوڑے رکھے جس پر تم لوگ اِس وقت ہو، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے۔ اور (دُوسری طرف) وہ ایسا بھی نہیں کرسکتا کہ تم کو (براہِ راست) غیب کی باتیں بتادے۔ ہاں! وہ (جتنا بتانا مناسب سمجھتا ہے اس کے لئے) اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔[۶۰] لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر ایمان رکھوگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو زبردست ثواب کے مستحق ہوگے۔ ﴿۱۷۹﴾

---

(۶۰) آیت ۱۷۶ سے ۱۷۸ تک اس شبہے کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں تو انہیں دُنیا میں عیش وعشرت کی زندگی کیوں حاصل ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آخرت میں تو کوئی حصہ ملنا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا میں ڈھیل دیئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے یہ مزید گناہوں میں ملوث ہوتے جارہے ہیں۔ ایک وقت آنا ہے جب یہ اکٹھے عذاب میں دھر لئے جائیں گے۔ آیت ۱۷۹ میں اس کے مقابل اس شبہے کا جواب ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، اس کے باوجود ان پر مصیبتیں کیوں آرہی ہیں؟ اس کا ایک جواب اس آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ آزمائشیں مسلمانوں پر اس لئے آرہی ہیں تاکہ مسلمانوں پر واضح ہوجائے کہ ایمان کے دعوے میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس وضاحت کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا، اور مشکلات ہی کے وقت یہ پتہ چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے؟ اس پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشکل میں ڈالے بغیر کیوں نہیں بتادیتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں ہر ایک شخص کو نہیں بتاتا، بلکہ جتنی باتیں چاہتا ہے اپنے پیغمبر کو بتادیتا ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان منافقین کی بدعملی آنکھوں سے دیکھ کر ان کے بارے میں رائے قائم کریں، اس لئے یہ آزمائشیں پیش آرہی ہیں۔ آزمائشوں کی مزید حکمت آگے آیات ۱۸۵ اور ۱۸۶ میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

وقف لازم

اور جو لوگ اس (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ اس کے برعکس یہ ان کے حق میں بہت بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہوگا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ (۶۱) اور سارے آسمان اور زمین کی میراث صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۸۰﴾

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔" (۶۲) ہم اُن کی یہ بات بھی (ان کے اعمال نامے میں) لکھے لیتے ہیں، اور انہوں نے انبیاء کو جو ناحق قتل کیا ہے، اس کو بھی، اور (پھر) کہیں گے کہ: "دہکتی آگ کا مزہ چکھو ﴿۱۸۱﴾

(۶۱) وہ بخل جسے حرام قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کا حکم دیں، انسان وہاں خرچ نہ کرے، مثلاً زکوۃ نہ دے۔ ایسی صورت میں جو مال انسان بچا کر رکھے گا، قیامت کے دن وہ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ حدیث میں اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسا مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں منتقل کر کے اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس کی باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ: "میں ہوں تیرا مال! میں ہوں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ!"۔

(۶۲) جب زکوۃ وغیرہ کے احکام آئے تو بعض یہودیوں نے ان کا مذاق اُڑاتے ہوئے اس قسم کے گستاخانہ جملے کہے تھے۔ ظاہر ہے کہ عقیدہ تو ان کا بھی یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ فقیر ہے، لیکن انہوں نے زکوۃ کے حکم کا مذاق اس طرح اُڑایا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ جملے کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اس پر عذاب کی وعید سنائی۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

یہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے جو تم نے آگے بھیج رکھا تھا، ورنہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔'' ﴿۱۸۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ''اللہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے۔''(۶۳) تم کہو کہ: ''مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں بھی لے کر آئے اور وہ چیز بھی جس کے بارے میں تم نے (مجھ سے) کہا ہے۔ پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم واقعی سچے ہو؟'' ﴿۱۸۳﴾

---

(۶۳) پچھلے انبیائے کرام کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کوئی جانور قربان کرتا تو اس کو کھانا حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ جانور ذبح کر کے کسی میدان میں یا ٹیلے پر رکھ دیتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ قربانی قبول فرماتے تو آسمان سے ایک آگ آکر اس قربانی کو کھا لیتی تھی۔ اس کو سوختنی قربانی کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا اور قربانی کا گوشت انسانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قربانی لے کر نہیں آئے اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔ چونکہ یہ محض وقت گذاری کا ایک بہانہ تھا اور حقیقت میں ایمان لانا پیشِ نظر نہیں تھا اس لئے انہیں یاد دِلایا گیا کہ ماضی میں ایسے نشانات تمہارے سامنے آئے تب بھی تم ایمان لانے کے بجائے انبیائے کرام کو قتل کرتے رہے ہو۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫

(اے پیغمبر!) اگر پھر بھی یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سے اُن رسولوں کو جھٹلایا جاچکا ہے جو کھلی کھلی نشانیاں بھی لائے تھے، لکھے ہوئے صحیفے بھی اور ایسی کتاب بھی جو (حق کو) روشن کردینے والی تھی ﴿۱۸۴﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دُور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہوگیا، اور یہ دُنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ﴿۱۸۵﴾ (مسلمانو!) تمہیں اپنے مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں (اور) آزمایا جائے گا، اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم نے صبر اور تقوی سے کام لیا تو یقیناً یہی کام بڑی ہمت کے ہیں (جو تمہیں اختیار کرنے ہیں) ﴿۱۸۶﴾ اور (ان لوگوں کو وہ وقت نہ بھولنا چاہئے) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ: ''تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور کھول کھول کر بیان کروگے، اور اس کو چھپاؤ گے نہیں''

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

پھر انہوں نے اس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ اس طرح کتنی بری ہے وہ چیز جو یہ مول لے رہے ہیں! ﴿۱۸۷﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کیے پر بڑے خوش ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے کیے ہی نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے لئے دردناک سزا (تیار) ہے ﴿۱۸۸﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ کی ہے، اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے ﴿۱۸۹﴾ بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں ﴿۱۹۰﴾ جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اُٹھتے ہیں کہ) ''اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے ﴿۱۹۱﴾

رَبَّنَآ إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ ٱلنَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُۥ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِى لِلْإِيمَٰنِ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِرَبِّكُمْ فَـَٔامَنَّا ۚ رَبَّنَا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَءَاتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ ٱلْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَٱسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّى لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ۖ فَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ وَأُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِمْ وَأُوذُوا۟ فِى سَبِيلِى وَقَٰتَلُوا۟ وَقُتِلُوا۟ لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّـَٔاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ

اے ہمارے رَبّ! آپ جس کسی کو دوزخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً رُسوا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو سنا جو اِیمان کی طرف پکار رہا تھا کہ "اپنے پروردگار پر اِیمان لاؤ" چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ لٰہذا اے ہمارے پروردگار! ہماری خاطر ہمارے گناہ بخش دیجئے، ہماری برائیوں کو ہم سے مٹا دیجئے، اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل کر کے اپنے پاس بلائیے ﴿۱۹۳﴾ اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ بھی عطا فرمائیے جس کا وعدہ آپ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے کیا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رُسوا نہ کیجئے۔ یقیناً آپ وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے۔" ﴿۱۹۴﴾ چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان کی دُعا قبول کی (اور کہا) کہ: "میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لٰہذا جن لوگوں نے ہجرت کی، اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور میرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں، اور جنہوں نے (دِین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا ضرور کفارہ کر دوں گا، اور انہیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی؛

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے اِنعام ہوگا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین اِنعام ہے ﴿۱۹۵﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان کا شہروں میں (خوشحالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے ﴿۱۹۶﴾ یہ تو تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اُڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین بچھونا ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے عمل کرتے ہیں، اُن کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے میزبانی کے طور پر وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے ﴿۱۹۸﴾ اور بیشک اہلِ کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اُس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے پاس اپنے اَجر کے مستحق ہیں۔ بیشک اللہ حساب جلد چکانے والا ہے۔ ﴿۱۹۹﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دِکھاؤ، اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے جمے رہو،(۶۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۲۰۰﴾

(۶۴) قرآنی اصطلاح میں "صبر" بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی ایک قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت کا مظاہرہ ہے، دُوسری قسم گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی خواہشات کو دبانا ہے، اور تیسری قسم تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔ یہاں ان تینوں قسموں کے صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سرحدوں کی حفاظت میں جغرافی سرحدوں کی حفاظت بھی داخل ہے، اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام اَحکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سورۂ آل عمران کا ترجمہ اور تشریحات بفضلہٖ تعالیٰ بروز بدھ مؤرخہ ۱۸؍رجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴؍اگست ۲۰۰۵ء کو مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ باقی حصے کو بھی اپنی رضا کے مطابق بآسانی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ النِّسَآءِ

تعارف

یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اوراس کا اکثر حصہ جنگِ بدر کے بعد نازل ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ اُبھر رہا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق و معاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی، دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں، اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورۂ نساء نے ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کی ہیں۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل اَحکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی اَحکام عطا فرمائے ہیں، اور اسی لئے اس کا نام سورۂ نساء ہے۔ جنگِ اُحد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے تھے، اس لئے سورت نے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے، اور آیت نمبر ۱۴ تک میراث کے اَحکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے، ان مظالم کی ایک ایک کر کے نشاندہی کی گئی ہے، اور معاشرے سے ان کا خاتمہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نکاح و طلاق کے مفصل اَحکام بیان کئے گئے ہیں، اور میاں بیوی کے حقوق متعین فرمائے گئے ہیں۔ یہ مضمون آیت نمبر ۳۵ تک چلا ہے جس کے بعد انسان کی باطنی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دِلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کو عرب کے صحراؤں میں سفر کے دوران پانی کی قلّت پیش آتی تھی، لہٰذا آیت ۴۳ میں تیمّم کا طریقہ اور آیت ۱۰۱ میں سفر میں نماز قصر کرنے کی

سہولت عطا فرمائی گئی ہے۔ نیز جہاد کے دوران نمازِ خوف کا طریقہ آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بتایا گیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، آیات ۴۴ تا ۵۷ اور ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں ان کی بداَعمالیوں کو واضح فرمایا گیا ہے، اور انہیں راہِ راست پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵ میں ان کے ساتھ عیسائیوں کو بھی خطاب میں شامل کرلیا گیا ہے، اور انہیں تثلیث کے عقیدے کے بجائے خالص توحید اِختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیات ۵۸ و ۵۹ میں سیاست اور حکمرانی سے متعلق ہدایات آئی ہیں۔ منافقین کی بداَعمالیاں آیات ۶۰ تا ۷۰ اور پھر آیات ۱۳۷ تا ۱۵۲ میں واضح کی گئی ہیں۔ آیات ۷۱ تا ۹۶ نے جہاد کے اَحکام بیان کرکے منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی سیاق میں آیات ۹۲ و ۹۳ میں قتل کی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں مظالم جھیل رہے تھے، ان کی ہجرت کے مسائل آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ اسی دوران بہت سے تنازعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فیصلے کے لئے لائے گئے۔ آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵ میں ان کے فیصلے کا طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپ کا فیصلہ دِل و جان سے قبول کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶ میں توحید کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ خاندانی نظام اور میراث کے بارے میں صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد سوالات پوچھے تھے، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹ اور پھر ۱۷۶ میں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پوری سورت اَحکام اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور شروع میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ پوری سورت اس کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

اٰیاتها ۱۷۶ ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۱ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۲

سورۂ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھہتر آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دُنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو،(۱) اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے ﴿۱﴾ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو، اور اُن (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔(۲) بیشک یہ بڑا گناہ ہے ﴿۲﴾

(۱) جب دُنیا میں لوگ ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو بکثرت یہ کہتے ہیں کہ "خدا کے واسطے مجھے میرا حق دے دو" آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق کے لئے اللہ کا واسطہ دیتے ہو تو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بھی اللہ سے ڈرو، اور لوگوں کے حقوق پورے پورے ادا کرو۔

(۲) کسی مرنے والے کے بچے جب یتیم ہو جاتے ہیں تو ان کے باپ کی میراث میں ان کا بھی حصہ ہوتا ہے، مگر ان کی کم عمری کی وجہ سے وہ مال ان کے سپرد نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے سرپرست، مثلاً چچا، بھائی وغیرہ اسے بچوں

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ﴿۳﴾

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں،(۳) دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے۔(۴) ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اِکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہوگے ﴿۳﴾

کے بالغ ہونے تک اپنے پاس امانت کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس آیت میں ایسے سرپرستوں کو تین ہدایتیں دی گئی ہیں: ایک یہ کہ جب بچے بالغ اور سمجھ دار ہوجائیں تو ان کی امانت دیانت داری سے ان کے حوالے کردو۔ دوسرے یہ کہ یہ بددیانتی نہ کرو کہ ان کو ان کے باپ کی طرف سے تو میراث میں اچھی قسم کا مال ملا تھا، مگر تم وہ مال خود رکھ کر گھٹیا قسم کی چیز اس کے بدلے میں دے دو۔ اور تیسرے ایسا نہ کرو کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کرکے اس کا کچھ حصہ جان بوجھ کر یا بے پروائی سے خود استعمال کر بیٹھو۔

(۳) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچازاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کرلے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کرلیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔ اس آیت نے ایسے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح مت کرو، بلکہ دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔

(۴) جاہلیت کے زمانے میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ ایک شخص بیک وقت دس دس، بیس بیس عورتوں

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــًٔا مَّرِيْۗـــــًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰـمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْھَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دِلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو ﴿۴﴾ اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے؛ ہاں اُن کو اِن میں سے کھلاؤ اور پہناؤ، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔(۵) ﴿۵﴾

کو نکاح میں رکھ لیتا تھا۔ اس آیت نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار تک مقرر فرمادی، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ انسان تمام بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک کرے۔ اور اگر بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اِکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرمادیا گیا ہے۔

(۵) یتیموں کے سرپرستوں کی ذمہ داریاں بیان کی جارہی ہیں کہ ایک طرف تو انہیں یتیموں کے مال کو امانت سمجھ کر انتہائی احتیاط سے کام لینا ہے، دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ یتیموں کا پیسہ ایسے وقت ان کے حوالے کیا جائے جب ان میں روپے پیسے کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کی سمجھ اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا سلیقہ آچکا ہو۔ جب تک وہ ناسمجھ ہیں، ان کا مال ان کی تحویل میں نہیں دینا چاہئے، اور اگر وہ خود مطالبہ کریں کہ ان کا مال ان کے حوالے کردیا جائے تو انہیں مناسب انداز میں سمجھا دینا چاہئے۔ اگلی آیت میں اسی اُصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان یتیم بچوں کو آزماتے رہنا چاہئے کہ آیا وہ اتنے سمجھ دار ہوگئے ہیں کہ انہیں اپنے مال کے صحیح استعمال کا سلیقہ آگیا ہے۔ یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ صرف بالغ ہوجانا بھی کافی نہیں، بلوغ کے بعد بھی اگر وہ سمجھ دار نہ ہو پائے ہوں تو مال ان کے حوالے نہ کیا جائے، بلکہ جب یہ محسوس ہوجائے کہ ان میں سمجھ آگئی ہے تب مال ان کے حوالے کیا جائے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٦﴾ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿٧﴾

اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھ داری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کردو۔ اور یہ مال فضول خرچی کر کے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہوجائیں۔ اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مال دار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریقِ کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔[٦] پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنالو۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے ﴿٦﴾

مردوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔[٧] ﴿٧﴾

(٦) یتیموں کے سرپرست کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے بہت سی خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ عام حالات میں جب سرپرست خود کھاتا پیتا شخص ہو، اس کے لئے ان خدمات کا کوئی معاوضہ لینا درست نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ خود تنگدست ہے اور یتیم کی ملکیت میں اچھا خاصا مال ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا ضروری خرچ بھی یتیم کے مال سے لے لے۔ مگر پوری احتیاط سے اتنا ہی لے جتنا عرف اور رواج کے مطابق ضروری ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

(٧) جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ ع ۱۲

اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آ جائیں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔ (۸) ﴿۸﴾ اور وہ لوگ (یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے) ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں گے۔ (۹) لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں ﴿۹﴾ یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا ﴿۱۰﴾

سامنے بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور وہ بیوی اور نابالغ بچے چھوڑ کر گیا، اور اس کے سارے ترکے پر اس کے بھائیوں نے قبضہ کر لیا، بیوی کو تو عورت ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم رکھا گیا، اور بچوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کر دیا گیا کہ عورتوں کو میراث سے محروم نہیں رکھا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نمبر ۱۱ سے شروع ہونے والے رُکوع میں تمام رشتہ دار مردوں اور عورتوں کے حصے بھی مقرر فرما دیئے۔

(۸) جب میراث تقسیم ہو رہی ہو تو بعض ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، قرآنِ کریم نے یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو بھی کچھ دے دینا بہتر ہے۔ مگر ایک تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ہدایت پر عمل کرنا مستحب یعنی پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے۔ دوسرے اس پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالغ ورثاء ایسے لوگوں کو اپنے حصے میں سے دیں۔ نابالغ ورثاء کے حصے میں سے کسی اور کو دینا جائز نہیں ہے۔

(۹) یعنی جس طرح تمہیں اپنے بچوں کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا، اسی طرح دوسروں کے بچوں کی بھی فکر کرو، اور یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے ڈرو۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔[۱۰] اور اگر (صرف) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔ اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی حق دار ہے۔

---

(۱۰) آیات ۱۱ و ۱۲ میں مختلف رشتہ داروں کے لئے میراث کے حصے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن رشتہ داروں کے حصے ان آیات میں مقرر فرمادیئے گئے ہیں ان کو "ذوی الفروض" کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ ان حصوں کی تقسیم کے بعد جو مال بچ جائے، وہ مرنے والے کے ان قریب ترین مذکر افراد میں تقسیم ہوگا جن کے حصے ان آیتوں میں متعین نہیں کئے گئے، جن کو "عصبات" کہا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹے، اور اگرچہ بیٹیاں براہِ راست عصبات میں شامل نہیں ہیں، لیکن بیٹوں کے ساتھ مل کر بیٹیاں بھی عصبات میں شامل ہوجاتی ہیں، اس صورت میں یہ قاعدہ اس آیت نے مقرر فرمایا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور بہن بھائی ہوں تو بھائی کو بہن سے دُگنا حصہ دیا جائے گا۔

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔(۱۱) تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بیٹوں میں سے کون فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے؟(۱۲) یہ تو اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں؛ یقین رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۱﴾ اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں، اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو، اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔

---

(۱۱) یہ قاعدہ ان آیات میں بار بار دُہرایا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم ہمیشہ میّت کے قرضوں کی ادائیگی اور اس کی وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی، یعنی اگر مرنے والے کے ذمے کچھ قرض ہو تو اس کے ترکے سے سب سے پہلے اس کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔ اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو کہ فلاں شخص کو جو وارث نہیں ہے، میرے ترکے سے اتنا دیا جائے تو ایک تہائی ترکے کی حد تک اس پر عمل کیا جائے گا، اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

(۱۲) یہ تنبیہ اس بنا پر فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص یہ سوچ سکتا تھا کہ فلاں وارث کو زیادہ حصہ ملتا تو اچھا ہوتا، یا فلاں کو

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهُۥٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے، ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں نہ اولاد، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ (۱۳) یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے ﴿۱۲﴾

کم ملنا مناسب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہیں مصلحت کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا جو حصہ مقرر فرمادیا ہے، وہی مناسب ہے۔

(۱۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل کرنا میراث کی تقسیم پر مقدم ہے، لیکن مرنے والے کو کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس کا مقصد اپنے جائز ورثاء کو نقصان پہنچانا ہو، مثلاً کوئی شخص اپنے وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی خاطر اپنے کسی دوست کے لئے وصیت کردے، یا اس کے حق میں قرضے کا جھوٹا اقرار کرلے، اور مقصد یہ ہو کہ اس کا پورا ترکہ یا اس کا کافی حصہ اس کے پاس چلا جائے اور ورثاء کو نہ ملے یا بہت کم ملے تو ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے، اور اسی لئے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا ہے کہ کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہوسکتی، نیز غیر وارث کے حق میں بھی ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جاسکتی۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں رہیں گے، اور یہ زبردست کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا ﴿۱۴﴾ تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنالو۔ چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اُٹھا کرلے جائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے۔(۱۴) ﴿۱۵﴾

---

(۱۴) عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو شروع میں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اسے عمر بھر گھر میں مقید رکھا جائے، لیکن ساتھ ہی یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ بعد میں ان کے لئے کوئی اور سزا مقرر کی جائے گی۔ ''یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے'' کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں مرد اور عورت دونوں کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے مقرر کردی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ پیدا کردیا ہے، اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۗ

اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔[۱۵] پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگذر کرو۔ بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۶﴾
اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی سے کوئی برائی کرڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کرلیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۱۷﴾ توبہ کی قبولیت ان کے لئے نہیں جو برے کام کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آ کھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کرلی ہے، اور نہ ان کے لئے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مرجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے تو ہم نے دُکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۸﴾
اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو،

---

(۱۵) یہ مردوں کے خلافِ فطرت ہم جنسی کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی کوئی متعین سزا مقرر کرنے کے بجائے صرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے مردوں کو اذیت دی جائے جس کے مختلف طریقے فقہائے کرام نے تجویز کئے ہیں، مگر ان میں سے کوئی لازمی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس کو حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۭ اَتَاْخُذُونَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

اوران کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اُڑو، اِلا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ (۱۶) اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو ﴿۱۹﴾ اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مہر دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر) واپس لو گے؟ (۱۷) ﴿۲۰﴾

---

(۱۶) زمانۂ جاہلیت میں یہ ظالمانہ رسم چلی آتی تھی کہ جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو اس کے ورثاء اس عورت کو بھی میراث کا حصہ سمجھ کر اس کے اس معنی میں مالک بن بیٹھتے تھے کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر نہ دوسری شادی کر سکتی تھی، اور نہ زندگی کے دوسرے اہم فیصلے کرنے کا حق رکھتی تھی۔ اس آیت نے اس ظالمانہ رسم کو ختم فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک ظالمانہ رواج یہ تھا کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتا کہ جو مہر ان کو دے چکا ہے وہ اسے واپس مل جائے تو وہ اپنی بیوی کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیتا تھا، مثلاً وہ اس کو گھر میں اس طرح مقید رکھتا تھا کہ وہ اپنی جائز ضروریات کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اس طرح ستانے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بیچاری مجبور ہو کر شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے اسے خود یہ پیشکش کرے کہ تم اپنا مہر واپس لے لو، اور مجھے طلاق دے کر میری جان چھوڑ دو۔ آیت کے دوسرے حصے میں اس رواج کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

(۱۷) اُوپر آیت نمبر ۱۹ میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ عورتوں کو گلو خلاصی کے لئے اپنا مہر واپس کرنے پر مجبور کرنا صرف

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے، اور انہوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا؟ ﴿۲۱﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا (کسی وقت) نکاح کر چکے ہوں، تم انہیں نکاح میں نہ لاؤ۔ البتہ پہلے جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا۔[۱۸] یہ بڑی بے حیائی ہے، گھناؤنا عمل ہے، اور بے راہ روی کی بات ہے ﴿۲۲﴾

تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپیاں، تمہاری خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دُودھ پلایا ہے،

اس صورت میں جائز ہے جب انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہو۔ اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان سے مہر واپس کرنے کا مطالبہ کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ان پر بہتان باندھنے کے مرادف ہوگا کہ انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ ان کو مہر کی واپسی پر مجبور کرنا اس صورت کے سوا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔

(۱۸) جاہلیت میں لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس آیت نے اس بے شرمی کو ممنوع قرار دیا، البتہ جن لوگوں نے اسلام سے پہلے ایسا نکاح کیا تھا ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ پچھلا گناہ معاف ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ اس آیت کے نزول کے بعد نکاح کا یہ تعلق ختم کر لیا جائے۔

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ ۙ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ

اور تمہاری دُودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہارے زیرِ پرورش تمہاری سوتیلی بیٹیاں[19] جو تمہاری ان بیویوں (کے پیٹ) سے ہوں جن کے ساتھ تم نے خلوت کی ہو۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ خلوت نہ کی ہو (اور انہیں طلاق دے دی ہو یا ان کا انتقال ہو گیا ہو) تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، نیز تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں، اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۳﴾ نیز وہ عورتیں (تم پر حرام ہیں) جو دوسرے شوہروں کے نکاح میں ہوں، البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آجائیں (وہ مستثنیٰ ہیں)۔[20]

(۱۹) سوتیلی بیٹیاں چونکہ عام طور پر انسان کے زیرِ پرورش ہوتی ہیں اس لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ورنہ اگر کوئی سوتیلی بیٹی زیرِ پرورش نہ بھی ہو تو وہ بھی حرام ہے۔

(۲۰) جو کنیزیں جہاد کے دوران گرفتار کر کے دارالاسلام لائی جاتی تھیں، اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ جاتے تھے، ان کا نکاح ان شوہروں سے ختم ہو جاتا تھا۔ لہٰذا جب وہ دارالاسلام میں آنے کے بعد ایک حیض کی مدت پوری کر لیتیں، اور ان کو پچھلے شوہر سے حمل نہ ہوتا تو ان کا نکاح دارالاسلام کے کسی مسلمان سے جائز تھا۔ مگر یہ حکم انہی باندیوں کا ہے جو شرعی طور پر باندی بنائی گئی ہوں۔ آج کل ایسی کنیزوں یا باندیوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۗ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

اللہ نے یہ اَحکام تم پر فرض کردیئے ہیں۔ ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کردیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو، بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔ (۲۱) چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اُٹھایا ہو، ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔ البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی جس (کمی بیشی) پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر بات کا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ﴿۲۴﴾
اور تم میں سے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرسکیں، تو وہ ان مسلمان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کرسکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہوں، اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ (۲۲)

---

(۲۱) مقصد یہ ہے کہ نکاح ایک دیرپا تعلق کا نام ہے جس کا مقصد صرف جنسی خواہش پوری کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مضبوط خاندانی نظام کا قیام ہے جس میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، اور اس رشتے کو عفت وعصمت کے تحفظ اور بقائے نسل انسانی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ صرف شہوت نکالنے کے لئے ایک عارضی تعلق پیدا کرلینا، خواہ وہ پیسے خرچ کر کے ہی کیوں نہ ہو، ہرگز جائز نہیں ہے۔
(۲۲) چونکہ آزاد عورتوں کا مہر عام طور پر زیادہ ہوتا تھا، اور باندیوں کا مہر کم، اس لئے ایک طرف تو حکم یہ دیا گیا

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

لہٰذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کرکے انہیں پاک دامن بنایا جائے؛ نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے کوئی (ناجائز) کام کریں، اور نہ خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں۔ پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں، اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے۔ (۲۳) یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر تم صبر ہی کئے رہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۵﴾

ہے کہ باندیوں سے نکاح اسی وقت کیا جائے جب آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری طرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی باندی سے نکاح کی نوبت آجائے تو پھر محض اس کے باندی ہونے کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، کیونکہ فضیلت کا اصل دار و مدار تقویٰ پر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کی ایمانی حالت زیادہ مضبوط ہے، ورنہ اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

(۲۳) آزاد عورتیں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، جس کا ذکر سورۂ نور کی دوسری آیت میں آیا ہے۔ زیرِ نظر آیت میں باندیوں کے لئے اس کی آدھی سزا یعنی پچاس کوڑے مقرر فرمائی گئی ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (احکام کی) وضاحت کردے، اور جو (نیک) لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، تم کو ان کے طور طریقوں پر لے آئے، اور تم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائے، اور اللہ ہر بات کا جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۲۶﴾ اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری طرف توجہ کرے، اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر بہت دُور جا پڑو ﴿۲۷﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے، اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔(۲۴) ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، اِلا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔(۲۵) یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے ﴿۲۹﴾

(۲۴) یعنی انسان فطری طور پر جنسی خواہش کا مقابلہ کرنے میں کمزور واقع ہوا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خواہش جائز طریقے سے پورا کرنے سے نہیں روکا، بلکہ نکاح کو اس کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

(۲۵) اس کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانا حرام ہے، کسی کی جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے۔ دوسرے کی جان لینے کو "اپنے آپ کو قتل کرنے" سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے ﴿۳۰﴾ اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کردیں گے،[۲۶] اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے ﴿۳۱﴾ اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو، مرد جو کچھ کمائی کریں گے ان کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور عورتیں جو کچھ کمائی کریں گی ان کو اس میں سے حصہ ملے گا۔[۲۷] اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾

ہو گیا کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا بالآخر اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں خود قاتل قتل ہو سکتا ہے، اور اگر یہاں قتل نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کی جو سزا ملنی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہوگی۔ اسی طرح اس تعبیر سے خودکشی کی ممانعت بھی واضح ہوگئی۔ دوسرے کسی کا مال ناحق کھانے کے ساتھ یہ جملہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ جب ناحق مال کھانے کا رواج معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ اجتماعی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔

(۲۶) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان گناہ کبیرہ سے پرہیز رکھے تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرماتے رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیک عمل، مثلاً وضو، نماز، صدقات وغیرہ سے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۷) بعض خواتین نے اس تمنا کا اظہار کیا تھا کہ اگر وہ مرد ہوتیں تو وہ بھی جہاد وغیرہ میں حصہ لے کر مزید ثواب

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ

اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد باندھا ہوا ان کو ان کا حصہ دو۔[(۲۸)] بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے ﴿۳۳﴾ مرد عورتوں کے نگراں ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔

حاصل کرتیں۔ اس آیتِ کریمہ نے یہ اُصول واضح فرما دیا کہ جو باتیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں ان میں اللہ نے کسی شخص کو کسی اعتبار سے فوقیت دے رکھی ہے اور کسی کو کسی اور حیثیت سے۔ مثلاً کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی زیادہ طاقت ور ہے کوئی کم، کسی کا حسن دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں، اس لئے ان کی تمنا کرنے سے فضول حسرت ہونے کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے۔ البتہ جو اچھائیاں انسان کے اختیار میں ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اور ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص جیسا عمل کرتا ہے ویسا ہی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲۸) جب کوئی شخص اسلام لائے اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو وہ جس شخص کے ہاتھ پر مسلمان

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کے اُوپر، سب سے بڑا ہے ﴿۳۴﴾ اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرما دے گا۔ بیشک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دُور والے پڑوسی،(۲۹)

ہوا ہے بعض اوقات اس کے ساتھ یہ عہد کر لیتا تھا کہ وہ دونوں آپس میں بھائی بن گئے ہیں، لہٰذا وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے، اور اگر ان میں سے کسی پر کوئی تاوان آپڑا تو دوسرا اس کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے گا۔ اس رشتے کو "موالاۃ" کہا جاتا تھا۔ یہاں اسی معاہدے کا ذکر ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس آیت کی بنا پر یہی ہے کہ یہ رشتہ اب بھی کسی نومسلم سے قائم ہو سکتا ہے، اور اگر دوسرے مسلمان رشتہ دار موجود نہ ہوں تو میراث میں بھی ان کا حصہ ہوگا۔

(۲۹) قرآن وسنت نے پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ پھر پڑوسیوں کے تین درجے اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلے درجے کو "جار ذی القربیٰ" (قریب والا پڑوسی) اور دوسرے کو "الجار الجنب" کہا گیا ہے جس کا ترجمہ اُوپر "دُور والے پڑوسی" سے کیا گیا ہے۔ پہلے سے

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ۝۳۶ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص(۳۰) اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو)۔ بیشک اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۶﴾
ایسے لوگ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں، اور اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۷﴾ اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دِکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر اِیمان رکھتے ہیں، نہ روزِ آخرت پر۔ اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے تو وہ بدترین ساتھی ہوتا ہے ﴿۳۸﴾

مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اپنے گھر سے بالکل ملا ہوا ہو، اور دوسرے سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اتنا ملا ہوا نہ ہو۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ پہلے سے مراد وہ پڑوسی ہے جو رشتہ دار بھی ہو، اور دوسرے سے مراد وہ جو صرف پڑوسی ہو۔ نیز بعض مفسرین نے پہلے کا مطلب مسلمان پڑوسی اور دوسرے کا مطلب غیر مسلم پڑوسی بتایا ہے، قرآنِ کریم کے الفاظ میں ان سب معانی کی گنجائش ہے۔ خلاصہ یہ کہ پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی، مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کا گھر بالکل ملا ہوا ہو یا ایک دو گھر چھوڑ کر ہو، ان سب کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔
(۳۰) یہ پڑوسی کی تیسری قسم ہے جس کو قرآنِ کریم نے "صاحب بالجنب" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ساتھی بن گیا ہو، مثلاً سفر کے دوران ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہو، یا کسی مجلس

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ۭ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۶ / ۹ / ۳

بھلا ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے ان کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کر دیتے؟ اور اللہ کو ان کا حال خوب معلوم ہے ﴿۳۹﴾ اللہ ذرّہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے، اور خود اپنے پاس سے عظیم ثواب دیتا ہے ﴿۴۰﴾ پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو اِن لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے؟[۳۱] ﴿۴۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہے، اُس دن وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین (میں دھنسا کر اُس) کے برابر کر دیا جائے، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ ﴿۴۲﴾

یا کسی لائن میں لگے ہوئے اپنے پاس ہو۔ وہ بھی ایک طرح کا پڑوسی ہے، اور اس کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے ہر راہ گیر اور مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ساتھی یا پڑوسی نہ ہو۔

(۳۱) تمام انبیائے کرام قیامت کے روز اپنی اپنی اُمتوں کے اچھے برے اعمال پر گواہی دیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے لوگوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو،(۳۲) اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو (نماز جائز نہیں) اِلّا یہ کہ تم مسافر ہو (اور پانی نہ ملے تو تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتے ہو)۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا (اس مٹی سے) مسح کرلو۔ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ﴿۴۳﴾

جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) گمراہی مول لے رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ ﴿۴۴﴾ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور رکھوالا بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے، اور مددگار بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے ﴿۴۵﴾

---

(۳۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا۔ لیکن اسی آیت کے ذریعے یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ وہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، کیونکہ اس کو پینے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے، لہٰذا کسی وقت اس کو بالکل حرام بھی کیا جاسکتا ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا ڈالتے ہیں، اور اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دِین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں، "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" اور "اسمع غیر مُسمَعٍ" اور "رَاعِنَا" حالانکہ اگر وہ یہ کہتے کہ "سمعنا وأطعنا" اور "اسمع وانظرنا" تو ان کے لئے بہتر اور راست بازی کا راستہ ہوتا،[۳۳] لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے تھوڑے سے لوگوں کے سوا وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۴۶﴾

(۳۳) اس آیت میں بعض یہودیوں کی دو شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شرارت یہ ہے کہ وہ تورات کے الفاظ کو اپنے موقع محل سے ہٹا کر اس میں لفظی یا معنوی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی بعض اوقات اس کے الفاظ ہی کو کسی اور لفظ سے بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات اس لفظ کو غلط معنی پہنا کر اس کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ اور دوسری شرارت یہ ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو ایسے مبہم اور منافقانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا ظاہری مفہوم بُرا نہیں ہوتا لیکن وہ اندرونی طور پر ان الفاظ سے وہ بُرے معنی مراد لیتے ہیں جو ان الفاظ میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس کی تین مثالیں اس آیت میں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں: "سَمِعنا وعَصَینا"، جس کے معنی یہ ہیں کہ "ہم نے آپ کی بات سن لی، اور نافرمانی کی" وہ ان الفاظ کا مطلب یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے اور آپ کے مخالفین کی نافرمانی کی ہے، لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے آپ کی بات سن کر اسی بات کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرے وہ کہتے تھے "اسمع غیر مُسمَعٍ" اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "آپ ہماری بات سنیں، خدا کرے آپ کو کوئی بات سنائی نہ جائے" ظاہری طور پر وہ یہ دُعا دیتے تھے کہ آپ کو کوئی ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اے اہلِ کتاب! جو (قرآن) ہم نے اب نازل کیا ہے، جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس پر اِیمان لے آؤ، قبل اس کے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا کر انہیں گدی جیسا بنادیں، یا ان پر ایسی پھٹکار ڈال دیں جیسی پھٹکار ہم نے سبت والوں پر ڈالی تھی۔ (۳۴) اور اللہ کا حکم ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ﴿۴۷﴾

بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے، (۳۵) اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے۔ ﴿۴۸﴾

لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے آپ کو ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کو خوش کرے۔ تیسرے وہ ایک لفظ "رَاعِنَا" استعمال کرتے تھے جس کے معنی عربی زبان میں تو یہ ہیں کہ "ہمارا خیال رکھئے" لیکن عبرانی زبان میں یہ ایک گالی کا لفظ تھا جو وہ اندرونی طور پر مراد لیتے تھے۔

(۳۴) "سبت" سنیچر کے دن کو کہتے ہیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کو اس دن روزگار کا کوئی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن ایک بستی کے لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں ان پر عذاب آیا اور ان کو مسخ کردیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۱۶۳)۔

(۳۵) یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کرسکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کرکے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرکے توحید پر اِیمان لے آئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ بتاتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور (اس عطا میں) ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ (۳۶) ﴿۴۹﴾ دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے کیسے جھوٹے بہتان باندھتے ہیں، اور کھلا گناہ ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے۔ ﴿۵۰﴾ جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) بتوں اور شیطان کی تصدیق کر رہے ہیں اور کافروں (یعنی بت پرستوں) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مؤمنوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔ (۳۷) ﴿۵۱﴾

---

(۳۶) یعنی پاکیزگی اور تقدس اللہ تعالیٰ انہی کو عطا فرماتا ہے جو اپنے اختیاری اعمال سے ایسا چاہتے ہیں، جن کو پاکیزگی اور تقدس نہیں ملتا، وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اختیاری اعمال کے ذریعے خود نااہل بن جاتے ہیں، لہٰذا اگر اللہ انہیں تقدس عطا نہیں فرماتا تو اس میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو نااہل بنا دیا ہے۔

(۳۷) یہ مدینہ منورہ میں آباد بعض یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے خلاف کسی بیرونی دشمن کی مدد بھی نہیں کریں گے، لیکن انہوں نے اس معاہدے کی بار بار خلاف ورزی کی، اور مسلمانوں کے دشمن کفارِ مکہ کی حمایت اور درپردہ مدد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن اشرف تھا۔ جنگِ اُحد کے بعد وہ ایک اور یہودی سردار حیی بن اخطب کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کافروں کے پاس گیا، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف تعاون کی پیشکش کی۔ کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم واقعی اپنی پیشکش میں سچے ہو تو ہمارے دو بتوں کے سامنے سجدہ کرو، چنانچہ کعب بن اشرف نے ابوسفیان کا یہ مطالبہ بھی مان لیا، پھر ابوسفیان نے کعب سے

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور جس پر اللہ پھٹکار ڈال دے، اس کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ﴿۵۲﴾ تو کیا ان کو (کائنات کی) بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہوا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ (۳۸) ﴿۵۳﴾ یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔ (۳۹) ﴿۵۴﴾

پوچھا کہ ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا؟ تو اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مکہ کے یہ لوگ بت پرست ہیں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے مذہب کو بہتر قرار دینے کا مطلب بت پرستی کی تصدیق کرنا تھا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۸) یہودیوں کی مسلمانوں سے دشمنی اور عناد کا سبب قرآنِ کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انہیں یہ توقع تھی کہ جس طرح پچھلے بہت سے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں سے آئے ہیں، نبی آخر الزماں بھی انہی کے خاندان سے ہوں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمائے گئے تو یہ لوگ حسد میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ نبوت اور خلافت و حکومت تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے، وہ جب جس کو مناسب سمجھتا ہے اپنے اس فضل سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے تو گویا وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کائنات کی بادشاہی اس کے پاس ہے اور اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند سے انبیاء کو منتخب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں بادشاہی واقعی ان کو مل گئی ہوتی تو یہ اتنے بخیل ہیں کہ کسی کو ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔

(۳۹) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جس کو مناسب سمجھتا ہے نبوت اور خلافت و حکومت کے اعزاز سے سرفراز فرماتا ہے، چنانچہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و حکمت عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں یہ سلسلہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿56﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿57﴾

چنانچہ ان میں سے کچھ ان پر ایمان لائے اور کچھ نے ان سے منہ موڑلیا۔ اور جہنم ایک بھڑکتی آگ کی شکل میں (ان کافروں کی خبر لینے کے لئے) کافی ہے۔ ﴿۵۵﴾

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے، ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کی کھالیں جل جل کر پک جائیں گی، تو ہم انہیں ان کے بدلے دوسری کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بیشک اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔ [۴۰] ﴿۵۷﴾

جاری رکھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض (مثلاً حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نبی ہونے کے ساتھ حکمران بھی بنے۔ اب تک ان کے ایک صاحبزادے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں نبوت وحکومت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اب اگر ان کے دوسرے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخش دیا گیا ہے تو اس میں اعتراض یا حسد کی کیا بات ہے؟

(۴۰) اشارہ اس طرف ہے کہ جنت میں روشنی ہوگی مگر دھوپ کی تپش نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ع ۸ ۹ ۵

(مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں، اُن کی بھی۔ (۴۱) پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے ﴿۵۹﴾

(۴۱) ''صاحبِ اختیار'' سے مراد اکثر مفسرین کے مطابق مسلمان حکمران ہیں۔ جائز اُمور میں ان کے اَحکام کی اطاعت بھی مسلمانوں کا فرض ہے۔ البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً ناجائز ہو۔ اس بات کو قرآنِ کریم نے دو طرح واضح فرمایا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اَصحابِ اختیار کی اطاعت کا ذکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد فرمایا ہے جس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ دوسرے اگلے جملے میں مزید صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ اگر کسی معاملے میں یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ آیا حکمرانوں کا دیا ہوا حکم صحیح اور قابلِ طاعت ہے یا نہیں تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، اگر وہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۶۰

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اُس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اُس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ (۴۲) حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا کردے ﴿۶۰﴾

قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا حکم واپس لے لیں، اور اگر وہ حکم قرآن وسنت کے کسی صریح یا اجماعی طور پر مسلم حکم کے خلاف نہیں ہے تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں۔

(۴۲) یہاں سے ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اصل میں دِل سے تو یہودی تھے، مگر مسلمانوں کو دِکھانے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں ان کو توقع ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فائدے کا فیصلہ کریں گے، ان کا مقدمہ تو آپ کے پاس لے جاتے، لیکن جس مسئلے میں ان کو خیال ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا، وہ مقدمہ آپ کے بجائے کسی یہودی سردار کے پاس لے جاتے جسے اس آیت میں ''طاغوت'' کہا گیا ہے۔ منافقین کی طرف سے ایسے کئی واقعات پیش آئے تھے جو متعدد روایات میں منقول ہیں۔ ''طاغوت'' کے لفظی معنی ہیں ''نہایت سرکش'' لیکن یہ لفظ شیطان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور ہر باطل کے لئے بھی۔ یہاں اس سے مراد وہ حاکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے اَحکام سے بے نیاز ہو کر یا ان کے خلاف فیصلہ کرے۔ آیت نے واضح کردیا کہ اگر کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے اَحکام پر کسی اور قانون کو ترجیح دے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اُتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں ﴿۶۱﴾ پھر اُس وقت ان کا کیا حال بنتا ہے جب خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے؟ اُس وقت یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی کرنے اور ملاپ کرادینے کے سوا کچھ نہ تھا۔(۴۳) ﴿۶۲﴾ یہ وہ ہیں کہ اللہ ان کے دِلوں کی ساری باتیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تم انہیں نظر انداز کردو، انہیں نصیحت کرو، اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہتے رہو جو دِل میں اُتر جانے والی ہو۔ ﴿۶۳﴾

اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب اِن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اُس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔ ﴿۶۴﴾

(۴۳) یعنی جب ان کا یہ معاملہ تمام لوگوں پر کھل جاتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بجائے یا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾

نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دِلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم ان کے لئے یہ فرض قرار دے دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی اس پر عمل نہ کرتا۔ اور جس بات کی انہیں نصیحت کی جارہی ہے اگر یہ لوگ اس پر عمل کر لیتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، اور اُن میں خوب ثابت قدمی پیدا کر دیتا[۴۴] ﴿۶۶﴾

اس کے خلاف کسی اور کو اپنا فیصل بنا رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں انہیں ملامت یا کسی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ جھوٹی تاویل کرتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پاس عدالتی فیصلہ کرانے نہیں گئے تھے، بلکہ مصالحت کا کوئی راستہ نکالنا چاہتے تھے جس سے جھگڑے کے بجائے میل ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

(۴۴) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو تو بڑے سخت قسم کے اَحکام دیئے گئے تھے جن میں توبہ کے طور پر ایک دوسرے کو قتل کرنا بھی شامل تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ (آیت ۵۴) میں آیا ہے۔ اب اگر کوئی ایسا سخت حکم دیا جاتا تو ان میں سے کوئی بھی عمل نہ کرتا۔ اب تو اس سے بہت آسان حکم یہ دیا جارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام کو دِل و جان سے تسلیم کرلو، لہٰذا عافیت کا راستہ یہی ہے کہ وہ آپ کے صحیح معنی میں فرماں بردار بن جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے یہ شیخی بھی بگھاری تھی کہ ہم تو ایسی فرماں بردار قوم ہیں کہ جب ہمارے آباء واجداد کو یہ حکم ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں تو انہوں نے اس جیسے سخت حکم پر عمل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہ آیت ان کی اس بات کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے۔

وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓىٕكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ﴿۷۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾

ع ۹

اور اُس صورت میں ہم انہیں خود اپنے پاس سے یقیناً اجرِ عظیم عطا کرتے ﴿۶۷﴾ اور اُنہیں ضرور بالضرور سیدھے راستے تک پہنچا دیتے ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں! ﴿۶۹﴾ یہ فضیلت اللہ کی طرف سے ملتی ہے، اور (لوگوں کے حالات سے) پوری طرح باخبر ہونے کے لئے اللہ کافی ہے۔[۴۵] ﴿۷۰﴾

اے ایمان والو! (دُشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو، پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد کے لئے) نکلو، یا سب لوگ اِکٹھے ہو کر نکل جاؤ ﴿۷۱﴾ اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ضرور ہوگا جو (جہاد میں جانے سے) سستی دِکھائے گا، پھر اگر (جہاد کے دوران) تم پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر بڑا اِنعام کیا کہ میں اِن لوگوں کے ساتھ موجود نہیں تھا ﴿۷۲﴾

---

(۴۵) یعنی وہ کسی کو یہ فضیلت معاذ اللہ بے خبری کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کے عملی حالات سے باخبر ہو کر دیتا ہے۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی فضل (یعنی فتح اور مالِ غنیمت) تمہارے ہاتھ آئے تو وہ کہے گا ـــــ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستی تو تھی ہی نہیں[۴۶] ــــ کہ "کاش میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تو بہت کچھ میرے بھی ہاتھ لگ جاتا!" ﴿۷۳﴾ لہٰذا اللہ کے راستے میں وہ لوگ لڑیں جو دُنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دیں۔ اور جو اللہ کے راستے میں لڑے گا، پھر چاہے قتل ہو جائے یا غالب آجائے، (ہر صورت میں) ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ ﴿۷۴﴾

اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہمیں اِس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجئے، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجئے" ﴿۷۵﴾

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ یوں تو وہ زبان سے مسلمانوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں، لیکن جنگ میں شرکت سے متعلق ان کے خیالات تمام تر خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں۔ خود تو جنگ میں شریک ہوتے نہیں، اور جب مسلمانوں کو جنگ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو افسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم اس تکلیف سے بچ گئے، اور اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، اور مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے تو یہ خوش ہونے کے بجائے حسرت کرتے ہیں کہ ہم اس مالِ غنیمت سے محروم رہ گئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾

جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ (یاد رکھو کہ) شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں ﴿۷۶﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے (مکی زندگی میں) کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کئے جاؤ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے ایک جماعت (دشمن) لوگوں سے ایسی ڈرنے لگی جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگی، اور ایسے لوگ کہنے لگے کہ "اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کردی، تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت کیوں نہیں دی؟" کہہ دو کہ دُنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے،(۴۷) اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۷۷﴾

---

(۴۷) مکہ مکرمہ میں جب مسلمان کفار کے سخت ظلم وستم کا سامنا کر رہے تھے، اس وقت بہت سے حضرات کے دِل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ ان کافروں سے انتقام لینے کے لئے جنگ کریں، لیکن اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم نہیں آیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مصلحت اس میں تھی کہ وہ صبر وضبط کی بھٹی سے گذر کر اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوں، اور پھر جہاد کریں تو وہ محض ذاتی انتقام کے جذبے سے نہ ہو بلکہ اللہ

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ

تم جہاں بھی ہو گے (ایک نہ ایک دن) موت تمہیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو۔ اور اگر ان (منافقوں) کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر ان کو کوئی برا واقعہ پیش آجاتا ہے تو (اے پیغمبر!) وہ (تم سے) کہتے ہیں کہ یہ برا واقعہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کہہ دو کہ ہر واقعہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے نزدیک تک نہیں آتے؟ ﴿۷۸﴾
تمہیں جو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور جو کوئی بُرائی پہنچتی ہے، وہ تو تمہارے اپنے سبب سے ہوتی ہے،

کی رضا کی خاطر ہو۔ لہٰذا اس وقت جب کچھ مسلمان جہاد کی تمنا کرتے تو ان سے یہی کہا جاتا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور جہاد کے بجائے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے اَحکام پر عمل کرتے رہو۔ بعد میں جب یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو جہاد فرض ہوا۔ اُس وقت چونکہ ان کی پرانی تمنا پوری ہو گئی تھی، اس لئے انہیں خوش ہونا چاہیئے تھا، لیکن ان میں سے بعض حضرات کے دِل میں یہ خیال آیا کہ تقریباً تیرہ سال کی صبر آزما تکلیفوں کے بعد اب ذرا سکون اور عافیت کی زندگی میسر آئی ہے، اس لئے جہاد کا حکم کچھ مزید مؤخر ہو جاتا تو اچھا تھا۔ ان کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ بشریت کا ایک تقاضا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابہ کا مقام اس بات سے بلند ہونا چاہیئے کہ وہ کسی وقت دُنیاوی راحت و آرام کو اتنی اہمیت دیں کہ اس کی خاطر آخرت کے فوائد کو کچھ عرصے کے لئے ہی سہی مؤخر کرنے کی آرزو کرنے لگیں۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ (اس بات کی) گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ (۴۸) ﴿۷۹﴾

(۴۸) ان آیتوں میں دو حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے پہنچتا ہے، اور نقصان پہنچے تو وہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ کب اور کس بنا پر دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آیت ۷۹ نے یہ بتایا ہے کہ جہاں تک کسی کو فائدہ پہنچنے کا تعلق ہے اس کا حقیقی سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اجارہ نہیں آتا کہ وہ اسے ضرور فائدہ پہنچائے، اور اگر اس فائدے کا کوئی ظاہری سبب اس شخص کا کوئی عمل نظر آتا بھی ہو تو اس عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے، اور اس شخص کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ حکم اسی وقت فرماتے ہیں جب اس شخص نے اپنے اختیاری عمل سے کوئی غلطی کی ہو۔ اب منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ جب انہیں کوئی فائدہ پہنچتا تو اس کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے، لیکن کوئی نقصان ہو جاتا تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگا دیتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو نقصان کی ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کر رہے ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نقصان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس کائنات میں تمام کام اللہ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں، کسی اور کے حکم سے نہیں، اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی غلطی اس کا سبب بنی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے، ہر انسان کو خود اس کے اپنے کسی عمل کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا نہ تو کائنات میں واقع ہونے والے کسی تکوینی واقعے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، اور نہ آپ فرائضِ رسالت میں کسی کوتاہی کے مرتکب ہو سکتے ہیں جس کا خمیازہ آپ کی اُمت کو بھگتنا پڑے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾

جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو (اطاعت سے) منہ پھیر لے تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا (کہ تمہیں ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے) ﴿۸۰﴾ اور یہ (منافق لوگ سامنے تو) اطاعت کا نام لیتے ہیں، مگر یہ تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کے وقت تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے، اور یہ رات کے وقت جو مشورے کرتے ہیں، اللہ وہ سب لکھ رہا ہے۔ لہٰذا تم ان کی پروامت کرو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ تمہاری حمایت کے لئے بالکل کافی ہے ﴿۸۱﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔[۴۹] ﴿۸۲﴾

---

(۴۹) یوں تو انسان کی کوئی کاوش کمزوریوں سے پاک نہیں ہوتی، لہٰذا انسان کی کتابوں میں تضاد اور اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی کسی کتاب کے بارے میں یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تو اس میں یقیناً تضادات اور اختلافات ہوں گے۔ جن لوگوں نے پچھلے انبیائے کرام کی کتابوں میں تحریفات کی ہیں، ان کی وجہ سے ان کتابوں میں جو تضادات پیدا ہوئے ہیں، وہ اس بات کی واضح دلیل ہیں۔ ان کی تفصیل دیکھنی ہو تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''اظہار الحق'' کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا اُردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾ مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾

اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحابِ اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔[50] اور (مسلمانو!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے ﴿۸۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔، ہاں مؤمنوں کو ترغیب دیتے رہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ﴿۸۴﴾ جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے، اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے، اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے اسے اس برائی میں سے حصہ ملتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔[51] ﴿۸۵﴾

---

(۵۰) بعض لوگ مدینہ منورہ میں بلا تحقیق افواہیں پھیلا دیا کرتے تھے جس سے معاشرے میں بڑا نقصان ہوتا تھا۔ یہ آیت ایسی بے تحقیق افواہوں پر یقین کر لینے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ممانعت کر رہی ہے۔

(۵۱) پچھلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اس

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو، یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دے دو۔(۵۲) بیشک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے دن اِکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ بات کا سچا ہو؟ ﴿۸۷﴾

پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟(۵۳) حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بنا پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔

کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ آپ کی ترغیب کے نتیجے میں جو لوگ جہاد کریں گے، ان کے ثواب میں آپ بھی شریک ہوں گے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اچھی سفارش کے نتیجے میں کوئی نیک کام کرے تو جو ثواب کام کرنے والے کو ملتا ہے، اس میں سفارش کرنے والے کو بھی حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر بری سفارش کے نتیجے میں کوئی غلط کام ہو جائے تو جتنا گناہ غلط کام کرنے والے کو ملے گا، بری سفارش کرنے والا بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔

(۵۲) سلام بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک سفارش ہے، اس لئے سفارش کا حکم بیان کرنے کے ساتھ سلام کا حکم بھی بیان فرما دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پسندیدہ بات تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں کسی شخص نے سلام کیا ہے اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دیا جائے، مثلاً اگر اس نے صرف ''السلام علیکم'' کہا ہے تو جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہا جائے، اور اگر اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا ہے تو جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا جائے، لیکن اگر بعینہ اسی کے الفاظ میں جواب دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ کسی مسلمان کے سلام کا بالکل جواب نہ دینا گناہ ہے۔

(۵۳) ان آیتوں میں چار قسم کے منافقین کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے ہر قسم کا حکم الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس

أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے شخص کو ہدایت پر لاؤ جسے اللہ (اس کی خواہش کے مطابق) گمراہی میں مبتلا کر چکا؟ اور جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے، اس کے لئے تم ہرگز کبھی کوئی بھلائی کا راستہ نہیں پا سکتے ﴿۸۸﴾ یہ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ جس طرح انہوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن کر سب برابر ہو جاؤ۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اُس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کر لے۔ چنانچہ اگر وہ (ہجرت سے) اعراض کریں تو ان کو پکڑو، اور جہاں بھی انہیں پاؤ، انہیں قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ، نہ مددگار۔ ﴿۸۹﴾

آیت (نمبر ۸۸) میں منافقین کی پہلی قسم کا ذکر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ تھے جو مدینہ منورہ آئے اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارت کے بہانے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت لی، اور واپس چلے گئے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ یہ سچے مسلمان تھے، اور بعض انہیں منافق سمجھتے تھے۔ لیکن جب وہ مکہ مکرمہ جا کر واپس نہ لوٹے تو ان کا کفر ظاہر ہو گیا، کیونکہ اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا ایمان کا لازمی حصہ تھا، اور جو شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، اسے مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے، تو ان کے بارے میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جن کے اور تمہارے درمیان کوئی (صلح کا) معاہدہ ہے، یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے دِل تمہارے خلاف جنگ کرنے سے بھی بیزار ہوں، اور اپنی قوم کے خلاف جنگ کرنے سے بھی[۵۴] ـــــ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کردیتا، تو وہ تم سے ضرور جنگ کرتے ـــــ چنانچہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے تم سے جنگ نہ کریں، اور تم کو امن کی پیشکش کردیں تو اللہ نے تم کو ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی حق نہیں دیا ﴿۹۰﴾ (منافقین میں) کچھ دوسرے لوگ تمہیں ایسے ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ (مگر) جب کبھی ان کو فتنے کی طرف واپس بلایا جائے، وہ اس میں اوندھے منہ جاگرتے ہیں۔[۵۵]

(۵۴) پچھلی آیت میں ایسے منافقین سے جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا جن کا کفر ظاہر ہوچکا ہو، البتہ اس حکم سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ کئے گئے ہیں، ایک وہ لوگ جو کسی ایسی غیر مسلم قوم کے ساتھ جاملے ہوں جن سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہو، اور دوسرے وہ لوگ جو جنگ سے بالکل بیزار ہوں، نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہوں، نہ اپنی قوم سے، اور چونکہ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے تو خود ان کی قوم ان سے لڑے گی، اس لئے وہ مسلمانوں کے پاس آجاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ یہاں تک منافقین کی تین قسمیں ہوگئیں۔

(۵۵) اُوپر کی آیت میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر تھا جو واقعۃً جنگ سے بیزار تھے، اور مسلمانوں سے لڑنا نہیں

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمہاری دُشمن ہے، مگر وہ خود مسلمان ہو، تو بس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا فرض ہے، (خوں بہا دینا واجب نہیں)۔[۵۷] اور اگر مقتول اُن لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں، مگر) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے، تو بھی یہ فرض ہے کہ خوں بہا اس کے وارثوں تک پہنچایا جائے، اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے۔[۵۸] ہاں اگر کسی کے پاس غلام نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے۔ یہ توبہ کا طریقہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۹۳﴾

---

(۵۷) اس سے مراد وہ مسلمان ہے جو دار الحرب میں رہتا ہو۔ اگر اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ واجب ہے، دیت واجب نہیں ہے۔

(۵۸) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے جو مسلم ریاست کا شہری بن کر امن سے رہتا ہو (جسے اصطلاح میں ''ذمی'' کہتے ہیں) تو اس میں بھی دیت اور کفارہ اسی طرح واجب ہیں جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر واجب ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ "تم مؤمن نہیں ہو(۵۹)" کیونکہ اللہ کے پاس مالِ غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا(۶۰)۔ لہٰذا تحقیق سے کام لو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۹۴﴾

---

(۵۹) اللہ کے راستے میں سفر کرنے سے مراد جہاد کے لئے سفر کرنا ہے۔ ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ ایک جہاد کے دوران کچھ غیر مسلموں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے لئے صحابۂ کرام کو سلام کیا۔ وہ صحابہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کیا ہے، اور حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے، چنانچہ انہوں نے ایسے لوگوں کو قتل کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ اُصول بیان کردیا گیا کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اسلام لائے اور اسلام کے تمام ضروری عقائد کا اقرار کرلے تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے، اور اس کے دِل کا حال اللہ پر چھوڑیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کھلے کھلے کفریہ عقائد رکھتا ہو، تو صرف "السلام علیکم" کہہ دینے کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

(۶۰) یعنی شروع میں تم بھی غیر مسلم ہی تھے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تم مسلمان ہوئے، مگر تمہارے زبانی اقرار کے سوا تمہارے سچا مسلمان ہونے کی کوئی اور دلیل نہیں تھی، تمہارے ظاہری اقرار ہی کی بنا پر تمہیں مسلمان مانا گیا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ

جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہیں وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔[۶۱] اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے ﴿۹۵﴾ یعنی خاص اپنے پاس سے بڑے درجے اور مغفرت اور رحمت! اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۶﴾ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا،[۶۲] اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے "تم کس حالت میں تھے؟"

(۶۱) یہ اس حالت کا ذکر ہے جب جہاد ہر شخص کے ذمے فرضِ عین نہ ہو۔ ایسے میں جو لوگ جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ گئے، اگرچہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان کے ایمان اور دوسرے نیک کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے، لیکن جو لوگ جہاد میں گئے ہیں ان کا درجہ گھر بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ البتہ جہاں جہاد فرضِ عین ہو جائے، یعنی جب مسلمانوں کا امیر تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیدے یا جب کوئی دُشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے، تو پھر گھر بیٹھنا حرام ہے۔

(۶۲) "اپنی جان پر ظلم کرنا" قرآنِ کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے، کیونکہ گناہ کرکے انسان اپنی جان ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس آیت میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قدرت کے باوجود مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ جب

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴

وہ کہنے لگے کہ "ہم تو زمین میں بے بس بنادیئے گئے تھے۔" فرشتوں نے کہا "کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟" لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے ﴿۹۷﴾ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں ﴿۹۸﴾ چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے ﴿۹۹﴾ اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۰﴾

مسلمانوں کے لئے ہجرت کا حکم آگیا تھا تو مکہ میں رہنے والے ہر مسلمان پر شرعاً فرض تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے، بلکہ اس کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا تھا، اور اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرتا تو اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ اس آیت میں ایسے ہی بعض لوگوں کا ذکر ہے کہ جب فرشتے ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے تو ان کے ساتھ کیا مکالمہ ہوا۔ چونکہ یہ لوگ ہجرت کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے مسلمان نہیں رہے تھے، اس لئے ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ البتہ جو لوگ کسی مجبوری کی بنا پر ہجرت سے قاصر رہے تھے، ساتھ ہی ان کا استثناء بھی کر دیا گیا ہے کہ معذوری کی وجہ سے وہ قابلِ معافی ہیں۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۠ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ

اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو۔(۶۳) یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دُشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ تو (دُشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے، اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے، اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے۔

(۶۳) اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز آدھی کردی ہے۔ اسے ''قصر'' کہا جاتا ہے۔ عام سفروں میں قصر ہر حالت میں واجب ہے، چاہے دُشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، لیکن یہاں ایک خاص قسم کے قصر کا ذکر مقصود ہے جو دُشمن کے مقابلے کے وقت ہی ہوسکتا ہے، اس میں یہ چھوٹ بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ہی اِمام کے پیچھے باری باری ایک ایک رکعت پڑھے، اور دوسری رکعت بعد میں تنہا پوری کرے جس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاص قسم کا قصر، جسے ''صلاۃ الخوف'' کہتے ہیں، دُشمن کے مقابلے کی حالت ہی میں ہوسکتا ہے، اس لئے یہاں قصر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ''اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے'' (ابن جریر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر ''صلاۃ الخوف'' پڑھی ہے۔ اس کا مفصل طریقہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵/۴/۱۲

کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اِس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو، ہاں اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو۔ بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ذِلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۰۲﴾ پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے رہو، کھڑے بھی بیٹھے بھی، اور لیٹے ہوئے بھی۔[۶۴] پھر جب تمہیں (دُشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو۔ بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے ﴿۱۰۳﴾ اور تم ان لوگوں (یعنی کافر دُشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دِکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی اسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے،[۶۵] اور تم اللہ سے اُس بات کے اُمیدوار ہو جس کے وہ اُمیدوار نہیں۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۱۰۴﴾

(۶۴) یعنی سفر یا خوف کی حالت میں نماز میں تو قصر ہوسکتا ہے، لیکن اللہ کا ذکر ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے، کیونکہ اس کا نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے، نہ کوئی خاص ہیئت۔ وہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں ہوسکتا ہے۔

(۶۵) جنگ کے اختتام پر لوگ تھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس وقت دُشمن کا تعاقب بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾

بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لئے اُتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو (۶۶) ﴿۱۰۵﴾ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۶﴾ اور کسی تنازعے میں ان لوگوں کی وکالت نہ کرنا جو خود اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۰۷﴾ یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں، اور اللہ سے نہیں شرماتے، حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ نے اس سب کا احاطہ کر رکھا ہے ﴿۱۰۸﴾

اگر جنگی مصلحت ہو اور امیر حکم دے تو تعاقب واجب ہے۔ ایسے میں یہ سوچنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح ہم تھکے ہوئے ہیں، دُشمن بھی تو تھکا ہوا ہے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور ثواب کی جو اُمید ہے وہ دُشمن کو حاصل نہیں ہے۔

(۶۶) یہ آیتیں اگرچہ عام ہدایتوں پر مشتمل ہیں، مگر ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی ہیں۔ خاندان بنو ابیرق کے ایک شخص بشر نے جو ظاہری طور پر مسلمان تھا، ایک صحابی حضرت رفاعہؓ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ غلہ اور کچھ ہتھیار چرالئے، اور لے جاتے وقت ہوشیاری یہ کی کہ غلے کی بوری کا منہ اس طرح کھولا کہ تھوڑا تھوڑا غلہ راستے میں گرتا جائے، یہاں تک کہ ایک یہودی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بوری کا منہ بند کردیا، اور بعد میں چوری کئے ہوئے ہتھیار اسی یہودی کے پاس رکھوادیئے۔ جب چوری کی تفتیش شروع ہوئی تو ایک طرف غلے کے

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

ارے تمہاری بساط یہی تو ہے کہ تم نے دُنیوی زندگی میں لوگوں سے جھگڑ کر ان (خیانت کرنے والوں) کی حمایت کرلی! بھلا اس کے بعد قیامت کے دن اللہ سے جھگڑ کر کون ان کی حمایت کرے گا، یا کون ان کا وکیل بنے گا؟ ﴿۱۰۹﴾ اور جو شخص کوئی برا کام کرگذرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگ لے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان پائے گا ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص کوئی گناہ کمائے، تو وہ اس کمائی سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور اللہ پورا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ﴿۱۱۱﴾

نشانات یہودی کے گھر تک پائے گئے تھے، اور دوسری طرف ہتھیار اسی کے پاس سے برآمد ہوئے، اس لئے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ ہونے لگا کہ یہ چوری اسی یہودی نے کی ہے، یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ہتھیار تو میرے پاس بشر نامی شخص نے رکھوائے تھے، مگر چونکہ وہ اس پر کوئی گواہ پیش نہ کرسکا تھا، اس لئے آپ کا رُجحان اس طرف ہونے لگا کہ وہ جان بچانے کے لئے بشر کا نام لے رہا ہے، دوسری طرف بشر کے خاندان بنوابیرق کے لوگ بھی بشر کی وکالت کرتے ہوئے اس بات پر زور لگا رہے تھے کہ سزا بشر کے بجائے یہودی کو دی جائے۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوگئیں اور ان کے ذریعے بشر کی دھوکا بازی کا پردہ چاک کردیا گیا، اور یہودی کو بے گناہ قرار دے کر بری کردیا گیا۔ بشر کو جب راز فاش ہونے کا پتہ لگا تو وہ فرار ہوکر کفارِ مکہ سے جاملا اور وہاں کفر کی حالت میں بُری طرح اس کی موت واقع ہوئی۔ ان آیات کے ذریعے ایک طرف تو معاملے کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دی گئی، اس کے علاوہ مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے اہم اُصول بتادیئے گئے ہیں۔ پہلا اُصول یہ کہ تمام فیصلے کتاب اللہ کے اَحکام

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو، پھر اس کا اِلزام کسی بے گناہ کے ذمے لگادے، تو وہ بڑا بھاری بہتان اور کھلا گناہ اپنے اُوپر لادلیتا ہے۔ ﴿۱۱۲﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر اللہ کا فضل اور رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تم کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔(۶۷) اور (درحقیقت) یہ اپنے سوا کسی کو نہیں بھٹکا رہے ہیں، اور یہ تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو ان باتوں کا علم دیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، اور تم پر اللہ کا فضل ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے ﴿۱۱۳﴾

کے تابع ہونے چاہئیں، دوسرا اُصول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے ایسے اُمور کھولتے رہتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہیں، فیصلے ان کی روشنی میں ہونے چاہئیں۔ آیت کے الفاظ "اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں سمجھادیا ہے" اسی طرف اشارہ کررہے ہیں، اور ان سے قرآنِ کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حجیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ تیسرا اُصول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ کسی مقدمے میں غلطی پر ہے اس کی وکالت کرنا جائز نہیں ہے۔ بنوابیرق جو بشر کی وکالت کررہے تھی ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اوّل تو یہ وکالت جائز نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ دُنیا میں پہنچ سکتا ہے، آخرت میں تمہاری وکالت اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتی۔

(۶۷) اس سے بشر اور اس کے حمایتی مراد ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ یہودی کو بے گناہ سزا دلوادیں۔

لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰىهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۢ بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ؑ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ یُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾

ع ۱۷ / ۱۴

لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، اِلّا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے ﴿۱۱۴﴾ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔[۶۸] ﴿۱۱۵﴾ بیشک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کردیتا ہے۔[۶۹] اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا گرتا ہے ﴿۱۱۶﴾

---

(۶۸) اس آیت سے علمائے کرام، بالخصوص امام شافعیؒ نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے، یعنی جس مسئلے پر پوری اُمتِ مسلمہ متفق رہی ہو وہ یقینی طور پر برحق ہوتا ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

(۶۹) یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کرسکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کرکے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرے اور توحید پر ایمان لے آئے۔ یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۴۸ میں بھی گذر چکا ہے۔

اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا‌ ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡـطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ‏ ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ‌ ۘ وَقَالَ لَاَ تَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ‏ ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّـنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَـتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡـطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ؕ‏ ﴿۱۱۹﴾

اللہ کو چھوڑ کر جن سے یہ دعائیں مانگ رہے ہیں وہ صرف چند زنانیاں ہیں،[۷۰] اور جس کو یہ پکار رہے ہیں وہ اُس سرکش شیطان کے سوا کوئی نہیں ﴿۱۱۷﴾ جس پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور اس نے (اللہ سے) یہ کہہ رکھا ہے کہ "میں تیرے بندوں سے ایک طے شدہ حصہ لے کر رہوں گا،[۷۱] ﴿۱۱۸﴾ اور میں انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انہیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔"[۷۲] اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔ ﴿۱۱۹﴾

(۷۰) کفارِ مکہ جن من گھڑت دیویوں کو پوجتے تھے ان سب کو مؤنث سمجھتے تھے، لات، منات، عزّیٰ سب کو مؤنث سمجھا جاتا تھا، نیز فرشتوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ آیت میں اشارہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کفارِ مکہ عورتوں کو کمتر مخلوق سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ ان کے خیال کے مطابق سب مؤنث ہیں۔

(۷۱) یعنی بہت سے بندوں کو گمراہ کر کے انہیں اپنا بنا لوں گا، اور بہت سوں سے اپنی مرضی کے کام کرواؤں گا۔

(۷۲) کفارِ عرب بعض چوپایوں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے، اور ایسے جانور سے کوئی فائدہ اُٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس باطل رسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس پر شیطان عمل کرا رہا ہے۔ اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی سے مراد خود یہی عمل بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے کان خواہ مخواہ چیر دیئے جائیں، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان کاموں کو بھی "تخلیق میں تبدیلی" قرار دے کر منع فرمایا ہے جو عورتیں اپنے حسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیا کرتی تھیں، مثلاً جسم کے کسی حصے کو سوئیوں وغیرہ سے گود کر نشانات بنوانا، چہرے کے قدرتی رُوئیں کو (جو عیب کی حد تک بڑھا ہوا نہ ہو) صاف کرنا اور دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ کروانا۔ (تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت "معارف القرآن" کی طرف رُجوع فرمایئے)۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَعْمَلْ سُوٓءًا يُجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾

وہ توان سے وعدے کرتا اور انہیں آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے، جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ﴿۱۲۰﴾ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ان کو اس سے بچنے کے لئے کوئی راہ فرار نہیں ملے گی ﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے؟ ﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری تمنائیں (جنت میں جانے کے لئے) کافی ہیں، نہ اہلِ کتاب کی آرزوئیں۔ جو بھی بُرا عمل کرے گا، اس کی سزا پائے گا، اور اللہ کے سوا اُسے اپنا کوئی یار و مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص نیک کام کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۲۴﴾ اور اس سے بہتر کس کا دِین ہوگا جس نے اپنے چہرے (سمیت سارے وجود) کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو، جبکہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو، اور جس نے سیدھے سچے ابراہیم کے دِین کی پیروی کی ہو۔ اور (یہ معلوم ہی ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنالیا تھا ﴿۱۲۵﴾

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ نے ہر چیز کو (اپنی قدرت کے) احاطے میں لیا ہوا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ (۷۴) کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اِس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے، اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، (۷۵) نیز کمزور بچوں کے بارے میں بھی (حکم بتاتی ہیں) اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ تم یتیموں کی خاطر انصاف قائم کرو۔ اور تم جو بھلائی کا کام کرو گے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے ﴿۱۲۷﴾

(۷۴) اسلام سے پہلے عورتوں کو معاشرے میں ایک کمتر مخلوق سمجھا جاتا تھا، اور ان کے معاشرتی اور معاشی حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب اسلام نے عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور عورتوں کو بھی میراث میں حصہ دار قرار دیا تو یہ بات عربوں کے معاشرے میں اتنی اچنبھی تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے رہے کہ عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ شاید عارضی نوعیت کے ہیں، اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے۔ جب ان کی منسوخی کا حکم نہیں آیا تو ایسے حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ اَحکام عارضی نہیں، ہمیشہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے، اور قرآنِ کریم کی جو آیات پہلے نازل ہوئی ہیں ان میں بہت سے ایسے اَحکام آچکے ہیں۔ اس کے ساتھ مرد و عورت کے باہمی تعلقات کے بارے میں کچھ مزید اَحکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۷۵) یہ اس ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ میں گذری ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کرلیں۔(۷۶) اور صلح کرلینا بہتر ہے۔ اور اِنسانوں کے دِل میں (کچھ نہ کچھ) لالچ کا مادّہ تو رکھ ہی دیا گیا ہے۔(۷۷) اور اگر اِحسان اور تقویٰ سے کام لو تو جو کچھ تم کروگے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۲۸﴾

میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچازاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کرلے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کرلیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔

(۷۶) بعض اوقات کسی شوہر کا اپنی بیوی سے دِل نہیں ملتا، اور وہ اس سے بے رُخی اختیار کرکے اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں اگر بیوی طلاق پر راضی نہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوکر شوہر سے صلح کرسکتی ہے، یعنی یہ کہہ سکتی ہے کہ میں اپنے فلاں حق کا مطالبہ نہیں کروں گی، مگر مجھے اپنے نکاح میں رہنے دو۔ ایسی صورت میں شوہر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہوجائے، اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیونکہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے۔ نیز اگلے جملے میں احسان کی نصیحت فرماکر شوہر کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دِل نہ ملنے کے باوجود بیوی سے نباہ کرنے کی کوشش کرے، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو اس کے لئے دُنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

(۷۷) مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں دُنیوی فائدوں کا کچھ نہ کچھ لالچ ہوتا ہے، اس لئے

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تو تمہارے بس میں نہیں، چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو،(۷۸) البتہ کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز۔ اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لوگے تو یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾ اور اگر دونوں جدا ہو ہی جائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے دونوں کو (ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کر دے گا۔(۷۹) اللہ بڑی وسعتوں والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۱۳۰﴾

اگر عورت اپنے کچھ دُنیوی مفادات چھوڑ رہی ہے تو شوہر کو یہ سوچنا چاہئے کہ اسے طلاق کی صورت میں کوئی سخت تکلیف پیش آنے کا اندیشہ ہے، اسی لئے وہ اپنے یہ مفادات چھوڑنے پر آمادہ ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں صلح کر لینا بہتر ہے۔ دوسری طرف بیوی کو یہ سوچنا چاہئے کہ شوہر نے کچھ دُنیوی فائدوں کے لئے نکاح کیا تھا جو اس کو میری زوجیت میں حاصل نہیں ہو رہے ہیں، لہٰذا وہ میری جگہ کسی اور سے نکاح کر کے وہ فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر میں اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر اسے کچھ دوسرے فوائد مہیا کر دوں تو وہ اس ارادے سے باز آ سکتا ہے۔

(۷۸) یعنی یہ بات انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ قلبی محبت اور لگاؤ میں بیویوں کے درمیان پوری پوری برابری کرے، کیونکہ دِل کا جھکاؤ انسان کے بس میں نہیں ہوتا، لہٰذا اگر ایک بیوی سے دِلی محبت دوسری کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہیں ہے۔ البتہ عملی سلوک میں برابری کرنا ضروری ہے، یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس گذارے اتنی ہی دوسری کے پاس گذارے، جتنا خرچ ایک کو دے، اتنا ہی دوسری کو دے۔ نیز ظاہری توجہ میں بھی ایسا نہ کرے جس سے کسی بیوی کی دِل شکنی ہو، اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ بیچ میں لٹکی ہوئی ہے۔

(۷۹) مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود ایک مرحلہ ایسا آ سکتا ہے کہ اس کے بعد نکاح کا رشتہ میاں بیوی پر

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اَیُّہَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی اور تمہیں بھی یہی تاکید کی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم کفر اپناؤ گے تو (اللہ کا کیا نقصان ہے؟ کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ ہر ایک سے بے نیاز اور بذاتِ خود لائقِ تعریف ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے،(۸۰) اور کام بنانے کے لئے اللہ ہی کافی ہے ﴿۱۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو (دُنیا سے) لے جائے اور دوسروں کو (تمہاری جگہ یہاں) لے آئے۔ اللہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱۳۳﴾

تھوپے رکھنا دونوں کی زندگی کو اجیرن بنا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں طلاق اور علیحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے، اور یہ آیت اطمینان دِلا رہی ہے کہ جب خوش اُسلوبی سے جدائی عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لئے ایسے راستے پیدا کر دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

(۸۰) یہ جملہ کہ "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے" ان آیتوں میں تین بار دُہرایا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ اس کا مقصد میاں بیوی کو یہ اطمینان دِلانا ہے کہ اللہ کی رحمت کے خزانے بڑے وسیع ہیں وہ دونوں کے لئے کوئی مناسب ذریعہ پیدا کر سکتا ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی بیان کرنا مقصود ہے کہ کسی کے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ ساری کائنات اس کے تابع فرمان ہے، اسے کسی کی حاجت نہیں ہے، اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کارسازی کا بیان ہے کہ اگر تم تقویٰ اور اطاعت کا راستہ اختیار کرو تو وہ تمہارے سارے کام بنا دے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

جو شخص (صرف) دُنیا کا ثواب چاہتا ہو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے۔ (۸۱) اللہ ایسا ہے کہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ ﴿۱۳۴﴾ اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔ اور اگر تم توڑ مروڑ کرو گے (یعنی غلط گواہی دو گے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤ گے تو (یاد رکھنا کہ) اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۳۵﴾

(۸۱) اس آیت میں یہ عمومی ہدایت دی گئی ہے کہ ایک مسلمان کو صرف دُنیوی فائدوں ہی کی فکر میں نہیں پڑا رہنا چاہئے، بلکہ اللہ سے دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔ اور پچھلی آیتوں سے اس کا تعلق بظاہر یہ ہے کہ میاں بیوی کو مصالحت یا علیحدگی کا فیصلہ کرتے وقت صرف دُنیا کے فائدوں پر نظر نہیں رکھنی چاہئے، بلکہ آخرت کی بھلائی بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ لہٰذا اگر مرد یا عورت اپنے کچھ دُنیوی مفادات کی قربانی دے کر دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو آخرت میں بڑے ثواب کی اُمید ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳۸﴾

اے ایمان والو! اللہ پر ایمان رکھو، اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اُتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اُتاری تھی۔ اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یومِ آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دُور جا پڑا ہے ﴿۱۳۶﴾ جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوگئے، پھر اِیمان لائے، پھر کافر ہوگئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ہے، اور نہ انہیں راستے پر لانے والا ہے (۸۲) ﴿۱۳۷﴾ منافقوں کو یہ خوشخبری سنادو کہ ان کے لئے ایک دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۱۳۸﴾

(۸۲) اس سے مراد وہ منافق بھی ہوسکتے ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے پاس آکر مسلمان ہونے کا اعلان کرتے تھے، مگر تنہائی میں کفر اِختیار کرلیتے تھے، پھر کبھی مسلمانوں کا سامنا ہوتا تو دوبارہ ایمان لانے کا مظاہرہ کرتے، مگر پھر اپنے لوگوں کو اپنے کفر کا یقین دِلاتے، اور اپنے عمل سے کفر ہی میں بڑھتے چلے جاتے۔ نیز بعض روایات میں کچھ ایسے لوگوں کا بھی ذکر آیا ہے جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوئے، پھر توبہ کرکے مسلمان ہوئے، مگر بالآخر دوبارہ مرتد ہوکر کفر ہی کی حالت میں مرے۔ آیت کے الفاظ میں دونوں قسم کے لوگوں کی گنجائش ہے۔ اور ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نہ ان کو بخشے گا، نہ راستے پر لائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور اس کے نتیجے میں دوزخ کی راہ کو چن لیا تو اللہ ان کو زبردستی ایمان اور جنت کے راستے پر نہیں لائے گا، کیونکہ دُنیا دارالامتحان ہے، اور ہر شخص کا انجام اس کے اپنے اختیار سے چنے ہوئے راستے کے مطابق ہونا ہے۔ اللہ نہ کسی کو زبردستی مسلمان بناتا ہے، نہ کافر۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے ﴿۱۳۹﴾ اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اِکٹھا کرنے والا ہے ﴿۱۴۰﴾ (اے مسلمانو!) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام کے) انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملے تو (تم سے) کہتے ہیں کہ ’’کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟‘‘ اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ’’کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پالیا تھا؟ اور کیا (اس کے باوجود) ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟‘‘ (۸۳)۔

---

(۸۳) یعنی ان لوگوں کو اصل غرض دُنیوی مفادات سے ہے۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے تو یہ ان کے ساتھی ہونے کا دعویٰ کرکے ان سے مال بٹورنے کی فکر میں رہتے ہیں، اور اگر کبھی کافروں کا داؤ چل جائے تو ان پر یہ احسان جتلاتے ہیں کہ اگر ہماری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آجاتے۔ لہٰذا ہمیں ہماری ان خدمات کا مالی صلہ دو۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

ع ۲۰ / ۱۷

بس اب تو اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا ﴿۱۴۱﴾ یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔[۸۴] اور جب یہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دِکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں ﴿۱۴۲﴾ یہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں۔ نہ پورے طور پر اِن (مسلمانوں) کی طرف ہیں، نہ اُن (کافروں) کی طرف۔ اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے، تمہیں اس کے لئے ہدایت پر آنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں مل سکتا ﴿۱۴۳﴾

---

(۸۴) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو دھوکا دے دیا، تو درحقیقت یہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ اللہ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکے میں پڑا رہنے دیتا ہے جو انہوں نے خود اپنے آپ کو اپنے اختیار سے دے رکھا ہے۔ اور اس جملے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "اللہ ان کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے" اس ترجمے کی بنیاد پر اس کا ایک مطلب بعض مفسرین (مثلاً حضرت حسن بصریؒ) نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اس دھوکے کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح دے گا کہ شروع میں ان کو بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ دُور تک لے جایا جائے گا، اور مسلمانوں کو جو نور عطا ہوگا، اسی کی روشنی میں کچھ دُور تک یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے، اور یہ سمجھنے لگیں گے کہ ان کا انجام بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوگا، مگر آگے جا کر ان سے روشنی چھین لی جائے گی، اور یہ بھٹکتے رہ جائیں گے، اور بالآخر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، جیسا کہ سورۂ حدید (۵۷: ۱۲-۱۴) میں اس کا بیان آیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف (یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کردو؟﴿۱۴۴﴾ یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور ان کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ﴿۱۴۵﴾ البتہ جو لوگ توبہ کرلیں گے، اپنی اصلاح کرلیں گے، اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لیں گے اور اپنے دِین کو خالص اللہ کے لئے بنالیں گے تو ایسے لوگ مؤمنوں کے ساتھ شامل ہوجائیں گے، اور اللہ مؤمنوں کو ضرور اَجرِ عظیم عطا کرے گا﴿۱۴۶﴾ اگر تم شکر گذار بنو اور (صحیح معنی میں) ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدر دان ہے، (اور) سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے﴿۱۴۷﴾ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ زبان پر لائی جائے، اِلا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔(۸۵) اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے﴿۱۴۸﴾

---

(۸۵) یعنی کسی کی برائی بیان کرنا عام حالات میں جائز نہیں، البتہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اس ظلم کا تذکرہ لوگوں سے کرسکتا ہے، اس تذکرے میں ظالم کی جو برائی ہوگی وہ معاف ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ع ۲۱ / ۱۱

اگر تم کوئی نیک کام علانیہ کرو یا خفیہ طور پر کرو، یا کسی برائی کو معاف کر دو، تو (بہتر ہے، کیونکہ) اللہ بہت معاف کرنے والا ہے (اگرچہ سزا دینے پر) پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۸۶) ﴿۱۴۹﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے اور کہتے ہیں کہ کچھ (رسولوں) پر تو ہم ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں، اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ (کفر اور ایمان کے درمیان) ایک بیچ کی راہ نکال لیں ﴿۱۵۰﴾ ایسے لوگ صحیح معنی میں کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں، اور ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہ کریں، تو اللہ ایسے لوگوں کو ان کے اجر عطا کرے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۵۲﴾

---

(۸۶) اشارہ یہ کیا جارہا ہے کہ اگرچہ مظلوم کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کی حد تک اس کی برائی کرے، لیکن اگر کوئی شخص مظلوم ہونے کے باوجود خفیہ اور علانیہ ہر حالت میں زبان سے ہمیشہ اچھی بات ہی نکالے، اور اپنا حق معاف کر دے تو یہ اس کے لئے بڑے ثواب کا کام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ سزا پر قدرت رکھنے کے باوجود کثرت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ

(اے پیغمبر!) اہلِ کتاب تم سے (جو) مطالبہ کررہے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کرواؤ، تو (یہ کوئی نئی بات نہیں، کیونکہ) یہ لوگ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کرچکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا تھا کہ ہمیں اللہ کھلی آنکھوں دِکھاؤ، چنانچہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو بجلی کے کڑکے نے آپکڑا تھا، پھر ان کے پاس جو کھلی کھلی نشانیاں آئیں، ان کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا۔ اس پر بھی ہم نے انہیں معاف کردیا، اور ہم نے موسیٰ کو واضح اقتدار عطا کیا ﴿۱۵۳﴾ اور ہم نے کوہِ طور کو ان پر بلند کرکے ان سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ (شہر کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور ان سے کہا تھا کہ تم سنیچر کے دن کے بارے میں حد سے نہ گذرنا۔ (۸۷) اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا تھا ﴿۱۵۴﴾ پھر ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا، اور یہ کہا کہ ہمارے دِلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے (۸۸)

(۸۷) ان واقعات کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیات ۵۱ تا ۶۶ اور ان کے حواشی میں گذر چکی ہے۔

(۸۸) اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دِل بالکل محفوظ ہیں کہ اُن میں اپنے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی بات داخل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں جملۂ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ دِل محفوظ نہیں ہیں، بلکہ

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ

ــــــ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دِلوں پر مہر لگادی ہے، اس لئے وہ تھوڑی سی باتوں کے سوا کسی بات پر اِیمان نہیں لاتے (۸۹) ﴿۱۵۵﴾ ــــــ اور اس لئے کہ اُنہوں نے کفر کا راستہ اِختیار کیا، اور مریم پر بڑے بھاری بہتان کی بات کہی، (۹۰) ﴿۱۵۶﴾ اور یہ کہا کہ: ’’ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابنِ مریم کو قتل کر دیا تھا‘‘ حالانکہ نہ اِنہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ اُنہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ اُنہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔ (۹۱)

ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں پر مہر لگادی ہے جس کی وجہ سے کوئی صحیح بات اُن کے دِلوں میں نہیں اُترتی۔

(۸۹) تھوڑی باتوں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت پر تو اِیمان لاتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان نہیں لاتے۔

(۹۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس معجزے کو تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مریم علیہا السلام جیسی پاک نفس اور عفت مآب خاتون پر گھناؤنا اِلزام لگایا تھا۔

(۹۱) قرآنِ کریم نے یہ حقیقت بڑے پرزور اَلفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ کوئی قتل کر سکا، اور نہ اُنہیں سولی دے سکا، بلکہ اُن کو اِشتباہ ہو گیا، یعنی اُنہوں نے کسی اور شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اُسے سولی پر چڑھا دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُوپر اُٹھالیا۔ قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو واضح کرنے پر اِکتفا فرمایا ہے، اور اس واقعے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ کے مقدس ساتھیوں میں سے ایک نے یہ قربانی دی کہ خود باہر نکلے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی، دُشمنوں نے اُن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُوپر اُٹھالیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں،(۹۲) انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کر پائے ﴿۱۵۷﴾ بلکہ اللہ نے اُنہیں اپنے پاس اُٹھالیا تھا، اور اللہ بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا حکمت والا ہے ﴿۱۵۸﴾ اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ضرور بالضرور عیسیٰ (علیہ السلام) پر اِیمان نہ لائے،(۹۳) اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے ﴿۱۵۹﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاسوسی کر کے اُنہیں گرفتار کرنے کے لئے اندر داخل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں تبدیل کر دیا، اور جب وہ باہر نکلا تو اُسی کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی، واللہ سبحانہ اعلم۔

(۹۲) یعنی بظاہر تو وہ یقینی طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی، لیکن چونکہ اُن کے پاس اِس کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے، اس لئے ایسا ہے جیسے وہ درحقیقت شک میں ہیں۔

(۹۳) یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ہی نہیں مانتے، اور عیسائی خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سارے اہلِ کتاب، چاہے یہودی ہوں، یا عیسائی، اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب عالمِ برزخ کے مناظر دیکھیں گے تو اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اُن کے تمام غلط خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے، اور وہ اُن کی اصل حقیقت پر اِیمان لے آئیں گے۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جسے بہت سے مستند مفسرین نے ترجیح دی ہے، اور حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے ''بیان القرآن'' میں اُسی کو اِختیار کیا ہے۔ البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے، اُس کی رُو سے آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو عیسیٰ

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰۤئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع ۲۲ / ۱۰ / ۲

غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے اُن پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو پہلے اُن کے لئے حلال کی گئی تھیں،(۹۴) اور اس لئے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے ﴿۱۶۰﴾ اور سود لیا کرتے تھے، حالانکہ اُنہیں اس سے منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے۔ اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں، اُن کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۶۱﴾ البتہ ان (بنی اسرائیل) میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں، اور مؤمن ہیں، وہ اس (کلام) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے پیغمبر!) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، اور قابلِ تعریف ہیں وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اَجرِ عظیم عطا کریں گے ﴿۱۶۲﴾

کی موت سے پہلے اُن پر ضرور بالضرور ایمان نہ لائے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تو آسمان پر اُٹھالیا ہے، لیکن، جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے، آخر زمانے میں وہ دوبارہ اس دُنیا میں آئیں گے، اور اُس وقت تمام اہلِ کتاب پر اُن کی اصل حقیقت واضح ہوجائے گی، اور وہ سب اُن پر ایمان لے آئیں گے۔

(۹۴) اس کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ اَنعام (۶:۱۴۶) میں آئے گی۔

اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰـكِنِ اللّٰهُ يَشۡهَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَيۡكَ‌ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ‌ ۚ وَالۡمَلٰۤـئِكَةُ يَشۡهَدُوۡنَ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿۱۶۶﴾

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کے پاس بھیجی تھی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اوران کی اولاد کے پاس، اورعیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی ﴿۱۶۳﴾ اور بہت سے رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے پہلے تمہیں سنائے ہیں، اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے واقعات تمہیں نہیں سنائے۔ اور موسیٰ سے تو اللہ براہِ راست ہم کلام ہوا ﴿۱۶۴﴾ یہ سب رسول وہ تھے جو (ثواب کی) خوشخبری سنانے اور (دوزخ سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۶۵﴾ (یہ کافر لوگ مانیں یا نہ مانیں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔ ﴿۱۶۶﴾

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۱۶۹﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ ؕ وَاِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۷۰﴾ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ ۚ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡہُ ۫

یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں ﴿۱۶۷﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، (اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک کر ان پر) ظلم کیا ہے، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ہے، اور نہ ان کو کوئی اور راستہ دِکھانے والا ہے ﴿۱۶۸﴾ سوائے دوزخ کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بہت معمولی بات ہے ﴿۱۶۹﴾ اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آگئے ہیں۔ اب (ان پر) ایمان لے آؤ، کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اور اگر (اب بھی) تم نے کفر کی راہ اپنائی تو (خوب سمجھ لو کہ) تمام آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ علم اور حکمت دونوں کا مالک ہے ﴿۱۷۰﴾ اے اہلِ کتاب! اپنے دِین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو محض اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا ایک کلمہ تھا جو اس نے مریم تک پہنچایا، اور ایک روح تھی جو اسی کی طرف سے (پیدا ہوئی) تھی، (۹۵)

---

(۹۵) یہودیوں کے بعد ان آیات میں عیسائیوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ

لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ اس بات سے باز آجاؤ، کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ کافی ہے ﴿۱۷۱﴾ مسیح کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے (اس میں کوئی عار سمجھتے ہیں)۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کی بندگی میں عار سمجھے، اور تکبر کا مظاہرہ کرے، تو (وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ) اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا ﴿۱۷۲﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہوں گے، ان کو ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اپنے فضل سے اس سے زیادہ بھی دے گا۔

دشمن بن گئے تھے، اور دوسری طرف عیسائی آپ کی تعظیم میں حد سے گذر گئے، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ اپنا لیا کہ خدا تین ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس۔ اس آیت میں دونوں کو حد سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ معتدل بات بتائی گئی ہے جو حقیقت کے عین مطابق ہے، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اور اللہ نے ان کو اپنے کلمۂ ''کن'' سے باپ کے واسطے کے بغیر پیدا کیا تھا، اور ان کی روح براہِ راست حضرت مریم علیہا السلام کے بطن میں بھیج دی تھی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۴ ۵ ۴

رہے وہ لوگ جنہوں نے (بندگی کو) عار سمجھا ہوگا اور تکبر کا مظاہرہ کیا ہوگا، تو ان کو دردناک عذاب دے گا، اور ان کو اللہ کے سوا اپنا کوئی رکھوالا اور مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۷۳﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو راستے کی پوری وضاحت کرنے والی ہے ﴿۱۷۴﴾ چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اسی کا سہارا تھام لیا ہے، اللہ ان کو اپنے فضل اور رحمت میں داخل کرے گا، اور انہیں اپنے پاس آنے کے لئے سیدھے راستے تک پہنچائے گا ﴿۱۷۵﴾

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ[96] کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔ اور اگر بہنیں دو ہوں تو بھائی کے ترکے سے وہ دو تہائی کی

حق دار ہوں گی۔ اور اگر (مرنے والے کے) بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی، تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمہارے سامنے وضاحت کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۱۷۶﴾

(۹۶) ''کلالہ'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے انتقال کے وقت نہ اس کا باپ یا دادا زندہ ہو، نہ کوئی بیٹا یا پوتا۔

الحمد للہ، سورۂ نساء کا ترجمہ اور اس کے حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ ۶/ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۹/دسمبر ۲۰۰۵ء کو بحرین میں عشاء کے وقت (۶:۵۵ پر) ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے گناہوں کو معاف فرما کر اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المَائِدَة

تعارف

یہ سورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابوحیانؒ فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ حصے صلح حدیبیہ، کچھ فتح مکہ اور کچھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اسلام کی دعوت جزیرۂ عرب کے طول وعرض میں اچھی طرح پھیل چکی تھی، دُشمنانِ اسلام بڑی حد تک شکست کھا چکے تھے، اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست مستحکم ہوچکی تھی۔ لہٰذا اس سورت میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل سے متعلق بہت سی ہدایات دی گئی ہیں۔ سورت کا آغاز اس بنیادی حکم سے ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عہد و پیمان پورے کرنے چاہئیں۔ اس بنیادی حکم میں اِجمالی طور پر شریعت کے تمام اَحکام آگئے ہیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں یا بندوں کے حقوق سے متعلق۔ اس ضمن میں یہ اُصول بڑی تاکید کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ دُشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملہ انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ دُشمنانِ اسلام کو اَب اسلام کی پیش قدمی روکنے سے مایوسی ہوچکی ہے اور اللہ نے اپنا دِین مکمل فرمادیا ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کی غذائیں حلال ہیں اور کس قسم کی حرام؟ اسی سلسلے میں شکار کے اَحکام بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اہلِ کتاب کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے اَحکام کا بیان آیا

ہے، چوری اور ڈاکے کی شرعی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، شراب اور جوے کو صریح الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو توڑا؟ اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

''مائدہ'' عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۴ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے متبعین نے یہ دُعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمانی غذاؤں کے ساتھ ایک دسترخوان نازل فرمائے۔ اس واقعے کی مناسبت سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' یعنی دسترخوان رکھا گیا ہے۔

ایاتھا ۱۲۰ ۵ سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ رکوعاتھا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

یہ مدنی سورت ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کردیئے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ) ہوں،[1] سوائے اُن کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا،[2] بشرطیکہ جب تم اِحرام کی حالت میں ہو اس وقت شکار کو حلال نہ سمجھو۔[3] اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔[4] ﴿۱﴾

(۱) چوپایہ تو ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو چار ہاتھ پاؤں پر چلتا ہو، لیکن ان میں سے صرف وہ جانور حلال ہیں جو مویشیوں میں شمار ہوتے ہیں، یعنی گائے، اُونٹ، اور بھیڑ بکری، یا پھر ان مویشیوں کے مشابہ ہوں، جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ۔

(۲) ان حرام چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۳ میں آرہا ہے۔

(۳) یعنی مویشیوں کے مشابہ جانور، مثلاً ہرن وغیرہ اگرچہ حلال ہیں، اور ان کا شکار بھی حلال ہے، لیکن جب حج یا عمرے کے لئے کسی نے اِحرام باندھ لیا ہو تو ان جانوروں کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔

(۴) اس جملے نے ان تمام سوالات اور اعتراضات کی جڑ کاٹ دی ہے جو لوگ محض اپنی محدود عقل کے سہارے شرعی اَحکام پر عائد کرتے ہیں، مثلاً یہ سوال کہ جانور بھی تو آخر جان رکھتے ہیں، ان کو ذبح کر کے کھانا کیوں جائز کیا گیا جبکہ یہ ایک جاندار کو تکلیف پہنچانا ہے، یا مثلاً یہ سوال کہ فلاں جانور کو کیوں حلال کیا گیا اور فلاں جانور کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ آیت کے اس حصے نے اس کا مختصر اور جامع جواب یہ دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق ہے، وہی اپنی حکمت سے جس بات کا ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ اس کا ہر حکم یقیناً

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰۤمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢

وقف لازم

اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو قربانی کے لئے حرم لے جائے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر بیت حرام کا ارادہ لے کر جا رہے ہوں۔ اور جب تم اِحرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دُشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو(۵)۔ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲﴾

حکمت پر مبنی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ہر حکم کی حکمت بندوں کی سمجھ میں بھی آئے، لہٰذا بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو چون و چرا کے بغیر تسلیم کر کے اس پر عمل کریں۔

(۵) صلح حدیبیہ کے واقعے میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کو حرم میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روکا تھا، مسلمانوں کو طبعی طور پر اس واقعے پر سخت غم و غصہ تھا، اور یہ احتمال تھا کہ اس غم اور غصے کی وجہ سے کوئی مسلمان اپنے دُشمن سے کوئی ایسی زیادتی کر بیٹھے جو شریعت کے خلاف ہو، اس آیت نے متنبہ کر دیا کہ اسلام میں ہر چیز کی حدود مقرر ہیں، اور دُشمن کے ساتھ بھی کوئی زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ

تم پر مردار جانور اور خون اور سوَر کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اُوپر سے گر کر مرا ہو، اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو، اِلا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو، اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو۔(٦) یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔

---

(٦) جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترک اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دے دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازم سمجھتے تھے۔ ان تمام طریقوں کو آیتِ کریمہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جوا ہے، اور دوسری صورت میں یا علمِ غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم سمجھنے کی خرابی ہے۔ بعض حضرات نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ''اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرو'' یہ دوسرے طریقے کی طرف اشارہ ہے، اور آیت کے الفاظ میں اس ترجمے کی بھی گنجائش ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

آج کافر لوگ تمہارے دِین (کے مغلوب ہونے) سے نا اُمید ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے مت ڈرو، اور میرا ڈر دِل میں رکھو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دِین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دِین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کرلیا۔[۷] (لہٰذا اس دِین کے اَحکام کی پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے)، بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو، تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳﴾ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کونسی چیزیں حلال ہیں؟ کہہ دو کہ "تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سکھا سکھا کر (شکار کے لئے) سدھالیا ہو، وہ جس جانور کو (شکار کرکے) تمہارے لئے روک رکھیں، اس میں سے تم کھا سکتے ہو، اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو[۸] اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۴﴾

(۷) صحیح احادیث میں آیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

(۸) شکاری جانوروں مثلاً شکاری کتوں اور باز وغیرہ کے ذریعے حلال جانوروں کا شکار کرکے انہیں کھانا جن شرائط کے ساتھ جائز ہے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو سدھالیا گیا ہو جس کی علامت

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں، اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے[9] نیز مؤمنوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی،[10] جبکہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لئے ان کے مہر دے دیئے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو، اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔

یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرے اسے خود نہ کھائے، بلکہ اپنے مالک کے لئے روک رکھے، دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے، یعنی بسم اللہ پڑھے۔

(۹) کھانے سے یہاں مراد ذبیحہ ہے، اہلِ کتاب یعنی یہودی اور عیسائی چونکہ جانور کے ذبح میں انہی شرائط کی رعایت رکھتے تھے جو اسلامی شریعت میں مقرر ہیں، اور وہ دوسرے غیر مسلموں سے اس معاملے میں ممتاز تھے کہ فی الجملہ آسمانی کتابوں کو مانتے تھے، اس لئے ان کے ذبح کئے ہوئے جانور مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیئے گئے تھے، بشرطیکہ وہ جانور کو صحیح شرعی طریقے سے ذبح کریں، اور اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیں۔ آج کل کے یہودیوں اور عیسائیوں میں ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں کی ہے جو در حقیقت دہریے ہیں، خدا ہی کے قائل نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ بالکل حلال نہیں ہے، اور ان میں سے بعض اگرچہ عیسائی یا یہودی ہیں، مگر اپنے مذہب کے اَحکام کو چھوڑے ہوئے ہیں، اور ذبح کرنے میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "معارف القرآن" اور "جواہر الفقہ" میں موجود ہے۔ نیز میرا بھی عربی رسالہ "اَحکام الذبائح" اسی موضوع پر ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) اہلِ کتاب کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہے، لیکن یہاں بھی دو اہم نکتے یاد رکھنے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم ان یہودی یا عیسائی خواتین کا ہے جو واقعی یہودی یا عیسائی

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٥ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ

اور جو شخص ایمان سے انکار کرے، اس کا سارا کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اور آخرت میں اس کا شمار خسارہ اُٹھانے والوں میں ہوگا۔ ﴿٥﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اُٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارے جسم کو (غسل کے ذریعے) خوب اچھی طرح پاک کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے جسمانی ملاپ کیا ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو،(11) اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس (مٹی) سے مسح کر لو۔

ہوں۔ جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا، مغربی ممالک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مردم شماری کے حساب سے تو انہیں عیسائی یا یہودی گنا گیا ہے، لیکن نہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ کسی پیغمبر یا کسی آسمانی کتاب پر۔ ایسے لوگ اہلِ کتاب میں شامل نہیں ہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور نہ ایسی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت واقعی یہودی یا عیسائی ہو، لیکن اس بات کا قوی خطرہ ہو کہ وہ اپنے شوہر یا بچوں پر اثر ڈال کر انہیں اسلام سے دُور کر دے گی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا گناہ ہوگا، یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اولاد کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ آج کل چونکہ مسلمان عوام میں اپنے دِین کی ضروری معلومات اور ان پر عمل کی بڑی کمی ہے، اس لئے اس معاملے میں بہت احتیاط لازم ہے۔

(11) ''قضائے حاجت کی جگہ سے آنا'' درحقیقت اس چھوٹی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان پر نماز

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٦﴾ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾

اللہ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے، اور یہ کہ تم پر اپنی نعمت تمام کردے، تاکہ تم شکر گذار بنو۔ ﴿۶﴾

اللہ نے تم پر جو اِنعام فرمایا ہے اُسے اور اُس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا کہ: ''ہم نے (اللہ کے اَحکام کو) اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کرلی ہے'' اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۷﴾ اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے اَحکام کی پابندی) کے لئے ہر وقت تیار ہو، (اور) انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔ اور کسی قوم کی دُشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۸﴾

وغیرہ پڑھنے کے لئے صرف وضو واجب ہوتا ہے، اور ''عورتوں سے ملاپ'' اس بڑی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس کو ''جنابت'' کہتے ہیں اور جس میں غسل واجب ہوتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جب پانی میسر نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو ناپاکی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے، اور دونوں صورتوں میں اس کا طریقہ ایک ہی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ع

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کو مغفرت اور زبردست ثواب حاصل ہوگا ﴿۹﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ کے باسی ہیں ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو اِنعام فرمایا اس کو یاد کرو۔ جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں، تو اللہ نے تمہیں نقصان پہنچانے سے ان کے ہاتھ روک دیئے،(۱۲) اور (اس نعمت کا شکریہ ہے کہ) اللہ کا رُعب دِل میں رکھتے ہوئے عمل کرو، اور مؤمنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۱﴾

(۱۲) یہ ان مختلف واقعات کی طرف اشارہ ہے جن میں کفار نے مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بنائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خاک میں ملا دیا۔ ایسے واقعات بہت سے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات مفسرین نے اس آیت کے تحت بھی ذکر کئے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مشرکین سے ایک جنگ کے دوران عسفان کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز تمام صحابہ کو جماعت سے پڑھائی مشرکین کو پتہ چلا تو ان کو حسرت ہوئی کہ جماعت کے دوران مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دینے کا یہ بہترین موقع تھا۔ پھر انہوں نے منصوبہ بنایا کہ جب یہ حضرات عصر کی نماز پڑھیں گے تو ان پر ایک دم حملہ کر دیں گے۔ لیکن عصر کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے صلاۃ الخوف پڑھی جس میں مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو کر نماز پڑھتے ہیں،

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں مقرر کئے تھے،[۱۳] اور اللہ نے کہا تھا کہ ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا[۱۴] تو یقین جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کردوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا'' ﴿۱۲﴾

اور ایک حصہ دُشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ (اس نماز کا طریقہ پیچھے سورۂ نساء ۴:۱۰۲ میں گذر چکا ہے) چنانچہ مشرکین کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ (روح المعانی) مزید واقعات کے لئے دیکھئے معارف القرآن۔

(۱۳) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ چنانچہ جب ان سے یہ عہد لیا گیا تو ہر قبیلے کے سردار کو اپنے قبیلے کا نگراں بنایا گیا تاکہ وہ عہد کی پابندی کی نگرانی کرے۔

(۱۴) اچھے قرض یا قرضِ حسن کا اصل مطلب تو وہ قرض ہے جو کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے یا کسی اور نیک کام میں پیسے خرچ کئے جائیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور کیا، اور ان کے دِلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو چھوڑ کر تمہیں آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ لہٰذا (فی الحال) انہیں معاف کردو اور درگذر سے کام لو۔(۱۵) بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳﴾ اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے دُشمنی اور بغض پیدا کردیا۔(۱۶) اور اللہ انہیں عنقریب بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۱۴﴾

(۱۵) یعنی اس قسم کی شرارتیں تو ان کی پرانی عادت ہے، لیکن آپ کو فی الحال سارے بنی اسرائیل کو کوئی اجتماعی سزا دینے کا حکم نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا، اللہ تعالیٰ خود سزا دے گا۔

(۱۶) عیسائی مذہب کے ماننے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور ان کے مذہبی اختلافات نے دُشمنی اور خانہ جنگی کی شکل اختیار کرلی تھی۔ یہ اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ ہے۔

يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَـٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَـٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَـٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ ٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) پیغمبر آگئے ہیں جو کتاب (یعنی تورات اور انجیل) کی بہت سی ان باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو، اور بہت سی باتوں سے درگذر کر جاتے ہیں۔(۱۷) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے، اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے ﴿۱۵﴾ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دِکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور انہیں اپنے حکم سے اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے ﴿۱۶﴾ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، وہ یقیناً کافر ہو گئے ہیں۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ذرا بھی طاقت رکھتا ہو؟ تمام آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۷﴾

---

(۱۷) مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے یوں تو اپنی آسمانی کتابوں کی بہت سی باتوں کو چھپا رکھا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان باتوں کو ظاہر فرمایا جن کی وضاحت دِینی اعتبار سے ضروری تھی۔ بہت

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع ۸

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں" (ان سے) کہو کہ "پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ (۱۸) نہیں! بلکہ تم انہی انسانوں کی طرح انسان ہو جو اس نے پیدا کئے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے، اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے" ﴿۱۸﴾ اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد رُکی ہوئی تھی، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوشخبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا۔ لو اَب تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۹﴾

سی باتیں ایسی بھی تھیں جو انہوں نے چھپائی ہوئی تھیں، مگر ان کے پوشیدہ رہنے سے کوئی عملی یا اعتقادی نقصان نہیں تھا، اور اگر ان کو ظاہر کیا جاتا تو یہود و نصاریٰ کی رُسوائی کے سوا کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے درگذر فرمایا ہے، اور ان کی حقیقت واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

(۱۸) یہ بات یہود و نصاریٰ بھی مانتے تھے کہ وہ مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنے ہیں، اور ان میں سے بہت سے لوگ اس بات کے بھی قائل تھے کہ آخرت میں بھی کچھ عرصے کے لئے وہ دوزخ میں جائیں گے۔ لہٰذا بتانا یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان ایک جیسے پیدا فرمائے ہیں، ان میں سے کسی خاص نسل کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم ہے، اور اس کے قوانین سے لازمی طور پر مستثنیٰ ہے، بالکل غلط

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾

اور اُس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں حکمران بنایا، اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی فرد کو عطا نہیں کیا تھا ﴿٢٠﴾ اے میری قوم! اُس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے،(19) اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد جاؤ گے" ﴿٢١﴾

دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین سب کے لئے برابر ہیں۔ اس نے کوئی خاص نسل اپنی رحمت کے لئے مخصوص نہیں کی ہے۔ البتہ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے بخش بھی دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے اپنے قانونِ عدل کے تحت سزا بھی دیتا ہے۔

(19) مقدس سرزمین سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو انبیائے کرام کو مبعوث کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے اس کو مقدس فرمایا گیا ہے۔ جس واقعے کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور بالخصوص فلسطین کا علاقہ تھا۔ فرعون نے مصر میں ان کو غلام بنا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین پر ایک کافر قوم کا قبضہ تھا جو عمالقہ کہلاتے تھے۔ لہٰذا اس حکم کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر عمالقہ سے جہاد کریں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ بھی کر لیا گیا تھا کہ جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح ہوگی، کیونکہ یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتہ چلا کہ عمالقہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں۔ دراصل یہ لوگ قومِ عاد کی نسل سے تھے، اور بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے، اور یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے۔

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ ‌ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا‌ ۚ فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَيۡهِمُ الۡبَابَ‌ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِيۡهَا‌ فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ وَاَخِىۡ‌ فَافۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾

وہ بولے، ''اے موسیٰ! اُس (ملک) میں تو بڑے طاقت ور لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم اس میں داخل ہوجائیں گے۔'' ﴿۲۲﴾ جو لوگ (خدا کا) خوف رکھتے تھے، ان میں سے دو مرد جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا، [۲۰] بول اُٹھے کہ ''تم اُن پر چڑھائی کرکے (شہر کے) دروازے میں گھس تو جاؤ۔ جب گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور اپنا بھروسہ صرف اللہ پر رکھو، اگر تم واقعی صاحبِ ایمان ہو۔'' ﴿۲۳﴾ وہ کہنے لگے ''اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ اس (ملک) میں موجود ہیں، ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے۔ (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا ربّ چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں'' ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا ''اے میرے پروردگار! سوائے میری اپنی جان کے اور میرے بھائی کے کوئی میرے قابو میں نہیں ہے۔ اب آپ ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان الگ الگ فیصلہ کردیجئے۔'' ﴿۲۵﴾

(۲۰) یہ دو صاحبان حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہما السلام تھے جو ہر مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے تھے، اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کرکے آگے بڑھو تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تم ہی غالب رہو گے۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۚ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

اللہ نے کہا ’’ اچھا! تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کردی گئی ہے، یہ (اس دوران) زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔[21] تو (اے موسیٰ!) اب تم بھی ان نافرمان لوگوں پر ترس مت کھانا‘‘ ﴿٢٦﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔[22] اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ ’’ میں تجھے قتل کرڈالوں گا‘‘ پہلے نے کہا کہ ’’ اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں ﴿٢٧﴾

---

(٢١) بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ چالیس سال تک فلسطین میں ان کا داخلہ بند کردیا۔ یہ لوگ صحرائے سینا کے ایک مختصر علاقے میں بھٹکتے رہے۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے مصر واپس جانے کا۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہم السلام بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے، اور انہی کی برکت اور دُعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ان پر نازل ہوئیں جن کا ذکر پیچھے سورۂ بقرہ (آیات ۵۷ تا ٦٠) میں گذر چکا ہے۔ بادل کے سائے نے انہیں دُھوپ سے بچایا۔ کھانے کے لئے من وسلویٰ نازل ہوا، پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹے۔ بنی اسرائیل کے لئے خانہ بدوشی کی یہ زندگی ایک سزا تھی، لیکن ان بزرگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو قلبی راحت کا سامان بنادیا۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی یکے بعد دیگرے اسی صحرا میں وفات ہوئی۔ بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام پیغمبر بنے، اور شام کا کچھ علاقہ ان کی سرکردگی میں اور کچھ حضرت سموئیل علیہ السلام کے زمانے میں طالوت کی سرکردگی میں فتح ہوا

جس کا واقعہ سورۂ بقرہ (آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱) میں گذر چکا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین بنی اسرائیل کے حق میں لکھنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔

(۲۲) پیچھے بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کا ذکر تھا کہ جہاد کا حکم آجانے کے باوجود وہ اس سے جان چراتے رہے، اب بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک بامقصد جہاد میں کسی کی جان لے لینا تو نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، لیکن ناحق کسی کو قتل کرنا بڑا زبردست گناہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جہاد سے تو جان چرائی، لیکن بہت سے بے گناہوں کو قتل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ اس سلسلے میں وہ واقعہ بیان کیا جارہا ہے جو اس دُنیا میں سب سے پہلے قتل کی واردات پر مشتمل ہے۔ اس واقعے میں قرآنِ کریم نے تو صرف اتنا بتایا ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے کچھ قربانی پیش کی تھی، ایک کی قربانی قبول ہوئی، دوسرے کی نہ ہوئی، اس پر دوسرے کو غصہ آگیا، اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اس قربانی کا کیا پس منظر تھا؟ قرآنِ کریم نے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ البتہ مفسرین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کچھ دوسرے صحابۂ کرام کے حوالے سے اس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قابیل تھا اور ایک کا ہابیل۔ اس وقت چونکہ دُنیا کی آبادی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی، اس لئے ان کی اہلیہ کے ہر حمل میں دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کے درمیان تو نکاح حرام تھا، لیکن ایک حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے ہوسکتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی، لیکن جڑواں بہن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ قابیل کا نکاح جائز نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ اسی سے نکاح کرے۔ ہابیل کے لئے وہ لڑکی حرام نہ تھی، اس لئے وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ جب دونوں کا یہ اختلاف بڑھا تو فیصلہ اس طرح قرار پایا کہ دونوں کچھ قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں۔ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا۔ چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی۔ روایات میں ہے کہ ہابیل نے ایک دُنبہ قربان کیا، اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی۔ اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھالیتی تھی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھالیا، اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہوگئی، اور قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس پر بجائے اس کے کہ قابیل حق کو قبول کرلیتا، حسد میں مبتلا ہوکر اپنے بھائی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَىَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِىۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِىَ اِلَيۡكَ لِاَقۡتُلَكَ‌ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓءَا بِاِثۡمِىۡ وَاِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ‌ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ‌ ۚ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِيۡهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِى الۡاَرۡضِ لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِىۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ‌ ؕ

اگر تم نے مجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تب بھی میں تمہیں قتل کرنے کو اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ رَبّ العالمین سے ڈرتا ہوں ﴿۲۸﴾ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ انجامِ کار تم اپنے اور میرے دونوں کے گناہ میں پکڑے جاؤ، اور دوزخیوں میں شامل ہو۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے"(۲۳) ﴿۲۹﴾ آخر کار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہوگیا ﴿۳۰﴾ پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے دِکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔(۲۴)

---

(۲۳) اگرچہ اپنے دفاع کا اگر کوئی اور راستہ نہ ہو تو حملہ آور کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن ہابیل نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنا یہ حق استعمال کرنے سے گریز کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بچاؤ کا اور ہر طریقہ اختیار کروں گا، مگر تمہیں قتل کرنے کا اقدام نہیں کروں گا۔ ساتھ ہی اسے یہ جتلا دیا کہ اگر تم نے قتل کا ارتکاب کیا تو مظلوم ہونے کی بنا پر میرے گناہوں کی تو معافی کی اُمید ہے، مگر تم پر نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ ہوگا، بلکہ میرے قتل کرنے کی وجہ سے کچھ میرے گناہ بھی تم پر لد جائیں تو بعید نہیں، کیونکہ آخرت میں مظلوم کا حق ظالم سے دِلوانے کا ایک طریقہ اَحادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں، اور اگر نیکیاں کافی نہ ہوں تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر امام رازی)

(۲۴) یہ چونکہ کسی کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا جو قابیل نے دیکھا اس لئے اسے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھود کر کسی مردہ کوّے کو دفن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر قابیل کو نہ صرف دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا بلکہ پشیمانی بھی ہوئی۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾

معانقۃ ٥ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(یہ دیکھ کر) وہ بولا "ہائے افسوس! کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔" اس طرح بعد میں وہ بڑا شرمندہ ہوا ﴿۳۱﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا،(۲۵) اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں ﴿۳۲﴾

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے خلاف قتل کا یہ جرم پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قتلِ ناحق کا ارتکاب اسی وقت کرتا ہے جب اس کے دِل سے انسان کی حرمت کا احساس مٹ جائے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے مفاد یا سرشت کا تقاضا ہوگا تو وہ کسی اور کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، اور اس طرح پوری انسانیت اس کی مجرمانہ ذہنیت کی زد میں رہے گی۔ نیز جب اس ذہنیت کا چلن عام ہوجائے تو تمام انسان غیر محفوظ ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا قتلِ ناحق کا ارتکاب چاہے کسی کے خلاف کیا گیا ہو، تمام انسانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ جرم ہم سب کے خلاف کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَاَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿ۙ۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡہِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿٪۳۴﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَجَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۵﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں،(۲۶) یا انہیں زمین سے دُور کر دیا جائے۔(۲۷) یہ تو دُنیا میں ان کی رُسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۳۳﴾ ہاں وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے اُن کو قابو میں لانے سے پہلے ہی توبہ کر لیں۔(۲۸) ایسی صورت میں یہ جان رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۳۴﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو،(۲۹) اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔(۳۰) اُمید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۳۵﴾

---

(۲۶) پیچھے جہاں انسانی جان کی حرمت کا ذکر تھا وہاں یہ اشارہ بھی دیا گیا تھا کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں ان کی جان کو یہ حرمت حاصل نہیں ہے۔ اب ان کی مفصل سزا بیان کی جارہی ہے۔ مفسرین اور فقہاء کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد وہ ڈاکو ہیں جو اسلحے کے زور پر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے قوانین کی بے حرمتی کرتے ہیں، اور ان کا لوگوں سے لڑنا گویا اللہ اور اس کے رسول سے لڑنا ہے۔ ان لوگوں کے

لئے اس آیت میں چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان سزاؤں کی تشریح اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ اگر ان لوگوں نے کسی کو قتل کیا ہو، مگر مال لوٹنے کی نوبت نہ آئی ہو تو انہیں قتل کیا جائے گا، مگر یہ قتل کرنا حد شرعی کے طور پر ہوگا، قصاص کے طور پر نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مقتول کے وارث معاف بھی کرنا چاہیں تو ان کی معافی نہیں ہوگی۔ اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو انہیں سولی پر لٹکا کر ہلاک کیا جائے گا، اور اگر مال لوٹا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے لوگوں کو صرف ڈرایا دھمکایا ہو، نہ مال لوٹنے کی نوبت آئی ہو، نہ کسی کو قتل کرنے کی تو چوتھی سزا دی جائے گی جس کی تشریح اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآنِ کریم نے ان جرائم کی سزائیں اُصولی طور پر بیان فرمائی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ان سخت سزاؤں پر عمل درآمد کے لئے کیا شرائط ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ کسی مقدمے میں ان کا پورا ہونا آسان نہیں، کیونکہ مقصد ہی یہ ہے کہ یہ سزائیں کم سے کم جاری ہوں، مگر جب جاری ہوں تو دوسرے مجرموں کے لئے سامانِ عبرت بن جائیں۔

(۲۷) یہ قرآنی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''زمین سے دُور کرنے'' کی تشریح یہ کی ہے کہ انہیں قید خانے میں بند کردیا جائے گا۔ یہ تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ دوسرے فقہاء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہیں جلاوطن کردیا جائے گا۔

(۲۸) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو حکام کے حوالے کردیں تو ان کی مذکورہ سزائیں معاف ہوجائیں گی۔ البتہ چونکہ بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، اس لئے اگر انہوں نے مال لوٹا ہے تو وہ مالک کو لوٹانا ہوگا، اور اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کے وارثوں کو حق ملے گا کہ وہ ان کو قصاص کے طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کریں۔ ہاں اگر وہ بھی معاف کردیں یا قصاص کے بدلے خون بہا لینے پر راضی ہوجائیں تو ان کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔

(۲۹) ''وسیلہ'' سے یہاں مراد ہر وہ نیک عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن سکے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال کو وسیلہ بناؤ۔

(۳۰) ''جہاد'' کے لفظی معنیٰ کوشش اور محنت کرنے کے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اس کے معنیٰ عام طور سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دُشمنوں سے لڑنے کے آتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ دِین پر عمل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کو بھی ''جہاد'' کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنیٰ مراد ہوسکتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾

یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اگر زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب ان کے پاس ہوں، اور اتنی ہی اور بھی ہوں، تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ میں پیش کردیں، تب بھی ان کی یہ پیشکش قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا ﴿٣٦﴾ وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہیں، اور ان کو ایسا عذاب ہوگا جو قائم رہے گا ﴿٣٧﴾ اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿٣٨﴾ پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کارروائی سے توبہ کرلے، اور معاملات درست کرلے، تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔[٣١] بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿٣٩﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی حکمرانی صرف اللہ کے پاس ہے؟ وہ جس کو چاہے عذاب دے، اور جس کو چاہے بخش دے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿٤٠﴾

---

(٣١) ڈاکے کی سزا میں بھی اُوپر توبہ کا ذکر آیا تھا، مگر وہاں توبہ کا اثر یہ تھا کہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلینے سے حد

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحۡزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡكُفۡرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا بِأَفۡوَٰهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِن قُلُوبُهُمۡۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُواْۛ سَمَّٰعُونَ لِلۡكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوۡمٍ ءَاخَرِينَ لَمۡ يَأۡتُوكَۖ يُحَرِّفُونَ ٱلۡكَلِمَ مِنۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهِۦۖ

اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دِکھا رہے ہیں، وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں،(۳۲) یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگر ان کے دِل ایمان نہیں لائے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کھلے بندوں) یہودیت کا دِین اختیار کرلیا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی باتیں کان لگا لگا کر سننے والے ہیں،(۳۳) (اور تمہاری باتیں) ان لوگوں کی خاطر سنتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے،(۳۴) جو (اللہ کی کتاب کے) الفاظ کا موقع محل طے ہوجانے کے بعد بھی ان میں تحریف کرتے ہیں۔

کی سزا معاف ہوجاتی تھی۔ یہاں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہٰذا اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے مطابق چور کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی، چاہے وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے۔ یہاں صرف یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس توبہ کا اثر آخرت میں جاری ہوگا کہ اس کا گناہ معاف کردیا جائے گا۔ اس کے لئے بھی آیت میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ دِل سے شرمندہ ہوکر توبہ کرے، اور دوسرے یہ کہ اپنے معاملات درست کرلے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جن جن کا سامان چرایا تھا، ان کو وہ سامان واپس کرے، اِلا یہ کہ وہ معاف کردیں۔

(۳۲) یہاں سے آیت نمبر ۵۰ تک کی آیتیں کچھ خاص واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں جن میں کچھ یہودیوں نے اپنے کچھ جھگڑے اس اُمید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لانے کا ارادہ کیا تھا کہ آپ ان کا فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق کریں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو یہ تھا کہ خیبر کے دو شادی شدہ یہودی مرد و عورت نے زنا کرلیا تھا جس کی سزا خود تورات میں یہ مقرر تھی کہ ایسے مرد و عورت کو سنگسار کرکے ہلاک کیا

جائے۔ یہ سزا موجودہ تورات میں بھی موجود ہے (دیکھئے: استثنا ۲۲ء: ۲۳ و ۲۴)۔ لیکن یہودیوں نے اس کو چھوڑ کر کوڑوں اور منہ کالا کرنے کی سزا مقرر کر رکھی تھی۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ اس سزا میں بھی کمی ہو جائے، اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بہت سے اَحکام تورات کے اَحکام کے مقابلے میں نرم ہیں، اس لئے اگر آپ سے فیصلہ کرایا جائے تو شاید آپ کوئی نرم فیصلہ کریں۔ اس غرض کے لئے خیبر کے یہودیوں نے مدینہ منورہ میں رہنے والے کچھ یہودیوں کو جن میں سے کچھ منافق بھی تھے ان مجرموں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، مگر ساتھ ہی انہیں یہ تاکید کی کہ اگر آپ سنگساری کے سوا کوئی اور فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لینا، اور اگر سنگساری کا فیصلہ کریں تو قبول مت کرنا۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ اس کی سزا سنگساری ہے جسے سن کر وہ بوکھلا گئے۔ آپ نے انہی سے پوچھا کہ تورات میں اس کی سزا کیا ہے؟ شروع میں انہوں نے چھپانے کی کوشش کی، مگر آخر میں جب آپ نے ان کے ایک بڑے عالم ابنِ صوریا کو قسم دی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو پہلے خود یہودی عالم تھے، ان کا پول کھول دیا تو وہ مجبور ہو گیا اور اس نے تورات کی وہ آیت پڑھ دی جس میں زنا کی سزا سنگساری بیان کی گئی تھی۔ اور یہ بھی بتایا کہ تورات کا حکم تو یہی تھا، مگر ہم میں سے غریب لوگ یہ جرم کرتے تو یہ سزا ان پر جاری کی جاتی تھی، اور کوئی مال دار یا باعزت گھرانے کا آدمی یہ جرم کرتا تو اسے کوڑوں وغیرہ کی سزا دے دیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ سبھی کے لئے سنگساری کی سزا کو چھوڑ دیا گیا۔ اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا تھا جس کی تفصیل نیچے آیت نمبر ۴۵ کے حاشیے میں آرہی ہے۔

(۳۳) یعنی یہودیوں کے پیشوا جو جھوٹی بات تورات کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتے ہیں، اور وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے تو یہ اسے بڑے شوق سے سنتے اور اس پر یقین کر لیتے ہیں، چاہے وہ تورات کے صاف اور صریح اَحکام کے خلاف ہو اور یہ لوگ جانتے ہوں کہ ان کے پیشواؤں نے رشوت لے کر یہ بات بیان کی ہے۔

(۳۴) اس سے ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو خود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے، لیکن ان یہودیوں اور منافقوں کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ جو لوگ آئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اس لئے سننے آئے تھے کہ آپ کا موقف سننے کے بعد ان لوگوں کو مطلع کریں جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾

کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو قبول کر لینا، اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو بچ کر رہنا۔ اور جس شخص کو اللہ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو اسے اللہ سے بچانے کے لئے تمہارا کوئی زور ہرگز نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) اللہ نے ان کے دِلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔(۳۵) ان کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور انہی کے لئے آخرت میں زبردست عذاب ہے ﴿۴۱﴾ یہ کان لگا لگا کر جھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔(۳۶) چنانچہ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو چاہے ان کے درمیان فیصلہ کر دو، اور چاہے ان سے منہ موڑ لو۔(۳۷) اگر تم ان سے منہ موڑ لوگے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۴۲﴾

---

(۳۵) چونکہ یہ دُنیا آزمائش ہی کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو زبردستی راہِ راست پر لا کر اس کے دِل کو پاک نہیں کرتا جو ضد پر اَڑا ہوا ہو۔ یہ پاکیزگی انہی کو عطا ہوتی ہے جو حق کی طلب رکھتے ہوں، اور خلوص کے ساتھ اسے قبول کریں۔

(۳۶) یہاں حرام سے مراد وہ رشوت ہے جس کی خاطر یہودی پیشوا تورات کے اَحکام میں تبدیلیاں کر دیتے تھے۔

(۳۷) جو یہودی فیصلہ کرانے آئے تھے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، مگر وہ باقاعدہ اسلامی حکومت کے شہری نہیں تھے۔ اس لئے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو انکار فرما دیں۔ ورنہ جو غیر مسلم

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور یہ کیسے تم سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا فیصلہ درج ہے؟ پھر اس کے بعد (فیصلے سے) منہ بھی پھیر لیتے ہیں۔(۳۸) دراصل یہ ایمان والے نہیں ہیں ﴿۴۳﴾ بیشک ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور تمام اللہ والے اور علماء بھی (اسی پر عمل کرتے رہے) کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا، اور وہ اس کے گواہ تھے۔ لہٰذا (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور تھوڑی سی قیمت لینے کی خاطر میری آیتوں کا سودا نہ کیا کرو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ کافر ہیں ﴿۴۴﴾

اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں، ملک کے عام قوانین میں ان کا فیصلہ بھی اسلامی شریعت کے مطابق ہی کرنا ضروری ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ البتہ ان کے خاص مذہبی قوانین جو نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں انہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ انہی کے ججوں کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔

(۳۸) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تورات کے اَحکام سے منہ موڑ لیتے ہیں، اور یہ بھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلے کی خود درخواست کرنے کے باوجود جب آپ فیصلہ سناتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کردے تو یہ اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔ (۳۹) ﴿۴۵﴾

---

(۳۹) دوسرا واقعہ ان آیات کے پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرے بنونضیر۔ بنونضیر کے لوگ مال دار تھے، اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے ان کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اگرچہ دونوں یہودی تھے، مگر بنونضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اُصول طے کرالیا تھا کہ اگر بنونضیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اُصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خوں بہا کے طور پر ستر وسق کھجوریں دے گا (وسق ایک پیمانہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور اگر بنوقریظہ کا کوئی آدمی بنونضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف یہ کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی دُگنا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنونضیر کے ایک آدمی کو قتل کردیا۔ بنونضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خوں بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ کا دِین انصاف کا دِین ہے۔ جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنونضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر آپ کا عندیہ بنونضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ لیں۔ اس پس منظر میں یہ آیت بتارہی ہے کہ تورات نے تو واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے جان لینی ہے، اور اس لحاظ سے بنونضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَ
اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ
لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ
لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ
وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ

اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بعد عیسیٰ ابنِ مریم کو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، اور جو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والی اور متقیوں کے لئے سراپا ہدایت و نصیحت بن کر آئی تھی ﴿۴٦﴾ اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ فاسق ہیں ﴿۴۷﴾ اور (اے رسول محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (اُمت) کے لئے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔[۴۰] اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لئے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

---

(۴۰) یہودی اور عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے جو انکار کرتے تھے اس کی ایک

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ

اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۴۸﴾ اور (ہم حکم دیتے ہیں) کہ تم ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے[(۴۱)] اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، اور ان کی اس بات سے بچ کر رہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال کر کسی ایسے حکم سے ہٹا دیں جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہو۔

وجہ یہ تھی کہ اسلام میں عبادت کے طریقے اور بعض دوسرے اَحکام حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت سے مختلف تھے، اور ان لوگوں کو ان نئے اَحکام پر عمل کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مختلف پیغمبروں کو الگ الگ شریعتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تو ہے ہی کہ ہر زمانے کے تقاضے الگ ہوتے ہیں، لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ یا کوئی ایک قانون اپنی ذات میں کوئی تقدس نہیں رکھتا، اس میں جو کچھ تقدس پیدا ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ جو حکم دے دیں وہی اس زمانے میں تقدس کا حامل ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ ایک طریقے کے عادی ہو جاتے ہیں، وہ اسی کو ذاتی طور پر مقدس سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جب کوئی نیا پیغمبر نئی شریعت لے کر آتا ہے تو ان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ پرانے طریقے کو ذاتی طور پر مقدس سمجھ کر نئے طریقے کا انکار کر بیٹھتے ہیں یا اللہ کے حکم کو اصل تقدس کا حامل سمجھ کر نئے حکم کو دِل و جان سے تسلیم کرتے ہیں۔ آگے جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "لیکن (تمہیں الگ شریعتیں اِس لئے دِیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے" اس کا یہی مطلب ہے۔

(۴۱) یہ حکم اس صورت میں ہے جب غیر مسلم لوگ اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں جن کو فقہی اِصطلاح میں "ذمّی" کہا جاتا ہے، یا اس صورت میں جب وہ اپنی رضامندی سے اپنا فیصلہ مسلمان قاضی سے کروانا چاہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان قاضی عام ملکی قوانین میں فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گا۔ البتہ ان کے خالص مذہبی معاملات مثلاً عبادات، نکاح، طلاق اور وراثت میں انہیں اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ مگر یہ فیصلہ انہی کے افراد کریں گے۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ‌ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ‌ ‌ؔ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۱﴾

وقف لازم — وقف غفران

اس پر اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔(۴۲) اور ان لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں ﴿۴۹﴾ بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لئے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ ﴿۵۰﴾

اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ۔(۴۳) یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۵۱﴾

---

(۴۲) ''بعض گناہ'' اس لئے فرمایا کہ تمام گناہوں کی سزا تو آخرت میں ملنی ہے۔ البتہ اللہ اور رسول کے فیصلے سے منہ موڑنے کی سزا ان کو دُنیا میں بھی ملنے والی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان کی عہد شکنی اور سازشوں کے نتیجے میں ان کو جلاوطنی اور قتل کی سزائیں دُنیا ہی میں مل گئیں۔

(۴۳) اس آیت کی تشریح اور غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ

چنانچہ جن لوگوں کے دِلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر اُن میں گھستے ہیں، کہتے ہیں: "ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آپڑے گا"[۴۴] (لیکن) کچھ بعید نہیں کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کردے،[۴۵] اور اُس وقت یہ لوگ اُس بات پر پچھتائیں جو انہوں نے اپنے دِلوں میں چھپا رکھی تھی ﴿۵۲﴾

اور (اس وقت) ایمان والے (ایک دوسرے سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بڑے زور وشور سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوگئے، اور وہ نامراد ہوکر رہے ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دِین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے،

(۴۴) یہ منافقین کا ذکر ہے جو یہود ونصاریٰ سے ہر وقت گھلے ملے رہتے اور ان کی سازشوں میں شریک رہتے تھے، اور جب اُن پر اعتراض ہوتا تو وہ جواب دیتے کہ اگر ہم ان سے تعلقات نہ رکھیں گے تو ان کی طرف سے ہمیں تنگ کیا جائے گا اور ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہوسکتے ہیں۔ اور ان کے دِل میں یہ نیت ہوتی تھی کہ کسی وقت مسلمان ان کے ہاتھوں مغلوب ہوجائیں گے تو ہمیں بالآخر انہی سے واسطہ پڑے گا۔

(۴۵) "کوئی اور بات ظاہر کرنے" سے مراد غالباً یہ ہے کہ ان کے پول وحی کے ذریعے کھول دیئے جائیں اور ان کی رُسوائی ہو۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿٥٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

ع ٨ ١٢

اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے ﴿۵۴﴾ (مسلمانو!) تمہارے یار و مددگار تو اللہ، اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دِل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہوتے ہیں ﴿۵۵﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور اِیمان والوں کو دوست بنائے تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ ﴿۵۶﴾

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دِین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور کافروں کو یار و مددگار نہ بناؤ، اور اگر تم واقعی صاحبِ ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ﴿۵۷﴾ اور جب تم نماز کے لئے (لوگوں کو) پکارتے ہو تو وہ اس (پکار) کو مذاق اور کھیل کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ سب (حرکتیں) اس وجہ سے ہیں کہ ان لوگوں کو عقل نہیں ہے۔ ﴿۵۸﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

تم (ان سے) کہو کہ: "اے اہلِ کتاب! تمہیں اس کے سوا ہماری کونسی بات بُری لگتی ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کلام ہم پر اُتارا گیا اُس پر اور جو پہلے اُتارا گیا تھا اُس پر اِیمان لے آئے ہیں، جبکہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں؟" ﴿۵۹﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ (جس بات کو تم برا سمجھ رہے ہو) اس سے زیادہ برے انجام والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈالی، جن پر اپنا غضب نازل کیا، جن میں سے لوگوں کو بندر اور سور بنایا، اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی! وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھی بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔" ﴿۶۰﴾

اور جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لے آئے ہیں" حالانکہ یہ کفر لے کر ہی آئے تھے، اور اسی کفر کو لے کر باہر نکلے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے رہے ہیں ﴿۶۱﴾ اور ان میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور حرام خوری میں لپک لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو حرکتیں یہ کرتے ہیں وہ نہایت بری ہیں ﴿۶۲﴾

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

وقف لازم

ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام کھانے سے آخر کیوں منع نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل نہایت برا ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ "اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں"(۴۶) ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں، اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتا ہے،(۴۷) اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۶۴﴾

(۴۶) جب مدینہ منورہ کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کے طور پر کچھ عرصے کے لئے معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ وہ ہوش میں آتے، ان کے بعض سرداروں نے یہ گستاخانہ جملہ کہا۔ "ہاتھ کا بندھا ہونا" عربی میں بخل اور کنجوسی کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا مطلب یہ تھا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے۔ حالانکہ بخل کی صفت تو خود ان کی مشہور و معروف تھی، اس لئے فرمایا گیا کہ "ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں"۔

(۴۷) یہ یہودیوں کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر کرتے رہتے

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

ع ۱۰ / ۹ / ۱۳

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں معاف کردیتے، اور انہیں ضرور آرام وراحت کے باغات میں داخل کرتے ﴿۶۵﴾ اور اگر وہ تورات اور اِنجیل اور جو کتاب (اب) ان کے پاس ان کے رَبّ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتے تو وہ اپنے اُوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے۔ (اگرچہ) ان میں ایک جماعت راہِ راست پر چلنے والی بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں کہ ان کے اعمال خراب ہیں ﴿۶۶﴾ اے رسول! جو کچھ تمہارے رَبّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۶۷﴾

تھے۔ اگرچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن درپردہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو اور وہ اس میں شکست کھائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر موقع پر ان کی سازش کو ناکام بنادیتے تھے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾

کہہ دو کہ: ''اے اہلِ کتاب! جب تک تم تورات اور اِنجیل پر اور جو (کتاب) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (اب) بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی نہیں کرو گے، تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہوگی جس پر تم کھڑے ہوسکو۔'' اور (اے رسول!) جو وحی اپنے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کرکے رہے گی، لہٰذا تم ان کافر لوگوں پر افسوس مت کرنا ﴿٦٨﴾ حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی یا نصرانی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔(۴۸) ﴿٦٩﴾

ہم نے بنو اِسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ان کے پاس رسول بھیجے تھے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسی بات لے کر آتا جس کو اُن کا دِل نہیں چاہتا تھا تو کچھ (رسولوں) کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ کو قتل کرتے رہے ﴿٧٠﴾

---

(۴۸) یہی مضمون سورۂ بقرہ کی آیت ٦٢ (٢:٦٢) میں گذرا ہے۔ اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

وقف لازم

اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، اس لئے اندھے بہرے بن گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو ان میں سے بہت سے پھر اندھے بہرے بن گئے، اور اللہ ان کے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۷۱﴾ وہ لوگ یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ''اللہ مسیح ابنِ مریم ہی ہے'' حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ ''اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کردی ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جو لوگ (یہ) ظلم کرتے ہیں، ان کو کسی قسم کے یار و مددگار میسر نہیں آئیں گے'' ﴿۷۲﴾ وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: ''اللہ تین میں کا تیسرا ہے''(۴۹) حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے (ایسے) کفر کا ارتکاب کیا ہے، ان کو دردناک عذاب پکڑ کر رہے گا ﴿۷۳﴾

(۴۹) یہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرف اشارہ ہے۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تین اقانیم (Persons) کا مجموعہ ہے، ایک باپ (یعنی اللہ)، ایک بیٹا (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) اور ایک روح

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ ع ۱۱/۱۴

کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لئے اللہ کی طرف رُجوع نہیں کریں گے، اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے! ﴿۷۴﴾ مسیح ابنِ مریم تو ایک رسول تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گذر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔(۵۰) دیکھو! ہم ان کے سامنے کس طرح کھول کھول کر نشانیاں واضح کررہے ہیں! پھر یہ بھی دیکھو کہ ان کو اوندھے منہ کہاں لے جایا جارہا ہے!(۵۱) ﴿۷۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "کیا تم اللہ کے سوا ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتی ہے، اور نہ فائدہ پہنچانے کی،(۵۲) جبکہ اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے؟" ﴿۷۶﴾ (اور ان سے یہ بھی کہو کہ:) "اے اہلِ کتاب! اپنے دِین میں ناحق غلو نہ کرو،(۵۳) اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ﴿۷۷﴾

القدس۔ اور بعض فرقے اس بات کے بھی قائل تھے کہ تیسری حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر ایک ہیں۔ یہ تینوں مل کر ایک کس طرح ہیں؟ اس معمے کا کوئی معقول جواب کسی کے پاس نہیں ہے، اس لئے ان کے متکلمین (Theologians) نے اس عقیدے کی مختلف تعبیریں اختیار کی ہیں۔

بعض نے تو یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف خدا تھے، انسان نہیں تھے۔ آیت نمبر ۷۲ میں ان کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ خدا جن تین اقانیم کا مجموعہ ہے، ان میں سے ایک باپ یعنی اللہ ہے، اور دوسرا بیٹا ہے جو اللہ ہی کی ایک صفت تھی جو انسانی وجود میں حلول کرکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آگئی تھی، لہٰذا وہ انسان بھی تھے، اور اپنی اصل کے اعتبار سے خدا بھی تھے۔ آیت نمبر ۷۳ میں اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ عیسائیوں کے ان عقائد کی تفصیل اور ان کی تردید کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟''۔

(۵۰) ''صدیقہ'' صدیق کا مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''بہت سچا'' یا ''راست باز''۔ اصطلاح میں صدیق عام طور سے ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی پیغمبر کا افضل ترین متبع ہوتا ہے، اور نبوت کے بعد یہ سب سے اُونچا مرتبہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے بارے میں یہاں قرآنِ کریم نے یہ حقیقت جتلائی ہے کہ وہ کھانا کھاتے تھے، کیونکہ تنہا یہ حقیقت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں تھے۔ ایک معمولی سمجھ کا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خدا تو وہی ذات ہوسکتی ہے جو ہر قسم کی بشری حاجتوں سے بے نیاز ہو۔ اگر خدا بھی کھانا کھانے کا محتاج ہو تو وہ خدا کیا ہوا؟

(۵۱) قرآنِ کریم نے یہاں مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے، اس لئے ترجمہ یہ نہیں کیا گیا کہ ''وہ اوندھے منہ کہاں جارہے ہیں؟'' بلکہ ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ: ''انہیں اوندھے منہ کہاں لیجایا جارہا ہے؟'' اور بظاہر مجہول کا یہ صیغہ استعمال کرنے سے اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ ان کی نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات ہیں جو انہیں اُلٹا لے جارہے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۲) حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، لیکن کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی ذاتی صلاحیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے پہنچا سکتے ہیں۔

(۵۳) ''غلو'' کا مطلب ہے کسی کام میں اس کی معقول حدود سے آگے بڑھ جانا۔ عیسائیوں کا غلو یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ انہیں خدا قرار دے دیا، اور یہودیوں کا غلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کا جو اِظہار کیا تھا اس کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے کہ دُنیا کے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر بس وہی اللہ کے چہیتے ہیں، اور اس وجہ سے وہ جو چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہیں ہوگا، نیز ان میں سے بعض نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا تھا۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی۔[٥٤] یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گذر جایا کرتے تھے ﴿٧٨﴾ وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرزِ عمل نہایت بُرا تھا ﴿٧٩﴾ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا دوست بنایا ہوا ہے۔[٥٥] یقیناً جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت بُرا ہے، کیونکہ (ان کی وجہ سے) اللہ ان سے ناراض ہوگیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ﴿٨٠﴾ اگر یہ لوگ اللہ پر اور نبی پر اور جو کلام ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھتے تو ان (بت پرستوں) کو دوست نہ بناتے، لیکن (بات یہ ہے کہ) ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو نافرمان ہیں ﴿٨١﴾

---

(٥٤) یعنی اس لعنت کا ذکر زبور میں بھی تھا جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور انجیل میں بھی تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔

(٥٥) یہ ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے، اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ بھی کیا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے درپردہ مشرکین مکہ سے دوستیاں گانٹھی ہوئی تھیں، اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ بلکہ ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ان سے یہ تک کہہ دیتے تھے کہ ان کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

تم یہ بات ضرور محسوس کرلو گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دُشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں۔ اور تم یہ بات بھی ضرور محسوس کرلو گے کہ (غیر مسلموں میں) مسلمانوں سے دوستی میں قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نصرانی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں،(۵۶) نیز یہ وجہ بھی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ﴿۸۲﴾

(۵۶) مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں چونکہ بہت سے لوگ دُنیا کی محبت سے خالی ہیں، اس لئے ان میں قبولِ حق کا مادّہ بھی زیادہ ہے، اور کم از کم انہیں مسلمانوں سے اتنی سخت دُشمنی نہیں ہے، کیونکہ دُنیا کی محبت وہ چیز ہے جو اِنسان کو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ اس کے برعکس یہودیوں اور مشرکینِ مکہ پر دُنیا پرستی غالب ہے، اس لئے وہ سچے طالبِ حق کا طرزِ عمل اختیار نہیں کرپاتے۔ عیسائیوں کے نسبۃً نرم دِل ہونے کی دوسری وجہ قرآنِ کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، کیونکہ انسان کی اَنا بھی اکثر حق کو قبول کرنے میں رُکاوٹ بن جاتی ہے۔ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے محبت میں قریب تر فرمایا گیا ہے اسی کا ایک اثر یہ تھا کہ جب مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پناہ لی، اور نہ صرف نجاشی، بلکہ اس کی رعایا نے بھی ان کے ساتھ بڑے اعزاز واکرام کا معاملہ کیا۔ بلکہ جب مشرکینِ مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ جن مسلمانوں نے اس کے ملک میں پناہ لی ہے انہیں اپنے ملک سے نکال کر واپس مکہ مکرمہ بھیج دے، تاکہ مشرکین ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بناسکیں تو نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے ان کا موقف سنا اور مشرکینِ مکہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کردیا، اور جو تحفے انہوں نے بھیجے تھے وہ بھی واپس کردیئے۔ لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور جب یہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو چونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہوتا ہے، اس لئے تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ وہ آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں،(۵۷) (اور) وہ کہہ رہے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا نام بھی لکھ لیجئے ﴿۸۳﴾ اور ہم اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آگیا ہے اس پر آخر کیوں ایمان نہ لائیں، اور پھر یہ توقع بھی رکھیں کہ ہمارا ربّ ہمیں نیک لوگوں میں شمار کرے گا؟" ﴿۸۴﴾

ہے، یہ ان عیسائیوں کی اکثریت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دُنیا کی محبت سے دُور ہوں، اور ان میں تکبر نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانے کے عیسائیوں کا یہی حال ہے، چنانچہ تاریخ میں ایسی بھی بہت مثالیں ہیں جن میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدترین معاملہ کیا۔

(۵۷) جب مسلمانوں کو حبشہ سے نکالنے کا مطالبہ لے کر مشرکینِ مکہ کا وفد نجاشی کے پاس آیا تھا تو اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر ان کا موقف سنا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر ابنِ ابی طالبؓ نے اس کے دربار میں بڑی مؤثر تقریر کی تھی جس سے نجاشی کے دِل میں مسلمانوں کی عظمت اور محبت بڑھ گئی، اور اسے اندازہ ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی آخری نبی ہیں جن کی پیشینگوئی تورات اور اِنجیل میں کی گئی تھی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو نجاشی نے اپنے علماء اور راہبوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی جسے سن کر ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور انہوں نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چنانچہ یہ سب لوگ مسلمان ہوگئے، اور

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

چنانچہ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ ان کو وہ باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی نیکی کرنے والوں کا صلہ ہے ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، وہ دوزخ والے لوگ ہیں ﴿۸۶﴾

اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۵۸) ﴿۸۷﴾ اور اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور جس اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے ڈرتے رہو ﴿۸۸﴾

جب یہ واپس حبشہ گئے تو نجاشی نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان آیات میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۸) جس طرح حرام چیزوں کو حلال سمجھنا گناہ ہے، اسی طرح جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے۔ مشرکین مکہ اور یہودیوں نے ایسی بہت سی چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ اَنعام میں آئے گی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا،[۵۹] لیکن جو قسمیں تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں،[۶۰] ان پر تمہاری پکڑ کرے گا۔ چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو۔ ہاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔[۶۱] اسی طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے واضح کرتا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۸۹﴾

(۵۹) "لغو" قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض محاورے اور تکیۂ کلام کے طور پر کھالی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔ اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے، اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ بلا ضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

(۶۰) اس سے مراد وہ قسم ہے جس میں آئندہ زمانے میں کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہو۔ ایسی قسم کو توڑنا عام حالات میں بڑا گناہ ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی قسم توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی واجب ہے جس کی تفصیل آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک تیسری قسم کی قسم وہ ہے جس میں ماضی کے کسی واقعے پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا گیا ہو، اور مخاطب کو یقین دِلانے کے لئے قسم کھالی گئی ہو۔ ایسی قسم سخت گناہ ہے، مگر دُنیا میں اس کا کوئی کفارہ سوائے توبہ اور اِستغفار کے کچھ نہیں ہوتا۔

(۶۱) مطلب یہ ہے کہ قسم کھالینا کوئی مذاق نہیں ہے، اس لئے اوّل تو قسمیں کم سے کم کھانی چاہئیں، اور اگر کوئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوے کے تیر،[۶۲] یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۹۰﴾ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان دُشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟ ﴿۹۱﴾ اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔ اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کردیں ﴿۹۲﴾

قسم کھالی ہو تو حتی الامکان اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے کوئی ناجائز کام کرنے کی قسم کھالی ہو تو اس پر واجب ہے کہ قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اسی طرح اگر کسی جائز کام کی قسم کھائی، مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کام مصلحت کے خلاف ہے، تب بھی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ایسی قسم کو توڑ دینا چاہئے، اور کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۶۲) بتوں کے تھان سے مراد وہ قربان گاہ ہے جو بتوں کے سامنے بنادی جاتی تھی، اور لوگ بتوں کے نام پر وہاں جانور وغیرہ قربان کیا کرتے تھے۔ اور جوے کے تیروں کی تشریح اسی سورت کے شروع میں آیت نمبر ۳ کے تحت حاشیہ نمبر ۶ میں گذر چکی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

جولوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کار بند رہے ہیں، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے،(۶۳) بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں، اور اس کے بعد بھی تقویٰ اور احسان کو اپنائیں۔(۶۴) اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے کچھ جانوروں کے ذریعے ضرور آزمائے گا جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی زد میں آجائیں گے،(۶۵) تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ہے جو اسے دیکھے بغیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے گا، وہ دردناک سزا کا مستحق ہوگا ﴿۹۴﴾

(۶۳) جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو شراب حرمت کا حکم آنے سے پہلے پی گئی ہے، کہیں وہ ہمارے لئے گناہ کا سبب نہ بنے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دُور کردی، اور یہ بتادیا کہ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جنہوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔

(۶۴) احسان کے لغوی معنی ہیں "اچھائی کرنا"۔ اس طرح یہ لفظ ہر نیکی کو شامل ہے، لیکن ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس تصوّر کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا دھیان رکھے۔

(۶۵) جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، جب کوئی شخص حج یا عمرے کا اِحرام باندھ لے تو اس کے لئے خشکی کے

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

اے ایمان والو! جب تم اِحرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی اسے جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا (جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ) جو جانور اس نے قتل کیا ہے، اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کو جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانت دار تجربہ کار آدمی کریں گے، کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے، یا (اس کی قیمت کا) کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا کیا جائے، یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں،(٦٦) تاکہ وہ شخص اپنے کیے کا بدلہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا، اور جو شخص دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ اقتدار اور انتقام کا مالک ہے ﴿٩٥﴾

جانوروں کا شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ عرب کے صحراؤں میں کسی شکار کا مل جانا مسافروں کے لئے ایک نعمت تھی۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اِحرام باندھنے والوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ جانوروں کو ان کے اتنا قریب بھیج دے گا کہ وہ ان کے نیزوں کی زد میں ہوں گے۔ اس طرح ان کا امتحان لیا جائے گا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس نعمت سے پرہیز کرتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے ایمان کا اصل امتحان اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا دِل کسی ناجائز کام کے لئے مچل رہا ہو، اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس ناجائز کام سے باز آجائے۔

(٦٦) اگر کوئی شخص اِحرام کی حالت میں شکار کرنے کا گناہ کرلے تو اس کا کفارہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا ہے، اگر وہ جانور حلال ہو تو اسی علاقے کے دو تجربہ کار، دِین دار آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر چوپایوں یعنی گائے، بیل، بکری وغیرہ میں سے اس قیمت کے کسی جانور کی قربانی حرم میں کردی جائے، یا اس کی قیمت فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ اور اگر کسی ایسے جانور کا

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اُٹھانے کا ذریعہ بنے، لیکن جب تک تم حالتِ اِحرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا ﴿۹۶﴾ اللہ نے کعبے کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیامِ امن کا ذریعہ بنا دیا ہے، نیز حرمت والے مہینے، نذرانے کے جانوروں اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے پٹوں کو بھی (امن کا ذریعہ بنایا ہے)،(۶۷) یہ سب اس لئے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے، اور اللہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۹۷﴾ یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں سخت ہے، اور یہ بھی کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۸﴾

شکار کیا تھا جو حلال نہیں ہے، مثلاً بھیڑیا، تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کو مالی اعتبار سے قربانی دینے یا قیمت فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ روزے رکھے۔ روزوں کا حساب اس طرح ہوگا کہ اُس جانور کی جو قیمت بنی تھی، اس میں سے پونے دو سیر گندم کی قیمت کے برابر ایک روزہ سمجھا جائے گا۔ آیت کی یہ تشریح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک "اُس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور" کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شکار کئے ہوئے جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر اس قیمت کا کوئی چوپایہ حرم میں ذبح کیا جائے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔

(۶۷) کعبہ شریف اور حرمت والے مہینے کا باعثِ امن ہونا تو ظاہر ہے کہ اس میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اس کے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

رسول پر سوائے تبلیغ کرنے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کھلے بندوں کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے ﴿۹۹﴾ (اے رسول! لوگوں سے) کہہ دو کہ ناپاک اور پاکیزہ چیزیں برابر نہیں ہوتیں، چاہے تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو۔(۶۸) لہٰذا اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۱۰۰﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے جب قرآن نازل کیا جارہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔(۶۹) (البتہ) اللہ نے پچھلی باتیں معاف کردی ہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۰۱﴾ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، پھر ان (کے جو جوابات دیئے گئے ان) سے منکر ہوگئے۔(۷۰) ﴿۱۰۲﴾

علاوہ جو جانور نذرانے کے طور پر حرم لے جائے جاتے تھے، ان کے گلے میں پٹے ڈال دیئے جاتے تھے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور حرم جارہے ہیں۔ چنانچہ کافر، مشرک، ڈاکو بھی ان کو چھیڑتے نہیں تھے۔ کعبے کے قیامِ امن کا باعث ہونے کے ایک معنیٰ کچھ مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ جب تک کعبہ شریف قائم رہے گا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت اس وقت آئے گی جب اسے اُٹھالیا جائے گا۔

(۶۸) اس آیت نے بتادیا ہے کہ دُنیا میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی ناپاک یا حرام چیز کا رواج اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ وقت کا فیشن قرار پاجاتا ہے، اور فیشن پرست لوگ اسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ صرف کسی چیز کے عام رواج کی وجہ سے اسے اختیار نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایات کی روشنی میں وہ جائز یا پاک ہے یا نہیں۔

(۶۹) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو جن باتوں کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو، ان کی کھوج میں پڑنا فضول ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات کوئی حکم مجمل طریقے سے آتا ہے۔ اگر اس حکم پر اسی اجمال کے ساتھ عمل کرلیا جائے تو کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں مزید تفصیل کرنی ہوتی تو وہ خود قرآنِ کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے کردیتا۔ اب اس میں بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر نزولِ قرآن کے زمانے میں اس کا کوئی سخت جواب آجائے تو خود تمہارے لئے مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حج کا حکم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا تو ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، یا ہر سال کرنا فرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ حکم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود یہ صراحت نہ کی جائے کہ اس پر بار بار عمل کرنا ہوگا (جیسے نماز روزے اور زکوٰۃ میں یہ صراحت موجود ہے) اس وقت تک اس پر صرف ایک بار عمل کرنے سے حکم کی تعمیل ہوجاتی ہے، اس لئے اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے صحابی سے فرمایا کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو واقعی پوری اُمت پر وہ ہر سال فرض ہوجاتا۔

(۷۰) اس سے غالباً یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے اَحکام میں اسی قسم کی بال کی کھال نکالتے تھے، اَور جب ان کے اس عمل کے نتیجے میں ان پر پابندیاں بڑھتی تھیں تو انہیں پورا کرنے سے عاجز ہوجاتے، اور بعض اوقات ان کی تعمیل سے صاف انکار بھی کر بیٹھتے تھے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی،[۷۱] لیکن جن لوگوں نے کفر اپنایا ہوا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگوں کو صحیح سمجھ نہیں ہے ﴿۱۰۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ: "ہم نے جس (دین پر) اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، ہمارے لئے وہی کافی ہے۔" بھلا اگر ان کے باپ دادے ایسے ہوں کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟) ﴿۱۰۴﴾ اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔[۷۲] اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو ﴿۱۰۵﴾

(۷۱) یہ مختلف قسم کے نام ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے مشرکین نے رکھے ہوئے تھے۔ بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کے کان چیر کر اس کا دُودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا۔ سائبہ وہ جانور تھا جو بتوں کے نام کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ وصیلہ اس اُونٹنی کو کہتے تھے جو لگاتار مادہ بچے جنے، بیچ میں کوئی نر نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حامی وہ نر اُونٹ ہوتا تھا جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہو۔ اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

(۷۲) کفار کی جو گمراہیاں پیچھے بیان ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے مسلمانوں کو صدمہ ہوتا تھا کہ اپنی ان گمراہیوں کے خلاف واضح دلائل آجانے کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بار بار سمجھانے کے باوجود یہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا شَهَادَةُ بَيۡنِكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ حِيۡنَ الۡوَصِيَّةِ
اثۡنٰنِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ اَوۡ اٰخَرٰنِ مِنۡ غَيۡرِكُمۡ اِنۡ اَنۡتُمۡ ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ
فَاَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ
ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِىۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى‌ۙ وَلَا نَكۡتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
الۡاٰثِمِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ
الَّذِيۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ ‌ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اے ایمان والو! (۷۳) جب تم میں سے کوئی مرنے کے قریب ہو تو وصیت کرتے وقت آپس کے معاملات طے کرنے کے لئے گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے دو دیانت دار آدمی ہوں (جو تمہاری وصیت کے گواہ بنیں) یا اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو، اور وہیں تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیروں (یعنی غیر مسلموں) میں سے دو شخص ہو جائیں۔ پھر اگر تمہیں کوئی شک پڑ جائے تو ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک سکتے ہو، اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی مالی فائدہ لینا نہیں چاہتے، چاہے معاملہ ہمارے کسی رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ نے ہم پر جس گواہی کی ذمہ داری ڈالی ہے، اس کو ہم نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۶﴾ پھر بعد میں اگر یہ پتہ چلے کہ انہوں نے (جھوٹ بول کر) اپنے اُوپر گناہ کا بوجھ اُٹھا لیا ہے تو اُن لوگوں میں سے دو آدمی اِن کی جگہ (گواہی کے لئے) کھڑے ہو جائیں جن کے خلاف اِن پہلے دو آدمیوں نے گناہ اپنے سر لیا تھا، (۷۴) اور وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان پہلے دو آدمیوں کی گواہی کے مقابلے میں زیادہ سچی ہے، اور ہم نے (اس گواہی میں) کوئی زیادتی نہیں کی ہے، ورنہ ہم ظالموں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۷﴾

لوگ اپنی گمراہیوں پر جمے ہوئے ہیں۔ اس آیت نے ان حضرات کو تسلی دی ہے کہ تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد

تمہیں ان کی گمراہیوں پر زیادہ صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور اب زیادہ فکر خود اپنی اصلاح کی کرنی چاہئے۔ لیکن جس بلیغ انداز میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اس میں ایک تو ان لوگوں کے لئے ہدایت کا بڑا سامان ہے جو ہر وقت دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کے عیب تلاش کرنے میں تو بڑے شوق سے مشغول رہتے ہیں، مگر خود اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی زحمت نہیں اُٹھاتے۔ ان کو دوسروں کا تو چھوٹے سے چھوٹا عیب آسانی سے نظر آجاتا ہے، مگر خود اپنی بڑی سے بڑی برائی کا احساس نہیں ہوتا۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر بالفرض تمہاری تنقید صحیح بھی ہو، اور دوسرے لوگ گمراہ بھی ہوں تب بھی تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس لئے اپنی فکر کرو، اور دوسروں پر تنقید کی فکر میں نہ پڑو۔ اس کے علاوہ جب معاشرے میں بدعملی کا چلن عام ہوجائے، تو اس وقت اصلاح کی طرف لوٹنے کا بھی بہترین نسخہ یہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے طرزِ عمل کو دیکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔ جب افراد میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوگی تو چراغ سے چراغ جلے گا، اور رفتہ رفتہ معاشرہ بھی اصلاح کی طرف لوٹے گا۔

(۷۳) یہ آیات ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جس کا نام بُدیل تھا، تجارت کی غرض سے اپنے دو عیسائی ساتھیوں تمیم اور عدی کے ساتھ شام گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ بیمار ہوگیا، اور اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ بچ نہیں سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے دو ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے وارثوں کو پہنچادینا۔ ساتھ ہی اس نے یہ ہوشیاری کی کہ سارے سامان کی ایک فہرست بنا کر خفیہ طور سے اسی سامان کے اندر چھپادی۔ عیسائی ساتھیوں کو فہرست کا پتہ نہ چل سکا۔ انہوں نے سامان وارثوں کو پہنچایا، مگر اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سونے کا ملمع چڑھا ہوا تھا، اور جس کی قیمت ایک ہزار درہم بتائی گئی ہے، وہ نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ جب وارثوں کو بدیل کی بنائی ہوئی فہرست سامان میں سے ہاتھ لگی تو ان کو اس پیالے کا پتہ چلا، اور انہوں نے تمیم اور عدی سے مطالبہ کیا، انہوں نے صاف قسم کھالی کہ ہم نے سامان میں سے کوئی چیز نہ لی ہے، نہ چھپائی ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد بُدیل کے وارثوں کو پتہ چلا کہ وہ پیالہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک سنار کو فروخت کیا ہے۔ اس پر تمیم اور عدی نے اپنا موقف بدلا اور کہا کہ دراصل یہ پیالہ ہم نے بُدیل سے خرید لیا تھا، اور چونکہ خریداری کا کوئی گواہ ہمارے پاس نہیں تھا اس لئے ہم نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ وہ خریداری کے مدعی تھے، اور مدعی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ گواہ پیش کرے، اور یہ پیش نہ کرسکے تو قاعدے کے مطابق وارثوں میں سے بدیل کے قریب ترین دو عزیزوں نے قسم کھائی کہ پیالہ بدیل کی ملکیت تھا، اور یہ عیسائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ کردیا اور عیسائیوں کو پیالے کی قیمت دینی پڑی۔ یہ فیصلہ اسی آیت کریمہ کی روشنی میں ہوا جس میں اس قسم کی صورتِ حال کے لئے ایک عام حکم بھی بتادیا گیا۔

(۷۴) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ تفسیر پر مبنی ہے جس کی رو سے ''الاولیان'' سے مراد پہلے دو

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۟۠ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

اس طریقے میں اس بات کی زیادہ اُمید ہے کہ لوگ (شروع ہی میں) ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا اس بات سے ڈریں کہ (جھوٹی گواہی کی صورت میں) ان کی قسموں کے بعد لوٹا کر دوسری قسمیں لی جائیں گی (جو ہماری تردید کردیں گی)۔ اور اللہ سے ڈرو، اور (جو کچھ اس کی طرف سے کہا گیا ہے اسے قبول کرنے کی نیت سے) سنو۔ اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۱۰۸﴾ وہ دن یاد کرو جب اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا، اور کہے گا کہ "تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟" وہ کہیں گے کہ "ہمیں کچھ علم نہیں، پوشیدہ باتوں کا تمام تر علم تو آپ ہی کے پاس ہے" (۷۵) ﴿۱۰۹﴾

گواہ ہیں جنہوں نے خیانت کی تھی۔ وهذا التفسير أولى حسب قراءة "إستحق" على البناء للفاعل كما هو قراءة حفص، بالنظر الى إعراب الآية. أما التفسير الذى جعل "الأوليان" صفة للورثة، فوجهه فى الإعراب خفى جدا، لأنه لا يظهر فيها فاعل "إستحق" إلا بتكلف، وراجع روح المعانى والبحر المحيط والتفسير الكبير. نعم يظهر ذلك التفسير فى قراءة "استحق" على البناء للمفعول.

(۷۵) قرآنِ کریم کا یہ خاص طریقہ ہے کہ جب وہ اپنے اَحکام بیان فرماتا ہے تو اس کے ساتھ آخرت کا کوئی ذکر یا پچھلی اُمتوں کی فرماں برداری یا نافرمانی کا بھی ذکر فرماتا ہے، تاکہ ان اَحکام پر عمل کرنے کے لئے آخرت کی فکر پیدا ہو، چنانچہ وصیت کے مذکورہ بالا اَحکام کے بعد اب آخرت کے کچھ مناظر بیان فرمائے گئے ہیں، اور چونکہ کچھ پہلے عیسائیوں کے غلط عقائد کا تذکرہ تھا، اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آخرت میں جو مکالمہ ہوگا اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور شروع کی اس آیت میں تمام پیغمبروں سے اس سوال کا ذکر ہے کہ ان کی اُمتوں نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ اس کے جواب میں انہوں نے اپنی لاعلمی کا جو اِظہار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں تو لوگوں کے ظاہری بیانات پر ہی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے، لہٰذا جس کسی نے ایمان کا دعویٰ کیا ہم نے اسے معتبر سمجھ لیا، لیکن یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا کہ اس کے دِل میں کیا ہے؟

اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا ۚ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیٴُ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡکَ اِذۡ جِئۡتَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾

(یہ واقعہ اس دن ہوگا) جب اللہ کہے گا: ''اے عیسیٰ ابنِ مریم! میرا اِنعام یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا تھا، جب میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری مدد کی تھی۔[۷۶] تم لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرتے تھے، اور بڑی عمر میں بھی۔ اور جب میں نے تمہیں کتاب وحکمت اور تورات و اِنجیل کی تعلیم دی تھی، اور جب تم میرے حکم سے گارا لے کر اس سے پرندے کی جیسی شکل بناتے تھے، پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے (سچ مچ کا) پرندہ بن جاتا تھا، اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کردیتے تھے، اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو (زندہ) نکال کھڑا کرتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو اُس وقت تم سے دُور رکھا جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، اور ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔'' ﴿۱۱۰﴾

آج جبکہ فیصلہ دِلوں کے حال کے مطابق ہونے والا ہے، ہم یقین کے ساتھ کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دِلوں کا پوشیدہ حال تو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ البتہ جب لوگوں کے ظاہری رَدِّعمل ہی کے بارے میں انبیائے کرام سے گواہی لی جائے گی تو وہ ان کے ظاہری اعمال کی گواہی دیں گے، جس کا ذکر سورۂ نساء (۴:۴۱) اور سورۂ نحل (۱۶:۸۹) وغیرہ میں آیا ہے۔

(۷۶) تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ (۲:۸۷)۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

جب میں نے حواریوں کے دِل میں یہ بات ڈالی کہ: ''تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ'' تو انہوں نے کہا: ''ہم ایمان لے آئے، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔'' ﴿١١١﴾

(اوران کے اس واقعے کا بھی ذکر سنو) جب حواریوں نے کہا تھا کہ: ''اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا آپ کا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) ایک خوان اُتارے؟'' عیسیٰ نے کہا: ''اللہ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو۔''(۷۷) ﴿١١٢﴾ انہوں نے کہا: ''ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں، اور اس کے ذریعے ہمارے دِل پوری طرح مطمئن ہوجائیں، اور ہمیں (پہلے سے زیادہ یقین کے ساتھ) یہ معلوم ہوجائے کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں شامل ہوجائیں۔'' ﴿١١٣﴾ (چنانچہ) عیسیٰ ابنِ مریم نے درخواست کی کہ: ''یا اللہ! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار دیجئے جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک خوشی کا موقع بن جائے، اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں یہ نعمت عطا فرما ہی دیجئے، اور آپ سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔'' ﴿١١٤﴾

(۷۷) یعنی ایک مؤمن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معجزات کی فرمائش کرے، کیونکہ ایسی فرمائشیں تو عام طور پر کافر لوگ کرتے رہے ہیں۔ البتہ جب انہوں نے یہ وضاحت کی کہ خدانخواستہ اس فرمائش کا منشا ایمان کا فقدان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر مکمل اطمینان کا حصول اور ادائے شکر ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمادی۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ ق بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

۱۵ ع ۷ ۵ — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ نے کہا کہ: ''میں بیشک تم پر وہ خوان اُتار دُوں گا، لیکن اس کے بعد تم میں سے جو شخص بھی کفر کرے گا اس کو میں ایسی سزا دُوں گا جو دُنیا جہان کے کسی بھی شخص کو نہیں دُوں گا۔''(۷۸) ﴿۱۱۵﴾ اور (اُس وقت کا بھی ذکر سنو) جب اللہ کہے گا کہ: ''اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟''(۷۹) وہ کہیں گے: ''ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہو جاتا۔ آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دِل میں پوشیدہ ہیں، اور میں آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا۔ یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے ﴿۱۱۶﴾

(۷۸) قرآنِ کریم نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ پھر وہ خوان آسمان سے اُترا یا نہیں۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا یہ قول مروی ہے کہ خوان اُترا تھا، پھر جن لوگوں نے نافرمانی کی وہ دُنیا ہی میں عذاب کے شکار ہوئے۔ (جامع ترمذی، کتاب التفسیر حدیث نمبر ۳۰۶۱) واللہ اعلم۔

(۷۹) عیسائیوں کے بعض فرقے تو حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث کا ایک حصہ قرار دے کر انہیں معبود مانتے تھے، اور دوسرے بعض فرقے اگرچہ انہیں تثلیث کا حصہ تو قرار نہیں دیتے تھے، لیکن جس طرح ان کی تصویر کلیساؤں میں آویزاں کر کے اس کی پرستش کی جاتی تھی وہ بھی ایک طرح سے ان کو خدائی میں شریک قرار دینے کے مرادف تھی۔ اس لئے یہ سوال کیا گیا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۶ ۵

میں نے اِن لوگوں سے اُس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ: "اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔" اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اُٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں ﴿۱۱۷﴾ اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں ہی، اور اگر آپ انہیں معاف فرمادیں تو یقیناً آپ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل" ﴿۱۱۸﴾ اللہ کہے گا کہ: "یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا۔ ان کے لئے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور یہ اُس سے خوش ہیں، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے" ﴿۱۱۹﴾ تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے اس سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۲۰﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۳ محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۶ء کو بروز منگل بوقت نمازِ عشاء سورۂ مائدہ کا ترجمہ اور حواشی مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الأنعَام

تعارف

یہ سورت چونکہ مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھی، اس لئے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے، اور ان عقائد پر جو اِعتراضات کفار کی طرف سے اُٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی طرف سے طرح طرح کے ظلم توڑے جارہے تھے، اس لئے ان کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ کفارِ مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کے نتیجے میں جن بے ہودہ رسموں اور بے بنیاد خیالات میں مبتلا تھے، ان کی تردید فرمائی گئی ہے۔ عربی زبان میں ''اَنعام'' چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقیدے رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، (دیکھئے آیات: ۶:۱۳۶ تا ۱۴۶) اس لئے اس کا نام سورۃ الانعام رکھا گیا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی تھی، لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

آیاتھا ۱۶۵ ۶ سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ۵۵ رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۳

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور اندھیریاں اور روشنی بنائی۔ پھر بھی جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر قرار دے رہے ہیں ﴿۱﴾ وہی ذات ہے جس نے تم کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، پھر (تمہاری زندگی کی) ایک میعاد مقرر کردی۔ اور (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک متعین میعاد اسی کے پاس ہے۔[1] پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو ﴿۲﴾ اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے بھید بھی جانتا ہے، اور کھلے ہوئے حالات بھی، اور جو کچھ کمائی تم کررہے ہو، اس سے بھی واقف ہے ﴿۳﴾

---

(۱) یعنی ایک میعاد تو ہر انسان کی انفرادی زندگی کی ہے کہ وہ کب تک جئے گا، شروع میں تو اس کا علم کسی کو نہیں ہوتا، مگر جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو ہر ایک کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کی عمر کتنی تھی۔ لیکن مرنے کے بعد جو دوسری زندگی آنے والی ہے، وہ کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾

اور (ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جب بھی کوئی نشانی آتی ہے، تو یہ لوگ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ﴿۴﴾ چنانچہ جب حق ان کے پاس آگیا تو ان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا۔ نتیجہ یہ کہ جس بات کا یہ مذاق اُڑاتے رہے ہیں، جلد ہی ان کو اس کی خبریں پہنچ جائیں گی۔[۲] ﴿۵﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں! ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں بھیجیں، اور ہم نے دریاؤں کو مقرر کر دیا کہ وہ ان کے نیچے بہتے رہیں۔ لیکن پھر ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کے بعد دوسری نسلیں پیدا کیں ﴿۶﴾ اور (ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب نازل کر دیتے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی، پھر یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے، تو جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ پھر بھی یہی کہتے کہ یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا کچھ نہیں ﴿۷﴾

---

(۲) کفار سے کہا گیا تھا کہ اگر انہوں نے ہٹ دھرمی کا رویہ جاری رکھا تو دُنیا میں بھی ان کا انجام برا ہوگا، اور آخرت میں بھی ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کفار ان باتوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ آیت ان کو متنبہ کر رہی ہے کہ جس بات کا وہ مذاق اُڑا رہے ہیں، عنقریب وہ ایک حقیقت بن کر ان کے سامنے آجائے گی۔

وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ ع

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟'' حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو سارا کام ہی تمام ہو جاتا،[۳] پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی ﴿۸﴾ اور اگر ہم فرشتے ہی کو پیغمبر بناتے، تب بھی اسے کسی مرد ہی (کی شکل میں) بناتے، اور ان کو پھر ہم اسی شبہے میں ڈال دیتے جس میں اب مبتلا ہیں۔[۴] ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا گیا ہے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اِن میں سے جن لوگوں نے مذاق اُڑایا تھا، ان کو اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾

(۳) یہ دُنیا چونکہ انسان کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اللہ تعالیٰ پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر اِیمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی غیبی حقیقت آنکھوں سے دِکھادی جاتی ہے تو اس کے بعد اِیمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے فرشتوں کو دیکھ کر اِیمان لائے تو اس کا ایمان قابلِ قبول نہیں۔ کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر کوئی فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا ہے تو وہ اس طرح آئے کہ ہم اسے دیکھ سکیں۔ قرآنِ کریم نے اس کا پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ اگر فرشتے کو انہوں نے آنکھ سے دیکھ لیا تو پھر مذکورہ بالا اُصول کے مطابق ان کا اِیمان معتبر نہیں ہوگا، اور پھر انہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ یہ ایمان لاسکیں۔ دوسرا جواب اگلے جملے میں ہے۔

(۴) یعنی اگر کسی فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے، یا پیغمبر کی تصدیق کے لئے لوگوں کے سامنے بھیجتے تب بھی اس کو اِنسانی شکل ہی میں بھیجنا پڑتا، کیونکہ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اس صورت میں پھر یہ کافر لوگ وہی اعتراض دُہراتے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے۔ اس کو ہم پیغمبر کیسے مان لیں؟

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳

(ان کافروں سے) کہو کہ: ''ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟''(۵) ﴿۱۱﴾ (ان سے) پوچھو کہ: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟'' (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ: ''اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لئے توبہ کرلو تو پچھلے سارے گناہ معاف کردے گا، ورنہ) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲﴾ اور رات اور دن میں جتنی مخلوقات آرام پاتی ہیں، سب اسی کے قبضے میں ہیں،(۶) اور وہ ہر بات کو سنتا، ہر چیز کو جانتا ہے۔'' ﴿۱۳﴾

---

(۵) مشرکینِ عرب شام کے تجارتی سفر کے دوران ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں سے گذرا کرتے تھے جہاں ان قوموں کی تباہی کے آثار انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔ قرآنِ کریم انہیں دعوت دے رہا ہے کہ وہ ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

(۶) غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کے اوقات میں جب لوگ سوتے ہیں تو دوبارہ بیدار بھی ہوجاتے ہیں، حالانکہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے جس میں انسان دُنیا سے بے خبر اور بالکل بے اختیار ہوجاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہوتا ہے، اس لئے جب وہ چاہتا ہے اسے بیداری کی دُنیا میں واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح جب بڑی موت آئے گی تب بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوگا، اور وہ جب چاہے گا، اسے دوبارہ زندگی دے کر قیامت کے یوم حساب کی طرف لے جائے گا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ
اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْۤ
اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا
هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ
عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ
شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ

کہہ دو کہ: ”کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رکھوالا بناؤں؟ (اُس اللہ کو چھوڑ کر) جو آسمانوں اور زمین کا
پیدا کرنے والا ہے، اور جو سب کو کھلاتا ہے، کسی سے کھاتا نہیں؟“ کہہ دو کہ: ”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ
فرماں برداری میں سب لوگوں سے پہل کرنے والا میں بنوں“ اور تم مشرکوں میں ہرگز شامل نہ
ہونا ﴿۱۴﴾ کہہ دو کہ: ”اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے
عذاب کا خوف ہے۔“ ﴿۱۵﴾ جس کسی شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، اس پر اللہ نے بڑا رحم
کیا، اور یہی واضح کامیابی ہے ﴿۱۶﴾ اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے
دُور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہی ہے ﴿۱۷﴾
اور وہ اپنے بندوں کے اُوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور وہ حکیم بھی ہے، پوری طرح باخبر بھی ﴿۱۸﴾ کہو:
”کونسی چیز ایسی ہے جو (کسی بات کی) گواہی دینے کے لئے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟“ کہو:
”اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لئے
نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی ڈراؤں، اور ان سب کو بھی جنہیں یہ قرآن پہنچے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰىؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۟ۘ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ۧ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾

کیا سچ مچ تم یہ گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟'' کہہ دو کہ: ''میں تو ایسی گواہی نہیں دوں گا۔'' کہہ دو کہ: ''وہ تو صرف ایک خدا ہے، اور جن جن چیزوں کو تم اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔'' ﴿۱۹﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان کو (یعنی خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کو) اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (پھر بھی) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۲۰﴾ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاسکتے ﴿۲۱﴾ اُس دن (کو یاد رکھو) جب ہم اِن سب کو اِکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا ہوگا ان سے پوچھیں گے کہ: ''کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کے بارے میں تم یہ دعوی کرتے تھے کہ وہ خدائی میں اللہ کے شریک ہیں؟'' ﴿۲۲﴾ اُس وقت اُن کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا، سوائے اِس کے کہ وہ کہیں گے: ''اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم تو مشرک نہیں تھے۔''(۷) ﴿۲۳﴾

(۷) شروع میں تو وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بول جائیں گے، لیکن پھر قرآنِ کریم ہی نے سورۂ یٰسٓ (۶۵:۳۶) اور سورۂ حٰم السجدہ (۲۱:۴۱) میں بیان فرمایا ہے کہ خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے،

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

دیکھو! یہ اپنے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول جائیں گے، اور جو (معبود) انہوں نے جھوٹ موٹ تراش رکھے تھے، اُن کا اِنہیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا! ﴿۲۴﴾ اور اِن میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں، مگر (چونکہ یہ سننا طلبِ حق کے بجائے ضد پر اَڑے رہنے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے) ہم نے ان کے دِلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کردیا ہے۔ اور اگر وہ ایک ایک کرکے ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس جھگڑا کرنے کے لئے آتے ہیں تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں ﴿۲۵﴾ اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں۔ اور (اس طرح) وہ اپنی جانوں کے سوا کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہے، لیکن ان کو احساس نہیں ہے ﴿۲۶﴾ اور (بڑا ہولناک نظارہ ہوگا) اگر تم وہ وقت دیکھو جب ان کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اور یہ کہیں گے: ''اے کاش! ہمیں واپس (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ اس بار ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور ہمارا شمار مؤمنوں میں ہوجائے!'' ﴿۲۷﴾

اور ان کا سارا جھوٹ کھل جائے گا۔ اس موقع کے لئے سورۂ نساء (۴:۴۲) میں پیچھے گذرا ہے کہ وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے، اور آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۱۳۰ میں آرہا ہے کہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

حالانکہ (ان کی یہ آرزو بھی سچی نہ ہوگی) بلکہ دراصل وہ چیز (یعنی آخرت) ان کے سامنے کھل کر آچکی ہوگی جسے وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، (اس لئے مجبوراً یہ دعویٰ کریں گے) ورنہ اگر ان کو واقعی واپس بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقین جانو یہ پکے جھوٹے ہیں ﴿۲۸﴾ یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے، اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے ﴿۲۹﴾ اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے رَبّ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے! وہ کہے گا: "کیا یہ (دوسری زندگی) حق نہیں ہے؟" وہ کہیں گے: "بیشک ہمارے رَبّ کی قسم!" اللہ کہے گا: "تو پھر چکھو عذاب کا مزہ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" ﴿۳۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے جاملنے کو جھٹلایا ہے! یہاں تک کہ جب قیامت اچانک ان کے سامنے آکھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: "ہائے افسوس! کہ ہم نے اس (قیامت) کے بارے میں بڑی کوتاہی کی۔" اور وہ (اس وقت) اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ (لہٰذا) خبردار رہو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لوگ اُٹھا رہے ہیں ﴿۳۱﴾

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور دُنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں،(۸) اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تو کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ ﴿۳۲﴾ (اے رسول!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، کیونکہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔(۹) ﴿۳۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ پھر جس طرح انہیں جھٹلایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں، اس سب پر انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی۔ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے۔ اور (پچھلے) رسولوں کے کچھ واقعات آپ تک پہنچ ہی چکے ہیں ﴿۳۴﴾

---

(۸) یہ بات کافروں کے اس بیان کے جواب میں کہی گئی ہے جو آیت نمبر ۲۹ میں اُوپر گذرا ہے کہ: "جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے" جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں چند روز کی دُنیوی زندگی، جسے تم سب کچھ سمجھ رہے ہو، کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی پروا کئے بغیر دُنیا میں زندگی گذارتے ہیں تو جس عیش وآرام کو وہ اپنا مقصدِ زندگی بناتے ہیں، آخرت میں جا کر ان کو پتہ لگ جائے گا کہ اس کی حیثیت کھیل تماشے کی سی تھی۔ ہاں! جو لوگ دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر زندگی گذارتے ہیں، ان کے لئے دُنیوی زندگی بھی بڑی نعمت ہے۔

(۹) یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف اپنی ذات کے جھٹلانے سے اتنا زیادہ رنج نہ ہوتا، لیکن زیادہ رنج کی

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

الصف وقف غفران

اور اگر ان لوگوں کا منہ موڑے رہنا تمہیں بہت بھاری معلوم ہو رہا ہے تو اگر تم زمین کے اندر (جانے کے لئے) کوئی سرنگ یا آسمان میں (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ سکتے ہو، تو ان کے پاس (ان کا منہ مانگا یہ) معجزہ لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا تم نادانوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ (۱۰) ﴿۳۵﴾ بات تو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو (حق کے طالب بن کر) سنیں۔ جہاں تک ان مُردوں کا تعلق ہے، ان کو تو اللہ ہی قبروں سے اُٹھائے گا، پھر یہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۳۶﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ تم (ان سے) کہو کہ اللہ بیشک اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی نازل کر دے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کا انجام) نہیں جانتے۔ (۱۱) ﴿۳۷﴾

وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ آیت کے یہ معنیٰ الفاظِ قرآن کے بھی زیادہ مطابق ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج سے بھی زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، جن میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآنِ کریم تھا، کیونکہ آپ کے اُمی ہونے کے باوجود یہ فصیح و بلیغ کلام آپ پر نازل ہوا جس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں نے گھٹنے ٹیک دیئے، اور کسی نے وہ چیلنج قبول نہ کیا جو سورۂ بقرہ (۲:۲۳) وغیرہ میں دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف سورۂ عنکبوت (۲۹:۵۱) میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تنہا یہی معجزہ ایک حق کے طلب گار کے لئے کافی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کفارِ مکہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ہر روز نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے

تھے۔اس سلسلے میں جس قسم کے بیہودہ مطالبات وہ کرتے تھے، ان کی ایک فہرست قرآنِ کریم نے سورۂ بنی اسرائیل (۹۳-۸۹:۱۷) میں بھی بیان فرمائی ہے۔اس پر کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال ہوتا تھا کہ اگران کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دِکھا دیا جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لاکر جہنم سے بچ جائیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشفقانہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت ان کے یہ مطالبات محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہیں، اور جیسا کہ پیچھے آیت نمبر ۲۵ میں کہا گیا ہے، یہ اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں گے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ صرف بیکار ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے خلاف ہے جس کی طرف اشارہ آگے آیت نمبر ۳۷ میں آرہا ہے۔ہاں اگر آپ خود ان کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ان کے کہنے کے مطابق زمین کے اندر جانے کے لئے کوئی سرنگ بنا سکیں یا آسمان پر چڑھنے کے لئے کوئی سیڑھی ایجاد کرسکیں تو یہ بھی کر دیکھیں۔اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر آپ ایسا نہیں کرسکتے۔اس لئے یہ فکر چھوڑ دیجئے کہ ان کے منہ مانگے معجزات انہیں دِکھائے جائیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دِین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دُنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد اِمتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر اِیمان لائے۔انبیائے کرام لوگوں کی فرمائش پر نت نئے کرشمے دِکھانے کے لئے نہیں، ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے دِل میں حق کی طلب ہو۔اور جو لوگ اپنی ضد پر اَڑے رہنے کی قسم کھا چکے ہوں، ان کے لئے نہ کوئی بڑی سے بڑی دلیل کارآمد ہوسکتی ہے، نہ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ۔

(۱۱) اس آیت میں فرمائشی معجزات نہ دِکھانے کی ایک اور وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ پچھلی قوموں کو جب کبھی ان کا مانگا ہوا معجزہ دِکھایا گیا ہے تو ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کردی گئی ہے کہ اگر اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس دُنیا ہی میں ہلاک کردیا جائے گا، چنانچہ کئی قومیں اسی طرح ہلاک ہوئیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کفارِ مکہ میں سے اکثر لوگ ہٹ دھرم ہیں، اور وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ ہلاک ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ کو ابھی یہ منظور نہیں ہے کہ انہیں عذابِ عام کے ذریعے ہلاک کیا جائے۔لہٰذا جو لوگ فرمائشی معجزات کا مطالبہ کررہے ہیں وہ اس کے انجام سے ناواقف ہیں۔ہاں جن لوگوں کو اِیمان لانا ہے، وہ مطلوبہ معجزات کے بغیر دوسرے دلائل اور معجزات دیکھ کر خود اِیمان لے آئیں گے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۴ ۱۱ ۱۰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور زمین میں جتنے جانور چلتے ہیں، اور جتنے پرندے اپنے پروں سے اُڑتے ہیں، وہ سب مخلوقات کی تم جیسی ہی اصناف ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر ان سب کو جمع کرکے ان کے پروردگار کی طرف لے جایا جائے گا۔ (۱۲) ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں۔ (۱۳) اللہ جسے چاہتا ہے، (اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے ﴿۳۹﴾ (ان کافروں) سے کہو: ''اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے، یا تم پر قیامت ٹوٹ پڑے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بلکہ اُسی کو پکارو گے، پھر جس پریشانی کے لئے تم نے اُسے پکارا ہے، اگر وہ چاہے گا تو اُسے دُور کردے گا، اور جن (دیوتاؤں) کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو (اُس وقت) ان کو بھول جاؤ گے۔'' (۱۴) ﴿۴۰-۴۱﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی کی بنا پر) انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ ﴿۴۲﴾

---

(۱۲) اس آیت نے یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ

تمام جانوروں کو بھی قیامت کے بعد حشر کے دن زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔ ''تم جیسی ہی اصناف ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں دوسری زندگی دی جائے گی، اسی طرح ان کو بھی دوسری زندگی ملے گی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جانوروں نے دُنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہوں گے، میدانِ حشر میں مظلوم جانور کو حق دیا جائے گا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے۔ اس کے بعد چونکہ وہ حقوق اللہ کے مکلّف نہیں ہیں، اس لئے ان پر دوبارہ موت طاری کردی جائے گی۔ یہاں اس حقیقت کو بیان فرمانے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ کفارِ عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سارے کے سارے انسان جو مر کر مٹی ہو چکے ہوں گے ان کو دوبارہ کیسے جمع کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ صرف انسانوں ہی کو نہیں، جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا، حالانکہ جانوروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ دُنیا کی ابتدا سے انتہا تک کے بے شمار انسانوں اور جانوروں کے گلے سڑے اجزاء کا کیسے پتہ لگایا جائے گا؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں ہر بات درج ہے، اور یہ ایسا ریکارڈ ہے جس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے، لہٰذا نہ انسانوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل ہے، نہ جانوروں کا۔

(۱۳) یعنی اپنے اختیار سے گمراہی کو اپنا کر انہوں نے حق سننے اور کہنے کی صلاحیت ہی ختم کرلی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ترجمہ "فی الظلمت" کو "صمّ وبکم" سے حال قرار دینے پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔

(۱۴) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کی خدائی میں دوسرے بہت سے دیوتا اس طرح شریک ہیں کہ خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو حاصل ہیں۔ اب ہوتا یہ تھا کہ وہ ان دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی نیت سے ان کی پرستش کرتے رہتے تھے، مگر جب کوئی ناگہانی آفت آپڑتی تھی، مثلاً سمندر میں سفر کرتے ہوئے پہاڑ جیسی موجوں میں گھر جاتے تھے تو اپنے گھڑے ہوئے دیوتاؤں کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ یہاں ان کی اس عادت کے حوالے سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ جب دُنیا کی ان مصیبتوں میں تم اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو تو اگر کوئی بڑا عذاب آجائے، یا قیامت ہی آکھڑی ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دِل تو اور سخت ہوگئے، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے اُنہیں یہ سجھایا کہ وہی بڑے شاندار کام ہیں ﴿۴۳﴾ پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے،(۱۵) یہاں تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ اُن پر اِترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو آ پکڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے ﴿۴۴﴾ اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۴۵﴾

---

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پچھلی اُمتوں کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے کہ انہیں متنبہ کرنے کے لئے انہیں کچھ سختیوں میں بھی مبتلا فرمایا، تاکہ وہ لوگ جن کے دِل سختی کی حالت میں نرم پڑتے ہیں، سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہو سکیں، پھر ان کو خوب خوشحالی عطا فرمائی تاکہ جو لوگ خوشحالی میں حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہ کچھ سبق لے سکیں۔ جب دونوں حالتوں میں لوگ گمراہی پر قائم رہے، تب ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہی بات قرآنِ کریم نے سورۂ اعراف (۷: ۹۴-۹۵) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو: ''ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سننے کی طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دِلوں پر مہر لگادے، تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لاکر دیدے؟'' دیکھو، ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۴۶﴾ کہو: ''ذرا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس اچانک آئے یا اعلان کرکے، دونوں صورتوں میں کیا ظالموں کے سوا کسی اور کو ہلاک کیا جائے گا؟''(۱۶) ﴿۴۷﴾ ہم پیغمبروں کو اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیکیوں پر) خوشخبری سنائیں، (اور نافرمانی پر اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کرلی، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۴۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو عذاب پہنچ کر رہے گا، کیونکہ وہ نافرمانی کے عادی تھے ﴿۴۹﴾

---

(۱۶) کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کے جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں، تو وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر عذاب آیا تو مؤمن کافر سبھی ہلاک ہوجائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ ہلاک تو وہ ہوں گے جنہوں نے شرک اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ‌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ‌ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ‌ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ ۞ ﴿۵۰﴾ وَاَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡ يُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ‌ لَيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾

(اے پیغمبر!) ان سے کہو: ''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کا (پورا) علم رکھتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔[17] میں تو صرف اُس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔'' کہو کہ: ''کیا ایک اندھا اور دُوسرا بینائی رکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟'' ﴿۵۰﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اِس وحی کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے پروردگار کے پاس ایسی حالت میں جمع کر کے لایا جائے گا کہ اس کے سوا نہ ان کا کوئی یار و مددگار ہوگا، نہ کوئی سفارشی،[18] تاکہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں ﴿۵۱﴾

(۱۷) یہ ان مطالبات کا جواب ہے جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے کہ اگر تم پیغمبر ہو تو دولت کے خزانے تمہارے پاس ہونے چاہئیں، لہٰذا فلاں فلاں معجزات دِکھاؤ۔ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائی کے اختیارات مجھے حاصل ہو گئے ہیں، یا مجھے مکمل علم غیب حاصل ہے یا میں فرشتہ ہوں۔ پیغمبر ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور میں اسی کا اِتباع کرتا ہوں۔

(۱۸) یہ درحقیقت مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اپنا مستقل سفارشی سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کی تردید نہیں ہوتی جو آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مؤمنوں کے لئے کریں گے۔ کیونکہ دوسری آیتوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ممکن ہے (مثلاً دیکھئے: سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور اُن لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح وشام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔[۱۹] اِن کے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہو جاؤ ﴿۵۲﴾ اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کو کچھ دوسروں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے[۲۰] تاکہ وہ (ان کے بارے میں) یہ کہیں کہ: "کیا یہ ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کے لئے چنا ہے؟"[۲۱] کیا (جو کافر یہ بات کہہ رہے ہیں اُن کے خیال میں) اللہ اپنے شکر گذار بندوں کو دوسروں سے زیادہ نہیں جانتا؟ ﴿۵۳﴾

---

(۱۹) قریشِ مکہ کے کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بکثرت رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ غریب مسلمان اس حیثیت سے ان امیر کافروں کے لئے ایک آزمائش کا سبب بن گئے ہیں کہ آیا یہ لوگ اصل اہمیت حق بات کو دیتے ہیں یا صرف اس وجہ سے حق کا انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے ماننے والے غریب لوگ ہیں۔

(۲۱) یہ کافروں کا فقرہ ہے جو وہ غریب مسلمانوں کے بارے میں طنزیہ انداز میں کہتے تھے۔ یعنی (معاذ اللہ) ساری دُنیا میں سے یہی کم حیثیت لوگ اللہ تعالیٰ کو ملے تھے جن پر وہ احسان کر کے انہیں جنت کا مستحق قرار دے؟

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: ''سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اُوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵۴﴾ اور ہم اسی طرح نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، (تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہوجائے) اور تاکہ مجرموں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے ﴿۵۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ''تم اللہ کے سوا جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔'' کہو کہ: ''میں تمہاری خواہشات کے پیچھے نہیں چل سکتا۔ اگر میں ایسا کروں گا تو گمراہ ہوں گا، اور میرا شمار ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں ہوگا'' ﴿۵۶﴾ کہو کہ: ''مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل مل چکی ہے جس پر میں قائم ہوں، اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔[۲۲]

(۲۲) یہ آیات کفار کے اس مطالبے کے جواب میں نازل ہوئی ہیں کہ جس عذاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ ہم پر فوراً کیوں نازل نہیں ہوتا؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عذاب نازل کرنے اور اس کا صحیح وقت اور مناسب طریقہ طے کرنے کا مکمل اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، جس کا فیصلہ وہ اپنی حکمت سے کرتا ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۗ

ع ۷ ۵ ۱۳

حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ وہ حق بات بیان کر دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" ﴿۵۷﴾ کہو کہ: "جس چیز کی تم جلدی مچا رہے ہو، اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔" ﴿۵۸﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو ﴿۵۹﴾ اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے، اسے خوب جانتا ہے، پھر اس (نئے دن) میں تمہیں نئی زندگی دیتا ہے، تاکہ (تمہاری عمر کی) مقررہ مدت پوری ہو جائے۔ پھر اسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے ﴿۶۰﴾ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور تمہارے لئے نگہبان (فرشتے) (۲۳) بھیجتا ہے،

(۲۳) نگہبان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں، اور وہ بھی جو ہر انسان کی جسمانی حفاظت پر مقرر ہیں، اور جن کا ذکر سورۂ رعد (۱۱:۱۳) میں آیا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا وصول کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ پھر ان سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جو ان کا مولائے برحق ہے۔ یاد رکھو! حکم اسی کا چلتا ہے، اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿۶۲﴾ کہو: ''خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، (اور یہ کہتے ہو کہ) اگر اُس نے ہمیں اِس مصیبت سے بچالیا تو ہم ضرور بالضرور شکر گذار بندوں میں شامل ہوجائیں گے؟'' ﴿۶۳﴾ کہو: ''اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے بھی بچاتا ہے، اور ہر دوسری تکلیف سے بھی، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔'' ﴿۶۴﴾ کہو کہ: ''وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اُوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (نکال دے) یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑا دے، اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو! ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں واضح کر رہے ہیں، تاکہ یہ کچھ سمجھ سے کام لے لیں ﴿۶۵﴾

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ز وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور (اے پیغمبر!) تمہاری قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا ہے، حالانکہ وہ بالکل حق ہے۔ تم کہہ دو کہ: "مجھ کو تمہاری ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔"(۲۴) ﴿۶۶﴾ ہر واقعے کا ایک وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔" ﴿۶۷﴾ اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لئے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ﴿۶۸﴾ ان کے کھاتے میں جو اعمال ہیں ان کی کوئی ذمہ داری پرہیزگاروں پر عائد نہیں ہوتی۔ البتہ نصیحت کر دینا اُن کا کام ہے، شاید وہ بھی (ایسی باتوں سے) پرہیز کرنے لگیں ﴿۶۹﴾ اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دِین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے،(۲۵) اور جن کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے،

---

(۲۴) یعنی یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ تمہارا ہر مطالبہ پورا کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں تم لوگوں کو عذاب دینا بھی داخل ہے، اور جب وہ وقت آئے گا، تو تمہیں خود پتہ لگ جائے گا۔

(۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس دِین کو انہیں اپنانا چاہئے تھا، (یعنی اسلام) اُس کو قبول کرنے کے بجائے وہ اُس کا مذاق بناتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جو دِین انہوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ کھیل تماشے جیسی بے بنیاد رسموں پر مشتمل ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو چھوڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝٧٠ ع قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧١

اور اِس (قرآن) کے ذریعے (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب اس طرح گرفتار ہوجائے کہ اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے اللہ کو چھوڑ کر نہ کوئی اُس کا یار و مددگار بن سکے نہ سفارشی، اور اگر وہ (اپنی رہائی کے لئے) ہر طرح کا فدیہ بھی پیش کرنا چاہے تو اُس سے وہ قبول نہ کیا جائے۔ (چنانچہ) یہی (دِین کو کھیل تماشا بنانے والے) وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کی بدولت گرفتار ہوگئے ہیں۔ چونکہ انہوں نے کفر اَپنا رکھا تھا، اس لئے اُن کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب اور ایک دُکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ ﴿۷۰﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو: ''کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان، اور جب اللہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے تو کیا اِس کے بعد بھی ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ (اور) اُس شخص کی طرح (ہوجائیں) جسے شیطان بہکا کر صحرا میں لے گئے ہوں، اور وہ حیرانی کے عالم میں بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی ہوں جو اُسے ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ؟'' کہو کہ: ''اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح معنی میں ہدایت ہے، اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رَبّ العالمین کے آگے جھک جائیں۔'' ﴿۷۱﴾

مطلب وہی ہے کہ اُن کی اِس قسم کی گفتگو میں اُن کے ساتھ مت بیٹھو جس میں وہ اللہ کی آیات کو اِستہزاء کا نشانہ بناتے ہوں۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور یہ (حکم دیا گیا ہے) کہ: ''نماز قائم کرو، اور اُس (کی نافرمانی) سے ڈرتے رہو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اِکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔'' ﴿۷۲﴾ اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے،(۲۶) اور جس دن وہ (روزِ قیامت سے) کہے گا کہ: ''تو ہو جا'' تو وہ ہو جائے گا۔ اُس کا قول برحق ہے۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اُس دن بادشاہی اُسی کی ہوگی۔(۲۷) وہ غائب و حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے ﴿۷۳﴾

(۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک برحق مقصد سے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یہاں اچھے کام کریں، انہیں انعام سے نوازا جائے، اور جو لوگ بدکار اور ظالم ہوں، انہیں سزا دی جائے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دُنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں جزا اور سزا کا یہ مقصد پورا ہو۔ اور آگے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس مقصد کے لئے قیامت میں لوگوں کو دوبارہ زندگی دینا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب وہ چاہے گا تو قیامت کو وجود میں آنے کا حکم دے گا، اور وہ وجود میں آجائے گی۔ اور چونکہ وہ غائب و حاضر ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، اس لئے لوگوں کو مرنے کے بعد اِکٹھا کرنا بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ البتہ چونکہ وہ حکمت والا ہے، اس لئے وہ اسی وقت قیامت قائم فرمائے گا جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

(۲۷) اگرچہ دُنیا میں بھی حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، لیکن یہاں ظاہری طور پر بہت سے حکمران مختلف ملکوں پر حکومت کرتے ہیں، لیکن صور پھونکے جانے کے بعد یہ ظاہری حکومتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اور ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۚ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِي إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿٧٦﴾

اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ: "کیا آپ بتوں کو خدا بنائے بیٹھے ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔" ﴿۷۴﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے، اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں شامل ہوں ﴿۷۵﴾ چنانچہ جب اُن پر رات چھائی تو اُنہوں نے ایک ستارا دیکھا۔ کہنے لگے: "یہ میرا رَبّ ہے۔"(۲۸) پھر جب وہ ڈُوب گیا تو انہوں نے کہا: "میں ڈُوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" ﴿۷۶﴾

(۲۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے جس علاقے نینوا میں پیدا ہوئے تھے، وہاں کے لوگ بتوں اور ستاروں کو خدا مان کران کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا باپ آزر بھی نہ صرف اسی عقیدے کا تھا، بلکہ خود بت تراشا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے توحید پر ایمان رکھتے تھے، اور شرک سے بیزار تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کو غور وفکر کی دعوت دینے کے لئے یہ لطیف طریقہ اختیار فرمایا کہ چاند ستاروں اور سورج کو دیکھ کر پہلے اپنی قوم کی زبان میں بات کی۔ مقصد یہ تھا کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں میرا پروردگار ہے۔ آؤ دیکھتے ہیں کہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب ستارہ بھی ڈُوبا اور چاند بھی، اور آخر میں سورج بھی، تو ہر موقع پر انہوں نے اپنی قوم کو یاد دِلایا کہ یہ تو ناپائیدار اور تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ جو چیز خود ناپائیدار ہو اور اُس پر تغیرات طاری ہوتے رہتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پوری کائنات کی پرورش کر رہی ہے، کیسی غیر معقول بات ہے۔ لہٰذا انہوں نے چاند ستاروں یا سورج کو جو یہ کہا تھا کہ یہ میرا رَبّ ہے، وہ اپنے عقیدے کے مطابق نہیں، بلکہ اپنی قوم کے عقیدے کی لغویت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تھا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ

پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ: ''یہ میرا ربّ ہے۔'' لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: ''اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ دے تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔'' ﴿۷۷﴾ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: ''یہ میرا ربّ ہے۔ یہ زیادہ بڑا ہے۔'' پھر جب وہ غروب ہوا تو انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، میں اُن سب سے بیزار ہوں ﴿۷۸﴾ میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' ﴿۷۹﴾ اور (پھر یہ ہوا کہ) اُن کی قوم نے اُن سے حجت شروع کر دی۔(۲۹)

---

(۲۹) سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت کرتے ہوئے ان کی قوم نے دو باتیں کہیں۔ ایک یہ کہ ہم برسوں سے اپنے باپ دادوں کو ان بتوں اور ستاروں کی پوجا کرتے دیکھ رہے ہیں۔ ان سب کو گمراہ سمجھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جواب پہلے جملے میں یہ دیا ہے کہ ان باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی، اور مذکورہ بالا عقلی دلائل کے علاوہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آئی ہے۔ لہٰذا اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے بعد میں شرک کو کیسے درست تسلیم کر سکتا ہوں؟ دوسری بات ان کی قوم نے یہ کہی ہوگی کہ اگر تم نے ہمارے بتوں اور ستاروں کی خدائی سے انکار کیا تو وہ تمہیں تباہ کر ڈالیں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں ان بے بنیاد دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا، بلکہ ڈرنا تمہیں چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے بنیاد دیوتاؤں کو اس کی خدائی میں شریک مان رہے ہو۔ نقصان اگر پہنچا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں۔ اور جو لوگ اس کی توحید پر ایمان لاتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے امن اور چین عطا فرمایا ہے۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

ابراہیم نے (اُن سے) کہا: ''کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو جبکہ اُس نے مجھے ہدایت دے دی ہے؟ اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، میں اُن سے نہیں ڈرتا (کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچادیں گی) اِلا یہ کہ میرا پروردگار (مجھے) کچھ (نقصان پہنچانا) چاہے (تو وہ ہر حال میں پہنچے گا) میرے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم پھر بھی کوئی نصیحت نہیں مانتے؟ ﴿۸۰﴾ اور جن چیزوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، میں اُن سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم اُن چیزوں کو اللہ کا شریک ماننے سے نہیں ڈرتے جن کے بارے میں اُس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے؟ اب اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو بتاؤ کہ ہم دو فریقوں میں سے کون بے خوف رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟ ﴿۸۱﴾ (حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور اُنہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا،(۳۰) امن اور چین تو بس اُنہی کا حق ہے، اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔'' ﴿۸۲﴾ یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کردیتے ہیں۔ بیشک تمہارے رَبّ کی حکمت بھی بڑی ہے، علم بھی کامل ہے ﴿۸۳﴾

(۳۰) ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں لفظ ''ظلم'' کی تشریح شرک سے فرمائی ہے، کیونکہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ۙ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا۔ (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی، اور نوح کو ہم نے پہلے ہی ہدایت دی تھی، اور اُن کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں ﴿۸۴﴾ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی)۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۸۵﴾ نیز اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ﴿۸۶﴾ اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو۔ ہم نے اِن سب کو منتخب کر کے راہِ راست تک پہنچا دیا تھا ﴿۸۷﴾ یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے (نیک) اعمال اکارت ہو جاتے ﴿۸۸﴾ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ (۳۱)

---

(۳۱) مشرکینِ عرب نبوت و رِسالت ہی کے منکر تھے۔ اُن کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی

فَاِنۡ يَّكۡفُرۡ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰٮهُمُ اقۡتَدِهۡ‌ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا‌ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ

اب اگر یہ (عرب کے) لوگ اس (نبوت) کا انکار کریں تو (کچھ پروا نہ کرو، کیونکہ) اس کے ماننے کے لئے ہم نے ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں۔[۳۲] ﴿۸۹﴾ یہ لوگ (جن کا ذکر اُوپر ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہٰذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔ (مخالفین سے) کہہ دو کہ میں تم سے اِس (دعوت) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ یہ تو دُنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، اور بس ﴿۹۰﴾ اور اِن (کافر) لوگوں نے جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا تو انہوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں پہچانی۔[۳۳]

اولاد میں جو پیغمبر گذرے ہیں اُن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو عرب کے بت پرست بھی مانتے تھے۔ اُن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر ہوسکتے ہیں، اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ نبوت کوئی چیز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجنے میں آخر کونسی اِشکال کی بات ہے جبکہ آپ کی نبوت کے دلائل روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکے ہیں۔

(۳۲) اس سے صحابہ کرامؓ کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۳) یہاں سے بعض یہودیوں کی تردید مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مرتبہ اُن کے ایک سردار مالک بن صیف نے غصّے میں آکر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

(اِن سے) کہو کہ: ''وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی، اور جس کو تم نے متفرق کاغذوں کی شکل میں رکھا ہوا ہے،[۳۴] جن (میں سے کچھ) کو تم ظاہر کرتے ہو، اور بہت سے حصے چھپا لیتے ہو، اور (جس کے ذریعے) تم کو اُن باتوں کی تعلیم دی گئی تھی جو نہ تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادا؟'' (اے پیغمبر! تم خود ہی اس سوال کے جواب میں اتنا کہہ دو کہ: ''وہ کتاب اللہ نے نازل کی تھی۔'' پھر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ گفتگو میں مشغول رہ کر دِل لگی کرتے رہیں ﴿۹۱﴾ اور (اسی طرح) یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے اُتاری ہے، پچھلی آسمانی ہدایات کی تصدیق کرنے والی ہے، تاکہ تم اس کے ذریعے بستیوں کے مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو خبردار کرو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں ﴿۹۲﴾

---

(۳۴) یعنی پوری کتاب کو ظاہر کرنے کے بجائے تم نے اسے حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جو حصے تمہارے مطلب کے مطابق ہوتے ہیں اُن کو تو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتے ہو، مگر جو حصے تمہارے مفادات کے خلاف ہوتے ہیں، انہیں چھپا لیتے ہو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اُس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو، اور اسی طرح وہ جو یہ کہے کہ میں بھی ویسا ہی کلام نازل کردوں گا جیسا اللہ نے نازل کیا ہے؟ اور اگر تم وہ وقت دیکھو (تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے) جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے، (کہہ رہے ہوں گے کہ) ''اپنی جانیں نکالو، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ تم جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگاتے تھے، اور اس لئے کہ تم اُس کی نشانیوں کے خلاف تکبر کا رویہ اختیار کرتے تھے ﴿۹۳﴾ (پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ:) ''تم ہمارے پاس اسی طرح تنِ تنہا آگئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تو تمہارے وہ سفارشی کہیں نظر نہیں آرہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملات طے کرنے میں (ہمارے ساتھ) شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے سارے تعلقات ٹوٹ چکے ہیں، اور جن (دیوتاؤں) کے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا، وہ سب تم سے گم ہو کر رہ گئے ہیں۔'' ﴿۹۴﴾

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ جاندار چیزوں کو بے جان چیزوں سے نکال لاتا ہے، اور وہی بے جان چیزوں کو جاندار چیزوں سے نکالنے والا ہے۔[(۳۵)] لوگو! وہ ہے اللہ! پھر کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جا رہا ہے؟[(۳۶)] ﴿۹۵﴾ وہی ہے جس کے حکم سے صبح کو پو پھٹتی ہے، اور اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو ایک حساب کا پابند! یہ سب کچھ اُس ذات کی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، علم بھی کامل ﴿۹۶﴾ اور اُسی نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں، تاکہ تم اُن کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستے معلوم کرسکو۔ ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو علم سے کام لیں ﴿۹۷﴾

---

(۳۵) بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال یہ ہے کہ انڈے سے مرغی نکل آتی ہے، اور جاندار سے بے جان کے نکلنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا۔

(۳۶) اس ترجمے میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ بظاہر قرآنِ کریم میں "لوگو!" کا لفظ نظر نہیں آرہا، لیکن درحقیقت یہ "ذٰلکم" میں جمع مخاطب کی ضمیر کا ترجمہ ہے۔ عربی کے قاعدے سے یہ جمع کی ضمیر مشار الیہ کی جمع نہیں ہوتی، بلکہ مخاطب کی جمع ہوتی ہے۔ دوسرے "کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جا رہا ہے" اس ترجمے میں "تؤفکون" کے صیغۂ مجہول کی رعایت کی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کی خواہشات ہیں جو انہیں گمراہ کر رہی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

وہی ہے جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر ہر شخص کا ایک مستقر ہے، اور ایک امانت رکھنے کی جگہ۔(۳۷) ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ سے کام لیں ﴿۹۸﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اُس کے ذریعے ہر قسم کی کونپلیں اُگائیں۔ اِن (کونپلوں) سے ہم نے سبزیاں پیدا کیں جن سے ہم تہہ بر تہہ دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھوں سے پھلوں کے وہ گچھے نکلتے ہیں جو (پھل کے بوجھ سے) جھکے جاتے ہیں، اور ہم نے انگوروں کے باغ اُگائے، اور زیتون اور انار! جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔(۳۸)

---

(۳۷) مستقر اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی شخص باقاعدہ اپنا ٹھکانا بنالے۔ اِس کے برعکس امانت رکھنے کی جگہ پر قیام عارضی قسم کا ہوتا ہے، اس لئے وہاں رہائش کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا جاتا۔ اِس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ مستقر سے مراد دُنیا ہے جہاں انسان باقاعدہ اپنی رہائش کا ٹھکانا بنالیتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد قبر ہے جس میں انسان کو مرنے کے بعد عارضی طور سے رکھا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اسے آخرت میں جنت یا جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ان لفظوں کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مستقر سے مراد ماں کا پیٹ ہے جس میں بچہ مہینوں ٹھہرا رہتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد باپ کی صلب ہے جس میں نطفہ عارضی طور سے رہتا ہے، پھر ماں کے رحم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے برعکس مستقر باپ کی صلب کو قرار دیا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ ماں کے رحم کو، کیونکہ بچہ وہاں عارضی طور پر رہتا ہے (روح المعانی)۔

(۳۸) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بعض پھل دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں، اور بعض

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

ع ۱۲ ۶ ۱۸

جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو ان کے پھلوں اور اُنؓ کے پکنے کی کیفیت کو غور سے دیکھو۔ لوگو! اِن سب چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو اِیمان لائیں ﴿۹۹﴾ اور لوگوں نے جِنّات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا،(۳۹) ــــ حالانکہ اللہ نے ہی اُن کو پیدا کیا ہے ــــ اور سمجھ بوجھ کے بغیر اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں،(۴۰) حالانکہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں، وہ اُن سب سے پاک اور بالا و برتر ہے ﴿۱۰۰﴾

صورت اور ذائقے میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جو پھل دیکھنے میں ملتے جلتے نظر آتے ہیں، ان کی خصوصیات ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

(۳۹) جنات سے مراد شیطان ہیں، اور یہ اُن لوگوں کے باطل عقیدے کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ تمام مفید مخلوقات تو اللہ نے پیدا کی ہیں، مگر درندے، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور، بلکہ تمام بُری چیزیں شیطان نے پیدا کی ہیں، اور وہی اُن کا خالق ہے۔ ان لوگوں نے بظاہر ان بُری چیزوں کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے پرہیز کیا، لیکن اتنا نہ سمجھ سکے کہ شیطان خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور وہ سب سے بُری مخلوق ہے۔ اگر بُری چیزیں شیطان کی پیدا کی ہوئی ہیں تو خود اُس بُری مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے علاوہ جو چیزیں ہمیں بُری نظر آتی ہیں، اُن کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں، اور اُن کی تخلیق کو بُرا فعل نہیں کہا جاسکتا، بقول اقبال مرحوم:

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(۴۰) عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا تھا، اور عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ‌ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ‌ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمَنۡ عَمِىَ فَعَلَيۡهَا‌ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۱۰۴﴾

وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کہاں ہوسکتا ہے، جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں؟ اُسی نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۱۰۱﴾ لوگو! وہ ہے اللہ جو تمہارا پالنے والا ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہٰذا اُس کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے ﴿۱۰۲﴾ نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔(۴۱) ﴿۱۰۳﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:) "تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کے سامان پہنچ چکے ہیں۔ اب جو شخص آنکھیں کھول کر دیکھے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو شخص اندھا بن جائے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور مجھے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔"(۴۲) ﴿۱۰۴﴾

(۴۱) یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، اور وہ اتنا باخبر ہے کہ ہر نگاہ کو پالیتا ہے، اور اس کے تمام حالات سے خوب واقف ہے۔ اس جملے کی یہ تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مفسرین سے نقل کی ہے، اور سیاق وسباق کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ لطافت بھی عام بول چال میں جسم ہی کی صفت ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، لیکن لطافت کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جو جسمیت کے ہر شائبہ سے ماوراء ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو لطیف اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے۔

(۴۲) یعنی مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو زبردستی مسلمان کر کے کفر کے نقصان سے بچاؤں۔ میرا کام سمجھا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اسی طرح ہم آیتیں مختلف طریقوں سے بار بار واضح کرتے ہیں، (تا کہ تم انہیں لوگوں تک پہنچادو) اور بالآخر یہ لوگ تو یوں کہیں کہ: ''تم نے کسی سے سیکھا ہے۔''(۴۳) اور جو لوگ علم سے کام لیتے ہیں، اُن کے لئے ہم حق کو آشکار کر دیں ﴿۱۰۵﴾ (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی گئی ہے، تم اسی کی پیروی کرو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اُن سے بے پروا ہو جاؤ ﴿۱۰۶﴾ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔(۴۴) ہم نے نہ تمہیں ان کی حفاظت پر مقرر کیا ہے، اور نہ تم اِن کے کاموں کے ذمہ دار ہو۔(۴۵) ﴿۱۰۷﴾

(۴۳) ہٹ دھرم قسم کے کافروں کو بھی یہ کہتے ہوئے تو شرم آتی تھی کہ یہ کلام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ لیا ہے، کیونکہ وہ آپ کے اُسلوب سے اچھی طرح واقف تھے، اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ اُمی ہیں، اور کسی کتاب سے خود پڑھ کر یہ کلام نہیں بنا سکتے، لہٰذا وہ قرآنِ کریم کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام کسی سے سیکھا ہے، اور اسے اللہ کا کلام قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن کس سے سیکھا ہے؟ وہ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک لوہار کا نام لیتے تھے جس کی تردید سورۂ نحل میں آنے والی ہے۔

(۴۴) پیچھے آیت نمبر ۳۵ میں بھی یہ مضمون آچکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دِین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دُنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رِسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے دِل میں حق کی طلب ہو۔

(۴۵) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے طرزِ عمل پر مغموم رہتے تھے، اس لئے آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

(مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں، تم اُن کو بُرا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔[۴۶] (اِس دُنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اُس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے۔[۴۷] پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ اُنہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے ﴿۱۰۸﴾

(۴۶) اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و مشرک لوگ خدا مانتے ہیں، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے اُن کے لئے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے، اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔ اس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اُصول نکالا ہے کہ اگر کوئی کام بذاتِ خود تو جائز یا مستحب ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کرے گا تو ایسی صورت میں وہ جائز یا مستحب کام چھوڑ دینا چاہئے۔ تاہم اس اُصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائز نہیں ہے جو فرض یا واجب ہو۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر "معارف القرآن" کی طرف رُجوع فرمائیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اہلِ عرب اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، اور اصل میں تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن ضد میں آکر ان سے ایسی حرکت سرزد ہو جانا کچھ بعید نہیں تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہی تھی کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بُرا کہو گے تو ہم آپ کے ربّ کو بُرا کہیں گے۔

(۴۷) یہ درحقیقت ایک ممکن سوال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں تو اُن کو دُنیا ہی میں سزا کیوں نہیں دے دی جاتی۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں تو ان لوگوں کی ضد کی وجہ سے ہم نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے کہ یہ اپنے طرزِ عمل کو بہت اچھا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آخرکار ان سب کو

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اور ان لوگوں نے بڑی زوردار قسمیں کھائی ہیں کہ اگر اِن کے پاس واقعی کوئی نشانی (یعنی ان کا مطلوب معجزہ) آگئی تو یہ یقیناً ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (اِن سے) کہو کہ: ''ساری نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں۔''(۴۸) اور (مسلمانو!) تمہیں کیا پتہ کہ اگر وہ (معجزے) آبھی گئے، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۹﴾ جس طرح یہ لوگ پہلی بار (قرآن جیسے معجزے پر) ایمان نہیں لائے، ہم بھی (ان کی ضد کی پاداش میں) ان کے دِلوں اور نگاہوں کا رُخ پھیر دیتے ہیں، اور ان کو اس حالت میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۱۰﴾ اور اگر بالفرض ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے، اور مردے اِن سے باتیں کرنے لگتے، اور (اِن کی مانگی ہوئی) ہر چیز ہم کھلی آنکھوں ان کے سامنے لاکر کے رکھ دیتے،(۴۹) تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اِلَّا یہ کہ اللہ ہی چاہتا (کہ انہیں زبردستی ایمان پر مجبور کردے تو بات دوسری تھی، مگر ایسا اِیمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر۔)

ہمارے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ وہ کررہے تھے، اس کی حقیقت کیا تھی۔

(۴۸) تشریح کے لئے اسی سورت کی آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۴۹) یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ فرمائش کیا کرتے تھے۔ سورۂ فرقان (آیت نمبر ۲۱) میں ان کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ ہمارے اُوپر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے؟ اور سورۂ دخان (آیت نمبر ۳۶) میں یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرکے ہمارے سامنے لاؤ۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔(۵۰) ﴿۱۱۱﴾

اور (جس طرح یہ لوگ ہمارے نبی سے دُشمنی کررہے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر (پچھلے) نبی کے لئے کوئی نہ کوئی دُشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ، جو دھوکا دینے کی خاطر ایک دوسرے کو بڑی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے رہتے تھے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرسکتے۔(۵۱) لہٰذا اِن کو اپنی افترا پردازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۱۲﴾ اور (وہ انبیاء کے دُشمن چکنی چپڑی باتیں اس لئے بناتے تھے) تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دِل اِن باتوں کی طرف خوب مائل ہوجائیں، اور وہ اِن میں مگن رہیں، اور ساری وہ حرکتیں کریں جو وہ کرنے والے تھے ﴿۱۱۳﴾

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:) ''کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو فیصل بناؤں، حالانکہ اُسی نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کرکے بھیجی ہے جس میں سارے (متنازعہ) معاملات کی تفصیل موجود ہے؟''

---

(۵۰) یعنی حقیقت تو یہ ہے کہ تمام معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پھر بھی جو مطالبات کررہے ہیں، وہ محض جہالت پر مبنی ہیں۔

(۵۱) یہاں پھر وہی بات فرمائی جارہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیاطین کو یہ قدرت نہ دیتا، اور لوگوں کو زبردستی ایمان پر مجبور کردیتا، لیکن چونکہ مقصد امتحان ہے، اس لئے زبردستی کا ایمان معتبر نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ یقین سے جانتے ہیں کہ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہونا ﴿۱۱۴﴾ اور تمہارے رَبّ کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کرڈالیں گے۔ وہ تو وہم وگمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے، اور اُن کا کام اِس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں ﴿۱۱۶﴾ یقین رکھو کہ تمہارا رَبّ خوب جانتا ہے کہ کون اپنے راستے سے بھٹک رہا ہے، اور وہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح راستے پر ہیں ﴿۱۱۷﴾

چنانچہ ہر اُس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم واقعی اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ (۵۲) ﴿۱۱۸﴾

---

(۵۲) پیچھے اُن لوگوں کا ذکر تھا جو محض خیالی اندازوں پر اپنے دِین کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اُن کی اس گمراہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اُس کو یہ حرام کہتے تھے، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور تمہارے لئے کونسی رُکاوٹ ہے جس کی بنا پر تم اُس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اُس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اُس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ، (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدرِ ضرورت اجازت ہو جاتی ہے) اور بہت سے لوگ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، (بلکہ صرف) اپنی خواہشات کی بنیاد پر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا ربّ حد سے گذرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾

حرام کہا ہے، اُسے یہ حلال سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کرے، یعنی وہ اپنی طبعی موت مرجائے، اُس کو تو تم مردار قرار دے کر حرام سمجھتے ہو، اور جس جانور کو تم خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو، اُس کو حلال قرار دیتے ہو۔ اِس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال وحرام کا فیصلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اُس نے واضح فرمادیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لے کر اُسے ذبح کیا جائے وہ حلال ہوتا ہے، اور جو ذبح کئے بغیر مرجائے یا جسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اپنے من گھڑت خیالات کی بنا پر حلال وحرام کا فیصلہ کرنا ایسے شخص کا کام نہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتا ہو۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کی مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہ مصلحت بھی بتائی جاسکتی تھی کہ جس جانور کو باقاعدہ ذبح کیا جاتا ہے اُس کا خون اچھی طرح بہہ جاتا ہے، اِس کے برخلاف جو جانور خود مرجاتا ہے، اُس کا خون جسم ہی میں رہ جاتا ہے جس سے پورا گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بیان فرمانے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ اللہ نے خود بیان فرمادی ہیں، لہٰذا اُس کے اَحکام کے مقابلے میں خیالی گھوڑے دوڑانا مؤمن کا کام نہیں۔ اِس طرح یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اطاعت کو ان مصلحتوں کے سمجھنے پر موقوف رکھے۔ اُس کا فریضہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو بے چون وچرا اُس کی تعمیل کرے، چاہے اس کی مصلحت اس کی سمجھ میں آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔

وَذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡسِبُوۡنَ الۡاِثۡمَ سَيُجۡزَوۡنَ بِمَا كَانُوۡا يَقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ع ۱۴/۱۱

اور تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو۔[(۵۳)] یہ یقینی بات ہے کہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں، اُنہیں اُن تمام جرائم کی جلد ہی سزا ملے گی جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے ﴿۱۲۰﴾
اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اُس میں سے مت کھاؤ، اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ (مسلمانو!) شیاطین اپنے دوستوں کو ورغلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔ اور اگر تم نے اُن کی بات مان لی تو تم یقیناً مشرک ہو جاؤ گے۔ ﴿۱۲۱﴾

(۵۳) ظاہری گناہوں میں وہ گناہ داخل ہیں جو انسان اپنے ظاہری اعضاء سے کرے، مثلاً جھوٹ، غیبت، دھوکا، رشوت، شراب نوشی، زنا وغیرہ۔ اور باطنی گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق دِل سے ہوتا ہے، مثلاً حسد، رِیاکاری، تکبر، بغض، دوسروں کی بدخواہی وغیرہ۔ پہلی قسم کے گناہوں کا بیان فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت فقہاء سے حاصل کی جاتی ہے، اور دوسری قسم کے گناہوں کا بیان تصوف اور احسان کی کتابوں میں ہوتا ہے، اور اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے مشائخ سے رُجوع کیا جاتا ہے۔ تصوف کی اصل حقیقت یہی ہے کہ باطن کے ان گناہوں سے بچنے کے لئے کسی رہنما سے رُجوع کیا جائے۔ افسوس ہے کہ تصوف کی اِس حقیقت کو بھلا کر بہت سے لوگوں نے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے۔ اس حقیقت کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بہت سی کتابوں میں خوب واضح فرمایا ہے۔ آسان طریقے سے اس کو سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''دِل کی دنیا''۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اُسے زندگی دی ہو، اور اُس کو ایک روشنی مہیا کردی ہو جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو،(۵۴) کیا وہ اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ سجھا دیا گیا ہے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوشنما کام ہے ﴿۱۲۲﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کے سرغنوں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اُس (بستی) میں (مسلمانوں کے خلاف) سازشیں کیا کریں۔(۵۵) اور وہ جو سازشیں کرتے ہیں، (درحقیقت) وہ کسی اور کے نہیں، بلکہ خود اُن کے اپنے خلاف پڑتی ہیں، جبکہ اُن کو اِس کا احساس نہیں ہوتا ﴿۱۲۳﴾

---

(۵۴) یہاں روشنی سے مراد اسلام کی روشنی ہے۔ اور ''لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو'' فرما کر اشارہ اِس طرف کردیا گیا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان مذہبی عبادات کو لے کر دُنیا سے ایک طرف ہو کر بیٹھ جائے، اور لوگوں سے میل جول چھوڑ دے، بلکہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کے درمیان رہے، اُن سے ضروری معاملات کرے، اُن کے حقوق ادا کرے، لیکن جہاں بھی جائے، اسلام کی روشنی ساتھ لے کر جائے، یعنی یہ سارے معاملات اسلامی اَحکام کے تحت انجام دے۔

(۵۵) یہ مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ کافر لوگ اُن کے خلاف جو سازشیں کررہے ہیں، اُن سے گھبرائیں نہیں۔ اِس قسم کی سازشیں ہر دور میں انبیائے کرام اور اُن کے ماننے والوں کے خلاف ہوتی رہی ہیں، لیکن بالآخر انجام اہلِ ایمان ہی کا بہتر ہوتا ہے، اور دُشمنوں کی سازشیں آخر کار خود انہی کو نقصان پہنچاتی ہیں، کبھی تو اسی دُنیا میں ان کا یہ نقصان ظاہر ہوجاتا ہے، اور کبھی دُنیا میں ظاہر نہیں ہوتا، لیکن آخرت میں ان کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے تھے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور جب اِن (اہلِ مکہ) کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اُس جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی۔''(۵۶) (حالانکہ) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔ جن لوگوں نے (اِس قسم کی) مجرمانہ باتیں کی ہیں اُن کو اپنی مکاریوں کے بدلے میں اللہ کے پاس جا کر ذِلت اور سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ ﴿۱۲۴﴾

غرض جس شخص کو اللہ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کرلے، اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس کو (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہ کرنے کا ارادہ کرلے، اُس کے سینے کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کردیتا ہے کہ (اُسے ایمان لانا ایسا مشکل معلوم ہوتا ہے) جیسے اُسے زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اِسی طرح اللہ (کفر کی) گندگی اُن لوگوں پر مسلط کردیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۱۲۵﴾

(۵۶) یعنی جب تک خود ہم پر ویسی وحی نازل نہیں ہوگی جیسی انبیائے کرام پر نازل ہوتی رہی ہے، اور ویسے معجزات ہمیں نہیں دیئے جائیں گے جیسے اُن کو دیئے گئے تھے، اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص کو پوری پیغمبری ملنی چاہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پیغمبری کس کو عطا کی جائے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ

اور یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کا (بتایا ہوا) سیدھا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، اُن کے لئے ہم نے (اِس راستے کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کردی ہیں ﴿۱۲۶﴾ اُن کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے وہ خود اُن کا رکھوالا ہے ﴿۱۲۷﴾

اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن اللہ ان سب کو گھیر کر اِکٹھا کرے گا، اور (شیاطین جنات سے کہے گا کہ:) ''اے جنات کے گروہ! تم نے انسانوں کو بہت بڑھ چڑھ کر گمراہ کیا۔'' اور انسانوں میں سے جو اُن کے دوست ہوں گے، وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے خوب مزے لیتے رہے ہیں، (۵۷) اور اَب اپنی اُس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔''

---

(۵۷) انسان تو شیطانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ ان کے بہکائے میں آکر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی، اور وہ گناہ کئے جن سے ظاہری طور پر لذت حاصل ہوتی تھی۔ اور شیطان اِنسانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ انہیں گمراہ کرکے خوش ہوئے کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح ہمارے قابو میں آگئے ہیں۔ دراصل وہ یہ کہہ کر اپنی غلطی کا اعتراف کررہے ہوں گے، اور غالباً آگے معافی بھی مانگنا چاہتے ہوں گے، لیکن یا تو اس سے آگے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا، یا چونکہ معافی کا وقت گذر چکا ہوگا، اِس لئے اللہ تعالیٰ اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی یہ فرمائیں گے کہ اب معافی تلافی کا وقت گذر چکا، اب تو تمہیں جہنم کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اللہ کہے گا: ''(اَب) آگ تم سب کا ٹھکانا ہے، جس میں تم ہمیشہ رہو گے، اِلا یہ کہ اللہ کچھ اور چاہے۔[۵۸] یقین رکھو کہ تمہارے پروردگار کی حکمت بھی کامل ہے، علم بھی کامل۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔[۵۹] ﴿۱۲۹﴾ اے جنات اور اِنسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس خود تم میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے،[۶۰] اور تم کو اِسی دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے تھے جو آج تمہارے سامنے ہے؟'' وہ کہیں گے: ''(آج) ہم نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی ہے (کہ واقعی ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے، اور ہم نے انہیں جھٹلایا تھا)''[۶۱] اور (درحقیقت) ان کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، اور (اب) انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی کہ وہ کافر تھے ﴿۱۳۰﴾ یہ (پیغمبر بھیجنے کا) سارا سلسلہ اِس لئے تھا کہ تمہارے پروردگار کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ بستیوں کو کسی زیادتی کی وجہ سے[۶۲] اِس حالت میں ہلاک کر دے کہ اُس کے لوگ بے خبر ہوں ﴿۱۳۱﴾

(۵۸) اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر استثناء کے اس جملے سے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے عذاب وثواب کا فیصلہ کسی سفارش یا اثر و رُسوخ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا تمام تر فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بنیاد پر ہوگا، اور یہ مشیت اس کی حکمت اور علم کے مطابق

ہوگی جس کا ذکر اگلے جملے میں ہے۔ دوسری حقیقت جو اس استثناء سے ظاہر فرمائی گئی ہے یہ ہے کہ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رکھنا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، لہٰذا اگر بالفرض اُس کی مشیت یہ ہوجائے کہ کسی کو باہر نکال لیا جائے تو یہ عقلی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے، کیونکہ اُس کی اس مشیت کے خلاف کوئی اُسے مجبور نہیں کرسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی مشیت اُس کے علم اور حکمت کے مطابق یہی ہو کہ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں۔

(۵۹) یعنی جس طرح ان کافروں پر اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شیاطین کو مسلط کردیا گیا جو انہیں بہکاتے رہے، اسی طرح ہم ظالموں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُن پر دوسرے ظالموں کو مسلط کردیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُن پر ظالم حکمران مسلط کردیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم میں اُس کی مدد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ خود اُسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کردیتا ہے (ابن کثیر)۔

اِس آیت کا ایک اور ترجمہ بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ''اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔'' اُس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شیاطین بھی ظالم تھے، اور ان کے پیچھے چلنے والے بھی۔ چنانچہ آخرت میں بھی ہم ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔ بہت سے مفسرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(۶۰) انسانوں میں تو پیغمبروں کا تشریف لانا واضح ہے۔ اس آیت کی وجہ سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ جنات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ اور دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ باقاعدہ پیغمبر تو جنات میں نہیں آئے، لیکن انسانوں میں جو پیغمبر بھیجے گئے، وہی جنات کو بھی تبلیغ کرتے تھے، اور جو جنات مسلمان ہوجاتے وہ پھر انبیائے کرام کے نمائندے بن کر دوسرے جنات کو تبلیغ کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ جن میں تفصیل سے مذکور ہے۔ آیت کی رُو سے دونوں احتمال ممکن ہیں، کیونکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں اور جنات دونوں کو تبلیغ کا حق ادا کردیا گیا تھا، اور وہ دونوں طرح ممکن ہے۔

(۶۱) پیچھے آیت نمبر ۲۳ میں گذرا ہے کہ وہ شروع میں جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے، لیکن جب خود اُن کے ہاتھ پاؤں اُن کے خلاف گواہی دے دیں گے تو وہ بھی سچ کہنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ تفصیل کے لئے آیت ۲۳ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۶۲) اِس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن بستی والوں کی کسی زیادتی کی وجہ سے اُن کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کو اُس وقت تک گوارا نہیں تھا جب تک انہیں انبیائے کرام کے ذریعے متوجہ نہ کردیا جائے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ زیادتی نہیں کرسکتا تھا کہ پہلے سے متوجہ کیے بغیر لوگوں کو ہلاک کردے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ج

اور ہر قسم کے لوگوں کو مختلف درجات اُن اعمال کے حساب سے ملتے ہیں جو انہوں نے کئے ہوتے ہیں۔ اور جو اعمال بھی وہ کرتے ہیں، تمہارا پروردگار اُن سے غافل نہیں ہے ﴿۱۳۲﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا بے نیاز ہے جو رحمت والا بھی ہے۔ (۶۳) اگر وہ چاہے تو تم سب کو (دُنیا سے) اُٹھا لے، اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لے آئے، جیسے اُس نے تم کو کچھ اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا تھا۔ (۶۴) ﴿۱۳۳﴾ یقین رکھو کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے اُس کو آنا ہی آنا ہے، (۶۵) اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے ﴿۱۳۴﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ: ''اے میری قوم! تم اپنی جگہ (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کرو، میں (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔

---

(۶۳) یعنی اُس نے رسولوں کو بھیجنے کا جو سلسلہ جاری فرمایا اُس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہیں تھی کہ وہ تمہاری عبادت کا محتاج ہے، وہ تو مخلوق کی عبادت سے بے نیاز ہے، لیکن اِس کے ساتھ وہ رحمت والا بھی ہے، اس لئے اُس نے پیغمبر بھیجے ہیں جو بندوں کو اُس صحیح راہِ عمل کی طرف متوجہ کرتے رہیں جس میں اُن کی دُنیا اور آخرت دونوں کے لئے بہتری کا سامان ہو۔

(۶۴) جس طرح آج کے تمام لوگ اُن لوگوں کی نسل سے ہیں جن کا اب کوئی پتہ نشان باقی نہیں رہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ آج کے تمام لوگوں کو ایک ہی مرتبہ میں ختم کرکے دوسری قوم پیدا کردے، لیکن وہ اپنی رحمت کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا۔

(۶۵) اس سے مراد آخرت اور جنت اور جہنم ہے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اِس دُنیا کا انجام کس کے حق میں نکلتا ہے۔ یہ حقیقت (اپنی جگہ) ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔'' ﴿۱۳۵﴾

اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کئے ہیں، اِن لوگوں نے اُن میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔(۶۶) چنانچہ بزعمِ خود یوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے اُن معبودوں کا ہے جن کو ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ اِن کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی) اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسی بُری بُری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں! ﴿۱۳۶﴾

---

(۶۶) یہاں سے آیت نمبر ۱۴۴ تک عرب کے مشرکین کی کچھ بے بنیاد رسموں کا بیان ہے۔ ان لوگوں نے کسی معقول اور علمی بنیاد کے بغیر مختلف کاموں کو من گھڑت اسباب کی بنیاد پر حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا۔ مثلاً خود اپنی اولاد کو انتہائی سنگ دِلی سے قتل کر دیتے تھے۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی ہو تو اسے اپنے لئے بڑی شرم کی بات سمجھ کر اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، بعض لوگ اس وجہ سے بھی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے کہ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے انسانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لڑکیاں رکھیں۔ لڑکوں کو بعض اس وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذر مان لیتے تھے کہ ہمارا جو دسواں لڑکا ہوگا، اسے اللہ یا بتوں کے نام پر ذبح کر دیں گے۔ اِس کے علاوہ اپنے مویشیوں اور کھیتوں کی

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ لِيُرۡدُوۡهُمۡ وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کو اُن کے شریکوں نے یہ سُجھا رکھا ہے کہ اپنی اولاد کو قتل کرنا بڑا اچھا کام ہے، تاکہ وہ اِن (مشرکین) کو بالکل تباہ کر ڈالیں، اور اُن کے لئے اُن کے دِین کے معاملے میں مغالطے پیدا کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ (٦٧) لہٰذا اِن کو اپنی افترا پردازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۳۷﴾ اور یوں کہتے ہیں کہ: ''اِن چوپایوں اور کھیتیوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔'' ان کا زعم یہ ہے کہ: ''اِن کو سوائے اُن لوگوں کے کوئی نہیں کھا سکتا جنہیں ہم کھلانا چاہیں۔'' (٦٨)

پیداوار کے بارے میں بھی عجیب وغریب عقیدے گھڑ رکھے تھے۔ اُن میں سے ایک کا بیان اِس آیت میں ہے، اور وہ یہ کہ اپنے کھیتوں کی پیداوار اور مویشیوں کے دُودھ یا گوشت میں سے کچھ حصہ تو اللہ کے نام کا رکھتے تھے (جو مہمانوں اور غریبوں میں تقسیم کے لئے ہوتا تھا) اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے تھے جو بت خانوں پر چڑھایا جاتا تھا، اور اُس سے بت خانوں کے نگراں فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اوّل تو یہ بات ہی بے ہودہ تھی کہ اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کر کے اُن کے نام پر پیداوار کا کچھ حصہ رکھا جائے۔ اُوپر سے ستم ظریفی یہ تھی کہ جو حصہ اللہ کے نام کا رکھا تھا، اگر اُس میں سے کچھ بتوں والے حصے میں چلا جاتا تو کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، البتہ اگر بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ کے نام کے حصے میں چلی جاتی تو اُسے فوراً واپس کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

(٦٧) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ۔

(٦٨) یہ ایک اور رسم کا بیان ہے جس کی رُو سے وہ اپنے من گھڑت دیوتاؤں کو اپنے گمان کے مطابق خوش کرنے کے لئے کسی خاص کھیتی یا مویشی پر پابندی لگا دیتے تھے کہ ان کی پیداوار سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ البتہ جس شخص کو چاہتے، اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیتے تھے۔

وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشت حرام قرار دے دی گئی ہے،(۶۹) اور کچھ چوپائے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔(۷۰) جو اِفترا پردازی یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿۱۳۸﴾

نیز وہ کہتے ہیں کہ: ''ان خاص چوپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہیں، اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہیں۔'' اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اُس سے فائدہ اُٹھانے میں سب (مرد و عورت) شریک ہو جاتے ہیں۔(۷۱) جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یقیناً وہ حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک ﴿۱۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی علمی وجہ کے بغیر محض حماقت سے قتل کیا ہے، اور اللہ نے جو رزق ان کو دیا تھا اُسے اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کر لیا ہے۔ وہ بری طرح گمراہ ہو گئے ہیں، اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں۔ ﴿۱۴۰﴾

(۶۹) یہ ایک اور رسم تھی کہ کسی سواری کے جانور کو کسی بت کے نام وقف کر دیتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس پر سواری کرنا حرام ہے۔

(۷۰) بعض جانوروں کے بارے میں انہوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیا جا سکتا، نہ ذبح کرتے وقت، نہ سواری کے وقت، اور نہ اُن کا گوشت کھاتے وقت۔ چنانچہ اُن پر سوار ہو کر حج کرنے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے۔

(۷۱) یعنی بچہ اگر زندہ پیدا ہو جائے تو صرف مردوں کے لئے حلال ہوگا، عورتوں کے لئے حرام، لیکن مردہ پیدا ہو تو مردوں عورتوں دونوں کے لئے حلال۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اللہ وہ ہے جس نے باغات پیدا کئے جن میں سے کچھ (بیل دار ہیں جو) سہاروں سے اُوپر چڑھائے جاتے ہیں، اور کچھ سہاروں کے بغیر بلند ہوتے ہیں، اور نخلستان اور کھیتیاں، جن کے ذائقے الگ الگ ہیں، اور زیتون اور انار، جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ (۷۲) جب یہ درخت پھل دیں تو ان کے پھلوں کو کھانے میں استعمال کرو، اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو اللہ کا حق ادا کرو، (۷۳) اور فضول خرچی نہ کرو۔ یاد رکھو، وہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۱﴾ اور چوپایوں میں سے اللہ نے وہ جانور بھی پیدا کئے ہیں جو بوجھ اُٹھاتے ہیں، اور وہ بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ (۷۴) اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے، اس میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو، وہ تمہارے لئے ایک کھلا دُشمن ہے ﴿۱۴۲﴾

(۷۲) تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۹۹ کا حاشیہ۔

(۷۳) اس سے مراد عشر ہے جو زرعی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ مکی زندگی میں اس کی کوئی خاص شرح مقرر نہیں تھی، بلکہ جب کٹائی کا وقت آتا تو کھیتی کے مالک پر فرض تھا کہ جو فقراء اس وقت موجود ہوں، اُن کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دے دیا کرے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اس کے مفصل اَحکام آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ بارانی زمینوں پر پیداوار کا دسواں حصہ اور نہری زمینوں پر بیسواں حصہ غریبوں کا حق ہے۔ آیت نے بتایا ہے کہ یہ حق کٹائی ہی کے وقت ادا کر دینا چاہیئے۔

(۷۴) ''زمین سے لگے ہوئے'' ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہوتا ہے، جیسے بھیڑ بکریاں، اور

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّــُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

(مویشیوں کے) کل آٹھ جوڑے اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ دو صنفیں (نر اور مادہ) بھیڑوں کی نسل سے اور دو بکروں کی نسل سے۔ ذرا ان سے پوچھو کہ: ''کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ اگر تم سچے ہو تو کسی علمی بنیاد پر مجھے جواب دو![75]'' ﴿۱۴۳﴾ اور اسی طرح اُونٹوں کی بھی دو صنفیں (نر اور مادہ اللہ نے) پیدا کی ہیں، اور گائے کی بھی دو صنفیں۔ ان سے کہو کہ: ''کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ کیا تم اُس وقت خود حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اِس کا حکم دیا تھا؟ (اگر نہیں، اور یقیناً نہیں) تو پھر اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر اس لئے جھوٹ باندھے تاکہ کسی علمی بنیاد کے بغیر لوگوں کو گمراہ کر سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔'' ﴿۱۴۴﴾

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کی کھال زمین پر بچھانے کے کام آتی ہے۔

(۷۵) مطلب یہ ہے کہ تم لوگ کبھی نر جانور کو حرام قرار دے دیتے ہو، کبھی مادہ جانور کو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ جوڑے پیدا کرتے وقت نہ نر کو حرام کیا تھا نہ مادہ کو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر نر ہونے کی وجہ سے کوئی جانور حرام ہوتا ہے تو ہمیشہ نر ہی حرام ہونا چاہئے، اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو ہمیشہ مادہ ہی حرام ہونی چاہئے، اور اگر کسی مادہ کے پیٹ میں ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو پھر بچہ نر ہو یا مادہ ہر صورت میں حرام ہونا چاہئے۔ لہٰذا تم نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ رکھے ہیں نہ ان کی کوئی علمی یا عقلی بنیاد ہے، اور نہ اللہ کا کوئی حکم ایسا آیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو،(۷۶) اِلا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا جو ایسا گناہ کا جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور ہو جائے،(۷۷) جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو، اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۴۵﴾

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیاں ہم نے حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو، یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اور پورا یقین رکھو کہ ہم سچے ہیں ﴿۱۴۶﴾

(۷۶) مطلب یہ ہے کہ جن جانوروں کو بت پرستوں نے حرام قرار دے رکھا ہے، اُن میں سے کسی جانور کے بارے میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ممانعت کا حکم ان چار چیزوں کے سوا نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے جانوروں میں بھی کوئی جانور حرام نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے درندوں وغیرہ کے حرام ہونے کی وضاحت فرمادی ہے۔

(۷۷) یعنی اگر آدمی بھوک سے بے تاب ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو، تو جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا بقدر ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کا یہ حکم پیچھے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۳ اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں بھی گذرا ہے، اور آگے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ میں بھی آئے گا۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾

پھر بھی اگر یہ (کافر) تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ: ''تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے، اور اُس کے عذاب کو مجرموں سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔''(۷۸) ﴿۱۴۷﴾ جن لوگوں نے شرک اپنایا ہوا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ: ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی بھی چیز کو حرام قرار دیتے۔''(۷۹) اِن سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح (رسولوں کو) جھٹلایا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ تم اِن سے کہو کہ: ''کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے سامنے نکال کر پیش کرسکو؟ تم تو جس چیز کے پیچھے چل رہے ہو وہ گمان کے سوا کچھ نہیں، اور تمہارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہمی اندازے لگاتے رہو ﴿۱۴۸﴾

(۷۸) جھٹلانے والوں سے یہاں براہ راست تو یہودی مراد ہیں، کیونکہ وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ مذکورہ چیزیں اُن پر اُن کی سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ ضمناً اس میں مشرکینِ عرب بھی داخل ہیں جو قرآنِ کریم کی ہر بات کا انکار کرتے تھے جس میں یہ بات بھی شامل تھی۔ دونوں فریقوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ اگر ان کے قرآن کو جھٹلانے کے باوجود اُن پر کوئی فوری عذاب نہیں آرہا ہے، بلکہ دُنیا میں انہیں خوشحالی بھی میسر ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے عمل سے خوش ہے۔ اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ اپنے باغیوں کو بھی رزق دیتا ہے، اور خوشحالی سے نوازتا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ ان مجرموں کو ایک نہ ایک دن عذاب ضرور ہوگا جسے کوئی ٹلا نہیں سکتا۔

(۷۹) یہ پھر وہی بے ہودہ دلیل ہے جس کا جواب بار بار دِیا جاچکا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر اللہ کو شرک ناگوار ہے تو وہ ہمیں شرک پر قدرت ہی کیوں دیتا ہے؟ جواب بار بار دِیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری دُنیا کو اپنی قدرت کے ذریعے زبردستی ایمان پر مجبور کردے تو پھر امتحان ہی کیا ہوا؟ دُنیا تو اسی امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ کون شخص

قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ

ع ۱۸ / ۶ / ۵

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "ایسی دلیل تو اللہ ہی کی ہے جو (دِلوں تک) پہنچنے والی ہو۔ چنانچہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (زبردستی) ہدایت پر لے آتا۔"(۸۰) ﴿۱۴۹﴾ ان سے کہو کہ: "اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔" پھر اگر یہ خود گواہی دے بھی دیں تو تم اُن کے ساتھ گواہی میں شریک نہ ہونا، اور اُن لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، جو آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اور جو دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر مانتے ہیں ﴿۱۵۰﴾ (ان سے) کہو کہ: "آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کونسی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔

اپنی سمجھ اور اپنے اختیار سے وہ صحیح راستہ اختیار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں بھی رکھ دیا ہے، اور جس کی طرف رہنمائی کے لئے اتنے سارے پیغمبر بھیجے ہیں۔

(۸۰) یعنی تم تو فرضی دلائل پیش کر رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیج کر اپنی حجت پوری کردی ہے، اور ان کے بیان کئے ہوئے دلائل دِلوں میں اُترنے والے ہیں۔ اُن کی تصدیق اس حقیقت نے بھی کردی ہے کہ جن لوگوں نے انہیں جھٹلایا، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکار ہوئے۔ لہٰذا یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو زبردستی ہدایت پر لے آتا، لیکن اس سے تمہاری یہ ذمہ داری ختم نہیں ہوتی کہ تم اپنے اختیار سے پیغمبروں کے ناقابلِ انکار دلائل کو قبول کرکے ایمان لاؤ۔

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾

ہم تمہیں بھی رزق دیں گے، اور اُن کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی،(۸۱) اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اُسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آئے ﴿۱۵۱﴾ اور یتیم جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے، اُس وقت تک اُس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، (البتہ) اللہ کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔(۸۲) اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔(۸۳) لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو ﴿۱۵۲﴾

---

(۸۱) یعنی بے حیائی کے کام جس طرح کھلم کھلا کرنا منع ہے، اسی طرح چوری چھپے بھی منع ہے۔

(۸۲) خرید و فروخت کے وقت ناپ تول کا پورا لحاظ رکھنا واجب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ اس معاملے میں طاقت سے زیادہ مین میخ نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ انسان کو پوری پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ناپ تول ٹھیک ہو، لیکن کوشش کے باوجود تھوڑا بہت فرق رہ جائے تو وہ معاف ہے۔

(۸۳) اللہ کے عہد میں وہ عہد بھی داخل ہے جس میں براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کیا گیا ہو، اور وہ عہد بھی جو کسی انسان سے کیا گیا ہو، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یا اُس کو گواہ بنا کر کیا گیا ہو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ

ع ۱۹/۴/۶

اور (اے پیغمبر! اِن سے) یہ بھی کہو کہ: "یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔" لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو ﴿۱۵۳﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ نیک لوگوں پر اللہ کی نعمت پوری ہو، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کردی جائے، اور وہ (لوگوں کے لئے) رہنمائی اور رحمت کا سبب بنے، تاکہ وہ (آخرت میں) اپنے پروردگار سے جا ملنے پر ایمان لے آئیں ﴿۱۵۴﴾ اور (اسی طرح) یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم پر رحمت ہو ﴿۱۵۵﴾ (یہ کتاب ہم نے اس لئے نازل کی کہ) کبھی تم یہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر نازل کی گئی تھی، اور جو کچھ وہ پڑھتے پڑھاتے تھے، ہم تو اُس سے بالکل بے خبر تھے ﴿۱۵۶﴾ یا یہ کہو کہ اگر ہم لوگوں پر کتاب نازل ہوجاتی تو ہم ان (یہودیوں اور عیسائیوں) سے یقیناً زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ لو! پھر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل اور ہدایت و رحمت کا سامان آگیا ہے!

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ

اب اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور اُن سے منہ موڑ لے؟ جو لوگ ہماری آیتوں سے منہ موڑ رہے ہیں، اُن کو ہم بہت بُرا عذاب دیں گے، کیونکہ وہ برابر منہ موڑے ہی رہے ﴿۱۵۷﴾

یہ (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا تمہارا پروردگار خود آئے، یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں؟ (حالانکہ) جس دن تمہارے پروردگار کی کوئی نشانی آ گئی، اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی نیک عمل کی کمائی نہ کی ہو۔[۸۴] (لہٰذا ان لوگوں سے) کہہ دو کہ: ''اچھا، انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔'' ﴿۱۵۸﴾ (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ جن لوگوں نے اپنے دِین میں تفرقہ پیدا کیا ہے، اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، اُن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(۸۴) اس سے مراد قیامت کی آخری نشانی ہے، جس کے بعد ایمان قبول نہیں ہوگا، کیونکہ معتبر ایمان وہی ہے جو دلائل کی بنیاد پر ایمان بالغیب ہو، کسی چیز کو آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ایمان لانے سے امتحان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا جس کے لئے یہ دُنیا پیدا کی گئی ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۗ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

اُن کا معاملہ تو اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ اُنہیں جتلائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۱۵۹﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا، اُس کے لئے اُس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے، اور جو شخص کوئی بدی لے کر آئے گا، تو اُس کو صرف اُسی ایک بدی کی سزا دی جائے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۰﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے ایک سیدھے راستے پر لگا دیا ہے جو کجی سے پاک دِین ہے، ابراہیم کا دِین! جنہوں نے پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رُخ صرف اللہ کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿۱۶۱﴾ کہہ دو کہ: "بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱۶۲﴾ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اِسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اُس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔" ﴿۱۶۳﴾ کہہ دو کہ "کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟ اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اُس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اُسی پر پڑتا ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔[(۸۵)] پھر تمہارے پروردگار ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ ساری باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں سے درجات میں بلندی عطا کی، تاکہ اُس نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، اُن میں تمہیں آزمائے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارا ربّ جلد سزا دینے والا ہے، اور یہ (بھی) حقیقت ہے کہ وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۶۵﴾

(۸۵) کفار کبھی کبھی مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب کو اپنا لو، اگر کوئی عذاب ہوا تو تمہارے حصے کا عذاب بھی ہم اپنے سر لے لیں گے، جیسا کہ سورۂ عنکبوت (۲۹:۱۲) میں قرآنِ کریم نے اُن کی یہ بات نقل فرمائی ہے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی۔ اور اس میں یہ عظیم سبق ہے کہ ہر شخص کو اپنے انجام کی خود فکر کرنی چاہئے، کوئی دوسرا شخص اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۱۵) سورۂ فاطر (۳۵:۱۸) سورۂ زمر (۳۹:۷) اور سورۂ نجم (۵۳:۳۸) میں بھی آیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ نجم میں آئے گی۔

الحمد للہ تعالیٰ، سورۂ انعام کا ترجمہ اور حواشی آج مؤرخہ ۲۶ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷ مارچ ۲۰۰۶ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الأعراف

تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے۔اس کا بنیادی موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔اس کے ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں۔اور متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کا واقعہ سب سے زیادہ مفصل طریقے پر اسی سورت میں آیا ہے۔''اَعراف'' کے لفظی معنی بلندیوں کے ہیں۔اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔چونکہ اسی سورت میں اَعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۂ اعراف رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۲۰۶ ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دو سو چھ آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓصٓ[1] ﴿۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جو تم پر اس لئے اُتاری گئی ہے کہ تم اُس کے ذریعے لوگوں کو ہوشیار کرو، لہٰذا اس کی وجہ سے تمہارے دِل میں کوئی پریشانی نہ ہونی چاہئے،[2] اور مومنوں کے لئے یہ ایک نصیحت کا پیغام ہے ﴿۲﴾ (لوگو!) جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے، اس کے پیچھے چلو، اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو۔ (مگر) تم لوگ نصیحت کم ہی مانتے ہو ﴿۳﴾ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا۔ چنانچہ اُن کے پاس ہمارا عذاب راتوں رات آگیا، یا ایسے وقت آیا جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے ﴿۴﴾

---

(۱) سورۂ بقرہ کے شروع میں گذر چکا ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ حروف جو بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان کو ''حروفِ مقطعات'' کہتے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ اور ان کے معنیٰ سمجھنے پر دِین کی کوئی بات موقوف بھی نہیں ہے۔

(۲) یعنی آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے کہ اس کے مضامین کو آپ لوگوں سے کیسے منوائیں گے، اور اگر لوگ

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ ع

پھر جب اُن پر ہمارا عذاب آپہنچا تو اُن کے پاس کہنے کو اور تو کچھ تھا نہیں، بس بول اُٹھے کہ واقعی ہم ہی ظالم تھے ﴿۵﴾ اب ہم اُن لوگوں سے ضرور باز پُرس کریں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے، اور ہم خود پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے (کہ انہوں نے کیا پیغام پہنچایا، اور انہیں کیا جواب ملا؟) ﴿۶﴾ پھر ہم اُن کے سامنے سارے واقعات خود اپنے علم کی بنیاد پر بیان کردیں گے، (کیونکہ) ہم (ان واقعات کے وقت) کہیں غائب تو نہیں تھے ﴿۷﴾ اور اُس دن (اعمال کا) وزن ہونا اٹل حقیقت ہے۔ چنانچہ جن کی ترازو کے پلے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پانے والے ہوں گے ﴿۸﴾ اور جن کی ترازو کے پلے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتیاں کرکر کے خود اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا ہے ﴿۹﴾ اور کھلی بات ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور اُس میں تمہارے لئے روزی کے اسباب پیدا کئے۔ (پھر بھی) تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو ﴿۱۰﴾

نہ مانے تو کیا ہوگا؟ کیونکہ آپ کا فریضہ لوگوں کو ہوشیار اور خبردار کرنا ہے، اُن کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ: ''آدم کو سجدہ کرو۔'' چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے اِبلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔[۳] ﴿۱۱﴾ اللہ نے کہا: ''جب میں نے تجھے حکم دے دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟'' وہ بولا: ''میں اُس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اُس کو مٹی سے پیدا کیا'' ﴿۱۲﴾ اللہ نے کہا: ''اچھا تو یہاں سے نیچے اُتر، کیونکہ تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے۔ اب نکل جا، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے'' ﴿۱۳﴾ اُس نے کہا: ''مجھے اُس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا'' ﴿۱۴﴾ اللہ نے فرمایا: ''تجھے مہلت دے دی گئی''[۴] ﴿۱۵﴾

---

(۳) اس واقعے کی کچھ تفصیلات سورۂ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۹) میں گذری ہیں۔ ان آیتوں پر جو حواشی ہم نے لکھے ہیں، اُن میں واقعے سے متعلق کئی سوالات کا جواب آگیا ہے۔ انہیں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۴) شیطان نے درخواست تو یہ کی تھی کہ اُس وقت تک اُسے زندگی دی جائے جس دن حشر ہوگا، اور دوسرے مردے زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔ یہاں اس درخواست کے جواب میں مہلت دینے کا تو ذکر ہے، لیکن یہ مہلت کب تک دی گئی ہے، اس آیت میں یہ بات واضح طور پر بیان نہیں فرمائی گئی۔ سورۂ حجر (۱۵: ۳۸) اور سورۂ ص (۳۸: ۸۱) میں بھی یہ واقعہ آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''ایک معین وقت'' تک مہلت دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اُس کی درخواست کے مطابق روزِ حشر تک مہلت دینے کا وعدہ نہیں کیا گیا، بلکہ یہ فرمایا گیا

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

کہنے لگا: "اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے،[۵] اِس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ اِن (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ رہوں گا ﴿۱۶﴾ پھر میں اِن پر (چاروں طرف سے) حملے کروں گا، ان کے سامنے سے بھی، اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کی دائیں طرف سے بھی، اور ان کی بائیں طرف سے بھی۔ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گذار نہیں پائے گا" ﴿۱۷﴾ اللہ نے کہا: "نکل جا یہاں سے، ذلیل اور مردُود ہو کر۔ اُن میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا، (وہ بھی تیرا ساتھی ہوگا) اور میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ﴿۱۸﴾ اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، اور جہاں سے جو چیز چاہو، کھاؤ۔ البتہ اِس (خاص) درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا، ورنہ تم زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے" ﴿۱۹﴾

ہے کہ ایک معین وقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اُس وقت تک مہلت دی گئی ہے۔ دوسرے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قیامت کا پہلا صور پھونکے جانے تک زندہ رہے گا، اور اُس کے بعد جس طرح دوسری مخلوقات کو موت آئے گی، اُسے بھی موت آئے گی۔ پھر جب سب کو زندہ کیا جائے گا تو اُسے بھی زندہ کیا جائے گا۔

(۵) شیطان نے اپنی بدعملی کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ڈالنے کی کوشش کی، حالانکہ تقدیر کی وجہ سے کسی کا اِختیار سلب نہیں ہوتا، تقدیر کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے اختیار سے فلاں کام کرے گا۔ نیز اُس کے کہنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک ایسا حکم ہی کیوں دیا جو اُس کے لئے قابلِ قبول نہیں تھا، اس لئے بالواسطہ اُس کی گمراہی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے ہوئی۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُن دونوں کے دِل میں وسوسہ ڈالا، تا کہ اُن کی شرم کی جگہیں جو اُن سے چھپائی گئی تھیں، ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔(۶) کہنے لگا کہ: "تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔(۷)" ﴿۲۰﴾ اور اُن کے سامنے وہ قسمیں کھا گیا کہ یقین جانو میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿۲۱﴾ اس طرح اُس نے دونوں کو دھوکا دے کر نیچے اُتار ہی لیا۔(۸) چنانچہ جب دونوں نے اُس درخت کا مزہ چکھا تو اُن دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں، اور وہ جنت کے کچھ پتے جوڑ جوڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے۔(۹)

(۶) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس درخت کی خاصیت یہ تھی کہ اُس کا پھل کھانے سے جنت کا لباس اُتر جاتا تھا، اور یہ بات اِبلیس کو معلوم تھی۔ چنانچہ جب حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے اُسے کھایا تو جنت کا جو لباس اُنہیں عطا ہوا تھا، وہ اُن کے جسم سے اُتر گیا۔

(۷) مطلب یہ تھا کہ چونکہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس میں سے کھالیتا ہے، وہ یا تو فرشتہ بن جاتا ہے، یا اُسے ہمیشہ کی زندگی عطا ہو جاتی ہے، اس لئے اسے کھانے کے لئے مخصوص قوت کی ضرورت ہے۔ شروع میں آپ دونوں کو یہ قوت حاصل نہیں تھی، اس لئے منع کیا گیا تھا۔ اب آپ کو جنت میں رہتے ہوئے ایک زمانہ گذر گیا ہے، اور آپ میں وہ قوت پیدا ہو گئی ہے، اس لئے اب کھالینے میں کچھ حرج نہیں۔

(۸) نیچے اُتارنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اطاعت کے جس بلند مقام پر تھے، اُس سے نیچے اُتار لیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت سے دُنیا میں اُتار لیا۔

(۹) اس سے معلوم ہوا کہ عریانی سے حفاظت انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے جونہی دونوں کا لباس اُترا انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اپنا ستر چھپانے کی کوشش کی۔

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٜ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۵/۹

اور اُن کے پروردگار نے اُنہیں آواز دی کہ: ''کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا، اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دُشمن ہے؟'' ﴿۲۲﴾ دونوں بول اُٹھے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔''(۱۰) ﴿۲۳﴾ اللہ نے (آدم، ان کی بیوی اور اِبلیس سے) فرمایا: ''اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، تم ایک دُوسرے کے دُشمن ہوگے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے'' ﴿۲۴﴾ فرمایا کہ: ''اسی (زمین) میں تم جیو گے، اور اسی میں تمہیں موت آئے گی، اور اُسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائے گا۔'' ﴿۲۵﴾

---

(۱۰) یہ اِستغفار کے وہی الفاظ ہیں جن کے بارے میں سورۂ بقرہ (۲:۳۷) میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی یہ الفاظ سکھائے تھے، کیونکہ اُس وقت تک انہیں توبہ کا طریقہ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے کے لئے یہ الفاظ نہایت مناسب ہیں، اور ان کے ذریعے توبہ قبول ہونے کی زیادہ اُمید ہے، کیونکہ یہ خود اللہ تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے ہیں۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے اگر ایک طرف شیطان کو مہلت دے کر اُسے انسان کو بہکانے کی صلاحیت دی جو اِنسان کے لئے زہر جیسی تھی، تو دوسری طرف انسان کو توبہ اور اِستغفار کا تریاق بھی عطا فرمادیا کہ اگر شیطان کے بہکائے میں آکر وہ کبھی کوئی گناہ کر گذرے تو اُسے فوراً توبہ کرنی چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اس طرح شیطان کا چڑھایا ہوا زہر اُتر جائے گا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۲۶

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے اُن حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا بُرا ہے، اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔[11] اور تقویٰ کا جو لباس ہے، وہ سب سے بہتر ہے۔[12] یہ سب اللہ کی نشانیوں کا حصہ ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں۔[13] ﴿۲۶﴾

(۱۱) آیات ۲۶ تا ۳۲ اہلِ عرب کی ایک عجیب وغریب رسم کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قریب رہنے والے کچھ قبیلے مثلاً قریش، ''حُمس'' کہلاتے تھے۔ عرب کے دوسرے تمام قبیلے حرم کی پاسبانی کی وجہ سے ان لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے عقیدے کے مطابق کپڑے پہن کر طواف کرنا صرف انہی کا حق تھا۔ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں، اُن کے ساتھ ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتے۔ چنانچہ یہ لوگ جب طواف کے لئے آتے تو ''حُمس'' کے کسی آدمی سے کپڑے مانگتے، اگر اس کے کپڑے مل جاتے تو انہیں پہن کر طواف کرلیتے، لیکن اگر کسی کو ''حمس'' میں سے کسی کے کپڑے نہ ملتے تو وہ بالکل عریاں ہوکر طواف کرتے تھے۔ یہ آیتیں اس بے ہودہ رسم کی تردید کے لئے نازل ہوئی ہیں، اور ان میں انسان کے لئے لباس کی اہمیت بھی بیان فرمائی گئی ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لباس کا اصل مقصد جسم کا پردہ ہے، اور ساتھ ہی لباس انسان کے لئے زینت اور خوشنمائی کا بھی ذریعہ ہے۔ ایک اچھے لباس کی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ یہ دونوں مقصد پورے کرے۔ اور جس لباس سے پردے کا مقصد حاصل نہ ہو وہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

(۱۲) لباس کا ذکر آیا تو یہ حقیقت بھی واضح فرمادی گئی کہ جس طرح لباس انسان کے ظاہری جسم کی پردہ داری کرتا ہے، اسی طرح تقویٰ انسان کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اور اُس کے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے۔ لہٰذا ظاہری لباس پہننے کے ساتھ ساتھ انسان کو یہ فکر بھی رکھنی چاہئے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو۔

(۱۳) یعنی لباس کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، جبکہ اُن کا لباس اُن کے جسم سے اُتروالیا تھا، تاکہ اُن کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں دِکھادے۔ وہ اور اُس کا جتھہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿۲۷﴾ اور جب یہ (کافر) لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر عمل کرتے پایا ہے، اور اللہ نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔(۱۴) تم (ان سے) کہو کہ: ''اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا۔ کیا تم وہ باتیں اللہ کے نام لگاتے ہو جن کا تمہیں ذرا علم نہیں؟'' ﴿۲۸﴾ کہو کہ: ''میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے۔(۱۵) اور (یہ حکم دیا ہے کہ:) ''جب کہیں سجدہ کرو، اپنا رُخ ٹھیک ٹھیک رکھو، اور اس یقین کے ساتھ اُس کو پکارو کہ اطاعت خالص اُسی کا حق ہے۔ جس طرح اُس نے تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا، اُسی طرح تم دوبارہ پیدا ہوگے۔'' ﴿۲۹﴾

---

(۱۴) اس سے اسی رسم کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ عریاں ہوکر طواف کرتے ہیں۔ چونکہ یہ رسم برسوں سے چلی آتی تھی، اس لئے ان کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہوگا۔

(۱۵) شاید مذکورہ بالا سیاق وسباق میں انصاف کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ ''حُمس'' کے لوگوں نے اپنی جو

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

(تم میں سے) ایک گروہ کو تو اللہ نے ہدایت تک پہنچا دیا ہے، اور ایک گروہ وہ ہے جس پر گمراہی مسلط ہوگئی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو دوست بنالیا ہے، اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۳۰﴾ اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۱﴾ کہو کہ: ''آخر کون ہے جس نے زینت کے اُس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور (اسی طرح) پاکیزہ رزق کی چیزوں کو؟''[16] کہو کہ: ''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کو یہ نعمتیں جو دُنیوی زندگی میں ملی ہوئی ہیں، قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہوں گی۔''[17]

امتیازی خصوصیات طے کر رکھی تھیں، ان میں سے بعض انصاف کے تقاضوں کے بھی خلاف تھیں۔ مثلاً یہ بات کہ صرف وہی کپڑے پہن کر طواف کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ نہیں، حالانکہ اگر دوسرے لوگ گناہ کر سکتے تھے تو یہ لوگ بھی گناہوں سے پاک تو نہیں تھے۔

(۱۶) جس طرح ان عرب قبائل نے طواف کے وقت کپڑے پہننے کو حرام سمجھا ہوا تھا، اسی طرح جاہلیت کے لوگوں نے بہت سی غذاؤں کو بلا وجہ حرام قرار دیا ہوا تھا جس کا مفصل تذکرہ سورۂ انعام میں گذرا ہے۔ نیز ''حُمس'' کے قبائل نے گوشت کی بعض قسموں کو اپنی امتیازی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا تھا۔

(۱۷) یہ دراصل کفارِ مکہ کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا موجودہ طریقہ پسند

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾

اسی طرح ہم تمام آیتیں اُن لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم سے کام لیں ﴿۳۲﴾ کہہ دو کہ: ''میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔ نیز ہر قسم کے گناہ کو اور ناحق کسی سے زیادتی کرنے کو، اور اِس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک مانو جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، نیز اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کی حقیقت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ہے۔ (۱۸) ﴿۳۳﴾ اور ہر قوم کے لئے ایک میعاد مقرر ہے۔ چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتے ﴿۳۴﴾

نہیں ہے تو وہ ہمیں رزق کیوں دے رہا ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ کے رزق کا دسترخوان ہر شخص کے لئے بچھا ہوا ہے، چاہے وہ مؤمن ہو یا کافر۔ لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مؤمنوں کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر دُنیا میں کسی کو خوشحالی میسر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل ہے، اور اسے آخرت میں بھی خوشحالی ضرور میسر آئے گی۔

(۱۸) یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

(اور اللہ نے انسان کو پیدا کرتے وقت ہی یہ تنبیہ کردی تھی کہ:) ''اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے کچھ پیغمبر آئیں جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے، اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۳۵﴾ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، وہ لوگ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' ﴿۳۶﴾ اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ ایسے لوگوں کے مقدر میں (رزق کا) جتنا حصہ لکھا ہوا ہے، وہ اُنہیں (دُنیا کی زندگی میں) پہنچتا رہے گا،[19] یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی روح قبض کرنے کے لئے آپہنچیں گے تو وہ کہیں گے کہ: ''کہاں ہیں وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے؟'' یہ جواب دیں گے کہ: ''وہ سب ہم سے گم ہوچکے ہیں۔'' اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ﴿۳۷﴾

---

(۱۹) یہاں یہ واضح کردیا گیا کہ دُنیا میں رزق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور کافر میں تفریق نہیں فرمائی ہے، بلکہ ہر ایک کے لئے رزق کا ایک حصہ مقرر فرمادیا ہے جو اسے ہر حال میں پہنچتا رہے گا، چاہے وہ کتنا بڑا کافر کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی کو دُنیا میں رزق کی فراوانی حاصل ہے، تو اُسے یہ نہ سمجھ بیٹھنا چاہئے کہ اُس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جیسا کہ یہ کفارِ مکہ سمجھ رہے ہیں۔ ان کو اصل حقیقت کا پتہ اُس وقت چلے گا جب موت کا منظر ان کے سامنے آجائے گا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸

اللہ فرمائے گا کہ: "جاؤ، جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہوجاؤ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔" (اس طرح) جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ اپنے جیسوں پر لعنت بھیجے گا،[۲۰] یہاں تک کہ جب ایک کے بعد ایک، سب اُس میں اکٹھے ہوجائیں گے تو اُن میں سے جو لوگ بعد میں آئے تھے، وہ اپنے سے پہلے آنے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ: "اے ہمارے پروردگار! اِنہوں نے ہمیں غلط راستے پر ڈالا تھا، اس لئے اِن کو آگ کا دُگنا عذاب دینا۔" اللہ فرمائے گا کہ: "سبھی کا عذاب دُگنا ہے،[۲۱] لیکن تمہیں (ابھی) پتہ نہیں ہے۔" ﴿۳۸﴾ اور پہلے آنے والے بعد میں آنے والوں سے کہیں گے: "تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت تو حاصل نہ ہوئی۔ لہٰذا جو کمائی تم خود کرتے رہے ہو اُس کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔" ﴿۳۹﴾

---

(۲۰) یعنی جو لوگ سرداروں کے ماتحت تھے، وہ اپنے اُن سرداروں پر لعنت بھیجیں گے جنہوں نے اُنہیں گمراہ کیا تھا، اور سردار اپنے ماتحتوں پر لعنت بھیجیں گے کہ انہوں نے اُن کی حد سے زیادہ تعظیم کرکے انہیں گمراہی میں اور پختہ کردیا۔

(۲۱) مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا عذاب پہلے سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ لہٰذا اگر سرداروں کو اس وقت دُگنا عذاب دے دیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود تم اتنے شدید عذاب سے محفوظ رہو گے، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ خود تمہارا عذاب بھی بڑھ کر ان کے موجودہ عذاب کے برابر ہوجائے گا، چاہے اُن کا عذاب اُس وقت اور بڑھ جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾

(لوگو!) یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اُونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا، (۲۲) اور اِسی طرح ہم مجرموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۴۰﴾ اُن کے لئے تو دوزخ ہی کا بچھونا ہے، اور اُوپر سے اُسی کا اوڑھنا۔ اور اِسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ـــــ (یاد رہے کہ) ہم کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے (۲۳) ـــــ تو ایسے لوگ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے ﴿۴۲﴾

---

(۲۲) یہ ایک عربی زبان کا محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک اُونٹ سوئی کے ناکے میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

(۲۳) نیک عمل کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جملۂ معترضہ کے طور پر یہ وضاحت فرمادی کہ نیک عمل کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو اِنسان کی طاقت سے باہر ہو، کیونکہ ہم نے کوئی حکم انسانوں کو ایسا نہیں دیا جو ان کی اِستطاعت میں نہ ہو۔ نیز شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طاقت کی حد تک نیک عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو، اور پھر بھی اس سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس پر گرفت نہیں فرماتے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور اُن کے سینوں میں (ایک دوسرے سے دُنیا میں) جو کوئی رنجش رہی ہوگی، اُسے ہم نکال باہر کریں گے۔ (۲۴) اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ کہیں گے: "تمام تر شکر اللہ کا ہے، جس نے ہمیں اِس منزل تک پہنچایا۔ اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم کبھی منزل تک نہ پہنچتے۔ ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی ہمارے پاس بالکل سچی بات لے کر آئے تھے۔" اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ: "لوگو! یہ ہے جنت! تم جو عمل کرتے رہے ہو، اُن کی بنا پر تمہیں اِس کا وارث بنا دیا گیا ہے۔" ﴿۴۳﴾ اور جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ: "ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اُسے بالکل سچا پایا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے بھی اُسے سچا پایا؟" وہ جواب میں کہیں گے: "ہاں!" اتنے میں ایک منادی اُن کے درمیان پکارے گا کہ: "اللہ کی لعنت ہے اُن ظالموں پر ﴿۴۴﴾

(۲۴) چونکہ جنت ہر قسم کی تکلیف سے خالی ہوگی، اس لئے وہاں باہمی عداوت، کینے اور کدورت کا بھی گذر نہیں ہوگا، اور دُنیا میں انسانوں کے درمیان جو رنجشیں رہی ہوں، جنت میں اللہ تعالیٰ وہ بالکل دُور فرما دیں گے، اور تمام جنتی محبت، دوستی اور بھائی چارے کے ماحول میں رہیں گے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے، اور اُس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے، اور جو آخرت کا بالکل انکار کیا کرتے تھے۔'' ﴿۴۵﴾ اور ان دونوں گروہوں (یعنی جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک آڑ ہوگی، اور اَعراف پر (یعنی اُس آڑ کی بلندیوں پر) کچھ لوگ ہوں گے جو ہر گروہ کے لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔ (۲۵) اور وہ جنت والوں کو آواز دے کر کہیں گے: ''سلام ہو تم پر!'' وہ (اَعراف والے) خود تو اُس میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، البتہ اشتیاق کے ساتھ اُمید لگائے ہوئے ہوں گے ﴿۴۶﴾ اور جب اُن کی نگاہوں کو دوزخ والوں کی سمت موڑا جائے گا تو وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھنا۔'' ﴿۴۷﴾ اور اَعراف والے اُن لوگوں کو آواز دیں گے جن کو وہ اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔

(۲۵) یوں تو اَعراف والے جنت اور جہنم دونوں کا خود نظارہ کر رہے ہوں گے، اس لئے انہیں جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچاننے کے لئے کسی علامت کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ لوگ جنت اور دوزخ والوں کو دُنیا میں بھی ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ صاحب ایمان تھے، اس لئے انہیں دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی حس عطا فرمادی تھی کہ یہ متقی پرہیزگار لوگوں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ نیک لوگ ہیں، اور کافروں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ کافر ہیں (تفسیر کبیر امام رازی)۔

قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کہیں گے کہ: ''نہ تمہاری جمع پونجی تمہارے کچھ کام آئی، اور نہ وہ جنہیں تم بڑا سمجھے بیٹھے تھے۔''(۲۶) ﴿۴۸﴾ (پھر جنتیوں کی طرف اشارہ کرکے کہیں گے کہ:) ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت کا کوئی حصہ نہیں دے گا؟ (اُن سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ:) جنت میں داخل ہوجاؤ، نہ تم کو کسی چیز کا ڈر ہوگا، اور نہ تمہیں کبھی کوئی غم پیش آئے گا۔'' ﴿۴۹﴾ اور دوزخ والے جنت والوں سے کہیں گے کہ: ''ہم پر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو، یا اللہ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، ان کا کوئی حصہ (ہم تک بھی پہنچادو)'' وہ جواب دیں گے کہ: ''اللہ نے یہ دونوں چیزیں اُن کافروں پر حرام کردی ہیں ﴿۵۰﴾ جنہوں نے اپنے دِین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا، اور جن کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔'' چنانچہ آج ہم بھی اُن کو اِسی طرح بھلا دیں گے جیسے وہ اِس بات کو بھلائے بیٹھے تھے کہ اُنہیں اِس دن کا سامنا کرنا ہے، اور جیسے وہ ہماری آیتوں کا کھلم کھلا اِنکار کیا کرتے تھے ﴿۵۱﴾

---

(۲۶) اس سے اشارہ ان دیوتاؤں کی طرف ہے جن کو انہوں نے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانا ہوا تھا، نیز اُن سرداروں اور پیشواؤں کی طرف جنہیں بڑا مان کر انہوں نے بے سوچے سمجھے ان کی پیروی کی، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ع ۶ ۱۳

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس میں ہم نے اپنے علم کی بنیاد پر ہر چیز کی تفصیل بتادی ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے وہ ہدایت اور رحمت ہے ﴿۵۲﴾ (اب) یہ (کافر) اُس آخری انجام کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہے؟[۲۷] (حالانکہ) جس دن وہ آخری انجام آ گیا جو اِس کتاب نے بتایا ہے، اُس دن یہ لوگ جو اُس انجام کو پہلے بھلا چکے تھے، یہ کہیں گے کہ: ''ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی سچی خبر لائے تھے۔ اب کیا ہمیں کچھ سفارشی میسر آ سکتے ہیں جو ہماری سفارش کریں، یا کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ وہیں (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ ہم جو (برے) کام پہلے کرتے رہے ہیں، اُن کے برخلاف دوسرے (نیک) عمل کریں؟'' حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جانوں کے لئے سخت گھاٹے کا سودا کر چکے ہیں، اور جو (دیوتا) اِنہوں نے گھڑ رکھے ہیں، اِنہیں (اُس دن) اُن کا کہیں سراغ نہیں ملے گا ﴿۵۳﴾ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے،[۲۸]

(۲۷) اس آخری انجام سے مراد قیامت ہے۔ یعنی کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، حالانکہ اُس وقت ایمان قبول ہی نہیں ہوگا، اور جب وہ آجائے گی تو ان کو حسرت کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(۲۸) یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب دنوں کا حساب موجودہ سورج کے طلوع وغروب سے نہیں ہوتا تھا۔ اُس وقت کے دن کا شمار بظاہر کسی اور معیار پر کیا گیا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

پھر اُس نے عرش پر اِستواء فرمایا۔(۲۹) وہ دن کورات کی چادر اُڑھادیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اُس کو آدبوچتی ہے۔ اور اُس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے ہیں جو سب اُس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے! ﴿۵۴﴾ تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۳۰) ﴿۵۵﴾

کو یہ بھی قدرت تھی کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے پوری کائنات وجود میں لے آتا، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(۲۹) ''اِستواء'' عربی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں: ''سیدھا ہونا''، ''قائم ہونا''، ''قابو پانا'' اور بعض اوقات اس کے معنیٰ بیٹھنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہے، اس لئے اس کے یہ معنیٰ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ جس طرح کوئی انسان تخت پر بیٹھتا ہے، اس طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھے ہیں۔ ''اِستواء'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور جمہور اہلِ سنت کے نزدیک اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے متشابہات میں شمار کیا گیا ہے جن کی کھود کرید میں پڑنے کو سورۂ آل عمران کے شروع میں خود قرآنِ کریم نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی بھی ترجمہ کرنا مغالطہ پیدا کرسکتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ نہ اس پر کوئی عملی مسئلہ موقوف ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اِستواء فرمایا جس کی حقیقت ہماری محدود عقل کے ادراک سے باہر ہے۔

(۳۰) اس حد سے گذرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بہت اُونچی آواز سے دُعا مانگی جائے، اور یہ بھی کہ کوئی ناجائز یا ناممکن چیز طلب کی جائے، جو دُعا کے بجائے (معاذ اللہ) مذاق بن جائے، مثلاً یہ دُعا کہ میں ابھی آسمان پر چڑھ جاؤں۔ کفار بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی دُعائیں مانگنے کا مطالبہ کرتے تھے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو،[۳۱] اور اُس کی عبادت اس طرح کرو کہ دِل میں خوف بھی ہو اور اُمید بھی۔[۳۲] یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے ﴿۵۶﴾ اور وہی (اللہ) ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) کے آگے آگے ہوائیں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں، تو ہم انہیں کسی مردہ زمین کی طرف ہنکالے جاتے ہیں، پھر وہاں پانی برساتے ہیں، اور اُس کے ذریعے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو بھی زندہ کر کے نکالیں گے۔ شاید (ان باتوں پر غور کر کے) تم سبق حاصل کرلو۔[۳۳] ﴿۵۷﴾

---

(۳۱) زمین پر اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو بھیجا تو شروع میں نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، اور اس طرح زمین کی اصلاح ہو چکی تھی۔ جن جن لوگوں نے بعد میں نافرمانی کے بیج بوئے انہوں نے زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مچایا۔

(۳۲) یہاں دعاء کا صیغہ اکثر مفسرین کے نزدیک عبادت کے لئے آیا ہے، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ عبادت سے کیا ہے۔ اور سچی عبادت کی شان اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ عبادت کرنے والے کے دِل میں اپنی عبادت پر ناز ہونے کے بجائے یہ خوف ہونا چاہئے کہ نہ جانے میں عبادت کا حق ادا کر سکا یا نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی مستحق ہے یا نہیں۔ دوسری طرف اسے اپنی عبادت کی کوتاہیوں سے مایوسی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما ہی لے گا۔ یعنی اپنی کوتاہی کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بنیاد پر اُمید، دونوں چیزوں کا امتزاج ہے جو کسی عبادت میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

(۳۳) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ایک مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے، اسی طرح وہ مردہ انسانوں میں بھی جان

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾

ع ۱۴ ۵

اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اُس کی پیداوار تو اپنے رَبّ کے حکم سے نکل آتی ہے، اور جو زمین خراب ہوگئی ہو، اُس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (۳۴) اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کے مختلف رُخ دِکھاتے رہتے ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو قدر دانی کریں ﴿۵۸﴾

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا۔ (۳۵) چنانچہ انہوں نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقین جانو مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تم پر ایک زبردست دن کا عذاب نہ آ کھڑا ہو۔'' ﴿۵۹﴾

ڈالنے پر قادر ہے۔ مردہ زمین کے زندہ ہونے کے واقعات تم روزمرہ دیکھتے ہو، اور یہ بھی مانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس سے تمہیں سبق لینا چاہئے کہ انسانوں کو دوبارہ زندگی دینے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔

(۳۴) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح اچھی زمین کی پیداوار بھی خوب ہوتی ہے، اسی طرح جن لوگوں کے دِل میں طلب کی پاکیزگی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں، اور جس طرح ایک خراب زمین پر بارش پڑنے کے باوجود اُس سے کوئی فائدہ مند پیداوار حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح جن لوگوں کے دِل ضد اور عناد سے خراب ہو چکے ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۳۵) اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک ہزار سال سے کچھ زیادہ کا فاصلہ ہے، لیکن محقق علماء نے ان روایات کو مستند نہیں سمجھا۔ حقیقی فاصلے کا

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا: ''ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو'' ﴿۶۰﴾ نوح نے جواب دیا: ''اے میری قوم! مجھے کوئی گمراہی نہیں لگی، مگر میں رَبّ العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿۶۱﴾ میں تمہیں اپنے رَبّ کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے ﴿۶۲﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رَبّ کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے، اور تم بدعملی سے بچ کر رہو، اور تاکہ تم پر (اللہ کی) رحمت ہو؟'' ﴿۶۳﴾

یقینی علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات قرآنِ کریم سے واضح ہوتی ہے کہ اس طویل عرصے کے دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے، جن کے نام سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ سورۂ عنکبوت (۲۹: ۱۴) میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اس قوم کو حق کی تبلیغ فرمائی، اور سمجھانے کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔ کچھ نیک بخت ساتھی جو زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اُن پر ایمان لائے، لیکن قوم کی اکثریت نے کفر ہی کا راستہ اختیار کئے رکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن جب وہ نہ مانے، تو انہوں نے بددُعا دی، اور پھر انہیں ایک شدید طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے اور ان کی قوم پر آنے والے طوفان کی سب سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۹) اور سورۂ نوح (سورت نمبر ۷۱) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۂ مؤمنون (۲۳: ۲۳)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۰۵) اور سورۂ قمر (۵۴: ۹) میں بھی ان کا واقعہ اختصار سے بیان ہوا ہے۔ دوسرے مقامات پر ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَٰهُ وَالَّذِينَ مَعَهُۥ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ ع وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِۦٓ إِنَّا لَنَرَىٰكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَٰذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٦٧﴾

پھر بھی انہوں نے نوح کو جھٹلایا، چنانچہ ہم نے اُن کو اور کشتی میں اُن کے ساتھیوں کو نجات دی،[(۳۶)] اور اُن سب لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔﴿۶۴﴾ اور قومِ عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔[(۳۷)] انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرو گے؟''﴿۶۵﴾ اُن کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، کہنے لگے: ''ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم بے وقوفی میں مبتلا ہو، اور بیشک ہمارا گمان یہ ہے کہ تم ایک جھوٹے آدمی ہو''﴿۶۶﴾ ہود نے کہا: ''اے میری قوم! مجھے کوئی بے وقوفی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ میں ربّ العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں﴿۶۷﴾

---

(۳۶) کشتی اور طوفان کا پورا واقعہ اِن شاء اللہ سورۂ ہود میں آنے والا ہے۔

(۳۷) قومِ عاد عربوں کی ابتدائی نسل کی ایک قوم تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم از کم دو ہزار سال پہلے یمن کے علاقے حضر موت کے آس پاس آباد تھی۔ یہ لوگ اپنی جسمانی طاقت اور پتھروں کو تراشنے کے ہنر میں مشہور تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی، اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، اور انہوں نے اپنی قوم کو بڑی دردمندی سے سمجھانے کی کوشش

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا ایسا خیرخواہ ہوں جس پر تم اطمینان کر سکتے ہو ﴿۶۸﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رَبّ کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے؟ اور وہ وقت یاد کرو جب اُس نے نوح (علیہ السلام) کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا، اور جسم کی ڈیل ڈول میں تمہیں (دوسروں سے) بڑھا چڑھا کر رکھا۔[۳۸] لہٰذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو" ﴿۶۹﴾

کی، اور انہیں توحید کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ کا شکرگذار بننے کی تعلیم دی، مگر کچھ نیک طبع لوگوں کے سوا باقی لوگوں نے اُن کا کہنا نہیں مانا۔ پہلے اُن کو قحط میں مبتلا کیا گیا، اور حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دِلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، اگر اب بھی تم اپنی بداعمالیوں سے باز آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارشیں برسادے گا۔ (۱۱:۵۲) لیکن اس قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا، اور وہ اپنے کفر و شرک میں بڑھتی چلی گئی۔ آخر کار اُن پر ایک تیز و تند آندھی کا عذاب بھیجا گیا جو آٹھ دن تک متواتر جاری رہا، یہاں تک کہ یہ ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ اس قوم کا واقعہ موجودہ سورت کے علاوہ سورۂ ہود (۱۱: ۵۰ تا ۸۹)، سورۂ مؤمنون (۲۳: ۳۲)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۲۴)، سورۂ حم السجدہ (۴۱: ۱۵)، سورۂ احقاف (۴۶: ۲۱)، سورۂ قمر (۵۴: ۱۸)، سورۂ الحاقہ (۶۹: ۶) اور سورۂ فجر (۸۹: ۶) میں آیا ہے۔ ان کے مختلف واقعات کی تفصیل اِن شاء اللہ ان سورتوں میں آئے گی۔

(۳۸) یہ لوگ اپنے قد و قامت میں اتنے لمبے چوڑے تھے کہ سورۂ فجر (۸۹: ۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان جیسی قوم کسی بھی ملک میں پیدا نہیں کی گئی۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۸ ۱۲ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ

وقف لازم

انہوں نے کہا: ”کیا تم ہمارے پاس اِس لئے آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں، اور جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، انہیں چھوڑ بیٹھیں؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہمارے سامنے وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دے رہے ہو!“ ﴿۷۰﴾ ہود نے کہا: ”اب تمہارے رَبّ کی طرف سے تم پر عذاب اور قہر کا آنا طے ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے (مختلف بتوں کے) اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، جن کی تائید میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ بس تو اَب تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں“ ﴿۷۱﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو (یعنی ہود علیہ السلام کو) اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور مؤمن نہیں ہوئے تھے ﴿۷۲﴾ اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔(۳۹)

(۳۹) ثمود بھی قومِ عاد ہی کی نسل سے پیدا ہوئی تھی، اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھی جو عذاب سے بچ گئے تھے، یہ ان کی اولاد تھی، اور ثمود اُن کے دادا کا نام تھا۔ اسی لئے ان کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم عرب اور شام کے درمیان اُس علاقے میں آباد تھی جس کو اُس وقت ”حجر“ کہا جاتا تھا، اور آج کل اُسے ”مدائن صالح“ کہتے ہیں، اور آج بھی ان کے گھروں اور محلات کے کھنڈر موجود ہیں، اور پہاڑوں سے تراشی ہوئی عمارتوں کے آثار جن کا ذکر آیت ۷۴ میں ہے، آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ عرب کے

مشرکین جب تجارتی سفر پر شام جاتے تو یہ کھنڈر ایک نشانِ عبرت کے طور پر ان کے راستے میں پڑتے تھے، اور قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر انہیں اس کی طرف توجہ دِلائی ہے۔ اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی کی بیماری پیدا ہوگئی تھی، اور اس کے نتیجے میں بہت سی عملی خرابیاں پھیل گئی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست دِکھانے کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ لیکن یہاں بھی وہی صورت پیش آئی کہ قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جوانی سے بڑھاپے تک مسلسل اُن کو تبلیغ جاری رکھی۔ آخر کار ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ہمارے سامنے کے پہاڑ سے کوئی اُونٹنی نکال کر دِکھادیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اُونٹنی بھی نکال کر دِکھادی۔ اس پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے، مگر بڑے بڑے سردار اپنے عہد سے پھر گئے، اور نہ صرف یہ کہ اپنی ضد پر اَڑے رہے، بلکہ جو دوسرے لوگ ایمان لانے کا ارادہ کر رہے تھے انہیں بھی روک دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اس اُونٹنی کو تم آزاد چھوڑے رکھو، اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اُونٹنی کو چونکہ پورے کنویں کا پانی درکار ہوتا تھا اس لئے اس کی باری مقرر کردی کہ ایک دن اُونٹنی کنویں کا پانی پیئے گی اور دوسرے دن آبادی کے لوگ پانی لیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ قوم کے کچھ لوگوں نے اُونٹنی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا، اور آخر کار ایک شخص نے جس کا نام قدار تھا، اس کو قتل کرڈالا۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں متنبہ کیا کہ اب ان کی زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں، جس کے بعد وہ عذاب سے ہلاک کردیئے جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی بتادیا تھا کہ ان تین دنوں میں سے ہر دن اُن کے چہروں کا رنگ بدل جائے گا۔ یعنی پہلے دن رنگ پیلا، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن کالا ہوجائے گا۔ اس کے باوجود اس ضدی قوم نے توبہ اور اِستغفار کرنے کے بجائے خود حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کا ذکر قرآنِ کریم نے سورۂ نمل (۲۷: ۴۸ و ۴۹) میں فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں راستے ہی میں ہلاک کردیا، اور ان کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ آخر کار تین دن اسی طرح گذرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا، اسی حالت میں شدید زلزلہ آیا، اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ کی آواز نے ان سب کو ہلاک کرڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تفصیلی ذکر سورۂ ہود (۱۱: ۶۱)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۴۱)، سورۂ نمل (۲۷: ۴۵) اور سورۂ قمر (۵۴: ۲۳) میں آیا ہے۔ نیز سورۂ حجر، سورۂ ذاریات، سورۂ نجم، سورۂ الحاقہ اور سورۂ شمس میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

انہوں نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رَبّ کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ اس لئے اس کو آزاد چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے کسی برائی کے ارادے سے چھونا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایک دُکھ دینے والا عذاب آ پکڑے ﴿۷۳﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قومِ عاد کے بعد جانشین بنایا، اور تمہیں زمین پر اس طرح بسایا کہ تم اُس کے ہموار علاقوں میں محل بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھروں کی شکل دے دیتے ہو۔ لہٰذا اللہ کی نعمتوں پر دِھیان دو، اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو'' ﴿۷۴﴾ اُن کی قوم کے سرداروں نے جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، اُن کمزوروں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے کہ: ''کیا تمہیں اِس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رَبّ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ: ''بیشک ہم تو اُس پیغام پر پورا ایمان رکھتے ہیں جو اُن کے ذریعے بھیجا گیا ہے'' ﴿۷۵﴾

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

وہ مغرور لوگ کہنے لگے: ''جس پیغام پر تم ایمان لائے ہو، اُس کے تو ہم سب منکر ہیں'' ﴿۷۶﴾ چنانچہ انہوں نے اُونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: ''صالح! اگر تم واقعی ایک پیغمبر ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو!'' ﴿۷۷﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۷۸﴾ اس موقع پر صالح اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ''اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رَبّ کا پیغام پہنچایا، اور تمہاری خیر خواہی کی، مگر (افسوس کہ) تم خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے'' ﴿۷۹﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا،(۴۰) جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: ''کیا تم اُس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی شخص نے نہیں کی؟ ﴿۸۰﴾

---

(۴۰) حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، جو اپنے مقدس چچا کی طرح عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور جب انہوں نے وہاں سے ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وطن سے نکل آئے۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئے، اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُردُن کے شہر سدوم (Sodom) میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔ سدوم ایک مرکزی شہر تھا، اور اس کے مضافات میں عمورہ وغیرہ کئی بستیاں آباد تھیں۔ کفر و شرک کے علاوہ ان بستیوں کی شرمناک بدعملی یہ تھی کہ وہ ہم جنسی (Homosexuality) کی لعنت میں گرفتار تھے جس کا ارتکاب قرآنِ کریم کی تصریح کے مطابق ان سے پہلے دُنیا کے کسی فرد نے نہیں کیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے اَحکام پہنچائے، اور عذاب سے بھی

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۱۲/۱۷

تم جنسی ہوس پوری کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ (اور یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں،) بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ (شرافت کی) تمام حدیں پھلانگ چکے ہو'' ﴿۸۱﴾ اُن کی قوم کا جواب یہ کہنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ: ''نکالو اِن کو اپنی بستی سے! یہ لوگ ہیں جو بڑے پاکباز بنتے ہیں!'' ﴿۸۲﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُن کو (یعنی لوط علیہ السلام کو) اور ان کے گھر والوں کو (بستی سے نکال کر) بچالیا، البتہ اُن کی بیوی تھی جو باقی لوگوں میں شامل رہی (جو عذاب کا نشانہ بنے) ﴿۸۳﴾ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کی) ایک بارش برسائی۔ اب دیکھو! ان مجرموں کا انجام کیسا (ہولناک) ہوا؟ ﴿۸۴﴾

ڈرایا، لیکن جب یہ لوگ اپنی خباثت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان تمام بستیوں کو اُلٹ دیا گیا۔ آج بحرِ میّت (Dead Sea) کے نام سے جو سمندر ہے، کہتے ہیں کہ یہ بستیاں یا تو اُس میں ڈُوب گئی ہیں، یا اُس کے آس پاس تھیں جن کا نشان واضح نہیں رہا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا اس قوم کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تھا، پھر بھی اس آیت میں اسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کہا گیا ہے، کیونکہ یہ وہ اُمت تھی جس کی طرف اُن کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے واقعے کی سب سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود (۱۱:۶۹ تا ۸۳) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۂ حجر (۱۵:۵۲ تا ۸۴)، سورۂ شعراء (۲۶:۱۶۰ تا ۱۷۴) اور سورۂ عنکبوت (۲۹:۲۶ تا ۳۵) میں بھی ان کے واقعے کی کچھ تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ نیز سورۂ ذاریات (۵۱:۲۴ تا ۳۷) اور سورۂ تحریم (۶۶:۱۰) میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔(۴۱) انہوں نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ لہٰذا ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں، اُن میں اُن کی حق تلفی نہ کرو۔(۴۲)

(۴۱) مدین ایک قبیلے کا نام ہے، اور اسی کے نام پر ایک بستی بھی ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُن کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے کا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا، اور یہاں کے لوگ خاصے خوش حال تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں کفر و شرک کے علاوہ بہت سی بدعنوانیاں رواج پا گئیں۔ ان کے بہت سے لوگ ناپ تول میں دھوکا دیتے تھے۔ بہت سے زور آور لوگوں نے راستوں پر چوکیاں بنا رکھی تھیں، جو گذرنے والوں سے زبردستی کا ٹیکس وصول کرتے تھے۔ کچھ لوگ ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔ نیز جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے نظر آتے، انہیں روکتے اور تنگ کرتے تھے۔ ان کی ان بدعنوانیوں کا ذکر اگلی دو آیتوں میں آرہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر اور خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اسی لئے وہ ''خطیب الانبیاء'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کی مؤثر تقریروں کا قوم نے کچھ اثر نہ لیا۔ اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل سے سورۂ ہود (۱۱: ۸۴ تا ۹۵) میں آئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ تفصیل سورۂ شعراء (۲۶: ۱۷۷) اور سورۂ عنکبوت (۲۹: ۳۶) میں آئی ہے، اور سورۂ حجر (۱۵: ۷۸) میں مختصر حوالہ آیا ہے۔

(۴۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ناپ تول میں کمی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کی حق تلفی کیا کرتی تھی۔ اس آیت میں لفظ ''بخس'' استعمال کیا گیا ہے، جس کے لفظی معنی کمی کرنے کے ہیں، اور یہ لفظ خاص طور پر کسی کا حق مار لینے کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآنِ کریم میں یہ فقرہ تین جگہ بڑی تاکید

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ کُنۡتُمۡ قَلِیۡلًا فَکَثَّرَکُمۡ ۪ وَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنۡ کَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡکُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِیۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰهُ بَیۡنَنَا ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔(۴۳) لوگو! یہی طریقہ تمہارے لئے بھلائی کا ہے، اگر تم میری بات مان لو ﴿۸۵﴾ اور ایسا نہ کیا کرو کہ راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو دھمکیاں دو، اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں، ان کو اللہ کے راستے سے روکو، اور اُس میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور وہ وقت یاد کرو جب تم کم تھے، پھر اللہ نے تمہیں زیادہ کردیا،(۴۴) اور یہ بھی دیکھو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا ہے ﴿۸۶﴾ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اُس پیغام پر ایمان لے آیا ہے جو میرے ذریعے بھیجا گیا ہے، اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا، تو ذرا اُس وقت تک صبر کرو جب تک اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔(۴۵) اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' ﴿۸۷﴾

کے ساتھ آیا ہے، اور اس میں دوسروں کی ملکیت کے احترام پر زور دیا گیا ہے۔ اس احترام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی کے مال یا جائیداد پر اُس کی مرضی کے بغیر قبضہ کرلیا جائے، اور یہ بھی کہ کسی کی کوئی بھی چیز اُس کی خوش دِلی کے بغیر اِستعمال کی جائے۔

(۴۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۶ کا حاشیہ۔

(۴۴) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، اور یہ بھی کہ ان کو خوشحالی زیادہ نصیب ہوئی۔

(۴۵) یہ درحقیقت اُن کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں تو مؤمنوں اور کافروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی خوش حالی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اگر اُن کا طریقہ اللہ کو پسند نہ ہوتا تو انہیں یہ خوش حالی کیوں نصیب ہوتی؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت کی خوش حالی سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ صورتِ حال ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ ابھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اُن کی قوم کے سردار جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے: ''اے شعیب! ہم نے پکا ارادہ کرلیا ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ تمام ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، ورنہ تم سب کو ہمارے دِین میں واپس آنا پڑے گا۔'' شعیب نے کہا: ''اچھا؟ اگر ہم (تمہارے دِین سے) نفرت کرتے ہوں، تب بھی؟ ﴿۸۸﴾ ہم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں گے، اگر تمہارے دِین کی طرف لوٹ آئیں گے،[۴۶] جبکہ اللہ نے ہمیں اُس سے نجات دے دی ہے۔ ہمارے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اُس کی طرف واپس جائیں۔ ہاں اللہ ہمارا پروردگار ہی کچھ چاہے تو اور بات ہے۔[۴۷] ہمارے رَبّ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے رَبّ! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے۔ اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' ﴿۸۹﴾

(۴۶) حضرت شعیب علیہ السلام کے دوسرے ساتھی تو پہلے اپنی قوم کے دِین پر تھے، بعد میں ایمان لائے، اس لئے ان کے حق میں تو پُرانے دِین کی طرف لوٹنے کا لفظ صحیح ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کبھی بھی اُن کے دِین پر نہیں رہے، البتہ ان کی نبوت سے پہلے اُن کی قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ اُنہی کے دِین پر ہیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کے لئے بھی لوٹنے کا لفظ استعمال کیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب بھی اُنہی کے الفاظ میں دیا۔

(۴۷) یہ اعلیٰ درجے کی عبدیت کا فقرہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے پکے عزم سے اللہ تعالیٰ کو

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اَپنایا ہوا تھا (قوم کے لوگوں سے) کہنے لگے: ''اگر تم شعیب کے پیچھے چلے تو یاد رکھو اُس صورت میں تمہیں سخت نقصان اُٹھانا پڑے گا'' ﴿۹۰﴾ پھر ہوا یہ کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا،(۴۸) اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۹۱﴾ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، آخر کو نقصان اُٹھانے والے وہی ہوئے ﴿۹۲﴾ چنانچہ وہ (یعنی شعیب علیہ السلام) اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ''اے قوم! میں نے تجھے اپنے رَبّ کے پیغامات پہنچا دیئے تھے، اور تیرا بھلا چاہا تھا۔ (مگر) اب میں اُس قوم پر کیا افسوس کروں جو ناشکری تھی!'' ﴿۹۳﴾

کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنی طرف سے تو یہ پکا ارادہ کر رکھا ہے کہ کبھی تمہارا دِین اختیار نہیں کریں گے، لیکن اپنے اس عزم پر عمل اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اگر وہ چاہے تو ہمارے دِلوں کو بھی پھیر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب کوئی بندہ اِخلاص کے ساتھ راہِ راست پر رہنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اُس کا دِل گمراہی کی طرف نہیں پھیرتا۔ اور ہر شخص کے اِخلاص کی کیفیت کا اس کو پورا علم ہے۔ لہٰذا اِخلاص کے ساتھ کسی بات کا پکا ارادہ کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس ارادے کو پورا فرمائے گا۔ اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اس جملے سے یہ عظیم سبق دیا ہے کوئی بھی نیکی کرتے وقت بھروسہ اپنے عزم اور عمل کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے۔

(۴۸) اس قوم پر جو عذاب آیا اُس کے لئے قرآنِ کریم نے یہاں زلزلے کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۂ ہود (۱۱:۹۴) میں اس کو ''صیحہ'' یعنی چنگھاڑ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور سورۂ شعراء (۲۶:۱۸۹) میں اسے ''عذاب یوم الظلۃ'' یعنی سائبان کے دن کا عذاب'' فرمایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا، اُس میں رہنے والوں کو بدحالی اور تکلیفوں میں گرفتار ضرور کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔(۴۹) ﴿۹۴﴾

لوگوں پر پہلے سخت گرمی پڑی جس سے یہ بلبلا اُٹھے۔ پھر شہر سے باہر ایک بادل آیا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ لوگ گھروں سے نکل کر اس کے نیچے جمع ہوگئے۔ اُس وقت اس بادل سے آگ برسائی گئی، جسے ''سائبان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر زلزلہ آیا۔ (روح المعانی) اور زلزلے کے ساتھ عموماً آواز بھی ہوتی ہے جسے چنگھاڑ کہا گیا ہے۔

(۴۹) بتایا یہ جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کیا، انہیں (معاذ اللہ) جلدی سے غصّے میں آکر ہلاک نہیں کردیا بلکہ انہیں سالہا سال تک راہِ راست پر آنے کے بہت سے مواقع فراہم کئے۔ اوّل تو پیغمبر بھیجے جو انہیں برسوں تک ہوشیار کرتے رہے، پھر شروع میں انہیں کچھ معاشی بدحالی یا بیماریوں وغیرہ کی مصیبتوں سے دوچار کیا، تاکہ اُن کے دِل کچھ نرم پڑیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے ہیں، اور تنگی ترشی میں بعض اوقات حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔ جب ایسے حالات میں پیغمبران کو متنبہ کرتے ہیں کہ ذرا سنبھل جاؤ، ابھی اللہ تعالیٰ نے ایک اشارہ دیا ہے، جو کسی وقت باقاعدہ عذاب میں تبدیل ہوسکتا ہے، تو بعض لوگوں کے دِل پسیج جاتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب اُن پر خوش حالی آتی ہے تو اُن کے دِل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اُس وقت حق بات کو قبول کرنے کے لئے نسبۃً زیادہ آمادہ ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو بدحالی کے بعد خوش حالی کی نعمت بھی عطا کی جاتی ہے، تاکہ وہ شکر گذار بن سکیں۔ حالات کی اس تبدیلی سے بعض لوگ بیشک سبق لے لیتے ہیں، اور راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ لیکن کچھ ضدی طبیعت کے لوگ ان باتوں سے کوئی سبق نہیں سیکھتے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دُکھ سکھ اور سرد وگرم حالات تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آچکے ہیں۔ انہیں خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح جب ان لوگوں پر ہر طرح کی حجت تمام ہوچکی ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، اور اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ ان کو پہلے سے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ

پھر ہم نے کیفیت بدلی، بدحالی کی جگہ خوش حالی عطا فرمائی، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے، اور کہنے لگے کہ دُکھ سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچتے رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں اچانک اس طرح پکڑ لیا کہ اُنہیں (پہلے سے) پتہ بھی نہیں چل سکا ﴿۹۵﴾ اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لئے اُن کی مسلسل بدعملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا ﴿۹۶﴾ اب بتاؤ کہ کیا (دوسری) بستیوں کے لوگ اس بات سے بالکل بے خوف ہوگئے ہیں کہ کسی رات ہمارا عذاب اُن پر ایسے وقت آپڑے جب وہ سوئے ہوئے ہوں؟(۵۰) ﴿۹۷﴾ اور کیا ان بستیوں کے لوگوں کو اس بات کا (بھی) کوئی ڈر نہیں ہے کہ ہمارا عذاب اُن پر کبھی دن چڑھے آجائے جب وہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہوں؟ ﴿۹۸﴾ بھلا کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل (کے انجام) سے بے فکر ہو چکے ہیں؟(۵۱)

---

(۵۰) ان واقعات کے حوالے سے اب کفارِ مکہ کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے کسی کو بھی بے فکر ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہئے۔ اور یہ بات صرف کفارِ مکہ ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو کسی گناہ، بدعملی یا ظلم میں مشغول ہو، اُسے ان آیاتِ کریمہ کا ہمیشہ دھیان رکھنا چاہئے۔

(۵۱) یہاں اصل لفظ ''مکر'' ہے جس کے معنیٰ عربی میں ایسی خفیہ تدبیر کے ہوتے ہیں جس کا مقصد وہ شخص نہ سمجھے جس کے خلاف وہ کارروائی کی جارہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

فَلَا يَأۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾

(اگر ایسا ہے) تو (یہ یاد رکھیں کہ) اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخرکار نقصان اُٹھانے والے ہوتے ہیں ﴿۹۹﴾ جو لوگ کسی زمین (کے باشندوں کی ہلاکت) کے بعد اُس کے وارث بن جاتے ہیں، بھلا کیا اُن کو یہ سبق نہیں ملا کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو (بھی) اُن کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں؟ اور (جو لوگ اپنی ضد کی وجہ سے یہ سبق نہیں لیتے) ہم اُن کے دِلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ کوئی بات نہیں سنتے ﴿۱۰۰﴾ یہ ہیں وہ بستیاں جن کے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اِن سب کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے، مگر جس بات کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اُس پر کبھی ایمان لانے کو تیار نہیں ہوئے۔ جو لوگ کفر کو اپنا چکے ہوتے ہیں، اُن کے دِلوں پر اللہ اِسی طرح مہر لگا دیتا ہے ﴿۱۰۱﴾ ہم نے ان کی اکثریت میں عہد کی کوئی پاسداری نہیں پائی، اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا ﴿۱۰۲﴾

بعض لوگوں کو اُن کی بداعمالیوں کے باوجود دُنیا میں خوش حالی اور ظاہری خوشیاں عطا فرماتے ہیں، جس کا مقصد انہیں ڈھیل دینا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی بدعملی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں تو اُن کو ایک دم سے پکڑ میں لے لیا جاتا ہے۔ لہٰذا عیش و عشرت کے عالم میں بھی انسان کو اپنے اعمال سے غافل ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرتے رہنا چاہئے، اور یہ خطرہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اگر ہم راہِ راست سے بھٹکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل بھی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

پھر ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، [۵۲] تو انہوں نے (بھی) ان (نشانیوں) کی ظالمانہ ناقدری کی۔ اب دیکھو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا ﴿۱۰۳﴾ موسیٰ نے کہا تھا کہ: ''اے فرعون! یقین جانو کہ میں ربّ العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں ﴿۱۰۴﴾

---

(۵۲) یہاں سے آیت نمبر ۱۶۲ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے کچھ اہم حصے تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس سورت میں فرعون کے ساتھ آپ کی گفتگو اور مقابلے اور اُس کے غرق ہونے کی تفصیل، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا ہونے کے واقعات آرہے ہیں۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھی پشت میں آتے ہیں۔ سورۂ یوسف میں قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے وزیرِ خزانہ بن گئے تو اُنہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو فلسطین سے مصر بلا لیا تھا۔ اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد جو ''بنو اِسرائیل'' کہلاتی ہے، پھر وہیں آباد ہوگئی تھی، اور مصر کے بادشاہ نے اُن کو شہری آبادی سے الگ ایک علاقہ دے دیا تھا۔ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ مصر کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھنا شروع کردیا۔ اور دوسری طرف تکبر میں آکر انہی میں کا ایک فرعون (جس کا نام جدید تحقیق کے مطابق منفتاح تھا) خدائی کا دعوے دار بن بیٹھا۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اُس کے پاس بھیجا گیا۔ اُن کی پیدائش، مدین کی طرف ہجرت اور پھر نبوت عطا ہونے کے واقعات تو اِن شاء اللہ سورۂ طٰہٰ (سورت نمبر ۲۰) اور سورۂ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ مزید ۳۵ سورتوں میں آپ کے واقعات کے مختلف حصے بیان فرمائے ہیں۔ لیکن فرعون کے ساتھ اُن کے جو واقعات پیش آئے، ان کا تذکرہ یہاں ہورہا ہے۔

حَقِيۡقٌ عَلٰٓى اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِبَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَرۡسِلۡ مَعِىَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۝۱۰۵ قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۱۰۶ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ۝۱۰۷ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝۱۰۸ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۝۱۰۹ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ۝۱۱۰ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَاَرۡسِلۡ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۝۱۱۱ يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ۝۱۱۲

میرا فرض ہے کہ میں اللہ کی طرف منسوب کر کے حق کے سوا کوئی اور بات نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک کھلی دلیل لے کر آیا ہوں، لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو" ﴿۱۰۵﴾ اُس نے کہا کہ: "اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو، اگر تم ایک سچے آدمی ہو" ﴿۱۰۶﴾ اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی، تو اچانک وہ ایک صاف صاف اژدھا بن گیا ﴿۱۰۷﴾ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) کھینچا تو وہ سارے دیکھنے والوں کے سامنے یکا یک چمکنے لگا۔(۵۳) ﴿۱۰۸﴾ فرعون کی قوم کے سردار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ: "یہ تو یقینی طور پر بڑا ماہر جادوگر ہے ﴿۱۰۹﴾ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے کہا کہ: "ذرا اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دو، اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دو ﴿۱۱۱﴾ تاکہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تمہارے پاس لے آئیں۔(۵۴) ﴿۱۱۲﴾

---

(۵۳) یہ دو معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں جادوگروں کا بڑا چرچا تھا۔ اِس لئے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے جو جادوگروں کو بھی عاجز کر دیں، اور آپ کی نبوت ہر کس و ناکس پر واضح ہو جائے۔

(۵۴) جادوگروں کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

(چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے (اور) انہوں نے کہا کہ: ''اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آگئے تو ہمیں کوئی اِنعام تو ضرور ملے گا'' ﴿۱۱۳﴾ فرعون نے کہا: ''ہاں، اور تمہارا شمار یقیناً ہمارے مقرب لوگوں میں (بھی) ہوگا'' ﴿۱۱۴﴾ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا: ''موسیٰ! چاہو تو (جو پھینکنا چاہتے ہو) تم پھینکو، ورنہ ہم (اپنے جادو کی چیز) پھینکیں؟'' ﴿۱۱۵﴾ موسیٰ نے کہا: ''تم پھینکو!'' چنانچہ جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا، اُن پر دہشت طاری کردی، اور زبردست جادو کا مظاہرہ کیا ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو۔ بس پھر کیا تھا، اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری چیزیں نگلنی شروع کردیں جو انہوں نے جھوٹ موٹ بنائی تھیں ﴿۱۱۷﴾ اس طرح حق کھل کر سامنے آگیا، اور اُن کا بنا بنایا کام ملیامیٹ ہوگیا ﴿۱۱۸﴾ اس موقع پر وہ مغلوب ہوئے، اور شدید سبکی کی حالت میں (مقابلے سے) پلٹ کر آگئے ﴿۱۱۹﴾ اور اس واقعے نے سارے جادوگروں کو بے ساختہ سجدے میں گرادیا۔[(۵۵)] ﴿۱۲۰﴾

(۵۵) یہاں قرآنِ کریم نے مجہول کا صیغہ ''اُلقی'' استعمال فرمایا ہے، جس کے لفظی معنیٰ ''گرگئے'' نہیں، بلکہ ''گرادیئے گئے'' ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حالات ایسے پیش آئے کہ اُن کے ضمیر نے

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

۱۴ ع ۱۸ ۴

وہ پکار اُٹھے کہ: ''ہم اُس رَبّ العالمین پر ایمان لے آئے ﴿۱۲۱﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رَبّ ہے۔'' ﴿۱۲۲﴾ فرعون بولا: ''تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی اِس شخص پر ایمان لے آئے۔ یہ ضرور کوئی سازش ہے جو تم نے اِس شہر میں مِلی بھگت کر کے بنائی ہے، تا کہ تم یہاں کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال باہر کرو۔ اچھا تو تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا ﴿۱۲۳﴾ میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا، پھر تم سب کو اکٹھے سولی پر لٹکا کر رہوں گا'' ﴿۱۲۴﴾ انہوں نے کہا: ''یقین رکھ کہ ہم (مرکر) اپنے مالک ہی کے پاس واپس جائیں گے ﴿۱۲۵﴾ اور تُو اس کے سوا ہماری کس بات سے ناراض ہے کہ جب ہمارے مالک کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے؟ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے پیمانے اُنڈیل دے، اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم تیرے تابع دار ہوں'' ﴿۱۲۶﴾

انہیں بے ساختہ سجدے میں گر جانے پر مجبور کر دیا۔ اُوپر ترجمے میں اس پہلو کی رعایت کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ایمان کی یہ طاقت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جو جادوگر چند لمحوں پہلے اپنے مذہب کی دفاعی کارروائی پر بھی فرعون سے اِنعام مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اُن میں یہ عظیم حوصلہ پیدا ہوگیا کہ وہ فرعون جیسے جابر حکمران کی دھمکیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانے کا اشتیاق ظاہر کرنے لگے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: "کیا آپ موسیٰ اور اُس کی قوم کو کھلا چھوڑ رہے ہیں، تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں، اور آپ اور آپ کے خداؤں کو پس پشت ڈال دیں؟"(۵۶) وہ بولا: "ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے" ﴿۱۲۷﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: "اللہ سے مدد مانگو، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اُس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔" ﴿۱۲۸﴾

(۵۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو دھمکیاں تو دی تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور جادوگروں کے ایمان اور اِستقامت کو دیکھ کر حاضرین، اور خاص طور پر بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد ایمان لے آئی کہ اُس کو فوری طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والوں پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہ ہوا، اور جب مجمع درہم برہم ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس موقع پر فرعون کے سرداروں نے یہ بات کہی جو یہاں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے تو ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اپنی طاقت جمع کر کے آپ کے لئے ایک خطرہ بن جائیں گے۔ فرعون نے اپنی خفت مٹانے کے لئے اُن کو جواب دیا کہ فوری طور پر چاہے میں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، مگر اب بنی اسرائیل کو ایک ایک کر کے ختم کروں گا، البتہ عورتوں کو اس لئے زندہ رکھوں گا کہ وہ ہماری خدمت کے کام آسکیں۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو یہ بھی یقین دِلایا کہ حالات ہمارے قابو میں ہیں، اور ہماری حکمت عملی ایسی ہے کہ ہمارے لئے کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کرنے کا ایک نیا دور شروع ہوا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مؤمنوں کو تسلی دی کہ صبر سے کام لیتے رہو۔ آخری انجام اِن شاء اللہ تمہارے ہی حق میں ہوگا۔

قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

ع ۱۵/۵

انہوں نے کہا کہ: ''ہمیں تو آپ کے آنے سے پہلے بھی ستایا گیا تھا، اور آپ کے آنے کے بعد بھی (ستایا جارہا ہے)'' موسیٰ نے کہا: ''اُمید رکھو کہ اللہ تمہارے دُشمن کو ہلاک کردے گا، اور تمہیں زمین میں اُس کا جانشین بنادے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسا کام کرتے ہو'' ﴿۱۲۹﴾ اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا، تاکہ اُن کو تنبیہ ہو۔(۵۷) ﴿۱۳۰﴾ (مگر) نتیجہ یہ ہوا کہ اگر اُن پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: ''یہ تو ہمارا حق تھا'' اور اگر اُن پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اُس کو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ ارے (یہ تو) خود اُن کی نحوست (تھی جو) اللہ کے علم میں تھی، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے ﴿۱۳۱﴾ اور (موسیٰ سے) کہتے تھے کہ: ''تم ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے چاہے کیسی بھی نشانی لے کر آجاؤ، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں'' ﴿۱۳۲﴾

(۵۷) پیچھے آیت نمبر ۹۴ میں اللہ تعالیٰ نے جو اُصول بیان فرمایا تھا، اُس کے مطابق پہلے فرعون اور اُس کی قوم کو دُنیا میں مختلف تکلیفیں دی گئیں، تاکہ وہ کچھ نرم پڑیں۔ ان میں سے پہلا عذاب قحط کا مسلط ہوا، اور اُس کے نتیجے میں پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

چنانچہ ہم نے اُن پر طوفان، ٹڈیوں، گھن کے کیڑوں، مینڈکوں اور خون کی بلائیں چھوڑیں، جو سب علیحدہ علیحدہ نشانیاں تھیں۔(۵۸) پھر بھی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے مجرم لوگ تھے ﴿۱۳۳﴾ اور جب اُن پر عذاب آپڑتا تو وہ کہتے: ''اے موسیٰ! تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے، اُس کا واسطہ دے کر ہمارے لئے اپنے رَبّ سے دُعا کردو (کہ یہ عذاب ہم سے دُور ہوجائے)۔ اور اگر واقعی تم نے ہم پر سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم تمہاری بات مان لیں گے، اور بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ بھیج دیں گے'' ﴿۱۳۴﴾ پھر جب ہم اُن پر سے عذاب کو، اتنی مدت تک ہٹا لیتے جس تک اُنہیں پہنچنا ہی تھا،(۵۹) تو وہ ایک دم اپنے وعدے سے پھر جاتے ﴿۱۳۵﴾

(۵۸) یہ مختلف قسم کے عذاب تھے جو یکے بعد دیگرے فرعون کی قوم پر مسلط ہوتے رہے۔ پہلے طوفان آیا جس میں ان کی کھیتیاں بہہ گئیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کروائی، اور کھیت بحال ہوئے، اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو ٹڈی دل نے کھیتوں کو برباد کرڈالا۔ پھر وہی وعدے کئے، اور یہ بلا دُور ہوئی اور خوش حالی آنے لگی تو یہ پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے، اور ایمان نہ لائے، تو ان کی پیداوار کو گھن لگا دیا گیا۔ پھر وہی ساری داستان دُہرائی گئی، اور یہ پھر بھی نہ مانے تو مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ وہ کھانے کے برتنوں میں نمودار ہوتے اور سارے کھانے کو خراب کردیتے، دوسری طرف پینے کے پانی میں ہر جگہ خون نکلنے لگا، اور پانی پینا دوبھر ہوگیا۔

(۵۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں اُن کے لئے ایک وقت تو ایسا آنا ہی تھا جب وہ عذاب کا شکار ہوکر ہلاک ہوں، لیکن اُس سے پہلے جو چھوٹے چھوٹے عذاب آرہے تھے ان کو ایک مدت تک کے لئے ہٹالیا جاتا تھا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے بدلہ لیا، اور انہیں سمندر میں غرق کردیا،(۶۰) کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور اُن سے بالکل بے پرواہوگئے تھے ﴿۱۳۶﴾ اور جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ہم نے اُنہیں اُس سرزمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنادیا جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں۔(۶۱) اور بنی اسرائیل کے حق میں تمہارے رَبّ کا کلمۂ خیر پورا ہوا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔ اور فرعون اور اُس کی قوم جو کچھ بناتی چڑھاتی رہی تھی،(۶۲) اُس سب کو ہم نے ملیامیٹ کردیا ﴿۱۳۷﴾

(۶۰) فرعون اور اُس کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ یونس (۱۰:۸۹ تا ۹۲)، سورۂ طٰہٰ (۲۰:۷۷) سورۂ شعراء (۲۶:۶۰ تا ۶۶) میں آنے والا ہے۔

(۶۱) قرآنِ کریم جب برکتوں والی زمین کا تذکرہ فرماتا ہے تو اُس سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس آیت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا، انہیں بعد میں شام اور فلسطین کا مالک بنادیا گیا۔ یاد رہے کہ ان علاقوں پر بنی اسرائیل کی حکومت فرعون کے غرق ہونے کے کافی عرصے کے بعد قائم ہوئی جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲:۲۴۶ تا ۲۵۱ میں گذری ہے۔

(۶۲) ''بنانے'' سے اشارہ ان عمارتوں اور صنعتی پیداوار کی طرف ہے جس پر اس قوم کو فخر تھا، اور ''چڑھانے'' سے اشارہ اُن باغات کی طرف ہے جن میں انہوں نے انگور وغیرہ کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی تھیں، اور بلند درخت اُگائے ہوئے تھے۔ قرآنِ کریم نے ان دو مختصر لفظوں کا یہ جوڑا (Pair) جس جامعیت اور بلاغت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، اُسے کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں اُتارنا ممکن نہیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶/۱۲

اور ہم نے بنی اسرائیل سے سمندر پار کروایا، تو وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں سے لگے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: ''اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی دیوتا بنا دو جیسے ان لوگوں کے دیوتا ہیں''(۶۳) موسیٰ نے کہا: ''تم ایسے (عجیب) لوگ ہو جو جہالت کی باتیں کرتے ہو ﴿۱۳۸﴾ ارے یہ لوگ تو وہ ہیں کہ جس دھندے میں لگے ہوئے ہیں، سب برباد ہونے والا ہے، اور جو کچھ کرتے آرہے ہیں، سب باطل ہے'' ﴿۱۳۹﴾ (اور) کہا کہ: ''کیا تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈ کر لاؤں؟ حالانکہ اُسی نے تمہیں دُنیا جہان کے سارے لوگوں پر فضیلت دے رکھی ہے! ﴿۱۴۰﴾ اور (اللہ فرماتا ہے کہ) یاد کرو کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے بچایا ہے جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رَبّ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی'' ﴿۱۴۱﴾

(۶۳) بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان تو لے آئے تھے، اور فرعون کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں کو بھی انہوں نے صبر سے برداشت کیا جس کی تعریف قرآنِ کریم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعد میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے پریشان بھی کیا۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ اس قسم کے کچھ واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا (کہ ان راتوں میں کوہِ طور پر آکر اِعتکاف کریں)، پھر دس راتیں مزید بڑھا کر ان کی تکمیل کی،(۶۴) اور اِس طرح اُن کے رَبّ کی ٹھہرائی ہوئی میعاد کل چالیس راتیں ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ: ''میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا، اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا'' ﴿۱۴۲﴾ اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رَبّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔''

---

(۶۴) فرعون سے نجات پانے اور سمندر عبور کرلینے کے بعد کچھ واقعات اس جگہ بیان نہیں ہوئے، اُن کی کچھ تفصیل سورۂ مائدہ (۵: ۲۰ تا ۲۶) میں گذر چکی ہے۔ ان آیات کے حواشی میں ہم نے یہ تفصیل بقدرِ ضرورت بیان کردی ہے۔ اب یہاں سے وہ واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں جو وادیٔ تیہ (صحرائے سینا) میں پیش آئے جہاں بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے چالیس سال تک مقید کردیا گیا تھا (جس کا واقعہ سورۂ مائدہ میں گذرا ہے)۔ اس دوران انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں کوئی آسمانی کتاب لاکر دیں جس میں ہمارے لئے زندگی گذارنے کے قوانین درج ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ کوہِ طور پر آکر تیس دن رات اِعتکاف کریں۔ بعد میں کسی مصلحت سے یہ مدت بڑھا کر چالیس دن کردی گئی۔ اسی اِعتکاف کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، اور تورات عطا فرمائی جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔

قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ

فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ، اِس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے۔''(۶۵) پھر جب اُن کے رَبّ نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کردیا، اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہا: ''پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور (آپ کی اس بات پر کہ دُنیا میں کوئی آپ کو نہیں دیکھ سکتا) میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔'' ﴿۱۴۳﴾ فرمایا: ''اے موسیٰ! میں نے اپنے پیغام دے کر اور تم سے ہم کلام ہوکر تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔ لہٰذا میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اُسے لے لو، اور ایک شکر گذار شخص بن جاؤ۔'' ﴿۱۴۴﴾ اور ہم نے ان کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، (اور یہ حکم دیا کہ:) ''اب اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے بہترین اَحکام پر عمل کریں۔''(۶۶)

---

(۶۵) اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دُنیا میں تو ممکن نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرادیا کہ دُنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو برداشت کرسکیں۔

(۶۶) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تورات کے تمام ہی اَحکام بہترین ہیں، اُن پر عمل کرنا چاہئے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جہاں تورات نے ایک کام کو جائز کہا ہو، لیکن دوسرے کام کو بہتر یا مستحب قرار دیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کام کو اِختیار کیا جائے جس کو اُس میں بہترین قرار دیا گیا ہے۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں عنقریب تم کو نافرمانوں کا گھر دکھادوں گا۔"(۶۷) ﴿۱۴۵﴾ میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں، تو اُن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے، تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے، اور اگر گمراہی کا راستہ نظر آجائے تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور ان سے بالکل بے پروا ہوگئے ﴿۱۴۶﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، اُن کے اعمال غارت ہوگئے ہیں۔ اُنہیں جو بدلہ دیا جائے گا، وہ کسی اور چیز کا نہیں، خود اُن اعمال کا ہوگا جو وہ کرتے آئے تھے۔(۶۸) ﴿۱۴۷﴾

(۶۷) بظاہر اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جو اُس وقت عمالقہ کے قبضے میں تھا، اور دِکھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ علاقہ بنی اسرائیل کے قبضے میں آجائے گا، جیسا کہ حضرت یوشع اور حضرت سموئیل علیہما السلام کے زمانے میں ہوا۔ بعض مفسرین نے "نافرمانوں کے گھر" کا مطلب دوزخ بتایا ہے، اور مقصد یہ بیان کیا ہے کہ آخرت میں تمہیں نافرمانوں کا یہ انجام دِکھا دیا جائے گا کہ جنہوں نے تم پر ظلم کئے تھے، وہ کس برے حال میں ہیں۔

(۶۸) اُوپر جو یہ فرمایا گیا تھا کہ: "میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔" اس سے کسی کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو اپنی نشانیوں سے برگشتہ کردیا تو اُن کا کیا قصور؟ اس شبہ کو اس فقرے کے ذریعے دُور فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اختیار سے کفر پر اَڑے رہنے کا راستہ اختیار کرلیتا ہے، تو ہم وہی راستہ اُس کے لئے مقدر فرمادیتے ہیں جسے اُس نے اپنی مرضی

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

وقف لازم

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے جانے کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا (بچھڑا کیا تھا؟) ایک بے جان جسم جس سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی[۶۹]! بھلا کیا انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کرسکتا ہے، اور نہ انہیں کوئی راستہ بتا سکتا ہے؟ (مگر) اُسے معبود بنالیا، اور (خود اپنی جانوں کے لئے) ظالم بن بیٹھے ﴿۱۴۸﴾ اور جب اپنے کئے پر پچھتائے، اور سمجھ گئے کہ وہ گمراہ ہوگئے ہیں تو کہنے لگے: ''اگر اللہ نے ہم پر رحم نہ فرمایا، اور ہماری بخشش نہ کی تو یقیناً ہم برباد ہوجائیں گے۔'' ﴿۱۴۹﴾ اور جب موسیٰ غصّے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے کہا: ''تم نے میرے بعد میری کتنی بُری نمائندگی کی! کیا تم نے اتنی جلد بازی سے کام لیا کہ اپنے ربّ کے حکم کا بھی انتظار نہیں کیا؟''

سے اختیار کیا۔ چونکہ وہ چاہتا ہی یہ تھا کہ ہماری نشانیوں سے برگشتہ رہے، اس لئے ہم اُس کو اُس کی خواہش کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اُسے اُس کی خواہش کے مطابق برگشتہ ہی رکھتے ہیں۔ لہٰذا اُس کو جو سزا ملتی ہے، وہ خود اپنے ہی عمل کی ملتی ہے جو وہ اپنے اختیار سے مسلسل کرتا آیا تھا۔

(۶۹) اس بچھڑے کا مختصر ذکر سورۂ بقرہ (۲:۵۱) میں بھی گذرا ہے، اور اس کا مفصل واقعہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۸۸) میں آنے والا ہے کہ کس طرح سامری جادوگر نے یہ بچھڑا بنایا، اور بنی اسرائیل کو یقین دِلایا کہ (نعوذ باللہ) تمہارا خدا یہی ہے۔

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور (یہ کہہ کر) انہوں نے تختیاں پھینک دیں،[(۷۰)] اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر پکڑ کر اُن کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ وہ بولے: ''اے میری ماں کے بیٹے! یقین جانئے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر دیتے۔ اب آپ دُشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، اور مجھے اِن ظالم لوگوں میں شمار نہ کیجئے'' ﴿۱۵۰﴾ موسیٰ نے کہا: ''میرے پروردگار! میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرمادے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کردے۔ تُو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے'' ﴿۱۵۱﴾ (اللہ نے فرمایا:) ''جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، اُن پر جلد ہی اُن کے رَبّ کا غضب اور دُنیوی زندگی ہی میں ذِلت آپڑے گی۔ جو لوگ افترا پردازی کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور جو لوگ بُرے کام کر گذریں، پھر اُن کے بعد توبہ کرلیں، اور اِیمان لے آئیں، تو تمہارا رَبّ اس توبہ کے بعد (اُن کے لئے) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' ﴿۱۵۳﴾

(۷۰) یہ تورات کی تختیاں تھیں جو وہ کوہِ طور سے لائے تھے۔ ''پھینکنے'' سے یہاں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جلدی میں اُنہیں اِس طرح ایک طرف رکھا کہ دیکھنے والا اُسے پھینکنے سے تعبیر کرسکتا تھا، خدانخواستہ اُن کی بے حرمتی مقصود نہیں تھی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنۡ مُّوۡسَى الۡغَضَبُ اَخَذَ الۡاَلۡوَاحَ ۖۚ وَفِىۡ نُسۡخَتِهَا هُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ يَرۡهَبُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخۡتَارَ مُوۡسٰى قَوۡمَهٗ سَبۡعِيۡنَ رَجُلًا لِّمِيۡقَاتِنَا ۚ

اور جب موسیٰ کا غصہ تھم گیا تو انہوں نے تختیاں اُٹھالیں، اور اُن میں جو باتیں لکھی تھیں، اُس میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان تھا جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں ﴿۱۵۴﴾ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے، تاکہ انہیں ہمارے طے کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور) لائیں[(۷۱)]۔

(۷۱) ستر آدمیوں کو کوہِ طور پر لے جانے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کا جو عظیم جرم بنی اسرائیل سے سرزد ہوا تھا، اُس پر توبہ کرانے کے لئے انہیں کوہِ طور پر بلایا گیا تھا۔ لیکن اگر یہ بات تھی تو ان پر زلزلہ مسلط کرنے کی کوئی معقول توجیہ واضح نہیں ہوتی، اور جو توجیہات کی گئی ہیں، تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا زیادہ صحیح بات وہ معلوم ہوتی ہے جو بعض روایات میں آئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو اُس پر عمل کرنے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کا یقین کیسے آئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ قوم کے ستر نمائندے منتخب کر کے انہیں کوہِ طور پر لے آئیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنادیا گیا۔ لیکن اب انہوں نے اپنے مطالبے کو بڑھا کر یہ کہا کہ ہمیں تو اُس وقت تک یقین نہیں آئے گا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں۔ اس معاندانہ مطالبے کی وجہ سے اُن پر بجلی کا کڑکا ہوا جس نے زلزلے کی کیفیت پیدا کردی، اور وہ سب بے ہوش ہوگئے۔ واقعے کی یہ توجیہ خود قرآنِ کریم کی تصریحات سے مطابقت رکھتی ہے۔ سورۂ بقرہ (۲: ۵۵و۵۶) اور سورۂ نساء (۴: ۱۵۳) میں بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کا دیدار کراؤ، اور یہ کہ ہم اُس وقت تک تورات کو نہیں مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو خود نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بھی ان دونوں آیتوں میں مذکور ہے کہ اُن کے اس مطالبے پر انہیں ایک کڑکے نے آپکڑا تھا۔ غالباً اسی کڑکے کے نتیجے میں وہ زلزلہ آیا جس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ سورۂ نساء (۴: ۱۵۳) میں کڑکے کے ذکر کے بعد جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: "ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کڑکا بچھڑے کے واقعے سے پہلے پیش آچکا تھا، کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی متعدد بداعمالیاں بیان فرمائی ہیں، اُن

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

پھر جب انہیں زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے کہا: ''میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو اِن کو، اور خود مجھ کو بھی پہلے ہی ہلاک کردیتے، کیا ہم میں سے کچھ بے وقوفوں کی حرکت کی وجہ سے آپ ہم سب کو ہلاک کردیں گے؟ (۷۲) (ظاہر ہے کہ نہیں۔ لہٰذا پتہ چلا کہ) یہ واقعہ آپ کی طرف سے صرف ایک امتحان ہے جس کے ذریعے آپ جس کو چاہیں، گمراہ کردیں، اور جس کو چاہیں ہدایت دے دیں۔ آپ ہی ہمارے رکھوالے ہیں۔ اس لئے ہمیں معاف کردیجئے، اور ہم پر رحم فرمایئے۔ بیشک آپ سارے معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والے ہیں ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لئے اس دُنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے، اور آخرت میں بھی۔ ہم (اس غرض کے لئے) آپ ہی سے رُجوع کرتے ہیں۔''

میں زمانی ترتیب ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور ''ثُمَّ'' کا لفظ عربی زبان میں ''اس سے بھی بڑھ کر'' کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

(۷۲) جیسا کہ سورۂ بقرہ (۲:۵۶) میں گذر چکا ہے، اس زلزلے کے نتیجے میں ان ستر آدمیوں پر موت جیسی حالت طاری ہوگئی تھی۔ کم از کم دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ سب مرچکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی خداداد بصیرت سے سمجھ گئے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کو ان کا اس وقت ہلاک کرنا منظور نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ انہیں، بلکہ مجھے بھی، پہلے ہی اُس وقت ہلاک کردیتے جب ان کی متعدد نافرمانیاں سامنے آئی تھیں۔ نیز یہ بھی آپ کی رحمت اور حکمت سے بعید ہے کہ چند بے وقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کرڈالیں، اور اس وقت اگر یہ ستر آدمی واقعی ہمیشہ کے لئے مرگئے تو میری اور میرے

قَالَ عَذَابِيٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ﴿۱۵۶﴾

اللہ نے فرمایا: ''اپنا عذاب تو میں اُسی پر نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے، وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ (۷۳) چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں (۷۴) ﴿۱۵۶﴾

مخلص ساتھیوں کی بھی ہلاکت تقریباً یقینی ہے، کیونکہ میری قوم کے لوگ مجھے ان ستر آدمیوں کا قاتل قرار دے کر مجھے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد اس وقت ان کو ہلاک کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امتحان ہے جس سے لوگوں کو آزمانا مقصود ہے کہ وہ دوبارہ زندگی پا کر شکر بجالاتے ہیں، یا بدستور ناشکری کرکے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

(۷۳) مطلب یہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دُنیا کا عذاب میں ہر نافرمان کو نہیں دیتا، بلکہ اپنی حکمت اور علم سے جس کو چاہتا ہوں اُسے دیتا ہوں۔ آخرت میں بھی ہر گناہ پر میرا عذاب دینا ضروری نہیں، بلکہ جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، اُن کے بہت سے گناہ میں معاف کرتا رہتا ہوں۔ البتہ جن لوگوں کی سرکشی کفر و شرک کی صورت میں حد سے بڑھ جاتی ہے، اُن کو اپنی مشیت اور حکمت کے تحت عذاب دیتا ہوں۔ اس کے برخلاف دُنیا میں میری رحمت ہر مؤمن اور کافر، نیک اور بد سب پر چھائی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں انہیں رزق اور صحت و عافیت کی نعمتیں ملتی رہتی ہیں۔ اور آخرت میں بھی کفر و شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کو اسی رحمت سے معاف کیا جائے گا۔

(۷۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لئے جو دُعا مانگی تھی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کو بھلائی نصیب ہو، یہ اُس کا جواب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں تو میری رحمت سے سب کو رزق وغیرہ مل رہا ہے،

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

جواُس رسول، یعنی نبیِ اُمی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور اِنجیل میں لکھا ہوا پائیں گے،(۷۵) جو اُنہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا،

لیکن جن لوگوں کو دُنیا اور آخرت دونوں میں میری رحمت حاصل ہوگی، وہ صرف وہ لوگ ہیں جو اِیمان اور تقویٰ کی صفات کے حامل ہوں، اور جنہیں مال کی محبت زکوٰۃ جیسے فریضے کی ادائیگی سے نہ روکے۔ چنانچہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کی اُمت کے جو لوگ ان صفات کے حامل ہوں گے، اُن کو ضرور میری یہ رحمت پہنچے گی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں انہیں بھلائی نصیب ہوگی۔

(۷۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو اُن کی وفات کے بعد بھی صدیوں تک باقی رہنا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دُعا کی تھی، وہ بنی اسرائیل کی اگلی نسلوں کے لئے بھی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کرتے وقت یہ بھی واضح فرمادیا کہ بنی اسرائیل کے جو لوگ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں گے، اُن کو دُنیا اور آخرت کی بھلائی اُسی صورت میں مل سکے گی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کی پیروی کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی کچھ صفات بھی بیان فرمائیں، جن میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں گے۔ عام طور سے رسول کا لفظ ایسے پیغمبر کے لئے بولا جاتا ہے جو نئی شریعت لے کر آئے۔ لہٰذا اس لفظ سے اشارہ کردیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئی شریعت لے کر آئیں گے جس میں کچھ فروعی اَحکام تورات کے اَحکام سے مختلف بھی ہوسکتے ہیں، اور بنی اسرائیل کو اس وقت یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ تو ہماری شریعت سے مختلف اَحکام بیان کررہے ہیں، اس لئے ہم ان پر کیسے ایمان لائیں؟ چنانچہ

وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ‌ ۙ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝١٥٧

اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اُتار دے گا جو اُن پر لدے ہوئے تھے۔(۷۶) چنانچہ جو لوگ اُس (نبی) پر ایمان لائیں گے، اُس کی تعظیم کریں گے، اُس کی مدد کریں گے، اور اُس کے ساتھ جو نور اُتارا گیا ہے، اُس کے پیچھے چلیں گے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے'' ﴿۱۵۷﴾

پہلے سے بتایا جارہا ہے کہ ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، اور جو رسول نئی شریعت لے کر آتے ہیں، ان کے فروعی اَحکام پہلے اَحکام سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ اُمی ہوں گے، یعنی لکھتے پڑھتے نہیں ہوں گے۔ عام طور سے بنی اسرائیل اُمی نہیں تھے، بلکہ نسلی عربوں کو اُمی کہا جاتا تھا، (دیکھئے قرآنِ کریم میں ۲:۷۸ و ۳:۲۰ و ۶۲:۲) اور خود یہودی یہ لفظ عرب نسل کے لوگوں کے لئے کسی قدر حقارت کے پیرائے میں استعمال کرتے تھے، (دیکھئے سورۂ آل عمران ۳:۷۵) اس لئے اس لفظ سے یہ اشارہ بھی دے دیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بجائے عربوں کی نسل سے مبعوث ہوں گے۔ آپ کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ کا ذکر مبارک تورات اور اِنجیل دونوں میں موجود ہوگا۔ اس سے ان بشارتوں کی طرف اشارہ ہے جو آپ کی تشریف آوری سے متعلق ان مقدس کتابوں میں دی گئی تھیں۔ آج بھی بہت سی تحریفات کے باوجود بائبل میں متعدد بشارتیں موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اظہار الحق'' کا اُردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' مرتبہ راقم الحروف۔

(۷۶) اس سے اُن سخت اَحکام کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں پر عائد کئے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ اَحکام تو خود تورات میں تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اُس وقت یہودیوں کو اُن کا پابند کیا تھا۔ بعض سخت اَحکام اُن کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر نافذ کئے گئے تھے جس کا ذکر سورۂ نساء (۴:۱۶۰) میں گذرا ہے۔ اور بہت سے اَحکام یہودی علماء نے اپنی طرف سے گھڑ لئے تھے۔ شاید ''بوجھ'' سے پہلی اور دوسری قسم کی طرف اور ''گلے کے طوق'' سے تیسری قسم کے اَحکام کی طرف اشارہ ہو۔ بتایا جارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اَحکام کو منسوخ کرکے ایک آسان اور معتدل شریعت لائیں گے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں (۷۷) جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر اِیمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر اِیمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو'' ﴿۱۵۸﴾ اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دِکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے۔ (۷۸) ﴿۱۵۹﴾

(۷۷) چونکہ پیچھے یہ ذکر آیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول کرتے وقت اُن کو یہ بتادیا گیا تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانا اُن کی آئندہ نسلوں کے لئے ضروری ہوگا، اس لئے اس موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے جملۂ معترضہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت عطا فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل سمیت تمام انسانوں کو اپنی نبوت پر اِیمان لانے اور اپنی اِتباع کی دعوت دیں۔

(۷۸) یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے کی جو دعوت دی گئی، اور اِس سے پہلے اُن کی بہت سی بدعنوانیاں بیان ہوئیں، اُس سے یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ تمام بنی اسرائیل ان بدعنوانیوں کے مرتکب ہیں، اس لئے اس جملۂ معترضہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی کہ سارے بنی اسرائیل ایک جیسے نہیں ہیں، بلکہ اُن میں حق کو ماننے والے، اُس پر عمل کرنے والے اور اُس کی طرف لوگوں کو ہدایت دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس میں وہ بنی اسرائیل بھی داخل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دِینِ حق پر قائم رہے، اور وہ بھی جو آپ پر اِیمان لائے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ اس وضاحت کے بعد آگے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بنی اُسرائیل کا جو واقعہ دور سے چلا آرہا ہے، اس کو دوبارہ شروع کیا جارہا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور ہم نے اُن کو (یعنی بنی اسرائیل کو) بارہ خاندانوں میں اس طرح تقسیم کردیا تھا کہ وہ الگ الگ (انتظامی) جماعتوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ اور جب موسیٰ کی قوم نے اُن سے پانی مانگا تو ہم نے اُن کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی فلاں پتھر پر مارو۔(۷۹) چنانچہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر خاندان کو اپنی پانی پینے کی جگہ معلوم ہوگئی۔ اور ہم نے اُن کو بادل کا سایہ دیا، اور ہم نے اُن پر من وسلویٰ (یہ کہہ کر) اُتارا کہ: ''کھاؤ وہ پاکیزہ رزق جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔'' اور (اس کے باوجود انہوں نے جو ناشکری کی تو) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ﴿۱۶۰﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ''اِس بستی میں جا کر بس جاؤ، اور اُس میں جہاں سے چاہو کھاؤ، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، تو ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے، (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔'' ﴿۱۶۱﴾

---

(۷۹) آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲ میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ سورۂ بقرہ (۲: ۵۷ تا ۶۱) میں گذر چکے ہیں۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمایئے۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۳﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۶۴﴾

ع ۲۰ ۵ معانقة ۲ وقف لازم ۲ النصف

پھر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، اُن میں سے ظالم لوگوں نے اُسے بدل کر دوسری بات بنالی۔ تب ہم نے اُن کی مسلسل زیادتیوں کی وجہ سے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا ﴿۱۶۲﴾ اور ان سے اُس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے آباد تھی، جب وہ سبت (سنیچر) کے معاملے میں زیادتیاں کرتے تھے،(۸۰) جب اُن (کے سمندر) کی مچھلیاں سنیچر کے دن تو اُچھل اُچھل کر سامنے آتی تھیں، اور جب وہ سنیچر کا دن نہ منا رہے ہوتے، تو وہ نہیں آتی تھیں۔ اس طرح اُن کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ہم انہیں آزماتے تھے۔(۸۱) ﴿۱۶۳﴾ اور (وہ وقت انہیں یاد دِلاؤ) جب انہی کے ایک گروہ نے (دوسرے گروہ سے) کہا تھا کہ: "تم اُن لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے، یا کوئی سخت قسم کا عذاب دینے والا ہے؟"(۸۲) دوسرے گروہ کے لوگوں نے کہا کہ: "یہ ہم اس لئے کرتے ہیں تاکہ تمہارے رَبّ کے حضور بری الذمہ ہوسکیں، اور شاید (اس نصیحت سے) یہ لوگ پرہیزگاری اختیار کرلیں۔"(۸۳) ﴿۱۶۴﴾

(۸۰) یہ واقعہ بھی اِختصار کے ساتھ سورۂ بقرہ (۲:۶۵-۶۶) میں گذرا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سنیچر کو عربی اور عبرانی زبان میں "سبت" کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں) کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے، اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز

تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا۔ سورۂ بقرہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ موجودہ بائبل میں موجود نہیں ہے، لیکن عرب کے یہودی اس سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔

(۸۱) جب کوئی قوم نافرمانی پر کمر باندھ لیتی ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اُسے ڈھیل دیتے ہیں، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۱۸۲ میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ سنیچر کے دن معاشی سرگرمیوں سے باز رہنا اپنی ذات میں کچھ اتنا ناقابلِ برداشت نہیں تھا، لیکن جس قوم کی سرشت ہی میں نافرمانی تھی، اُس نے جب کسی معقول وجہ کے بغیر اَحکام کی خلاف ورزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ڈھیل دی کہ سنیچر کے دن مچھلیاں اتنے اِفراط کے ساتھ نظر آنے لگیں کہ دوسرے دِنوں میں اتنے اِفراط کے ساتھ نظر نہیں آتی تھیں۔ اس سے ان کو نافرمانی کا اور حوصلہ ہوا، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور آزمائش ہے۔ اور انہوں نے پہلے ایسے حیلے کئے کہ سنیچر کے دن مچھلی کی دُم میں رسّی اَٹکا کر اسے زمین کی کسی چیز سے باندھ دیا، اور اتوار کے دن اُسے پکا کھایا۔ جب ان حیلوں سے نافرمانی کا حوصلہ بڑھا تو کھلم کھلا شکار شروع کر دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص کو گناہ کے وافر مواقع میسر آرہے ہوں تو اُسے ڈرنا چاہئے کہ یہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل نہ ہو جس کے بعد وہ ایک دم پکڑ لیا جائے۔

(۸۲) دراصل ان لوگوں کے تین گروہ ہوگئے تھے۔ ایک گروہ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ شروع میں انہیں سمجھاتا رہا، اور جب وہ نہ مانے تو مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ تیسرا گروہ مایوس ہونے کے بجائے بدستور انہیں نصیحت کرتا رہا۔ اب دوسرے گروہ نے تیسرے گروہ سے کہا کہ جب یہ لوگ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے، اس لئے ان کو سمجھانا وقت ضائع کرنا ہے۔

(۸۳) یہ تیسرے گروہ کا جواب ہے، اور بڑا عارفانہ جواب ہے۔ انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھنے کی دو وجہیں بیان کیں۔ ایک یہ کہ ہمارے نصیحت کرتے رہنے کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری پیشی ہو تو ہم یہ کہہ سکیں کہ یا اللہ! ہم اپنا فریضہ ادا کرتے رہے تھے، اس لئے ہم ان کے جرائم سے بری الذمہ ہیں۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اب بھی یہ اُمید رکھتے ہیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ہماری بات سن لے، اور گناہ سے باز آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جواب خاص طور پر نقل فرما کر ہر مسلمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ جب معاشرے میں نافرمانی کا دور دورہ ہو جائے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے، بلکہ دوسروں کو راہِ راست کی دعوت دینا بھی اُس کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ مکمل طور پر بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حق کے ایک داعی کو کبھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اس اُمید کے ساتھ اپنا پیغام پہنچاتے رہنا چاہئے کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ بات سمجھ جائے۔

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَاَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۭ بَـئِيۡسٍۭ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـئِيۡنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ‌ۖ‌ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾

پھر جب یہ لوگ وہ بات بھلا بیٹھے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو بُرائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچالیا، اور جنہوں نے زیادتیاں کی تھیں، اُن کی مسلسل نافرمانی کی بنا پر ہم نے اُنہیں ایک سخت عذاب میں پکڑلیا ﴿۱۶۵﴾ چنانچہ ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا، جب انہوں نے اس کے خلاف سرکشی کی تو ہم نے اُن سے کہا: ''جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔''(۸۴) ﴿۱۶۶﴾ اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے ربّ نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔(۸۵) بیشک تمہارا ربّ جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے، اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے ﴿۱۶۷﴾

(۸۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کرکے انہیں واقعی بندر بنا دیا گیا۔ ہمارے دور کے بعض لوگ اس قسم کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے قرآنِ کریم میں تأویلات بلکہ تحریفات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی قطعی دلیل کے بغیر یہ کہے کہ بندر ترقی کرکے انسان بن گیا تھا تو اُسے ماننے میں انہیں تأمل نہیں ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے قطعی کلام میں یہ فرمائیں کہ انسان تنزل کرکے بندر بن گیا تو یہ حضرات شرما کر اُس میں تأویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۸۵) یہود کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ واقعی ہر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان پر کوئی نہ کوئی جابر مسلط ہوتا رہا ہے جس نے ان کو اپنا محکوم بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ البتہ ظاہر ہے کہ ہزاروں سال کی تاریخ میں ایسے وقفے بھی آتے رہے ہیں جن میں وہ خوش حال رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آگے خود یہ فرمایا ہے کہ: ''ہم نے ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمایا'' جس سے واضح ہے کہ ان پر خوش حالی کے دور بھی آتے رہے ہیں، مگر مجموعی تاریخ کے مقابلے میں وہ کم ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور ہم نے دُنیا میں اُن کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ ان میں نیک لوگ بھی تھے، اور کچھ دوسری طرح کے لوگ بھی۔ اور ہم نے انہیں اچھے اور بُرے حالات سے آزمایا، تاکہ وہ (راہِ راست کی طرف) لوٹ آئیں ﴿۱۶۸﴾ پھر ان کے بعد اُن کی جگہ ایسے جانشین آئے جو کتاب (یعنی تورات) کے وارث بنے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ اس ذلیل دُنیا کا ساز و سامان (رِشوت میں) لیتے، اور یہ کہتے کہ: ”ہماری بخشش ہو جائے گی“ حالانکہ اگر اُسی جیسا ساز و سامان دوبارہ اُن کے پاس آتا تو وہ اُسے بھی (رِشوت میں) لے لیتے۔(۸۶) کیا ان سے کتاب میں مذکور یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کریں؟ اور اُس (کتاب) میں جو کچھ لکھا تھا، وہ انہوں نے باقاعدہ پڑھا بھی تھا۔ اور آخرت والا گھر اُن لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (اے یہود!) کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۶۹﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿۱۷۰﴾

(۸۶) یہ ان کی اس بدعنوانی کا ذکر ہے کہ وہ رِشوت لے کر اللہ کی کتاب کی غلط تفسیر کر دیتے تھے، اور ساتھ ہی بڑے یقین کے ساتھ یہ بھی کہتے کہ ہمارے اس گناہ کی بخشش ہو جائے گی۔ حالانکہ بخشش تو توبہ سے ہوتی ہے، جس کا لازمی حصہ یہ ہے کہ آئندہ اس گناہ سے پرہیز کیا جائے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں دوبارہ رِشوت کی

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

ع ۲۱ معانقہ ۷

اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اُوپر اس طرح اُٹھا دیا تھا جیسے وہ کوئی سائبان ہو،(۸۷) اور انہیں یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ان کے اُوپر گرنے ہی والا ہے، (اُس وقت ہم نے حکم دیا تھا کہ:) ''ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامو، اور اُس کی باتوں کو یاد کرو، تاکہ تم تقویٰ اختیار کر سکو'' ﴿۱۷۱﴾ اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دِلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اُوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) ''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟'' سب نے جواب دیا تھا کہ: ''کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔''(۸۸) (اور یہ اِقرار ہم نے اس لئے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ: ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' ﴿۱۷۲﴾

پیشکش کی جاتی تو وہ دوبارہ لینے کو بے تکلف تیار رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ وہ دُنیا کی خاطر کرتے تھے، حالانکہ اگر عقل ہوتی تو یہ دیکھتے کہ آخرت کی زندگی کہیں بہتر ہے۔

(۸۷) یہ واقعہ سورۂ بقرہ (۲: ۶۳) اور سورۂ نساء (۴: ۱۵۴) میں بھی گذرا ہے، اور سورۂ بقرہ کی متعلقہ آیت کے تحت ہم نے اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ وہاں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عربی زبان کے لحاظ سے اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ''ہم نے پہاڑ کو اُن کے اُوپر اس طرح زور زور سے ہلایا کہ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ وہ ان کے اُوپر گرنے والا ہے۔''

(۸۸) اس آیتِ کریمہ میں جس عہد لینے کا ذکر ہے، حدیث میں اُس کی تشریح یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

اَوْتَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

یا یہ نہ کہہ دو کہ: ''شرک (کا آغاز) تو بہت پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا، اور ہم اُن کے بعد انہی کی اولاد بنے۔ تو کیا آپ ہمیں اُن کاموں کی وجہ سے ہلاک کر دیں گے جو غلط کار لوگوں نے کئے تھے؟'' ﴿۱۷۳﴾ اور اسی طرح ہم نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ (حق کی طرف) پلٹ آئیں ﴿۱۷۴﴾

آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اُن کی پشت سے جتنے انسان پیدا ہونے والے تھے، ان سب کو ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر اُن سے یہ عہد لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رَبّ مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رَبّ تسلیم کرتے ہیں، (روح المعانی بحوالہ نسائی وحاکم وبیہقی وغیرہ) جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اَحکام کو مان کر ان پر عمل کریں گے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی ان سے اپنی اطاعت کا اقرار لے لیا تھا۔ دُنیا میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جن کو یہ واقعہ دُنیا میں آنے کے بعد بھی یاد رہا، مثلاً حضرت ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ''یہ عہد مجھے ایسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں۔'' (معارف القرآن ج:۴ ص:۱۱۵) لیکن یہ دُرست ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر باقی انسان اس واقعے کو ایک عہد کی شکل میں تو بھول چکے ہیں، مگر کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یاد نہ رہنے کے باوجود اپنا طبعی اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ اثر آج بھی دُنیا کے اکثر و بیشتر انسانوں میں موجود ہے کہ وہ اس کائنات کے ایک پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کی عظمت و کبریائی کے گن گاتے ہیں۔ جو لوگ مادّی خواہشات کے گرداب میں پھنس کر اپنی فطرت خراب کر چکے ہوں، اُن کی بات تو اور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ہر اِنسان کی فطرت میں سمائی ہوئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی فطرت سے دُور کرنے والے بیرونی عوامل دُور ہوتے ہیں تو اِنسان حق کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جیسے اُس کو اپنی کھوئی ہوئی پونجی اچانک مل گئی ہو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور (اے رسول!) ان کو اُس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، مگر وہ اُن کو بالکل ہی چھوڑ نکلا، پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔[۸۹] ﴿۱۷۵﴾

(۸۹) عام طور سے مفسرین نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس میں بلعام بن باعور کی طرف اشارہ ہے۔ فلسطین کے علاقے موآب میں یہ ایک عابد وزاہد شخص تھا، اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اُس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اُس وقت اس علاقے پر بت پرست قوموں کا قبضہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا لشکر لے کر اس علاقے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوجیں موآب کے دروازے تک پہنچ گئیں تو وہاں کے بادشاہ نے بلعام سے کہا کہ وہ ان کے خلاف بددُعا کرے تاکہ وہ ہلاک ہوجائیں، بلعام نے شروع میں انکار کیا، مگر بادشاہ نے اسے رِشوت دی تو وہ بددُعا پر راضی ہوگیا۔ مگر جب دُعا کرنی شروع کی تو الفاظ بددُعا کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں دُعا کے نکلے۔ بعد میں بلعام نے بادشاہ کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو بنی اسرائیل کے خیموں میں بھیج دیں، تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا ہوجائیں۔ بدکاری کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر کا سبب بنتی ہے، اس لئے بنی اسرائیل اپنی بدکاری کی وجہ سے اللہ کی مدد سے محروم ہوجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنی اسرائیل اس فتنے میں مبتلا ہوگئے جس کی وجہ سے ان میں عذاب کے طور پر طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ یہ قصہ بائبل میں بھی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے (دیکھئے گنتی، باب ۲۲ تا ۲۵، اور ۱۶:۳۱)۔

قرآنِ کریم نے یہاں اُس شخص کا نام نہیں لیا جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے، اور نہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر کس طرح اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ اور جو قصہ اُوپر بیان کیا گیا ہے، وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان آیات میں وہی مراد ہے۔ تاہم قرآنِ کریم کا اصل مقصد اس شخص کی تعیین پر موقوف نہیں ہے۔ سبق یہ دینا مقصود ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عبادت کے شرف سے نوازا ہو، اُس کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ اگر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کی خلاف ورزی کر کے ناجائز خواہشات کے پیچھے چل پڑے، تو اس کا انجام دُنیا اور آخرت دونوں میں برا ہوتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اُسے سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لئے اُس کی مثال اُس کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تم اُس پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اُسے (اُس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپے گا۔(۹۰) یہ ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہٰذا تم یہ واقعات ان کو سناتے رہو، تاکہ یہ کچھ سوچیں ﴿۱۷۶﴾ کتنی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں! ﴿۱۷۷﴾ جسے اللہ ہدایت دے، بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نقصان اُٹھاتے ہیں ﴿۱۷۸﴾

---

(۹۰) عام جانور اُسی وقت ہانپتے ہیں جب کوئی بوجھ اُٹھائیں، یا کوئی اُن پر حملہ کرے۔ لیکن کتا ایسا جانور ہے جسے سانس لینے کے لئے ہر حال میں ہانپنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جن حضرات نے اس واقعے کو بلعام بن باعورکا واقعہ قرار دیا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کی بدعملی کی سزا میں اُس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی تھی، اس لئے اُسے اس آیت میں کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دراصل یہ تشبیہ اُس شخص کی نفسانی حرص کی ہے۔ اگر کتے پر کوئی چیز پھینکی جائے تو خواہ وہ اُسے مارنے کے لئے پھینکی گئی ہو، کتا اپنی زبان نکال کر اُس پر اس حرص میں لپکتا ہے کہ شاید یہ کوئی کھانے کی چیز ہو۔ اسی طرح جو شخص دُنیا کی حرص میں گرفتار ہو وہ ہر واقعے سے دُنیا کا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اُس کے لئے ہر حال میں ہانپتا ہی رہتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ

اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لئے پیدا کئے۔ (۹۱) اُن کے پاس دِل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۷۹﴾ اور اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں۔ لہٰذا اُس کو انہی ناموں سے پکارو، (۹۲)

(۹۱) یعنی اُن کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کریں گے جو انہیں جہنم تک لے جائیں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تقدیر میں لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جہنم کے کام کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، بلکہ بلاتشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اُستاد اپنے کسی شاگرد کے حالات کے پیشِ نظر یہ لکھ کر رکھ دے کہ یہ فیل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُستاد نے اُسے فیل ہونے پر مجبور کر دیا، بلکہ اُس نے جو کچھ لکھا تھا اُس کا مطلب یہی تھا کہ یہ شاگرد محنت کرنے کے بجائے وقت ضائع کرے گا، اور اس کے نتیجے میں فیل ہوگا۔

(۹۲) اس سے پہلی آیت میں نافرمانوں کی بنیادی بیماری یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غافل ہیں۔ اور غور کیا جائے تو اس دُنیا میں ہر قسم کی برائی کا اصل سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اس لئے اب اس بیماری کا علاج بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اور اپنی ہر حاجت اُسی سے مانگی جائے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا جو لفظ یہاں استعمال ہوا ہے، وہ دونوں باتوں کو شامل ہے، اُس کی تسبیح و تقدیس کے ذریعے اُس کا ذکر کرنا، اور اُس سے دُعائیں مانگنا۔ غفلت کے دُور ہونے کا یہی راستہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کو دونوں طریقوں سے پکارے۔ البتہ اُس کو پکارنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اچھے اچھے نام (اسمائے حسنیٰ) خود اللہ تعالیٰ نے یا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیئے ہیں، اُنہی ناموں سے اُس کو پکارا جائے۔ ان اسمائے حسنیٰ کی طرف قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر اشارہ فرمایا ہے (دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۰ و سورۂ طٰہٰ ۲۰: ۸ و سورۂ حشر ۵۹: ۲۴)۔ اور

وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

ع ۲۲ ۱۰ ۱۲

اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ (۹۳) وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اُس کا بدلہ اُنہیں دیا جائے گا ﴿۱۸۰﴾ اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دِکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے ﴿۱۸۱﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، انہیں ہم اس طرح دھیرے دھیرے پکڑ میں لیں گے کہ اُنہیں پتہ بھی نہیں چلے گا ﴿۱۸۲﴾ اور میں اُن کو ڈھیل دیتا ہوں، یقین جانو کہ میری خفیہ تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ (۹۴) ﴿۱۸۳﴾

صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ یہ ننانوے نام ترمذی اور حاکم نے روایت کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انہی اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم مبارک کے ساتھ کرنا چاہئے، اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام نہیں گھڑ لینا چاہئے۔

(۹۳) بہت سے کافروں کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا جو ناقص، اَدھورا یا غلط تصور تھا، اُس کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام یا کوئی صفت بنالی تھی، یہ آیت متنبہ کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اُن لوگوں کی پیروی میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا وہ نام یا صفت استعمال کرنا شروع کر دیں۔

(۹۴) یہ اُن لوگوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے جو مسلسل نافرمانی کئے جا رہے ہوں، اور پھر بھی دُنیا کے عیش وعشرت سے لطف اندوز ہو رہے ہوں، اور جنہیں کبھی یہ خیال بھی نہ آتا ہو کہ انہیں کسی دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ کیونکہ ایسی نافرمانیوں اور ایسی غفلت کے ساتھ جو دُنیوی عیش وعشرت میسر آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، جس کو قرآنِ کریم نے "اِستدراج" کا نام دیا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ ایسا شخص اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، کبھی تو یہ پکڑ دُنیا ہی میں ہو جاتی ہے، اور اگر یہاں نہ ہوئی تو آخرت میں تو ہونی ہی ہونی ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ

وقف لازم

بھلا کیا ان لوگوں نے سوچا نہیں کہ یہ صاحب جن سے ان کا سابقہ ہے، (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں جنون کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ کچھ اور نہیں، بلکہ صاف صاف طریقے سے لوگوں کو متنبہ کرنے والے ہیں۔ (۹۵) ﴿۱۸۴﴾ اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر اور اللہ نے جو جو چیزیں پیدا کی ہیں اُن پر غور نہیں کیا، اور یہ (نہیں سوچا) کہ شاید اِن کا مقررہ وقت قریب ہی آپہنچا ہو؟ اب اس کے بعد آخر وہ کونسی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ ﴿۱۸۵﴾ جس کو اللہ گمراہ کردے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور ایسے لوگوں کو اللہ (بے یار و مددگار) چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۸۶﴾ (اے رسول!) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب برپا ہوگی؟ کہہ دو کہ: ''اُس کا علم تو صرف میرے رَبّ کے پاس ہے۔ وہی اُسے اپنے وقت پر کھول کر دِکھائے گا، کوئی اور نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑی بھاری چیز ہے، جب آئے گی تو تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔''

(۹۵) مشرکینِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر ماننے کے بجائے کبھی معاذ اللہ آپ کو مجنون قرار دیتے، کبھی شاعر یا جادوگر کہتے تھے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے بے سروپا تبصرے وہی کرسکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور کرلیں تو اُن پر اپنے ان الزامات کی حقیقت واضح ہوجائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے تم نے اُس کی پوری تحقیق کر رکھی ہے۔ کہہ دو کہ: ''اُس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے۔'' ﴿۱۸۷﴾ کہو کہ: ''جب تک اللہ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی۔(۹۶) میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اُن لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔'' ﴿۱۸۸﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کی بیوی بنائی، تاکہ وہ اُس کے پاس آکر تسکین حاصل کرے۔(۹۷)

(۹۶) یعنی اگر مجھے غیب کی ساری باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو میں دُنیا کے سارے فائدے اِکٹھے کر لیتا، اور کبھی مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، کیونکہ ہر کام کا انجام مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجھے غیب کی ساری باتوں کا علم نہیں دیا گیا، البتہ جو باتیں اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے بتادیتے ہیں، اُن کا مجھے بھی علم ہو جاتا ہے۔ یہ اُن کافروں کی بھی تردید ہے جو پیغمبر کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ اُسے خدائی کے اختیارات حاصل ہوں، اور اُن لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو اپنے پیغمبروں کی تعظیم میں حد سے نکل کر انہیں خدائی کا درجہ دے دیتے ہیں، اور جس شرک کو مٹانے کے لئے انبیائے کرام تشریف لائے تھے، اُن کی تعظیم کے نام پر اُسی شرک کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔

(۹۷) ''ایک جان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور ان کی بیوی سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو عورت نے حمل کا ایک ہلکا سا بوجھ اُٹھالیا، جسے لے کر وہ چلتی پھرتی رہی۔(۹۸) پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں (میاں بیوی) نے اپنے پروردگار اللہ سے دُعا کی کہ: ''اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد دی تو ہم ضرور بالضرور تیرا شکر ادا کریں گے۔'' ﴿۱۸۹﴾ لیکن جب اللہ نے ان کو ایک تندرست بچہ دے دیا تو ان دونوں نے اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا شروع کردیا، حالانکہ اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے کہیں بلند اور برتر ہے ﴿۱۹۰﴾ کیا وہ ایسی چیزوں کو (اللہ کے ساتھ خدائی میں) شریک مانتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود اُن کو پیدا کیا جاتا ہے؟ ﴿۱۹۱﴾ اور جو نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کرسکتے ہیں، اور نہ خود اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۲﴾ اور اگر تم انہیں کسی صحیح راستے کی طرف دعوت دو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں، (بلکہ) تم انہیں پکارو یا خاموش رہو، اُن کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں ﴿۱۹۳﴾ یقین جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ سب تمہاری طرح (اللہ کے) بندے ہیں۔ اب ذرا ان سے دُعا مانگو، پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری دُعا قبول کرنی چاہیے ﴿۱۹۴﴾

---

(۹۸) اب یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کی ایسی اولاد کا ذکر ہو رہا ہے جس نے بعد میں شرک کا راستہ اختیار کیا۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ ۧ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

بھلا کیا اُن کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا اُن کے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ (ان سے کہہ دو کہ:) ''تم اُن سب دیوتاؤں کو بلالاؤ جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، پھر میرے خلاف کوئی سازش کرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔[۹۹] ﴿۱۹۵﴾ میرا رکھوالا تو اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے، اور وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے ﴿۱۹۶﴾ اور تم اُس کو چھوڑ کر جن جن کو پکارتے ہو، وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں، نہ اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۷﴾ اور اگر تم انہیں صحیح راستے کی طرف بلاؤ تو وہ سنیں گے بھی نہیں۔ وہ تمہیں نظر تو اس طرح آتے ہیں جیسے تمہیں دیکھ رہے ہوں، لیکن حقیقت میں انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا'' ﴿۱۹۸﴾ (اے پیغمبر!) درگذر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو ﴿۱۹۹﴾

---

(۹۹) کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے کہ آپ ہمارے دیوتاؤں کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ ان میں کچھ بھی طاقت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے دیوتا آپ کو (معاذ اللہ) سزا دیں گے۔ یہ آیت اس کا جواب دے رہی ہے۔

وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰۤئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۚ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخۡوَانُهُمۡ يَمُدُّوۡنَهُمۡ فِى الۡغَىِّ ثُمَّ لَا يُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾

اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔(۱۰۰) یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۲۰۰﴾ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اُنہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوتا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں،(۱۰۱) چنانچہ اچانک اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ﴿۲۰۱﴾ اور جو اِن شیاطین کے بھائی ہیں، اُن کو یہ شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لے جاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ (گمراہی سے) باز نہیں آتے ﴿۲۰۲﴾

---

(۱۰۰) کچوکے سے مراد وسوسہ ہے۔ اور اس آیت نے ہر مسلمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب کبھی شیطان دِل میں کوئی برے خیال کا وسوسہ ڈالے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اس بات کا ذکر خاص طور پر درگذر کا رویہ اپنانے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں درگذر کرنے کی فضیلت ہے، وہاں بھی اگر شیطانی اثر سے کبھی کسی کو غصہ آ جائے تو اُس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا ہے۔

(۱۰۱) گناہ کی خواہش نفس اور شیطان کے اثرات سے بڑے بڑے پرہیزگاروں کو بھی ہوتی ہے، لیکن وہ اس کا علاج اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اُس سے مدد مانگتے ہیں، دُعائیں کرتے ہیں، اور اُس کی بارگاہ میں حاضری کا دھیان کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، یعنی ان کو گناہ کی حقیقت نظر آ جاتی ہے، اور اُس کے نتیجے میں وہ گناہ سے بچ جاتے ہیں، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾ وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿٢٠٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩ ﴿٢٠٦﴾

ع ۲۴ ۱۸ ۱۴ السجدة ۱ الثانية

اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے سامنے (ان کا منہ مانگا) معجزہ پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ: "تم نے یہ معجزہ خود اپنی پسند سے کیوں نہ پیش کر دیا؟" کہہ دو کہ: "میں تو اُسی بات کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رَبّ کی طرف سے وحی کے ذریعے مجھ تک پہنچائی جاتی ہے۔[(۱۰۲)] یہ (قرآن) تمہارے رَبّ کی طرف سے بصیرتوں کا مجموعہ ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے ہدایت اور رحمت!"[(۱۰۳)] ﴿۲۰۳﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔[(۱۰۴)] ﴿۲۰۴﴾ اور اپنے رَبّ کا صبح و شام ذکر کیا کرو، اپنے دِل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر! اور اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۲۰۵﴾ یاد رکھو کہ جو (فرشتے) تمہارے رَبّ کے پاس ہیں، وہ اُس کی عبادت سے تکبر کر کے منہ نہیں موڑتے، اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اُسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔[(۱۰۵)] ﴿۲۰۶﴾

(۱۰۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزے ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ ضد میں آکر نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ یہ اس کا جواب ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرسکتا۔ میں تو ہر

بات میں وحیٔ الٰہی کا اِتباع کرتا ہوں۔

(۱۰۳) یعنی قرآنِ کریم بذاتِ خود ایک معجزہ ہے، اس میں جو بصیرتیں ہیں، وہ ایک اُمی کی زبان پر جاری ہو رہی ہیں جس نے کبھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اس کے بعد کس معجزے کی ضرورت ہے؟

(۱۰۴) اس آیت نے بتادیا کہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اُسے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں۔ ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا۔

(۱۰۵) اس سے اشارہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا جو حکم دیا جارہا ہے، اُس میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اوّل تو اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کی عبادت یا ذکر سے بے نیاز ہے، دوسرے اُس کی ایک بڑی مخلوق یعنی فرشتے، ہر وقت اُس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ انسانوں کو جو ذکر کا حکم دیا گیا ہے، اُس میں خود اِنسانوں کا فائدہ ہے کہ یہ ذکر جب دِل میں سما جائے تو انہیں شیطان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت مفید ہے، اور اس کے ذریعے وہ گناہوں اور جرائم و مظالم سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ آیت سجدۂ تلاوت کی آیت ہے، اور جو شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ قرآنِ کریم میں ایسی چودہ آیتیں ہیں، اور یہ اُن میں سب سے پہلی آیت ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

الحمدللہ! آج ۱۸ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸ اپریل ۲۰۰۶ء کو بروز منگل دبی سے لندن جاتے ہوئے عصر کے وقت سورۂ اَعراف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور اس کو میرے گناہوں کی مغفرت اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں، اور مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الأنفال

تعارف

یہ سورت تقریباً سن ۲ ہجری کے آس پاس مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس کے بیشتر مضامین جنگِ بدر اور اس کے واقعات اور مسائل سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلے باقاعدہ معرکے کی حیثیت رکھتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی، اور قریشِ مکہ کو ذِلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِنعامات بھی یاد دِلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ یہ جنگ لڑی اس کی ہمت افزائی کے ساتھ بعض اُن کمزوریوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے جو اس جنگ میں سامنے آئیں۔ اور آئندہ کے لئے وہ ہدایات بھی دی گئی ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح ونصرت کا سبب بن سکتی ہیں۔ جہاد اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے بہت سے اَحکام بھی بیان ہوئے ہیں، اور چونکہ جنگِ بدر اصل میں کفارِ مکہ کے ظلم وستم کے پس منظر میں پیش آئی تھی، اس لئے ان حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم ہوا۔ نیز جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ان کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔ ہجرت کی وجہ سے میراث کی تقسیم سے متعلق کچھ اَحکام عارضی طور پر نافذ کئے گئے تھے۔ سورت کے آخر میں اسی وجہ سے میراث کے کچھ مستقل اَحکام دیئے گئے ہیں۔

جنگِ بدر

چونکہ اس سورت کے بہت سے مضامین جنگِ بدر کے مختلف واقعات سے متعلق ہیں، اس لئے ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے اس جنگ کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات یہاں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس سے متعلق آیات کو اُن کے صحیح پس منظر میں سمجھا جاسکے:-

مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے۔ اس دوران مکہ مکرمہ کے کفار نے آپ اور آپ کے جاں نثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو طرح طرح سے ستانے اور ناقابلِ برداشت تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے ذرا پہلے آپ کو قتل کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو کفارِ مکہ مسلسل اس فکر میں رہے کہ آپ کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔ انہوں نے عبداللہ بن اُبیؓ کو مدینہ منورہ میں خط لکھا کہ تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے، اب یا تو تم انہیں پناہ دینے سے ہاتھ اُٹھالو، ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ (دیکھئے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ۲۳، حدیث نمبر: ۳۰۰۴) اَنصار میں سے اوس کے قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گئے، تو عین طواف کے دوران ابوجہل نے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے دُشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے، اور اگر تم ہمارے ایک سردار کی پناہ میں نہ ہوتے تو زندہ واپس نہیں جاسکتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر مدینہ منورہ کا کوئی آدمی مکہ مکرمہ آئے گا تو اُسے قتل کردیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ابوجہل سے کہہ دیا کہ اگر تم ہمارے آدمیوں کو مکہ مکرمہ آنے سے روکو گے تو ہم تمہارے لئے اس سے بھی بڑی رُکاوٹ کھڑی کردیں گے، یعنی تم تجارتی قافلے لے کر جب شام جاتے ہو تو تمہارا راستہ مدینہ منورہ کے قریب سے گذرتا ہے۔ اب ہم تمہارے قافلوں کو روکنے اور ان پر حملہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ۲، حدیث نمبر: ۳۹۵۰) اس کے بعد کفارِ مکہ کے کچھ دستے مدینہ منورہ کے آس پاس آئے، اور مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گئے۔ حالات کے اس پس منظر میں ابوسفیان (جو اُس وقت کفارِ مکہ کا سردار تھا) ایک بڑا بھاری تجارتی قافلہ لے کر شام گیا۔ اس قافلے میں مکہ مکرمہ کے ہر مرد و عورت نے سونا چاندی جمع کر کے تجارت میں شرکت کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ قافلہ شام سے سو فی صد نفع کما کر واپس آرہا تھا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اُونٹوں پر مشتمل تھا، اور پچاس ہزار دینار (گنیوں) کا سامان لا رہا تھا، اور اس کے ساتھ

چالیس مسلح افراد اس کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی واپسی کا پتہ چلا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے چیلنج کے مطابق آپ نے اس قافلے پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لئے باقاعدہ سپاہیوں کی بھرتی کا موقع نہیں تھا، اس لئے وقت پر جتنے صحابہ تیار ہوسکے، ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل ستر اُونٹ اور دو گھوڑے تھے، ساٹھ زرہیں تھیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے نکلے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض غیر مسلم مصنّفین نے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پُر امن تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان مصنّفین نے اس اعتراض سے مرعوب ہوکر یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قافلے پر حملہ کرنے کا نہیں تھا، بلکہ ابوسفیان نے اپنے طور پر خطرہ محسوس کرکے ابوجہل کے لشکر کو دعوت دی تھی۔ لیکن واقعے کی یہ تشریح صحیح احادیث اور قرآنی اشارات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض اُس وقت کے حالات اور اُس دور کے سیاسی، دِفاعی اور معاشرتی ڈھانچے سے بے خبری پر مبنی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعات ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں، اُن کی روشنی میں فریقین کے درمیان ایک مسلسل جنگ کی حالت موجود تھی۔ دونوں نے ایک دُوسرے کو نہ صرف چیلنج دے رکھے تھے، بلکہ کفار کی طرف سے عملی طور پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہوچکی تھی۔ دوسرے حضرت سعد بن معاذؓ پہلے سے انہیں متنبہ کرآئے تھے کہ وہ ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ تیسرے اُس دور میں شہری اور فوجی افراد کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ کسی معاشرے کے تمام بالغ مرد "مقاتلہ" یعنی لڑنے والے کہلاتے تھے۔ چنانچہ قافلے کی سرکردگی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا دُشمن تھا، اور اُس کے ساتھ چالیس مسلح افراد میں سے ہر ایک قریش کے اُن لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش رہے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کررہے تھے، اور یہ قافلہ بھی اگر کامیابی سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تو قریش کی جنگی طاقت میں بڑے اضافے کا سبب بنتا۔ ان

حالات میں اس کو ایک پُر امن تجارتی قافلے پر حملہ قرار دینا اُس وقت کے حالات سے ناواقفیت یا محض عناد کا کرشمہ ہے، اور اس کی وجہ سے ان واقعات کا انکار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

بہر حال! جب ابوسفیان کو آپ کے ارادے کا اندازہ ہوا تو اُس نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار ایلچی ابوجہل کے پاس بھیج کر اس واقعے کی اطلاع دی، اور اسے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا، اور دوسری طرف اپنے قافلے کا راستہ بدل کر بحرِ احمر کے ساحل کی طرف نکل گیا تاکہ وہاں سے چکر کاٹ کر مکہ مکرمہ پہنچ سکے۔ ابوجہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا لشکر تیار کیا، اور لوہے میں غرق ہوکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ ابوسفیان تو قافلہ لے کر نکل چکا ہے، اور ابوجہل کا لشکر آرہا ہے تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ اب ابوجہل سے ایک فیصلہ کن معرکہ ہوجانا چاہئے۔ چنانچہ بدر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد اور ساز وسامان ابوجہل کے لشکر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ابوجہل سمیت قریش کے ستر سردار جو مسلمانوں کی دُشمنی میں پیش پیش تھے، مارے گئے، اور دوسرے ستر اَفراد گرفتار ہوئے، اور باقی لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

آیاتہا ۷۵ ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں پچھتر آیتیں اور دس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کرلو،(۱) اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مؤمن ہو ﴿۱﴾

(۱) جنگِ بدر کے موقع پر جب دُشمن کو شکست ہوگئی تو صحابہ کرامؓ تین حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ ایک حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔ دوسرا حصہ دُشمن کے تعاقب میں روانہ ہوگیا، اور تیسرا حصہ دُشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہوگیا۔ یہ چونکہ پہلی جنگ تھی، اور مالِ غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال اُنہوں نے اِکٹھا کیا ہے، وہ انہی کا ہے۔ (اور شاید زمانۂ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا) لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مالِ غنیمت اِکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے اُن کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی بھی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اُس کے رسول کو ہے۔ چنانچہ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل اَحکام آگئے۔ زیرِ نظر آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی رنجش ہوئی ہے تو اس وضاحت کے بعد اُسے دُور کرکے باہمی تعلقات دُرست کرلینے چاہئیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ﴿٥﴾

مؤمن تو وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں، اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾ یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں مؤمن ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے رَبّ کے پاس بڑے درجے ہیں، مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے ﴿۴﴾ (مالِ غنیمت کی تقسیم کا) یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے تمہارے رَبّ نے تمہیں اپنے گھر سے حق کی خاطر نکالا، جبکہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی۔[۲] ﴿۵﴾

---

(۲) جن لوگوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا، اُن کی خواہش یہ تھی کہ یہ مال انہی کے پاس رہے، لیکن فیصلہ اُس کے برعکس ہوا، اب اُن کو تسلی دی جارہی ہے کہ انسان کی ہر خواہش انجام کے اعتبار سے درست نہیں ہوتی۔ اُسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو واقعہ اُس کی خواہش کے خلاف ہوا، بہتری اُسی میں تھی۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ابوجہل سے جنگ کرنے کے معاملے میں ہوا۔ مدینہ منورہ سے نکلتے وقت چونکہ صرف ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا پیشِ نظر تھا، اور کوئی باقاعدہ لشکر تیار نہیں کیا گیا تھا، اس لئے جب یہ بات سامنے آئی کہ ابوجہل ایک بڑا لشکر لے کر مقابلے پر آگیا ہے تو بعض صحابہؓ کی خواہش یہ تھی کہ ابوجہل سے جنگ کرنے کے بجائے فی الحال واپس چلے جائیں، کیونکہ اس بے سروسامانی کی حالت میں ایک مسلح فوج کا مقابلہ موت کے منہ میں جانے کے مرادف ہوگا۔ لیکن دوسرے صحابہ نے بڑی پرجوش تقریریں کیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٦﴾ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِينَ ﴿٧﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨﴾ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

وہ تم سے حق کے معاملے میں اس کے واضح ہوجانے کے باوجود اس طرح بحث کررہے تھے جیسے اُن کو موت کی طرف ہنکا کر لے جایا جارہا ہو، اور وہ (اُسے) آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں ﴿۶﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کررہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے،[۳] اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دِکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے ﴿۷﴾ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے، چاہے مجرم لوگوں کو یہ بات کتنی ناگوار ہو ﴿۸﴾ یاد کرو جب تم اپنے ربّ سے فریاد کررہے تھے، تو اُس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں جو لگاتار آئیں گے ﴿۹﴾ اور یہ وعدہ اللہ نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس لئے کیا کہ وہ خوشخبری بنے، اور تاکہ تمہارے دِلوں کو اِطمینان حاصل ہو، ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔[۴] یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۱۰﴾

جب آپ کی مرضی معلوم ہوگئی تو سب نے جنگ میں حصہ لینے کا فیصلہ کرلیا، اور بعد میں ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا عظیم فائدہ اسی میں تھا کہ اس طرح کفر کی کمر توڑ دی گئی۔

(۳) اس سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے، اور "کانٹے" سے مراد خطرہ ہے۔ قافلے میں مسلح افراد کی تعداد کل چالیس تھی۔ لہٰذا اُس پر حملہ کرنے میں کوئی بڑا خطرہ نہیں تھا۔ لہٰذا طبعی طور پر اُس پر حملہ کرنا آسان تھا۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کو مدد کرنے کے لئے فرشتے بھیجنے کی حقیقت میں ضرورت نہیں تھی، نہ فرشتوں میں کوئی ذاتی

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ؕ

یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دُور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا،(۵) اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا،(۶) تاکہ اُس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دُور کرے،(۷) تمہارے دِلوں کی ڈھارس بندھائے، اور اُس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمادے ﴿۱۱﴾

طاقت ہے کہ وہ مدد کرسکیں، مدد تو اللہ تعالیٰ براہِ راست بھی کرسکتا تھا، لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کے اسباب سامنے ہوں، اُس پر اُسے زیادہ اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت نے یہ سبق دیا ہے کہ کسی بھی کام کے جو اَسباب بھی اختیار کئے جائیں، ایک مؤمن کو یہ بات ہر آن سامنے رکھنی چاہئے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان میں تأثیر اسی کے حکم سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا بھروسہ اسباب پر نہیں، بلکہ اُسی کے فضل و کرم پر کرنا چاہئے۔

(۵) اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تقریباً نہتے آدمیوں کا معرکہ پیش آنے والا ہو تو گھبراہٹ ایک طبعی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھبراہٹ کا علاج یہ فرمایا کہ صحابہ پر نیند طاری کردی، جس کی ایک تأثیر یہ ہوتی ہے کہ اس سے گھبراہٹ دُور ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جنگ سے پہلی رات جی بھر کر سوئے جس سے وہ تازہ دم ہوگئے۔ نیز جنگ کے دوران بھی ان پر وقفے وقفے سے اُونگھ طاری ہوتی رہی جس سے انہیں سکون ملتا رہا۔

(۶) مسلمانوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کفار نے بدر کے میدان میں پہلے پہنچ کر بہترین جگہ پر قبضہ کرلیا تھا جہاں پانی بھی کافی تھا، اور زمین بھی سخت تھی۔ مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ ریتیلی جگہ تھی جس پر پاؤں جمتے نہیں تھے، اور نقل و حرکت میں دُشواری پیش آتی تھی، اور وہاں پانی بھی نہیں تھا، تھوڑا بہت پانی ایک حوض بنا کر اس میں جمع کیا گیا تھا جو جلد ہی ختم ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں مسئلوں کے حل کے لئے بارش برسادی جس سے ریت بھی جم گئی، اور قدم بھی جمنے لگے، اور پانی کا بھی اچھا ذخیرہ جمع ہوگیا۔

(۷) ''گندگی'' سے یہاں مراد وسوسے ہیں جو ایسے مواقع پر جب اتنے بڑے دُشمن کا مقابلہ ہو، آیا ہی کرتے ہیں۔

اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌ ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ؕ‏ ﴿۱۲﴾ ذٰ لِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ۚ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ‏ ﴿۱۳﴾ ذٰ لِكُمۡ فَذُوۡقُوۡهُ وَاَنَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابَ النَّارِ‏ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ‌ۚ‏ ﴿۱۵﴾ وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَـئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰٮهُ جَهَـنَّمُ‌ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ‏ ﴿۱۶﴾

وہ وقت جب تمہارا ربّ فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دِلوں میں رُعب طاری کردوں گا، پھرتم گردنوں کے اُوپر وار کرو، اوران کی اُنگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔'' ﴿۱۲﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے دُشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اُس کے رسول سے دُشمنی مول لیتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۳﴾ یہ سب تو (اب) چکھ لو، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے (اصل) عذاب دوزخ کا ہے ﴿۱۴﴾ اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہوجائے، جبکہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہوں، تو اُن کو پیٹھ مت دِکھاؤ ﴿۱۵﴾ اور اگر کوئی شخص کسی جنگی چال کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو، یا اپنی کسی جماعت سے جاملنا چاہتا ہو، اُس کی بات تو اور ہے، مگر اُس کے سوا جو شخص ایسے دن اپنی پیٹھ پھیرے گا تو وہ اللہ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے گا، اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔(۸) ﴿۱۶﴾

(۸) یہاں دُشمن کے مقابلے سے پیٹھ پھیرنے کو ہر حالت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے، چاہے دُشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہو، اور جنگِ بدر کے وقت صورتِ حال یہی تھی۔ البتہ بعد میں اس حکم کی تفصیل اسی سورت کی آیت ۶۵

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی،[۹] اور (تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لئے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعے اللہ مؤمنوں کو بہترین اجر عطا کرے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۷﴾ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ، اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ اللہ کو کافروں کی ہر سازش کو کمزور کرنا تھا۔[۱۰] ﴿۱۸﴾

اور ۶۶ میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی رُو سے اب حکم یہ ہے کہ دُشمن کی تعداد اگر دُگنی یا اُس سے کم ہو، تب تو میدان چھوڑنا حرام ہے، لیکن اگر اُن کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو میدان چھوڑنے کی اجازت ہے۔ پھر جس وقت دُشمن کو پیٹھ دِکھانا ناجائز ہوتا ہے، اُس میں بھی اس آیت نے دو صورتوں کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ ایک یہ کہ بعض اوقات جنگ ہی کی کسی حکمت عملی کے طور پر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، مقصد میدان سے بھاگنا نہیں ہوتا۔ ایسے میں پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پیچھے ہٹ کر اپنی فوج کے پاس جانا اس لئے مقصود ہو کہ اُن کی مدد لے کر دوبارہ حملہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۹) جنگِ بدر کے موقع پر جب دُشمن پوری طاقت سے حملہ کرنے کے لئے چڑھا چلا آرہا تھا، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مٹھی میں مٹی اور کنکر اُٹھا کر دُشمن کی طرف پھینکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں دُشمن کے ہر فرد تک پہنچادیں، جو اُن کی آنکھوں وغیرہ میں جا کر لگیں، اور اُن سے لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ یہ اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) یہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی قدرت سے دُشمن کو براہِ راست ہلاک کرسکتا تھا، پھر اُس نے مسلمانوں کو کیوں استعمال کیا، اور کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کیوں پھنکوائیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ تکوینی اُمور بھی کسی ظاہری سبب کے ذریعے انجام دِلواتا ہے، اور یہاں مسلمانوں کو اس لئے ذریعہ بنایا گیا کہ ان کو اَجر وثواب

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۖ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾

(اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے، تو لو! اب فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا، اور اگر تم پھر وہی کام کروگے (جو اَب تک کرتے رہے ہو) تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے (جو اَب کیا ہے)۔ اور تمہارا جتھہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا، چاہے وہ کتنا زیادہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے ﴿۱۹﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کی تابع داری کرو، اور اس (تابع داری) سے منہ نہ موڑو، جبکہ تم (اللہ اور رسول کے اَحکام) سن رہے ہو ﴿۲۰﴾ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا، مگر وہ (حقیقت میں) سنتے نہیں ہیں ﴿۲۱﴾ یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے[11]۔ ﴿۲۲﴾

حاصل ہو، اور دوسرے وہ کافروں کو بھی یہ دِکھانا چاہتا تھا کہ جن سازشوں اور وسائل پر اُنہیں ناز ہے، وہ سب اُن لوگوں کے ہاتھوں خاک میں مل سکتے ہیں جنہیں تم کمزور سمجھتے رہے ہو۔

(۱۱) پچھلی آیت میں سننے سے مراد سمجھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات کو نہ سمجھیں تو اتنی بُری بات نہیں ہے۔ اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اگر اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ اُن کو سننے کی توفیق دے دیتا، لیکن اب (جبکہ ان میں بھلائی نہیں ہے) اگر اُن کو سننے کی توفیق دے بھی دے تو وہ منہ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔(۱۲) ﴿۲۳﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔(۱۳) اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دِل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے،(۱۴) اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اِکٹھا کر کے لے جایا جائے گا ﴿۲۴﴾ اور ڈرو اُس وبال سے جو تم میں سے صرف اُن لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہوگا،(۱۵) اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲۵﴾

---

(۱۲) بھلائی سے یہاں مراد حق کی طلب اور جستجو ہے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، سننے سے مراد سمجھنا ہے۔ اس طرح اس آیت میں یہ اہم نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اُس کو دیتا ہے جس کے دِل میں حق کی طلب ہو۔ اگر کسی میں حق کی طلب ہی نہ ہو، اور وہ غفلت کی حالت میں اس طرح زندگی گذار رہا ہو کہ بس جو کچھ میں کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، اور مجھے کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، تو اوّل تو وہ حق بات کو سمجھنے ہی سے محروم رہتا ہے، اور اگر سمجھ بھی جائے تو اُس کا نوٹس ہی نہیں لیتا، اور حق سے بدستور منہ موڑے رہتا ہے۔

(۱۳) اس مختصر جملے میں بڑی عظیم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ اوّل تو اِسلام کی دعوت اور اُس کے اَحکام ایسے

ہیں کہ اگر اُن پر تمام انسان پوری طرح عمل کرنے لگیں تو اسی دُنیا میں وہ پُرسکون زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ عبادات کے علاوہ، جو روحانی سکون کا بہترین ذریعہ ہیں، اسلام کے تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی اَحکام دُنیا کو نہایت خوشگوار زندگی فراہم کرسکتے ہیں۔ دوسری طرف زندگی تو اصل میں آخرت کی ابدی زندگی ہے، اور اُس کی خوشگواری تمام تر اِسلامی اَحکام کی پیروی پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو اِسلام کا کوئی حکم مشکل بھی محسوس ہو تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ میری خوشگوار زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔ جس طرح انسان زندگی کی خاطر بڑے سے بڑے اور مشکل آپریشن کو منظور کرلیتا ہے، اسی طرح شریعت کا ہر وہ حکم جس میں محنت یا مشقت معلوم ہوتی ہو، یا نفسانی خواہشات کی قربانی دینی پڑتی ہو، اُس کو بھی خندہ پیشانی سے منظور کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی حقیقی زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔

(۱۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دِل میں حق کی طلب ہوتی ہے، اگر اُس کے دِل میں کبھی گناہ کا تقاضا پیدا ہو، اور وہ طالبِ حق کی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کرکے اُس سے مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور گناہ کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں، اور وہ گناہ کے اِرتکاب سے محفوظ رہتا ہے، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دِل میں حق کی طلب نہ ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرتا ہو تو اگر کبھی اُس کے دِل میں نیک خیال آ بھی جائے، اور وہ اُسے ٹلاتا چلا جائے تو اُسے نیکی کی توفیق نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ اسباب ایسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ اُس کے دِل میں جو خیال آیا تھا، وہ کمزور پڑجاتا ہے، یا اُس پر عمل کا موقع نہیں ملتا۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب کسی نیکی کا خیال آئے تو اُسے فوراً کرگذرنا چاہئے، ٹلانا خطرناک ہے۔

(۱۵) اس آیتِ کریمہ میں ایک اور اہم حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک شریعت پر عمل کرلے۔ اُس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی بُرائی پھیل رہی ہے تو اپنی طاقت کی حد تک اُس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر لوگ اپنے اس فریضے میں کوتاہی کریں اور اُس بُرائی کا کوئی وبال آئے تو وہ وبال صرف اُن لوگوں کی حد تک محدود نہیں رہے گا جو اُس بُرائی میں براہِ راست ملوث تھے، بلکہ جو لوگ اُس بُرائی کا خود تو اِرتکاب نہیں کررہے تھے، مگر دوسروں کو اُس سے روکتے بھی نہیں تھے، وہ بھی اُس وبال کا شکار ہوں گے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے، تمہیں لوگوں نے (تمہاری) سرزمین میں دبا کر رکھا ہوا تھا، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔ پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط بنا دیا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا، تاکہ تم شکر کرو ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا ﴿۲۷﴾ اور یہ بات سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں،(۱۶) اور یہ کہ عظیم انعام اللہ ہی کے پاس ہے ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی رَوِش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کردے گا،(۱۷) اور تمہاری بُرائیوں کا کفارہ کردے گا، اور تمہیں مغفرت سے نوازے گا، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۲۹﴾

(۱۶) مال اور اولاد کی محبت تو انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، اور معقول حد تک ہو تو بُری بھی نہیں ہے۔ لیکن آزمائش یہ ہے کہ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تو آمادہ نہیں کر رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے ساتھ یہ محبت ہوگی تو نہ صرف جائز، بلکہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اگر وہ نافرمانی تک لے جائے تو ایک وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائیں۔ آمین

(۱۷) تقویٰ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو ایسی سمجھ عطا کر دیتا ہے جو حق اور ناحق میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، اور گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل خراب کر دیتا ہے جس سے وہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب کافر لوگ تمہارے خلاف منصوبے بنا رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کرلیں، یا تمہیں قتل کر دیں، یا تمہیں (وطن سے) نکال دیں۔ وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے، اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔ (۱۸) ﴿۳۰﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ''(بس!) ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس جیسی باتیں ہم بھی کہہ لائیں۔ یہ (قرآن) اور کچھ نہیں، صرف پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔'' ﴿۳۱﴾ (اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: ''یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، یا ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب ڈال دے۔'' ﴿۳۲﴾

---

(۱۸) یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ کفارِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، اور مدینہ منورہ میں بڑی تعداد مسلمان ہو چکی ہے تو انہوں نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی، اُس میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ یہ آیت ان تمام تجویزوں کا ذکر کر رہی ہے، یعنی گرفتاری، قتل اور جلاوطنی۔ آخر میں فیصلہ یہ ہوا تھا کہ مختلف قبیلوں سے ایک ایک نوجوان لے کر سب یکبارگی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ آور ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتا دیں، اور ہجرت کا حکم دے دیا۔ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا، مگر آپ وہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس طرح نکل آئے کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ تفصیلی واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اور ''معارف القرآن'' میں بھی اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴

اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ اِن کو اِس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو، اور اللہ اِس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ اِستغفار کرتے ہوں۔[19] ﴿۳۳﴾ اور بھلا ان میں کیا خوبی ہے کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں،[20] حالانکہ وہ اُس کے متولّی نہیں ہیں۔ متقی لوگوں کے سوا کسی قسم کے لوگ اُس کے متولّی نہیں ہوسکتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے ﴿۳۴﴾

(۱۹) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے، لیکن دو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، اور آپ کے ہوتے ہوئے عذاب نازل نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبی کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا، جب نبی بستی سے نکل جاتے ہیں، تب عذاب آتا ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کی برکت سے عذابِ عام اس اُمت پر نہیں آئے گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان اِستغفار کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اِستغفار کی برکت سے عذاب رُکا ہوا ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کی یہ تشریح بھی کی ہے کہ خود مشرکینِ مکہ بھی اپنے طواف کے دوران کثرت سے ''غفرانک، غفرانک'' کہتے رہتے تھے، جو اِستغفار ہی کی ایک قسم ہے۔ اگرچہ کفر و شرک کے ساتھ یہ اِستغفار آخرت کے عذاب کو دُور کرنے کے لئے تو کافی نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دُنیا میں دے دیتے ہیں، اس لئے اُن کے اِستغفار کا اثر یہ ہے کہ اُن پر دُنیا میں کوئی اُس طرح کا عذابِ عام نازل نہیں ہوا جیسا عاد و ثمود وغیرہ پر آیا تھا۔

(۲۰) یعنی اگرچہ مذکورہ بالا دو وجہ سے ان پر دُنیا میں کوئی عام عذاب تو نہیں آیا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں، جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں پیچھے گذر چکا ہے۔ (دیکھئے اس سورت کا ابتدائی تعارف) لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ مکہ

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۹ ۱۸ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا (اے کافرو!) جو کافرانہ باتیں تم کرتے رہے ہو، ان کی وجہ سے اب عذاب کا مزہ چکھو ﴿۳۵﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔[21] نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لئے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخرکار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف اِکٹھا کر کے لایا جائے گا ﴿۳۶﴾ تاکہ اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے، اور ایک ناپاک کو دوسرے ناپاک پر رکھ کر سب کا ایک ڈھیر بنائے، اور اس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ ہیں جو سراسر خسارے میں ہیں ﴿۳۷﴾ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان سے کہہ دو کہ: ''اگر وہ باز آجائیں تو پہلے ان سے جو کچھ ہوا ہے، اُسے معاف کر دیا جائے گا۔''[22]

مکرمہ سے نکل جائیں گے تو ان پر جزوی عذاب آئے گا، جو بعد میں فتحِ مکہ کی صورت میں سامنے آیا، اور پھر آخرت میں ان کو مکمل عذاب ہوگا۔

(۲۱) جنگِ بدر کے بعد قریش کے بچے کھچے سرداروں نے چندہ جمع کرنا شروع کیا تھا کہ اس سے ایک بڑی جنگ کی تیاری کریں۔ یہ آیت اُس موقع پر نازل ہوئی۔

(۲۲) اس آیت نے یہ اُصول بتا دیا ہے کہ جب کوئی شخص ایمان لے آئے تو کفر کی حالت میں اُس نے جتنے بھی

وَإِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر وہ پھر وہی کام کریں گے تو پچھلے لوگوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ (ان کے سامنے) گذر ہی چکا ہے۔[۲۳] ﴿۳۸﴾ اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔[۲۴] پھر اگر یہ باز آ جائیں تو اُن کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے[۲۵] ﴿۳۹﴾ اور اگر یہ منہ موڑے رکھیں، تو یقین جانو کہ اللہ تمہارا رکھوالا ہے، بہترین رکھوالا، اور بہترین مددگار! ﴿۴۰﴾

گناہ کئے ہوں وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ پچھلی نمازوں، روزوں اور دوسری عبادتوں کی قضا بھی اُس کے ذمے لازم نہیں ہوتی۔

(۲۳) اس سے ان کافروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو جنگِ بدر میں مارے گئے، اور اُن پچھلی اُمتوں کی طرف بھی جن پر عذاب نازل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انجام تمہارے سامنے گذر چکا ہے۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو ویسا ہی انجام تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

(۲۴) جیسا کہ آگے سورۂ توبہ میں آئے گا، جزیرۂ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا مرکز بنایا ہے، اس لئے یہاں حکم یہ ہے کہ کوئی کافر یا مشرک مستقل طور پر نہیں رہ سکتا۔ یا اسلام لائے، یا کہیں اور چلا جائے۔ اس لئے جزیرۂ عرب میں کافروں سے اُس وقت تک جنگ کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار نہ کرلیں۔ البتہ جزیرۂ عرب سے باہر کا حکم مختلف ہے۔ وہاں غیر مسلموں کے ساتھ مختلف قسم کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ آیت کے تقریباً یہی الفاظ سورۂ بقرہ (۲: ۱۹۳) میں بھی گذرے ہیں۔ وہاں ہم نے جو حاشیہ لکھا ہے، اُسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ظاہری طور پر اسلام لے آئے تو مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ وہ اُسے مسلمان سمجھیں، اور دِل کو ٹٹولنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ دِل کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہی اُن کے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اور آخرت میں اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ ۙ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ

اور (مسلمانو!) یہ بات اپنے علم میں لے آؤ کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو، اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور اُن کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے [۲۶] (جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے،) اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی تھی، [۲۷] جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۱﴾ وہ وقت یاد کرو جب تم لوگ وادی کے قریب والے کنارے پر تھے، اور وہ لوگ دُور والے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف۔ [۲۸] اور اگر تم پہلے سے (لڑائی کا) وقت آپس میں طے کرتے تو وقت طے کرنے میں تمہارے درمیان ضرور اختلاف ہو جاتا، لیکن یہ واقعہ (کہ پہلے سے طے کیے بغیر لشکر ٹکرا گئے) اس لئے ہوا کہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دِکھائے، تاکہ جسے برباد ہونا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر برباد ہو، اور جسے زندہ رہنا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر زندہ رہے، [۲۹] اور اللہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۴۲﴾ اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب اللہ خواب میں تمہیں اُن (دشمنوں) کی تعداد کم دِکھا رہا تھا، [۳۰]

---

(۲۶) دُشمن کا جو مال جہاد کے دوران مجاہدین کے ہاتھ آیا ہو، وہ مالِ غنیمت کہلاتا ہے۔ اس آیت میں اس کی

تقسیم کا اُصول بیان فرمایا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنا مال اس طرح حاصل ہو، اُس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ان میں سے چار حصے تو مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوں گے، اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ پھر بیت المال کے اس پانچویں حصے (خمس) کو کس طرح خرچ کیا جائے گا؟ اس کی تفصیل کرتے ہوئے اس آیت نے اوّل تو یہ بتلایا ہے کہ یہ مال اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اسی کے حکم کے تحت تقسیم ہوگا۔ اس کے بعد اس کے پانچ مصارف بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا ہے، کیونکہ انہوں نے آپ کی اور اِسلام کی نصرت میں بڑی قربانیاں دی تھیں، اور اُن کے لئے زکوٰۃ کا مال بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ تھا، وہ جمہور فقہاء کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ختم ہوگیا۔ آپ کے رشتہ داروں کے حصے کے بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حصہ اب بھی باقی ہے، اور بنو ہاشم اور بنو المطلب کو بطورِ اِستحقاق دینا ضروری ہے، چاہے وہ حاجت مند ہوں، یا مال دار۔ لیکن دوسرے تمام فقہائے اہلِ سنت یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حاجت مند ہوں تب تو انہیں دوسرے حاجت مندوں پر ترجیح دے کر اس خمس میں سے دیا جائے گا، اور اگر وہ حاجت مند نہ ہوں تو ان کا کوئی مستقل حصہ نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خمس میں سے حصہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر لینے سے انکار کر دیا کہ اس سال ہمارے خاندان کو ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۸۴) چنانچہ حضرت علیؓ سمیت چاروں خلفائے راشدین کا عمل یہی رہا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے حضرات اگر حاجت مند ہوتے تو ان کو خمس میں سے حصہ دینے میں دوسروں پر مقدم رکھتے تھے، اور اگر حاجت مند نہ ہوتے تو نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر فقہاء اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جو پانچ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سب کو ضرور دیا جائے، اور سب کو برابر دیا جائے، بلکہ یہ مصرف زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی طرح ہیں (جن کا ذکر سورۂ توبہ ۹:۶۰ میں آنے والا ہے) کہ اِمام یعنی سربراہِ حکومت کو اِختیار ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق ان مصارف میں سے جس مصرف میں جتنا مناسب سمجھے تقسیم کرے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق بندہ نے اپنی صحیح مسلم کی شرح تکملہ فتح الملہم (ج:۳ ص:۲۵۴ تا ۲۵۸) میں بیان کی ہے۔

(۲۷) اس سے مراد جنگِ بدر کا دن ہے، اس کو آیت میں ''یوم الفرقان'' فرمایا گیا ہے، یعنی وہ دن جس میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوگیا کہ تین سو تیرہ بے سروسامان لوگ ایک ہزار مسلح فوج پر معجزانہ طور سے غالب آگئے۔ اور جو چیز اُس دن نازل کی تھی اُس سے مراد فرشتوں کی مدد اور قرآنِ کریم کی وہ آیات ہیں جو اُس دن مسلمانوں

کی تسلی کے لئے نازل کی گئیں۔

(۲۸) یہ میدانِ جنگ کا نقشہ بتایا جارہا ہے۔ ''بدر'' ایک وادی کا نام ہے، اُس کا وہ کنارہ جو مدینہ منورہ سے قریب تر ہے، اس پر مسلمانوں کا لشکر فروکش تھا، اور جو کنارہ مدینہ منورہ سے نسبۃً دُور ہے، اُس پر کفار کا لشکر تھا۔ اور قافلے سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے جو اس وادی کے نیچے کی جانب ساحلِ سمندر کی طرف بچ کر نکل گیا تھا۔ تفصیل اس سورت کے شروع میں بیان ہوچکی ہے۔

(۲۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب ایسے پیدا فرمادیئے کہ کفارِ مکہ سے باقاعدہ جنگ ٹھن گئی، ورنہ اگر دونوں فریق پہلے سے جنگ کے لئے کوئی وقت طے کرنا چاہتے تو اِختلاف ہوجاتا، مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے، اس لئے باقاعدہ جنگ سے کتراتے، اور مشرکین کے دِلوں پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت تھی، اس لئے وہ بھی خواہش کے باوجود جنگ کو ٹلانا چاہتے۔ لیکن جب انہیں اپنا تجارتی قافلہ خطرے میں نظر آیا تو ان کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، اور مسلمانوں کے سامنے جب لشکر آ ہی گیا تو وہ بھی لڑنے پر مجبور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ اسباب ہم نے اس لئے پیدا کئے کہ ایک مرتبہ فیصلہ کن معرکہ ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی فتح ونصرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کھل کر سامنے آجائے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کرکے بربادی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل کے واضح ہونے کے بعد اِختیار کرے، اور جو شخص اسلام لاکر باعزت زندگی اختیار کرے، وہ بھی اس واضح دلیل کی روشنی میں کرے۔

(۳۰) جنگ شروع ہونے سے پہلے جب ابھی تک مسلمانوں کو یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ حملہ آور کافروں کی تعداد کتنی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کے لشکر کو کم کرکے دِکھایا گیا۔ آپ نے وہ خواب صحابہ کرامؓ سے بیان فرمایا، جس سے ان کے حوصلے بلند ہوئے۔ اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب چونکہ واقعے کے خلاف نہیں ہوسکتا، اس لئے بظاہر آپ کو لشکر کا ایک حصہ دِکھایا گیا تھا، آپ نے اسی حصے کے بارے میں لوگوں کو بتایا کہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خواب میں جو چیز دِکھائی جاتی ہے، وہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے، عین وہ چیز مراد نہیں ہوتی جو خواب میں نظر آرہی ہو، اسی لئے خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا خواب میں سارے لشکر کی تعداد اگرچہ واقعی کم دِکھائی گئی، لیکن اس کمی کی اصل تعبیر یہ تھی کہ یہ سارا لشکر بے حیثیت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تعبیر کا علم تھا، اور آپ نے یہ خواب صحابہؓ کے سامنے اس لئے بیان فرمایا تاکہ ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ۚ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ۚ

اور اگر تمہیں اُن کی تعداد زیادہ دِکھا دیتا تو (اے مسلمانو!) تم ہمت ہار جاتے، اور تمہارے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو جاتا، لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی باتیں خوب جانتا ہے ﴿۴۳﴾ اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے مدِمقابل آئے تھے تو اللہ تمہاری نگاہوں میں اُن کی تعداد کم دِکھا رہا تھا، اور اُن کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دِکھا رہا تھا،(۳۱) تا کہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دِکھائے۔ اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿۴۴﴾ اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ﴿۴۵﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۴۶﴾

---

(۳۱) یہ اُس خواب کے علاوہ بیداری کا واقعہ ہے جو عین اُس وقت پیش آیا جب دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کچھ ایسی کیفیت طاری فرمادی کہ کفار کا وہ لشکرِ جرار ان کو بہت معمولی محسوس ہوا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے، اور لوگوں کو اپنی شان دِکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ (۳۲) اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔ (۳۳) ﴿۴۷﴾ اور وہ وقت (بھی قابلِ ذکر ہے) جب شیطان نے ان (کافروں) کو یہ سمجھایا تھا کہ ان کے اعمال بڑے خوشنما ہیں، اور یہ کہا تھا کہ: "آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آسکے، اور میں تمہارا محافظ ہوں۔" (۳۴) پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا، اور کہنے لگا: "میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ تمہیں نظر نہیں آرہا۔ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔" ﴿۴۸﴾

---

(۳۲) اس سے مراد کفارِ قریش کا وہ لشکر ہے جو جنگِ بدر کے موقع پر بڑا اکڑتا اتراتا اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلا تھا۔ سبق یہ دینا ہے کہ جنگی طاقت کتنی بھی ہو، اُس پر بھروسہ کر کے تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رکھنا چاہئے۔

(۳۳) مطلب غالباً یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص بظاہر اِخلاص سے کام کرتا نظر آتا ہے، لیکن اُس کی نیت دِکھاوے کی ہوتی ہے، یا اس کے برعکس بعض مرتبہ کسی شخص کا انداز بظاہر دِکھاوے کا ہوتا ہے (جیسے دُشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کبھی طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے) لیکن وہ اِخلاص کے ساتھ بھروسہ اللہ ہی پر کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال کی اصل حقیقت کا پورا پورا علم ہے، اس لئے وہ ان کی جزا یا سزا کا فیصلہ اپنے اسی علم محیط کی بنیاد پر فرمائے گا، محض ظاہری حالت کی بنیاد پر نہیں (تفسیر کبیر)۔ واللہ سبحانہ اعلم

(۳۴) شیطان کی طرف سے یہ یقین دہانی اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ اس نے مشرکین کے دِل میں یہ خیال ڈالا

اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیۡنُهُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّى الَّذِیۡنَ كَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِكَةُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۵۰﴾

اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ تھا، یہ کہہ رہے تھے کہ: ''ان (مسلمانوں) کو اِن کے دِین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔''(۳۵) حالانکہ جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ سب پر غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿۴۹﴾ اور اگر تم دیکھتے (تو وہ عجیب منظر تھا) جب فرشتے ان کافروں کی روح قبض کر رہے تھے، اُن کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے تھے، (اور کہتے جاتے تھے کہ:) ''اب جلنے کے عذاب کا مزہ (بھی) چکھنا ﴿۵۰﴾

ہو، لیکن اگلے جملے میں جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے ظاہر یہی ہے کہ اُس نے کسی انسانی شکل میں آکر مشرکین کو اُکسایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب مشرکینِ مکہ جنگ کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پیچھے ان کے گھروں پر قبیلہ بکر کے لوگ حملہ نہ کردیں جن سے ان کی پرانی دُشمنی چلی آتی تھی۔ اس موقع پر شیطان اس قبیلے کے ایک سردار سراقہ کے رُوپ میں ان کے سامنے آیا، اور اس نے اطمینان دِلایا کہ تمہارے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا، اور دوسرے یہ کہ تم ہمارے قبیلے کی طرف سے بے فکر رہو، میں خود تمہارا محافظ ہوں، اور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مشرکینِ مکہ اس کی بات سے مطمئن ہوگئے۔ لیکن جب بدر کے میدان میں فرشتوں کا لشکر سامنے آیا تو شیطان جو سراقہ کی شکل میں ان کے ساتھ تھا، یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، اور مجھے وہ فوج نظر آرہی ہے جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بعد میں جب مشرکین کا لشکر شکست کھا کر مکہ مکرمہ لوٹا تو انہوں نے سراقہ سے شکایت کی کہ تم نے ہمیں بڑا دھوکا دیا۔ سراقہ نے جواب میں کہا کہ مجھے تو اس قصے کا ذرا بھی پتہ نہیں، اور نہ میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

(۳۵) جب مسلمانوں نے بے سروسامانی کی حالت میں اتنے بڑے لشکر سے ٹکر لے لی تو منافقین نے کہا تھا کہ یہ اپنے دِین کے گھمنڈ میں بڑا دھوکا کھا رہے ہیں، ان میں کفارِ مکہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

یہ سب کچھ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیج رکھے تھے، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔'' ﴿۵۱﴾ (ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہوا) جیسا فرعون کی قوم اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو ماننے سے انکار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ یقیناً اللہ کی طاقت بڑی ہے (اور) عذاب بڑا سخت! ﴿۵۲﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ اُس نے جو نعمت کسی قوم کو دی ہو، اُسے اُس وقت تک بدلنا گوارا نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت تبدیل نہ کرلیں[۳۶]، اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۵۳﴾ (اس معاملے میں بھی ان کا حال) ایسا ہی ہوا جیسا فرعون کی قوم اور اُن سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ربّ کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کردیا، اور فرعون کی قوم کو غرق کردیا، اور یہ سب ظالم لوگ تھے ﴿۵۴﴾

---

(۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو عذاب سے اسی وقت بدلتا ہے جب کوئی قوم اپنی حالت کو خود بدل لیتی ہے۔ کفارِ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن میں سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی کے درمیان مبعوث کیا گیا۔ اگر وہ اس وقت ضد سے کام لینے کے بجائے حق طلبی اور انصاف سے کام

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللّٰهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عٰهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

یقین جانو کہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے جان داروں میں بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے۔(۳۷) ﴿۵۵﴾ یہ لوگ وہ ہیں جن سے تم نے عہد لے رکھا ہے، اس کے باوجود یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں، اور ذرا نہیں ڈرتے۔(۳۸) ﴿۵۶﴾ لہٰذا اگر کبھی یہ لوگ جنگ میں تمہارے ہاتھ لگ جائیں، تو ان کو سامانِ عبرت بنا کر اُن لوگوں کو بھی تتر بتر کر ڈالو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ یاد رکھیں۔(۳۹) ﴿۵۷﴾

لیتے تو ان کے لئے اسلام قبول کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، لیکن انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کر کے اور ضد سے کام لے کر اپنی حالت کو بدل لیا، اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا، جس سے حق کو قبول کرنا ان کے لئے مشکل ہوگیا۔ جب انہوں نے اپنی حالت اس طرح بدل لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں کو عذاب سے تبدیل کردیا۔

(۳۷) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۲۲ کا حاشیہ۔

(۳۸) اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے دُشمن کا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہودیوں نے بار بار اس عہد کی خلاف ورزی کی تھی، اور خفیہ طور پر کفارِ مکہ کے ساتھ ساز باز کرتے رہتے تھے۔

(۳۹) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کسی جنگ میں کھل کر مسلمانوں کے مقابلے پر آجائیں تو انہیں ایسا سبق سکھایا جائے کہ نہ صرف ان کو بدعہدی کا انجام پتہ لگ جائے، بلکہ جو کفارِ مکہ اُن کو پیچھے سے اُکساتے رہتے ہیں، ان کو بھی ایسی عبرت ہو کہ ان کے منصوبے تتر بتر ہو کر رہ جائیں۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو تم وہ معاہدہ اُن کی طرف صاف سیدھے طریقے سے پھینک دو۔[۴۰] یاد رکھو کہ اللہ بدعہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۸﴾ اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال بھی دِل میں نہ لائیں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں۔[۴۱] یہ یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۵۹﴾ اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو،[۴۲] جن کے ذریعے تم اللہ کے دُشمن اور اپنے (موجودہ) دُشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔[۴۳] اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی جائے گی ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ،[۴۴] اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۶۱﴾ اور اگر وہ تمہیں دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعے اور مؤمنوں کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے ﴿۶۲﴾

(۴۰) یہ اس صورت کا حکم بیان ہو رہا ہے جب ان لوگوں کی طرف سے کھلی بدعہدی تو نہ ہوئی ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ کسی وقت وہ بدعہدی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیں گے۔ ایسے موقع کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واضح طور پر معاہدے کے ختم کرنے کا اعلان کر دیں، اور انہیں بتا دیں کہ اب ہم میں سے کوئی معاہدے کا پابند نہیں ہے، اور ہر فریق دوسرے کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ اسی بات کو معاہدہ ان کی طرف پھینکنے سے تعبیر کیا گیا ہے جو عربی محاورے میں اسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاکید یہ کی گئی ہے کہ صرف دُشمن کی بدعہدی کے اندیشے کی بنا پر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اعلان کے بغیر معاہدے کی خلاف ورزی کریں، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

(۴۱) یہ ان کافروں کی طرف اشارہ ہے جو جنگِ بدر کے موقع پر بھاگ نکلے تھے۔

(۴۲) یہ پوری اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک ابدی حکم ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی شوکت قائم کرنے کے لئے ہر قسم کی دِفاعی طاقت جمع کرنے کا اہتمام کرے۔ قرآنِ کریم نے "طاقت" کا عام لفظ استعمال کر کے بتا دیا ہے کہ جنگ کی تیاری کسی ایک ہتھیار پر موقوف نہیں، بلکہ جس وقت جس قسم کی دِفاعی قوت کارآمد ہو، اُس وقت اُسی طاقت کا حصول مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ لہٰذا اس میں تمام جدید ترین ہتھیار اور آلات بھی داخل ہیں، اور وہ تمام اسباب و وسائل بھی جو مسلمانوں کی اجتماعی، معاشی اور دِفاعی ترقی کے لئے ضروری ہوں۔ افسوس ہے کہ اس فریضے سے غافل ہو کر آج مسلمان دوسری قوموں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں، اور ان سے مرعوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس صورتِ حال سے نجات عطا فرمائے۔

(۴۳) اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دُشمن ہیں جو اُس وقت تک سامنے نہیں آئے تھے، بلکہ بعد میں سامنے آئے۔ مثلاً رُوم اور فارس کے لوگ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں یا اس کے بھی بعد سابقہ پیش آیا۔

(۴۴) اس آیتِ کریمہ نے مسلمانوں کو دُشمن سے صلح کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ ایسی شرائط پر ہو جو مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہوں۔

وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اور اُن کے دِلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کردی۔ اگر تم زمین بھر کی ساری دولت بھی خرچ کر لیتے تو ان کے دِلوں میں یہ اُلفت پیدا نہ کرسکتے، لیکن اللہ نے ان کے دِلوں کو جوڑ دیا۔ وہ یقیناً اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۳﴾

اے نبی! تمہارے لئے تو بس اللہ اور وہ مؤمن لوگ کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے ﴿۶۴﴾ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر تمہارے سو آدمی ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔(۴۵) ﴿۶۵﴾

---

(۴۵) چونکہ صحیح سمجھ نہیں رکھتے، اس لئے ایمان نہیں لاتے، اور چونکہ ایمان نہیں لاتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے محروم رہتے ہیں، اور اپنی دس گنی زیادہ تعداد کے باوجود مسلمانوں سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ اس آیت نے ضمنی طور پر یہ حکم بھی دے دیا کہ اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دس گنی زیادہ ہو تب بھی مسلمانوں کے لئے مقابلے سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگلی آیت بعد میں نازل ہوئی جس نے اس حکم میں تخفیف کردی۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ ز وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

ع ۵ ۹ ۵

لو اَب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کردیا، اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری ہے۔ لٰہذا (اب حکم یہ ہے کہ) اگر تمہارے ثابت قدم رہنے والے سو آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے ایک ہزار آدمی ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۴۶) ﴿۶۶﴾ یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اُس کے پاس قیدی رہیں، (۴۷) جب تک کہ وہ زمین میں (دُشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو (جس سے ان کا رُعب پوری طرح ٹوٹ جائے) تم دُنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۶۷﴾ اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آجاتی۔ (۴۸) ﴿۶۸﴾ لٰہذا اَب تم نے جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہے، اُسے پاکیزہ حلال مال کے طور پر کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۴۹) ﴿۶۹﴾

(۴۶) یہ حکم بعد میں آیا، اور اس نے یہ تخفیف کردی کہ اگر دُشمن کی تعداد مسلمانوں سے دُگنی تک ہو تو پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر تعداد اس سے زیادہ ہو تو پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہے۔ اس طرح اس آیت نے اُس حکم کی تفصیل بیان فرمادی ہے جو پیچھے آیت نمبر ۱۵ و ۱۶ میں دیا گیا تھا۔

(۴۷) جنگِ بدر میں ستر قریشی اَفراد گرفتار ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو جنگی قیدی کے طور پر مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ بعض صحابہ کرامؓ، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، ان کی بنا پر ان کا عبرت ناک انجام ہونا چاہئے۔ دوسرے حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ (''فدیہ'' اُس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی جنگی قیدی سے اُس کی آزادی کے بدلے طلب کیا جائے) چونکہ زیادہ تر صحابہ اس دوسری رائے کے حق میں تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا، اور ان سب قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے اس فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جنگِ بدر کا سارا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ کفار کی طاقت اور شوکت کا زور اچھی طرح ٹوٹ جائے، اور جن لوگوں نے سالہا سال تک دِینِ حق کا نہ صرف راستہ روکنے کی کوشش کی ہے، بلکہ مسلمانوں پر وحشیانہ ظلم ڈھائے ہیں، اُن پر ایک مرتبہ مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی کا معاملہ کرنے کے بجائے ان سب کو قتل کیا جاتا، تاکہ یہ واپس جا کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بھی نہ بن سکتے، اور ان کے عبرت ناک انجام سے دوسروں کو بھی سبق ملتا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر ناپسندیدگی کا یہ اظہار جنگِ بدر کے وقت مذکورہ مصلحت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ بعد میں سورۂ محمد کی آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اب چونکہ کفار کی جنگی طاقت ٹوٹ چکی ہے، اس لئے اب نہ صرف فدیہ لے کر، بلکہ بغیر فدیہ کے، محض احسان کے طور پر بھی جنگی قیدیوں کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔

(۴۸) پہلے لکھے ہوئے حکم سے مراد بعض مفسرین نے تو وہ حکم لیا ہے جو پیچھے آیت ۳۳ میں گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب نہیں آسکتا۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اُن قیدیوں میں سے بعض حضرات کا مسلمان ہو جانا اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا ہوا تھا، وہ نوشتۂ تقدیر مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے پر مسلمانوں کو کوئی سزا نہیں دی کہ ان قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے والے تھے، ورنہ فیصلہ اُصولی طور پر ناپسندیدہ تھا۔

(۴۹) چونکہ جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ فیصلہ کثرتِ رائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے ہو چکا تھا، اس لئے ناپسندیدگی کے اظہار کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی معافی کا بھی اعلان فرمایا، اور یہ بھی اجازت دی کہ جو مال فدیہ میں حاصل ہوا ہے، وہ حلال طیب ہے، اور مسلمان اُسے اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّمَن فِىٓ أَيْدِيكُم مِّنَ ٱلْأَسْرَىٰٓ إِن يَعْلَمِ ٱللَّهُ فِى قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِن يُرِيدُوا۟ خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا۟ ٱللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اے نبی! تم لوگوں کے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں، (اور جنہوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اُن سے کہہ دو کہ: "اگر اللہ تمہارے دِلوں میں بھلائی دیکھے گا تو جو مال تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے، اُس سے بہتر تمہیں دیدے گا،(۵۰) اور تمہاری بخشش کردے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۷۰﴾ اور اگر ان لوگوں نے (اے نبی!) تم سے خیانت کرنے کا ارادہ کیا، تو یہ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کرچکے ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ نے انہیں تمہارے قابو میں دے دیا، اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۷۱﴾

(۵۰) بھلائی دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ہے، وہ خلوصِ دِل کے ساتھ ہو، کوئی شرارت نہ ہو۔ اس صورت میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی آزادی کے لئے فدیہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے، اس سے بہتر بدلہ انہیں دُنیا یا آخرت میں دے دیا جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بدر کی جنگ میں قید ہوگئے تھے، انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا تھا، مگر میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے جنگ میں آنے پر مجبور کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہرحال! جو فدیہ دینا طے ہوا ہے، وہ تو تمہیں دینا ہوگا، اور اپنے بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ بھی تم دو۔ انہوں نے کہا کہ اتنی رقم میں کہاں سے لاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رقم کہاں ہے جو تم اپنی اہلیہ اُمّ الفضل کے پاس خفیہ طور پر چھوڑ کر آئے ہو؟ حضرت عباسؓ نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ اس بات کا علم ان کے اور ان کی اہلیہ کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بعد میں حضرت عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جتنا کچھ میں نے فدیہ میں دیا تھا، واقعی اُس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے دیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾

جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے ہجرت کی ہے، اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے، وہ اور جنہوں نے ان کو (مدینہ میں) آباد کیا، اور ان کی مدد کی، یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، (مگر) انہوں نے ہجرت نہیں کی، جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں، (اے مسلمانو!) تمہارا اُن سے وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔(۵۱) ہاں اگر دِین کی وجہ سے وہ تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔(۵۲) اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۷۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔(۵۳) ﴿۷۳﴾

---

(۵۱) سورۂ انفال کی ان آخری آیات میں میراث کے کچھ وہ اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں جو مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اُصول شروع سے طے فرمادیا تھا کہ مسلمان اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ جو صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے تھے، ان میں سے بہت سے ایسے تھے کہ ان کے رشتہ دار جو ان کے وارث ہوسکتے تھے، سب مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے۔ ان میں سے اکثر تو وہ تھے جو کافر تھے، اور مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے، وہ مسلمانوں کے اس لئے وارث نہیں ہوسکتے تھے کہ ان کے درمیان کفر اور ایمان کا فاصلہ حائل تھا۔ چنانچہ ان

آیات نے واضح طور پر بتادیا کہ نہ وہ مسلمانوں کے وارث ہوسکتے ہیں، اور نہ مسلمان اُن کے وارث ہوسکتے ہیں۔ اور مہاجرین کے کچھ ایسے رشتہ دار بھی تھے جو مسلمان تو ہوگئے تھے، لیکن انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں بھی اس آیت نے یہ حکم دیا ہے کہ مہاجر مسلمانوں کا اُن سے بھی وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُس وقت تمام مسلمانوں کے ذمے فرض تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کریں، اور انہوں نے ہجرت نہ کرکے اس فریضے کو ابھی تک ادا نہیں کیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مہاجر مسلمان مدینہ منورہ میں تھے جو دارالاسلام تھا، اور وہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے جو اُس وقت دارالحرب تھا، اور دونوں کے درمیان بڑی رُکاوٹیں حائل تھیں۔ بہرصورت! مہاجر مسلمانوں کے جو رشتہ دار مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کے ساتھ مہاجرین کا وراثت کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر اُن کا کوئی رشتہ دار مکہ مکرمہ میں فوت ہوتا تو اُس کے ترکے میں ان مہاجرین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اور اگر ان مہاجرین میں سے کوئی مدینہ منورہ میں فوت ہوتا تو اُس کی میراث میں اُس کے مکی رشتہ داروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف جو مہاجرین مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے تھے، اُن کو اَنصارِ مدینہ نے اپنے گھروں میں ٹھہرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہاجر صحابی کا کسی انصاری صحابی سے بھائی چارہ قائم کردیا تھا جسے ''مؤاخات'' کہا جاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ نے یہ حکم دیا کہ اب مہاجرین کے وارث اُن کے مکی رشتہ داروں کے بجائے وہ انصاری صحابہ کرامؓ ہوں گے جن کے ساتھ اُن کی مؤاخات قائم کی گئی ہے۔

(۵۲) یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی، اگرچہ وہ مہاجرین کے وارث نہیں ہیں، لیکن چونکہ بہرحال مسلمان ہیں، اس لئے اگر کافروں کے خلاف مسلمانوں سے کوئی مدد مانگیں تو مہاجر مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مدد کریں۔ البتہ ایک صورت ایسی بیان کی گئی ہے جس میں اس طرح کی مدد کرنا مہاجر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ جن کافروں کے خلاف وہ مدد مانگ رہے ہوں، اُن سے مہاجر مسلمانون کا کوئی جنگ بندی کا معاہدہ ہوچکا ہو۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اُن کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو یہ بدعہدی ہوگی، اس لئے ایسی مدد کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جب کوئی معاہدہ ہوجائے تو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے بھی اُس کی خلاف ورزی کو اِسلام نے جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کفار کے ہاتھوں پسے ہوئے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفارِ قریش کے خلاف مدد مانگی، اور مسلمانوں کا دِل بے تاب تھا کہ ان کی مدد کریں، مگر چونکہ قریش کے لوگوں سے معاہدہ ہوچکا تھا، اس لئے ان کے صبر وضبط کا بہت کڑا امتحان پیش آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے۔

(۵۳) اس جملے کا تعلق اُن تمام اَحکام سے ہے جو ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں، جن میں میراث کے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

اور جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اور جنہوں نے انہیں آباد کیا، اور ان کی مدد کی، وہ سب صحیح معنی میں مؤمن ہیں۔(۵۴) ایسے لوگ مغفرت اور باعزّت رزق کے مستحق ہیں ﴿۷۴﴾ اور جنہوں نے بعد میں ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، اور تمہارے ساتھ جہاد کیا، تو وہ بھی تم میں شامل ہیں۔ اور (ان میں سے) جو لوگ (پرانے مہاجرین کے) رشتہ دار ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے (کی میراث کے دوسروں سے) زیادہ حق دار ہیں۔(۵۵) یقیناً اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۷۵﴾

مذکورہ بالا اَحکام بھی داخل ہیں، اور غیر مہاجر مسلمانوں کی مدد کے اَحکام بھی۔ تنبیہ یہ کی جارہی ہے کہ ان اَحکام کی خلاف ورزی سے زمین میں فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ مثلاً اگر وہ مسلمان جو کفار کے ہاتھوں ظلم وستم برداشت کررہے ہیں، اُن کی مدد نہ کی جائے تو فساد پھیلنا ظاہر ہے، اور اگر ان کی مدد کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ بدعہدی کی جائے تب بھی وہ تمام مصلحتیں پامال ہوں گی جن کی خاطر وہ معاہدہ کیا گیا تھا۔

(۵۴) یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی ہے، اگرچہ مؤمن وہ بھی ہیں، لیکن اُن میں ابھی یہ کسر ہے کہ انہوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ دوسری طرف مہاجرین اور انصار میں یہ کسر نہیں ہے۔ اس لئے وہ صحیح معنی میں مؤمن کہلانے کے مستحق ہیں۔

(۵۵) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ مسلمان بھی بالآخر ہجرت کرآئے تھے جنہوں نے شروع میں ہجرت نہیں کی تھی۔ اس آیت نے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اب انہوں نے چونکہ وہ کسر پوری

کر دی ہے جس کی وجہ سے اُن کا درجہ مہاجرین اور انصار سے کم تھا، اس لئے اب وہ بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور دوسرا حکم یہ کہ اب تک وہ اپنے اُن رشتہ داروں کے وارث نہیں ہوتے تھے جو ہجرت کر چکے تھے۔ اب چونکہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے ہیں، اس لئے اب اُن کے وارث ہونے کی اصل رُکاوٹ دُور ہو گئی ہے۔ اب وہ اپنے ان مسلمان رشتہ داروں کے وارث ہوں گے جو اُن سے پہلے ہجرت کر چکے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاری صحابہ کو اُن مہاجرین کا جو وارث بنایا گیا تھا، اب وہ حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ وہ ایک عارضی حکم تھا جو اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ ان مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ اب چونکہ وہ آگئے ہیں، اس لئے میراث کا اصل حکم کہ وہ قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، واپس آگیا۔

الحمدللہ! سورۂ اَنفال کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج مؤرخہ ۲۷ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء کو مکہ مکرمہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اس سورت کا ترجمہ لندن میں شروع ہوا تھا، اور کچھ حصہ کراچی میں ہوا، اور آج مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً میں مابین عصر و مغرب اس کی تکمیل ہوئی۔

والحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اسے اُمت کے لئے نافع بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور حواشی کا کام بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق صدق و اِخلاص سے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ التَّوبَة

تعارف

یہ بھی مدنی سورت ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ پچھلی سورت یعنی سورۂ اَنفال کا تکملہ ہے۔ غالباً اسی لئے عام سورتوں کے برخلاف اس سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ نازل ہوئی، نہ لکھی گئی۔ اور اس کی تلاوت کا بھی قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص پیچھے سورۂ اَنفال سے تلاوت کرتا چلا آرہا ہو، اُسے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے، البتہ اگر کوئی شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کررہا ہو تو اُس کو بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ اور بعض لوگوں نے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے کچھ اور جملے پڑھنے کے لئے بنا رکھے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں۔ اُوپر جو طریقہ لکھا گیا ہے، وہی سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

یہ سورت فتحِ مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ عرب کے بہت سے قبائل اس انتظار میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفارِ قریش کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب قریش نے حدیبیہ والا معاہدہ توڑ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، اور کسی خاص خونریزی کے بغیر اُسے فتح کرلیا۔ اس موقع پر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، البتہ آخری تدبیر کے طور پر قبیلہ ہوازن نے ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے جمع کیا جس سے حنین کی وادی میں آخری بڑی جنگ ہوئی، اور شروع میں معمولی ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو اس میں بھی فتح ہوئی۔ اس جنگ کے بعض واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اب عرب کے جو قبائل قریش کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ڈرتے تھے، یا ان کی جنگوں کے آخری انجام کے منتظر تھے، ان کے دِل سے اسلام کے خلاف ہر رُکاوٹ دُور ہوگئی، اور وہ جوق در جوق مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئے، اور اس طرح جزیرۂ عرب کے بیشتر علاقے پر اِسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزیرۂ عرب

کو اِسلام اور مسلمانوں کا بنیادی مرکز قرار دے دیا گیا۔ اصل منشا تو یہ تھا کہ پورے جزیرۂ عرب میں کوئی بھی غیر مسلم مستقل باشندے کی حیثیت میں باقی نہ رہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں دو دِین باقی نہ رہنے پائیں۔ (موطأ اِمام مالک، کتاب الجامع ومسند احمد ج:٦ ص:٢٧۵) لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تدریج کا طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ سب سے پہلا ہدف یہ مقرر فرمایا گیا کہ جزیرۂ عرب کو بت پرستوں سے خالی کرایا جائے۔ چنانچہ جو بچے کھچے بت پرست عرب میں رہ گئے تھے، اور جنہوں نے بیس سال سے زیادہ مدت تک مسلمانوں کو وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا تھا، اُن کو اِس سورت کے شروع میں مختلف مدتوں کی مہلت دی گئی جس میں اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیرۂ عرب چھوڑنے، ورنہ جنگ کا سامنا کرنے کے اَحکام دیئے گئے ہیں، اور مسجدِ حرام کو بت پرستی کی ہر نشانی سے پاک کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس ہدف کے پورا ہونے کے بعد جزیرۂ عرب کی مکمل صفائی کا دوسرا مرحلہ یہود ونصاریٰ کو وہاں سے نکالنے کا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یہ مرحلہ مکمل نہیں ہوسکا تھا، لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی تھی، جیسا کہ آیت نمبر ٢٩ کے تحت اس کی وضاحت آنے والی ہے۔

اس سے پہلے رُوم کے بادشاہ نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کرکے اُس کے مقابلے کے لئے تبوک تک تشریف لے گئے۔ اس سورت کا بہت بڑا حصہ اس مہم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ منافقین کی معاندانہ کارروائیاں مسلسل جاری تھیں۔ اس سورت میں ان کی بدعنوانیوں کو بھی طشت ازبام کیا گیا ہے۔

اس سورت کو سورۂ توبہ بھی کہا جاتا ہے، اور سورۂ براءت بھی۔ براءت اس لئے کہ اس کے شروع میں مشرکین سے براءت اور دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے، اور توبہ اس لئے کہ اس میں بعض ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جنہوں نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا، اور بعد میں اپنی اس غلطی پر توبہ کی تھی۔

آیاتها ١٢٩ ٩ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٣ رکوعاتها ١٦

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۟ؕ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ③

سورۂ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو اُنتیس آیتیں اور سولہ رُکوع ہیں

(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔[1] ﴿۱﴾ لہٰذا (اے مشرکو!) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور یہ بات بھی کہ اللہ اب کافروں کو رُسوا کرنے والا ہے ﴿۲﴾ اور حجِ اکبر کے دن[2] اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہوچکا ہے، اور اُس کا رسول بھی۔ اب (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم نے (اب بھی) منہ موڑے رکھا تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور تمام کافروں کو ایک دُکھ دینے والے عذاب کی ''خوشخبری'' سنادو ﴿۳﴾

(۱) ان آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے وہ پس منظر جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے تعارف میں اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ جزیرۂ عرب کو اِسلام کا مرکز بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ کچھ عرصے کی مہلت

کے بعد کوئی بت پرست مستقل طور پر جزیرۂ عرب میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ان آیات میں اُن بچے کھچے مشرکین سے دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اگرچہ یہ مشرکین وہ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اور اُن پر وحشیانہ ظلم ڈھائے تھے، لیکن انہیں جزیرۂ عرب سے نکلنے کے لئے مختلف مہلتیں دی گئی ہیں جن کی تفصیل ان آیتوں میں آئی ہے۔ ان مشرکین کی چار قسمیں تھیں:

(الف) پہلی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا۔ ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں وہ اگر اِسلام لانا چاہیں تو اِسلام لے آئیں، اور اگر جزیرۂ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اُس کا انتظام کرلیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کرسکیں تو اُن کے خلاف ابھی سے اعلان کردیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا (ترمذی، کتاب الحج، حدیث نمبر ۸۷۱)۔

(ب) دوسری قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، لیکن اُس کی کوئی مدت متعین نہیں تھی۔ ان کے بارے میں بھی یہ اعلان کردیا گیا کہ اب وہ معاہدہ چار مہینے تک جاری رہے گا۔ اس دوران اُن کو بھی وہی کام کرنے ہوں گے جن کا ذکر پہلی قسم کے بارے میں کیا گیا۔ سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت ان دو قسموں سے متعلق ہے۔

(ج) تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ تو کیا تھا، لیکن اُنہوں نے بدعہدی کی، اور وہ معاہدہ توڑ دیا، جیسے کفارِ قریش کے ساتھ حدیبیہ میں معاہدہ ہوا تھا، لیکن انہوں نے اُس کی خلاف ورزی کی، اور اسی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرکے اُسے فتح کرلیا تھا۔ ان لوگوں کو کوئی مزید مہلت تو نہیں دی گئی، لیکن چونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا جو خود حرمت والے مہینے میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے، اور اُس میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان کو محرم کے آخر تک کی مہلت مل گئی۔ انہی کے بارے میں آیت نمبر ۵ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کے بعد اگر یہ نہ ایمان لائیں، اور نہ جزیرۂ عرب سے باہر جائیں تو ان کو قتل کردیا جائے۔

(د) چوتھی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی خاص مدت تک کے لئے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر

رکھا تھا۔ اور انہوں نے کوئی بدعہدی بھی نہیں کی تھی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نمبر ۴ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے معاہدے کی جتنی بھی مدت باقی ہے، اُس کو پورا کیا جائے، اور اس پوری مدت میں اُن کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ مثلاً قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلے بنوضمرہ اور بنومدلج کے ساتھ آپ کا ایسا ہی معاہدہ تھا، اور اُن کی طرف سے کوئی بدعہدی سامنے نہیں آئی تھی۔ اُن کے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں اس وقت نو مہینے باقی تھے۔ چنانچہ اُن کو نو مہینے کی مہلت دی گئی۔

ان چاروں قسم کے اعلانات کو براءت یا دستبرداری کے اعلانات کہا جاتا ہے۔

(۲) دست برداری کا یہ حکم تو آچکا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں سے انصاف کی خاطر ان مختلف مدتوں کی ابتدا اُس وقت سے فرمائی جب اُن کو ان سارے اَحکام کی اطلاع ہو جائے۔ پورے عرب میں اعلان کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ تھا کہ یہ اعلان حج کے موقع پر کیا جائے، کیونکہ اُس وقت سارے عرب کے لوگ حجاز میں جمع ہوتے تھے، اور اُس وقت تک مشرکین بھی حج کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے بعد جو حج ۹ھ میں ہوا۔ اُس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تو حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اَمیرِ حج بنا کر بھیجا تھا۔ اُن کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی مقصد سے روانہ فرمایا کہ وہ ان اَحکام کا سب کے سامنے اعلان کردیں، وجہ یہ تھی کہ اہلِ عرب میں یہ معمول تھا کہ اگر کسی شخص نے کوئی معاہدہ کیا ہوتا، اور وہ اُسے ختم کرنا چاہتا تو یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان یا تو وہ خود کرے، یا اُس کا کوئی قریبی عزیز۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا (الدر المنثور ص ۱۱۴ ج ۴، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

واضح رہے کہ "حجِ اکبر" ہر حج کو اس لئے کہتے ہیں کہ عمرہ چھوٹا حج ہے، اور اس کے مقابلے میں حج بڑا حج ہے۔ اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر حج جمعہ کے دن آجائے تو وہ "حجِ اکبر" ہوتا ہے، اُس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جمعہ کے دن حج ہو تو بیشک دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں، لیکن صرف اُسی کو "حجِ اکبر" قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ یہ لقب ہر حج کا ہے، چاہے وہ کسی بھی دن ہو۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ

البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر ان لوگوں نے تمہارے ساتھ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تو اُن کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ بیشک اللہ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔[۳] ﴿۴﴾ چنانچہ جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے تمہارے ساتھ بدعہدی کی تھی) جہاں بھی پاؤ، قتل کرڈالو، اور انہیں پکڑو، انہیں گھیرو، اور انہیں پکڑنے کے لئے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔[۴] ہاں اگر وہ توبہ کرلیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵﴾ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے اُس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ کا کلام سن لے،[۵] پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پہنچادو۔[۶]

(۳) یعنی معاہدے کی مدت پوری احتیاط کے ساتھ پوری کی جائے، اور اس میں کوئی شک باقی نہ رکھا جائے۔

(۴) یہ تیسری قسم کے مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے بدعہدی کی تھی۔

(۵) مشرکین کی مذکورہ بالا چاروں قسموں کو اس آیت نے اپنی اپنی مہلت کے علاوہ یہ مزید سہولت عطا فرمائی کہ اگر ان میں سے کوئی مزید مہلت مانگے، اور وہ اسلام کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہو تو اُسے پناہ دی جائے، اور اللہ کا کلام سنایا جائے، یعنی اسلام کی حقانیت کے دلائل سمجھائے جائیں۔

(۶) یعنی صرف اللہ کا کلام سنانے پر اِکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُسے ایسی امن کی جگہ فراہم کی جائے جہاں وہ اطمینان کے ساتھ کسی دباؤ کے بغیر اِسلام کی حقانیت پر غور کرسکے۔

ع ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ ۚ

یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے ﴿۶﴾

ان مشرکین سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کوئی معاہدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟[۷] البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجدِ حرام کے قریب معاہدہ کیا ہے، جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو۔[۸] بیشک اللہ متقی لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۷﴾ (لیکن دوسرے مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ برقرار رہ سکتا ہے جبکہ اُن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آجائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں، اور نہ کسی معاہدے کا؟ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اُن کے دِل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ﴿۸﴾

---

(۷) آیت نمبر ۷ سے لے کر آیت نمبر ۱۶ تک اتنی بات تو واضح ہے کہ اس میں کفارِ قریش کا ذکر ہے، اور اُن کی بدعہدی کا ذکر کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اُن کے قول وقرار پر بھروسہ نہ کریں، اور اگر وہ بدعہدی کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کی جائے۔ لیکن اس معاملے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں کہ یہ آیات کب نازل ہوئی تھیں۔ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیتیں فتحِ مکہ سے پہلے اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں نے حدیبیہ میں جو معاہدہ کیا تھا، وہ باقی تھا۔ اور ان آیتوں میں یہ پیشینگوئی کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم نہیں رہیں گے، لہٰذا اگر وہ عہد شکنی کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کرو، اور اگر وہ دوبارہ عہد کریں تو اب اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے، کیونکہ وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں، اور اُن کے دِل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اور جب تم اُن سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر کے اُنہیں رُسوا کرے گا، اور اُن

مسلمانوں کے دِل ٹھنڈے ہوں گے جواُن کے مظالم کا شکار رہے ہیں۔اس تفسیر کے مطابق یہ آیتیں براءت کے اُس اعلان سے پہلے کی ہیں جو آیت نمبر ۱ سے آیت نمبر ۶ تک بیان کیا گیا ہے، اور جو فتحِ مکہ کے ایک سال دو ماہ کے بعد سن ۹ ھ کے حج کے موقع پر کیا گیا تھا۔

مفسرین کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیتیں براءت کے اعلان سے پہلے کی نہیں ہیں، بلکہ آیت نمبر ۱ سے براءت کے اعلان کا جو مضمون چلا آرہا ہے، یہ اُسی کا حصہ ہیں، اور ان میں براءت کے اعلان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی معاہدہ توڑ چکے ہیں، اور اب ان سے کوئی امید نہیں ہے کہ اگر اُن سے کوئی نیا معاہدہ کریں تو اُس کی پابندی کریں گے، کیونکہ ان کو مسلمانوں سے جو دُشمنی ہے، اُس کی وجہ سے یہ نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں، نہ کسی معاہدے کا۔ چونکہ فتحِ مکہ کے موقع پر اور اُس کے بعد قریش کے بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ان کی کفارِ قریش کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں، اس لئے اُن کے دِل میں قریش کے بارے میں کوئی نرم گوشہ ہوسکتا تھا۔ ان آیات نے انہیں متنبہ کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی باتوں سے دھوکا نہ کھائیں، اور دِل میں یہ عزم رکھیں کہ اگر ان سے لڑنا پڑا تو وہ پوری قوت سے اُن کا مقابلہ کریں گے۔ راقم کو یہ تفسیر متعدد دلائل کی وجہ سے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ آیت نمبر ۷ سے ۱۶ تک کا نظمِ قرآن ایک ہی سلسلۂ کلام نظر آتا ہے، اور آیت نمبر ۷ کے بارے میں یہ تصور نظم کے اعتبار سے مشکل لگتا ہے کہ وہ پہلی چھ آیتوں سے نزول میں بہت مقدم ہو۔ دوسرے حضرت علیؓ نے اعلان کے وقت قرآنِ کریم کی جو آیات لوگوں کو سنائیں، اُن کی تعداد روایات میں کم سے کم دس اور زیادہ سے زیادہ چالیس آئی ہے۔ (دیکھئے الدر المنثور ج:۴ ص:۱۱۲ و نظم الدرر للبقاعی ج:۸ ص:۳۶۶) اور نسائی (کتاب الحج، باب الخطبة یوم الترویة حدیث نمبر ۲۹۹۳) کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ ''انہوں نے اُسے ختم تک پڑھا'' اُس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی آیات دے کر انہیں بھیجا گیا تھا، اُن کے ختم تک پڑھا''۔ تیسرے حافظ ابنِ جریر طبری، علامہ سیوطی، علامہ بقاعی، قاضی ابو السعود اور بڑے جلیل القدر محدثین اور مفسرین نے ان آیات کو براءت ہی کا ایک حصہ اور اُس کی توجیہ و تعلیل قرار دیا ہے۔

(۸) اس سے مراد مشرکین کی وہ چوتھی قسم ہے جس کا ذکر اُوپر حاشیہ نمبر ۱ (د) میں آیا ہے۔ ان کو ان کے معاہدے کی مدت پوری ہونے تک مہلت دی گئی تھی، اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت میں اُس وقت نو مہینے باقی تھے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس مدت کے دوران اگر وہ سیدھے چلتے رہیں تو تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے چلو۔ اور اگر وہ بھی عہد شکنی کریں تو پھر اس مدت کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں ہے (تفسیر ابن جریر ج:۱۰ ص:۸۲)۔

اِشۡتَرَوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹﴾ لَا یَرۡقُبُوۡنَ فِیۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِی الدِّیۡنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَیۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ یَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾

انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے (دُنیا کی) تھوڑی سی قیمت لے لینا پسند کرلیا ہے،(۹) اور اس کے نتیجے میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے کرتوت بہت بُرے ہیں ﴿۹﴾ یہ کسی بھی مؤمن کے معاملے میں کسی رشتہ داری یا معاہدے کا پاس نہیں کرتے، اور یہی ہیں جو حدیں توڑنے والے ہیں ﴿۱۰﴾ لہٰذا اگر یہ توبہ کرلیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، تو یہ تمہارے دِینی بھائی بن جائیں گے۔(۱۰) اور ہم اَحکام کی یہ تفصیل اُن لوگوں کے لئے بیان کررہے ہیں جو جاننا چاہیں ﴿۱۱﴾ اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں، اور تمہارے دِین کو طعنے دیئے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں،(۱۱) کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں ﴿۱۲﴾

(۹) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کے بجائے دُنیا کے حقیر فوائد حاصل کرنے کو ترجیح دی ہے۔

(۱۰) یہاں یہ واضح کردیا گیا کہ اگر کوئی شخص سچے دِل سے توبہ کرلے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اُس سے بھائیوں کا سا سلوک کریں، اور جو تکلیفیں اُس نے اسلام لانے سے پہلے پہنچائی ہیں، اُن کو بھلادیں، کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں اور زیادتیوں کو مٹادیتا ہے۔

(۱۱) پچھلی آیت کی روشنی میں قسمیں توڑنے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہوجائیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہوئے، اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن سے جہاد کیا، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ تھا، اور وہ پہلے ہی عہد توڑ چکے، یا

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵

کیا تم اُن لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا، اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی؟ [۱۲] کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو ﴿۱۳﴾ ان سے جنگ کرو، تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، اُنہیں رُسوا کرے، اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مؤمنوں کے دِل ٹھنڈے کردے، ﴿۱۴﴾ اور اُن کے دِل کی کڑھن دُور کردے، اور جس کی چاہے توبہ قبول کرلے۔ [۱۳] اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۵﴾

جن سے معاہدہ نو مہینے تک باقی ہے، وہ اس دوران معاہدہ توڑیں، اُن سے جہاد کرو۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ: ''اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے جنگ کا مقصد ملک گیری کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ تمہارا دُشمن اپنے کفر اور ظلم سے باز آجائے۔

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ظلم شروع کیا، اور یہ بھی کہ انہوں نے صلحِ حدیبیہ کو توڑنے میں پہل کی۔

(۱۳) یعنی اس کا بھی امکان ہے کہ کفار توبہ کرکے مسلمان ہوجائیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس کے بعد واقعی مسلمان ہوئے۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يَّعۡمُرُوۡا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ بِالۡكُفۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ۖۚ وَفِى النَّارِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾

بھلا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون لوگ جہاد کرتے ہیں، اور اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی اور کو خصوصی رازدار نہیں بناتے؟ (۱۴) اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۶﴾ مشرکین اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، (۱۵) حالانکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ بنے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے تو اعمال ہی غارت ہو چکے ہیں، اور دوزخ ہی میں اُن کو ہمیشہ رہنا ہے ﴿۱۷﴾

(۱۴) بظاہر اس کا اشارہ اُن حضرات کی طرف ہے جو فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی تک ان کو کسی جہاد میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا۔ ورنہ دوسرے صحابہؓ تو فتحِ مکہ سے پہلے بہت سی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے۔ ان نومسلموں سے کہا جارہا ہے کہ اُن کو بھی جہاد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگرچہ اعلانِ براءت کے بعد کسی بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی، لیکن ان حضرات کو پوری قوت سے تیار رہنے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے کہیں اس اعلانِ براءت کے تمام تقاضوں پر عمل کرنے سے ہچکچانے نہ لگیں، اسی لئے جہاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ وہ اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی سے دوستی یا رازداری کا خصوصی تعلق نہ رکھیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۵) مشرکینِ مکہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ مسجدِ حرام کے پاسبان ہیں، اُس کی خدمت، دیکھ بھال اور تعمیر جیسے نیک کام انجام دیتے ہیں، اس لئے اُن کو مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس آیت نے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید فرمائی ہے، اور وہ اس طرح کہ مسجدِ حرام یا کسی بھی مسجد کی خدمت یقیناً بڑی عبادت ہے، بشرطیکہ وہ ایمان کے ساتھ ہو، کیونکہ مسجد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اگر یہ بنیادی مقصد ہی مفقود ہو تو مسجد کی خدمت کا کیا فائدہ؟ لہٰذا کفر و شرک کے ساتھ کوئی

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝١٨ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝٢٠

وقف لازم

اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرنے والوں میں شامل ہوں گے ﴿۱۸﴾ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کے آباد رکھنے کو اُس شخص کے (اعمال کے) برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان لایا ہے، اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔(۱٦) اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہوسکتے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہے، اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک درجے میں کہیں زیادہ ہیں، اور وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۲۰﴾

بھی شخص مسجد کا پاسبان بننے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۸ میں مشرکین کو یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ اب وہ ان کاموں کے لئے مسجدِ حرام کے قریب بھی نہیں آسکیں گے۔

(۱٦) اس آیتِ کریمہ نے یہ اُصول بھی بتا دیا ہے کہ تمام نیک کام ایک درجے کے نہیں ہوتے، اگر کوئی شخص فرائض تو ادا نہ کرے، اور نفلی عبادتوں میں لگا رہے تو یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا بیشک ایک نیک کام ہے، مگر وہ نفلی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مسجدِ حرام کی دیکھ بھال بھی بعض حیثیتوں سے فرضِ کفایہ، اور بعض حیثیتوں سے

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۭ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهٖ

اُن کا پروردگار انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی کی، اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں اُن کے لئے دائمی نعمتیں ہیں ﴿۲۱﴾ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس عظمت والا اجر موجود ہے ﴿۲۲﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان کے مقابلے میں ترجیح دیں تو اُن کو اپنا سرپرست نہ بناؤ،(۱۷) اور جو لوگ اُن کو سرپرست بنائیں گے، وہ ظالم ہوں گے ﴿۲۳﴾ (اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول سے، اور اُس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں،

نفلی عبادت ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان انسان کی نجات کے لئے بنیادی شرط ہے، اور جہاد کبھی فرضِ عین اور کبھی فرضِ کفایہ۔ لہٰذا کسی کو صرف ان خدمات کی وجہ سے کسی مؤمن پر فوقیت حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۱۷) اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے ایسے تعلقات نہ رکھو جو تمہارے لئے دینی فرائض کی ادائیگی میں رُکاوٹ بن جائیں۔ جہاں تک اپنے ایمان اور دینی فرائض کا تحفظ کرتے ہوئے اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا تعلق ہے، اُس کو قرآنِ کریم نے مستحسن قرار دیا ہے (دیکھئے سورۂ لقمان، ۳۱:۱۵، اور سورۂ ممتحنہ ۸:۶۰)۔

فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے،(۱۸) اور اللہ نافرمان لوگوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کردیا تھا،(۱۹) مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دِکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا ﴿۲۵﴾

(۱۸) فیصلے سے مراد سزا کا فیصلہ ہے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے، مال و دولت، گھر جائیداد، تجارت اور کاروبار، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اُسی وقت جب وہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام بجا لانے میں رُکاوٹ نہ بنے۔ اگر رُکاوٹ بن جائے تو یہی چیزیں انسان کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۱۹) حنین کی جنگ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنوہوازن اپنے سردار مالک بن عوف کی سرکردگی میں آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ ہوازن ایک بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں، اور طائف کا قبیلہ ثقیف بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاسوس بھیج کر خبر کی تصدیق فرمائی، اور معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، اور وہ لوگ بڑے جوش وخروش سے تیاری میں مصروف ہیں۔ ہوازن کے لوگوں کی تعداد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق چوبیس ہزار سے اٹھائیس ہزار تک تھی، چنانچہ آپ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے، اور یہ جنگ حنین کے مقام پر لڑی گئی، جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان مکہ مکرمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی کا نام ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد اس موقع پر چودہ ہزار تھی، جبکہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد کسی باقاعدہ جنگ میں نہیں ہوئی تھی، اور ہمیشہ مسلمان اپنی کم تعداد کے باوجود فتح پاتے آئے تھے، اس لئے بعض مسلمانوں کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج تو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم کسی سے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی،(۲۰) اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے ﴿۲۶﴾ پھر اللہ جس کو چاہے اس کے بعد توبہ نصیب کردے،(۲۱) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۷﴾

مغلوب ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنی تعداد پر اتنا بھروسہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت مسلمان ایک تنگ گھاٹی سے گذر رہے تھے، ہوازن کے تیر اندازوں نے اچانک اُن پر اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، اور وہ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اس موقع پر حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جانباز صحابہ کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹنے والوں کو آواز دے کر بلائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت تیز تھی، وہ ایک بجلی کی طرح مسلمانوں کے لشکر میں پھیل گئی، اور جو لوگ میدان چھوڑ چکے تھے، وہ نئے ولولے کے ساتھ واپس آئے، اور کچھ ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہوازن کے ستر سردار مارے گئے، مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کو چھوڑ کر فرار ہوا، اور طائف کے قلعے میں جا کر پناہ لی۔ چھ ہزار افراد جنگی قیدی بنائے گئے، اور بڑی تعداد میں مویشی اور چار ہزار اوقیہ چاندی مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

(۲۰) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میدان چھوڑنے والے مسلمان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر واپس آئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں میں ایسی تسکین پیدا فرمادی کہ اُن پر دُشمن کا جو رُعب وقتی طور پر چھا گیا تھا، وہ دُور ہو گیا۔

(۲۱) اس آیت میں اشارہ فرمادیا گیا کہ ہوازن کے جو لوگ بڑے جوش وخروش کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے تھے، اُن میں سے بہت سے لوگوں کو ایمان اور توبہ کی توفیق ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ہوازن اور ثقیف کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بعد میں مسلمان ہوئی۔ خود مالک بن عوف جو ہوازن کے سب سے بڑے سردار تھے، مسلمان ہوئے، اور اسلام کے بڑے علم برداروں میں اُن کا شمار ہوا۔ آج انہیں حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! مشرک لوگ تو سراپا ناپاک ہیں،(۲۲) لہٰذا وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔(۲۳) اور (مسلمانو!) اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے (مشرکین سے) بے نیاز کردے گا۔(۲۴) بیشک اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۲۸﴾

(۲۲) اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اُن کے جسم بذاتِ خود ناپاک ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُن کے عقائد ناپاک ہیں جو اُن کے وجود میں سرایت کرچکے ہیں۔

(۲۳) یہ اعلانِ براءت کا تکملہ ہے۔ اور اس کے ذریعے مشرکین کو مسجدِ حرام کے قریب آنے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کو اگلے سال سے حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس آیتِ کریمہ کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے جو اعلان کروایا اُس کے الفاظ یہ تھے کہ: "لا يحجنّ بعد هذا العام مشرك" یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکے گا (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے" کے معنی یہ ہیں کہ وہ حج نہ کریں، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے مردوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حیض کی حالت میں عورتوں کے قریب بھی نہ جائیں، اور مراد یہ ہے کہ اُن سے جماع نہ کریں، چنانچہ اُن کے قریب جانا ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح کفار حج تو نہیں کرسکتے، لیکن کسی اور ضرورت سے مسجدِ حرام یا کسی اور مسجد میں اُن کا داخلہ بالکلیہ ممنوع نہیں ہے، کیونکہ کئی مواقع پر یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مسجدِ نبوی میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے مسجدِ حرام بلکہ پوری حدودِ حرم میں کفار کا داخلہ ممنوع ہے۔ بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک دوسری کسی مسجد میں بھی کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں ہے۔

(۲۴) غیر مسلموں کو حج سے منع کرنے کا ایک نتیجہ ظاہری طور پر یہ ہوسکتا تھا کہ مکہ مکرمہ کی تجارت اور معیشت پر بُرا اثر پڑے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں اپنی تو کوئی پیداوار نہیں تھی، باہر سے آنے والوں پر ہی اس کی تجارت کا دارومدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس اندیشے کو دُور کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی احتیاج اپنے فضل سے دُور فرمائے گا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

وہ اہلِ کتاب[۲۵] جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یومِ آخرت پر،[۲۶] اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دِینِ حق کو اپنا دِین مانتے ہیں، اُن سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔[۲۷] ﴿۲۹﴾

(۲۵) اس سے اُوپر کی اٹھائیس آیات عرب کے بت پرستوں کے بارے میں تھیں، اور یہاں سے وہ آیات شروع ہو رہی ہیں جو غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں (الدر المنثور بحوالہ مجاہد ج: ۴ ص: ۱۵۳)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیتیں اُوپر کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے نازل ہوئی تھیں، کیونکہ غزوۂ تبوک اعلانِ براءت سے پہلے پیش آیا ہے، اور اس کا واقعہ اِن شاء اللہ آگے قدرے تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ چونکہ یہ غزوہ رُوم کی سلطنت کے خلاف ہوا تھا، اور اُن میں اکثریت عیسائیوں کی تھی، اور یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد رُومی سلطنت کے ماتحت زندگی گذار رہی تھی، اور دونوں کو قرآنِ کریم نے ''اہلِ کتاب'' کا نام دیا ہے، اس لئے ان سے جنگ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اُن کے عقائد اور اعمال کی کچھ خرابیاں ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ ان آیات کا نزول شروع کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے ہوا تھا، مگر ان کو موجودہ ترتیب میں ان اٹھائیس آیتوں کے بعد رکھا گیا ہے۔ شاید اس میں یہ اشارہ ہے کہ جزیرۂ عرب کے بت پرستی سے پاک ہونے کے بعد مسلمانوں کو باہر کے اہلِ کتاب سے سابقہ پیش آنے والا ہے، نیز بت پرستوں کے لئے تو جزیرۂ عرب میں مستقل رہائش ممنوع کر دی گئی تھی، لیکن اہلِ کتاب کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ وہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کی حیثیت میں جزیہ ادا کر کے رہ سکتے ہیں۔ یہ رعایت آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تو برقرار رہی، لیکن آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۰۵۳)۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل فرمایا۔ لیکن یہ حکم صرف جزیرۂ عرب کے ساتھ مخصوص تھا۔ جزیرۂ عرب کے باہر جہاں کہیں اسلامی حکومت قائم ہو، وہاں اب بھی نہ صرف اہلِ کتاب، بلکہ دوسرے تمام غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں، جہاں انہیں اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ملکی قوانین کی پابندی کریں۔ یہاں اگرچہ ذکر صرف اہلِ کتاب کا ہے، لیکن جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے، وہ چونکہ تمام غیر مسلموں میں پائی جاتی ہے، اس لئے جزیرۂ عرب سے باہر یہ حکم باجماعِ اُمت تمام غیر مسلموں کو شامل ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۲۶) بظاہر تو اہلِ کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن چونکہ انہوں نے اس ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سے غلط عقائد گھڑ رکھے تھے، جن میں سے بعض کا بیان اگلی آیت میں آرہا ہے، اس لئے اُن کا یہ ایمان کالعدم قرار دے کر یہ فرمایا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲۷) ''جزیہ'' ایک ٹیکس ہے جو مسلمان ریاست کے اُن غیر مسلم شہریوں سے لیا جاتا ہے جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ یہ درحقیقت اُن کے پُرامن طریقے سے اسلامی ریاست میں رہنے اور اسلامی ریاست کے دِفاع میں شریک نہ ہونے کا ٹیکس ہے جس کے عوض اسلامی حکومت اُن کی جان و مال کی ذمہ داری لیتی ہے (روح المعانی)۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کی طرح زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی، لیکن وہ ریاست کے تمام شہری حقوق میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی اُن پر یہ خاص نوعیت کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ اور اَحادیث میں مسلمان حکمرانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلم باشندوں کے حقوق کا پورا خیال رکھیں، اور اُن پر اتنا ٹیکس عائد نہ کریں جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں جزیہ کی شرح بہت معمولی رہی ہے۔ اور آیتِ کریمہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: ''وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں'' اس کی تفسیر اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے قوانین کے تابع ہو کر رہنا منظور کرلیں (روح المعانی ج:۱۰ ص:۳۷۹)۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں،(۲۸) اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب اُن کی منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی سی باتیں کر رہے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔(۲۹) اللہ کی مار ہو اِن پر! یہ کہاں اوندھے بہکے جا رہے ہیں؟ ﴿۳۰﴾ انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے اَحبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا ہے،(۳۰) اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ اُن کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ اُن کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔ ﴿۳۱﴾

---

(۲۸) حضرت عزیر علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، (ان کو بائبل میں عزرا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اور ایک پوری کتاب اُن کے نام سے منسوب ہے)۔ اور جب بخت نصر کے حملے میں تورات کے نسخے ناپید ہو گئے تھے تو انہوں نے اُسے اپنی یادداشت سے دوبارہ لکھوایا تھا، اور شاید اسی وجہ سے بعض یہودی انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اُن کو بیٹا ماننے کا عقیدہ سب یہودیوں کا نہیں ہے، بلکہ بعض یہودیوں کا ہے جو عرب میں بھی آباد تھے۔

(۲۹) اس سے مراد غالباً عرب کے مشرکین ہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(۳۰) ان کو خدا بنانے کا جو مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں۔ واضح رہے کہ عام لوگ جو کسی آسمانی کتاب کا براہِ راست علم نہیں رکھتے، اُن کو شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے علماء سے رُجوع تو کرنا ہی پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے شارح کی حیثیت میں اُن کی بات ماننی بھی پڑتی ہے۔ اس کا حکم خود قرآنِ کریم نے سورۂ نحل (۱۶: ۴۳) اور سورۂ انبیاء (۲۱: ۷) میں دیا ہے۔ اس

يُرِيدُونَ اَنۡ يُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ لَيَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۙ﴿۳۴﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے ﴿۳۲﴾ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دِین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اُسے ہر دوسرے دِین پر غالب کردے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔ ﴿۳۳﴾ اے ایمان والو! (یہودی) اَحبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ (۳۱) اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی ''خوشخبری'' (۳۲) سنادو۔ ﴿۳۴﴾

حد تک تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اس سے آگے بڑھ کر اپنے علماء کو بذاتِ خود اَحکام وضع کرنے کا اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آسمانی کتاب کی تشریح کے طور پر نہیں، بلکہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں، خواہ اُن کا یہ حکم اللہ کی کتاب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

(۳۱) لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، لیکن ان علماء کے حوالے سے خاص طور پر جو بات کہی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ رشوت لے کر لوگوں کی مرضی کے مطابق شریعت کو توڑ موڑ ڈالتے ہیں، اور اس طرح اللہ کے مقرر کئے ہوئے صحیح راستے سے لوگوں کو روک دیتے ہیں۔

(۳۲) اگرچہ یہ آیت براہِ راست اُن اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بخل کی وجہ سے مال جمع

يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ‌ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ‌ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۶﴾

جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اوران کی کروٹیں اوران کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ:) ''یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا! اب چکھو اُس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔'' ﴿۳۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے،(۳۳) جو اللہ کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی دِین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہٰذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو،(۳۴) اور تم سب مل کر مشرکوں سے اُسی طرح لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور یقین رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾

کرتے رہتے تھے، اور اُس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں، اور ان کا اطلاق اُن مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو مال و دولت اِکٹھا کرتے چلے جائیں، اور وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے مال پر عائد کئے ہیں جن میں سب سے اہم زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔

(۳۳) سورت کے شروع میں جو اِعلانِ براءت کیا گیا ہے، اُس میں بت پرستوں کی ایک قسم کو حرمت والے

مہینے ختم ہونے تک مہلت دی گئی تھی، اس مناسبت سے عرب کے بت پرستوں کی ایک نامعقول رسم کی تردید ضروری تھی جو آیت نمبر ۳۶ اور ۳۷ میں کی گئی ہے۔ اس رسم کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چاند کے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھا جاتا تھا۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان چار مہینوں میں جنگ کی ممانعت تھی۔ عرب کے بت پرستوں نے اگرچہ بت پرستی شروع کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دِین کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا، لیکن ان مہینوں کی حرمت کو سب تسلیم کرتے تھے، اور ان میں جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ممانعت ان کو مشکل معلوم ہونے لگی، اس لئے کہ ذوالقعدہ سے محرم تک تین متواتر مہینوں میں لڑائی بند رکھنا اُن کے لئے دُشوار تھا، چنانچہ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ وہ کسی سال میں کہہ دیتے تھے کہ اس مرتبہ صفر کا مہینہ محرم سے پہلے آئے گا، یا محرم کے بجائے صفر کے مہینے کو حرمت والا مہینہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح وہ محرم کے مہینے میں لڑائی کو جائز قرار دے لیتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج چونکہ مختلف موسموں میں آتا تھا، اس لئے بعض مرتبہ وہ موسم ان کی تجارت کے لئے سازگار نہیں ہوتا تھا تو وہ حج ذوالحجہ کے بجائے کسی اور مہینے میں کر لیتے تھے، اور اُس کے لئے انہوں نے کبیسہ کا ایک حساب بھی گھڑ لیا تھا جس کی تفصیل اِمام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائی ہے، اور حافظ ابنِ جریرؒ کی بعض روایات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی اس رسم کو نسیئ کہا جاتا تھا جس کا ذکر آیت نمبر ۳۷ میں آرہا ہے۔

(۳۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی جو ترتیب مقرر فرمائی ہے، اُس میں ردّ و بدل کر کے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مہینے میں لڑائی حرام تھی، اُس میں اُسے حلال کر لیا گیا جو ایک بڑا گناہ ہے، اور گناہ کا ارتکاب کرنے والا خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اُس کا برا انجام اُس کی جان ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ ساتھ ہی اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان حرمت والے مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، اور ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی فکر اور دنوں سے زیادہ کرنی چاہئے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَّيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۭ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾

ع ۸ / ۱۱

اور یہ نسیئ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کردینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے جس کے ذریعے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس عمل کو ایک سال حلال کرلیتے ہیں، اور ایک سال حرام قرار دے دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں، اُن کی بس گنتی پوری کرلیں، اور (اس طرح) جو بات اللہ نے حرام قرار دی تھی، اُسے حلال سمجھ لیں۔(۳۵) ان کی بدعملی ان کی نگاہ میں خوشنما بنادی گئی ہے، اور اللہ ایسے کافر لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۳۷﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) کوچ کرو تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ گئے؟(۳۶) کیا تم آخرت کے مقابلے میں دُنیوی زندگی پر راضی ہوچکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دُنیوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، مگر بہت تھوڑا ﴿۳۸﴾

(۳۵) یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرکے انہوں نے چار مہینے کی گنتی تو پوری کردی، لیکن ترتیب بدلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس مہینے میں واقعۃً اللہ تعالیٰ نے لڑائی حرام قرار دی تھی، اُس میں انہوں نے لڑائی کو حلال کرلیا۔

(۳۶) یہاں سے غزوۂ تبوک کے مختلف پہلوؤں کا بیان شروع ہورہا ہے جو اس سورت کے تقریباً آخر تک چلا گیا ہے۔ اس غزوے کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کے سفر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد شام سے آنے والے کچھ سوداگروں نے مسلمانوں کو بتایا کہ رُومی سلطنت کا بادشاہ ہرقل مدینہ منورہ پر ایک زوردار حملہ کرنے کی تیاریاں کررہا ہے، جس کے لئے اُس نے ایک بڑا

لشکر شام اور عرب کی سرحد پر جمع کرلیا ہے، اور اپنے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے۔ صحابۂ کرامؓ اگرچہ اب تک بہت سی جنگیں لڑ چکے تھے، مگر وہ سب جزیرۂ عرب کے اندر تھیں، یہ پہلا موقع تھا کہ دُنیا کی مانی ہوئی ایک بڑی طاقت سے مقابلہ پیش آرہا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہرقل کے حملے کا انتظار کئے بغیر خود پیش قدمی کی جائے، اور خود وہاں پہنچ کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ کے تمام مسلمانوں کو اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ اوّل تو دس سال کی متواتر جنگوں کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ فتحِ مکہ کے بعد سکون کے کچھ لمحات میسر آئے تھے۔ دوسرے جس وقت اس جنگ کے لئے روانہ ہونا تھا، وہ ایسا وقت تھا کہ مدینہ منورہ کے نخلستانوں میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ انہی کھجوروں پر اہلِ مدینہ کی سال بھر کی معیشت کا دارومدار تھا، ایسی حالت میں باغات کو چھوڑ کر جانا نہایت مشکل تھا۔ تیسرے یہ عرب میں گرمی کا سخت ترین موسم تھا جس میں آسمان سے آگ برستی اور زمین سے شعلے نکلتے محسوس ہوتے ہیں۔ چوتھے تبوک کا سفر بہت لمبا تھا، اور تقریباً آٹھ سو میل کا یہ پورا راستہ لق ودق صحراؤں پر مشتمل تھا۔ پانچویں سفر کے لئے سواریاں کم تھیں۔ چھٹے اس سفر کا مقصد رُومی سلطنت سے ٹکر لینا تھا جو اُس وقت نہ صرف یہ کہ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی، بلکہ اُس کے طریقِ جنگ سے بھی اہلِ عرب پوری طرح مانوس نہیں تھے۔ غرض ہر اعتبار سے یہ انتہائی مشقت، جان و مال اور جذبات کی قربانی کا جہاد تھا جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابۂ کرامؓ کے لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہرقل اور اُس کے لشکر پر آپ کی اس جرأت مندانہ پیش قدمی کا ایسا رُعب طاری فرمادیا کہ وہ سب واپس چلے گئے، اور مقابلے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مذکورہ بالا مشکل حالات کے باوجود صحابۂ کرامؓ کی بھاری اکثریت ماتھے پر بل لائے بغیر جاں نثاری کے جذبے سے اس مہم میں شریک ہوئی۔ البتہ کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جنہیں یہ سفر بھاری معلوم ہوا، اور شروع میں انہیں کچھ تردد رہا، لیکن آخرکار وہ لشکر میں شامل ہوگئے۔ اور چند ایسے بھی تھے جو اس تردد کی وجہ سے آخر تک فیصلہ نہ کرسکے، اور سفر میں شرکت سے محروم رہے۔ دوسری طرف وہ منافقین تھے جو ظاہری طور پر تو مسلمان ہوگئے تھے، لیکن اندر سے مسلمان نہیں تھے۔ ایسی سخت مہم میں مسلمانوں کا ساتھ دینا اُن کے لئے ممکن ہی نہیں تھا، اس لئے وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ منورہ میں رُک گئے، اور ساتھ نہیں گئے۔ اس سورت کی آنے والی آیات میں ان سب قسم کے لوگوں کا ذکر آیا ہے، اور اُن کے طرزِ عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۸ میں جن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے، اُن سے مراد منافقین بھی ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو" اُن کے ظاہری دعوے کے مطابق فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطاب اُن صحابۂ کرامؓ سے ہو جن کے دِل میں تردد پیدا ہوا تھا۔ البتہ آیت نمبر ۴۲ سے تمام تر بیان منافقین ہی کا ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم کوچ نہیں کروگے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا، اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکوگے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۳۹﴾ اگر تم ان کی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کروگے، تو (ان کا کچھ نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ ان کی مدد اُس وقت کرچکا ہے، جب ان کو کافر لوگوں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''(۳۷) چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی، اور اُن کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافر لوگوں کا بول نیچا کر دِکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے۔ اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴۰﴾

---

(۳۷) یہ ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ایک رفیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اور تین دن تک غارِ ثور میں روپوش رہے تھے۔ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے آپ کی تلاش کے لئے چاروں طرف لوگ دوڑائے ہوئے تھے، اور آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سو اُونٹوں کا اِنعام مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو تلاش کرنے والے کھوجی غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے، اور اُن کے پاؤں حضرت صدیقِ اکبرؓ کو نظر آنے لگے جس کی وجہ سے اُن پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اُن سے فرمایا تھا کہ: ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر مکڑی سے جالا تنوا دیا، اور وہ لوگ اُسے دیکھ کر واپس چلے گئے۔ اس

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع ۵/۱۲

(جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۴۱﴾ اگر دُنیا کا سامان کہیں قریب ملنے والا ہوتا، اور سفر درمیانہ قسم کا ہوتا، تو یہ (منافق لوگ) ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے، لیکن یہ کٹھن فاصلہ اِن کے لئے بہت دُور پڑ گیا۔ اور اَب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکل جاتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ﴿۴۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے، (۳۸) (مگر) تم نے اِن کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے ﴿۴۳﴾

واقعے کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کافی ہے، لیکن خوش نصیبی اُن لوگوں کی ہے جو آپ کی نصرت کی سعادت حاصل کریں۔

(۳۸) دراصل تنبیہ تو یہ کرنی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد سے الگ رہنے کی اجازت کیوں دی؟ لیکن یہ محبت بھرا انداز ملاحظہ فرمایئے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرما دیا، کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں آپ پر نہ جانے کیا کیفیت گذر جاتی۔ بہرحال! مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کو جہاد میں جانا تو تھا ہی نہیں، اور جیسا کہ آگے آیت ۴۷ میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں شامل ہو کر فساد مچائیں، لیکن اگر آپ انہیں جہاد سے الگ رہنے کی

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان رکھتے ہیں، وہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کرنے کے لئے تم سے اجازت نہیں مانگتے، اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے ﴿۴۴﴾ تم سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اور ان کے دِل شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے شک کی وجہ سے ڈانوا ڈول ہیں ﴿۴۵﴾ اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اُس کے لئے انہوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی۔(۳۹) لیکن اللہ نے اِن کا اُٹھنا پسند ہی نہیں کیا، اس لئے انہیں سست پڑا رہنے دیا، اور کہہ دیا گیا کہ جو (اپاہج ہونے کی وجہ سے) بیٹھے ہیں، اُن کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو ﴿۴۶﴾

اجازت نہ دیتے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ بحالتِ موجودہ جبکہ یہ لوگ اجازت لے چکے ہیں، ایک طرف تو یہ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو باقاعدہ اجازت لے کر مدینہ منورہ میں رہے، اور دوسری طرف اپنے لوگوں سے شیخی بگھاریں گے کہ دیکھو ہم نے مسلمانوں کو کیسا دھوکا دیا۔

(۳۹) یہ آیت بتارہی ہے کہ انسان کا کوئی عذر اُس وقت مانا جاسکتا ہے جب اُس نے اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش اور تیاری پوری کی ہو، پھر کوئی غیر اِختیاری وجہ ایسی پیش آگئی ہو جس کی بنا پر وہ اپنا فریضہ ادا نہیں کرسکا۔ لیکن کسی قسم کی کوشش اور تیاری کے بغیر یہ کہہ دینا کہ ہم معذور ہیں، قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی شخص فجر کے وقت بیدار ہونے کی تیاری پوری کرے، اَلارم لگائے، یا کسی کو بیدار کرنے پر مقرر کرے، پھر آنکھ نہ کھلے تو بیشک معذور ہے، لیکن تیاری کچھ نہ کی ہو، اور پھر آنکھ نہ کھلنے کا عذر پیش کرے تو یہ عذر معتبر نہیں ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے تو سوائے فساد پھیلانے کے تمہارے درمیان کوئی اور اِضافہ نہ کرتے، اور تمہارے لئے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش میں تمہاری صفوں کے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور خود تمہارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن کے مطلب کی باتیں خوب سنتے ہیں،(۴۰) اور اللہ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۴۷﴾ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے معاملات کی اُلٹ پھیر کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آ یا، اللہ کا حکم غالب ہوا، اور یہ کڑھتے رہ گئے۔(۴۱) ﴿۴۸﴾ اور انہی میں وہ صاحب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ: ''مجھے اجازت دے دیجئے، اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے۔''(۴۲) ارے فتنے ہی میں تو یہ خود پڑے ہوئے ہیں! اور یقین رکھو کہ جہنم سارے کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے ﴿۴۹﴾

---

(۴۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان ان لوگوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ان کی باتیں سن کر انہیں خلوص پر مبنی سمجھتے ہیں، اس لئے اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے تو ان سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلا کر فساد کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگرچہ یہ منافقین خود تو لشکر میں شامل نہیں ہوئے، لیکن ان کے جاسوس تمہاری صفوں میں موجود ہیں جو تمہاری باتیں سنتے ہیں، اور جن باتوں سے منافقین کوئی فائدہ اُٹھاسکتے ہوں، ان کی خبریں اُن تک پہنچاتے ہیں۔

(۴۱) اس سے مسلمانوں کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے جن میں فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کی فتح سرِ فہرست ہے۔ منافقین کی پوری کوشش تو یہ تھی کہ مسلمان کامیاب نہ ہونے پائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آیا، اور یہ منہ دیکھتے رہ گئے۔

(۴۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین میں ایک شخص جد بن قیس تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو غزوۂ تبوک میں شامل ہونے کی دعوت دی تو اُس نے کہا کہ: ''یارسول اللہ! میں بڑا زن

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں دکھ ہوتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو کہتے ہیں کہ: ''ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کرلیا تھا'' اور (یہ کہہ کر) بڑے خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں ﴿۵۰﴾ کہہ دو کہ: ''اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے، ہمیں اُس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مؤمنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔'' ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: ''تم ہمارے لئے جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ (آخرکار) دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی ہمیں ملے۔(۴۳) اور ہمیں تمہارے بارے میں انتظار اس کا ہے کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سزا دے۔ بس اب انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں'' ﴿۵۲﴾

پرست آدمی ہوں، جب رُوم کی خوبصورت عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہیں ہوسکے گا، اور میں فتنے میں مبتلا ہوجاؤں گا۔ لہٰذا مجھے اجازت دے دیجئے کہ میں اس جنگ میں شریک نہ ہوں، اور اس طرح مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچالیجئے۔'' اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ ابن المنذر وطبرانی وابن مردویہ)۔

(۴۳) یعنی یا تو ہمیں فتح ہو، یا ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوجائیں، اور ہمارے لئے یہ دونوں باتیں بھلائی کی ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم شہید ہوگئے تو ہمارا نقصان ہوگا، حالانکہ شہادت نقصان کا نہیں بڑے فائدے کا سودا ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

کہہ دو کہ: ’’تم اپنا مال چاہے خوشی خوشی چندے میں دو، یا بد دلی سے، وہ تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔(۴۴) تم ایسے لوگ ہو جو مسلسل نافرمانی کرتے رہے ہو‘‘ ﴿۵۳﴾ اور ان کے چندے قبول کئے جانے میں رُکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے، اور یہ نماز میں آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں، اور (کسی نیکی میں) خرچ کرتے ہیں تو برا مانتے ہوئے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾ تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیوی زندگی میں عذاب دے،(۴۵) اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے ﴿۵۵﴾

---

(۴۴) جد بن قیس جس کا ذکر اُوپر آیا ہے، اُسی کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ اُس نے جنگ میں جانے سے تو مذکورہ بالا بے ہودہ عذر پیش کیا تھا، لیکن یہ کہا تھا کہ اُس کے بدلے میں اپنا مال چندے میں دوں گا (ابن جریر ج:۱۰ ص:۱۵۲)۔ اس کے جواب میں یہ آیت منافقین کے چندے کے ناقابلِ قبول ہونے کا اعلان کررہی ہے۔

(۴۵) یہ آیت دُنیوی مال ودولت کے بارے میں ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال ودولت بذاتِ خود کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے انسان اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ انسان کا اصل مقصدِ زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور آخرت کی بہتری کا سامان کرنا ہونا چاہئے۔ البتہ چونکہ دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے مال کی ضرورت ہے، اس لئے جائز ذرائع سے اُس کو حاصل کرنا پڑتا ہے، لیکن یہاں بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ دُنیا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھی مال اپنی ذات میں کوئی فائدہ براہِ راست نہیں

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ڈرپوک لوگ ہیں ﴿۵۶﴾ اگر ان کو کوئی پناہ گاہ مل جاتی، یا کسی قسم کے غار مل جاتے، یا گھس بیٹھنے کی اور کوئی جگہ، تو یہ بے لگام بھاگ کر اُدھر ہی کا رُخ کر لیتے۔ (۴۶) ﴿۵۷﴾ اور انہی (منافقین) میں وہ بھی ہیں جو صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے ہیں۔ (۴۷) چنانچہ اگر اُنہیں صدقات میں سے (ان کی مرضی کے مطابق) دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں، اور اگر اُن میں سے انہیں نہ دیا جائے تو ذرا سی دیر میں ناراض ہو جاتے ہیں ﴿۵۸﴾

پہنچاتا، بلکہ وہ راحت و آرام کے وسائل حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن جب انسان مال کو بذاتِ خود مقصودِ زندگی بنالیتا ہے، اور ہر وقت اس فکر میں پڑا رہتا ہے کہ مال کی گنتی میں کس طرح اضافہ ہو تو وہ بے چارہ یہ بھول جاتا ہے کہ اُس نے اس فکر میں اپنی راحت اور آرام تک کو قربان کر ڈالا ہے۔ بینک بیلنس میں بیشک اضافہ ہو رہا ہے، لیکن نہ دن کا چین میسر ہے، نہ رات کا آرام، نہ بیوی بچوں سے بات کرنے کی فرصت ہے، نہ آرام کے وسائل سے مزہ لینے کا وقت۔ پھر اگر کبھی اس مال میں نقصان ہو جائے تو رنج و غم کے پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کیونکہ یہ تصور تو ہے ہی نہیں کہ اس نقصان کا بدلہ آخرت میں مل سکے گا۔ اس طرح اگر غور سے دیکھو تو یہ مال و دولت نعمت بننے کے بجائے انسان کے لئے دُنیا ہی میں عذاب بن جاتا ہے۔ یہی حال اولاد کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو وہ بکثرت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا جو اِعلان کیا ہے، وہ مسلمانوں کے ڈر سے کیا ہے، ورنہ ان کے دِل میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ اگر ان کو کوئی ایسی پناہ گاہ مل جاتی جہاں یہ بھاگ کر چھپ سکتے تو یہ مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بجائے وہاں جا چھپتے۔

(۴۷) تفسیر ابنِ جریر میں کئی روایات اس قسم کی نقل کی گئی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ع ۱۷/۱۳

جو کچھ بھی انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دے دیا تھا، کیا اچھا ہوتا کہ یہ اُس پر راضی رہتے، اور یہ کہتے کہ: ''اللہ ہمارے لئے کافی ہے، آئندہ اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا، اور اُس کا رسول بھی! ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔'' ﴿۵۹﴾ صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا،(۴۸) اور اُن اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں،(۴۹) اور اُن کا جن کی دِلداری مقصود ہے۔(۵۰) نیز اُنہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں،(۵۱) اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں،(۵۲) اور اللہ کے راستے میں،(۵۳) اور مسافروں کی مدد میں(۵۴) خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے! اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾

صدقات تقسیم فرمائے تو کچھ منافقین نے آپ پر اِعتراض کیا کہ یہ تقسیم (معاذ اللہ) انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان منافقوں کو ان کے مطلب کے مطابق نہیں دیا گیا تھا۔

(۴۸) فقیر اور مسکین ملتے جلتے لفظ ہیں۔ لغت کے اعتبار سے بعض لوگوں نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو، مگر ضرورت سے کم ہو۔ اور بعض حضرات نے فرق اس کے برعکس بیان کیا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے حکم میں دونوں برابر ہیں۔ اور حکم یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا بنیادی ضرورت سے زیادہ سامان موجود نہ ہو، اُس کے لئے

زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھی جائیں۔

(۴۹) اسلامی حکومت کا ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے اَموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کرکے مستحقین میں تقسیم کرے۔ اس غرض کے لئے جو اہلکار مقرر کئے جائیں، ان کی تنخواہ یا وظیفہ بھی زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔

(۵۰) اس سے مراد وہ نومسلم ہیں جو ضرورت مند ہوں، اور اس بات کی ضرورت محسوس کی جائے کہ ان کو اِسلام پر جمے رکھنے کے لئے ان کی دِلداری کی جانی چاہئے۔ اصطلاح میں ایسے لوگوں کو "مؤلفۃ القلوب" کہا جاتا ہے۔

(۵۱) جس زمانے میں غلامی کا رواج تھا، اس دور میں بعض غلاموں کے آقا اُن سے یہ کہہ دیتے تھے کہ اگر تم اتنی رقم لاکر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کو بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا تھا۔

(۵۲) اس سے مراد وہ مقروض لوگ ہیں جن پر اتنا قرضہ ہو کہ ان کے اثاثے قرضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوں، یا اگر وہ اپنے سارے اثاثے قرض میں دے دیں تو اُن کے پاس نصاب، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مال باقی نہ رہے۔

(۵۳) ''اللہ کے راستے'' کا لفظ قرآنِ کریم میں اکثر جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد وہ شخص ہے جو جہاد پر جانا چاہتا ہو، لیکن اُس کے پاس سواری وغیرہ نہ ہو۔ بعض دوسرے حاجت مند لوگوں کو بھی فقہاء نے اس حکم میں شامل کیا ہے، مثلاً جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو، لیکن اب اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں کہ وہ حج کرسکے۔

(۵۴) ''مسافر'' سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس چاہے اپنے وطن میں نصاب کے برابر مال موجود ہو، لیکن سفر میں اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں جن سے وہ اپنی سفر کی ضروریات پوری کرکے واپس وطن جاسکے۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف جو یہاں قرآنِ کریم نے ذکر کئے ہیں، اُن کی بہت مختصر تشریح اُوپر کی گئی ہے۔ عمل کے وقت کسی عالم سے سمجھ کر زکوٰۃ خرچ کرنی چاہئے، کیونکہ ان تمام مصارف میں شرعی احکام کی بہت سی تفصیلات ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

اورانہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دُکھ پہنچاتے ہیں، اور (اُن کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: ''وہ تو سراپا کان ہیں۔''(۵۵) کہہ دو کہ: ''وہ کان ہیں اُس چیز کے لئے جو تمہارے لئے بھلائی ہے۔(۵۶) وہ اللہ پر اِیمان رکھتے ہیں، اور مؤمنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) اِیمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچاتے ہیں، اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۶۱﴾ (مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ واقعی مؤمن ہوں تو اللہ اور اُس کے رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ اُن کو راضی کریں ﴿۶۲﴾

---

(۵۵) یہ عربی زبان کے ایک محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ عربی محاورے میں جب کوئی شخص ہر ایک کی بات سن کر اُس پر یقین کرلیتا ہو، اُس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو ''نرا کان ہے'' یا ''سراپا کان ہے''۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اُردو میں کہا جاتا ہے کہ ''وہ کچے کانوں کا ہے''۔ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گستاخانہ جملہ آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے بولا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ اگر کبھی ہماری سازش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھل بھی گئی تو ہم باتیں بنا کر آپ کو راضی کرلیں گے، کیونکہ وہ ہر ایک کی بات کا یقین کرلیتے ہیں۔

(۵۶) منافقین کے مذکورہ بالا جملے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سب سے پہلے کان لگا کر جو بات سنتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو درحقیقت تم سب لوگوں کی بھلائی کے لئے نازل ہوتی ہے۔ دوسرے وہ سچے مؤمنوں کی بات سن کر اُس پر واقعی یقین کرلیتے ہیں، کیونکہ اُن کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ تیسرے وہ اُن منافقوں کی بات بھی سنتے ہیں جو ظاہری طور پر اِیمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اُن سے دھوکا کھا جاتے ہیں، بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّهُۥ مَن يُحَادِدِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَأَنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْخِزْىُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ ٱلْمُنَٰفِقُونَ أَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُم بِمَا فِى قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ ٱسْتَهْزِءُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِٱللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ۚ إِن نَّعْفُ عَن طَآئِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ ع ۱۴

کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول سے ٹکر لے تو یہ بات طے ہے کہ اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟ یہ بڑی بھاری رُسوائی ہے! ﴿۶۳﴾ منافق لوگ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ کردی جائے جو اُنہیں اِن (منافقین) کے دِلوں کی باتیں بتلادے۔(۵۷) کہہ دو کہ: "(اچھا!) تم مذاق اُڑاتے رہو؛ اللہ وہ بات ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے تھے۔" ﴿۶۴﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو تو یہ یقیناً یوں کہیں گے کہ: "ہم تو ہنسی مذاق اور دِل لگی کررہے تھے۔" کہو کہ: "کیا تم اللہ اور اُس کی آیتوں اور اُس کے رسول کے ساتھ دِل لگی کررہے تھے؟ ﴿۶۵﴾ بہانے نہ بناؤ، تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر کے مرتکب ہوچکے ہو۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معافی دے بھی دیں، تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے،(۵۸) کیونکہ وہ مجرم لوگ ہیں۔ ﴿۶۶﴾

آپ کو شفقت اور رحمت کا پیکر بنایا ہے، اس کی وجہ سے حتی الامکان وہ ہر ایک سے رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ منافقین کی باتوں کی تردید کے بجائے آپ خاموش رہتے ہیں۔

(۵۷) منافقین اپنی نجی محفلوں میں مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے، اور اگر کبھی کوئی پوچھتا تو کہتے کہ ہم تو یہ باتیں دِل لگی میں کرتے ہیں، سچ مچ نہیں کرتے۔ آیات ۶۴ تا ۶۶ ان کے اس طرزِ عمل پر تبصرہ کررہی ہیں۔

(۵۸) یعنی منافقوں میں سے جو لوگ نفاق سے توبہ کرلیں گے اُنہیں معاف کردیا جائے گا، اور جو توبہ نہیں کریں گے اُنہیں ضرور سزا ملے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں، اور بھلائی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔(۵۹) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے، تو اللہ نے بھی اُن کو بھلا دیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں ﴿۶۷﴾ اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی اُن کو راس آئے گی۔ اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال دی ہے، اور ان کے لئے اٹل عذاب ہے۔ ﴿۶۸﴾ (منافقو!) تم اُنہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ وہ طاقت میں تم سے مضبوط تر اور مال اور اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حصے کے مزے اُڑا لئے، پھر تم نے اُسی طرح اپنے حصے کے مزے اُڑائے، جیسے تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے کے مزے اُڑائے تھے، اور تم بھی ویسی ہی بے ہودہ باتوں میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے، اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے خسارے کا سودا کیا۔ ﴿۶۹﴾

---

(۵۹) ہاتھوں کو بند رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کنجوس ہیں۔ جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۙ وَقَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتِ‌ ؕ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ؕ اُولٰۤـئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ‌ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ‌ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۷۲﴾ ع

وقف لازم — ع ۹ — ۱۵

کیا ان (منافقوں) کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گذرے ہیں؟ نوح کی قوم، اور عاد و ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے باشندے، اور وہ بستیاں جنہیں اُلٹ ڈالا گیا![۶۰] ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ﴿۷۰﴾ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک! ﴿۷۱﴾ اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے وعدہ کیا ہے اُن باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور اُن پاکیزہ مکانات کا جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے (جو جنت والوں کو نصیب ہوگی) یہی تو زبردست کامیابی ہے ﴿۷۲﴾

(۶۰) ان کے واقعات کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف، آیات ۵۹ تا ۹۲ اور اُن کے حواشی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو،(۶۱) اور اُن پر سختی کرو۔ اُن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۷۳﴾ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی، حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے،(۶۲) اور اپنے اسلام لانے کے بعد انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔(۶۳) انہوں نے وہ کام کرنے کا ارادہ کرلیا تھا جس میں یہ کامیابی حاصل نہ کرسکے،(۶۴) اور انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مال دار بنا دیا ہے۔(۶۵) اب اگر یہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر یہ منہ موڑیں گے تو اللہ ان کو دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔ ﴿۷۴﴾

---

(۶۱) جہاد کے اصل معنی جدوجہد اور محنت وکوشش کے ہیں۔ دِین کی حفاظت اور دِفاع کے لئے یہ کوشش مسلح لڑائی کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے، اور زبانی دعوت وتبلیغ اور بحث ومباحثہ کی صورت میں بھی۔ کھلے کافروں کے ساتھ یہاں جہاد کے پہلے معنی مراد ہیں، اور منافقین کے ساتھ جہاد کے دوسرے معنیٰ مقصود ہیں۔ چونکہ منافقین زبان سے اسلام لانے کا اظہار کرتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرارتوں کے باوجود یہ حکم دیا کہ دُنیا میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی معاملہ کیا جائے۔ اس لئے ان کے ساتھ جہاد کا مطلب زبانی جہاد ہے، اور اُن پر سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو گفتگو میں اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے، دوسرے اگر اُن سے کوئی قابلِ سزا جرم سرزد ہو تو انہیں معافی نہ دی جائے۔

(۶۲) منافقین کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کافرانہ باتیں کہتے رہتے تھے، لیکن جب اُن سے پوچھا جاتا تو وہ صاف انکار کر دیتے، اور قسم بھی کھالیتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ مثلاً ایک مرتبہ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں ایک انتہائی گستاخانہ بات کہی تھی جسے نقل کرنا بھی مشکل ہے، اور اس کے بعد کہا تھا کہ: ''جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔'' اس کا ذکر خود قرآنِ کریم نے سورۂ منافقون (۶۳:۸) میں فرمایا ہے۔ لیکن جب اُس سے پوچھا گیا تو مکر گیا، اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا (روح المعانی بحوالہ ابن جریر وابن المنذر وغیرہ)۔

(۶۳) مراد یہ ہے کہ اگرچہ دِل سے تو وہ کبھی اسلام نہیں لائے تھے، لیکن کم از کم زبان سے اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ اس بات کے بعد انہوں نے زبان سے بھی کفر اختیار کر لیا۔

(۶۴) یہ کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں منافقین نے کوئی خفیہ سازش کی تھی، مگر اُس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ایسے کئی واقعات عہدِ رسالت میں پیش آئے ہیں، مثلاً ایک واقعہ تو اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے یہ ناپاک ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس ڈینگ کو عملی جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوئے۔ دوسرے ایک واقعہ غزوۂ تبوک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے وقت پیش آیا تھا کہ منافقین نے بارہ آدمیوں کو نقاب پہنا کر اس بات پر تعینات کیا تھا کہ وہ ایک گھاٹی میں چھپ کر بیٹھیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذریں تو آپ پر حملہ کر دیں۔ اُس وقت حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے انہیں دیکھ لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ آپ نے اُن کو زور سے آواز دی تو اُن پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ بھاگ گئے۔ آپ نے بعد میں حضرت حذیفہؓ کو بتایا کہ وہ منافق لوگ تھے (روح المعانی بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی)۔

(۶۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ کے باشندوں میں پہلے کے مقابلے میں عام خوش حالی آئی تھی جس سے یہ منافقین بھی فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ پہلے ان کی معاشی حالت خستہ تھی، مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد ان میں سے اکثر لوگ خاصے مال دار ہو گئے تھے۔ آیتِ کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس خوشحالی پر اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر گذار ہوتے، لیکن انہوں نے اس احسان کا یہ بدلہ دیا کہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے ﴿۷۵﴾ لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے نوازا تو اس میں بخل کرنے لگے، اور منہ موڑ کر چل دیئے۔(۶۶) ﴿۷۶﴾ نتیجہ یہ کہ اللہ نے سزا کے طور پر نفاق ان کے دِلوں میں اُس دن تک کے لئے جما دیا ہے جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اُس کی خلاف ورزی کی، اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ﴿۷۷﴾

---

(۶۶) حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص جس کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ آپ میرے لئے مال دار ہونے کی دُعا فرما دیں۔ آپ نے شروع میں اُسے سمجھایا کہ بہت مال دار ہونا مجھے اپنے لئے بھی پسند نہیں ہے، لیکن اُس نے بار بار اِصرار کیا، اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر میں مال دار ہو گیا تو ہر حق دار کو اُس کا حق پہنچاؤں گا، آپ نے اس موقع پر یہ حکیمانہ جملہ بھی ارشاد فرمایا کہ: "تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو اُس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکو۔" اس پر بھی اُس کا اِصرار جاری رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرما دی۔ چنانچہ وہ واقعی مال دار ہو گیا، اور اس کے مال مویشی اتنے زیادہ ہو گئے کہ اُن کی دیکھ بھال میں نمازیں چھوٹنے لگیں، پھر وہ ان جانوروں کی زیادتی کی وجہ سے مدینہ منورہ سے باہر جا کر رہنے لگا، شروع میں جمعہ کے دن مسجد میں آجاتا تھا، پھر رفتہ رفتہ جمعہ کو آنا بھی چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اُس کے پاس پہنچے تو اُس نے زکوٰۃ پر پھبتیاں کسیں، اور ٹال مٹول کر کے ان حضرات کو واپس بھیج دیا۔ اس آیت میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ طبرانی وبیہقی)۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع ٨ ١٦

کیا اُنہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ اُن کی تمام پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے، اور یہ کہ اُس کو غیب کی ساری باتوں کا پورا پورا علم ہے؟ ﴿۷۸﴾ (یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مؤمنوں کو بھی طعنے دیتے ہیں، اور اُن لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ اور میسر نہیں ہے،(۶۷) اس لئے وہ ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اُڑاتا ہے،(۶۸) اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے ﴿۷۹﴾ (اے نبی!) تم ان کے لئے اِستغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ اِستغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا ہے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۸۰﴾

(۶۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی اِستطاعت کے مطابق صدقہ لاکر پیش کیا، منافقین خود تو اس کارِ خیر میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعنے دیتے رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دِکھاوے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا سا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اُس کا مذاق اُڑاتے، اور کہتے کہ یہ کیا چیز اُٹھا لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے! صحیح بخاری اور حدیث وتفسیر کی دوسری کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں، لیکن اس جگہ غالباً وہ موقع مراد ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لئے چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی تھی۔ دُرِّ منثور (ج:۴ ص:۲۲۶) میں ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۶۸) اللہ تعالیٰ یوں تو مذاق اُڑانے سے بے نیاز ہے، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو مذاق

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

جن لوگوں کو (غزوۂ تبوک سے) پیچھے رہنے دیا گیا تھا، وہ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے (گھروں میں) بیٹھے رہنے سے بڑے خوش ہوئے، اور ان کو یہ بات ناگوار تھی کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں، اور انہوں نے کہا تھا کہ: ''اس گرمی میں نہ نکلو!'' کہو کہ: ''جہنم کی آگ گرمی میں کہیں زیادہ سخت ہے!'' کاش! اِن کو سمجھ ہوتی! ﴿۸۱﴾ اب یہ لوگ (دُنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں، کیونکہ جو کچھ کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اُس کا یہی بدلہ ہے۔ ﴿۸۲﴾ (اے پیغمبر!) اس کے بعد اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ کے پاس واپس لے آئے، اور یہ (کسی اور جہاد میں) نکلنے کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو ان سے کہہ دینا کہ: ''اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں چل سکو گے، اور میرے ساتھ مل کر کسی دُشمن سے کبھی نہیں لڑسکو گے۔ تم نے پہلی بار بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، لہٰذا اب بھی اُنہی کے ساتھ بیٹھ رہو جن کو (کسی معذوری کی وجہ سے) پیچھے رہنا ہے۔'' ﴿۸۳﴾

اُڑانے کی سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف مذاق اُڑانے کی نسبت محاورۃً کی گئی ہے جسے عربی قواعد کی رُو سے مشاکلت کہا جاتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اُس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔(۶۹) یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اِس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔﴿۸۴﴾ اور تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیا میں عذاب دے،(۷۰) اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے۔﴿۸۵﴾

(۶۹) اس آیت کا شانِ نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار تھا، لیکن اُس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہؓ سچے اور پکے مسلمان تھے۔ اگرچہ عبداللہ بن اُبی کی منافقت کئی مواقع پر ظاہر ہو چکی تھی، لیکن چونکہ وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا تھا، اس لئے ظاہری طور پر اُس کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے جو سچے مسلمان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اپنی اُمت کے ہر فرد کے لئے بڑے مہربان تھے، اس لئے آپ نے یہ درخواست منظور فرمالی، اور اُس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قرآنِ کریم کی اُس آیت کا حوالہ دیا جو پیچھے گذر چکی ہے کہ: ''تم ان کے لئے اِستغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ اِستغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا'' (آیت نمبر ۸۰) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں چاہوں تو اِستغفار کروں، اس لئے میں ستر سے زیادہ مرتبہ اِستغفار کرلوں گا۔ چنانچہ آپ نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھادی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ پھر آپ نے کسی بھی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

(۷۰) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۵ کا حاشیہ۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ

اور جب کوئی سورت یہ حکم لے کر نازل ہوتی ہے کہ: "اللہ پر ایمان لاؤ، اور اُس کے رسول کی رفاقت میں جہاد کرو" تو ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ جو صاحبِ استطاعت ہیں، تم سے اجازت مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل ہونے دیجئے جو (گھر میں) بیٹھے رہیں گے۔ ﴿۸۶﴾ یہ اس بات سے خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں، اور ان کے دِلوں پر مہر لگادی گئی ہے، چنانچہ وہ نہیں سمجھتے (کہ وہ کیا کر رہے ہیں) ﴿۸۷﴾ لیکن رسول اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اُنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے۔ اُنہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اللہ نے ان کے لئے وہ باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ اُن کو (جہاد سے) چھٹی دی جائے، (۷۱) اور (اس طرح) جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، وہ سب بیٹھ رہے۔

(۷۱) جس طرح مدینہ منورہ میں بہت سے منافق تھے، اسی طرح مدینہ منورہ سے باہر دیہات میں بھی منافق موجود تھے۔ چونکہ غزوۂ تبوک میں جانے کا حکم صرف اہلِ مدینہ کے لئے نہیں، بلکہ آس پاس کے لوگوں کے لئے بھی تھا، اس لئے یہ دیہاتی منافقین بھی بہانہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾

ان میں سے جنہوں نے کفر (مستقل طور پر) اپنالیا ہے، اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ ﴿۹۰﴾ کمزور لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے کا) کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر، اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے لئے مخلص ہوں۔ نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۱﴾ اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم اُنہیں کوئی سواری مہیا کردو، اور تم نے کہا کہ: "میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کرسکوں" تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ اُن کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔[۷۲] ﴿۹۲﴾

(۷۲) روایات میں ہے کہ یہ سات انصاری صحابہ تھے۔ حضرت سالم بن عمیر، حضرت علبہ بن زید، حضرت عبدالرحمٰن بن کعب، حضرت عمرو بن الحمام، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبداللہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ انہوں نے غزوۂ تبوک میں شامل ہونے کے لئے اپنے شوق کا اظہار فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست پیش کی۔ جب آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو یہ روتے ہوئے واپس گئے (روح المعانی)۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

اِلزام تو اُن لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود تم سے اِجازت مانگتے ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کے دِلوں پر مہر لگادی ہے، اس لئے انہیں حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ ﴿۹۳﴾ (مسلمانو!) جب تم لوگ (تبوک سے) واپس ان (منافقوں) کے پاس جاؤ گے، تو یہ تمہارے سامنے (طرح طرح کے) عذر پیش کریں گے۔ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دینا کہ: ''تم عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کردیا ہے۔ اور آئندہ اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔'' ﴿۹۴﴾ جب تم اِن کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم اِن سے درگذر کرو۔ لہٰذا تم بھی اِن سے درگذر کرلینا۔ (۷۳) یقین جانو یہ سراپا گندگی ہیں، اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اس کے نتیجے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ﴿۹۵﴾

(۷۳) یہاں ''درگذر کرنے'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بات سن کر انہیں نظر انداز کردیا جائے، نہ تو فوری طور پر

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۗ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

یہ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تو ایسے نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔ ﴿۹۶﴾ جو دیہاتی (منافق) ہیں، وہ کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں، اور دوسروں سے زیادہ اِسی لائق ہیں کہ اُس دِین کے اَحکام سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اُتارا ہے۔(۷۴) اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۹۷﴾ انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو (اللہ کے نام پر) خرچ کئے ہوئے مال کو ایک تاوان سمجھتے ہیں، اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں پر مصیبتوں کے چکر آپڑیں،(۷۵) (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) بدترین مصیبت کا چکر تو خود اُن پر پڑا ہوا ہے۔ اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۹۸﴾

انہیں کوئی سزا دی جائے، اور نہ یہ وعدہ کیا جائے کہ ان کی معذرت قبول کرلی گئی ہے، اور انہیں معاف کردیا گیا ہے۔ اس طرزِ عمل کی وجہ اگلے جملے میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے نفاق کی وجہ سے یہ سراپا گندگی ہیں، ان کی معذرت جھوٹی ہے جو انہیں اس گندگی سے پاک نہیں کرسکتی، اور آخرکار ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۷۴) یعنی منافقت کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں سے میل جول بھی نہیں رکھا جس کے ذریعے ان کو شریعت کے اَحکام کا علم ہوتا۔

(۷۵) یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان مصیبت کے کسی ایسے چکر میں پڑ جائیں کہ ان لوگوں کو اس قسم کے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ

اور اُنہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں، اُس کو اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دُعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں! یہ اُن کے لئے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ اُن کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۹﴾ اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سب سے راضی ہوگیا ہے، اور وہ اُس سے راضی ہیں، اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾ اور تمہارے اِردگرد جو دیہاتی ہیں، ان میں بھی منافق لوگ موجود ہیں، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی۔(۷۶)

اَحکام سے آزادی مل جائے جن پر عمل کرنا انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور سے غزوۂ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ رُوم کی عظیم طاقت سے ہو رہا ہے، اس لئے شاید اس بار وہ رُومیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر اپنی ساری طاقت کھو بیٹھیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ لوگ خود نفاق کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، جو انہیں دُنیا اور آخرت دونوں کی رُسوائی میں مبتلا کر کے رہے گا۔

(۷۶) پہلے جن دیہاتیوں کا ذکر آیا تھا، وہ مدینہ منورہ سے دُور رہتے تھے۔ اب اُن دیہاتیوں کا ذکر ہے جو مدینہ

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ لوگ منافقت میں (اتنے) ماہر ہوگئے ہیں (کہ) تم اُنہیں نہیں جانتے، اُنہیں ہم جانتے ہیں۔ اِن کو ہم دو مرتبہ سزا دیں گے،[۷۷] پھر اُن کو ایک زبردست عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں، کچھ نیک کام، اور کچھ بُرے۔ اُمید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔[۷۸] یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۲﴾

منورہ کے آس پاس رہتے تھے، اور خود مدینہ منورہ کے باشندوں میں اُن منافقین کا جن کا نفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھا۔

(۷۷) ''دو مرتبہ سزا دینے'' کی تشریح مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ صحیح مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر ایک سزا تو یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی شکست کی جو آس لگائی ہوئی تھی، وہ پوری نہ ہوئی، اور مسلمان غزوۂ تبوک سے صحیح سلامت واپس آگئے۔ یہ بذاتِ خود ان منافقوں کے لئے ایک سزا تھی، اور دوسرے بہت سے منافقوں کا نفاق کھل گیا، اور ان کو دُنیا ہی میں ذِلت اُٹھانی پڑی۔

(۷۸) منافقین تو اپنی منافقت کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے، اور اب تک اُنہی کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ کل دس حضرات تھے۔ ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے مسجدِ نبوی پہنچے، اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا، اور یہ کہا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔ آپ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ واپس تشریف لائے اور آپ نے انہیں بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اَموال میں سے صدقہ وصول کرلو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کردو گے اوراُن کے لئے باعثِ برکت بنوگے،(۷۹) اوراُن کے لئے دُعا کرو۔ یقیناً تمہاری دُعا اُن کے لئے سراپا تسکین ہے، اوراللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۱۰۳﴾

فرمایا کہ اب میں بھی ان کو اُس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کرلی گئی، اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولُبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجدِ نبوی میں موجود ہے، اور اُسے اُسطوانۃ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنوقریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہوگئی تھی، لیکن حافظ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک سے متعلق ہے، اوراسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے (دیکھئے تفسیر ابنِ جریر ج:۱۱ ص:۱۲ تا ۱۶)۔ باقی تین حضرات جو تبوک نہیں گئے تھے، اُن کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آرہا ہے۔

اس آیت نے یہ واضح کردیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوجائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اور غلطی کی تاویلیں کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اِظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دِلائی ہے کہ اُنہیں معاف کردیا جائے گا۔

(۷۹) یہی حضرات جنہوں نے توبہ کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا تھا، جب ان کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں آزاد کیا گیا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر اپنا مال صدقے میں دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے شروع میں فرمایا کہ مجھے تم سے کوئی مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان سے صدقہ قبول فرمالیں۔ آیت میں صدقے کی دو خاصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ انسان کو گناہوں اور بُرے اخلاق سے پاک ہونے میں مدد دیتا ہے، اور دُوسرے یہ کہ اُس سے انسان کی نیکیوں میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ یہ آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں، اس لئے اُمت کے فقہاء کا اجماع ہے کہ اسی آیت کی رُو سے اسلامی ریاست کے ہر سربراہ کو اپنے عوام سے زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے صحیح مصارف پر خرچ کرنے کا حق

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے، اور صدقات بھی قبول کرتا ہے، اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے؟ ﴿۱۰۴﴾ اور (ان سے) کہو کہ: "تم عمل کرتے رہو۔ اب اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی اور مؤمن لوگ بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔"(۸۰) ﴿۱۰۵﴾ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ یا اللہ اُن کو سزا دے گا، یا معاف کر دے گا،(۸۱) اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۱۰۶﴾

حاصل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جن لوگوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، اُن سے آپ نے جہاد کیا۔

(۸۰) اس آیت نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ توبہ کے بعد بھی کسی شخص کو بے فکر ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنا طرزِ عمل درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

(۸۱) یہ اُن دس میں سے تین حضرات تھے جو کسی عذر کے بغیر صرف سستی کی وجہ سے تبوک کی مہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات کو ندامت تو تھی، لیکن انہوں نے توبہ کرنے میں اتنی جلدی نہیں کی جتنی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے کی تھی، نہ وہ طریقہ اختیار کیا جو ان سات حضرات نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، مؤمنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اُس شخص کو ایک اَڈّہ فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔(۸۲) اور یہ قسمیں ضرور کھالیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۷﴾ (اے پیغمبر!) تم اُس (نام نہاد مسجد) میں کبھی (نماز کے لئے) کھڑے مت ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس میں کھڑے ہو۔(۸۳) اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۰۸﴾

جب یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معذرت کرنے کے لئے پہنچے تو آپ نے ان کے بارے میں اپنا فیصلہ ملتوی فرمادیا، اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے، ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ سب مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ جاری رہا، اور توبہ اُس وقت قبول ہوئی جب آیت نمبر ۱۱۸ نازل ہوئی، تفصیل وہیں پر آئے گی۔

(۸۲) ان آیات میں منافقین کے ایک نہایت شریر گروہ کا بیان ہے جنہوں نے ایک خطرناک سازش کے تحت ایک عمارت مسجد کے نام سے بنائی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے قبیلے خزرج میں ابوعامر نام

کا ایک شخص تھا جو عیسائی ہو گیا تھا، اور اُس نے رَہبانیت اور درویشی کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ مدینہ منورہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اسے بھی دینِ حق کی دعوت دی، لیکن اُس نے حق کو قبول کرنے کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حریف سمجھ لیا، اور آپ کی دُشمنی پر کمر باندھ لی۔ جنگِ بدر سے لے کر جنگِ حنین تک کفارِ مکہ سے جتنی جنگیں ہوئیں، اُن سب میں یہ مسلمانوں کے خلاف دُشمنوں کی مدد اور تائید کرتا رہا۔ جب جنگِ حنین میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی تو یہ شام چلا گیا، اور وہاں سے مدینہ منورہ کے منافقین کو خط لکھا کہ میں یہاں شام میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ رُوم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو ختم کر ڈالے۔ لیکن اس کام کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ اپنا ایک محاذ ایسا بناؤ کہ جب رُوم کا بادشاہ حملہ کرے تو تم اندر سے اُس کی مدد کر سکو۔ اُسی نے یہ مشورہ بھی دیا کہ تم ایک عمارت مسجد کے نام سے بناؤ جو بغاوت کے مرکز کے طور پر استعمال ہو، اس میں خفیہ طور سے ہتھیار بھی جمع کرو، اور آپس میں مشورے بھی یہیں کیا کرو، اور میری طرف سے کوئی ایلچی آئے تو اُسے بھی یہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ ان منافقین نے قبا کے علاقے میں یہ عمارت بنائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ بہت سے کمزور لوگوں کو مسجدِ قبا دُور پڑتی ہے، اس لئے ان کی آسانی کی خاطر ہم نے یہ مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ کسی وقت یہاں تشریف لا کر نماز پڑھیں، تاکہ اُسے برکت حاصل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تبوک جانے کی تیاری میں مصروف تھے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں تبوک جا رہا ہوں، واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں وہاں آکر نماز پڑھ لوں گا۔ لیکن جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ سے کچھ پہلے ذُواَوان کے مقام پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ پر اس نام نہاد مسجد کی حقیقت کھول دی گئی، اور اُس میں نماز پڑھنے سے منع فرمادیا گیا۔ اس موقع پر آپ نے وہیں سے دو صحابیوں مالک بن دخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ اس عمارت کو تباہ کردیں، چنانچہ ان حضرات نے اس کو جلا کر خاک کردیا (تفسیر ابن جریر)۔

(۸۳) اس سے مراد وہ مسجدِ قبا بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تعمیر فرمائی تھی جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے، اور قبا کی بستی میں چودہ دن قیام فرمایا، اور یہ پہلی باقاعدہ مسجد تھی جو آپ نے تعمیر فرمائی، اور وہ مسجدِ نبوی بھی اس کے مصداق میں داخل ہے جو آپ نے قبا سے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد تعمیر فرمائی۔ دونوں ہی کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر تھی۔ اس مسجد کی فضیلت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں نماز پڑھنے والے پاکی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس میں جسم کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور اعمال واخلاق کی پاکی اور صفائی بھی۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

ع ۱۳/۱۱/۲

بھلا کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی خوشنودی پر اُٹھائی ہو، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک ڈھانگ کے کسی گرتے ہوئے کنارے پر رکھی ہو،(۸۴) پھر وہ اُسے لے کر جہنم کی آگ میں جا گرے؟ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۱۰۹﴾ جو عمارت ان لوگوں نے بنائی تھی، وہ ان کے دِلوں میں اُس وقت تک برابر شک پیدا کرتی رہے گی جب تک ان کے دِل ہی ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جاتے۔(۸۵) اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۱۱۰﴾

---

(۸۴) قرآنِ کریم نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے، وہ "جرف" ہے۔ یہ دراصل کسی زمین یا ٹیلے یا پہاڑ کے اُس حصے کو کہتے ہیں جس کا نچلا حصہ پانی کے سیلاب وغیرہ کی وجہ سے بہہ گیا ہو، اور اُوپر کھوکھلی مٹی رہ گئی ہو جو کسی بھی وقت گر سکتی ہو۔ اُردو میں ایسی جگہ کو ڈھانگ کہتے ہیں، اس لئے ترجمے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۸۵) جو عمارت ان منافقین نے بنائی تھی، اُس کے لئے آیت ۱۰۷ میں تو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ عمارت انہوں نے مسجد کے نام پر بنائی تھی، اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ مسجد ہے، اس لئے وہاں اُس عمارت کے واسطے مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس آیت میں اُس کی حقیقت بتائی گئی ہے، اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے اُسے عمارت کہا ہے، مسجد نہیں کہا، کیونکہ حقیقت میں وہ مسجد تھی ہی نہیں۔ بنانے والے حقیقت میں کافر تھے، اور بنانے کا مقصد اسلام دُشمنی تھی، اسی لئے اُسے جلایا گیا، ورنہ اگر کوئی مسلمان مسجد بنائے، تو اُسے جلانا جائز نہیں ہے۔ اور اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ عمارت ان منافقوں کے دِل میں برابر شک پیدا کرتی رہے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمارت کے جلائے جانے سے ان منافقین پر بھی یہ بات کھل گئی کہ ان کی شرارت کا راز مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا ہے۔ اب وہ اپنے مستقبل کے بارے میں مسلسل شک میں مبتلا رہیں گے کہ نجانے مسلمان اب ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اُن کی بے یقینی کی یہ کیفیت اُسی وقت ختم ہو گی جب اُن کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، یعنی اُن کو موت آ جائے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَــنَّةَ‌ ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ‌ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ‌ ؕ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ الَّذِىۡ بَايَعۡتُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّاۤـئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّاۤـئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰـفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۳﴾

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس بات کے بدلے خرید لئے ہیں کہ جنت اُنہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں، اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور اِنجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہٰذا اپنے اُس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کرلیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ (جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے، وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اُس کی حمد کرنے والے! روزے رکھنے والے![(۸۶)] رُکوع میں جھکنے والے! سجدے گذارنے والے! نیکی کی تلقین کرنے والے، اور برائی سے روکنے والے! اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے![(۸۷)] (اے پیغمبر!) ایسے مؤمنوں کو خوشخبری دے دو۔ ﴿۱۱۲﴾ یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ اُن پر یہ بات پوری طرح واضح ہوچکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔[(۸۸)] ﴿۱۱۳﴾

(۸۶) قرآنِ کریم نے یہاں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ "السآئحون" ہے۔ اس لفظ کے اصل معنی تو سیاحت

کرنے والے کے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر روزہ رکھنے والوں سے فرمائی ہے۔ اور یہی تفسیر متعدد صحابہؓ اور تابعین سے بھی منقول ہے (تفسیر ابنِ جریر)۔ بظاہر روزے کو سیاحت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح سفر میں انسان کے کھانے پینے اور سونے جاگنے کے معمولات قائم نہیں رہتے، اسی طرح روزے میں بھی ان معمولات میں فرق آجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۷) قرآنِ کریم نے بہت سے مواقع پر "اللہ کی قائم کی ہوئی حدود" اور ان کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بڑی معنی خیز اصطلاح ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے اَحکام دیئے ہیں، وہ کچھ حدود کے پابند ہیں۔ اُن حدود میں رہ کر اُن کو اَنجام دیا جائے تو وہ درست اور نیک کام ہیں، اور اگر حدود سے نکل جائیں تو وہی کام ناپسندیدہ اور بعض اوقات گناہ میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ثواب کا کام ہے، لیکن اگر کوئی شخص عبادت میں اتنا منہمک ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق رکھے ہیں، اُن کو پامال کرنے لگے، تو وہ عبادت بھی ناجائز ہوجاتی ہے۔ تہجد کی نماز بڑی عظیم فضیلت کی چیز ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ نماز اس طرح پڑھے جس سے سونے والوں کی نیند میں خلل آئے تو یہ ناجائز ہے۔ والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی نفلی عبادت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی وجہ سے بیوی بچوں کے حقوق پامال کرنے لگے تو یہ گناہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں بہت سی نیکیوں کا بیان کرنے کے بعد آخر میں حدود کی حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام نیکیاں اُن حدود میں رہ کر اَنجام دیتے ہیں جو ان کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان حدود کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے دی ہے، اور ان کو سیکھنے کا بہترین طریقہ اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے کہ انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہے، اور اُس کے طرزِ عمل کو دیکھ دیکھ کر ان حدود کو سمجھنے اور اپنی زندگی میں ان کو اُتارنے کی کوشش کرے۔

(۸۸) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائیں، مگر اُس وقت ابوجہل وغیرہ نے مخالفت کی، اور وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے لئے اُس وقت تک اِستغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کردیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کے لئے اِستغفار سے منع فرمادیا۔ اس کے علاوہ تفسیر ابنِ جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے اِستغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے اِستغفار کیا تھا، اس لئے ہم بھی کرسکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دُعا مانگی تھی، اُس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ اُنہوں نے اُس (باپ) سے ایک وعدہ کرلیا تھا۔(۸۹) پھر جب اُن پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دُشمن ہے، تو وہ اُس سے دستبردار ہوگئے۔(۹۰) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے،(۹۱) بڑے بُردبار تھے ﴿۱۱۴﴾ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے جب تک اُس نے اُن پر یہ بات واضح نہ کردی ہو کہ اُنہیں کن باتوں سے بچنا ہے۔(۹۲) یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾

---

(۸۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے اِستغفار کا وعدہ کرنا سورۂ مریم (۱۹:۴۷) اور سورۂ ممتحنہ (۶۰:۴) میں اور اس وعدے کے مطابق اِستغفار کرنا سورۂ شعراء (۲۶:۸۶) میں مذکور ہے۔

(۹۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اُن پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اُن کا انتقال کفر ہی کی حالت میں ہوگا، اور وہ آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے دُشمن بنے رہیں گے تو انہوں نے اِستغفار کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اس سے علمائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی کافر کے لئے اس نیت سے مغفرت کی دُعا کرنا جائز ہے کہ اُسے ایمان لانے کی توفیق ہوجائے، اور اس طرح اُس کی مغفرت ہوجائے، لیکن جس شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اُس کی موت کفر پر ہوئی ہے، اُس کے لئے مغفرت کی دُعا جائز نہیں ہے۔

(۹۱) یہ قرآنِ کریم کے لفظ "اَوّاہ" کا ٹھیٹھ ترجمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑے نرم دِل اور رقیق القلب تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی فکر میں وہ آہیں بھرتے تھے اور ان پر گریہ طاری ہوجاتا تھا۔

(۹۲) یعنی اب تک چونکہ واضح طور پر یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کسی مشرک کے لئے اِستغفار جائز نہیں، اس لئے جن لوگوں نے اس سے پہلے کسی مشرک کے لئے اِستغفار کیا، اُن پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ۖ حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۱۹﴾

ع ۱۴ ۸ ۳

یقیناً اللہ ہی ہے جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ وہ زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے نہ مددگار۔ ﴿۱۱۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا،[۹۳] جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دِل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے اُن کے حال پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور اُن تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا،[۹۴] یہاں تک کہ جب اُن پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، اُن کی زندگیاں اُن پر دوبھر ہوگئیں، اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اُسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی،[۹۵] تو پھر اللہ نے اُن پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رُجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۱۸﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔[۹۶] ﴿۱۱۹﴾

(۹۳) منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی

اُس اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جارہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ تبوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں بھی اکثریت تو اُنہی کی تھی جن کے دِل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔ البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں اِن مشکلات کی وجہ سے اُن کے دِل میں وسوسے آئے، لیکن آخر کار انہوں نے دِل وجان سے مہم میں حصہ لیا۔ اس دوسری قسم کا حوالہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ: ''جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دِل ڈگمگا جائیں''۔

(۹۴) یہ اُن تین صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے جن کے بارے میں آیت نمبر ۱۰۶ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ ان کا فیصلہ ملتوی کردیا گیا ہے۔

(۹۵) جیسا کہ آیت ۱۰۶ کی تشریح میں عرض کیا گیا، ان تین حضرات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی واضح حکم آئے، اُس وقت تک تمام مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن ان حضرات پر ایسے گذرے ہیں جن میں کوئی مسلمان ان سے نہ بات کرتا تھا، نہ کوئی اور معاملہ۔ ان تین حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس زمانے کے حالات صحیح بخاری کی ایک لمبی روایت میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اور بڑے اثر انگیز پیرائے میں یہ بتایا ہے کہ اس عرصے میں ان پر کیا قیامت گذر گئی تھی۔ اُن کی یہ حدیث اُن کے ایمانی جذبے اور اُن کی نفسیاتی کیفیات کی انتہائی مؤثر اور فصیح وبلیغ تصویر ہے۔ یہ پوری حدیث یہاں نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ ''معارف القرآن'' میں اس کا مفصل ترجمہ موجود ہے۔ جو حضرات چاہیں، اُس میں مطالعہ فرمالیں۔ اس آیت میں اِن حضرات کی اس نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۹۶) یہ ان تین حضرات کے واقعے سے ملنے والا سبق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دِلائی ہے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو چھپانے کے لئے منافقین کی طرح جھوٹے سچے بہانے نہیں بنائے، بلکہ جو حقیقت تھی، وہ سچ سچ بیان کردی کہ ان کے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت تک کے لئے ان کا تذکرہ قرآنِ کریم میں زندۂ جاوید کردیا گیا۔ اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں، اور عمل کے بھی سچے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مدینہ کے باشندوں اور ان کے اردگرد کے دیہات میں رہنے والوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (کا ساتھ دینے سے) پیچھے رہیں، اور نہ یہ جائز تھا کہ وہ بس اپنی جان پیاری سمجھ کر اُن کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان سے بے فکر ہو بیٹھیں۔ یہ اس لئے کہ اِن (مجاہدین) کو جب کبھی اللہ کے راستے میں پیاس لگتی ہے، یا تھکن ہوتی ہے، یا بھوک ستاتی ہے، یا وہ کوئی ایسا قدم اُٹھاتے ہیں جو کافروں کو گھٹن میں ڈالے، یا دُشمن کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں تو اُن کے اعمال نامے میں (ہر ایسے کام کے وقت) ایک نیک عمل ضرور لکھا جاتا ہے۔ یقین جانو کہ اللہ نیک لوگوں کے کسی عمل کو بیکار جانے نہیں دیتا۔ ﴿۱۲۰﴾ نیز وہ جو کچھ (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں، چاہے وہ خرچ چھوٹا ہو یا بڑا، اور جس کسی وادی کو وہ پار کرتے ہیں، اس سب کو (اُن کے اعمال نامے میں نیکی کے طور پر) لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ اُنہیں (ہر ایسے عمل پر) وہ جزا دے جو اُن کے بہترین اعمال کے لئے مقرر ہے۔ (۹۷) ﴿۱۲۱﴾

---

(۹۷) یعنی اگرچہ ان اعمال میں سے بعض چھوٹے نظر آتے ہوں، لیکن اُن کا ثواب اِن مجاہدین کے بہترین اعمال کے برابر دیا جائے گا۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں "احسن" (بہترین) کو اعمال کی صفت قرار دیا گیا ہے، اور اُسے جزاء کی صفت قرار دینے پر علامہ ابوحیان نے البحر المحیط میں نحوی اعتبار سے جو اِشکال پیش

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

اور مسلمانوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں،(۹۸) لہٰذا ایسا کیوں نہ ہو کہ اُن کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لئے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دِین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے محنت کریں، اور جب اِن کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) اِن کے پاس واپس آئیں تو یہ اُن کو متنبہ کریں،(۹۹) تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں ﴿۱۲۲﴾

کیا ہے، اُس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا جاسکا، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے بھی اس اعتراض کو نقل کر کے اُس کی تائید ہی کی ہے۔ لہٰذا یہاں ترجمہ اُس تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے جو مدارک التنزیل میں مذکور ہے۔)

(۹۸) سورۂ توبہ کے ایک بڑے حصے میں اُن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو تبوک کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان آیاتِ کریمہ کو سن کر صحابہ نے یہ ارادہ کرلیا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا، اُس میں وہ سب جایا کریں گے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ ہمیشہ کے لئے یہ سوچنا صحیح نہیں ہے۔ غزوۂ تبوک میں تو ایک خاص ضرورت پیش آئی تھی جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن عام حالات میں مسلمانوں کو تقسیم کار پر عمل کرنا چاہئے۔ جب تک امیر کی طرف سے نفیرِ عام (یعنی ہر شخص کو جہاد میں شریک ہونے) کا حکم نہ ہو، جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ اگر ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جہاد کے لئے چلے جایا کریں تو سب کی طرف سے یہ فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح جہاد اُمتِ مسلمہ کی ایک ضرورت ہے، اسی طرح دِین کا علم حاصل کرنا بھی اُمت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سب لوگ جہاد میں نکل کھڑے ہوں گے تو علمِ دِین کی درس و تدریس کا فریضہ کون انجام دے گا؟ لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں نہ جائیں، وہ اپنے شہر میں رہ کر دِین کا علم حاصل کریں۔

(۹۹) متنبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اَحکام انہوں نے سیکھے ہیں، وہ ان کو بتادیں کہ فلاں کام واجب ہے، اور فلاں کام گناہ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے ایمان والو! اُن کافروں سے لڑو جو تم سے قریب ہیں،(۱۰۰) اور ہونا یہ چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔(۱۰۱) اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جب کبھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو انہی (منافقین) میں وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ''اس (سورت) نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟''(۱۰۲) اب جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو (واقعی) ایمان لائے ہیں، اُن کے ایمان میں تو اس سورت نے واقعی اضافہ کیا ہے، اور وہ (اس پر) خوش ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲۴﴾

(۱۰۰) اس آیت میں پھر اُس مضمون کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے جس سے اس سورت کی ابتدا ہوئی تھی۔ مشرکین سے براءت کا جو اعلان کیا گیا تھا، اُس میں ہر مسلمان کا یہ فرض تھا کہ وہ اُن مشرکین سے جنگ کے لئے تیار رہے جو اس اعلانِ براءت پر عمل نہ کریں۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، وہ نومسلم جو فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اُن کے دِل میں اپنے مشرک رشتہ داروں کے لئے نرم گوشہ ہوسکتا تھا، لہٰذا آخر سورت میں اُنہیں دوبارہ متوجہ کیا جارہا ہے کہ جس طرح اسلام کی تبلیغ میں ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ انسان اپنے قریبی لوگوں سے اُس کا آغاز کرے، اسی طرح جب جنگ کی نوبت آجائے تو اُس میں بھی یہی ترتیب ہونی چاہئے کہ پہلے اُن لوگوں سے جنگ ہونی چاہئے جو تمہارے قریب ہیں۔ اُن کے بعد دوسروں کا نمبر آئے گا۔

(۱۰۱) یعنی اُن کی قربت کی وجہ سے تمہارے دِل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو جو تمہیں جہاد کے فریضے سے روک دے۔ نیز وہ لوگ تم میں کوئی کمزوری نہ پائیں، بلکہ اُنہیں تمہاری مضبوطی کا مکمل احساس ہونا چاہئے۔

(۱۰۲) یہ کہہ کر منافقین دراصل اُس بات کا مذاق اُڑاتے تھے جو سورۂ انفال (۸:۲) میں فرمائی گئی ہے کہ جب مؤمنوں کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

رہے وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ ہے، تو اس سورت نے اُن کی گندگی میں کچھ اور گندگی کا اضافہ کردیا ہے،(۱۰۳) اور اُن کو موت بھی کفر ہی کی حالت میں آتی ہے ﴿۱۲۵﴾ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک دو مرتبہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں،(۱۰۴) پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں، اور نہ کوئی سبق حاصل کرتے ہیں؟ ﴿۱۲۶﴾ اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور اشاروں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں) کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔(۱۰۵) اللہ نے اُن کا دِل پھیر دیا ہے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۱۲۷﴾

---

(۱۰۳) یعنی کفر اور نفاق کی گندگی تو اُن میں پہلے ہی موجود تھی، اب اس نئی آیت کے انکار اور اِستہزاء سے اس گندگی میں اور اضافہ ہوگیا۔

(۱۰۴) منافقین پر ہر سال کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہتی تھی۔ کبھی اُن کی خواہش اور منصوبوں کے خلاف مسلمانوں کو فتح نصیب ہوجاتی، کبھی ان میں سے کسی کا راز کھل جاتا، کبھی کوئی بیماری آجاتی، کبھی فقر وفاقہ میں مبتلا ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مصیبتیں ان کو متنبہ کرنے کے لئے کافی ہونی چاہئے تھیں، لیکن یہ لوگ کوئی سبق نہیں لیتے۔

(۱۰۵) اصل بات یہ تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے چڑ تھی۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نوبت نہ آئے۔ لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں کوئی نئی سورت تلاوت فرماتے تو یہ بھاگنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اگر سب کے سامنے اُٹھ کر جائیں تو ان کا راز فاش ہوجائے۔ اس لئے یہ ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے کہ کوئی ایسا موقع تلاش کرو کہ کوئی مسلمان تمہیں دیکھ نہ رہا ہو، اور اُس وقت چپکے سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

ع ١٦ / ٥

(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے! ﴿١٢٨﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: "میرے لئے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔" ﴿١٢٩﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۶ء سورۂ توبہ کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، اور باقی قرآنِ کریم کا ترجمہ اور حواشی بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

تشریحات کے ساتھ



جلد دوم

سورۂ یونس تا سورۂ العنکبوت

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

ISBN 978-969-9306-02-0

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "آسان ترجمۂ قرآن" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

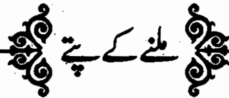


مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)



maktabamaarifulquran.com
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خضر اشفاق قاسمی
طبع جدید : ربیع الاول - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011
مطبع : احمد برادرز پرنٹنگ پریس
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : (92-21) 35031565, 35123130
ای میل : info@quranicpublishers.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com



ملنے کے پتے

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔
- بیت العلوم، ۲۰، نابھہ روڈ، لاہور۔

- Azhar Academy Ltd.,
54-68, Little Ilford Lane,
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.
Ph : +44-20-8911-9797
- Darul Uloom Al-Madania,
182, Sobieski Street Buffalo,
NY, 14212-U.S.A

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا

مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيّدنا
ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه اجمعين،
وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے کلامِ مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس آڑے آتا، اور دُوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اَطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو قرآنِ کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیشِ نظر میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآنِ کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اُسلوب اور تاثیر کو کسی دُوسری زبان میں منتقل کردے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآنِ کریم کا مطلب آسان، بامحاورہ اور رواں انداز میں واضح ہوجائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآنِ کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآنِ کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآنِ کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہوسکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ راجح معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دُشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔

قرآنِ کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّۂ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور دُرست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ اِلتجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

فہرست

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

سُورَةُ يُونُس

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں (آیت نمبر ۴۰ اور ۹۴ اور ۹۵) کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا حوالہ آیت نمبر ۹۸ میں آیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر مکی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلام پر مشرکینِ عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں، اور اُن کے غلط طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے، اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آسکتا ہے۔ اسی سلسلے میں پچھلے انبیائے کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کے لئے تو یہ سبق ہے کہ اُنہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اُس کے نتیجے میں اُن کا انجام بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام اِن شاء اللہ اُنہی کے حق میں ہوگا۔

اٰياتها ١٠٩ ١٠ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ٥١ ركوعاتها ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

وقف النبي صلی اللہ علیہ وسلم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔[1] یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے بھری ہوئی ہے ﴿۱﴾ کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے خود اُنہی میں کے ایک شخص پر وحی نازل کی ہے کہ: ''لوگوں کو (اللہ کی خلاف ورزی سے) ڈراؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کو خوش خبری دو کہ اُن کے رَبّ کے نزدیک اُن کا صحیح معنی میں بڑا پایہ ہے۔[2]'' (مگر جب اُس نے لوگوں کو یہ پیغام دیا تو) کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر اس طرح اِستواء فرمایا[3] کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

---

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، یہ الگ الگ حروف جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ''حروفِ مقطعات'' کہلاتے ہیں۔ ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی بڑا درجہ ہے۔

(۳) ''اِستواء'' کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا اِستواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اُردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵

کوئی اُس کی اجازت کے بغیر (اُس کے سامنے) کسی کی سفارش کرنے والا نہیں۔ وہی اللہ ہے تمہارا پروردگار! لہٰذا اُس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۳﴾ اُسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ یقیناً ساری مخلوق کو شروع میں بھی وہی پیدا کرتا ہے، اور دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اُن کو انصاف کے ساتھ اُس کا صلہ دے۔ اور جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے، کیونکہ وہ حق کا انکار کرتے تھے۔ ﴿۴﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور، اور اُس کے (سفر) کے لئے منزلیں مقرر کردیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کرسکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر کسی صحیح مقصد کے پیدا نہیں کردیا۔(۴) وہ یہ نشانیاں اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ﴿۵﴾

ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح اِستواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کرسکتی ہے۔

(۴) اس کائنات کے جن حقائق کی طرف قرآنِ کریم اشارہ فرماتا ہے، اُس سے دو باتیں ثابت کرنی مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کا یہ محیر العقول نظام جس میں چاند سورج ایسے نپے تلے حساب کے پابند ہوکر اپنا کام کر

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ۝ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ۝ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ ۚ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ۝

حقیقت یہ ہے کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے، اُس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جن کے دِل میں خدا کا خوف ہو۔ ﴿۶﴾ جو لوگ ہم سے (آخرت میں) آملنے کی کوئی توقع ہی نہیں رکھتے، اور دُنیوی زندگی میں مگن اور اُسی پر مطمئن ہو گئے ہیں، اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ﴿۷﴾ اُن کا ٹھکانا اپنے کرتوت کی وجہ سے دوزخ ہے ﴿۸﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے ایمان کی وجہ سے اُن کا پروردگار اُنہیں اِس منزل تک پہنچائے گا کہ نعمتوں سے بھرے باغات میں اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ ﴿۹﴾

رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی ہے۔ اس بات کو مشرکینِ عرب بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جو ذات اتنے عظیم الشان کاموں پر قادر ہو، اُسے اپنی خدائی میں آخر کسی اور شریک کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ لہٰذا یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ساری کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ اگر اس دُنیوی زندگی کے بعد آخرت کی ابدی زندگی نہ ہو جس میں نیک لوگوں کو اچھا صلہ اور بُرے لوگوں کو بُرائی کا بدلہ نہ ملے تو اس کائنات کی پیدائش بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا یہی کائنات توحید کے ساتھ ساتھ آخرت کی ضرورت بھی ثابت کرتی ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ

اُس میں (داخلے کے وقت) اُن کی پکار یہ ہوگی کہ: ''یااللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔'' اور ایک دوسرے کے خیر مقدم کے لئے جو لفظ وہ بولیں گے، وہ سلام ہوگا، اور اُن کی آخری پکار یہ ہوگی کہ: ''تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔'' ﴿۱۰﴾ اور اگر اللہ (ان کافر) لوگوں کو برائی (یعنی عذاب) کا نشانہ بنانے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ اچھائیاں مانگنے میں مچاتے ہیں تو اُن کی مہلت تمام کردی گئی ہوتی۔(۵) (لیکن ایسی جلد بازی ہماری حکمت کے خلاف ہے) لہٰذا جو لوگ ہم سے (آخرت میں) ملنے کی توقع نہیں رکھتے، ہم اُنہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ ﴿۱۱﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہوئے (ہر حالت میں) ہمیں پکارتا ہے۔

(۵) یہ دراصل کفارِ عرب کے ایک سوال کا جواب ہے۔ جب اُنہیں کفر کے نتیجے میں عذابِ الٰہی سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ عذاب آنے کے لئے اس طرح جلدی مچارہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے مطابق ابھی عذاب نازل کردے تو ان کو سوچنے سمجھنے کی جو مہلت دی گئی ہے وہ ختم ہوجائے گی، اور پھر ان کا ایمان لانا معتبر بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اُن کے اِس مطالبے کو اپنی حکمت کی بنا پر پورا نہیں کررہا ہے۔ بلکہ فی الحال ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے، تاکہ جو لوگ سرکش ہیں، وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں، اور ان پر حجت تمام ہوجائے، اور جو سمجھ سے کام لینا چاہتے ہوں، انہیں راہِ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

پھر جب ہم اُس کی تکلیف دُور کر دیتے ہیں، تو اس طرح چل کھڑا ہوتا ہے جیسے کبھی اپنے آپ کو پہنچنے والی کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، اُنہیں اپنے کرتوت اسی طرح خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲﴾ اور ہم نے تم سے پہلے (کئی) قوموں کو اُس موقع پر ہلاک کیا جب اُنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تھا، اور اُن کے پیغمبر اُن کے پاس روشن دلائل لے کر آئے تھے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ایسے مجرم لوگوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُن کے بعد زمین میں تم کو جانشین بنایا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ ﴿۱۴﴾

اور وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے آملنے کی توقع نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جبکہ وہ بالکل واضح ہوتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''یہ نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو۔'' (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ: ''مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے رَبّ کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔'' ﴿۱۵﴾

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖؗ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

کہہ دو کہ: ''اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا، اور نہ اللہ تمہیں اس سے واقف کراتا۔(۶) آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟(۷) ﴿۱۶﴾ پھر اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔'' ﴿۱۷﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت خداؤں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ ان کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ''کیا تم اللہ کو اُس چیز کی خبر دے رہے ہو جس کا کوئی وجود اللہ کے علم میں نہیں ہے، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں؟'' (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک اور کہیں بالا و برتر ہے۔ ﴿۱۸﴾

---

(۶) یعنی یہ قرآن میرا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے پڑھ سکتا تھا، نہ تمہیں اس کا علم ہو سکتا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرما کر مجھے حکم دیا کہ تمہیں سناؤں، اس لئے سنا رہا ہوں۔ لہٰذا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۷) یعنی تمہارا یہ مطالبہ کہ میں اس قرآن کو بدل دوں، دراصل میری نبوت کا انکار اور مجھ پر (معاذ اللہ) جھوٹ کا اِلزام ہے، حالانکہ میں نے عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان گذارا ہے، اور میری ساری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے رہی ہے۔ قرآنِ کریم کے نازل ہونے سے پہلے تم سب مجھے سچا اور امانت دار کہتے رہے

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ ع ۱۰ / ۲

اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دِین کے نہیں، صرف ایک ہی دِین کے قائل تھے۔ پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کرکے الگ الگ ہوئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس معاملے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ (دُنیا ہی میں) کردیا جاتا۔[8] ﴿۱۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''اِس نبی پر اُس کے رَبّ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی؟'' تو (اے پیغمبر! تم جواب میں) کہہ دو کہ: ''غیب کی باتیں تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ لہٰذا تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔[9]'' ﴿۲۰﴾

ہو، اور چالیس سال کے طویل عرصے میں کبھی کسی ایک شخص نے بھی مجھ پر جھوٹ کا اِلزام نہیں لگایا۔ اب نبوت جیسے معاملے میں مجھ پر یہ اِلزام لگانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام دُنیا میں تشریف لائے تو تمام انسان توحید ہی کے دِینِ برحق پر چلتے تھے۔ بعد میں کچھ لوگوں نے الگ الگ مذہب ایجاد کرلئے۔ اللہ تعالیٰ یہیں دُنیا میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کرسکتا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی یہ طے فرمایا ہوا تھا کہ دُنیا انسانوں کے امتحان کے لئے پیدا کی جائے گی، اور ہر شخص کو یہ موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بھیجے جائیں گے جو لوگوں کو دُنیا میں آنے کا مقصد بتائیں، اور دِینِ برحق کو واضح دلائل سے بیان کردیں، پھر وہ اپنی آزاد مرضی سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں، اور آخرت میں فیصلہ کیا جائے کہ کس کا راستہ صحیح اور اِنعام کے قابل تھا، اور کس کا غلط اور قابلِ سزا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس فیصلے کا مشاہدہ نہیں کروایا۔

(۹) اس آیت میں نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، اور آپ کے اُمّی ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کا آپ کی زبان مبارک پر جاری ہونا بذاتِ خود بہت بڑا معجزہ تھا، لیکن کفارِ مکہ آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے جن کا کچھ بیان سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کے اس قسم

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِيٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ

اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن کو پہنچنے والی کسی تکلیف کے بعد ہم اُن کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو ذرا سی دیر میں وہ ہماری نشانیوں کے بارے میں چالبازی شروع کر دیتے ہیں۔(۱۰) کہہ دو کہ: ''اللہ اس سے بھی جلدی کوئی چال چل سکتا ہے۔''(۱۱) یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری چالبازیوں کو لکھ رہے ہیں ﴿۲۱﴾ وہ اللہ ہی تو ہے جو تمہیں خشکی میں بھی اور سمندر میں بھی سفر کراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو، اور یہ کشتیاں لوگوں کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی ہیں، اور لوگ اس بات پر مگن ہوتے ہیں، تو اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے، اور ہر طرف سے اُن پر موجیں اُٹھتی ہیں، اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے،

کے ہر مطالبے کو پورا کریں، اور ہر کس و ناکس کی فرمائش پر ہر روز نئے معجزات دِکھایا کریں، بالخصوص جب یہ بات معلوم ہو کہ مطالبہ کرنے والے محض وقت گذاری اور بہانہ بازی کے لئے ایسی فرمائشیں کر رہے ہوں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غیب کی ساری باتیں، جن میں معجزات کا ظاہر کرنا بھی داخل ہے، میرے قبضے اور اختیار میں نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ وہ تمہاری کونسی فرمائش پوری کرتا ہے، اور کونسی پوری نہیں کرتا، اس کا تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

(۱۰) جب تک مصیبت کا سامنا تھا، اُس وقت تک تو بس اللہ ہی یاد آتا تھا، لیکن جب اُس کی رحمت سے مصیبت دُور ہو جاتی ہے، اور اچھا وقت آتا ہے تو اُس کی اطاعت سے منہ موڑنے کے لئے حیلے بہانے شروع ہو جاتے ہیں، جس کی مثال آگے آیت نمبر ۲۲ میں آرہی ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے لئے ''چال'' کا لفظ ایک طنز کے طور پر ہے، اور اُس سے مراد اُن کی چالبازیوں کی سزا دینا ہے۔

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ

تو اُس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اُسی کو پکارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ:) ''(یا اللہ!) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت سے) نجات دے دی تو ہم ضرور بالضرور شکر گذار لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔'' ﴿۲۲﴾ لیکن جب اللہ اُن کو نجات دے دیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ ارے لوگو! تمہاری یہ سرکشی درحقیقت خود تمہارے اپنے خلاف پڑ رہی ہے۔ اب تو دُنیوی زندگی کے مزے اُڑا لو، آخر کو ہمارے پاس ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ ﴿۲۳﴾

دُنیوی زندگی کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے زمین سے اُگنے والی وہ چیزیں خوب گھنی ہو گئیں جو اِنسان اور مویشی کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا یہ زیور پہن لیا، اور سنگھار کر کے خوشنما ہو گئی، اور اُس کے مالک سمجھنے لگے کہ بس اب یہ پوری طرح اُن کے قابو میں ہے،

اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

تو کسی رات یا دِن کے وقت ہمارا حکم آگیا (کہ اُس پر کوئی آفت آجائے)، اور ہم نے اُس کو کٹی ہوئی کھیتی کی سپاٹ زمین میں اس طرح تبدیل کر دیا جیسے کل وہ تھی ہی نہیں۔(۱۲) اسی طرح ہم نشانیوں کو اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے۔(۱۳) ﴿۲۵﴾ جن لوگوں نے بہتر کام کئے ہیں، بہترین حالت اُنہی کے لئے ہے، اور اُس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!(۱۴) نیز اُن کے چہروں پر نہ کبھی سیاہی چھائے گی، نہ ذِلت۔ وہ جنت کے باسی ہیں! وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۶﴾

(۱۲) دُنیا کی حالت بھی ایسی ہی ہے کہ اس وقت وہ بڑی خوبصورت اور بنی سجی معلوم ہوتی ہے، لیکن اوّل تو کبھی قیامت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے کسی عذاب کی وجہ سے اُس کی ساری خوبصورتی ملیا میٹ ہوجاتی ہے، دوسرے جب انسان کی موت کا وقت آتا ہے، تب بھی اُس کے لئے یہ دُنیا اندھیری ہوجاتی ہے، اور اگر ایمان اور عمل صالح کی پونجی پاس نہ ہو تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری خوبصورتی درحقیقت ایک عذاب تھی۔ اور جب قیامت آئے گی تب تو یہ ظاہری زیب و زینت بھی پوری دُنیا سے ختم ہوجائے گی۔

(۱۳) سلامتی کے گھر سے مراد جنت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت تو تمام انسانوں کے لئے عام ہے کہ وہ ایمان اور عملِ صالح کے ذریعے جنت حاصل کریں، لیکن اُس تک پہنچنے کا جو سیدھا راستہ ہے اُس تک اللہ تعالیٰ اُسی کو پہنچاتا ہے جسے وہ اپنی حکمت سے چاہتا ہے۔ اور اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اُسی کو پہنچایا جائے جو اپنے اختیار اور ہمت کو کام میں لا کر جنت کی ضروری شرائط پوری کرے۔

(۱۴) وعدے کا یہ انتہائی لطیف پیرایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس "کچھ اور" کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، بلکہ پردے

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ

رہے وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمائی ہیں، تو (ان کی) برائی کا بدلہ اُسی جیسا برا ہوگا۔(۱۵) اور اُن پر ذِلت چھائی ہوئی ہوگی، اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ ایسا لگے گا جیسے اُن کے چہروں پر اندھیری رات کی تہیں چڑھادی گئی ہیں۔ وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۷﴾ اور (یاد رکھو) وہ دن جب ہم ان سب کو اِکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا، اُن سے کہیں گے کہ: ''ذرا اپنی جگہ ٹھہرو، تم بھی اور وہ بھی جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا تھا!''

میں رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں تمام بہترین نعمتوں کے علاوہ کچھ نعمتیں ایسی ہوں گی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو بیان بھی فرمادیں تو اُن کی لذت اور حلاوت کو اِنسان اِس وقت محسوس کر ہی نہیں سکتا۔ بس انسان کے سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اضافی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اُنہی کی شان کے مطابق ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر یہ منقول ہے کہ جب تمام جنتی جنت کی نعمتوں سے سرشار اور اُن میں مگن ہوچکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا، اب ہم اُسے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ جنت کے لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں دوزخ سے بچا کر اور جنت عطا فرما کر سارے وعدے پورے کردیئے ہیں۔ اب کونسا وعدہ رہ گیا؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا کر اپنی زیارت کرائیں گے، اور اُس وقت جنت والوں کو محسوس ہوگا کہ یہ نعمت اُن تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہے جو اُنہیں اب تک عطا ہوئی ہیں (روح المعانی بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ)۔

(۱۵) یعنی نیکیوں پر تو ثواب کئی کئی گنا دیا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی وہ نعمت بھی داخل ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، لیکن برائی کی سزا اُسی برائی کے برابر ملے گی، اُس سے زیادہ نہیں۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ أَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ ط

پھر اُن کے درمیان (عابد اور معبود کا) جو رشتہ تھا، ہم وہ ختم کردیں گے، اور اُن کے وہ شریک کہیں گے کہ: ''تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔[16] ﴿٢٨﴾ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ بننے کے لئے کافی ہے (کہ) ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔'' ﴿٢٩﴾ ہر شخص نے ماضی میں جو کچھ کیا ہوگا، اس موقع پر وہ خود اُس کو پرکھ لے گا،[17] اور سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو اُن کا مالکِ حقیقی ہے، اور جو جھوٹ اُنہوں نے تراش رکھے تھے، اُن کا کوئی سراغ اُنہیں نہیں ملے گا۔ ﴿٣٠﴾ (اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) کہو کہ: ''کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟''

---

(١٦) جن بتوں کو انہوں نے خدا مان رکھا تھا، وہ تو بے جان تھے، اس لئے انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ ان کو زبان عطا فرمائیں گے تو شروع میں تو وہ صاف انکار کردیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ پھر جب بعد میں اُنہیں پتہ چلے گا کہ یہ واقعی ان کی عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ اگر کرتے بھی تھے تو ہمیں اس کا پتہ نہیں تھا۔

(١٧) یعنی ہر عمل کی قلعی کھل جائے گی کہ اُس کی حقیقت کیا تھی؟

فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴

تو یہ لوگ کہیں گے کہ: ''اللہ!''(18) تو تم اِن سے کہو کہ: ''کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ ﴿۳۱﴾ پھر تو لوگو! وہی اللہ ہے جو تمہارا مالک برحق ہے۔ پھر حق واضح ہو جانے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ اس کے باوجود تمہیں کوئی کہاں اُلٹا لئے جارہا ہے؟''(19) ﴿۳۲﴾ اِسی طرح جن لوگوں نے نافرمانی کا شیوہ اپنالیا ہے، اُن کے بارے میں اللہ کی یہ بات سچی ہوگئی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(20) ﴿۳۳﴾ کہو کہ: ''جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرے، پھر (اُن کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کردے؟'' کہو کہ: ''اللہ ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اُن (کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کردے گا۔ پھر آخر کوئی تمہیں کہاں اوندھے منہ لئے جارہا ہے؟'' ﴿۳۴﴾

(۱۸) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ اُس نے بیشتر اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیئے ہیں جو خدائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، اور اب اُن کو راضی رکھنے کے لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس لئے یہ آیت کریمہ اُن پر یہ حقیقت واضح کر رہی ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر کسی اور کی عبادت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

(۱۹) قرآنِ کریم نے مجہول کا جو صیغہ استعمال فرمایا ہے، آیت نمبر ۳۲ اور ۳۴ کے ترجمے میں اُس کا مفہوم ''کوئی'' کا لفظ بڑھا کر ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بظاہر قرآنِ کریم نے مجہول کا صیغہ یہ اشارہ کرنے کے لئے استعمال فرمایا ہے کہ درحقیقت اُن کی نفسانی خواہشات ہیں جو اُنہیں اُلٹی سمت لے جارہی ہیں۔

(۲۰) یعنی ان کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جو بات لکھی ہوئی تھی کہ یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اختیار کو صحیح استعمال نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات سامنے آگئی۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ ۗ

کہو کہ: ''جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو تمہیں حق کا راستہ دِکھائے؟'' کہو کہ: ''اللہ حق کا راستہ دِکھاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ جو حق کا راستہ دِکھاتا ہو، کیا وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کی بات مانی جائے، یا وہ (زیادہ حق دار ہے) جس کو خود اُس وقت تک راستہ نہ سوجھے جب تک کوئی دوسرا اُس کی رہنمائی نہ کرے؟ بھلا تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم کس طرح کی باتیں طے کرلیتے ہو؟'' ﴿۳۵﴾ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اِن (مشرکین) میں سے اکثر لوگ کسی اور چیز کے نہیں، صرف وہمی اندازے کے پیچھے چلتے ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ حق کے معاملے میں وہمی اندازہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔ یقین جانو، جو کچھ یہ لوگ کررہے ہیں، اللہ اُس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اُسے کسی نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو، اللہ نے نہ اُتارا ہو، بلکہ یہ (وحی کی) اُن باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور اللہ نے جو باتیں (لوحِ محفوظ میں) لکھ رکھی ہیں، اُن کی تفصیل بیان کرتا ہے۔[21] اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کی پرورِش کرتی ہے۔ ﴿۳۷﴾

(۲۱) اس فقرے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قرآنِ کریم کا ماخذ کوئی انسانی دِماغ نہیں، بلکہ وہ لوحِ محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے تشریعی اور تکوینی اَحکام ازل سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان اَحکام میں سے جن کی انسانوں کو ضرورت ہے، یہ قرآن اُن کی تفصیل بیان فرماتا ہے۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۸﴾ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۴۰﴾ ع وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ۚ اَنۡـتُمۡ بَرِيۡٓـــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

ع ۴/۱۰ ۹

کیا پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''پیغمبر نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟'' کہو کہ: ''پھر تو تم بھی اس جیسی ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ، اور (اس کام میں مدد لینے کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلالو، اگر سچے ہو۔'' ﴿۳۸﴾ بات دراصل یہ ہے کہ جس چیز کا احاطہ یہ اپنے علم سے نہیں کر سکے، اُسے انہوں نے جھوٹ قرار دے دیا، اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا۔[۲۲] اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۹﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آئیں گے، اور کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور تمہارا پروردگار فساد پھیلانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو (ان سے) کہہ دو کہ: ''میرا عمل میرے لئے ہے، اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کام میں کرتا ہوں، اُس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور جو کام تم کرتے ہو، اُس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔'' ﴿۴۱﴾ اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو تمہاری باتوں کو (بظاہر) کان لگا کر سنتے ہیں (مگر دِل میں حق کی طلب نہیں رکھتے، اس لئے درحقیقت بہرے ہیں) تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے، چاہے وہ سمجھتے نہ ہوں؟ ﴿۴۲﴾

(۲۲) یعنی ان کے جھٹلانے کا انجام جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے، ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا، لیکن پچھلی قوموں کے انجام سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

اوران میں سے کچھ وہ ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں، (مگر دِل میں انصاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ اندھوں جیسے ہیں) تو کیا تم اندھوں کو راستہ دِکھاؤ گے، چاہے اُنہیں کچھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو؟(۲۳) ﴿۴۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، لیکن انسان ہیں جو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اور جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر میں) اِکٹھا کرے گا، تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں یا قبر میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے (اسی لئے) وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔(۲۴) حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا ہے جنہوں نے اللہ سے (آخرت میں) جا ملنے کو جھٹلایا ہے، اور جو راہِ راست پر نہیں آئے۔ ﴿۴۵﴾

---

(۲۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت پر جو غیر معمولی شفقت تھی، اُس کی وجہ سے آپ اکثر اس بات سے غمگین رہتے تھے کہ یہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ آیت آپ کو تسلی دے رہی ہے کہ آپ اُسی شخص کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں جو دِل میں حق کی طلب رکھتا ہو، لیکن جن لوگوں میں اس طلب ہی کا فقدان ہے، ان کی مثال تو بہروں اور اندھوں کی سی ہے کہ آپ کتنا ہی چاہیں، نہ انہیں کوئی بات سنا سکتے ہیں، نہ کوئی راستہ دِکھا سکتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری آپ پر نہیں، خود انہی پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود اپنے اُوپر ظلم کر رہے ہیں کہ دوزخ کا راستہ اپنا رکھا ہے۔

(۲۴) یعنی دُنیوی زندگی اُنہیں اتنی قریب معلوم ہوگی کہ انہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں وہ دشواری پیش نہیں آئے گی جو کسی کو عرصۂ دراز کے بعد دیکھنے کی وجہ سے عموماً پیش آیا کرتی ہے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۴۹﴾

اور (اے پیغمبر!) جن باتوں کی ہم نے ان (کافروں کو) دھمکی دی ہوئی ہے، چاہے اُن میں سے کوئی بات ہم تمہیں (تمہاری زندگی میں) دِکھادیں، یا (اس سے پہلے) تمہاری روح قبض کرلیں، بہرصورت ان کو آخر میں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے،(۲۵) پھر (یہ تو ظاہر ہی ہے کہ) جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اس کا پورا پورا مشاہدہ کررہا ہے۔ (لہٰذا وہاں ان کو سزا دے گا) ﴿۴۶﴾ اور ہر اُمت کے لئے ایک رسول بھیجا گیا ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آجاتا ہے تو اُن کا فیصلہ پورے انصاف سے کیا جاتا ہے، اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ ﴿۴۷﴾ اور یہ (کافر) لوگ (مسلمانوں سے مذاق اُڑانے کے لئے) کہتے ہیں کہ: ''اگر تم سچے ہو تو (اللہ کی طرف سے عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟'' ﴿۴۸﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ''میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں، نہ فائدہ پہنچانے کا، مگر جتنا اللہ چاہے۔ ہر اُمت کا ایک وقت مقرر ہے۔ چنانچہ جب اُن کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ اُس سے نہ ایک گھڑی پیچھے جاسکتے ہیں، نہ آگے آسکتے ہیں۔'' ﴿۴۹﴾

---

(۲۵) یہ اس شبہہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب کی دھمکی تو دی ہوئی ہے، لیکن اب تک اُن کی سرکشی اور مسلمانوں کے ساتھ کٹر دُشمنی کے رویے کے باوجود اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان کو عذاب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں ان کو دُنیا میں سزا مل جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی عذاب نہ آئے، لیکن بہرصورت یہ بات طے ہے کہ جب یہ آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو انہیں ابدی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ع وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

(وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ع ۵ ۱۳ / ۱۰

ان سے کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات کے وقت آئے یا دن کے وقت تو اُس میں کونسی ایسی (اشتیاق کے قابل) چیز ہے جس کے جلد آنے کا یہ مجرم لوگ مطالبہ کررہے ہیں؟ ﴿۵۰﴾ کیا جب وہ عذاب آہی پڑے گا، تب اُسے مانو گے؟ (اُس وقت تو تم سے یہ کہا جائے گا کہ:) ”اب مانے؟ حالانکہ تم ہی (اس کا انکار کرکے) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے!“ ﴿۵۱﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ: ”اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اُس (بدی) کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کماتے رہے ہو“ ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ”کیا یہ (آخرت کا عذاب) واقعی سچ ہے؟“ کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار کی قسم! یہ بالکل سچ ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے۔“ ﴿۵۳﴾ اور جس جس شخص نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر اُس کے پاس روئے زمین کی ساری دولت بھی ہوگی تو وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اُس کی پیشکش کردے گا۔ اور جب وہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنی شرمندگی کو چھپانا چاہیں گے۔ اور اُن کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا، اور اُن پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۵۴﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۵﴾

هُوَ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَـفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَـكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۶۰﴾

ع ۶ / ۷ / ۱۱

وہی زندہ کرتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، اور اُسی کے پاس تم سب کو لوٹا یا جائے گا ﴿۵۶﴾ لوگو! تمہارے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت ہے، اور دِلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔ ﴿۵۷﴾ (اے پیغمبر!) کہو کہ: ''یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے، لہٰذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ اُس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں'' ﴿۵۸﴾ کہو کہ: ''بھلا بتاؤ، اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا، تم نے اپنی طرف سے اُس میں سے کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار دے دیا!''(۲۶) ان سے پوچھو کہ: ''کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہو؟'' ﴿۵۹﴾ اور جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں، روزِ قیامت کے بارے میں اُن کا کیا گمان ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اللہ انسانوں کے ساتھ فضل کا معاملہ کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۶۰﴾

(۲۶) عرب کے مشرکین نے مختلف جانوروں کو بتوں کے ناموں پر کر کے اُنہیں خواہ مخواہ حرام قرار دے دیا تھا، جس کی تفصیل سورۂ انعام (۵:۱۳۸ و ۱۳۹) میں گذری ہے۔ یہ ان کی اس بدعملی کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور (اے پیغمبر!) تم جس حالت میں بھی ہوتے ہو، اور قرآن کا جو حصہ بھی تلاوت کرتے ہو، اور (اے لوگو!) تم جو کام بھی کرتے ہو، تو جس وقت تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے رَبّ سے کوئی ذرّہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمان میں، نہ اس سے چھوٹی، نہ بڑی، مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ (۲۷) ﴿۶۱﴾ یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲۸) ﴿۶۲﴾

---

(۲۷) قیامت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو مشرکینِ عرب اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ اربوں انسان جب مرکر مٹی کے ذرّات میں تبدیل ہو چکے ہوں گے، اُس کے بعد اُن سب کو اِکٹھا کر کے دوبارہ زندگی کیسے دی جاسکتی ہے؟ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ مٹی کا کونسا ذرّہ دراصل کس انسان کے جسم کا حصہ تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کو اپنے اُوپر قیاس مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(۲۸) اللہ کے دوست کی تشریح اگلی آیت میں کر دی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اِیمان اور تقویٰ کی صفات رکھتے ہوں۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اُنہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، اور نہ ماضی کی کسی بات کا کوئی غم ہوگا۔ کہنے کو یہ مختصر سی بات ہے، لیکن دیکھا جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دُنیا میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ دُنیا میں ہر اِنسان کو، خواہ وہ کتنا خوشحال ہو، ہر وقت مستقبل کا کوئی نہ کوئی خوف اور ماضی کا کوئی نہ کوئی رنج پریشان کرتا ہی رہتا ہے۔ یہ نعمت صرف جنت ہی میں حاصل ہوگی کہ انسان ہر طرح کے خوف اور صدمے سے بالکل آزاد ہو جائے گا۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کیے رہے ﴿۶۳﴾ اُن کے لئے خوشخبری ہے دُنیوی زندگی میں بھی، اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۶۴﴾ اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں، وہ تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ یقین رکھو کہ اقتدار تمام تر اللہ کا ہے، اور وہ ہر بات سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۶۵﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے جان دار ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ کوئی اللہ کے (حقیقی) شرکاء کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ کسی اور چیز کی نہیں، محض گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور اُن کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے رہیں۔ ﴿۶۶﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو ایسا بنایا جو تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دے۔ اس میں یقیناً اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہوں۔ ﴿۶۷﴾ (کچھ) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ پاک ہے اُس کی ذات!

هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۖ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ۖ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔(۲۹) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی ذرا بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ ﴿۶۸﴾ کہہ دو کہ: ''جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔'' ﴿۶۹﴾ (ان کے لئے) بس دُنیا میں تھوڑا سا مزہ ہے۔ پھر ہمارے پاس ہی اُنہیں لوٹ کر آنا ہے۔ پھر کفر کا جو رویہ انہوں نے اپنا رکھا تھا، اُس کے بدلے ہم اُنہیں شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۷۰﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے نوح کا واقعہ پڑھ کر سناؤ، جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''میری قوم کے لوگو! اگر تمہارے درمیان میرا رہنا، اور اللہ کی آیات کے ذریعے خبردار کرنا تمہیں بھاری معلوم ہو رہا ہے تو میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اب تم اپنے شریکوں کو ساتھ ملا کر (میرے خلاف) اپنی تدبیروں کو خوب پختہ کر لو، پھر جو تدبیر تم کرو وہ تمہارے دِل میں کسی گھٹن کا باعث نہ بنے، بلکہ میرے خلاف جو فیصلہ تم نے کیا ہو، اُسے (دِل کھول کر) کر گذرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ ﴿۷۱﴾

(۲۹) یعنی اولاد کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ یا تو وہ زندگی کے کاموں میں باپ کی مدد کرے، یا کم از کم اُسے نفسیاتی طور پر صاحبِ اولاد ہونے کی خواہش ہو، اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہے، اس لئے اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر بھی اگر تم نے منہ موڑے رکھا تو میں نے تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت تو نہیں مانگی۔[۳۰] میرا اجر کسی اور نے نہیں، اللہ نے ذمے لیا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار لوگوں میں شامل رہوں۔" ﴿۷۲﴾ پھر ہوا یہ کہ اُن لوگوں نے نوح کو جھٹلایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے نوح کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں تھے اُنہیں بچالیا، اور اُن کو کافروں کی جگہ زمین میں بسایا، اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، انہیں (طوفان میں) غرق کردیا۔ اب دیکھو کہ جن لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا، اُن کا انجام کیسا ہوا؟[۳۱] ﴿۷۳﴾ اس کے بعد ہم نے مختلف پیغمبر اُن کی اپنی اپنی قوموں کے پاس بھیجے، وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، لیکن اُن لوگوں نے جس بات کو پہلی بار جھٹلا دیا تھا اُسے مان کر ہی نہ دیا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، اُن کے دِلوں پر ہم اسی طرح مہر لگادیتے ہیں۔ ﴿۷۴﴾

---

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے اپنی تبلیغ پر کوئی اُجرت وصول کرنی ہوتی تو تمہارے جھٹلانے سے میرا نقصان ہوسکتا تھا کہ میری اُجرت ماری جاتی، لیکن مجھے تو کوئی اُجرت وصول کرنی ہی نہیں ہے، اس لئے تمہارے جھٹلانے سے میرا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے۔

(۳۱) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کی مزید تفصیل اگلی سورت یعنی سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۹) میں آنے والی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا، تو انہوں نے تکبر کا معاملہ کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے۔ ﴿۷۵﴾ چنانچہ جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق کا پیغام آیا تو وہ کہنے لگے کہ ضرور یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۷۶﴾ موسیٰ نے کہا: ''کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے۔'' ﴿۷۷﴾ کہنے لگے: ''کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس طور طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اُس سے ہمیں برگشتہ کردو، اور اِس سرزمین میں تم دونوں کی چودھراہٹ قائم ہوجائے؟ ہم تو تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔'' ﴿۷۸﴾ اور فرعون نے (اپنے ملازموں سے) کہا کہ: ''جتنے ماہر جادوگر ہیں، اُن سب کو میرے پاس لے کر آؤ۔'' ﴿۷۹﴾ چنانچہ جب جادوگر آگئے، تو موسیٰ نے اُن سے کہا: ''پھینکو جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے۔''(۳۲) ﴿۸۰﴾

(۳۲) جادو کی یوں تو بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دِکھایا تھا، اُس میں انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی تھی، اور وہ سانپ بن گئی تھی، اس لئے مقابلے پر جو جادوگر بلائے گئے اُن کے بارے میں ظاہر یہی تھا کہ وہ اسی قسم کا کوئی جادو دِکھائیں گے کہ کوئی چیز پھینک کر سانپ بنادیں، تاکہ یہ باور کرایا جاسکے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی اسی قسم کا کوئی جادو ہے۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ ۙ

۸ ۱۲ ۱۳

پھر جب اُنہوں نے (اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو) پھینکا (اور وہ سانپ بن کر چلتی ہوئی نظر آئیں) تو موسیٰ نے کہا کہ: ''یہ جو کچھ تم نے دِکھایا ہے، جادو ہے۔ اللہ ابھی اس کو ملیامیٹ کئے دیتا ہے۔ اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا ﴿۸۱﴾ اور اللہ سچ کو اپنے حکم سے سچ کر دِکھاتا ہے، چاہے مجرم لوگ کتنا برا سمجھیں۔'' ﴿۸۲﴾ پھر ہوا یہ کہ موسیٰ پر کوئی اور نہیں، لیکن خود اُن کی قوم کے کچھ نوجوان فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں فرعون اُنہیں نہ ستائے۔(۳۳) اور یقیناً فرعون زمین میں بڑا زور آور تھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر قائم نہیں رہتے۔ ﴿۸۳﴾ اور موسیٰ نے کہا: ''اے میری قوم! اگر تم واقعی اللہ پر اِیمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو'' ﴿۸۴﴾ اس پر انہوں نے کہا کہ ''اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کرلیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈالئے۔ ﴿۸۵﴾

(۳۳) شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنو اسرائیل کے کچھ نوجوان ایمان لائے تھے، اور وہ بھی فرعون اور اُس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے، اور فرعون کے سرداروں کو ان نوجوانوں کا سردار اس لئے کہا گیا ہے کہ عملاً وہ ان کے حاکم تھے۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾

اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے دیجئے۔'' ﴿۸۶﴾ اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی پر وحی بھیجی کہ: ''تم دونوں اپنی قوم کو مصر ہی کے گھروں میں بساؤ، اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنالو، اور (اس طرح) نماز قائم کرو، اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔'' (۳۴) ﴿۸۷﴾ اور موسیٰ نے کہا: ''اے ہمارے پروردگار! آپ نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دُنیوی زندگی میں بڑی سج دھج اور مال و دولت بخشی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے بھٹکا رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اُن کے مال و دولت کو تہس نہس کر دیجئے، اور اُن کے دِلوں کو اتنا سخت کر دیجئے کہ وہ اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔'' (۳۵) ﴿۸۸﴾

---

(۳۴) اس آیت میں ایک تو بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ابھی وہ مصر سے ہجرت نہ کریں، بلکہ اپنے گھروں میں ہی رہیں۔ دوسری طرف بنو اسرائیل کو اصل حکم یہ تھا کہ وہ نمازیں مسجد میں ادا کیا کریں۔ گھروں میں نماز پڑھنا اُن کے لئے عام حالات میں جائز نہیں تھا، لیکن چونکہ اُس وقت فرعون کی طرف سے پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے اس خاص مجبوری کی حالت میں اس حکم کے ذریعے اُنہیں گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ہوئے مدت گذر چکی تھی جس کے بعد نہ صرف وہ مایوس ہو چکے تھے، بلکہ فرعون نے جو مظالم ڈھائے تھے، وہ اتنے انسانیت سوز تھے کہ کوئی انصاف پسند انسان اُس کو سزا کے بغیر چھوڑ دینا پسند نہیں کر سکتا تھا۔ نیز شاید اُن کو وحی سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، اس لئے انہوں نے آخر میں یہ بددُعا فرمائی۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰىٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ اٰمَنَتْ بِهِ بَنُوٓا إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُونَ ﴿٩٢﴾ ع

ع ٩ ١٠ ١٤

اللہ نے فرمایا: ”تمہاری دُعا قبول کرلی گئی ہے۔ اب تم دونوں ثابت قدم رہو، اور اُن لوگوں کے پیچھے ہرگز نہ چلنا جو حقیقت سے ناواقف ہیں۔“ ﴿۸۹﴾ اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کرادیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آپہنچا تو کہنے لگا: ”میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں“ ﴿۹۰﴾ (جواب دیا گیا کہ:) ”اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا، اور مسلسل فساد ہی مچاتا رہا ﴿۹۱﴾ لہٰذا آج ہم تیرے (صرف) جسم کو بچائیں گے، تاکہ تو اپنے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ (۳۶) (کیونکہ) بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل بنے ہوئے ہیں“ ﴿۹۲﴾

(۳۶) قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سر پر آکر آنکھوں سے نظر آنے لگے، یا جب کسی پر نزع کی حالت طاری ہوجائے، تو توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، اور اُس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ اس لئے اب فرعون کے عذاب سے نجات پانے کی تو کوئی صورت نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو محفوظ رکھا۔ وہ لاش سمندر کی تہہ میں جانے کے بجائے پانی کی سطح پر تیرتی رہی، تاکہ سب دیکھنے والے اُسے دیکھ سکیں۔ اتنی بات

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

اور ہم نے بنو اسرائیل کو ایسی جگہ بسایا جو صحیح معنی میں بسنے کے لائق جگہ تھی، اور اُن کو پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا۔ پھر انہوں نے (دینِ حق کے بارے میں) اُس وقت تک اختلاف نہیں کیا جب تک اُن کے پاس علم نہیں آگیا۔(۳۷) یقین رکھو کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے، اُن کا فیصلہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن کرے گا۔ ﴿۹۳﴾ پھر (اے پیغمبر!) اگر (بفرضِ محال) تمہیں اُس کلام میں ذرا بھی شک ہو جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو اُن لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ یقین رکھو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہی آیا ہے، لہٰذا تم کبھی بھی شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا۔(۳۸) ﴿۹۴﴾

تو اس آیت سے واضح ہے۔ اب آخری زمانے کے مؤرخین نے یہ تحقیق کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا، اُس کا نام منفتاح تھا، اور اُس کی لاش صحیح سلامت دریافت ہوگئی ہے۔ اب تک یہ لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ تحقیق درست ہے تو یہ آیتِ کریمہ قرآنِ کریم کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب لوگوں کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ فرعون کی لاش اب بھی محفوظ ہے۔ سائنسی طور پر اس کا انکشاف بہت بعد میں ہوا۔

(۳۷) یعنی بنی اسرائیل کا عقیدہ ایک مدت تک دینِ حق کے مطابق ہی رہا۔ تورات اور انجیل میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو خبر دی گئی تھی، اُس کے مطابق وہ یہ بھی مانتے تھے کہ آخر میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔ لیکن جب آسمانی کتابوں میں مذکور نشانیوں کے ذریعے یہ علم آگیا کہ وہ نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اُس وقت انہوں نے دینِ حق سے اختلاف شروع کر دیا۔

(۳۸) اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ کو

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾

نیز کبھی ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، ورنہ تم اُن لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے جنہوں نے گھاٹے کا سودا کرلیا ہے۔﴿۹۵﴾ بیشک جن لوگوں کے بارے میں تمہارے ربّ کی بات طے ہوچکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے،﴿۹۶﴾ چاہے ہر قسم کی نشانی اُن کے سامنے آجائے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔﴿۹۷﴾ بھلا کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایسے وقت ایمان لے آتی کہ اُس کا ایمان اُسے فائدہ پہنچا سکتا؟ البتہ صرف یونس کی قوم کے لوگ ایسے تھے۔(۳۹) جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیوی زندگی میں رُسوائی کا عذاب اُن سے اُٹھالیا، اور اُن کو ایک مدت تک زندگی کا لطف اُٹھانے دیا۔﴿۹۸﴾

قرآنِ کریم کی سچائی میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے درحقیقت سنانا دوسروں کو مقصود ہے کہ جب آپ کو یہ انتباہ کیا جارہا ہے تو دوسروں کو تو اور زیادہ محتاط ہونا چاہئے۔

(۳۹) پچھلی آیتوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی تھی کہ کسی انسان کے لئے ایمان لانا اسی وقت کارآمد ہوتا ہے جب وہ موت سے پہلے اور عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ جب عذاب آجاتا ہے تو اُس وقت ایمان لانا کارآمد نہیں ہوتا۔ اس اُصول کے مطابق اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آیا، اُن سب کا حال یہ تھا کہ وہ عذاب کو دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائے، اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ البتہ ایک یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے ذرا پہلے ایمان لے آئی تھی، اس لئے اُس کا

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو رُوئے زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے۔(۴۰) تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کروگے تاکہ وہ سب مؤمن بن جائیں؟ ﴿۹۹﴾ اور کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر مؤمن بن جائے، اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی مسلط کردیتا ہے۔(۴۱) ﴿۱۰۰﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”ذرا نظر دوڑاؤ کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟“(۴۲) لیکن جن لوگوں کو ایمان لانا ہی نہیں ہے، اُن کے لئے (زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی) نشانیاں اور آگاہ کرنے والے (پیغمبر) کچھ بھی کارآمد نہیں ہوتے۔ ﴿۱۰۱﴾

ایمان منظور کرلیا گیا، اور اُس کی وجہ سے اُس پر آنے والا عذاب ہٹالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب وہ اپنی قوم کو عذاب کی پیشگوئی کر کے بستی سے چلے گئے تو اُن کی قوم کو ایسی علامتیں نظر آئیں جن سے انہیں حضرت یونس علیہ السلام کے انتباہ کے سچے ہونے کا یقین ہوگیا، چنانچہ وہ عذاب کے آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کی پوری تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ صافات (۱۳۹:۳۷) میں آئے گی۔ اِن کے واقعے کا مختصر ذکر سورۂ انبیاء (۸۷:۲۱) اور سورۂ قلم (۴۸:۶۸) میں بھی آیا ہے۔

(۴۰) یعنی اللہ تعالیٰ زبردستی سب کو مؤمن بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ دُنیا کے دارالامتحان میں ہر شخص سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی اور اختیار سے ایمان لائے، اس لئے کسی کو زبردستی مسلمان کرنا نہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے، نہ کسی اور کے لئے جائز ہے۔

(۴۱) اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کائنات میں کچھ نہیں ہوسکتا، لہٰذا اُس کے بغیر کسی کا ایمان لانا بھی ممکن نہیں، لیکن جو شخص اپنی سمجھ اور اختیار کو صحیح استعمال کر کے ایمان لانا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے، اور جو شخص عقل اور اختیار سے کام نہ لے، اُس پر کفر کی گندگی مسلط ہوجاتی ہے۔

(۴۲) اس کائنات کی ہر چیز کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا شاہکار

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾

ع ١٠/١١ ١٥

بھلا بتاؤ کہ یہ لوگ (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس طرح کے دن یہ بھی دیکھیں جیسے ان سے پہلے کے لوگوں نے دیکھے تھے؟ کہہ دو کہ: ''اچھا! تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں''۔ ﴿١٠٢﴾ پھر (جب عذاب آتا ہے تو) ہم اپنے پیغمبروں کو اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، ان کو نجات دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے یہ بات اپنے ذمے لے رکھی ہے کہ ہم تمام (دوسرے) مؤمنوں کو بھی نجات دیں۔ ﴿١٠٣﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ''اے لوگو! اگر تم میرے دِین کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو تو (سن لو کہ) تم اللہ کے سوا جن جن کی عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمنوں میں شامل رہوں۔ ﴿١٠٤﴾ اور (مجھ سے) یہ (کہا گیا ہے) کہ: ''اپنا رُخ یکسوئی کے ساتھ اس دِین کی طرف قائم رکھنا، اور ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مانتے ہیں۔ ﴿١٠٥﴾

ہے، اُس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محیر العقول کارخانہ خود بخود وجود میں نہیں آگیا، اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، بلکہ اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جو ذات اتنی عظیم کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے، اُسے اپنی خدائی کے لئے کسی شریک یا مددگار کی حاجت نہیں ہے، لہٰذا وہ ہے، اور ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔

اس آئنہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئنہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسے (من گھڑت معبود) کو نہ پکارنا جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، نہ کوئی نقصان۔ پھر بھی اگر تم (بفرضِ محال) ایسا کر بیٹھے تو تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔'' ﴿١٠٦﴾ اور اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچادے تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے دُور کردے، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کوئی نہیں ہے جو اُس کے فضل کا رُخ پھیر دے۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿١٠٧﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے۔ اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا، وہ خود اپنے فائدے کے لئے اپنائے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اُس کی گمراہی کا نقصان خود اُسی کو پہنچے گا، اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔''(٤٣) ﴿١٠٨﴾ اور جو وحی تمہارے پاس بھیجی جارہی ہے، تم اُس کی اتباع کرو، اور صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کوئی فیصلہ کردے،(٤٤) اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿١٠٩﴾

---

(٤٣) یعنی میرا کام دعوت اور تبلیغ ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، اور تمہارے کفر اور بداعمالیوں کی مجھ سے پوچھ نہیں ہوگی۔

(۴۴) مکی زندگی میں حکم یہ تھا کہ کفار کی طرف سے پہنچنے والی ہر تکلیف پر صبر کیا جائے، ہاتھوں سے انتقام لینے کی اجازت نہیں تھی۔ اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ وہی ان کے بارے میں مناسب فیصلہ کرے گا، چاہے اس طرح کہ دُنیا میں ان کو عذاب دے یا آخرت میں، اور چاہے اس طرح کہ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے جس کے ذریعے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لیا جاسکے۔

الحمد للہ، سورۂ یونس کا ترجمہ اور حواشی آج جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ کی پہلی رات مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۶ء کو دبی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ هُود

تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے، اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورۂ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اِختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اُسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کرچکی ہے، اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہوجائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اُس کا یہ رشتہ اُسے عذابِ الٰہی سے نہیں بچاسکتا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچاسکا۔ اس سورت میں عذابِ الٰہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دِین پر اِستقامت کا حکم اتنی تاکید سے فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے۔ ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ کو اپنی اُمت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہوجائے۔

آیاتھا ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَةُ ھُوْدٍ مَکِّیَّةٌ ۵۲ رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو تیئس آیتیں اور دس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔[1] یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے،[2] پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۱﴾ (یہ کتاب پیغمبر کو حکم دیتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہیں) کہ: ''اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اُس کی طرف سے تمہیں آگاہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔'' ﴿۲﴾ اور یہ (ہدایت دیتا) کہ: ''اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو،[3] وہ تمہیں ایک مقرر وقت تک (زندگی سے) اچھا لطف اُٹھانے کا موقع دے گا، اور ہر اُس شخص کو جس نے زیادہ عمل کیا ہوگا، اپنی طرف سے زیادہ اجر دے گا۔

(۱) جیسا کہ پچھلی سورت میں عرض کیا گیا، ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں، اور ان کے صحیح معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

(۲) مضبوط کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مکمل ہیں اور ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔

(۳) یہاں رُجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف معافی مانگ لینا کافی نہیں، آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے اَحکام پر عمل کرنے کا عزم بھی ضروری ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ۝۳ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا ؕ کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۶

اور اگر تم نے منہ موڑا تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ﴿۳﴾ اللہ ہی کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور وہ ہر چیز کی پوری قدرت رکھتا ہے"۔ ﴿۴﴾ دیکھو، یہ (کافر) لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اُوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔[۴] یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا (بھی) پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۵﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔ وہ اُس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے، اور عارضی ٹھکانے کو بھی۔ ہر بات ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ﴿۶﴾

---

(۴) بہت سے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو دُہرا کرکے اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔ اسی طرح بعض احمق کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے دُہرے ہو جاتے، اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ لیتے، اور اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔ یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع

اور وہی ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا - جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا -[5] تا کہ تمہیں آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے تم میں کون زیادہ اچھا ہے۔[6] اور اگر تم (لوگوں سے) یہ کہو کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔[7] ﴿۷﴾ اور اگر ہم ان لوگوں سے کچھ عرصے کے لئے عذاب کو مؤخر کردیں تو وہ یہی کہتے رہیں گے کہ: "آخر کس چیز نے اس (عذاب) کو روک رکھا ہے؟"[8] ارے جس دن وہ عذاب آگیا، تو وہ ان سے ٹلائے نہیں ٹلے گا، اور جس چیز کا یہ مذاق اُڑا رہے ہیں، وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ ﴿۸﴾

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔ اور مفسرین نے فرمایا ہے کہ آسمانوں سے مراد عالمِ بالا کی تمام چیزیں ہیں، اور زمین سے مراد نیچے کی تمام چیزیں ہیں، اور سورۂ حٰمٓ السجدۃ (آیت: ۱۰ و ۱۱) میں اس تخلیق کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

(۶) اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا اصل مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ اور آزمائش یہ ہے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے، یہ نہیں کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی اعمال کی گنتی سے زیادہ انسان کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کا عمل اخلاص اور خضوع و خشوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو۔

(۷) یعنی یہ قرآن جو آخرت کی زندگی کی خبر دے رہا ہے، یہ (معاذ اللہ) جادو ہے۔

(۸) یہ بات کہہ کر وہ دراصل آخرت اور عذابِ الٰہی کا مذاق اُڑاتے تھے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌ ۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ ؕ

اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھادیتے ہیں، پھر وہ اُس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے ﴿۹﴾ اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اُسے نعمتوں کا مزہ چکھادیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری برائیاں مجھ سے دُور ہوگئیں۔ (اس وقت) وہ اِترا کر شیخیاں بگھارنے لگتا ہے۔ ﴿۱۰﴾ ہاں! مگر جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اور نیک عمل کرتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔ ان کو مغفرت اور بڑا اجر نصیب ہوگا۔ ﴿۱۱﴾ پھر (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی جارہی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُس کا کوئی حصہ چھوڑ بیٹھو؟ اور اس سے تمہارا دِل تنگ ہوجائے؟ (۹) کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا، یا کوئی فرشتہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟" تم تو ایک آگاہ کرنے والے ہو! اور اللہ ہے جو ہر چیز کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ ﴿۱۲﴾

---

(۹) مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کے لئے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جو وحی آپ پر نازل کی جارہی ہے، اُس کا کوئی حصہ آپ ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے چھوڑ بیٹھیں۔ لہٰذا ان کی ایسی باتوں سے آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام تو یہ ہے کہ انہیں حقیقت سے

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِیۡهَا وَهُمۡ فِیۡهَا لَا یُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾

بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وحی اس (پیغمبر) نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے؟ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ''پھر تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنا لاؤ،(۱۰) اور (اس کام میں مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔'' ﴿۱۳﴾ اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو!) یقین کر لو کہ یہ وحی صرف اللہ کے علم سے اُتری ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تو کیا اب تم فرماں بردار بنو گے؟ ﴿۱۴﴾ جو لوگ (صرف) دُنیوی زندگی اور اُس کی سج دھج چاہتے ہیں، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دُنیا میں بھگتا دیں گے، اور یہاں اُن کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔(۱۱) ﴿۱۵﴾

آگاہ فرما دیں۔ اس کے بعد یہ لوگ مانیں، یا نہ مانیں، یہ آپ کی نہیں، خود ان کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ لوگ جو فرمائشیں کر رہے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ نازل ہو، تو بھلا نبوت کا خزانے سے کیا تعلق ہے؟ تمام تر اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت فیصلہ فرماتا ہے کہ کونسی فرمائش پوری کرنی چاہئے اور کونسی نہیں۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ بعض مفسرین کے اس قول پر مبنی ہے: "قیل: إن لعلّ هنا لیست للترجی بل للتبعید .... وقیل: إنها للإستفهام الإنكاري۔" (روح المعانی ج:۱۲ ص:۳۰۷و۲۰۶)

(۱۰) شروع میں ان کو دس سورتیں قرآن جیسی بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔ بعد میں اس چیلنج کو مزید آسان کر دیا گیا، اور سورۂ بقرہ (۲:۲۳) اور سورۂ یونس (۱۰:۳۸) میں صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا۔ مگر مشرکینِ عرب جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

(۱۱) کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دُنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، اُن کی نیکیوں، مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ کا صلہ دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام صرف دُنیوی شہرت یا دولت

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَٰطِلٞ مَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ١٦ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٖ مِّن رَّبِّهِۦ وَيَتۡلُوهُ شَاهِدٞ مِّنۡهُ وَمِن قَبۡلِهِۦ كِتَٰبُ مُوسَىٰٓ إِمَامٗا وَرَحۡمَةًۚ أُوْلَٰٓئِكَ يُؤۡمِنُونَ بِهِۦۚ وَمَن يَكۡفُرۡ بِهِۦ مِنَ ٱلۡأَحۡزَابِ فَٱلنَّارُ مَوۡعِدُهُۥۚ فَلَا تَكُ فِي مِرۡيَةٖ مِّنۡهُۚ إِنَّهُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يُؤۡمِنُونَ ١٧

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگذاری انہوں نے کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہوجائے گی، اور جو عمل وہ کررہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کالعدم ہیں۔ ﴿۱۶﴾ بھلا بتاؤ کہ وہ شخص (ان کے برابر کیسے ہوسکتا ہے) جو اپنے ربّ کی طرف سے آئی ہوئی روشن ہدایت (یعنی قرآن) پر قائم ہو، جس کے پیچھے اُس کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود اُسی میں آیا ہے،[۱۲] اور اُس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (اُس کی حقانیت کا ثبوت ہے) جو لوگوں کے لئے قابلِ اتباع اور باعثِ رحمت تھی۔ ایسے لوگ اس (قرآن پر) ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان گروہوں میں سے جو شخص اس کا انکار کرے، تو دوزخ ہی اس کی طے شدہ جگہ ہے۔ لہٰذا اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یقین رکھو کہ یہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لارہے۔ ﴿۱۷﴾

وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کرے تو اُسے دُنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے، لیکن اُس نیکی کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ بلکہ واجب عبادتوں میں اِخلاص کے فقدان کی وجہ سے اُلٹا گناہ ہوتا ہے۔ آخرت میں وہی نیکی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔

(۱۲) یعنی قرآنِ کریم کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود قرآنِ کریم کا اعجاز ہے جس کا مظاہرہ پیچھے آیت نمبر ۱۳ میں ہوچکا ہے کہ ساری دُنیا کو اُس جیسا کلام بنالانے کا چیلنج دیا گیا، مگر کوئی آگے نہ بڑھا۔ اور دوسرا ثبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر اور آپ کی علامتیں واضح طور پر بتائی گئی تھیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾

وقف لازم

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ایسے لوگوں کی اُن کے رَبّ کے پاس پیشی ہوگی، اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ: "یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔"(۱۳) سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر ﴿۱۸﴾ جو اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے تھے، اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے،(۱۴) اور آخرت کے تو وہ بالکل ہی منکر تھے۔ ﴿۱۹﴾ ایسے لوگ رُوئے زمین پر کہیں بھی اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اور اللہ کے سوا اُنہیں کوئی یارومددگار میسر نہیں آسکتے۔ اُن کو دُگنا عذاب دیا جائے گا۔(۱۵) یہ (حق بات کو نفرت کی وجہ سے) نہ سن سکتے تھے، اور نہ اُن کو (حق) سجھائی دیتا تھا ﴿۲۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کرلیا تھا، اور جو معبود انہوں نے گھڑ رکھے تھے، انہیں اُن کا کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ﴿۲۱﴾

(۱۳) گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو اِنسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔

(۱۴) یعنی دِینِ حق کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات نکال کر اُس کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۵) ایک عذاب خود اُن کے کفر کا، اور دوسرا اس بات کا کہ وہ دوسروں کو حق کے راستے سے روکتے تھے۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِیْرِ وَ السَّمِیْعِ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ ۫ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ

لامحالہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ اپنے پروردگار کے آگے جھک کر مطمئن ہوگئے ہیں، تو وہ جنت کے بسنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔﴿۲۳﴾ ان دو گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو، اور دوسرا دیکھتا بھی ہو، سنتا بھی ہو۔ کیا یہ دونوں اپنے حالات میں برابر ہوسکتے ہیں؟ کیا پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟﴿۲۴﴾

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ: ''میں تمہیں اس بات سے صاف صاف آگاہ کرنے والا پیغمبر ہوں ﴿۲۵﴾ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یقین جانو مجھے تم پر ایک دُکھ دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔''﴿۲۶﴾ اس پر اُن کی قوم کے وہ سردار لوگ جنہوں نے کفر اختیار کرلیا تھا، کہنے لگے کہ: ''ہمیں تو اس سے زیادہ (تم میں) کوئی بات نظر نہیں آرہی کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ تمہارے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں، اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کرکے۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ

اور ہمیں تم میں کوئی ایسی بات بھی دِکھائی نہیں دیتی جس کی وجہ سے ہم پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو'' ﴿۲۷﴾ نوح نے کہا: ''اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی وہ تمہیں سجھائی نہیں دے رہی، تو کیا ہم اُس کو تم پر زبردستی مسلط کر دیں جبکہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو؟ ﴿۲۸﴾ اور اے میری قوم! میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اَجر اللہ کے سوا کسی اور نے ذمے نہیں لیا۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، میں ان کو دُھتکارنے والا نہیں ہوں۔ ان سب کو اپنے رَبّ سے جا ملنا ہے۔ لیکن میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کر رہے ہو۔ ﴿۲۹﴾ اور اے میری قوم! اگر میں ان لوگوں کو دُھتکار دوں تو کون مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچائے گا؟ کیا تم پھر بھی دِھیان نہیں دو گے؟ ﴿۳۰﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے قبضے میں اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کی ساری باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ (۱۶)

(۱۶) یہ اس جاہلانہ خیال کی تردید ہے کہ اللہ کے کسی پیغمبر یا مقرب بندے کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہونے

وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ

اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں، اُن کے بارے میں بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کبھی کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا۔ ان کے دِلوں میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر میں ان کے بارے میں ایسی باتیں کہوں تو میرا شمار یقیناً ظالموں میں ہوگا'' ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا کہ: ''اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے، اور بہت بحث کر چکے۔ اب اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو۔'' ﴿۳۲﴾ نوح نے کہا کہ: ''اُسے تو اللہ ہی تمہارے پاس لے کر آئے گا، اگر چاہے گا، اور تم اُسے بے بس نہیں کر سکتے۔ ﴿۳۳﴾ اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں تو میری خیر خواہی اُس صورت میں تمہارے کوئی کام نہیں آسکتی جب اللہ ہی نے (تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے) تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہو۔

چاہئیں، اور اسے غیب کی ساری باتوں کا علم ہونا چاہئے، یا اُسے انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے واضح فرمادیا کہ کسی نبی یا اللہ کے کسی ولی کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ دُنیا کے خزانے لوگوں میں تقسیم کرے، یا غیب کی ہر بات بتائے۔ اُس کا مقصد تو لوگوں کے عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہوتا ہے۔ اُس کی ساری تعلیمات اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں، لہٰذا اُس سے اس قسم کی توقعات رکھنا نری جہالت ہے۔ اس طرح اس آیت میں اُن لوگوں کی ہدایت کا بڑا سامان ہے جو بزرگوں کے پاس اپنے دُنیوی مقاصد کے لئے جاتے ہیں، اور انہیں دُنیوی اور تکوینی اُمور میں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں مستقبل کی ہر بات بتا دیا کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کا اتنا برگزیدہ پیغمبر ان باتوں کو اپنے اختیار سے باہر قرار دے رہا ہے تو کون ہے جو ان اختیارات کا دعویٰ کر سکے؟

هُوَ رَبُّكُمْ ۗ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

ع ۳ / ۱۱

وہی تمہارا پروردگار ہے، اور اُسی کے پاس تمہیں واپس لے جایا جائے گا۔" ﴿۳۴﴾ بھلا کیا (عرب کے یہ کافر) لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "اگر میں نے اسے گھڑا ہوگا تو میرے جرم کا وبال مجھی پر ہوگا، اور جو جرم تم کر رہے ہو، میں اُس کا ذمہ دار نہیں ہوں" (۱۷)۔ ﴿۳۵﴾ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ: "تمہاری قوم میں سے جو لوگ اب تک ایمان لاچکے ہیں، اُن کے سوا اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔ لہٰذا جو حرکتیں یہ لوگ کرتے رہے ہیں، تم اُن پر صدمہ نہ کرو۔ ﴿۳۶﴾ اور ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کی مدد سے کشتی بناؤ (۱۸)، اور جو لوگ ظالم بن چکے ہیں، اُن کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ یہ اب غرق ہو کر رہیں گے۔" ﴿۳۷﴾

اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے بارے میں کافروں نے جو کہا تھا کہ یہ حقیر لوگ ہیں، اور دِل سے ایمان نہیں لائے، اُس کا آگے یہ جواب دیا ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دِل سے ایمان نہیں لائے، اور اللہ تعالیٰ انہیں کوئی بھلائی یعنی ثواب نہیں دے گا۔

(۱۷) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کے درمیان یہ آیت جملۂ معترضہ کے طور پر آئی ہے۔ توجہ اس طرف دِلائی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ جس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں، اُسے معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ وحی کے سوا نہیں ہے، اور جس انداز و اُسلوب میں وہ بیان ہو رہا ہے، وہ من گھڑت نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کے باوجود کفارِ عرب کا انکار کرنا محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

(۱۸) حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار سال عمر پائی، اور صدیوں تک اپنی قوم کو نہایت دردمندی سے

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۹ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

چنانچہ وہ کشتی بنانے لگے۔ اور جب بھی اُن کی قوم کے کچھ سردار اُن کے پاس سے گذرتے تو اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔[19] نوح نے کہا کہ: "اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو جیسے تم ہنس رہے ہو، اُسی طرح ہم بھی تم پر ہنستے ہیں۔[20] ﴿۳۸﴾ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آرہا ہے جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ قہر نازل ہونے والا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکے گا۔" ﴿۳۹﴾ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا، اور تنور اُبل پڑا،[21]

تبلیغ فرماتے رہے، اور اس کے بدلے سخت اذیتیں برداشت کیں۔ مگر بہت تھوڑے لوگوں کے سوا باقی سب لوگ اپنے کفر اور بداعمالیوں پر قائم رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بتادیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور اب ان پر طوفان کا عذاب آئے گا، اس لئے آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تاکہ آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اُس میں سوار ہو کر طوفان کی تباہی سے بچ سکیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ کشتی سازی کی صنعت سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے وحی کے ذریعے شروع فرمائی تھی، اور پہلی بار تین منزلہ جہاز تیار کیا تھا۔

(۱۹) وہ مذاق اس بات کا اُڑاتے تھے کہ اب انہوں نے دوسرے کام چھوڑ کر کشتی بنانی شروع کردی ہے، حالانکہ پانی کا کہیں دُور دُور پتہ نہیں ہے۔

(۲۰) یعنی ہمیں اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ عذاب تمہارے سر پر آچکا ہے، اور تمہیں دِل لگی سوجھی ہے۔

(۲۱) عربی زبان میں "تنور" سطحِ زمین کو بھی کہتے ہیں، اور روٹی پکانے کے چولھے کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا، اور پھر کسی طرح نہ رُکا، اور بعض مفسرین نے تنور کو سطحِ زمین کے معنی میں لیا ہے، اور مطلب یہ بتایا ہے کہ زمین کی سطح سے پانی اُبلنا شروع ہو گیا، اور پھر ساری زمین میں پھیل گیا، اور اُوپر سے تیز بارش شروع ہو گئی۔

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٤٠﴾ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤١﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٢﴾

قرء حفص بفتح المیم واماله الراء ۱۲

تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ: "اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے سوار کرلو،(۲۲) اور تمہارے گھر والوں میں سے جن کے بارے میں پہلے کہا جاچکا ہے (کہ وہ کفر کی وجہ سے غرق ہوں گے) اُن کو چھوڑ کر باقی گھر والوں کو بھی، اور جتنے لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو بھی (ساتھ لے لو)۔" اور تھوڑے ہی سے لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے! ﴿۴۰﴾ اور نوح نے (ان سب سے) کہا کہ: "اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے، اور لنگر ڈالنا بھی۔ یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۴۱﴾ اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جاتی تھی۔ اور نوح نے اپنے اُس بیٹے کو جو سب سے الگ تھا، آواز دی کہ: "بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔"(۲۳) ﴿۴۲﴾

(۲۲) چونکہ طوفان میں وہ جانور بھی ہلاک ہونے والے تھے جن کی انسانوں کو ضرورت پڑتی ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ کشتی میں ضرورت کے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا سوار کرلو، تاکہ ان کی نسل باقی رہے، اور طوفان کے بعد اُن سے کام لیا جاسکے۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کے اور بیٹے تو کشتی میں سوار ہوگئے تھے، مگر ایک بیٹا جس کا نام کنعان بتایا جاتا ہے، کافر تھا، اور کافروں ہی کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو یا تو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کافر ہے، اور وہ محض یہ سمجھتے تھے کہ اس کی صحبت خراب ہے، یا کافر ہونے کا علم تھا، مگر یہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے، اس لئے پہلے اُسے کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی، پھر وہ دُعا فرمائی جو آگے آیت: ۴۵ میں آرہی ہے کہ اُس کو بھی کشتی میں سوار ہونے کی اجازت مل جائے، یعنی اگر کافر ہے تو اُسے ایمان

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

وہ بولا: ''میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔'' نوح نے کہا: ''آج اللہ کے حکم سے کوئی کسی کو بچانے والا نہیں ہے، سوائے اُس کے جس پر وہ ہی رحم فرمادے۔'' اس کے بعد اُن کے درمیان موج حائل ہوگئی، اور ڈوبنے والوں میں وہ بھی شامل ہوا۔ ﴿۴۳﴾ اور حکم ہوا کہ: ''اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا'' چنانچہ پانی اُتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا،(۲۴) کشتی جودی پہاڑ پر آٹھہری،(۲۵) اور کہہ دیا گیا کہ: ''بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو!'' ﴿۴۴﴾

کی توفیق ہوجائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سارے گھر والے جو صاحبِ ایمان ہوں گے، انہیں عذاب سے نجات ملے گی، اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے اس وعدے کا حوالہ بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ کافر ہے، اور اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، اس لئے وہ درحقیقت تمہارے گھر والوں میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہ بات تمہارے علم میں نہیں تھی کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں، اس لئے تم نے اس کی نجات یا ایمان کی دُعا مانگی۔ اگلی آیت میں جو ارشاد ہے کہ: ''مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں'' اُس کا یہی مطلب ہے۔

(۲۴) یعنی قوم کے تمام افراد طوفان میں غرق کر دیئے گئے۔

(۲۵) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو شمالی عراق میں واقع ہے، اور اُس پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ ہے جو کردستان سے آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ بائبل میں اس پہاڑ کا نام ''ارارات'' مذکور ہے۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ: ''اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے، اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سارے حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے!''(۲۶) ﴿۴۵﴾ اللہ نے فرمایا: ''اے نوح! یقین جانو وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ناپاک عمل کا پلندہ ہے۔ لہٰذا مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں شامل نہ ہو۔'' ﴿۴۶﴾ نوح نے کہا: ''میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی، اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی اُن لوگوں میں شامل ہوجاؤں گا جو برباد ہوگئے ہیں۔'' ﴿۴۷﴾ فرمایا گیا کہ: ''اے نوح! اب (کشتی سے) اُتر جاؤ، ہماری طرف سے وہ سلامتی اور برکتیں لے کر جو تمہارے لئے بھی ہیں، اور تمہارے ساتھ جتنی قومیں ہیں، اُن کے لئے بھی! اور کچھ قومیں ایسی ہیں جن کو ہم (دُنیا میں) لطف اُٹھانے کا موقع دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آ پکڑے گا۔''(۲۷) ﴿۴۸﴾

---

(۲۶) یعنی آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اگر چاہیں تو اسے ایمان کی توفیق دے دیں، اور پھر ایمان والوں کے حق میں آپ کا جو وعدہ ہے، وہ اس کے حق میں بھی پورا ہوجائے۔

(۲۷) سلامتی اور برکتوں کا وعدہ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے کیا گیا، اُس میں ''قوموں'' کا

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

معانقۃ ۹ الوقف علی فاصبر احسن والحق ۱۲

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے، نہ تمہاری قوم۔ لہٰذا صبر سے کام لو، اور آخری انجام متقیوں ہی کے حق میں ہوگا۔ [(۲۸)] ﴿۴۹﴾ اور قومِ عاد کے پاس ہم نے اُن کے بھائی ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ [(۲۹)] انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم نے جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں۔ ﴿۵۰﴾

لفظ استعمال کر کے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت تھوڑے سے ہیں، لیکن ان کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی، اور دینِ حق پر قائم رہیں گی، اس لئے سلامتی اور برکتوں میں وہ بھی شریک ہوں گی۔ البتہ آخر میں یہ فرمایا گیا کہ کچھ قومیں ان کی نسل میں ایسی آئیں گی کہ جو دینِ برحق پر قائم نہیں رہیں گی، لہٰذا انہیں دُنیا میں کچھ عرصے لطف اُٹھانے کا موقع دیا جائے گا، لیکن ان کا آخری انجام ان کے کفر کی وجہ سے یہی ہوگا کہ وہ دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

(۲۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس آیت نے دو حقیقتوں کی طرف توجہ دِلائی ہے۔ ایک یہ کہ یہ واقعہ نہ صرف آپ کو بلکہ قریش اور عرب کے غیر اہلِ کتاب میں سے کسی کو پہلے معلوم نہیں تھا، اور آپ کے پاس اس کو اہلِ کتاب سے سیکھنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا ہے۔ اس سے آپ کی نبوت اور رِسالت کی دلیل ملتی ہے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس تکذیب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس واقعے کے ذریعے آپ کو اوّل تو صبر سے کام لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور دوسرے یہ تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو شروع میں سخت مشکلات پیش آئیں، مگر آخری انجام انہی کے حق میں ہوا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالآخر ان لوگوں پر غالب آئیں گے۔

(۲۹) قومِ عاد کا مختصر تعارف سورۂ اَعراف (۶۵:۷) میں گذر چکا ہے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر کسی اور نے نہیں، اُس ذات نے اپنے ذمے لیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۵۱﴾ اے میری قوم! اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا،(۳۰) اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔" ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: "اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے کر نہیں آئے،(۳۱) اور ہم اپنے خداؤں کو صرف تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم تمہاری بات پر ایمان لا سکتے ہیں۔ ﴿۵۳﴾

---

(۳۰) شروع میں اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں مبتلا فرما دیا تھا، تاکہ وہ اپنی غفلت سے کچھ ہوش میں آئیں۔ اس موقع پر حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دِلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تازیانہ ہے، اور اگر اب بھی تم بت پرستی سے باز آجاؤ تو یہ قحط تم سے دُور ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے نہال کرسکتا ہے۔

(۳۱) روشن دلیل سے اُن کی مراد اُن کے فرمائشی معجزات تھے۔ عقلی اور نقلی دلائل تو حضرت ہود علیہ السلام نے ہر قسم کے پیش کردیئے تھے، لیکن ان کا کہنا تھا کہ ہم جس جس معجزے کی فرمائش کرتے جائیں، وہ ہمیں دِکھاتے جاؤ۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کرشمے دِکھانے کے لئے وقف نہیں ہوسکتا، اس لئے ان کی یہ فرمائشیں پوری نہ ہوئیں تو انہوں نے کہہ دیا کہ تم کوئی روشن دلیل ہی ہمارے پاس نہیں لائے۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ۝۵۴ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝۵۵ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۶ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ

ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تمہیں بری طرح جھپیٹے میں لے لیا ہے۔[۳۲]" ہود نے کہا: "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم بھی گواہ رہو کہ تم اللہ کے سوا جس جس کو اُس کی خدائی میں شریک مانتے ہو، میں اُس سے بری ہوں۔ ﴿۵۴﴾ اب تم سب کے سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو، اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ ﴿۵۵﴾ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے، جو میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار۔ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اُس کے قبضے میں نہ ہو۔ یقیناً میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔[۳۳] ﴿۵۶﴾ پھر بھی اگر تم منہ موڑتے ہو، تو جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا، میں نے وہ تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اور (تمہارے کفر کی وجہ سے) میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی اور قوم کو یہاں بسا دے گا، اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

---

(۳۲) یعنی تم ہمارے جن بتوں کی خدائی کا اِنکار کرتے ہو، ان میں سے کسی نے تم سے ناراض ہو کر تم پر آسیب مسلط کر دیا ہے جس کے نتیجے میں تم (معاذ اللہ) ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو۔

(۳۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے سیدھا راستہ مقرر کر دیا ہے، اور اُسی پر چلنے سے خدا ملتا ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

وقف لازم

بیشک میرا پروردگار ہر چیز کی نگرانی کرتا ہے۔" ﴿۵۷﴾ اور (آخرکار) جب ہمارا حکم آ گیا[۳۴] تو ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے، اُن کو بچالیا، اور انہیں ایک سخت عذاب سے نجات دے دی۔ ﴿۵۸﴾ یہ تھے عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا اِنکار کیا، اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، اور ہر ایسے شخص کا حکم مانا جو پرلے درجے کا جابر اور حق کا پکا دُشمن تھا! ﴿۵۹﴾ اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دُنیا میں بھی پھٹکار اُن کے پیچھے لگادی گئی، اور قیامت کے دن بھی۔ یادرکھو کہ قومِ عاد نے اپنے رَبّ کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد رکھو کہ بربادی عاد ہی کی ہوئی، جو ہود کی قوم تھی! ﴿۶۰﴾ اور قومِ ثمود کے پاس ہم نے اُن کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔[۳۵] انہوں نے کہا: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

(۳۴) "حکم" سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ہے۔ جیسا کہ سورۂ اَعراف میں عرض کیا گیا، اُن پر تیز آندھی اور ہوا کا طوفان بھیجا گیا تھا۔ یہ قد وقامت کے اعتبار سے غیر معمولی قوم تھی، لیکن اس عذاب کے نتیجے میں ان کی ساری قوت دھری رہ گئی، اور پوری قوم تباہ ہوگئی۔

(۳۵) قومِ ثمود اور اس کے واقعے کا مختصر تعارف اور تذکرہ سورۂ اَعراف (۷:۷۳) کے حاشیے میں گذر چکا ہے۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور اُس میں تمہیں آباد کیا۔ لہٰذا اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا ربّ (تم سے) قریب بھی ہے، دُعائیں قبول کرنے والا بھی۔'' ﴿۶۱﴾ وہ کہنے لگے: ''اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہمارے درمیان اس طرح رہے ہو کہ تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔[۳۶] جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں کیا تم ہمیں اُن کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو؟ جس بات کی تم دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں تو ہمیں ایسا شک ہے جس نے ہمیں اِضطراب میں ڈال دیا ہے۔'' ﴿۶۲﴾ صالح نے کہا: ''اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچالے؟ لہٰذا تم (میرے فرائض سے روک کر) بربادی میں مبتلا کرنے کے سوا مجھے اور کیا دے رہے ہو؟ ﴿۶۳﴾

---

(۳۶) اس سے صاف واضح ہے کہ نبوت کے اعلان سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو پوری قوم بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے انہیں اپنا سردار یا بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ لہٰذا اس کو آزاد چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو بُرے ارادے سے چھونا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں عنقریب آنے والا عذاب آ پکڑے۔" ﴿٦٤﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اُس کو مار ڈالا۔ چنانچہ صالح نے کہا کہ: "تم اپنے گھروں میں تین دن اور مزے کرلو،(٣٧) (اُس کے بعد عذاب آئے گا، اور) یہ ایسا وعدہ ہے جسے کوئی جھوٹا نہیں کرسکتا۔" ﴿٦٥﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، اُن کو اپنی خاص رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُس دن کی رُسوائی سے بچا لیا۔ یقیناً تمہارا پروردگار بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿٦٦﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کا راستہ اپنایا تھا، اُن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا،(٣٨) جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے ﴿٦٧﴾

---

(٣٧) عذاب سے پہلے ان کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔

(٣٨) اس عذاب کا تفصیلی واقعہ سورۂ اعراف سورت نمبر ٧ اور آیت نمبر ٧٣ کے تحت حاشیہ نمبر ٣٩ میں گزر چکا ہے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ؕ

جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو کہ ثمود نے اپنے ربّ کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد رکھو کہ بربادی ثمود ہی کی ہوئی ﴿۶۸﴾

اور ہمارے فرشتے (انسانی شکل میں) ابراہیم کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری لے کر آئے۔[۳۹] انہوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی سلام کہا، پھر ابراہیم کو کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ (ان کی مہمانی کے لئے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے، ﴿۶۹﴾ مگر جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اُس (بچھڑے) کی طرف نہیں بڑھ رہے، تو وہ ان سے کھٹک گئے، اور اُن کی طرف سے دِل میں خوف محسوس کیا۔[۴۰] فرشتوں نے کہا: "ڈریے نہیں، ہمیں (آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے اور) لوط کی قوم کے پاس بھیجا گیا ہے۔" ﴿۷۰﴾

(۳۹) اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتے دو کاموں کے لئے بھیجے تھے۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خوشخبری دیں کہ ان کے یہاں ایک بیٹا ہوگا، یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اور ان کا دوسرا کام یہ تھا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی طرف جانے والے تھے۔

(۴۰) چونکہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع میں انہیں انسان ہی سمجھے، اور ان کی مہمانی کے لئے بھنے ہوئے بچھڑے کا گوشت لے کر آئے۔ لیکن چونکہ وہ فرشتے تھے، اور کچھ کھا نہیں سکتے تھے، اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے میں رسم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص میزبان کے یہاں کھانا پیش ہونے کے بعد نہ کھائے تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ وہ کوئی دُشمن ہے جو کسی بری نیت سے آیا ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوف محسوس کیا۔ اس موقع پر فرشتوں نے واضح کر دیا کہ وہ فرشتے ہیں، اور ان دو کاموں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۴﴾

اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں، وہ ہنس پڑیں،(۴۱) تو ہم نے اُنہیں (دوبارہ) اسحاق کی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ ﴿۷۱﴾ وہ کہنے لگیں: "ہائے! کیا میں اس حالت میں بچہ جنوں گی کہ میں بوڑھی ہوں، اور یہ میرے شوہر ہیں جو خود بڑھاپے کی حالت میں ہیں؟ واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے!" ﴿۷۲﴾ فرشتوں نے کہا: "کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہیں؟ آپ جیسے مقدس گھرانے پر(۴۲) اللہ کی رحمت اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ ہر تعریف کا مستحق، بڑی شان والا ہے۔" ﴿۷۳﴾ پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دُور ہوئی، اور اُن کو خوشخبری مل گئی تو اُنہوں نے ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں (ناز کے طور پر) جھگڑنا شروع کر دیا۔(۴۳) ﴿۷۴﴾

(۴۱) ہنسنے کی وجہ بعض مفسرین نے تو یہ بیان کی ہے کہ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں، اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، تو خوشی کی وجہ سے وہ ہنس پڑیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بیٹے کی خوشخبری سن کر ہنسی تھیں۔ سورۂ حجر (۱۵: ۵۳) اور سورۂ ذاریات (۵۱: ۲۹-۳۰) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری پہلے دے دی تھی، اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر بعد میں کیا تھا۔ اس پر انہیں تعجب بھی ہوا، اور خوشی بھی۔ اور ان کو ہنستا دیکھ کر فرشتوں نے دوبارہ خوشخبری دی۔

(۴۲) یہ ترجمہ "اہل البیت" کو عربی گرامر کے قاعدے سے منصوب علیٰ سبیل المدح قرار دینے پر مبنی ہے۔ ترجمے میں "مقدس" کا لفظ بھی اسی لئے بڑھایا گیا ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: "اے اہلِ بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔"

(۴۳) جیسا کہ سورۂ اعراف (۷: ۸۰) کے حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِيۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوۡمٌ عَصِيۡبٌ ﴿۷۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے بردبار، (اللہ کی یاد میں) بڑی آہیں بھرنے والے، (اور) ہر وقت ہم سے لَو لگائے ہوئے تھے۔(۴۴) ﴿۷۵﴾ (ہم نے اُن سے کہا:) ”ابراہیم! اس بات کو جانے دو۔ یقین کرلو کہ تمہارے ربّ کا حکم آچکا ہے، اور ان لوگوں پر ایسا عذاب آکر رہے گا جس کو کوئی پیچھے نہیں لوٹا سکتا۔“ ﴿۷۶﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ اُن کی وجہ سے گھبرائے، اُن کا دِل پریشان ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ: ”آج کا یہ دن بہت کٹھن ہے۔“(۴۵) ﴿۷۷﴾

علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو عراق میں ہی ان پر ایمان لاکر اُن کے ساتھ وطن سے ہجرت میں اُن کے ساتھ شریک تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم کے شہر میں بھیجا۔ اس شہر کے لوگ شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی کی خباثت میں مبتلا تھے۔ جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے ان فرشتوں کو بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اُمید تھی کہ شاید یہ لوگ سنبھل جائیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے فرمائش کرتے رہے کہ ابھی ان پر عذاب نازل نہ کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے پیغمبر تھے، اس لئے انہوں نے ناز کے انداز میں بار بار جس طرح عذاب کو مؤخر کرنے کی فرمائش کی، اُسے اس آیت میں پیار بھرے اُسلوب میں جھگڑنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۴۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش تو منظور نہیں فرمائی گئی کہ قومِ لوط سے عذاب کو مؤخر کردیا جائے، لیکن جس جذبے اور جس انداز سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رُجوع فرمایا تھا، اس فقرے میں اُس کی بڑے بلیغ الفاظ میں تعریف فرمائی گئی ہے۔

(۴۵) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اور انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی قوم کی بدفطرت بے حیائی سے واقف تھے۔ اس لئے ان کی

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

اور اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، اور اس سے پہلے وہ برے کام کیا ہی کرتے تھے۔ لوط نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں،(۴۶) اس لئے اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رُسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟'' ﴿۷۸﴾ کہنے لگے: ''تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کچھ مطلب نہیں، اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟'' ﴿۷۹﴾ لوط نے کہا: ''کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے میں کوئی طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا!''(۴۷) ﴿۸۰﴾

پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قوم ان مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے، وہ لوگ ان نوجوانوں کی آمد کی خبر سنتے ہی اسی مقصد سے دوڑتے ہوئے آئے، اور حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔

(۴۶) کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی رُوحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدقماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری رُوحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔

(۴۷) سدوم کی اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان یا قبیلے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ تو عراق کے باشندے تھے، اور اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سدوم کے لوگوں کو ان کی قوم بھی قرآنِ کریم نے اس معنی میں کہا ہے کہ وہ ان کی اُمت تھے جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے انتہائی بے چارگی محسوس کی کہ اگر میرے خاندان کا کوئی فرد یہاں ہوتا تو شاید میری کچھ مدد کر سکتا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بتایا

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾

(اب) فرشتوں نے (لوط سے) کہا: ''اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ (کافر) لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہوجاؤ، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اُس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آرہی ہے۔ یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لئے صبح کا وقت مقرّر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آگئی؟'' ﴿۸۱﴾ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کردیا، (۴۸) اور ان پر پکی مٹی کے تہہ بر تہہ پتھر برسائے ﴿۸۲﴾

گیا ہے، اس موقع پر فرشتوں نے بات کھول دی کہ ہم فرشتے ہیں، اس لئے آپ بالکل نہ گھبرائیں، یہ آپ کا یا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور ہمیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ صبح تک ان کا قلع قمع ہونے والا ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر بستی سے راتوں رات نکل جائیں، تاکہ اس عذاب سے محفوظ رہیں۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافر تھی، اور اپنی قوم کی بداعمالیوں میں ان کا ساتھ دیا کرتی تھی، اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی، بلکہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی۔

(۴۸) روایات میں ہے کہ یہ کل چار بستیاں تھیں جن میں یہ بدقماش لوگ بستے تھے۔ ان ساری بستیوں کو فرشتوں نے جوں کا توں اُوپر اُٹھا کر زمین پر اوندھا پٹخ دیا، اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بحرِ میّت (Dead Sea) جسے ''بحرِ مردار'' بھی کہا جاتا ہے، ان بستیوں کے اُلٹنے سے پیدا ہوا ہے، ورنہ کسی بڑے سمندر سے اس کا رابطہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس مقام پر یہ بستیاں واقع تھیں، یعنی بحرِ مردار کے آس پاس کا علاقہ، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورے کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے، یعنی زمین کا کوئی

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾

جن پر تمہارے رَبّ کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ بستی (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ دُور نہیں ہے۔ (۴۹) ﴿۸۳﴾ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ (۵۰) انہوں نے (ان سے) کہا کہ: ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوشحال ہو، (۵۱) اور مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ ﴿۸۴﴾

اور حصہ سطحِ سمندر سے اتنا نیچا نہیں ہے جتنا نیچا یہ ہے۔ قرآنِ کریم نے جو فرمایا ہے کہ ''ہم نے اس زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا'' کچھ بعید نہیں کہ ان الفاظ میں اس جغرافیائی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہو، اور ان کی انتہائی نچلی حرکتوں کو یہ محسوس شکل دے دی گئی ہو۔

(۴۹) حضرت لوط علیہ السلام کے واقعے کے آخر میں اب رُوئے سخن مکہ مکرمہ کے کافروں کی طرف موڑا گیا ہے، اور ان کو توجہ دِلائی گئی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا یہ علاقہ تم سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ جب تم تجارت کے لئے شام جاتے ہو تو یہ علاقہ تمہارے راستے میں پڑتا ہے، اور اگر تم میں ذرا بھی معقولیت ہو تو تمہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

(۵۰) مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مختصر تعارف کے لئے سورۂ اَعراف (۸۵:۷) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۵۱) مدین کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں کے لوگ بحیثیت مجموعی خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی خوشحالی کا دو وجہ سے خاص طور پر ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ اتنی خوشحالی کے بعد تمہیں دھوکا بازی کر کے کمائی کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور دوسرے یہ کہ اس خوشحالی کے نتیجے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اس کی نافرمانی پر آمادہ ہو جاؤ۔

وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ

اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو،(۵۲) اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔(۵۳) ﴿۸۵﴾ اگر تم میری بات مانو تو (لوگوں کا حق ان کو دینے کے بعد) جو کچھ اللہ کا دیا بچ رہے، وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور (اگر نہ مانو تو) میں تم پر پہرہ دار مقرر نہیں ہوا ہوں۔" ﴿۸۶﴾ وہ کہنے لگے: "اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں بھی چھوڑ دیں، اور اپنے مال و دولت کے بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟(۵۴)

(۵۲) قرآنِ کریم نے یہاں جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، وہ بڑے جامع ہیں، اور ان میں ہر قسم کے حقوق داخل ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم پر کسی بھی شخص کا کوئی حق واجب ہو تو اس میں ڈنڈی مار کر یا تاویلات کر کے اُسے کم کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ ہر حق دار کو اس کا حق پورا پورا ادا کرو۔

(۵۳) جیسا کہ سورۂ اعراف میں عرض کیا گیا تھا، اس قوم کے بعض افراد راستوں پر چوکیاں لگا کر بیٹھ جاتے، اور مسافروں سے زبردستی ٹیکس وصول کرتے تھے، اور بعض لوگ مسافروں پر ڈاکا ڈالا کرتے تھے۔ اس فقرے میں ان کی اسی بدعنوانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۴) یہ درحقیقت وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ جو کچھ مال ہے، وہ ہماری مکمل ملکیت میں ہے، اس لئے ہمیں پورا اختیار حاصل ہے کہ اس میں جو چاہیں، تصرف کریں، کسی کو اس میں رُکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم کا ارشاد یہ ہے کہ ہر مال پر اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے، البتہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو عارضی ملکیت عطا فرمائی ہے (دیکھئے سورۂ یٰسٓ ۳۶:۷۱) لہٰذا اسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس ملکیت پر کچھ پابندیاں عائد کرے (دیکھئے سورۂ قصص ۲۸:۷۷)، اور جہاں مناسب سمجھے، وہاں خرچ کرنے کا حکم دے

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

واقعی تم تو بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو!''[۵۵] ﴿۸۷﴾ شعیب نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں، اور اُس نے خاص اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا ہے[۵۶] (تو پھر میں تمہارے غلط طریقے پر کیوں چلوں؟) اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں۔ میرا مقصد اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے، صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف میں (ہر معاملے میں) رُجوع کرتا ہوں۔ ﴿۸۸﴾

(دیکھئے سورۂ نور ۲۴: ۳۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں، تاکہ ہر شخص اپنی دولت کا حصول اور خرچ ایسے صحت مند طریقے پر کرے کہ معاشرے میں ہر ایک کو یکساں مواقع حاصل ہوں، کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے، اور معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ''اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت'' از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵۵) یہ جملہ انہوں نے طنز کے طور پر بولا تھا۔ البتہ بعض مفسرین نے اسے حقیقی معنی میں قرار دے کر اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم تو ہمارے درمیان ایک عقل مند اور نیک چلن آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو۔ تم نے ایسی باتیں کیوں شروع کر دی ہیں؟

(۵۶) اس رزق سے مراد کھانے پینے وغیرہ کا سامان بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدھے طریقے سے مجھے رزق عطا فرمایا ہے تو میں اس کے حصول کے لئے وہ غلط طریقے کیوں اختیار کروں جو تم کرتے ہو؟ اور رزق سے یہاں مراد نبوّت بھی ہو سکتی ہے۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ

اور اے میری قوم! میرے ساتھ ضد کا جو معاملہ تم کر رہے ہو، وہ کہیں تمہیں اس انجام تک نہ پہنچادے کہ تم پر بھی ویسی ہی مصیبت نازل ہو جیسی نوح کی قوم پر یا ہود کی قوم پر یا صالح کی قوم پر نازل ہو چکی ہے۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ دُور بھی نہیں ہے۔ ﴿۸۹﴾ تم اپنے رَبّ سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رُجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رَبّ بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔'' ﴿۹۰﴾ وہ بولے: ''اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو، اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ ہم پر تمہارا کچھ زور نہیں چلتا'' ﴿۹۱﴾ شعیب نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تم پر میرے خاندان کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے؟ اور اُس کو تم نے بالکل ہی پس پشت ڈال رکھا ہے! یقین جانو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میرا پروردگار اُس سب کا پورا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۹۲﴾ اور اے میری قوم! تم اپنے حال پر رہ کر (جو چاہو) عمل کئے جاؤ، میں بھی (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔(۵۷)

---

(۵۷) یعنی میری تبلیغ کے باوجود اگر تم اپنی ضد پر قائم رہتے ہو تو آخری چارۂ کار یہی ہے کہ تم اپنے طریقے پر قائم رہو، اور میں اپنے طریقے پر۔ پھر دیکھو کہ کس کا انجام کیا ہوتا ہے؟

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ﴿۹۷﴾ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

ع ۸ ۱۲ ۸

عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب نازل ہوگا جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کون ہے جو جھوٹا ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔'' ﴿۹۳﴾ اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور اُن کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، ان کو اپنی خاص رحمت سے بچالیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، انہیں ایک چنگھاڑ نے آپکڑا،(۵۸) اور وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ گرے رہ گئے ﴿۹۴﴾ جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو! مدین کی بھی ویسی ہی بربادی ہوئی جیسی بربادی ثمود کی ہوئی تھی۔ ﴿۹۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ پیغمبر بنا کر ﴿۹۶﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی، حالانکہ فرعون کی بات کوئی ٹھکانے کی بات نہیں تھی ﴿۹۷﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان سب کو دوزخ میں لا اُتارے گا۔ اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی اُترے۔ ﴿۹۸﴾

(۵۸) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۹۱) کا حاشیہ۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

اور پھٹکار اس دُنیا میں بھی ان کے پیچھے لگادی گئی ہے، اور قیامت کے دن بھی۔ یہ بدترین صلہ ہے جو کسی کو دیا جائے۔ ﴿۹۹﴾ یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ (بستیاں) وہ ہیں جو ابھی اپنی جگہ کھڑی ہیں،(۵۹) اور کچھ کٹی ہوئی فصل (کی طرح بے نشان) بن چکی ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور ان پر ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمہارے پروردگار کا حکم آیا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، وہ اِن کے ذرا بھی کام نہ آئے، اور اُنہوں نے اِن کو تباہی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ ﴿۱۰۱﴾ اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا ربّ جب اُن کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ ان ساری باتوں میں اُس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس کے لئے تمام لوگوں کو اِکٹھا کیا جائے گا، اور وہ ایسا دن ہوگا جسے سب کے سب کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾

---

(۵۹) مثلاً فرعون کا ملک مصر فرعون کے غرق ہونے کے بعد بھی باقی رہا، اور عاد و ثمود اور قومِ لوط علیہ السلام کی بستیاں ایسی تباہ ہوئیں کہ بعد میں آباد نہ ہوسکیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍؕ﴿۱۰۴﴾ يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ‌ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا فَفِى النَّارِ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشَهِيۡقٌ ۙ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ﴿۱۰۷﴾

ہم نے اُسے ملتوی کیا ہے تو بس ایک گنی چنی مدت کے لئے ملتوی کیا ہے ﴿۱۰۴﴾ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ پھر اُن میں کوئی بدحال ہوگا، اور کوئی خوش حال۔ ﴿۱۰۵﴾ چنانچہ جو بدحال ہوں گے، وہ دوزخ میں ہوں گے جہاں ان کی چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں گی۔ ﴿۱۰۶﴾ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں،[۶۰] اِلا یہ کہ تمہارے رَبّ ہی کو کچھ اور منظور ہو۔[۶۱] یقیناً تمہارا رَبّ جو اِرادہ کرلے، اس پر اچھی طرح عمل کرتا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾

---

(۶۰) اس سے موجودہ زمین اور آسمان مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہ تو قیامت کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ البتہ قرآنِ کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں وہاں کے حالات کے مطابق دوسرے زمین و آسمان پیدا کئے جائیں گے (دیکھئے سورۂ ابراہیم ۱۴: ۴۸ اور سورۂ زُمر ۳۹: ۷۴) اور چونکہ وہ زمین و آسمان ہمیشہ رہیں گے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۶۱) اسی قسم کا اِستثناء سورۂ اَنعام (۶: ۱۲۸) میں بھی گذرا ہے۔ جیسا کہ وہاں ہم نے عرض کیا تھا، اس کی ٹھیک ٹھیک مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن اس سے بظاہر ایک تو یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ کسی کے عذاب و ثواب کا تمام تر فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، کسی کی فرمائش یا سفارش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کافروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ اگر کسی کو کفر کے باوجود عذاب سے نکالنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی مشیت کافروں کو ہمیشہ عذاب ہی میں رکھے، جیسا کہ قرآنِ کریم کی اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۴ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ

اور جو لوگ خوش حال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، اِلا یہ کہ تمہارے ربّ ہی کو کچھ اور منظور ہو۔ یہ ایک ایسی عطا ہوگی جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ ﴿۱۰۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) یہ (مشرکین) جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک میں نہ رہنا۔ یہ تو اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادے پہلے ہی عبادت کیا کرتے تھے، اور یقین رکھو کہ ہم ان سب کو ان کا حصہ پورا پورا چکا دیں گے، جس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ﴿۱۰۹﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا تھا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ ہو چکی ہوتی (کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا) تو ان کا فیصلہ (یہیں دُنیا میں) ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ اس کے بارے میں (ابھی تک) سخت قسم کے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ اور یقین رکھو کہ سب لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ تمہارا پروردگار اُن کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا۔ یقیناً وہ ان کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اُس کے مطابق تم بھی سیدھے راستے پر ثابت قدم رہو، اور وہ لوگ بھی جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہیں، اور حد سے آگے نہ نکلو۔

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ

یقین رکھو کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو، وہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے ﴿۱۱۲﴾ اور (مسلمانو!) ان ظالم لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا، کبھی دوزخ کی آگ تمہیں بھی آ پکڑے، اور تمہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی قسم کے دوست میسر نہ آئیں، پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے۔ ﴿۱۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔(۶۲) یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔(۶۳) یہ ایک نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت مانیں۔ ﴿۱۱۴﴾ اور صبر سے کام لو، اس لئے کہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿۱۱۵﴾ تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں، بھلا اُن میں ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے جن کے پاس اتنی بچی کھچی سمجھ تو ہوتی کہ وہ لوگوں کو زمین میں فساد مچانے سے روکتے؟ ہاں تھوڑے سے لوگ تھے جن کو ہم نے (عذاب سے) نجات دی تھی۔

---

(۶۲) دن کے دونوں سروں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، اور بعض مفسرین نے ان سے فجر اور مغرب کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور رات کے حصوں کی نماز سے مراد مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں ہیں۔

(۶۳) برائیوں سے یہاں مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ قرآن وسنت کے بہت سے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان سے جو صغیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان کا کفارہ ان نیک کاموں سے ہوتا رہتا ہے جو انسان اُن کے بعد کرتا ہے۔ چنانچہ وضو، نماز اور دوسرے تمام کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو مٹاتے رہتے ہیں۔ سورۂ نساء (۴:۳۱) میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ: ''اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی بُرائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے۔''

وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾

اور جو لوگ ظالم تھے، وہ جس عیش و عشرت میں تھے، اُسی کے پیچھے لگے رہے، اور جرائم کا ارتکاب کرتے رہے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں پر ظلم کر کے اُنہیں تباہ کردے جبکہ اُن کے باشندے صحیح رَوِش پر چل رہے ہوں۔ ﴿۱۱۷﴾ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا، (مگر کسی کو زبردستی کسی دِین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں ہے، اس لئے انہیں اپنے اِختیار سے مختلف طریقے اپنانے کا موقع دیا گیا ہے) اور وہ اب ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے۔ ﴿۱۱۸﴾ البتہ جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے گا، اُن کی بات اور ہے (کہ اللہ انہیں حق پر قائم رکھے گا) اور اسی (امتحان) کے لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔(۶۴) اور تمہارے رَبّ کی وہ بات پوری ہوگی جو اُس نے کہی تھی کہ: ''میں جہنم کو جنات اور اِنسانوں دونوں سے بھر دُوں گا۔'' ﴿۱۱۹﴾

---

(۶۴) یہ بات قرآنِ کریم نے بار بار واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو زبردستی ایک ہی دِین کا پابند بنا دیتا۔ لیکن اس کائنات کی تخلیق اور اِنسان کو اُس میں بھیجنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھا کر اُسے یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے جو راستہ چاہے، اختیار کرے۔ اسی میں اُس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اِختیار کو ٹھیک استعمال کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں جنت کماتا ہے، یا اُس کا غلط استعمال کر کے دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس امتحان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اُس کے اختیار کے بغیر زبردستی کسی ایک راستے پر نہیں رکھا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

ع ۱۰ / ۱۴ / ۱۰

اور (اے پیغمبر!) گذشتہ پیغمبروں کے واقعات میں سے وہ سارے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں جن سے ہم تمہارے دِل کو تقویت پہنچائیں، اور ان واقعات کے ضمن میں تمہارے پاس جو بات آئی ہے، وہ خود بھی حق ہے، اور تمام مؤمنوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی بھی ہے۔ ﴿۱۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں، اُن سے کہو کہ: "تم اپنی موجودہ حالت پر عمل کئے جاؤ، ہم بھی (اپنے طریقے پر) عمل کر رہے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ اور تم بھی (اللہ کے فیصلے کا) انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔" ﴿۱۲۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے پوشیدہ بھید ہیں، وہ سب اللہ کے علم میں ہیں، اور اُسی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جائیں گے۔ لہٰذا (اے پیغمبر!) اُس کی عبادت کرو، اور اُس پر بھروسہ رکھو۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، تمہارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۱۲۳﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۲ر جون ۲۰۰۶ء کو شبِ جمعہ میں بمقام کراچی سورۂ ہود کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ يُوسُف

تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنواسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے، اور اس طرح آپ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورۂ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ دراصل بنو اسرائیل کے جدِ امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام "اسرائیل" بھی تھا۔ ان کے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اُٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گذارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جس کی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اُس سردار کی بیوی زلیخا نے انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوادیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کردیا، بلکہ انہیں اپنا وزیرِ خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوالیا۔ اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہوگئے۔

سورۂ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور تقریباً پوری سورت اسی کے لئے وقف ہے۔ اور یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، لہٰذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو کفارِ مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اُن کے پیشِ نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گذرے، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو عزت، شوکت اور سربلندی عطا فرمائی، اور جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، اُن سب کو اُن کے آگے جھکنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اُٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے، اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کے لئے بہت سے سبق ہیں، اور شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔

أیاتها ۱۱۱ ۱۲ سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۳ رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۞ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے ﴿۱﴾ ہم نے اِس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اُس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔ ﴿۳﴾ (یہ اُس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا کہ: ''اَبا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔'' ﴿۴﴾ اُنہوں نے کہا: ''بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی سازش تیار کریں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دُشمن ہے۔''(۱) ﴿۵﴾

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا ہے، اُس کی تعبیر یہ ہے کہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کرے گا،[۲] اور تمہیں تمام باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائے گا (جس میں خوابوں کی تعبیر کا علم بھی داخل ہے،) اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اُسی طرح پوری کرے گا جیسے اُس نے اِس سے پہلے تمہارے ماں باپ پر اور ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔'' ﴿۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کے لئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔[۳] ﴿۷﴾

یوسف علیہ السلام کو اتنا اُونچا مقام ملنے والا ہے کہ ان کے گیارہ بھائی اور ماں باپ کسی وقت اُن کے مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں گے۔ دوسری طرف صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک والدہ سے تھے، اور باقی صاحب زادے ان کی دوسری اہلیہ سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے سوتیلے بھائیوں کو اس خواب کی وجہ سے حسد نہ ہو، اور شیطان کے بہکائے میں آکر وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر بیٹھیں۔

(۲) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس خواب کے ذریعے یہ بشارت دی ہے کہ سب تمہارے فرماں بردار بنیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نبوت سے سرفراز کر کے تمہیں بہت سے مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

(۳) یہ بظاہر اُن کافروں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا تھا کہ بنو اسرائیل کس وجہ سے فلسطین چھوڑ کر مصر میں آباد ہوئے تھے؟ یعنی اگرچہ ان کے پوچھنے کا اصل مقصد تو اپنے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے بس کرنا ہے، لیکن اگر ان میں ذرا بھی عقل ہو تو اس واقعے میں ان کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں۔ اوّل تو یہ سبق ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس واقعے کا جاری ہونا آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جتنی سازشیں

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ ﴿۸﴾ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

(یہ اُس وقت کا واقعہ ہے) جب یوسف کے ان (سوتیلے) بھائیوں نے (آپس میں) کہا تھا کہ: ''یقینی طور پر ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں یوسف اور اُس کے (حقیقی) بھائی (بنیامین) سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم (اُن کے لئے) ایک مضبوط جتھہ بنے ہوئے ہیں۔[۴] ہمیں یقین ہے کہ ہمارے والد کسی کھلی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۸﴾ (اب اس کا حل یہ ہے کہ) یوسف کو قتل ہی کر ڈالو، یا اُسے کسی اور سرزمین میں پھینک آؤ، تاکہ تمہارے والد کی ساری توجہ خالص تمہاری طرف ہوجائے، اور یہ سب کرنے کے بعد پھر (توبہ کر کے) نیک بن جاؤ۔[۵]'' ﴿۹﴾ انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اُسے کسی اندھے کنویں میں پھینک آؤ، تاکہ کوئی قافلہ اُسے اُٹھا کر لے جائے۔'' ﴿۱۰﴾

کی گئیں، چاہے وہ اُن کے بھائیوں نے کی ہوں، یا زلیخا اور اُس کی سہیلیوں نے، آخر کار اُن ساری سازشوں کا پول کھل گیا، اور عزت اور فتح تمام تر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے حصے میں آئی۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ عمر اور طاقت میں بھی زیادہ ہیں، اور تعداد میں بھی، چنانچہ ہم اپنے باپ کی قوتِ بازو ہیں۔ جب کبھی انہیں کسی مدد کی ضرورت پڑے، ہم ہی ان کی مدد کرنے کے لائق ہیں، اس لئے ہم سے محبت زیادہ ہونی چاہئے۔

(۵) یہ ترجمہ اس آیت کی ایک تفسیر کے مطابق ہے۔ گویا اُن کا خیال یہ تھا کہ یہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ ہوگا، اور ہر گناہ کی معافی توبہ سے ہوسکتی ہے، چنانچہ توبہ مانگ کر پھر ساری عمر نیکی کرتے رہنا۔ حالانکہ کسی بندے پر اگر ظلم کیا جائے تو اُس کی معافی صرف توبہ سے نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ مظلوم معاف نہ کرے۔ اس جملے کی ایک اور تفسیر بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم بعد میں نیک بن جائیں گے، بلکہ ان الفاظ کا ترجمہ یہ

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

(چنانچہ) ان بھائیوں نے (اپنے والد سے) کہا کہ: ''ابا! یہ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے؟ حالانکہ اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ ہم اُس کے پکے خیر خواہ ہیں۔(۶) ﴿۱۱﴾ کل آپ اُسے ہمارے ساتھ (تفریح کے لئے) بھیج دیجئے، تاکہ وہ کھائے پیئے، اور کچھ کھیل کود لے۔ اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری حفاظت کریں گے۔'' ﴿۱۲﴾ یعقوب نے کہا: ''تم اُسے لے جاؤ گے تو مجھے (اُس کی جدائی کا) غم ہوگا،(۷) اور مجھے یہ اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اُس کی طرف سے غافل ہو، تو کوئی بھیڑیا اُسے کھا جائے۔''(۸) ﴿۱۳﴾ وہ بولے: ''ہم ایک مضبوط جتھے کی شکل میں ہیں، اگر پھر بھی بھیڑیا اُسے کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گذرے ہوئے!'' ﴿۱۴﴾

ہے کہ: ''یہ سب کرنے کے بعد تمہارے سارے کام درست ہو جائیں گے'' یعنی والد کی طرف سے کسی امتیازی سلوک کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ قرآنِ کریم کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش موجود ہے۔

(۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سے پہلے بھی انہیں ساتھ لے جانے کی کوشش کر چکے تھے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع فرما دیا تھا۔

(۷) یعنی اگر کوئی اور حادثہ بھی پیش نہ آئے تو ان کا میری نظروں سے دُور چلا جانا بھی میرے لئے باعثِ رنج ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب اولاد کو کسی خاص ضرورت کے بغیر جدا کرنا بھی ماں باپ کے لئے تکلیف دہ ہے۔

(۸) بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بھیڑیئے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کر رہے ہیں۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ‌ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَـتُنَـبِّـئَـنَّـهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ‌ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ‌ ؕ

پھر ہوا یہ کہ جب وہ اُن کو ساتھ لے گئے، اور انہوں نے یہ طے کر ہی رکھا تھا کہ اُنہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیں گے، (چنانچہ ڈال بھی دیا) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (ایک وقت آئے گا جب) تم ان سب کو جتلاؤ گے کہ انہوں نے یہ کیا کام کیا تھا،[۹] اور اُس وقت اُنہیں پتہ بھی نہ ہوگا (کہ تم کون ہو؟) ﴿۱۵﴾ اور رات کو وہ سب اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچ گئے۔ ﴿۱۶﴾ کہنے لگے: ''ابا جی! یقین جانئے، ہم دوڑنے کا مقابلہ کرنے چلے گئے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، اتنے میں ایک بھیڑیا اُسے کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے، چاہے ہم کتنے ہی سچے ہوں۔'' ﴿۱۷﴾ اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لے آئے۔[۱۰]

(۹) حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت بچے تھے، روایات میں اُن کی عمر سات سال بتائی گئی ہے۔ اس لئے یہ وحی نبوت کی وحی نہیں تھی، بلکہ یہ اُس قسم کی وحی تھی جیسی قرآنِ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یا حضرت مریم کے لئے بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی ذریعے سے یہ بتا دیا کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ لوگ تمہارے آگے جھکیں گے، اور تم انہیں ان کی ساری حرکتوں کے بارے میں انہیں اُس وقت سب کچھ جتلا دو گے جب یہ تمہیں پہچانتے بھی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آگے آیت: ۸۹ میں آرہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کا حاکم بننے کے بعد انہیں جتلایا تھا۔

(۱۰) بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے قمیص پر خون تو لگا دیا، لیکن قمیص صحیح سالم تھا، اس پر پھٹن کے کوئی آثار

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾

ع ۲ ۱۴ ۱۲

اُن کے والد نے کہا: ''(حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دِلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں تم بنارہے ہو، اُن پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔'' ﴿۱۸﴾ اور (دوسری طرف جس جگہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا، وہاں) ایک قافلہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے ایک آدمی پانی لانے کے لئے بھیجا، اور اُس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو (وہاں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر) پکار اُٹھا: ''لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔''(۱۱) اور قافلے والوں نے اُنہیں ایک تجارت کا مال سمجھ کر چھپالیا، اور جو کچھ وہ کررہے تھے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم تھا۔ ﴿۱۹﴾ اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہموں کی شکل میں تھی، اور اُن کو یوسف سے کوئی دِلچسپی نہیں تھی۔(۱۲) ﴿۲۰﴾

نہیں تھے۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بھیڑیا بڑا مہذب تھا کہ بچے کو کھا گیا، اور قمیص جوں کی توں صحیح سالم رہی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو یہ بات یقین سے معلوم ہوگئی کہ بھیڑیے کے کھانے کی بات محض افسانہ ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گھڑلی ہے۔

(۱۱) روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک پتھر پر جا بیٹھے تھے۔ جب قافلے کے اس آدمی نے پانی نکالنے کے لئے ڈول کنویں میں ڈالا تو وہ اُس ڈول میں سوار ہوگئے، اُس نے ڈول کھینچا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ وہ الفاظ نکلے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۲) قرآنِ کریم کے الفاظ سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیچنے والے قافلے ہی کے لوگ تھے، اور حضرت

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور مصر کے جس آدمی نے اُنہیں خریدا، اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ: "اس کو عزت سے رکھنا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا، یا پھر ہم اسے بیٹا بنالیں گے۔"(۱۳) اس طرح ہم نے اُس سرزمین میں یوسف کے قدم جمائے، تاکہ اُنہیں باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائیں، اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۲۱﴾

یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے سے دِلچسپی نہیں تھی، بلکہ ان کو بیچ کر جو بھی قیمت ہاتھ آجائے، وہ اُسے غنیمت سمجھتے تھے، کیونکہ مفت حاصل ہورہی تھی۔ اس لئے جب کوئی خریدار ملا، انہوں نے اُسے تھوڑی سی قیمت ہی پر بیچ دیا۔ البتہ بعض روایات میں واقعے کی یہ تفصیل آئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اُنہیں کنویں میں ڈال تو گئے تھے، لیکن بڑا بھائی یہوداہ روزانہ اُن کی خبر گیری کے لئے آتا تھا، اور کچھ کھانا بھی انہیں پہنچادیتا تھا۔ تیسرے دن جب انہیں کنویں میں نہ پایا تو تلاش کرنے سے وہ قافلے والے مل گئے۔ اس موقع پر دوسرے بھائی بھی آگئے، اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا، اور اگر تم چاہو تو ہم اُسے تمہارے ہاتھ فروخت کرسکتے ہیں۔ چونکہ ان بھائیوں کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ وہ ان کے والد کی سرزمین سے دُور چلے جائیں، قیمت لینا اصل مقصد نہیں تھا، اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ بائبل میں بھی یہ مذکور ہے کہ بیچنے والے اُن کے بھائی ہی تھے، اور انہوں نے قافلے والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا تھا۔

(۱۳) قرآنِ کریم کا خاص اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ واقعے کے اہم حصوں کو بیان کرنے پر اِکتفا کرتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ جن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فلسطین کے جنگل سے خریدا تھا، چاہے وہ خود قافلے والے ہوں، جیسا کہ اُوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، یا وہ ہوں جنہوں نے قافلے والوں سے خریدا، بہرصورت وہ انہیں مصر لے گئے، اور وہاں جاکر انہیں بھاری قیمت پر فروخت کیا۔ وہاں جس شخص نے خریدا، وہ مصر کا وزیرِ خزانہ تھا جسے اُس وقت

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾

اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے اُنہیں حکمت اور علم عطا کیا، اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو ورغلانے کی کوشش کی،(۱۴) اور سارے دروازوں کو بند کر دیا، اور کہنے لگی: ”آ بھی جاؤ!“ یوسف نے کہا: ”اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔(۱۵) سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔“ ﴿۲۳﴾ اُس عورت نے تو واضح طور پر یوسف (کے ساتھ برائی) کا ارادہ کر لیا تھا، اور یوسف کے دِل میں بھی اُس عورت کا خیال آچلا تھا، اگر وہ اپنے رَبّ کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے۔(۱۶) ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ اُن سے برائی اور بے حیائی کا رُخ پھیر دیں۔ بیشک وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھے۔ ﴿۲۴﴾

”عزیزِ مصر“ کہتے تھے۔ اُس نے اپنی بیوی کو تاکید کی کہ ان کا خاص خیال رکھیں۔ بیوی کا نام روایات میں ”زلیخا“ بتایا گیا ہے۔

(۱۴) یہ وہی عزیزِ مصر کی بیوی زلیخا تھی جس کا ذکر پچھلے حاشیہ میں گذرا ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی مردانہ حسن پر اتنی فریفتہ ہوئی کہ اُنہیں گناہ کی دعوت دے بیٹھی۔ قرآنِ کریم نے اُس کا نام لینے کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ ”جس کے گھر میں وہ رہتے تھے“ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے

اُس کی فرمائش سے انکار اور بھی زیادہ مشکل تھا، کیونکہ وہ اُسی کے گھر میں قیام پذیر تھے، اور وہ اُن پر ایک طرح سے حاکمہ کا درجہ رکھتی تھی۔

(۱۵) یہاں ''آقا'' سے مراد اللہ تعالیٰ بھی ہوسکتے ہیں، اور وہ عزیزِ مصر بھی ہوسکتا ہے جس نے اُنہیں اپنے گھر میں عزت سے رکھا ہوا تھا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تم میرے آقا کی بیوی ہو، اور میں تمہاری بات مان کر اُس کے ساتھ خیانت کیسے کرسکتا ہوں؟

(۱۶) اس آیت کی تفسیر دو طریقے سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رَبّ کی طرف سے ایک دلیل نہ دیکھ لیتے تو اُن کے دِل میں بھی اُس عورت کی طرف جھکاؤ پیدا ہوجاتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں ایک دلیل نظر آگئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)، اس لئے اُن کے دِل میں اُس عورت کے بارے میں کوئی بُرا خیال تک نہیں آیا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شروع میں اُن کے دِل میں بھی تھوڑا سا میلان پیدا ہوا تھا جو ایک بشری تقاضا ہے، مگر بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اس کی بہترین مثال ایسی ہے جیسے پیاس کی حالت میں روزہ دار کو ٹھنڈا پانی دیکھ کر طبعی طور پر اُس کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، لیکن روزہ توڑنے کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا، اسی طرح غیر اختیاری طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دِل میں بھی میلان پیدا ہوا، اور اگر وہ اپنے رَبّ کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو یہ میلان آگے بھی بڑھ سکتا تھا، لیکن اپنے رَبّ کی دلیل دیکھنے کے بعد وہ غیر اختیاری جھکاؤ سے آگے نہیں بڑھا۔ زیادہ تر مفسرین نے اس دوسری تفسیر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اوّل تو یہ عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے، دوسرے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقامِ بلند کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔ اگر ان کے دِل میں یہ غیر اختیاری خیال بھی پیدا نہ ہوتا تو گناہ سے بچنا اتنا مشکل نہیں تھا، لیکن اس جھکاؤ کے باوجود اپنے آپ کو بچانا زبردست اُولوالعزمی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دِل کے تقاضے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور گناہ سے بچنا بڑے اَجر وثواب کا کام ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ وہ دلیل کیا تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ''اپنے رَبّ کی دلیل'' سے تعبیر فرمایا ہے؟ اس سوال کا واضح اور بے غبار جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس عمل کے گناہ ہونے کی دلیل ہے جس کی طرف انہوں نے دھیان رکھا، اور گناہ سے محفوظ رہے۔ بعض روایات میں اس کی یہ تفسیر بھی آئی ہے کہ اُس وقت اُن کو اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دِکھادی گئی تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾

اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے، اور (اس کشمکش میں) اُس عورت نے اُن کے قمیص کو پیچھے کی طرف سے پھاڑ ڈالا(۱۷)۔ اتنے میں دونوں نے اُس عورت کے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا۔ اُس عورت نے فوراً (بات بنانے کے لئے اپنے شوہر سے) کہا کہ: ''جو کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے، اُس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے؟'' ﴿۲۵﴾ یوسف نے کہا: ''یہ خود تھیں جو مجھے ورغلا رہی تھیں۔'' اور اُس عورت کے خاندان ہی میں سے ایک گواہی دینے والے نے یہ گواہی دی کہ: ''اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔ ﴿۲۶﴾ اور اگر ان کی قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے، اور یہ سچے ہیں(۱۸)۔'' ﴿۲۷﴾

---

(۱۷) حضرت یوسف علیہ السلام اُس عورت سے رُخ موڑ کر دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے، عورت نے پیچھے سے اُنہیں کھینچنا چاہا، اس سے قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی عزیزِ مصر پر واضح کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ خود زلیخا کے خاندان کے ایک شخص نے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسی علامت بتائی جس کی معقولیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو یہ

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾

ع ۹ ۱۳

پھر جب شوہر نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اُس نے کہا کہ: ''یہ تم عورتوں کی مکاری ہے، واقعی تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے۔ ﴿۲۸﴾ یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو، اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقینی طور پر تو ہی خطا کار تھی۔''(۱۹) ﴿۲۹﴾

اور شہر میں کچھ عورتیں یہ باتیں کرنے لگیں کہ: ''عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے۔ اس نوجوان کی محبت نے اُسے فریفتہ کرلیا ہے۔ ہمارے خیال میں تو یقینی طور پر وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔'' ﴿۳۰﴾

اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ عورت کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، عورت نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اس کشمکش میں اُن کی قمیص پھٹ گئی، لیکن اگر وہ پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگے بھاگ رہے تھے، زلیخا اُن کا پیچھا کر کے اُنہیں روکنا چاہتی تھی، اور اُنہیں اپنی طرف کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ اوّل تو یہ بات ہی نہایت معقول تھی، دوسرے بعض مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہی زلیخا کے خاندان کے ایک چھوٹے سے بچے نے دی تھی جو ابھی بولنے کے قابل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اُسے بولنے کی طاقت اسی طرح عطا فرمادی تھی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ غرض اس ناقابلِ انکار ثبوت کے بعد عزیزِ مصر کو یقین ہوگیا کہ سارا قصور اُس کی بیوی کا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ ہیں۔

(۱۹) عزیزِ مصر کو یقین ہوگیا تھا کہ شرارت اُس کی بیوی ہی کی تھی، لیکن شاید بدنامی کے خوف سے اُس نے بات کو پوشیدہ رکھا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

چنانچہ جب اُس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کے مکر کی یہ بات سنی[20] تو اُس نے پیغام بھیج کر اُنہیں (اپنے گھر) بلوالیا، اور اُن کے لئے ایک تکیوں والی نشست تیار کی، اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا،[21] اور (یوسف سے) کہا کہ: ''ذرا باہر نکل کر ان کے سامنے آجاؤ۔'' اب جو ان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو انہیں حیرت انگیز (حد تک حسین) پایا، اور (اُن کے حسن سے مبہوت ہو کر) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بول اُٹھیں کہ: ''حاشا اللہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے، ایک قابلِ تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہوسکتا۔'' ﴿۳۱﴾ عزیز کی بیوی نے کہا: ''اب دیکھو! یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے! یہ بات واقعی سچ ہے کہ میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ نکلا۔ اور اگر یہ میرے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اسے قید ضرور کیا جائے گا، اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔'' ﴿۳۲﴾

(۲۰) ان عورتوں کی اس بات کو ''مکر'' شاید اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کسی خیر خواہی کی وجہ سے یہ باتیں نہیں بنا رہی تھیں، بلکہ محض زلیخا کو بدنام کرنا مقصود تھا، اور کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی شہرت سن کر یہ باتیں اسی لئے کی ہوں کہ زلیخا اُن کو بھی دیدار کا موقع فراہم کردے۔

(۲۱) ان کی مہمان نوازی کے لئے پھل دسترخوان پر رکھے گئے تھے، اور چاقو انہیں کاٹنے کے لئے دیا گیا تھا،

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾

یوسف نے دُعا کی کہ: ''یا رَبّ! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں، اُس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔[۲۲] اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دِل بھی ان کی طرف کھنچنے لگے گا، اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں، اُن میں میں بھی شامل ہوجاؤں گا۔'' ﴿۳۳﴾ چنانچہ یوسف کے رَبّ نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان عورتوں کی چالوں سے اُنہیں محفوظ رکھا۔ بیشک وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ ﴿۳۴﴾

لیکن شاید زلیخا کو یہ اندازہ تھا کہ جب یہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیں گی تو یہ چاقو بے خودی کی حالت میں خود ان کے ہاتھوں پر چل جائے گا۔ چنانچہ آگے بیان فرمایا گیا ہے کہ واقعی جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن و جمال میں ایسی محو ہوئیں کہ بے خیالی میں چاقو ان کے ہاتھوں پر چل گیا۔

(۲۲) بعض روایات میں ہے کہ ان عورتوں نے جو پہلے زلیخا کو ملامت کررہی تھیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد اُلٹی حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کرنی شروع کردی کہ تمہیں اپنی مالکہ کا کہنا ماننا چاہئے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں میں سے بھی کچھ نے انہیں تنہائی میں نصیحت کے بہانے بلا کر گناہ کی دعوت دینی شروع کی۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دُعا میں صرف زلیخا کا نہیں، بلکہ تمام عورتوں کا ذکر فرمایا۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ

ع ۱۴

پھران لوگوں نے (یوسف کی پاکدامنی کی) بہت سی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی مناسب یہی سمجھا کہ اُنہیں ایک مدت تک قید خانے بھیج دیں۔ (۲۳) ﴿۳۵﴾

اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان قید خانے میں داخل ہوئے۔ (۲۴) اُن میں سے ایک نے (ایک دن یوسف سے) کہا کہ: "میں (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں" اور دوسرے نے کہا کہ: "میں (خواب میں) یوں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹی اُٹھائی ہوئی ہے، (اور) پرندے اُس میں سے کھا رہے ہیں۔ ذرا ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو۔" ﴿۳۶﴾ یوسف نے کہا: "جو کھانا تمہیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے، وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کی حقیقت بتادوں گا۔ (۲۵)

---

(۲۳) یعنی اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور پارسائی کے بہت سے دلائل ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن عزیزِ مصر نے اپنی بیوی کو بدنامی سے بچانے اور اس واقعے کا چرچا ختم کرنے کے لئے مناسب یہ سمجھا کہ کچھ عرصے تک انہیں قید خانے ہی میں بند رکھا جائے۔

(۲۴) روایات میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا، اور دوسرا اُس کا باورچی تھا، اور ان پر اِلزام یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ اس اِلزام میں ان پر مقدمہ چل رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں بھیجا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی، اور انہوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھی۔

(۲۵) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اطمینان دِلایا کہ میں

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىْ رَبِّىْ ؕ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

یہ اُس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مگر اس سے پہلے میری ایک بات سنو۔) بات یہ ہے کہ میں نے اُن لوگوں کا دِین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر اِیمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں۔ (۲۶) ﴿۳۷﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دِین کی پیروی کی ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ (توحید کا عقیدہ) ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۳۸﴾

تمہارے ان خوابوں کی تعبیر ابھی تھوڑی دیر میں بتادوں گا، اور جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہے، اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بتادوں گا۔ اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہو، اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ اس مرتبہ کونسا کھانا تمہیں دیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مجھے بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتادیتے ہیں۔ یہ بات آپ نے اس لئے ارشاد فرمائی کہ آپ ان دونوں کو توحید کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اور ان کو آپ کے اس علم کا پتہ چلنے سے اس بات کی اُمید تھی کہ وہ آپ کی بات کو غور سے سنیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو دِین کی کوئی بات بتانی ہو تو اُس کے دِل میں اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی شخص اپنے علم کا اظہار کردے، اور محض بڑائی جتانا مقصود نہ ہو تو ایسا اظہار کرنا جائز ہے۔

(۲۶) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ دونوں قیدی ان پر خواب کی تعبیر کے بارے میں بھروسہ کررہے ہیں، اور انہیں نیک بھی سمجھتے ہیں تو خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے ان کو دِینِ حق کی دعوت دینا مناسب سمجھا، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اُسے سولی دی جائے گی، اور اس طرح اُس کی زندگی کی مہلت ختم ہونے والی ہے، اس لئے آپ نے چاہا کہ مرنے سے پہلے وہ ایمان لے آئے، تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔ یہی پیغمبرانہ اُسلوب ہے کہ وہ جب کوئی مناسب موقع دیکھتے ہیں، اپنی دعوت پیش کرنے سے نہیں چوکتے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ز

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رَبّ بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اِقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ ﴿۳۹﴾ اُس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، اُن کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے اُن کے حق میں کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اُسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا سیدھا دِین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۴۰﴾ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (قید سے آزاد ہو کر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا، تو اُسے سولی دی جائے گی، جس کے نتیجے میں پرندے اُس کے سر کو (نوچ کر) کھائیں گے۔ جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اُس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے۔" ﴿۴۱﴾ اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اُس سے یوسف نے کہا کہ: "اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کردینا۔"(۲۷)

---

(۲۷) آقا سے مراد بادشاہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جس قیدی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ چھوٹ جائے گا، اور واپس جا کر حسبِ معمول اپنے آقا کو شراب پلائے گا، اُس سے آپ نے یہ بات فرمائی کہ تم اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا تذکرہ کرنا کہ ایک شخص بے گناہ جیل میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کے معاملے پر آپ کو

ع ۵ ۱۵ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُس کو یہ بات بھلادی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا۔ چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔ ﴿۴۲﴾ اور (چند سال بعد مصر کے) بادشاہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ: ’’میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کا مطلب بتاؤ۔‘‘ ﴿۴۳﴾ انہوں نے کہا کہ: ’’یہ پریشان قسم کے خیالات (معلوم ہوتے) ہیں، اور ہم خوابوں کی تعبیر کے علم سے واقف (بھی) نہیں۔[۲۸]‘‘ ﴿۴۴﴾

توجہ کرنی چاہئے۔ مگر جیسا کہ آگے بیان فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ شخص بادشاہ سے یہ بات کہنا بھول گیا جس کی وجہ سے انہیں کئی سال اور جیل میں رہنا پڑا۔

(۲۸) بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا، وہ اُس کی تعبیر جاننا چاہتا تھا، مگر دربار کے لوگوں نے پہلے تو یہ کہا کہ یہ کوئی بامعنی خواب معلوم نہیں ہوتا، پریشان قسم کے خیالات بعض اوقات ایسے خوابوں کا رُوپ دھار لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہا کہ اگر یہ واقعی کوئی بامعنی خواب ہے، تب بھی ہم اس کی تعبیر بتانے سے قاصر ہیں، کیونکہ ہم اس علم سے واقف نہیں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِيۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾ يُوۡسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيۡقُ اَفۡتِنَا فِىۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىۡۤ اَرۡجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

اور ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا، اور اُسے ایک لمبے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی تھی، اُس نے کہا کہ: ''میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتائے دیتا ہوں، بس مجھے (یوسف کے پاس قید خانے میں) بھیج دیجئے۔''(۲۹) ﴿۴۵﴾ (چنانچہ اُس نے قید خانے میں پہنچ کر یوسف سے کہا:) ''یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے! تم ہمیں اس (خواب) کا مطلب بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور دوسرے سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ شاید میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (اور انہیں خواب کی تعبیر بتاؤں) تاکہ وہ بھی حقیقت جان لیں(۳۰)۔'' ﴿۴۶﴾

(۲۹) یہ وہی قیدی تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کے خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ اُسے جیل سے رہائی مل جائے گی، اور جب وہ رہا ہوا تھا تو اُس سے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا، مگر وہ اُن کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ اب جو بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو اُسے یاد آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خاص علم عطا فرمایا ہے، اور وہ اس خواب کی صحیح تعبیر بتا سکتے ہیں۔ اس لئے اُس نے بادشاہ کو بتایا کہ قید خانے میں ایک شخص ہے جو خواب کی بہترین تعبیر بتاتا ہے، آپ مجھے اُس کے پاس بھیج دیجئے۔ قرآنِ کریم چونکہ قصہ گوئی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ہر قصے سے اُس کا کوئی مقصد وابستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا یہ خاص اُسلوب ہے کہ جو باتیں سننے والا خود اپنی سمجھ سے نکال سکتا ہے، اُن کی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ چنانچہ یہاں بھی صریح لفظوں میں یہ فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اُس کے بعد بادشاہ نے اُس کو قید خانے میں بھیجا، اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے اُس کی ملاقات ہوئی، اور اُس نے اُن سے کہا، بلکہ براہِ راست بات یہاں سے شروع فرمادی کہ: ''یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے...''۔

(۳۰) حقیقت جان لینے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خواب کی صحیح تعبیر سمجھ لیں، اور یہ بھی کہ وہ حضرت یوسف

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

یوسف نے کہا: ''تم سات سال تک مسلسل غلہ زمین میں اُگاؤ گے۔ اس دوران جو فصل کاٹو، اُس کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، البتہ تھوڑا سا غلہ جو تمہارے کھانے کے کام آئے، (وہ نکال لیا کرو۔) ﴿۴۷﴾ پھر اس کے بعد تم پر سات سال ایسے آئیں گے جو بڑے سخت ہوں گے، اور جو کچھ ذخیرہ تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کر رکھا ہوگا، اُس کو کھا جائیں گے، ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ جو تم محفوظ کر سکو گے، (صرف وہ بچ جائے گا) ﴿۴۸﴾ پھر اُس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش ہوگی، اور وہ اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔''[۳۱] ﴿۴۹﴾

علیہ السلام کے بارے میں حقیقتِ حال سے واقف ہو جائیں کہ ایک ایسا نیک اور راست باز انسان بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے۔

(۳۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی، اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ آئندہ سات سال تک تو موسم ٹھیک رہے گا جس کے نتیجے میں لوگ خوب غلہ اُگائیں گے، لیکن اس کے بعد سات سال تک زبردست قحط پڑے گا۔ سات موٹی تازی گائیں جو خواب میں نظر آئی ہیں، اُن سے مراد سات خوشحالی کے سال ہیں، اور جو سات دُبلی پتلی گائیں دیکھی گئی ہیں، اُن سے قحط کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے۔ اب ان سات قحط کے سالوں کا پہلے سے انتظام کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر بتائی کہ خوشحالی کے سات سالوں میں جتنا غلہ اُگے، اُس میں سے تھوڑا تھوڑا تو اپنے روزمرہ کے کھانے کے لئے نکال لیا جائے، اور باقی غلے کو اُن کی بالیوں ہی میں پڑا رہنے دیا جائے، تاکہ وہ سڑ کر خراب نہ ہو۔ جب قحط کے سات سال آئیں گے تو یہ ذخیرہ اُس وقت کام آئے گا، اور قحط کے یہ سات سال اس سارے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ اور خواب میں دُبلی پتلی گائیں جو موٹی گایوں کو کھاتی ہوئی نظر آئی ہیں، اُن کا مطلب یہی ہے کہ قحط کے سال خوشحالی کے سالوں میں جمع کئے ہوئے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ البتہ تھوڑا سا غلہ آئندہ بیج ڈالنے کے لئے بچا رہے گا جو آئندہ سال کی کاشت کے کام آئے گا۔ چنانچہ اگلے سال خوب بارشیں ہوں گی، اور لوگ انگور کا خوب رس نکالیں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

اور بادشاہ نے کہا کہ: ''اُس کو (یعنی یوسف کو) میرے پاس لے کر آؤ۔'' چنانچہ جب اُن کے پاس ایلچی پہنچا تو یوسف نے کہا: ''اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔''(۳۲) ﴿۵۰﴾

---

(۳۲) یہاں پھر قرآنِ کریم نے واقعے کے وہ حصے حذف فرمادیئے ہیں جو خود سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی تھی، وہ بادشاہ کو بتائی گئی، بادشاہ نے تعبیر سن کر ان کو قدردانی کے طور پر اپنے پاس بلوانا چاہا، اور اس مقصد کے لئے اپنا ایک ایلچی بھیجا۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اپنی رہائی سے پہلے اُس جھوٹے اِلزام کی واضح طور پر صفائی کروائیں جو اُن پر لگایا گیا تھا۔ اس لئے اس مرحلے پر انہوں نے ایلچی کے ساتھ جانے کے بجائے بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ پہلے ان عورتوں کے معاملات کی تحقیق کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، چونکہ ان عورتوں کو ساری بات معلوم تھی، اور ان کے ذریعے حقیقت کا معلوم کرنا زیادہ آسان تھا، اسی لئے زلیخا کے بجائے ان کا حوالہ دیا۔ اور اگرچہ یہ تحقیق جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی کی جاسکتی تھی، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے شاید اس لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا تاکہ بادشاہ اور عزیز مصر وغیرہ پر یہ بات واضح ہوجائے کہ ان کو اپنی بے گناہی پر اتنا یقین ہے کہ وہ بے گناہی ثابت ہوئے بغیر جیل سے رِہا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے انداز سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ انہیں کوئی اعزاز دیں گے۔ اس اعزاز کے ملنے کے بعد تحقیقات کے غیر جانب دارانہ ہونے میں لوگوں کو شکوک اور شبہات ہوسکتے تھے، اس لئے آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ جیل سے اُس وقت نکلیں جب غیر جانب دارانہ تحقیق کے نتیجے میں اِلزام کا ہر داغ دُھل چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا یقین ہوگیا، اور اُس نے جب ان عورتوں کو بلا کر ان سے اس انداز میں سوال کیا جیسے اُسے ساری حقیقت معلوم ہے تو وہ حقیقت سے انکار نہ کرسکیں، بلکہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: ”تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟“ ان سب عورتوں نے کہا کہ: ”حاشاللہ! ہم کو ان میں ذرا بھی تو کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔“ عزیز کی بیوی نے کہا کہ: ”اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ میں نے ہی ان کو ورغلانے کی کوشش کی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل سچے ہیں۔“ ﴿۵۱﴾ (جب یوسف کو قید خانے میں اس گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ:) ”یہ سب کچھ میں نے اس لئے کیا تاکہ عزیز کو یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہوجائے کہ میں نے اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی، اور یہ بھی کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں، اللہ اُن کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ﴿۵۲﴾ اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا ربّ رحم فرمادے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا۔) بیشک میرا ربّ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ (۳۳) ﴿۵۳﴾

بے گناہی کی صاف لفظوں میں گواہی دی۔ اس مرحلے پر عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ اصل غلطی اُسی کی تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے جرم کے اقرار اور توبہ کے ذریعے وہ بھی پاک صاف ہوسکے۔

(۳۳) حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع اور عبدیت کا کمال دیکھئے کہ اس موقع پر جب ان کی بے گناہی خود ان عورتوں کے اعتراف سے ثابت ہوگئی، تب بھی اس پر اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ فرمارہے ہیں کہ میں اس انتہائی خطرناک جال سے جو بچا ہوں، اُس میں میرا کوئی کمال نہیں، نفس تو میرے پاس بھی ہے جو

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

ع ۸

اور بادشاہ نے کہا کہ: "اُس کو میرے پاس لے آؤ، میں اُسے خالص اپنا (معاون) بناؤں گا۔" چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس آگئے، اور) بادشاہ نے اُن سے باتیں کیں تو اُس نے کہا: "آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہوگا، اور تم پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔"(۳۴) ﴿۵۴﴾ یوسف نے کہا کہ: "آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجئے۔ یقین رکھئے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے، (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔"(۳۵) ﴿۵۵﴾ اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اُس میں جہاں چاہیں، اپنا ٹھکانا بنائیں۔ ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں، اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۵۶﴾ اور آخرت کا جو اَجر ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لاتے اور تقویٰ پر کاربند رہتے ہیں۔(۳۶) ﴿۵۷﴾

اِنسان کو برائی کی تلقین کرتا رہتا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے، اُس کے فریب سے بچا لیتا ہے۔ البتہ دوسرے دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ رحم وکرم اُسی پر ہوتا ہے جو گناہ سے بچنے کے لئے اپنی سی کوشش کر گذرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے تک بھاگ کر کی تھی، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُس سے پناہ مانگے۔

(۳۴) بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے جو باتیں کیں، اُن کی تفصیل بعض روایات میں اس طرح آئی

ہے کہ اُس نے پہلے تو خواب کی تعبیر خود حضرت یوسف علیہ السلام سے سننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی کچھ ایسی تفصیلات اُس سے بیان کیں جو بادشاہ نے اب تک کسی اور کو نہیں بتائی تھیں۔ اس پر وہ نہایت حیرت زدہ ہوا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے سالوں کا انتظام کرنے کے لئے بھی بڑی مفید تجویزیں پیش کیں جو اُسے بہت پسند آئیں، اور اُسے آپ کی نیکی کا اطمینان ہوگیا۔ اس موقع پر اُس نے آپ سے کہا کہ آپ پر چونکہ ہمیں پورا بھروسہ ہو چکا ہے، اس لئے آپ کا شمار حکومت کے معتمد اَفراد میں ہوگا۔ نیز جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے اثرات سے بچنے کی تدبیر بتائی تو بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا انتظام کون کرے گا؟ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے پیشکش کی کہ میں یہ ذمہ داری لینے کو تیار ہوں۔

(۳۵) عام حالات میں حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن جب کسی سرکاری عہدے کے نااہلوں کے سپرد ہونے کی وجہ سے خلقِ خدا کی پریشانی کا قوی خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں کسی نیک، پارسا اور متقی آدمی کے لئے عہدے کا طلب کرنا جائز ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ قحط کا جو زمانہ آنے والا ہے، اُس میں لوگوں کے ساتھ ناانصافیاں ہوں گی، اس کے علاوہ اُس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود یہ ذمہ داری قبول فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو نافذ فرمائیں۔ اس لئے آپ نے ملک کے خزانوں کا انتظام اپنے سر لے لیا۔ پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ بادشاہ نے حکومت کے سارے اختیارات اُنہی کے سپرد کردیئے تھے، اور وہ پورے ملک کے حکمران بن گئے تھے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ بادشاہ اُن کے ہاتھ پر مسلمان بھی ہوگیا تھا۔ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا پورے ملک پر اللہ تعالیٰ کا قانونِ انصاف نافذ ہونے کا ذریعہ بن گیا۔

(۳۶) دُنیا میں حضرت یوسف علیہ السلام کو جو عزت اور اِقتدار ملا، اُس کے ذکر کے ساتھ قرآنِ کریم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ اُس اَجرِ عظیم کے مقابلے میں بہت کم ہے جو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ اس طرح ہر وہ شخص جس کو دُنیا میں کوئی عزت اور دولت ملی ہو، اُسے یہ ابدی نصیحت فرمادی گئی ہے کہ اُس کو اصل فکر اس بات کی کرنی چاہئے کہ اس دُنیا کی عزت و دولت کے نتیجے میں آخرت کا اَجر ضائع نہ ہو۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ

اور (جب قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی آئے، اور اُن کے پاس پہنچے،(۳۷) تو یوسف نے انہیں پہچان لیا، اور وہ یوسف کو نہیں پہچانے۔(۳۸) ﴿۵۸﴾ اور جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کردیا تو اُن سے کہا کہ (آئندہ) اپنے باپ شریک بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا۔(۳۹)

(۳۷) جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی تھی، سات سال بعد پورے مصر میں سخت قحط پڑا، اور آس پاس کے علاقے بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خوشحالی کے سات سالوں میں مسلسل غلے کا ذخیرہ کیا جائے، تاکہ جب قحط کے سال آئیں تو یہ ذخیرہ لوگوں کے کام آئے۔ اس موقع پر آپ نہ صرف اپنے علاقے کے لوگوں کو سستے داموں غلہ فروخت کرسکیں گے، بلکہ اردگرد کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کی بھی مدد کرسکیں گے۔ چنانچہ اس قحط کے نتیجے میں دُور دُور تک غلے کی بڑی قلت ہوگئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد) اس پورے عرصے میں فلسطین کے علاقے کنعان ہی میں تھے، جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو انہیں اور ان کے صاحبزادوں کو پتہ چلا کہ مصر کے بادشاہ نے قحط زدہ لوگوں کے لئے راشن مقرر کر رکھا ہے، اور وہاں سے مناسب قیمت پر غلہ مل سکتا ہے۔ اس خبر کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دس باپ شریک بھائی جنہوں نے ان کو بچپن میں کنویں میں ڈالا تھا، راشن لینے کے لئے مصر آئے۔ البتہ ان کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے۔ یہاں راشن کی تقسیم کا سارا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام خود کر رہے تھے، تاکہ سب لوگوں کو اِنصاف کے ساتھ راشن مل سکے۔ چنانچہ ان بھائیوں کو اُن کے سامنے آنا پڑا۔

(۳۸) حضرت یوسف علیہ السلام تو اُن کو اس لئے پہچان گئے کہ ان کی صورتوں میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو توقع بھی تھی کہ وہ راشن لینے کے لئے آئیں گے۔ لیکن وہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں دیکھا تھا، اور اب وہ بہت بڑے ہوچکے تھے، اس لئے صورت میں بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مصر کے محلات میں ہوسکتے ہیں۔

(۳۹) دراصل ہوا یہ تھا کہ جب ان دس بھائیوں کو ایک ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ مل گیا تو انہوں نے حضرت یوسف

اَلَا تَرَوۡنَ اَنِّیۡۤ اُوۡفِی الۡكَیۡلَ وَاَنَا خَیۡرُ الۡمُنۡزِلِیۡنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَاۡتُوۡنِیۡ بِهٖ فَلَا كَیۡلَ لَكُمۡ عِنۡدِیۡ وَلَا تَقۡرَبُوۡنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا سَنُرَاوِدُ عَنۡهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتۡیٰنِهِ اجۡعَلُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ فِیۡ رِحَالِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ یَعۡرِفُوۡنَهَاۤ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰۤی اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۲﴾

کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں پیمانہ بھر بھر کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں؟ ﴿۵۹﴾ اب اگر تم اُسے لے کر نہ آئے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں ہوگا، اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا۔" ﴿۶۰﴾ وہ بولے: "ہم اُس کے والد کو اُس کے بارے میں بہلانے کی کوشش کریں گے (کہ وہ اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیں) اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔" ﴿۶۱﴾ اور یوسف نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ ان (بھائیوں) کا مال (جس کے بدلے انہوں نے غلہ خریدا ہے) انہی کے کجاووں میں رکھ دیں،(۴۰) تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں تو اپنے مال کو پہچان لیں۔ شاید (اس احسان کی وجہ سے) وہ دوبارہ آئیں۔ ﴿۶۲﴾

علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا ایک باپ شریک بھائی ہے جو ہمارے والد کی خدمت کے لئے وہاں رہ گیا ہے، اور یہاں نہیں آسکا۔ آپ اس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیجئے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ راشن کے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں، اُن کی رُو سے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ البتہ اگلی مرتبہ جب آپ آئیں تو اسے بھی ساتھ لے کر آئیں تو میں سب کا حصہ پورا پورا دوں گا۔ اور اگر اس مرتبہ آپ لوگ اُسے ساتھ نہ لائے تو آپ کے اپنے حصے کا غلہ بھی آپ کو نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ آپ کا کوئی اور بھائی بھی ہے، اور دھوکا دینے والوں کو راشن نہیں دیا جاسکتا۔

(۴۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بھائیوں کے ساتھ یہ احسان فرمایا کہ غلے کو خریدنے کے لئے جو قیمت انہوں نے دی تھی، وہ واپس انہی کے سامان میں رکھوادی۔ اُس زمانے میں عموماً سونے چاندی کے سکوں کے بجائے مختلف قسم کا سامان قیمت کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنعان سے کچھ چمڑا اور جوتے لے کر آئے تھے، وہی انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر پیش کیا، اور اُسی کو حضرت یوسف علیہ السلام

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

چنانچہ جب وہ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے کہا: ''ابا جان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے،(۴۱) لہٰذا آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، تاکہ ہم (پھر) غلہ لاسکیں، اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔'' ﴿۶۳﴾ والد نے کہا: ''کیا میں اُس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟ خیر! اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔'' ﴿۶۴﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا مال بھی اُن کو لوٹا دیا گیا ہے۔ وہ کہنے لگے: ''ابا جان! ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہ ہمارا مال ہے جو ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ اور (اس مرتبہ) ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اُونٹ کا بوجھ زیادہ لے کر آئیں گے۔ (اس طرح) یہ زیادہ غلہ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔'' ﴿۶۵﴾

نے واپس ان کے سامان میں رکھوا دیا۔ یہ ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اپنی جیب سے اتنی قیمت سرکاری خزانے میں جمع کرادی ہوگی۔

(۴۱) یعنی اگر ہم بنیامین کو ساتھ لے کر نہ گئے تو ہم میں سے کسی کو غلہ نہیں مل سکے گا۔

قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِىۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ‌ ؕ وَمَاۤ اُغۡنِىۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ‌ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ‌ ۚ وَعَلَيۡهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَمَرَهُمۡ اَبُوۡهُمۡ ؕ مَا كَانَ يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ اِلَّا حَاجَةً فِىۡ نَفۡسِ يَعۡقُوۡبَ قَضٰٮهَا‌ ؕ

والد نے کہا: ''میں اس (بنیامین) کو تمہارے ساتھ اُس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ اُسے ضرور میرے پاس واپس لے کر آؤ گے، اِلا یہ کہ تم (واقعی) بے بس ہو جاؤ۔'' چنانچہ جب انہوں نے اپنے والد کو یہ عہد دے دیا تو والد نے کہا: ''جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اُس پر اللہ نگہبان ہے۔'' ﴿۶۶﴾ اور (ساتھ ہی یہ بھی) کہا کہ: ''میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔(۴۲) میں اللہ کی مشیت سے تمہیں نہیں بچا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔(۴۳) اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور جن جن کو بھروسہ کرنا ہو، انہیں چاہئے کہ اُسی پر بھروسہ کریں۔'' ﴿۶۷﴾ اور جب وہ (بھائی) اُسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح اُن کے والد نے کہا تھا، تو یہ عمل اللہ کی مشیت سے اُن کو ذرا بھی بچانے والا نہیں تھا، لیکن یعقوب کے دِل میں ایک خواہش تھی جو انہوں نے پوری کر لی۔

---

(۴۲) یہ تاکید حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس خیال سے فرمائی کہ یہ گیارہ کے گیارہ بھائی جو سب ماشاء اللہ قد آور اور حسین و جمیل تھے، جب ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں گے، تو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

(۴۳) نظر بد سے بچنے کی تدبیر بتانے کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ انسان کی کسی تدبیر میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے تو انسان کی تدبیر میں اثر پیدا فرما دیتا ہے، اور چاہتا ہے تو وہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی سی تدبیر تو ضرور کرے، لیکن بھروسہ اُس تدبیر کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھے۔

وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

بیشک وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کے حامل تھے، لیکن اکثر لوگ (معاملے کی حقیقت) نہیں جانتے۔(۴۴) ﴿۶۸﴾ اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس خاص جگہ دی،(۴۵) (اور انہیں) بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، لہٰذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہونا جو یہ (دوسرے بھائی) کرتے رہے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ پھر جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کردیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے (سگے) بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا، پھر ایک منادی نے پکار کر کہا کہ: ''اے قافلے والو! تم چور ہو۔''(۴۶) ﴿۷۰﴾

(۴۴) یعنی بہت سے لوگ یا تو اپنی ظاہری تدبیروں ہی کو مؤثرِ حقیقی سمجھ بیٹھتے ہیں، یا ان پر اتنا بھروسہ کرلیتے ہیں کہ انہیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان تدبیروں میں تأثیر پیدا نہ فرمائیں، اُن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام ایسے نہیں تھے، انہوں نے جب اپنے صاحبزادوں کو نظرِ بد سے بچنے کی تدبیر بتائی تو ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ یہ محض ایک تدبیر ہے، لیکن نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی یہ تدبیر نظرِ بد سے حفاظت کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام آئی، لیکن اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے یہ بھائی ایک اور مشکل میں گرفتار ہوئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴۵) روایات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک کمرے میں ٹھہرایا تھا، اس طرح پانچ کمروں میں دس بھائی مقیم ہوگئے۔ بنیامین رہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے ساتھ رہیں گے۔ اس طرح انہیں اپنے سگے بھائی کے ساتھ تنہائی کا موقع مل گیا، جس میں ان کو بتادیا کہ میں تمہارا سگا بھائی ہوں۔ بنیامین نے اس موقع پر کہا کہ اب میں ان بھائیوں کے ساتھ واپس جانا نہیں چاہتا۔ اس کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ تدبیر اختیار کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(۴۶) یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنی طرف سے پیالہ ان کے سامان میں رکھنے کے بعد اتنے

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾

انہوں نے ان کی طرف مڑ کر پوچھا کہ: ''کیا چیز ہے جو تم سے گم ہوگئی ہے؟'' ﴿۷۱﴾ انہوں نے کہا کہ: ''ہمیں بادشاہ کا پیانہ نہیں مل رہا،(۴۷) اور جو شخص اُسے لا کر دے گا، اُس کو ایک اُونٹ کا بوجھ (اِنعام میں) ملے گا، اور میں اس (اِنعام کے دِلوانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں۔'' ﴿۷۲﴾ وہ (بھائی) بولے: ''اللہ کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے تھے، اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں۔'' ﴿۷۳﴾

وثوق کے ساتھ ان کو چور قرار دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پیالہ خفیہ طور پر رکھوایا تھا، اور جب عملے کے لوگوں کو پیالہ نہ ملا تو انہوں نے اپنی طرف سے ان لوگوں کو چور قرار دیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں۔ لیکن جس سیاق میں قرآنِ کریم نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، اس میں یہ احتمال بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کو چور قرار دینا ایک توریہ تھا، اور ان کو چور اس معنی میں کہا گیا تھا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں اپنے والد سے چرالیا تھا۔ تیسرے بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تدبیر چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی، جیسا کہ آگے آیت: ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ: ''اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی'' اس لئے جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، اور جس طرح سورۂ کہف میں حضرت خضر علیہ السلام نے کئی کام بظاہر شریعت کے خلاف کئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے تھے، اس لئے ان کے لئے جائز تھے، اسی طرح یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو عمل کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، اس لئے اس پر کوئی اِشکال نہیں ہونا چاہئے۔

(۴۷) یہ شاہی پیانہ تھا، اور بظاہر قیمتی تھا، ورنہ اس کی تلاش میں اتنی محنت نہ کی جاتی۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

انہوں نے کہا کہ: ''اگر تم لوگ جھوٹے (ثابت) ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟'' ﴿۷۴﴾ انہوں نے کہا: ''اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں سے وہ (پیالہ) مل جائے، وہ خود سزا میں دھر لیا جائے۔ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، ہم ان کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''(۴۸) ﴿۷۵﴾ چنانچہ یوسف نے اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، پھر اُس پیالے کو اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے میں سے برآمد کرلیا۔(۴۹) اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی۔ اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے، اور ہم جس کو چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کردیتے ہیں، اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اُوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔(۵۰) ﴿۷۶﴾

---

(۴۸) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم ہے کہ جو چوری کرے، اُسے گرفتار کرکے رکھ لیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے خود ان بھائیوں سے یہ بات کہلوادی کہ چور کو یہ سزا ملنی چاہئے، چنانچہ جو سزا دی گئی، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق دی گئی، ورنہ بادشاہ کے قانون میں چور کی پٹائی کی جاتی تھی، اور جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے یہ سوال اس لئے فرمایا کہ انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے خلاف فیصلہ نہ کرنا پڑے، اور بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا موقع بھی مل جائے۔

(۴۹) پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی اس لئے شروع فرمائی تاکہ تلاشی غیر جانب دار سمجھی جائے۔

(۵۰) یہ سارے بھائی خوشی خوشی یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے اپنا مقصد پالیا، لیکن ان کو یہ علم نہیں تھا کہ چلتے چلتے کیا ہونے والا ہے؟ کوئی شخص کتنے ہی بڑے علم کا دعویٰ کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کا علم اُس پر یقیناً فائق ہے۔

قَالُوٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

(بہر حال!) وہ بھائی بولے کہ: ''اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو (کچھ تعجب نہیں، کیونکہ) اس کا ایک بھائی اس سے پہلے بھی چوری کر چکا ہے۔''(۵۱) اس پر یوسف نے ان پر ظاہر کئے بغیر چپکے سے (دِل میں) کہا کہ: ''تم تو اس معاملے میں کہیں زیادہ بُرے ہو،(۵۲) اور جو بیان تم دے رہے ہو، اللہ اُس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔'' ﴿۷۷﴾

(۵۱) ان کا مطلب یہ تھا کہ بنیامین کے بھائی یعنی یوسف علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ چوری کی تھی۔ یہ اِلزام انہوں نے کیوں لگایا؟ اس کی وجہ قرآنِ کریم نے بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اُن کے بچپن ہی میں وفات پاگئی تھیں، اور ان کی پھوپی نے ان کی پرورش کی، کیونکہ بچپن کے بالکل ابتدائی دور میں بچے کی دیکھ بھال کے لئے کسی عورت کی ضرورت تھی، لیکن جب وہ ذرا بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُنہیں اپنے پاس رکھنا چاہا۔ پھوپی اس عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اتنی محبت کرنے لگی تھیں کہ ان سے ان کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اپنا ایک پٹکا اُن کی کمر سے باندھ کر یہ مشہور کر دیا کہ وہ چوری ہو گیا ہے۔ بعد میں جب وہ پٹکا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے برآمد ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق انہیں یہ حق مل گیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ جب تک وہ پھوپی زندہ رہیں، اُس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ واقعہ ان کے بھائیوں کو معلوم تھا، اور وہ جانتے تھے کہ درحقیقت پٹکا انہوں نے چوری نہیں کیا تھا، مگر چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخالف تھے، اس لئے انہوں نے اس موقع پر چوری کا اِلزام بھی ان پر لگا دیا (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ یہ واقعہ اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ان روایات کو صحیح قرار دیا جائے جن کی رُو سے ان کا انتقال ہو چکا تھا، اور جن روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ زندہ تھیں، ان کے لحاظ سے چوری کے اِلزام کی یہ توجیہ ممکن نہیں ہے۔ بہر صورت یہ بات واضح ہے کہ اِلزام غلط تھا۔

(۵۲) یعنی اس چوری کے معاملے میں جس کا اِلزام تم مجھ پر لگا رہے ہو، تمہاری حالت کہیں زیادہ بری ہے، کیونکہ تم نے خود مجھے میرے باپ سے چرا کر کنویں میں ڈال دیا تھا۔

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

(اب) وہ کہنے لگے کہ: ''اے عزیز! اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، اس لئے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اَپنے پاس رکھ لیجئے۔ ہم آپ کو ان لوگوں میں سے سمجھتے ہیں جو اِحسان کیا کرتے ہیں۔'' ﴿۷۸﴾ یوسف نے کہا: ''اس (ناانصافی) سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے، اُس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر ہم ظالم ہوں گے۔'' ﴿۷۹﴾ چنانچہ جب وہ یوسف سے مایوس ہوگئے تو الگ ہوکر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ ان سب میں جو بڑا تھا، اُس نے کہا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں جو قصور کر چکے ہو، (وہ بھی معلوم ہے)۔ لہٰذا میں تو اس ملک سے اُس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۸۰﴾ جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے کہو کہ: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کرلی تھی، اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی ہے، اور غیب کی نگہبانی تو ہمارے بس میں نہیں تھی۔ ﴿۸۱﴾

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور جس بستی میں ہم تھے اس سے پوچھ لیجئے، اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں، اس سے تحقیق کر لیجئے، یہ بالکل پکی بات ہے کہ ہم سچے ہیں۔" ﴿۸۲﴾ (چنانچہ یہ بھائی یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے، اور ان سے وہی بات کہی جو بڑے بھائی نے سکھائی تھی) یعقوب نے (یہ سن کر) کہا: "نہیں، بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ (۵۳) اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ میرے پاس ان سب کو لے آئے۔ بیشک اس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔" ﴿۸۳﴾ اور (یہ کہہ کر) انہوں نے منہ پھیر لیا، اور کہنے لگے: "ہائے یوسف!" اور ان کی دونوں آنکھیں صدمے سے (روتے روتے) سفید پڑ گئی تھیں، اور وہ دِل ہی دِل میں گھٹے جاتے تھے۔ ﴿۸۴﴾ ان کے بیٹے کہنے لگے: "اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔" ﴿۸۵﴾ یعقوب نے کہا: "میں اپنے رنج وغم کی فریاد (تم سے نہیں) صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ ﴿۸۶﴾

---

(۵۳) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ بنیامین چوری نہیں کر سکتا، اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس مرتبہ بھی ان لوگوں نے کوئی بہانہ بنایا ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

میرے بیٹو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا کچھ سراغ لگاؤ، اور اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو۔ یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نااُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔"(۵۴) ﴿۸۷﴾

چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے (یوسف سے) کہا: "اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت پڑی ہوئی ہے، اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا پورا غلہ دے دیجئے،(۵۵) اور اللہ کے لئے ہم پر اِحسان کیجئے۔ یقیناً اللہ اپنی خاطر اِحسان کرنے والوں کو بڑا اَجر عطا فرماتا ہے۔" ﴿۸۸﴾

---

(۵۴) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام بھی کہیں نہ کہیں زندہ ہیں، اور بنیامین گرفتار ہیں، اس لئے انہوں نے کچھ عرصے کے بعد پورے وثوق کے ساتھ حکم دیا کہ جا کر ان دونوں کو تلاش کرو۔ اتنے میں جو غلہ اب تک آیا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا، اور قحط کی حالت جاری تھی۔ اس لئے ان بھائیوں نے یہ سوچا کہ پھر مصر جائیں، کیونکہ بنیامین تو وہاں یقینی طور پر موجود ہیں، پہلے ان کی واپسی کی کوشش کرنی چاہئے، پھر یوسف علیہ السلام کا بھی کچھ سراغ لگانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مصر جا کر پہلے تو یوسف علیہ السلام سے غلے کی بات کی، تاکہ ان کا دِل کچھ نرم پڑے تو بنیامین کی واپسی کی بھی درخواست کریں۔ اگلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی گفتگو بیان فرمائی گئی ہے۔

(۵۵) مطلب یہ ہے کہ قحط کی وجہ سے ہم سخت بدحالی کا شکار ہیں، اس لئے اس مرتبہ ہم اتنی قیمت بھی نہیں لا سکے جو اپنے حصے کا غلہ خریدنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا اب جو کچھ آپ دیں گے وہ محض اِحسان ہی ہوگا۔ قرآنِ کریم میں لفظ "صدقہ" استعمال ہوا ہے، صدقہ ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو کسی کے ذمے واجب نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اِحسان کے طور پر دیا جائے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جٰهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوٓا ءَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهٰذَآ أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخٰطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ ﴿٩٢﴾ إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾ ع

یوسف نے کہا: "تمہیں کچھ پتہ ہے کہ تم جب جہالت میں مبتلا تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟" ﴿۸۹﴾ (اس پر) وہ بول اُٹھے: "ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟"(۵۶) یوسف نے کہا: "میں یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اَجر ضائع نہیں کرتا۔" ﴿۹۰﴾ انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! اللہ نے تم کو ہم پر ترجیح دی ہے، اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔" ﴿۹۱﴾ یوسف بولے: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۹۲﴾ میرا یہ قمیص لے جاؤ، اور اُسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔"(۵۷) ﴿۹۳﴾

(۵۶) اب تک تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانے نہیں تھے، لیکن جب انہوں نے اپنا نام خود لیا، تو غور کرنے کے بعد ان لوگوں کو بھی یہ احتمال پیدا ہوگیا کہ یہی یوسف علیہ السلام ہیں۔

(۵۷) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام یقیناً جانتے ہوں گے کہ ان کی جدائی سے ان کے والد بزرگوار پر کیا گذر رہی ہوگی۔ اس کے باوجود اتنے لمبے عرصے تک انہوں نے کسی بھی ذریعے سے اپنی

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾
قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

اور جب یہ قافلہ (مصر سے کنعان کی طرف) روانہ ہوا تو ان کے والد نے (کنعان میں آس پاس کے لوگوں سے) کہا کہ: ''اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے، تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔''(۵۸) ﴿۹۴﴾ لوگوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! آپ ابھی تک اپنی پرانی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔''(۵۹) ﴿۹۵﴾

خیریت کی کوئی خبر اپنے والد کو بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔ اوّل تو عزیز کے گھر میں رہنے کے دوران خبر بھیجنا کچھ مشکل نہ ہونا چاہئے تھا، پھر قید سے آزادی کے بعد تو ان کو ملک پر مکمل اقتدار بھی حاصل ہو چکا تھا، وہ شروع ہی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اپنے سارے گھر والوں کو مصر بلانے کا انتظام کر سکتے تھے، اور جو بات انہوں نے اپنے بھائیوں سے اب کہی، وہ ان کی پہلی آمد کے موقع پر بھی فرما سکتے تھے، اور اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے رنج وغم کا زمانہ مختصر ہو سکتا تھا، لیکن انہوں نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان سارے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر وضبط کا امتحان لینا تھا، اس لئے اس پورے عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے والد سے رابطہ کریں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۸) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے سب گھر والوں کو مصر لے آئیں۔ چنانچہ وہ ایک قافلے کی صورت میں مصر سے روانہ ہوئے۔ اِدھر وہ مصر سے نکلے، اور اُدھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ یہ دونوں پیغمبروں کا ایک معجزہ تھا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بشارت کہ ان کی آزمائش کا زمانہ ختم ہونے والا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب ہی کنویں میں موجود تھے، اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہیں آئی، اس کے علاوہ مصر میں قیام کے دوران بھی انہیں اس سے پہلے اس کا احساس نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کسی نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں، اس کا مظاہرہ فرمادیتے ہیں۔

(۵۹) یعنی یہ غلط فہمی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِــٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

پھر جب خوشخبری دینے والا پہنچ گیا تو اُس نے (یوسف کی) قمیص ان کے منہ پر ڈال دی، اور فوراً ان کی بینائی واپس آ گئی۔(۶۰) انہوں نے (اپنے بیٹوں سے) کہا: "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے؟" ﴿۹۶﴾ وہ کہنے لگے: "ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کی دُعا فرمائیے۔ ہم یقیناً بڑے خطا کار تھے۔" ﴿۹۷﴾ یعقوب نے کہا: "میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دُعا کروں گا۔ بیشک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۹۸﴾ پھر جب یہ سب لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی،(۶۱) اور سب سے کہا کہ: "آپ سب مصر میں داخل ہو جائیں، جہاں اِن شاء اللہ سب چین سے رہیں گے۔" ﴿۹۹﴾

---

(۶۰) "خوشخبری دینے والے" حضرت یوسف علیہ السلام کے سب سے بڑے بھائی تھے جن کا نام بعض روایات میں یہوداہ اور بعض میں روبن آیا ہے۔ اور خوشخبری دینے سے مراد یہ خوشخبری ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور انہوں نے سب گھر والوں کو اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص چہرے پر ڈالنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آ گئی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے کئی اہم واقعات ظاہر ہوئے۔ انہی کی قمیص کو ان کے بھائی خون لگا کر لائے تھے، اور اس کو صحیح سالم دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سمجھ گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، اور انہی کی قمیص تھی جو زلیخا نے پیچھے سے پھاڑا، اور اس سے ان کی بے گناہی ثابت ہوئی، اور اب یہی قمیص تھی جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دُور سے محسوس ہوئی، اور بالآخر اسی سے ان کی بینائی واپس آئی۔

(۶۱) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین، بھائیوں اور دوسرے گھر والوں کے استقبال کے لئے شہر سے

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ

اور انہوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے،(۶۲) اور یوسف نے کہا: ''ابا جان! یہ میرے پُرانے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے پروردگار نے سچ کر دِکھایا،(۶۳) اور اس نے مجھ پر بڑا اِحسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا، اور آپ لوگوں کو دیہات سے یہاں لے آیا، حالانکہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔(۶۴)

باہر تشریف لائے تھے، اور جب والدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کا خاص اِکرام کر کے انہیں اپنے پاس بٹھایا، اور ابتدائی باتوں کے بعد سارے آنے والوں سے کہا کہ اب سب لوگ شہر میں اطمینان کے ساتھ چل کر رہیں۔ اس معاملے میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ اُس وقت زندہ تھیں یا نہیں۔ اگر زندہ تھیں تب تو والدین سے مراد حقیقی والدین ہیں، اور اگر وفات پا چکی تھیں تو سوتیلی والدہ کو بھی چونکہ ماں ہی کی طرح سمجھا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی والدین میں شامل کر لیا گیا۔

(۶۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی جو تفسیر مروی ہے، اس کے مطابق ان سب حضرات نے یہ سجدہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لئے کیا تھا، یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا، البتہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اور ان کے مل جانے کی خوشی میں کیا تھا۔ اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ البتہ دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عبادت کا نہیں، بلکہ تعظیم کا ویسا ہی سجدہ تھا جیسا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا تھا، اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تعظیمی سجدہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۶۳) یعنی اس خواب میں چاند سورج سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین تھے، اور ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی۔

(۶۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصائب و آلام کے جس طویل دور سے گذرنا پڑا تھا، اگر کوئی اور ہوتا تو والدین سے ملاقات کے بعد اپنی تکلیفوں کا دُکھڑا سناتا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ ان مصائب

اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡكَ ۚ وَمَا كُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَهُمۡ یَمۡکُرُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے، اس کے لئے بڑی لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ بیشک وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۱۰۰﴾ میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت سے بھی حصہ عطا فرمایا، اور مجھے تعبیر خواب کے علم سے بھی نوازا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔ مجھے اس حالت میں دُنیا سے اُٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا۔" ﴿۱۰۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ تمام واقعہ غیب کی خبروں کا ایک حصہ ہے جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔(۶۵) اور تم اُس وقت ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے سازش کر کے اپنا فیصلہ پختہ کرلیا تھا (کہ یوسف کو کنویں میں ڈالیں گے) ﴿۱۰۲﴾

کے بارے میں ایک لفظ کہے بغیر واقعات کے صرف اچھے رُخ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ قید خانے میں جانے کا نہیں، وہاں سے نکلنے کا ذکر فرمایا، والدین کی جدائی کا بیان کرنے کے بجائے ان کے مصر آجانے کا تذکرہ فرما کر اس پر شکر ادا کیا۔ بھائیوں نے جو ستم ڈھائے تھے، ان کو شیطان کا مچایا ہوا فساد قرار دے کر بات ختم فرما دی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی واقعات کے مثبت رُخ کا تصور کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار رہو۔

(۶۵) جیسا کہ شروع سورت میں عرض کیا گیا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے جواب میں نازل فرمایا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھ رہے تھے کہ بنی اِسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی کیا وجہ تھی؟ ان کو یقین تھا کہ آپ کے پاس بنی اِسرائیل کی تاریخ کے اس حصے کا علم نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے آپ کو یہ معلومات حاصل ہوسکیں۔ اس لئے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ اس سوال کا صحیح

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، چاہے تمہارا کیسا ہی دِل چاہتا ہو۔ ﴿۱۰۳﴾ حالانکہ تم ان سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتے۔ یہ تو دُنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے بس ایک نصیحت کا پیغام ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ بھلا کیا ان لوگوں کو اس بات کا ذرا ڈر نہیں ہے کہ اللہ کے عذاب کی کوئی بلا آکر ان کو لپیٹ لے، یا ان پر قیامت اچانک ٹوٹ پڑے اور انہیں پہلے سے احساس بھی نہ ہو؟ ﴿۱۰۷﴾

جواب نہیں دے سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت اس واقعے کو بیان فرمانے کے لئے نازل فرمادی۔ اب آخر میں یہ نتیجہ نکالا جارہا ہے کہ اس واقعے کو معلوم کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ یہ سوال کررہے تھے، وہ یہ تفصیل سننے کے بعد آپ کی نبوت اور رِسالت پر ایمان لے آئیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر لوگوں کا ان سوالات سے یہ مقصد نہیں تھا کہ حق واضح ہونے کے بعد اس کو قبول کرلیں، بلکہ یہ سارے سوالات صرف ضد کی وجہ سے کئے جارہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں واضح فرمادیا کہ ان کھلے کھلے دلائل کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْـــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”یہ میرا راستہ ہے۔ میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔ اور اللہ (ہر قسم کے شرک سے) پاک ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔“ ﴿۱۰۸﴾ اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب مختلف بستیوں میں بسنے والے انسان ہی تھے جن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔[(۶۶)] تو کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۰۹﴾ (پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی[(۶۷)] (یعنی کافروں پر عذاب آیا) اور جن کو ہم چاہتے تھے، انہیں بچالیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں، ان سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ ﴿۱۱۰﴾

(۶۶) یہ کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ ہمارے پاس رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟

(۶۷) اس آیت کا یہ ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور بعض

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ ع ۱۲

یقیناً ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے بڑا عبرت کا سامان ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہو، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں، ان کی تصدیق ہے، اور ہر بات کی وضاحت،(۶۸) اور جو لوگ ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان! ﴿۱۱۱﴾

دوسرے تابعین وغیرہ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طویل بحث کے بعد آخر میں راجح قرار دیا ہے۔ آیت کی دوسری تفسیریں بھی ممکن ہیں، اور بعض مفسرین نے ان کو بھی اختیار کیا ہے، لیکن شاید یہ تفسیر جو ترجمے میں اختیار کی گئی ہے، سب سے زیادہ بے غبار ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلے انبیائے کرام کے دور میں بھی ایسا ہو چکا ہے کہ ان کو جھٹلانے والے کفار کو جب لمبی مہلت دی گئی، اور ان پر مدت تک عذاب نہ آیا تو ایک طرف انبیائے کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے، اور دوسری طرف وہ کافر یہ سمجھ بیٹھے کہ انبیائے کرام نے ان کو عذابِ الٰہی کی جو دھمکیاں دی تھیں، (معاذ اللہ) وہ جھوٹی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اچانک انبیائے کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد آئی، ان کے جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہوا، اور ان کی بات سچی ہوئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۶۸) ایک طرف تو قرآنِ کریم یہ فرما رہا ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے جن میں یہ واقعہ مجموعی طور پر اسی طرح بیان ہوا ہے، مگر دوسری طرف "ہر بات کی وضاحت" فرما کر شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اس واقعے کے سلسلے میں ان پچھلی کتابوں میں کچھ کتر بیونت ہو گئی تھی، قرآنِ کریم نے اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ چنانچہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بائبل کی

کتابِ پیدائش میں پڑھا جائے، تو بعض تفصیلات میں وہ قرآنِ کریم کے بیان سے مختلف نظر آتا ہے۔ اِشارہ غالبًا اس طرف ہے کہ قرآنِ کریم نے ان تفصیلات کی وضاحت فرمادی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

الحمدللہ تعالیٰ! سورۂ یوسف کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۰ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۷ ؍جولائی ۲۰۰۶ء بروز دوشنبہ بعد عشاء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الرَّعْدِ

تعارف

یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اِثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اِعتراضات کا جواب ہے۔ پچھلی سورت یعنی سورۂ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۱۰۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادرِ مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کے لئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اِنصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرّہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے، اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اُس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ اس دُنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو، اور اُس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اَحکام معلوم کر کے دُنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۱۳ میں آیا ہے۔ عربی میں گرج کو "رعد" کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام "رعد" رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۴۳ ۱۳ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ ۹۶ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۲ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓرٰ۔[1] یہ (اللہ کی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں،[2] پھر اُس نے عرش پر اِستواء فرمایا،[3] اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔[4] ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جا ملنا ہے۔[5] ﴿۲﴾

اور وہی ذات ہے جس نے یہ زمین پھیلائی، اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور اُس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے پیدا کئے۔[6] وہ دن کو رات کی چادر اُڑھا دیتا ہے۔

---

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، ان حروفِ مقطعات کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

نہیں جانتا۔

(۲) یعنی یہ آسمان ایسے ستونوں پر نہیں کھڑے ہیں جو آنکھوں سے نظر آسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ ہی کے سہارے انہیں کھڑا کیا ہوا ہے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے (روح المعانی ۱۳: ۱۱۰)۔

(۳) ''اِستواء'' کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا اِستواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اُردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح اِستواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کرسکتی ہے۔

(۴) اشارہ اس طرف ہے کہ یہ چاند سورج بے مقصد گردش نہیں کررہے ہیں، ان کے سپرد ایک کام ہے جو وہ انتہائی نظم وضبط اور اِستقامت کے ساتھ اس طرح انجام دیئے جارہے ہیں کہ ان کے نظام الاوقات میں ایک لمحے کا بھی فرق نہیں آتا۔ اگر غور کیا جائے تو ان کے سپرد پوری دُنیا کی خدمت ہے، لہٰذا ایک ہوش مند اِنسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ عظیم الشان مخلوقات اُس کی خدمت کیوں انجام دے رہی ہیں؟ اگر خود اُس کے سپرد کوئی بڑی خدمت نہیں ہے تو چاند سورج کو کیا ضرورت ہے کہ وہ مستقل طور پر اِنسان کی خدمت انجام دیں؟

(۵) یعنی آخرت کا یقین پیدا کرلو، اور وہ اس طرح کہ جس ذات نے اتنی حیرت انگیز کائنات پیدا فرمائی ہے، وہ اس بات پر کیوں قادر نہیں ہوسکتی کہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کردے۔ نیز اُس کی حکمت اور اِنصاف سے بعید ہے کہ وہ اچھے اور برے، ظالم اور مظلوم دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرے، اور اُس نے اِس دُنیا کے بعد کوئی ایسا عالم پیدا نہ کیا ہو جس میں نیک لوگوں کو اُن کی نیکی کا اچھا بدلہ اور برائی کرنے والوں کو اُن کی برائی کی سزا دی جاسکے۔

(۶) نباتات میں نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ حقیقت لوگوں کو معلوم نہیں تھی کہ نر اور مادہ کا یہ نظام ہر درخت اور ہر پودے میں ہوتا ہے، لیکن جدید سائنس کو یہ حقیقت اب دریافت ہوگئی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ④ وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ

حقیقت یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کریں۔ ﴿۳﴾ اور زمین میں مختلف قطعے ہیں جو پاس پاس واقع ہوئے ہیں،(۷) اور انگور کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں، جن میں سے کچھ دُہرے تنے والے ہیں، اور کچھ اکہرے تنے والے۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، اور ہم ان میں سے کسی کو ذائقے میں دوسرے پر فوقیت دے دیتے ہیں۔(۸) یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۴﴾
اور اگر تمہیں (ان کافروں پر) تعجب ہوتا ہے تو ان کا یہ کہنا (واقعی) عجیب ہے کہ: "کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟"(۹)

---

(۷) یعنی پاس پاس ہونے کے باوجود زمین کے مختلف حصوں کی خصوصیات میں فرق ہوتا ہے۔ زمین کا ایک قطعہ کاشت کے لائق ہے، مگر اُس کے بالکل برابر والا کاشت کے لائق نہیں۔ ایک حصے سے میٹھا پانی نکل رہا ہے، مگر اُس کے قریب ہی دوسرے حصے سے کھارا پانی برآمد ہوتا ہے۔ ایک قطعہ نرم ہے اور دوسرا سنگلاخ۔

(۸) یعنی کسی درخت سے زیادہ پھل نکلتے ہیں، کسی سے کم، کسی کا ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے، اور کسی کا اتنا اچھا نہیں ہوتا۔

(۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ جو ذات یہ عظیم کائنات عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ لیکن تعجب کے لائق تو یہ بات ہے کہ یہ کافر لوگ کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے بیشمار مظاہر دیکھنے کے بعد بھی نئے سرے سے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ الْأَغْلٰلُ فِيٓ أَعْنَاقِهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝٥ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ ع اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۗ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝٨ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝٩

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ (کی قدرت) کا انکار کیا ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، (۱۰) اور وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ خوشحالی (کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے تم سے بدحالی کی جلدی مچائے ہوئے ہیں، (۱۱) حالانکہ ان سے پہلے ایسے عذاب کے واقعات گذر چکے ہیں جس نے لوگوں کو رُسوا کر ڈالا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کے لئے اُن کی زیادتی کے باوجود تمہارے ربّ کی ذات ایک معاف کرنے والی ذات ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اُس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (۱۲) ﴿۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ''بھلا ان پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے ربّ کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟'' (۱۳) (اے پیغمبر!) بات یہ ہے کہ تم تو صرف خطرے سے ہوشیار کرنے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو ہدایت کا راستہ دِکھائے۔ ﴿۷﴾
جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے، اُس کو بھی۔ (۱۴) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ ﴿۸﴾ وہ غائب و حاضر تمام باتوں کا جاننے والا ہے، اُس کی ذات بہت بڑی ہے، اُس کی شان بہت اُونچی۔ ﴿۹﴾

---

(۱۰) جب کسی کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہو تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ

لوگ حقائق کو دیکھنے اور اُن کی طرف دھیان کرنے سے محروم ہیں (روح المعانی)۔ اس کے علاوہ گلے میں طوق دراصل غلامی کی علامت ہے۔ چنانچہ اسلام سے پہلے معاشروں میں غلاموں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تھا۔ لہٰذا آیت کا اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کے گلوں میں اپنی خواہشات اور شیطان کی غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے، اس لئے وہ غیر جانب داری سے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے۔ اور بعض مفسرین نے اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ آخرت میں ان کے گلوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔

(۱۱) کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر ہمارا دِین غلط ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ ہم پر عذاب نازل کردے۔ یہ ان کے اس بے ہودہ مطالبے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یعنی جو چھوٹے چھوٹے گناہ انسان سے نادانی میں سرزد ہوجائیں، یا بڑے گناہ ہوں، مگر اِنسان اُن سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ ان زیادتیوں کے باوجود اپنے بندوں کو معاف فرمادیتا ہے، لیکن کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ضد اور عناد کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ لہٰذا بندوں کو یہ سوچ کر بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے، اس لئے وہ ہماری ہر نافرمانی کو ضرور معاف فرمادے گا۔

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفارِ مکہ اپنی طرف سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ جواب میں قرآنِ کریم نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک پیغمبر ہیں، وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دِکھا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے پاس ایسے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان سب کا یہی حال تھا۔

(۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس ماں کے پیٹ میں کیسا بچہ ہے، اور رحم میں رہتے ہوئے حمل بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهُ مُعَقِّبَٰتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ ﴿۱۱﴾

تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے، کوئی رات کے وقت چھپا ہوا ہو، یا دن کے وقت چل پھر رہا ہو، وہ سب (اللہ کے علم کے لحاظ سے) برابر ہیں۔ ﴿۱۰﴾ ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگراں (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔(۱۵) یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے۔(۱۶) اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اُس کا ٹالنا ممکن نہیں، اور ایسے لوگوں کا خود اُس کے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہوسکتا۔ ﴿۱۱﴾

---

(۱۵) ''نگراں'' سے یہاں مراد فرشتے ہیں۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اِنسان کی حفاظت کے لئے کچھ فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اصل لفظ ''مُعَقِّبٰتٌ'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں: ''باری باری آنے والے'' اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آئی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت دن کے وقت انسانوں کی نگرانی پر مامور ہے، اور دوسری جماعت رات کے وقت ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے مختلف حادثات سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں، البتہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہی یہ ہو کہ کسی شخص کو کسی تکلیف میں مبتلا کیا جائے تو یہ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن)۔

(۱۶) انسانوں کی حفاظت پر جو فرشتے مقرر ہیں، اُس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا یہ انتظام کر رکھا ہے تو اِنسان کو بے فکر ہوجانا چاہئے، اور گناہ ثواب کی پروا بھی نہ کرنی چاہئے، کیونکہ یہ فرشتے

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَ یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَ هُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دِکھلاتا ہے جس سے تمہیں (اُس کے گرنے کا) ڈر بھی لگتا ہے، اور (بارش کی) اُمید بھی بندھتی ہے، اور وہی (پانی سے) لدے ہوئے بادل اُٹھاتا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور بادلوں کی گرج اُسی کی تسبیح اور حمد کرتی ہے،[17] اور اُس کے رُعب سے فرشتے بھی (تسبیح میں لگے ہوئے ہیں) اور وہی کڑکتی ہوئی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے اُنہیں مصیبت بنا کر گرادیتا ہے۔ اور ان (کافروں) کا حال یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کے بارے میں بحثیں کررہے ہیں، حالانکہ اُس کی طاقت بڑی زبردست ہے۔ ﴿۱۳﴾

حفاظت کرلیں گے۔ آیت کے اس حصے میں اس غلط فہمی کو دُور کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو بدحالی سے خود بخود نہیں بدلتا، لیکن جب وہ نافرمانی پر کمر باندھ کر اپنی حالت خود بدل ڈالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے، اور اسے کوئی دُور نہیں کرسکتا، چنانچہ وہ نگراں فرشتے بھی ایسی صورت میں کام نہیں دیتے۔

(۱۷) "بادلوں کی گرج" کا حمد اور تسبیح کرنا حقیقی معنی میں بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ کائنات کی ہر چیز کے بارے میں قرآنِ کریم نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے، مگر لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہیں (۱۷: ۴۴)۔ اور اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جو شخص بھی بادلوں کی گرج چمک، اس کے اسباب اور اس کے نتائج پر غور کرے گا، وہ دُنیا کے کونے کونے تک پانی پہنچانے کے اس حیرت انگیز نظام کو دیکھ کر اُس خالق و مالک کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے یہ نظام بنایا ہے، نیز وہ اس نتیجے تک

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدۃ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ

وہی ہے جس سے دُعا کرنا برحق ہے۔ اور اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ اُن کی دُعاؤں کا کوئی جواب نہیں دیتے، البتہ ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ چاہے کہ پانی خود اُس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی خود منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور (بتوں سے) کافروں کے دُعا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بھٹکتی ہی پھرتی رہے۔ ﴿۱۴﴾ اور وہ اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات سجدہ کرتی ہیں، کچھ خوشی سے، کچھ مجبوری سے،(۱۸) اور ان کے سائے بھی صبح و شام اُس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ''وہ کون ہے جو آسمانوں اور زمین کی پرورِش کرتا ہے؟'' کہو کہ: ''وہ اللہ ہے!'' کہو کہ: ''کیا پھر بھی تم نے اس کو چھوڑ کر ایسے کارساز بنا لئے ہیں جنہیں خود اپنے آپ کو بھی نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت حاصل ہے نہ نقصان پہنچانے کی؟''

ضرور پہنچے گا کہ جس ذات نے یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور اس کو اپنی خدائی میں کسی شریک یا مددگار کی ضرورت نہیں، اور تسبیح کے یہی معنی ہیں۔

(۱۸) سجدہ کرنے سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے آگے جھک جانا ہے۔ مؤمن خوشی خوشی ان اَحکام کے آگے جھکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہتا ہے، اور کافر اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کے آگے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ أَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

کہو کہ: ''کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتا ہے؟ یا کیا اندھیریاں اور روشنی ایک جیسی ہوسکتی ہیں؟'' یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مانے ہوئے ہیں جنہوں نے کوئی چیز اسی طرح پیدا کی ہو جیسے اللہ پیدا کرتا ہے،(۱۹) اور اس وجہ سے ان کو دونوں کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہو رہی ہو؟ (اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو اس سے) کہہ دو کہ: ''صرف اللہ ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ تنہا ہی ایسا ہے کہ اس کا اقتدار سب پر حاوی ہے۔'' ﴿۱۶﴾

مجبور ہے، اس لئے وہ چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ کائنات میں جو فیصلے فرماتا ہے، مجبوراً ان کے آگے سر جھکانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ واضح رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، اس کی تلاوت یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔

(۱۹) مشرکینِ عرب جن دیوتاؤں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے، عام طور سے وہ یہ مانتے تھے کہ انہوں نے کائنات کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو دے رکھے ہیں، اس لئے ان کی عبادت کرنی چاہئے، تاکہ وہ اپنے اختیارات ہمارے حق میں استعمال کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش بھی کریں۔ اس آیت میں اوّل تو یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ من گھڑت دیوتا کوئی نفع یا نقصان اپنے آپ کو بھی نہیں پہنچا سکتے، دوسروں کو تو کیا پہنچائیں گے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اگر ان دیوتاؤں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہوتا تب بھی ان کو خدا کا شریک ماننے کی کوئی وجہ ہوسکتی تھی، لیکن نہ واقعۃً انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے، اور نہ اکثر اہلِ عرب کا ایسا عقیدہ ہے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرنے کا آخر کیا جواز ہے؟

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۲ النصف ۱۱ ۸

اُسی نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندی نالے اپنی اپنی بساط کے مطابق بہہ پڑے، پھر پانی کے ریلے نے پھولے ہوئے جھاگ کو اُوپر اُٹھالیا۔ اور اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی اُٹھتا ہے جب لوگ زیور یا برتن بنانے کے لئے دھاتوں کو آگ پر تپاتے ہیں۔ اللہ حق اور باطل کی مثال اسی طرح بیان کررہا ہے کہ (دونوں قسم کا) جو جھاگ ہوتا ہے، وہ تو باہر گر کر ضائع ہوجاتا ہے، لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔[۲۰] اسی قسم کی تمثیلیں ہیں جو اللہ بیان کرتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ بھلائی انہی لوگوں کے حصے میں ہے جنہوں نے اپنے ربّ کا کہنا مانا ہے، اور جنہوں نے اُس کا کہنا نہیں مانا، اگر ان کے پاس دُنیا بھر کی ساری چیزیں بھی ہوں گی، بلکہ اتنی ہی اور بھی، تو وہ (قیامت کے دن) اپنی جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہوجائیں گے۔ ان لوگوں کے حصے میں بری طرح کا حساب ہے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۲۰) یعنی باطل، چاہے کچھ عرصے غالب نظر آئے، لیکن وہ جھاگ کی طرح بے فائدہ اور فنا ہوجانے والا ہے، اور حق پانی اور دوسری نفع بخش چیزوں کی طرح فائدہ مند اور باقی رہنے والا ہے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۟ۙ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۟ۙ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۟ۙ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ﴿۲۳﴾

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے، برحق ہے، بھلا وہ اُس جیسا کیسے ہوسکتا ہے جو بالکل اندھا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل و ہوش رکھتے ہوں، ﴿۱۹﴾ (یعنی) وہ لوگ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ﴿۲۰﴾ اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں،(۲۱) اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کی خوشنودی کی خاطر صبر سے کام لیا ہے،(۲۲) اور نماز قائم کی ہے، اور ہم نے انہیں جو رِزق عطا فرمایا ہے، اُس میں سے خفیہ بھی اور علانیہ بھی خرچ کیا ہے، اور وہ بدسلوکی کا دِفاع حسنِ سلوک سے کرتے ہیں۔(۲۳) وطنِ اصلی میں بہترین انجام ان کا حصہ ہے،(۲۴) ﴿۲۲﴾ یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے، اور ان کے باپ دادوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے، وہ بھی۔ اور (ان کے استقبال کے لئے) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ﴿۲۳﴾

---

(۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے اور اُن کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں پوری طرح

ادا کرتے ہیں۔اس میں رشتہ داروں کے تمام حقوق بھی داخل ہیں،اور دِینی رشتے سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام پر اِیمان لانے کا حکم دیا ہے، ان سب پر اِیمان بھی لاتے ہیں،اور جن کی اطاعت کا حکم دیا ہے،ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔

(۲۲) قرآنِ کریم کی اصطلاح میں ''صبر'' کا مفہوم بہت عام ہے۔ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تقاضوں کو جب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے دبالے تو یہ صبر ہے۔مثلاً نفس کی خواہش یہ ہورہی ہے کہ اس وقت کی نماز چھوڑ دی جائے۔ ایسے موقع پر اس خواہش کی خلاف ورزی کر کے نماز پڑھنا صبر ہے۔یا اگر کسی گناہ کی خواہش دِل میں پیدا ہورہی ہے تو اس کو دبا کر گناہ سے بچ جانا صبر ہے۔اسی طرح اگر کسی تکلیف کے موقع پر اگر نفس کا تقاضا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکوہ اور غیر ضروری واویلا کیا جائے،تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہ کر اِختیاری واویلا نہ کرنا بھی صبر ہے۔اس طرح صبر کا لفظ دِین کے تمام اَحکام پر عمل کو حاوی ہے۔یہی معنی آیت نمبر ۲۴ میں بھی مراد ہیں۔

(۲۳) یعنی برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں،اور ''دفاع'' کا لفظ استعمال فرما کر قرآنِ کریم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اچھائی کرنے کا انجام بالآخر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی بدسلوکی کے برے اثرات مٹ جاتے ہیں۔

(۲۴) اس آیت میں اصل الفاظ یہ ہیں: "لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ" اس میں "الدَّار" کے لفظی معنی ''گھر'' کے ہیں۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عالم ہے۔ یہ لفظ بکثرت وطن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے،اور یہاں آخرت کے بجائے اس لفظ کو اِستعمال کرنے سے بظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کا اصلی گھر اور وطن آخرت ہے، اس لئے کہ دُنیا کی زندگی تو فنا ہوجانے والی ہے۔ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے، وہ آخرت کا عالم ہے۔اس لئے یہاں "الدَّار" کا ترجمہ ''اصلی وطن'' سے کیا گیا ہے۔ یہی بات آگے آیت نمبر ۲۴ اور ۲۵ میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

ع ۳ ۸ ۹

کہ "تم نے (دُنیا میں) جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی، اور (تمہارے) اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے!" ﴿۲۴﴾ اور (دوسری طرف) جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حصے میں لعنت آتی ہے، اور اصلی وطن میں برا انجام انہی کا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔[(۲۵)] یہ (کافر) لوگ دُنیوی زندگی پر مگن ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دُنیوی زندگی کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ معمولی سی پونجی ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۲۵) پیچھے یہ بتایا گیا تھا کہ جو لوگ دِینِ حق کو جھٹلا رہے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ دُنیا میں تو ان لوگوں کو خوب رزق مل رہا ہے، اور بظاہر وہ خوش حال نظر آتے ہیں۔ اس آیت میں اس شبہے کا جواب دیا گیا ہے کہ دُنیا میں رزق کی فراوانی یا اس کی تنگی کا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت رزق خوب عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے رزق کی تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کافر لوگ اگرچہ یہاں کی خوش حالی پر مگن ہیں، مگر انہیں یہ اندازہ نہیں کہ اس چند دن کی زندگی کا عیش آخرت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

اور جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان پر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ (۲۶) کہہ دو کہ: ''اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کردیتا ہے، اور اپنے راستے پر اُنہی کو لاتا ہے جو اُس کی طرف رُجوع کریں۔'' ﴿۲۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، اور جن کے دِل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دِلوں کو اِطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ﴿۲۸﴾ (غرض) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے حصے میں خوش حالی بھی ہے، اور بہترین انجام بھی۔ ﴿۲۹﴾

---

(۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفارِ مکہ اپنی طرف سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں بھی گذری ہے۔ اس کا جواب آگے آیت نمبر ۳۱ میں آرہا ہے۔ یہاں اس کا جواب دینے کے بجائے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ مطالبات ان کی گمراہی کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے، اور ہدایت اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرکے ہدایت مانگے، اور حق کی طلب رکھتا ہو۔ ایسا شخص ایمان لانے کے بعد اس کے حقوق ادا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون حاصل کرلیتا ہے۔ پھر اس کو اس قسم کے شکوک نہیں ستاتے۔ وہ ہر حال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ کر اس پر مطمئن رہتا ہے۔ اگر اچھی حالت ہو تو اس پر شکر ادا کرتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف ہو تو اس پر صبر کرکے اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور ہونے کی دُعا کرتا ہے، اور اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ جب تک یہ تکلیف ہے، اللہ تعالیٰ کی

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ

(اے پیغمبر! جس طرح دوسرے رسول بھیجے گئے تھے) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی اُمت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلی بہت سی اُمتیں گذر چکی ہیں، تا کہ تم ان کے سامنے وہ کتاب پڑھ کر سنادو جو ہم نے وحی کے ذریعے تم پر نازل کی ہے، اور یہ لوگ اس ذات کی ناشکری کر رہے ہیں جو سب پر مہربان ہے۔ کہہ دو کہ: "وہ میرا پالنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔" ﴿۳۰﴾ اور اگر کوئی قرآن ایسا بھی اُترتا جس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے، یا اُس کی بدولت زمین شق کر دی جاتی (اور اس سے دریا نکل پڑتے) یا اُس کے نتیجے میں مردوں سے بات کر لی جاتی، (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)۔(۲۷) حقیقت تو یہ ہے کہ تمام تر اختیار اللہ کا ہے۔

حکمت اور مصلحت کے تحت ہے، اس لئے مجھے اس سے شکوہ نہیں ہے۔ اس طرح اسے تکلیف کے حالات میں بھی اطمینانِ قلب نصیب رہتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیماری دُور کرنے کے لئے آپریشن کروائے، تو آپریشن کی تکلیف کے باوجود اُسے یہ اطمینان رہتا ہے کہ یہ عمل عین حکمت کے مطابق ہے۔

(۲۷) اس آیت میں ان چند معجزات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی فرمائش مکہ مکرمہ کے کافر لوگ کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ کے اِردگرد جو پہاڑ ہیں، ان کو یہاں سے ہٹا دو، اور یہاں کی زمین کو شق کر کے یہاں سے دریا نکال دو، اور ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے ان سے ہماری بات کروا دو۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض یہ بے ہودہ مطالبات پورے کر بھی دیئے جاتے، تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے، کیونکہ یہ فرمائشیں حق طلبی کے جذبے سے نہیں، صرف ضد کی وجہ سے کی جا رہی ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۰ تا ۹۳) میں اسی قسم کی کچھ اور فرمائشیں بھی مذکور ہیں جو کفار کیا کرتے تھے، اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۹ میں فرمائشی

أَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

کیا پھر بھی ایمان والوں نے یہ سوچ کر اپنا ذہن فارغ نہیں کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے ہی انسانوں کو (زبردستی) راہ پر لے آتا؟ (۲۸) اور جنھوں نے کفر اپنایا ہے، ان پر تو ان کے کرتوت کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کھڑکھڑانے والی مصیبت پڑتی رہتی ہے، یا ان کی بستی کے قریب کہیں نازل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ (ایک دن) اللہ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ آکر پورا ہو جائے گا۔ (۲۹) یقین رکھو کہ اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ﴿۳۱﴾

معجزات نہ دِکھانے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جب کوئی قوم کو کسی خاص معجزے کی فرمائش پر وہ معجزہ دِکھا دیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتی تو اُس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ پچھلی اُمتوں عاد اور ثمود وغیرہ کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور ابھی ان کو ہلاک کرنا منظور نہیں ہے، اس لئے بھی ایسے معجزات نہیں دِکھائے جا رہے۔

(۲۸) کبھی کبھی مسلمانوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ جو معجزات یہ لوگ مانگ رہے ہیں، اگر وہ ان کو دِکھا دیئے جائیں تو شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہ آیت ان مسلمانوں کو ہدایت دے رہی ہے کہ انہیں اب اس بات سے اپنا ذہن فارغ کر لینا چاہئے، اور یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ ان سب کو اپنی قدرت سے زبردستی مسلمان کر دے، لیکن چونکہ دُنیا کی اس امتحان گاہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنی عقل استعمال کر کے اپنے اختیار سے ایمان لائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اپنی قدرت کو اِستعمال نہیں کیا، البتہ ایسے دلائل واضح کر دیئے ہیں کہ اگر انسان ان پر انصاف سے غور کرے، اور ہٹ دھرمی چھوڑ دے تو اُس کو حقیقت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگنی چاہئے۔ اس کے بعد کافروں کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۹) بعض مسلمانوں کو کبھی یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، تو ان پر ابھی کوئی عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ اس آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں پر چھوٹی چھوٹی مصیبتیں تو اس دُنیا

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۚ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ

اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے پیغمبروں کا بھی مذاق اُڑایا گیا تھا، اور ایسے کافروں کو بھی میں نے مہلت دی تھی، مگر کچھ وقت کے بعد میں نے ان کو گرفت میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟ ﴿۳۲﴾ بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر ہر شخص کے ہر ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے، اور دوسری طرف اِن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک مانے ہوئے ہیں؟ (۳۰) کہو کہ: ''ذرا اُن (خدا کے شریکوں) کے نام تو بتاؤ (اگر کوئی نام لو گے) تو کیا اللہ کو کسی ایسے وجود کی خبر دو گے جس کا دُنیا بھر میں اللہ کو بھی پتہ نہیں ہے؟ یا خالی زبان سے ایسے نام لے لو گے جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں؟'' (۳۱)

میں بھی پڑتی رہتی ہیں، مثلاً کبھی قحط آجاتا ہے، کبھی کوئی اور بلا نازل ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات ان کی قریبی بستیوں پر ایسی مصیبتیں آجاتی ہیں جن سے یہ لوگ خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کو اصل عذاب اس وقت ہوگا جب قیامت آنے کا وعدہ پورا ہوگا۔

(۳۰) یہ ترجمہ اُس تفسیر پر مبنی ہے جو امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے ''حل العقد'' کے مصنف کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ''مَنْ هُوَ قَائِمٌ'' کی خبر ''موجود'' ہے جو محذوف ہے، اور ''وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ'' جملہ حالیہ ہے۔ بندے کو یہ ترکیب دوسرے احتمالات کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

(۳۱) نام تو انہوں نے بہت سے بتوں اور دیوتاؤں کے رکھ رکھے تھے، اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت ہے تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اُسے کون جان سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ایسا کوئی بھی وجود ہے نہیں۔ اب اگر تم اس کو حقیقی وجود قرار دو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ علم رکھنے کے مدعی ہو گے، بلکہ تمہارا یہ کہنا لازم آئے گا کہ جس وجود کا اللہ تعالیٰ کو بھی علم نہیں ہے، تم (معاذ اللہ)

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

حقیقت تو یہ ہے کہ ان کافروں کو اپنی مکارانہ باتیں بڑی خوبصورت لگتی ہیں، اور (اس طرح) ان کی ہدایت کے راستے میں رُکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ اور جسے اللہ گمراہی میں پڑا رہنے دے، اُسے کوئی راہ پر لانے والا میسر نہیں آسکتا۔ (۳۲) ﴿۳۳﴾ ایسے لوگوں کے لئے دُنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے، اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں زیادہ بھاری ہوگا، اور کوئی نہیں ہے جو انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے۔ ﴿۳۴﴾ (دوسری طرف) وہ جنت جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس کے پھل بھی سدا بہار ہیں، اور اُس کی چھاؤں بھی! یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، جبکہ کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ ﴿۳۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اس کا پتہ بتا رہے ہو۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے تو یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ بہرحال! دونوں صورتوں میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا شرک کا عقیدہ بے بنیاد ہے۔

(۳۲) یعنی جب کوئی شخص اس ضد پر اڑ جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، وہی اچھا کام ہے، اور اس کے مقابلے میں بڑی سے بڑی دلیل کو بھی سننے ماننے کو تیار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو گمراہی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، اور پھر اُسے کوئی راہِ راست پر لانے والا میسر نہیں آسکتا۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کلام سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور انہی گروہوں میں وہ بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ (۳۳) کہہ دو کہ: ''مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، اور اُس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ مانوں، اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں، اور اُسی (اللہ) کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔'' (۳۴) ﴿۳۶﴾

---

(۳۳) اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو قرآنِ کریم کی آیات سن کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ وہی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی پیشینگوئی پچھلی آسمانی کتابوں میں کی گئی تھی، چنانچہ اس گروہ کے بہت سے افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لے آئے تھے، عیسائیوں میں سے بھی، اور یہودیوں میں سے بھی۔ یہ حقیقت ذکر فرما کر ایک طرف تو کفارِ مکہ کو شرم دِلائی گئی ہے کہ جن لوگوں کے پاس آسمانی ہدایت موجود ہے، وہ تو اِیمان لا رہے ہیں، اور جن لوگوں کے پاس نہ کوئی کتاب ہے، نہ کوئی اور آسمانی ہدایت، وہ ایمان لانے سے کترا رہے ہیں، اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ جہاں اسلام کے دُشمن موجود ہیں، وہاں بہت سے لوگ اس پیغامِ ہدایت کو قبول بھی کر رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں دوسرا گروہ کافروں کا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ بعض حصوں کا ذکر کر کے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی قرآنِ کریم کی ساری باتوں کا انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اُس کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو تورات یا اِنجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً توحید، پچھلے انبیائے کرام پر اِیمان اور ان کے واقعات، آخرت کا عقیدہ وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ سوچتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کو یہ باتیں وحی سے معلوم ہوئی ہیں۔ اس صورت میں آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا چاہئے۔

(۳۴) اس آیت میں اسلام کے تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلا فقرہ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ ع ۵ ۱۱

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں ایک حکم نامہ بنا کر نازل کیا ہے۔(۳۵) اور (اے پیغمبر!) تمہارے پاس جو علم آچکا ہے، اگر اُس کے بعد بھی تم ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلے تو اللہ کے مقابلے میں نہ تمہارا کوئی مددگار رہوگا، نہ کوئی بچانے والا۔(۳۶) ﴿۳۷﴾

توحید کے اعلان پر مشتمل ہے، دوسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں'' اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اِثبات کیا گیا ہے، اور آخری فقرہ یعنی: ''اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے'' آخرت کے عقیدے کو ظاہر کرتا ہے۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ یہ تینوں عقائد پچھلی کتابوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، پھر قرآنِ کریم کے انکار کا کیا جواز ہے؟

(۳۵) یہاں سے آیت ۳۸ تک اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ قرآنِ کریم کے جن حصوں کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ لوگ قرآنِ کریم کے ان اَحکام پر اِعتراض کرتے تھے جو تورات اور اِنجیل کے اَحکام سے مختلف ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بنیادی عقیدے تو تمام انبیائے کرام کی دعوت میں مشترک رہے ہیں، لیکن فروعی اور جزوی اَحکام مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں مختلف ہوتے رہے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر اُمت کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اُس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت مختلف زمانوں میں اَحکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی بہت سی چیزیں جو ایک نبی کی شریعت میں ناجائز تھیں، دوسرے نبی کی شریعت میں حلال کر دی گئیں۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ تو جس طرح پچھلی اُمتوں میں اَحکام کی تبدیلی کا یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، اسی طرح یہ قرآن بھی ایک نیا حکم نامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اور اُس کے عربی زبان میں ہونے سے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ ان حالات سے بالکل مختلف حالات میں نازل ہوا ہے جن میں پچھلی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اس لئے اُسے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو رہتی دُنیا تک باقی رہنے والی زبان ہے، اور اس میں اس آخری دور کے حالات کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(۳۶) یعنی قرآنِ کریم کے جو اَحکام ان کافروں کو اپنی خواہشات کے خلاف نظر آرہے ہیں، ان میں آپ کو یہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں، اور انہیں بیوی بچے بھی عطا فرمائے ہیں، اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کوئی ایک آیت بھی اللہ کے حکم کے بغیر لاسکے۔ ہر زمانے کے لئے الگ کتاب دی گئی ہے۔(۳۷) ﴿۳۸﴾ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے، منسوخ کردیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے۔ اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے، وہ اُسی کے پاس ہے۔(۳۸) ﴿۳۹﴾

اختیار نہیں ہے کہ ان کی رعایت سے ان میں کوئی تبدیلی کرسکیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اَحکام میں کوئی تبدیلی فرمائیں، لیکن ایک اُصول کے طور پر یہ بات ارشاد فرما کر ساری دُنیا کے لوگوں کو متنبہ کردیا گیا ہے۔

(۳۷) اس آیت میں ایک تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کے بیوی بچے کیوں ہیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیوی بچے ایک دو انبیائے کرام کو چھوڑ کر تقریباً سارے انبیاء کو بھی عطا فرمائے گئے ہیں، کیونکہ نبوت کا ان سے کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ انبیائے کرام اپنے عمل سے واضح کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کیسے ادا کئے جاتے ہیں، اور ان کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں توازن کیسے قائم رکھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں جزوی فرق ہوتا رہا ہے۔

(۳۸) تمام کتابوں کی اصل سے مراد "لوحِ محفوظ" ہے جس میں اَزَل سے یہ بات درج ہے کہ کس اُمت کو کون سی کتاب اور کیسے اَحکام دیئے جائیں گے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۶ ۱۲

اور جس بات کی دھمکی ہم ان (کافروں) کو دیتے ہیں، چاہے اُس کا کوئی حصہ ہم تمہیں (تمہاری زندگی ہی میں) دِکھادیں، یا (اُس سے پہلے ہی) تمہیں دُنیا سے اُٹھالیں، بہر حال تمہارے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور حساب لینے کی ذمہ داری ہماری ہے۔[۳۹] ﴿۴۰﴾ کیا ان لوگوں کو یہ حقیقت نظر نہیں آئی کہ ہم ان کی زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں؟[۴۰] ہر حکم اللہ دیتا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کے حکم کو توڑ سکے، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۴۱﴾ جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں، چالیں انہوں نے بھی چلی تھیں، لیکن چال تو تمام تر اللہ ہی کی چلتی ہے۔ کوئی بھی شخص جو کچھ کرتا ہے، سب اُسے معلوم ہے، اور کافروں کو عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اصلی وطن کا نیک انجام کس کے حصے میں آتا ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''تم پیغمبر نہیں ہو'' کہہ دو کہ: ''میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے، نیز ہر وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے!''[۴۱] ﴿۴۳﴾

(۳۹) بعض مسلمانوں کے دِل میں یہ خیال آتا تھا کہ ان کافروں کی سرکشی کے باوجود ان پر کوئی عذاب کیوں نہیں آرہا ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ عذاب کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی حکمت کے تحت

مقرر فرمایا ہوا ہے، وہ کسی وقت بھی آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ذہن فارغ رکھنا چاہئے کہ ان کی ذمہ داری تبلیغ کی ہے، ان کافروں کا محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو وہ اپنی حکمت کے تحت مناسب وقت پر انجام دے گا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ جزیرۂ عرب پر مشرکین اور ان کے عقائد کا جو تسلط تھا، وہ رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے، اور مشرکین کے اثر ورسوخ کا دائرہ روز بروز کم ہو کر سکڑ رہا ہے، اور اس کی جگہ اسلام کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جس سے ان مشرکین کو سبق لینا چاہئے۔

(۴۱) یعنی تم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے ہو، اُس سے کیا ہوتا ہے؟ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود آپ کی رسالت کا گواہ ہے، اور ہر وہ شخص جسے آسمانی کتابوں کا علم ہے، اگر انصاف کے ساتھ اس علم کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جائزہ لے گا تو وہ بھی یہ گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۳/رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۰۶ء شبِ دوشنبہ میں سورۂ رعد کا ترجمہ اور تفسیری حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ ابراهيمْ

تعارف

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اِثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔ چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رُکوع میں اُن کی وہ پُر اَثر دُعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ اُنہیں اور اُن کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

آیاتہا ۵۲ ۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③

سورۂ ابراہیم مکی ہے، اوراس میں باون آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جوسب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔(اے پیغمبر!) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ، یعنی اُس ذات کے راستے کی طرف جس کا اِقتدار سب پر غالب ہے، (اور) جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔﴿۱﴾ وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کی ملکیت ہے۔ اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو حق کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے۔﴿۲﴾ وہ لوگ جو آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے پر آنے سے روکتے ہیں، اور اُس میں ٹیڑھ تلاش کرتے رہتے ہیں[1]! وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔﴿۳﴾

---

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اسلام میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرتے رہتے ہیں، تاکہ اُنہیں اعتراض کا موقع ملے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن وسنت میں کوئی بات اُن کے خیالات اور خواہشات کے مطابق مل جائے تو اس کو اپنے باطل نظریات کی تائید میں پیش کریں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤

اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا، خود اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا، تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔[۲] پھر اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے،[۳] اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ: ''اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اور (مختلف لوگوں کو) اللہ نے (خوشحالی اور بدحالی کے) جو دن دِکھائے ہیں،[۴] اُن کے حوالے سے اِنہیں نصیحت کرو۔'' حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صبر اور شکر کا خوگر ہو، اُس کے لئے اِن واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵﴾

---

(۲) کفارِ مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا ہے؟ اگر یہ کسی ایسی زبان میں ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تو اس کا معجزہ ہونا بالکل واضح ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی مادری زبان میں اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اُس کی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے اَحکام سمجھا سکے۔ کسی اور زبان میں قرآن نازل کیا جاتا تو تم یہ اعتراض کرتے کہ اسے ہم کیسے سمجھیں؟ چنانچہ یہی بات سورۂ حم السجدہ (۴۴:۴۱) میں فرمائی گئی ہے۔

(۳) یعنی جو کوئی حق کا طلب گار بن کر اُس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور جو شخص ضد اور عناد کے ساتھ پڑھتا ہے، اُسے گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتے ہیں۔ مزید دیکھئے پچھلی سورت (۱۳:۳۳) کا حاشیہ۔

(۴) اصل قرآنی لفظ ''ایّام اللہ'' ہے جس کے لفظی معنی ہیں ''اللہ کے دن'' لیکن محاورے میں اس سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خاص خاص اور اہم واقعات دِکھلائے ہیں، مثلاً نافرمان قوموں پر عذاب کا نازل ہونا، اور فرماں برداروں کو دُشمنوں کے مقابلے میں کامیابی عطا ہونا۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان خاص خاص واقعات کا حوالہ دے کر اپنی قوم کو نصیحت کیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کریں۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ اَنۡجٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۶﴾ ع وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَ لَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ ﴿۷﴾ وَ قَالَ مُوۡسٰۤی اِنۡ تَکۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۸﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ؕ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ؕ لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ ؕ مع

وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ’’اللہ نے تم پر جو اِنعام کیا ہے، اُسے یاد رکھو کہ اُس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی، جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرڈالتے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور ان تمام واقعات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا زبردست امتحان تھا۔ ﴿۶﴾ اور وہ وقت بھی جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا تھا کہ اگر تم نے واقعی شکرادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دُوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو، میرا عذاب بڑا سخت ہے۔‘‘ ﴿۷﴾ اور موسیٰ نے کہا تھا کہ: ’’اگر تم اور زمین پر بسنے والے تمام لوگ بھی ناشکری کریں، تو (اللہ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف!‘‘ ﴿۸﴾ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، قومِ نوح، عاد، ثمود اور اُن کے بعد آنے والی قومیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۵)

---

(۵) اس سے مراد وہ قومیں بھی ہوسکتی ہیں جن کی تاریخ محفوظ نہیں رہ سکی، اور وہ بھی جن کا اِجمالی حال تو معلوم ہے، لیکن ان کی تعداد اور اُن کے تفصیلی حالات کا کسی کو پتہ نہیں۔

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٩﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ
شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾

ان سب کے پاس اُن کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، تو انہوں نے اُن کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے،(۶) اور کہا کہ: ''جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، اور جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں ہمیں بڑا بھاری شک ہے۔'' ﴿۹﴾ ان کے پیغمبروں نے اُن سے کہا: ''کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے، اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے۔''(۷) انہوں نے کہا کہ: ''تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ایسے ہی انسان ہو جیسے ہم ہیں۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں اُن سے ہمیں روک دو، لہٰذا کوئی صاف صاف معجزہ لا کر دکھاؤ۔''(۸) ﴿۱۰﴾

---

(۶) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اُنہیں زبردستی بولنے اور تبلیغ کرنے سے روکا۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ عذابِ الٰہی سے تمہیں نجات مل جائے، اور گناہوں کی معافی کے بعد تمہیں تمہاری عمر پوری ہونے تک زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا فرمایا تھا، لیکن ان کافروں کا کہنا تھا کہ جس جس معجزے کی ہم فرمائش کرتے جائیں، وہ دِکھاتے جاؤ۔

قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ع وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِكَنَّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۳﴾ ۙ وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِىۡ وَخَافَ وَعِيۡدِ ﴿۱۴﴾

ان سے ان کے پیغمبروں نے کہا: ''ہم واقعی تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے خصوصی احسان فرما دیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ لا دِکھائیں، اور مؤمنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔(۹) ﴿۱۱﴾ اور آخر ہم کیوں اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اُس نے ہمیں اُن راستوں کی ہدایت دے دی ہے جن پر ہمیں چلنا ہے؟ اور تم نے ہمیں جو تکلیفیں پہنچائی ہیں، ان پر ہم یقیناً صبر کریں گے، اور جن لوگوں کو بھروسہ رکھنا ہو، اُنہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔'' ﴿۱۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا، اُنہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ: ''ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کر رہیں گے، ورنہ تمہیں ہمارے دِین میں واپس آنا پڑے گا۔'' چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان پر وحی بھیجی کہ: ''یقین رکھو، ہم ان ظالموں کو ہلاک کردیں گے، ﴿۱۳﴾ اور اُن کے بعد یقیناً تمہیں زمین میں بسائیں گے۔ یہ ہے ہر اُس شخص کا صلہ جو میرے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔'' ﴿۱۴﴾

(۹) یعنی اگر تم اس بات کو نہیں مانتے اور اِیمان لانے والوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو تو مؤمن کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرایا نہیں جاسکتا، کیونکہ اُس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

اور ان کافروں نے خود فیصلہ مانگا،(۱۰) اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ڈینگیں مارنے والا ہٹ دھرم نامراد ہو کر رہا۔ ﴿۱۵﴾ اُس کے آگے جہنم ہے، اور (وہاں) اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا، ﴿۱۶﴾ وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، اور اُسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اُسے حلق سے اُتار نہیں سکے گا۔(۱۱) موت اُس پر ہر طرف سے آرہی ہوگی، مگر وہ مرے گا نہیں،(۱۲) اور اُس کے آگے (ہمیشہ) ایک اور سخت عذاب موجود ہوگا۔(۱۳) ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رَبّ کے ساتھ کفر کی رَوِش اختیار کی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ اُن کے اعمال اُس راکھ کی طرح ہیں جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی سے اُڑا لے جائے۔(۱۴)

(۱۰) یعنی پیغمبروں سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ایسا عذاب ہم پر بھجوا دو جس سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر وہ دراصل پیغمبروں کا متکبرانہ انداز میں مذاق اُڑاتے تھے۔

(۱۱) یہ ترجمہ اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی ہوئی ایک تفسیر پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں محسوس یہ ہوگا کہ وہ اس پانی کو حلق سے اُتار نہیں سکیں گے، لیکن گھونٹ گھونٹ کر کے بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں وہ حلق سے اُترے گا۔

(۱۲) ہر طرف سے موت آنے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی، وہ ایسی ہوں گی جو دُنیا میں جان لیوا اور موت کا سبب ہوتی ہیں، مگر وہاں ان کی وجہ سے انہیں موت نہیں آئے گی۔

(۱۳) یعنی ہر عذاب کے بعد ایک دوسرا سخت عذاب آنے والا ہوگا، تاکہ ایک ہی قسم کا عذاب سہہ سہہ کر اِنسان اُس کا عادی نہ ہو جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۱۴) کافر لوگ دُنیا میں کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں، مثلاً غریبوں کی امداد وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اُن

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

انہوں نے جو کچھ کمائی کی ہوگی، اُس میں سے کچھ اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ ﴿۱۸﴾ کیا تمہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔(۱۵) ﴿۱۹﴾ اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾

کے ایسے اچھے کاموں کا بدلہ اُنہیں دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں اُن کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ وہاں ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ لہٰذا آخرت میں وہ اعمال ان کے کچھ کام نہیں آتے۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح راکھ کو آندھی اُڑا لے جائے تو اُس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا، اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو ان کا کفر کالعدم کردے گا، اور ان اعمال کا کوئی فائدہ ان کو آخرت میں نہیں ملے گا۔

(۱۵) اس آیتِ کریمہ میں آخرت کی زندگی کا ضروری ہونا بھی بیان فرمایا گیا ہے، اور اس پر کافروں کو جو شبہہ ہوتا ہے، اُس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ایک برحق مقصد کے لئے کی گئی ہے۔ اور وہ مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں کو اِنعام دیا جائے، اور نافرمانوں اور ظالموں کو سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو نیک اور بد سب برابر ہوجاتے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس دُنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں ہر اِنسان کو اُس کے مناسب بدلہ دیا جاسکے۔ رہا کافروں کا یہ اِعتراض کہ مرکر مٹی میں مل جانے کے بعد اِنسان کس طرح دوبارہ زندہ ہوں گے؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ تم سب کو فنا کرکے ایک نئی مخلوق پیدا کردے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مخلوق کو بالکل عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل کام ہے اور جو مخلوق ایک مرتبہ وجود میں آچکی ہو، اُس پر موت طاری کرکے اُسے زندہ کردینا اُس کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پہلے مشکل کام پر قادر ہے تو اس دوسرے کام کی تو یقیناً قدرت رکھتا ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔ پھر جو لوگ (دُنیا میں) کمزور تھے، وہ بڑائی بگھارنے والوں سے کہیں گے کہ: ''ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا اب تم ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچالو گے؟'' وہ کہیں گے: ''اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت دے دیتے۔ چاہے ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں، دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں، ہمارے لئے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں۔'' ﴿۲۱﴾ اور جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان (اپنے ماننے والوں سے) کہے گا: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو اُس کی خلاف ورزی کی۔ اور مجھے تم پر اس سے زیادہ کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں (اللہ کی نافرمانی کی) دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی۔ لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ تمہاری فریاد پر میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں، اور نہ میری فریاد پر تم میری مدد کرسکتے ہو۔ تم نے اس سے پہلے مجھے اللہ کا جو شریک مان لیا تھا، (آج) میں نے اُس کا انکار کر دیا ہے۔[16] جن لوگوں نے یہ ظلم کیا تھا، اُن کے حصے میں تو اب دردناک عذاب ہے۔ ﴿۲۲﴾

(۱۶) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان کو شریک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ایسی ہی اطاعت کی جائے جیسی

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۲۴﴾

اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے، اُنہیں ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کا استقبال سلام سے کریں گے۔[17] ﴿۲۳﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اُس کی شاخیں آسمان میں ہیں،[18] ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے۔ شیطان اُس وقت کہے گا کہ اب میں تمہارے اس طریقِ کار کے صحیح ہونے کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۷) اُوپر دوزخیوں کا مکالمہ مذکور تھا کہ وہ ایک دوسرے کو ملامت بھی کریں گے اور اس بات کا اعلان بھی کہ ان کے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے مقابلے میں جنت والوں کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو تباہی کے بجائے سلامتی کا پیغام دیں گے۔

(۱۸) کلمۂ طیبہ سے مراد کلمۂ توحید یعنی ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے۔ اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ جمی ہوتی ہیں، اور تیز ہوائیں اور آندھیاں اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتیں، نہ اُسے اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہیں۔ اسی طرح جب توحید کا کلمہ انسان کے دِل و دِماغ میں پیوست ہو جاتا ہے تو ایمان کی خاطر اُسے کیسی ہی تکلیفوں یا مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، اُس کے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ہر قسم کی اذیتیں دی گئیں، لیکن توحید کا جو کلمہ اُن کے دِل میں گھر کر چکا تھا، اُس میں مصائب کی ان آندھیوں سے ذرّہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ کھجور کے درخت کی دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں، اور زمین کی کثافتوں سے دُور رہتی ہیں، اسی طرح جب توحید کا کلمہ مؤمن کے دِل میں پیوست ہو جاتا ہے تو اُس کے تمام نیک کام جو درحقیقت اسی کلمے کی شاخیں ہیں، آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر اُس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں، اور دُنیا پرستی کی کثافتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

اپنے رَبّ کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے۔[19] اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لئے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۲۵﴾ اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اُوپر ہی اُوپر سے اُکھاڑ لیا جائے، اُس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو۔[20] ﴿۲۶﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ اُن کو اس مضبوط بات پر دُنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے، اور آخرت میں بھی۔[21]

(۱۹) یعنی یہ درخت سدا بہار ہے، اُس پر کبھی خزاں طاری نہیں ہوتی، اور وہ ہر حال میں پھل دیتا ہے۔ اگر اس سے مراد کھجور کا درخت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا پھل سارے سال کھایا جاتا ہے۔ نیز جس زمانے میں بظاہر اُس پر پھل نہیں ہوتا، اُس زمانے میں بھی اُس سے مختلف فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ کبھی اُس سے نیرا نکال کر پیا جاتا ہے، کبھی اُس کے تنے کا گودا نکال کر کھایا جاتا ہے، اور کبھی اُس کے پتوں سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص توحید کے کلمے پر اِیمان لے آتا ہے تو چاہے خوش حال ہو یا تنگدست، عیش و آرام میں ہو یا تکلیفوں میں، ہر حال میں اُس کے ایمان کی بدولت اُس کے اعمال نامے میں نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں اُس کے ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جو درحقیقت توحید کے کلمے کا پھل ہے۔

(۲۰) ناپاک کلمے سے مراد کفر کا کلمہ ہے، اس کی مثال ایسا خراب درخت ہے جس کی کوئی مضبوط جڑ نہ ہو، بلکہ وہ جھاڑ جھنکاڑ کی شکل میں خود اُگ آئے۔ اُس میں جماؤ بالکل نہیں ہوتا، اس لئے جو شخص چاہے اُسے آسانی سے اُکھاڑ ڈالتا ہے۔ اسی طرح کافرانہ عقیدوں کی کوئی عقلی یا نقلی بنیاد نہیں ہوتی۔ اُن کی تردید آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ اور غالباً اس سے مسلمانوں کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ کفر و شرک کے جن عقیدوں نے آج مسلمانوں پر زمین تنگ کی ہوئی ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو اس طرح اُکھاڑ پھینکا جائے گا جیسے جھاڑ جھنکاڑ کو اُکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

(۲۱) دُنیا میں جماؤ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن پر کتنی زبردستی کی جائے، وہ توحید کے اس کلمے کو چھوڑنے

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے، اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ﴿۲۷﴾ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اُتارا ﴿۲۸﴾ جس کا نام جہنم ہے؟ (۲۲) وہ اُس میں جلیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اُس کی خدائی میں) کچھ شریک بنا لئے، تاکہ لوگوں کو اُس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہو کہ: ''(تھوڑے سے) مزے اُڑا لو، کیونکہ آخر کار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔'' ﴿۳۰﴾ میرے جو بندے ایمان لائے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ وہ نماز قائم کریں، اور ہم نے ان کو جو رِزق دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی (نیکی کے کاموں میں) خرچ کریں، (اور یہ کام) اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے (کرلیں) جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔ (۲۳) ﴿۳۱﴾

کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور آخرت میں جماؤ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں جب اُس سے سوال وجواب ہوگا تو وہ اپنے اس کلمے اور عقیدے کا اظہار کرے گا جس کے نتیجے میں اُسے آخرت کی ابدی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

(۲۲) یہ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی، جس کے نتیجے میں خود بھی تباہی مول لی اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے راستے پر لے گئے۔

(۲۳) اس سے مراد حساب وکتاب کا دن ہے۔ اُس دن کوئی شخص پیسے خرچ کر کے جنت نہیں خرید سکے گا، اور نہ دوستی کے تعلقات کی بنا پر اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الۡفُلۡكَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الۡاَنۡهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ؕ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ﴿ؕ۳۵﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے تمہارے رزق کے لئے پھل اُگائے، اور کشتیوں کو تمہارے لئے رام کر دیا، تاکہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلیں، اور دریاؤں کو بھی تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ ﴿۳۲﴾ اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کو اس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں، اور تمہاری خاطر رات اور دن کو بھی کام پر لگایا۔ ﴿۳۳﴾ اور تم نے جو کچھ مانگا، اُس نے اُس میں سے (جو تمہارے لئے مناسب تھا) تمہیں دیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت بے انصاف، بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ''یا ربّ! اس شہر کو پُر امن بنا دیجئے،(۲۴) اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات سے بچایئے کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔(۲۵)'' ﴿۳۵﴾

(۲۴) اس سے مراد مکہ مکرمہ کا شہر ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ اور اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑا تھا۔ اُس وقت یہاں کوئی آبادی نہیں تھی، نہ بظاہر زندہ رہنے کا کوئی سامان، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے زمزم کا کنواں جاری فرمایا جسے دیکھ کر قبیلہ جرہم کے لوگ یہاں آکر حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے آباد ہوئے، اور پھر رفتہ رفتہ یہ ایک شہر بن گیا۔

(۲۵) مکہ مکرمہ کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بڑا مانتے تھے۔ اس لئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ اُن

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾

میرے پروردگار! ان بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے۔ لہٰذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرا کہنا نہ مانے، تو (اُس کا معاملہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔[٢٦] ﴿٣٦﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔ ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لئے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں، لہٰذا لوگوں کے دِلوں میں ان کے لئے کشش پیدا کر دیجئے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے،[٢٧] تاکہ وہ شکر گذار بنیں۔ ﴿٣٧﴾

کی یہ دُعا نقل فرما کر انہیں متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ تو بت پرستی سے اتنے بیزار تھے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اُس سے محفوظ رہنے کی دُعا مانگی تھی۔ پھر تم لوگوں نے کہاں سے بت پرستی شروع کر دی۔

(٢٦) مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کو بت پرستی سے بچنے کی تاکید کرتا رہوں گا۔ پھر جو لوگ میری ان ہدایات پر عمل کریں گے، وہ تو مجھ سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کر سکیں گے، لیکن جو میری بات نہیں مانیں گے، ان کے لئے میں بددُعا نہیں کرتا، بلکہ اُن کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ غفور رحیم ہیں، اس لئے ان کی مغفرت کا یہ راستہ بھی نکال سکتے ہیں کہ ان کو ہدایت عطا فرما دیں۔

(٢٧) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ایسی قبول ہوئی کہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے دِل مکہ مکرمہ کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں، موسمِ حج میں تو یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کہاں کہاں سے لوگ مشقتیں اُٹھا کر اس خشک اور بے آب و گیاہ علاقے میں پہنچتے ہیں۔ موسمِ حج کے علاوہ بھی لوگ بار بار عمرے اور دوسری عبادتوں کے لئے وہاں پہنچتے ہیں، اور جو ایک مرتبہ وہاں چلا جاتا ہے، اُسے بار بار حاضری کا شوق لگا رہتا ہے۔ اور پھلوں کی افراط کا یہ عالم ہے کہ دُنیا بھر کے پھل بڑی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں، حالانکہ وہاں کی زمین میں اپنا کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۱۸ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

اے ہمارے ربّ! ہم جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ بھی آپ کے علم میں ہیں، اور جو کام علانیہ کرتے ہیں، وہ بھی۔ اور اللہ سے نہ زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے، نہ آسمان کی کوئی چیز۔ ﴿۳۸﴾ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (جیسے بیٹے) عطا فرمائے۔ بیشک میرا ربّ بڑا دُعائیں سننے والا ہے۔ ﴿۳۹﴾ یا ربّ! مجھے بھی نماز قائم کرنے والا بنا دیجئے، اور میری اولاد میں سے بھی (ایسے لوگ پیدا فرمایئے جو نماز قائم کریں۔) اے ہمارے پروردگار! اور میری دُعا قبول فرمالیجئے۔ ﴿۴۰﴾ اے ہمارے پروردگار! جس دن حساب قائم ہوگا، اُس دن میری بھی مغفرت فرمایئے، میرے والدین کی بھی،(۲۸) اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں۔" ﴿۴۱﴾ اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اُس سے غافل ہے۔(۲۹) وہ تو ان لوگوں کو اُس دن تک کے لئے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ﴿۴۲﴾

---

(۲۸) یہاں یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تو کافر تھا، اُس کے لئے آپ نے مغفرت کی دُعا کیسے فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ جس وقت یہ دُعا فرمائی، ہوسکتا ہے کہ اُس کے کفر کی حالت میں مرنے کی آپ کو خبر نہ ہوئی ہو، لہٰذا دُعا کا مطلب یہ ہوا کہ اُس کو ایمان کی توفیق مل جائے، جو اُس کے لئے مغفرت کا سبب ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس وقت تک آپ کو مشرک باپ کے لئے دُعا کرنے سے منع نہ فرمایا گیا ہو۔

(۲۹) پیچھے یہ فرمایا گیا تھا کہ ان ظالموں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے اپنی قوم کو تباہی کے کنارے لا کھڑا

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ ۙ

وہ سروں کو اُوپر اُٹھائے دوڑ رہے ہوں گے، اُن کی نگاہیں جھپکنے کو واپس نہیں آئیں گی،(۳۰) اور اُن کے دِل (بدحواسی میں) اُڑے جا رہے ہوں گے۔ ﴿۴۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم لوگوں کو اُس دن سے خبردار کرو جب عذاب اُن پر آن پڑے گا، تو اُس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے اور مہلت دے دیجئے تا کہ ہم آپ کی دعوت قبول کرلیں، اور پیغمبروں کی پیروی کریں۔'' (اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ:) ''ارے کیا تم لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ تم پر کوئی زوال نہیں آسکتا؟ ﴿۴۴﴾

کیا ہے۔ اس پر کسی کے دِل میں خیال ہوسکتا تھا کہ دُنیا میں تو یہ لوگ ترقی کرتے نظر آرہے ہیں۔ اس خیال کا جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے، اور بالآخر یہ ایک ہولناک عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت ہیبت سے ان کا جو حال ہوگا، اُس کی تفصیل انتہائی بلیغ اُسلوب میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی تاثیر کو کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگرچہ یہ انجام براہِ راست تو مکہ مکرمہ کے کافروں کا بیان فرمایا گیا ہے، لیکن الفاظ عام ہیں، اور جب کبھی ظالم لوگ بڑھتے چڑھتے نظر آئیں، تو ان پر بھی یہ آیات پوری طرح صادق آتی ہیں۔

(۳۰) یعنی جو ہولناک انجام ان کے سامنے ہوگا، اُس کی وجہ سے وہ ٹکٹکی باندھ کر ایک ہی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اور پلک جھپکانے کی جو صلاحیت دُنیا میں تھی، وہ ان کے پاس اُس وقت واپس نہیں آئے گی۔

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

اور تم اُن لوگوں کی بستیوں میں رہ چکے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور یہ بات کھل کر تمہارے سامنے آچکی تھی کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا، اور ہم نے تمہیں مثالیں بھی دی تھیں۔ ﴿۴۵﴾ اور وہ لوگ اپنی ساری چالیں چل چکے تھے، اور ان کی ساری چالوں کا توڑ اللہ کے پاس تھا، چاہے اُن کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں۔'' ﴿۴۶﴾ لہٰذا اللہ کے بارے میں ہرگز یہ خیال بھی دِل میں نہ لانا کہ اُس نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر رکھا ہے، اُس کی خلاف ورزی کرے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنے اقتدار میں سب پر غالب ہے، (اور) انتقام لینے والا ہے۔ ﴿۴۷﴾ اُس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی (بدل جائیں گے) اور سب کے سب خدائے واحد وقہار کے سامنے پیش ہوں گے۔ ﴿۴۸﴾ اور اُس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۴۹﴾ اُن کے قمیص تارکول کے ہوں گے، اور آگ اُن کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی، ﴿۵۰﴾

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ع ۷ / ۱۱ / ۱۹

تاکہ اللہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دے۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔﴿۵۱﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے، اور اس لئے دیا جارہا ہے تاکہ اُنہیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے، اور تاکہ وہ جان لیں کہ معبودِ برحق بس ایک ہی ہے، اور تاکہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کرلیں۔﴿۵۲﴾

الحمدللہ! سورۂ ابراہیم کا ترجمہ اور حواشی شبِ دوشنبہ ۱۱/رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۶/اگست ۲۰۰۶ء کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الحِجر

تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اِسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کی مخالفت کررہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی (معاذ اللہ) مجنون کہتے، اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت آیت نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے اِبلیس کا واقعہ آیات نمبر ۲۶ تا ۴۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا۔ کفار کی عبرت کے لئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جارہی ہے۔ اُن کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔ سورت کا نام قومِ ثمود کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو "حِجر" کہلاتی تھیں، اور اُن کا ذکر اِس سورت کی آیت نمبر ۸۰ میں آیا ہے۔

آیاتھا ۹۹ ۱۵ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞ ۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۞ ۲ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۞ ۳ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۞ ۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۞ ۵ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۞ ۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ ﴿۱﴾ ایک وقت آئے گا جب یہ کافر لوگ بڑی تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو کہ یہ خوب کھالیں، مزے اُڑالیں، اور خیالی اُمیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں[1]، کیونکہ عنقریب اُنہیں پتہ چل جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی) ﴿۳﴾ اور ہم نے جس کسی بستی کو ہلاک کیا تھا، اُس کے لئے ایک معین وقت لکھا ہوا تھا۔ ﴿۴﴾ کوئی قوم اپنے معین وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوتی ہے، اور نہ اُس سے آگے جاسکتی ہے۔ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اُتارا گیا ہے! تم یقینی طور پر مجنون ہو۔ ﴿۶﴾

(۱) اس آیت میں قرآنِ کریم نے توجہ دِلائی ہے کہ صرف کھانے پینے اور دُنیا میں مزے اُڑانے کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنالینا اور اسی کے لئے اس طرح لمبی لمبی خیالی اُمیدیں باندھتے رہنا جیسے زندگی بس یہی ہے، یہ کافروں کا کام ہے، مسلمان دُنیا میں رہتا ضرور ہے، اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ بھی اُٹھاتا ہے، مگر اس دُنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتا، بلکہ اُسے آخرت کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا ہے جس کا بہترین راستہ شریعت کے اَحکام کی پابندی ہے۔

لَوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾

اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟" ﴿۷﴾ ہم فرشتوں کو اُتارتے ہیں تو برحق فیصلہ دے کر اُتارتے ہیں، اور ایسا ہوتا تو اِن کو مہلت بھی نہ ملتی[۲] ﴿۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔[۳] ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم تم سے پہلے بھی پچھلی قوموں کے مختلف گروہوں میں اپنے پیغمبر بھیج چکے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور اُن کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آتا تھا جس کا وہ مذاق نہ اُڑاتے ہوں۔ ﴿۱۱﴾

---

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اُتارنے کی فرمائش کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے لئے کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہو، اُس کے پاس ہم فرشتے اُس وقت اُتارتے ہیں جب اُس قوم کی نافرمانی حد سے گذر جاتی ہے، اور اس فیصلے کا وقت آجاتا ہے کہ اب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ اور جب یہ فیصلہ کرکے فرشتے بھیج دیئے جاتے ہیں تو پھر اُس قوم کو اِیمان لانے کی مہلت نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں انسان سے جو اِیمان مطلوب ہے، وہ ایمان بالغیب ہے جس میں انسان اپنی عقل اور سمجھ کو کام میں لاکر اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔ اگر غیب کی ساری چیزیں دُنیا میں دِکھادی جائیں تو اِمتحان ہی کیا ہوا؟

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اگرچہ قرآنِ کریم سے پہلے بھی آسمانی کتابیں بھیجی گئی تھیں، لیکن چونکہ وہ خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لئے آئی تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو قیامت تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضمانت نہیں دی تھی، بلکہ اُن کی حفاظت کا کام اُنہی لوگوں کو سونپ دیا گیا تھا جو اُن کے مخاطب تھے، جیسا کہ سورۂ مائدہ (۵: ۴۴) میں فرمایا گیا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے نافذ العمل رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی ردّ و بدل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

مجرم لوگوں کے دِلوں میں یہ بات[4] ہم اسی طرح داخل کرتے ہیں ﴿۱۲﴾ کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور پچھلے لوگوں کا بھی یہی طریقہ چلا آیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر (بالفرض) ہم اُن کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، اور وہ دن کی روشنی میں اُس پر چڑھتے بھی چلے جائیں، ﴿۱۴﴾ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے، بلکہ ہم لوگ جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہیں۔[5] ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنائے ہیں،[6] اور اُس کو دیکھنے والوں کے لئے سجاوٹ عطا کی ہے،[7] ﴿۱۶﴾

کے سینوں میں اُسے اس طرح محفوظ کردیا ہے کہ اگر بالفرض کوئی دُشمن قرآنِ کریم کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کردے تب بھی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں جو بذاتِ خود قرآنِ کریم کا زندہ معجزہ ہے۔

(۴) ''یہ بات'' سے قرآنِ کریم بھی مراد ہوسکتا ہے، یعنی قرآنِ کریم ان کے دِلوں میں داخل تو ہوتا ہے، لیکن اُن کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے وہ اُنہیں ایمان کی دولت نہیں بخشتا۔ اور ''یہ بات'' سے ان کے مذاق اُڑانے کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ یعنی اُن کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں پر مہر لگادی ہے، اور کفر و بغاوت اور اِستہزاء اُن کے دِلوں میں داخل کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے مطالبات محض ضد پر مبنی ہیں۔ فرشتے اُتارنا تو درکنار، اگر خود ان کو آسمان پر لے جایا جائے تب بھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ لیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔

(۶) برج اصل میں تو قلعے کو کہتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ''بروج'' سے مراد ستارے ہیں۔

(۷) یعنی آسمان ستاروں سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قرآنِ کریم نے ''آسمان''

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾

اور اُسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے، ﴿۱۷﴾ البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔[8] ﴿۱۸﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے، اور اُس کو جمانے کے لئے اُس میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں،[9] اور اُس میں ہر قسم کی چیزیں توازن کے ساتھ اُگائی ہیں۔ ﴿۱۹﴾

کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ کہیں اس سے مراد اُن سات آسمانوں میں سے کوئی آسمان ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُوپر تلے پیدا فرمایا ہے۔ اور کہیں اُس سے اُوپر کی سمت مراد ہوتی ہے، چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۱ میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں۔ بظاہر اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

(۸) یہ حقیقت قرآنِ کریم نے کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ شیطان آسمان کے اُوپر جا کر عالمِ بالا کی خبریں حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ خبریں کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچائیں، اور وہ اُن کے ذریعے لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن آسمان میں ان کا داخلہ شروع ہی سے بند ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں تشریف آوری سے پہلے یہ شیاطین آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے تھے، اور وہاں سے کوئی بات کان میں پڑ جاتی تو اُس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے، اس طرح کبھی کوئی بات صحیح بھی نکل آتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ان کو آسمان کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا۔ اب اگر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو ایک شعلے کے ذریعے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ ستارہ ٹوٹنے کے جو واقعات ہمیں آسمان پر نظر آتے ہیں، بعض اوقات وہ یہی شعلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے شیطان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ جن میں آئے گی۔

(۹) قرآنِ کریم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ شروع میں جب زمین کو سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈولتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے، تاکہ وہ زمین کو جما کر رکھیں۔ دیکھئے سورۂ نحل (۱۵:۱۶)۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اُس میں تمہارے لئے بھی روزی کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن (مخلوقات) کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔[10] ﴿۲۰﴾ اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں، مگر ہم اُس کو ایک معین مقدار میں اُتارتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور وہ ہوائیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں، ہم نے بھیجی ہیں، پھر آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، پھر اُس سے تمہیں سیراب ہم نے کیا ہے، اور تمہارے بس میں یہ نہیں ہے کہ تم اُس کو ذخیرہ کر کے رکھ سکو۔ ﴿۲۲﴾ ہم ہی زندگی دیتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ ﴿۲۳﴾ تم میں سے جو آگے نکل گئے ہیں، اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان سے بھی ہم واقف ہیں۔[11] ﴿۲۴﴾

---

(۱۰) اگرچہ ہر چیز کو رِزق تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لیکن بعض پالتو جانور ایسے ہیں جنہیں انسان ظاہری طور پر چارہ فراہم کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اکثر مخلوقات ایسی ہیں کہ جنہیں رزق مہیا کرنے میں ظاہری طور پر بھی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے انسانوں کے لئے بھی رزق کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن مخلوقات کے لئے بھی جنہیں انسان ظاہری طور پر بھی کوئی غذا فراہم نہیں کرتا۔ عربی گرامر کی رُو سے اس آیت کا ترجمہ ایک اور طرح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ''ہم نے تمہارے فائدے کے لئے اس (زمین) میں روزی کے سامان بھی پیدا کئے ہیں، اور وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو تم رزق نہیں دیتے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو وہ ظاہری طور پر بھی رزق نہیں دیتا، مگر ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے، جیسے شکار کے جانور۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو قومیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں اُن کے حالات سے بھی ہم واقف ہیں،

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو حشر میں اِکٹھا کرے گا، بیشک اُس کی حکمت بھی بڑی ہے، اُس کا علم بھی بڑا۔ ﴿۲۵﴾ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا،[12] ﴿۲۶﴾ اور جنات کو اس سے پہلے ہم نے لُو کی آگ سے پیدا کیا تھا۔[13] ﴿۲۷﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: ''میں گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ ﴿۲۸﴾ لہٰذا جب میں اُس کو پوری طرح بنالوں، اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دُوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔'' ﴿۲۹﴾ چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا، ﴿۳۰﴾ سوائے اِبلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ﴿۳۱﴾

اور جو قومیں آگے آنے والی ہیں، اُن کے حالات سے بھی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ تم میں سے جو لوگ نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھ گئے ہیں اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، اُن کو بھی۔

(۱۲) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہے جس کا مفصل واقعہ سورۂ بقرہ (۲: ۳۰ و ۳۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں فرشتوں کو سجدے کا حکم دینے سے متعلق ضروری نکات بھی بیان ہو چکے ہیں۔

(۱۳) جس طرح انسان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی طرح جنات میں سب سے پہلے جس جن کو پیدا کیا گیا، اُس کا نام ''جان'' تھا، اور اُسے آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔

قَالَ يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾

اللہ نے کہا: ''اِبلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا؟'' ﴿۳۲﴾ اُس نے کہا: ''میں ایسا (گرا ہوا) نہیں ہوں کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔'' ﴿۳۳﴾ اللہ نے کہا: ''اچھا تو یہاں سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہو گیا ہے، ﴿۳۴﴾ اور تجھ پر قیامت کے دن تک پھٹکار پڑی رہے گی۔'' ﴿۳۵﴾ کہنے لگا: ''یا ربّ! پھر مجھے اُس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جب لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔'' ﴿۳۶﴾ اللہ نے فرمایا کہ: ''جا پھر تجھے مہلت (تو) دے دی گئی ﴿۳۷﴾ (مگر) ایک ایسی میعاد کے دن تک جو ہمیں معلوم ہے۔''(۱۴) ﴿۳۸﴾ کہنے لگا: ''یا ربّ! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے اب میں قسم کھاتا ہوں کہ ان انسانوں کے لئے دُنیا میں دِلکشی پیدا کروں گا،(۱۵) اور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا، ﴿۳۹﴾ سوائے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے اپنے لئے مخلص بنا لیا ہو۔'' ﴿۴۰﴾

---

(۱۴) شیطان نے مہلت تو روزِ حشر تک کے لئے مانگی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کے بجائے ایک اور معین وقت تک کے لئے اُسے مہلت دی۔ اکثر مفسرین کے مطابق وہ پہلے صور کے پھونکنے تک ہے جس کے بعد ساری مخلوقات کو موت آئے گی، اُس وقت شیطان کو بھی موت آجائے گی۔

(۱۵) یعنی ایسی دِلکشی پیدا کروں گا جو انہیں تیری نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

اللہ نے فرمایا: ''یہ ہے وہ سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچتا ہے۔(۱۶) ﴿۴۱﴾ یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا،(۱۷) سوائے اُن گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔ ﴿۴۲﴾ اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانا ہے۔ ﴿۴۳﴾ اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے (میں داخلے) کے لئے اُن (دوزخیوں کا) ایک ایک گروہ بانٹ دیا گیا ہے۔'' ﴿۴۴﴾ (دوسری طرف) متقی لوگ باغات اور چشموں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۴۵﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ) ''ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہوکر داخل ہوجاؤ۔'' ﴿۴۶﴾ اُن کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی، اُسے ہم نکال پھینکیں گے،(۱۸) وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اُونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۴۷﴾

---

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت یہ واضح فرمادیا کہ جو لوگ اِخلاص اور بندگی کا راستہ اختیار کریں گے، وہ سیدھا مجھ تک پہنچے گا، اور ایسے لوگوں پر شیطان کے بہکاوے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

(۱۷) ''میرے بندوں'' سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہوں۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا زور نہ چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان اُنہیں بھی گمراہ کرنے کی کوشش تو کرے گا، لیکن وہ اپنے اِخلاص اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔

(۱۸) یعنی دُنیا میں ان حضرات کے درمیان اگر کوئی رنجش رہی ہو تو جنت میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہ ان کے دِلوں سے نکال دیں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۴۹﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿۵۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿۵۳﴾

وہاں نہ کوئی تھکن اُن کے پاس آئے گی، اور نہ اُن کو وہاں سے نکالا جائے گا۔﴿۴۸﴾ میرے بندوں کو بتادو کہ میں ہی بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔﴿۴۹﴾ اور یہ بھی بتادو کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔﴿۵۰﴾ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنادو،[19] ﴿۵۱﴾ اُس وقت کا حال جب وہ اُن کے پاس پہنچے، اور سلام کیا۔ ابراہیم نے کہا کہ: ''ہمیں تو تم سے ڈر لگ رہا ہے۔''[20] ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: ''ڈریئے نہیں، ہم تو آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے (کی ولادت) کی خوشخبری دے رہے ہیں۔'' ﴿۵۳﴾

(۱۹) مہمانوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اُوپر یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی بہت وسیع ہے، اور عذاب بھی بڑا سخت ہے، لہٰذا ایک انسان کو نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا چاہئے، اور نہ اُس کے عذاب سے بے فکر ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ اس مناسبت سے ان مہمانوں کا یہ واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی بیان ہے کہ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے کی پیدائش کی خبر لے کر آئے، اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا بھی ذکر ہے کہ انہی فرشتوں کے ذریعے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) میں گذر چکا ہے۔ اس کے مختلف حصوں کی وضاحت ہم نے وہاں کی ہے۔

(۲۰) سورۂ ہود میں گذر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو اِنسان سمجھ کر اُن کی مہمانی کے لئے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے تھے، لیکن انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا جو اُس علاقے کے رواج کے مطابق اس بات کی علامت تھی کہ یہ کوئی دُشمن ہیں، اور کسی برے ارادے سے آئے ہیں، اس لئے انہیں خوف محسوس ہوا۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾

ابراہیم نے کہا: ”کیا تم مجھے اس حالت میں خوشخبری دے رہے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا چھا چکا ہے؟ پھر کس بنیاد پر مجھے خوشخبری دے رہے ہو؟“ ﴿۵۴﴾ وہ بولے: ”ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے، لہٰذا آپ اُن لوگوں میں شامل نہ ہوں جو نا اُمید ہو جاتے ہیں۔“ ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: ”اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون نا اُمید ہو سکتا ہے؟“ ﴿۵۶﴾ (پھر) انہوں نے پوچھا کہ: ”اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! اب آپ کے سامنے کیا مہم ہے؟“ ﴿۵۷﴾ انہوں نے کہا: ”ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف (عذاب نازل کرنے کے لئے) بھیجا گیا ہے، ﴿۵۸﴾ البتہ لوط کے گھر والے اس سے مستثنیٰ ہیں، اُن سب کو ہم بچا لیں گے، ﴿۵۹﴾ سوائے اُن کی بیوی کے۔ ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل رہے گی جو (عذاب کا نشانہ بننے کے لئے) پیچھے رہ جائیں گے۔“ ﴿۶۰﴾ چنانچہ جب یہ فرشتے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے ﴿۶۱﴾ تو لوط نے کہا: ”آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔“ (۲۱) ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا: ”نہیں، بلکہ ہم آپ کے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔ ﴿۶۳﴾

(۲۱) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بدفطرتی سے واقف تھے کہ یہ لوگ اجنبیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس بدنہاد قوم کے مختصر تعارف کے لئے دیکھئے سورۂ اَعراف (۷:۸۰) پر ہمارا حاشیہ۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

ہم آپ کے پاس اٹل فیصلہ لے کر آئے ہیں، اور یقین رکھئے کہ ہم سچے ہیں۔ ﴿۶۴﴾ لہٰذا آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جایئے، اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے [22]، اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور وہیں جانے کے لئے چلتے رہیں جہاں کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔" ﴿۶۵﴾ اور (اس طرح) ہم نے لوط تک اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔ ﴿۶۶﴾ اور شہر والے خوشی مناتے ہوئے (لوط کے پاس) آ پہنچے [23]۔ ﴿۶۷﴾ لوط نے (ان سے) کہا کہ: "یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا مجھے رُسوا نہ کرو، ﴿۶۸﴾ اور اللہ سے ڈرو، اور مجھے ذلیل نہ کرو۔" ﴿۶۹﴾ کہنے لگے: "کیا ہم نے آپ کو پہلے ہی دُنیا جہان کے لوگوں (کو مہمان بنانے) سے منع نہیں کر رکھا تھا؟" ﴿۷۰﴾

---

(۲۲) حضرت لوط علیہ السلام کو پیچھے چلنے کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ آپ اپنے تمام ساتھیوں کی نگرانی کر سکیں، خاص طور پر ان سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے۔

(۲۳) یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اس لئے جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اندیشہ تھا، یہ لوگ اپنی ہوس پوری کرنے کے شوق میں خوشی مناتے ہوئے آئے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

لوط نے کہا: ''اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میری بیٹیاں (جو تمہارے نکاح میں ہیں، تمہارے پاس) موجود ہی ہیں۔''(۲۴) ﴿۷۱﴾ (اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بے ہوئے تھے۔ ﴿۷۲﴾ چنانچہ سورج نکلتے ہی ان کو چنگھاڑ نے آ پکڑا، ﴿۷۳﴾ پھر ہم نے اُس زمین کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، اور ان پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش برسادی۔ ﴿۷۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اس سارے واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ ﴿۷۵﴾ اور یہ بستیاں ایک ایسے راستے پر واقع ہیں جس پر لوگ مستقل چلتے رہتے ہیں۔(۲۵) ﴿۷۶﴾ یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ ﴿۷۷﴾

(۲۴) کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی رُوحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدقماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری رُوحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔

(۲۵) حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں اُردُن کے بحیرۂ مردار کے آس پاس واقع تھیں، اور عرب کے لوگ جب شام کا سفر کرتے تو ان بستیوں کے آثار ان کے راستے میں پڑتے تھے۔ آیت ۷۲ کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کسی کی قسم کھانا اِنسانوں کے لئے جائز نہیں۔ دیکھئے سورۂ صافات کا حاشیہ نمبر ۱۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

ع ۵ / ۱۹ / ۵

اور اَیکہ کے باشندے (بھی) بڑے ظالم تھے۔[۲۶] ﴿۷۸﴾ چنانچہ ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا۔ اور ان دونوں قوموں کی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔[۲۷] ﴿۷۹﴾ اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔[۲۸] ﴿۸۰﴾ اور ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ اُن سے منہ موڑے رہے۔ ﴿۸۱﴾ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر بے خوف وخطر مکان بنایا کرتے تھے۔ ﴿۸۲﴾ آخر اُنہیں صبح صبح ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ ﴿۸۳﴾ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس ہنر سے وہ کمائی کرتے تھے، وہ اُن کے کچھ کام نہ آیا۔ ﴿۸۴﴾

(۲۶) ''اَیکہ'' اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورۂ اَعراف (۷:۸۵ تا ۹۳) میں گذر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمایئے۔

(۲۷) دونوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستیاں ہیں۔ جیسا کہ اُوپر گذرا، حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تو بحیرۂ مردار کے پاس تھیں، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین بھی اُردن میں واقع تھی، اور اہلِ عرب شام جاتے ہوئے ان دونوں کے پاس سے گذرا کرتے تھے۔

(۲۸) حِجر (حا کے نیچے زیر ہے) قومِ ثمود کی ان بستیوں کا نام تھا جن کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کا واقعہ بھی سورۂ اَعراف (۷:۷۳ تا ۷۹) میں گذر چکا ہے۔ ان کے تعارف کے لئے اُسی سورت کی مذکورہ آیات پر ہمارے حواشی ملاحظہ فرمایئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُس کو کسی برحق مقصد کے بغیر پیدا نہیں کیا۔(۲۹) اور قیامت کی گھڑی آکر رہے گی۔ لہٰذا (اے پیغمبر! ان کافروں کے طرزِ عمل پر) خوبصورتی کے ساتھ درگذر سے کام لو۔(۳۰) ﴿۸۵﴾ یقین رکھو کہ تمہارا ربّ ہی سب کو پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۸۶﴾ اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں،(۳۱) اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔ ﴿۸۷﴾ اور تم اُن چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کے لئے دے رکھی ہیں، اور نہ ان لوگوں پر اپنا دِل کڑھاؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو۔ ﴿۸۸﴾

---

(۲۹) یعنی اس کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں اِنعام دیا جائے، اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ان کافروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔

(۳۰) درگذر سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو سزا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ مکی زندگی میں ان سے لڑنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور اُن کی طرف سے جو اَذیتیں مسلمانوں کو پہنچ رہی تھیں، اُن کا بدلہ لینے کا بھی حکم نہیں تھا۔ درگذر کرنے سے یہ مراد ہے کہ فی الحال ان سے کوئی بدلہ بھی نہ لو۔ اس طرح مسلمانوں کو تکلیفوں کی بھٹی سے گذار کر اُن میں اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جارہے تھے۔

(۳۱) اس سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ غالباً اس موقع پر سورۂ فاتحہ کا خصوصی حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سورت میں بندوں کو "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کے ذریعے ہر

وَقُلْ إِنِّيٓ أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

اور (کفر کرنے والوں سے) کہہ دو کہ میں تو بس کھلے الفاظ میں تنبیہ کرنے والا ہوں۔ ﴿۸۹﴾ (یہ تنبیہ قرآنِ عظیم کے ذریعے اُسی طرح نازل کی گئی ہے) جیسے ہم نے اُن تفرقہ کرنے والوں پر نازل کی تھی ﴿۹۰﴾ جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ (۳۲) ﴿۹۱﴾ چنانچہ تمہارے ربّ کی قسم! ہم ایک ایک کرکے ان سب سے پوچھیں گے ﴿۹۲﴾ کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۳﴾ لہٰذا جس بات کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے، اُسے علی الاعلان لوگوں کو سنادو، (۳۳) اور جو لوگ (پھر بھی) شرک کریں، اُن کی پروا مت کرو۔ ﴿۹۴﴾ یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں جو (تمہارا) مذاق اُڑاتے ہیں، ﴿۹۵﴾ جنہوں نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود گھڑ رکھا ہے۔ چنانچہ عنقریب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۹۶﴾ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں، اُن سے تمہارا دِل تنگ ہوتا ہے۔ ﴿۹۷﴾

بات اللہ سے مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ گویا یہ ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جب کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے، اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرکے اُسی سے مدد مانگو، اور اُسی سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دُعا کرو۔

(۳۲) اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں، اُنہوں نے اپنی کتابوں کے حصے بخرے اس طرح کئے تھے کہ اُس کے جس حکم کو چاہتے، مان لیتے، اور جس کی چاہتے، خلاف ورزی کرتے تھے۔

(۳۳) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے آپ انفرادی طور پر تبلیغ فرماتے تھے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔ ﴿۹۸﴾ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔ (۳۴) ﴿۹۹﴾

(۳۴) اس سے مراد موت ہے۔ یعنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذاردو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دے کر اپنے پاس بلالیں۔

الحمدللہ! سورۂ حجر کا ترجمہ اور حواشی مؤرخہ ۱۴ر اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۱۸ر رجب ۱۴۲۷ھ بروز دوشنبہ بوقتِ ظہر کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافعِ خلائق بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ النَّحْلِ

تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو "سورۃ النعم" (نعمتوں کی سورت) بھی کہا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکین عام طور سے یہ مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر اُنہیں توحید پر اِیمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور اِیمان نہ لانے کی صورت میں اُنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اُس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۴۱ و ۴۲ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ اُن کے مصائب وآلام کا دور ختم ہونے والا ہے، اور انہیں دُنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا، اور آخرت میں بھی اُن کے لئے بڑا اَجر وثواب ہے، بشرطیکہ وہ صبر سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم اَحکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرزِ عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔ "نحل" عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِنعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام "نحل" رکھا گیا ہے۔

أياتها ۱۲۸ ۱۶ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۷۰ رکوعاتها ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اَٹھائیس آیتیں اور سولہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، لہٰذا اُس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔[1] جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں، وہ اُس سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۱﴾ وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اِس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اُتارتا ہے کہ: ''لوگوں کو آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو، (کسی اور سے نہیں'') ﴿۲﴾

---

(۱) عربی زبان کے اعتبار سے یہ انتہائی زوردار فقرہ ہے جس میں آئندہ ہونے والے کسی یقینی واقعے کو ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس کے زور اور تاثیر کو کسی اور زبان میں ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے یہ فرماتے تھے کہ کفر کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور مسلمان غالب آئیں گے تو وہ مذاق اُڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ اگر عذاب آنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ اُسے ابھی بھیج دے۔ اس کا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ عذاب کی یہ دھمکی اور مسلمانوں کی فتح کا وعدہ (معاذ اللہ) محض بناوٹی بات ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اس سورت کا آغاز اُن کے اس طرزِ عمل کے مقابلے میں یہ فرما کر کیا گیا ہے کہ کافروں پر آنے والے جس عذاب اور مسلمانوں کے غلبے کی جس خبر کو تم ناممکن سمجھ رہے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے، اور اتنا یقینی ہے کہ گویا آن ہی پہنچا ہے، لہٰذا اُس کے آنے کی جلدی مچا کر اُس کا مذاق نہ اُڑاؤ، کیونکہ وہ تمہارے سر پر کھڑا ہے۔ پھر اگلے فقرے میں اس عذاب کے یقینی ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اُس سے پاک بلکہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اُس سے بہت بالا و برتر ہے۔[1] ﴿۳﴾ اُس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلم کھلا جھگڑے پر آمادہ ہوگیا۔[2] ﴿۴﴾ اور چوپائے اُسی نے پیدا کیے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے،[3] اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ ﴿۵﴾ اور جب تم اُنہیں شام کے وقت گھر واپس لاتے ہو، اور جب اُنہیں صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو اُن میں تمہارے لئے ایک خوشنما منظر بھی ہے۔ ﴿۶﴾ اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷﴾

اُس سے بہت بالا و برتر ہے، لہٰذا اُس کے ساتھ شرک کرنا اُس کی توہین ہے، اور خالقِ کائنات کی توہین کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ توہین کرنے والے پر عذاب نازل ہو (تفسیر المہائمی ۱: ۴۰۲)۔

(۲) یعنی انسان کی حقیقت تو اتنی ہے کہ وہ ایک ناپاک بوند سے پیدا ہوا ہے، لیکن جب اُسے ذرا قوتِ گویائی ملی تو جس ذات نے اُسے اس ناپاک بوند سے ایک مکمل انسان بنایا تھا، اور اُسے اشرف المخلوقات کا رُتبہ بخشا تھا، اُسی ذات کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اُس سے جھگڑنا شروع کر دیا۔

(۳) یعنی اُن کی کھالوں سے ایسے لباس بنائے جاتے ہیں جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھ سکیں۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور گھوڑے، خچر اور گدھے اُسی نے پیدا کئے ہیں تاکہ تم اُن پر سواری کرو، اور وہ زینت کا سامان بنیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔[۴] ﴿۸﴾ اور سیدھا راستہ دِکھانے کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، اور بہت سے راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے راستے پر پہنچا بھی دیتا۔[۵] ﴿۹﴾ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، اور اُسی سے وہ درخت اُگتے ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو۔ ﴿۱۰﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی بہت سی سواریاں وہ ہیں جن کا ابھی تمہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ اس طرح اس آیتِ کریمہ نے یہ خبر دی ہے کہ اگرچہ فی الحال تم صرف گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کرتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ آئندہ نئی نئی سواریاں پیدا کرے گا، اور اس طرح اس آیت میں اُن ساری سواریوں کا ذکر آگیا ہے جو نزولِ قرآن کے بعد پیدا ہوئیں، مثلاً کاریں، بسیں، ریلیں، ہوائی اور بحری جہاز وغیرہ۔ بلکہ قیامت تک جتنی سواریاں مزید پیدا ہوں وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ "وہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں ابھی علم بھی نہیں ہے۔" اس ترجمے سے یہ مفہوم زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا کے راستے طے کرنے کے لئے یہ سواریاں پیدا کی ہیں، اسی طرح آخرت کا رُوحانی سفر طے کرنے کے لئے سیدھا راستہ دِکھانے کی ذمہ داری بھی لی ہے، کیونکہ لوگوں نے اس کام کے لئے بہت سے ٹیڑھے راستے بنا رکھے ہیں، اُن سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ۙ وَمَا ذَرَاَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اُسی سے اللہ تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجور کے درخت، انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ (۶) حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں۔ ﴿۱۱﴾ اور اُس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے، اور ستارے بھی اُس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۱۲﴾ اسی طرح وہ ساری رنگ برنگ کی چیزیں جو اُس نے تمہاری خاطر زمین میں پھیلا رکھی ہیں، وہ بھی اُس کے حکم سے کام پر لگی ہوئی ہیں۔ بیشک اِن سب میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سبق حاصل کریں۔ ﴿۱۳﴾

سیدھا راستہ اپنے پیغمبروں اور اپنی کتابوں کے ذریعے دِکھاتا ہے۔ البتہ وہ کسی کو زبردستی اُٹھا کر اس راستے پر نہیں لے جاتا، اگرچہ وہ چاہتا تو یہ بھی کرسکتا تھا، لیکن اس دُنیا میں انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دِکھائے ہوئے راستے پر اپنے اختیار سے چلے، زبردستی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے راستہ دِکھانے پر اِکتفا فرماتا ہے۔

(۶) کھیتیوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو اِنسان غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے، جیسے گندم، سبزیاں وغیرہ، اور زیتون اُن اشیاء کا ایک نمونہ ہے جو کھانا پکانے اور کھانے کے لئے چکنائی کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، اور کھجور، انگور اور باقی پھلوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو مزید لذت حاصل کرنے کے کام آتی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۴﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵﴾

اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام پر لگایا، تاکہ تم اُس سے تازہ گوشت کھاؤ،[(۷)] اور اُس سے وہ زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو۔[(۸)] اور تم دیکھتے ہو کہ اُس میں کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ شکر گذار بنو۔[(۹)] ﴿۱۴﴾ اور اُس نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگائے نہیں،[(۱۰)] اور دریا اور راستے بنائے ہیں، تاکہ تم منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔ ﴿۱۵﴾

---

(۷) مچھلی کا گوشت مراد ہے۔

(۸) سمندر سے موتی نکلتے ہیں جو زیورات میں کام آتے ہیں۔

(۹) یعنی سمندر میں تجارتی سفر کر کے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بنو۔ قرآنِ کریم نے ''اللہ کا فضل تلاش کرنے'' کی اِصطلاح بہت سی آیتوں میں تجارت کے لئے استعمال فرمائی ہے۔ دیکھئے سورۂ بقرہ (۱۹۸:۲)، سورۂ بنی اسرائیل (۱۲:۱۷ و ۶۶:۱۷)، سورۂ قصص (۷۳:۲۸)، سورۂ رُوم (۴۶:۳۰)، سورۂ فاطر (۱۲:۳۵)، سورۂ جاثیہ (۱۲:۴۵)، سورۂ جمعہ (۱۰:۶۲) اور سورۂ مزمل (۲۰:۷۳)۔ تجارت کو اللہ تعالیٰ کا فضل کہنے سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تجارت شرعی اَحکام کی پابند ہو تو وہ ایک پسندیدہ چیز ہے، اور دوسری طرف اس اِصطلاح سے تاجروں کو یہ تنبیہ بھی کی جارہی ہے کہ تجارت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کیونکہ انسان کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اگر تجارت کے ذریعے مال و دولت حاصل ہوجائے تو اِنسان کو مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا چاہئے۔

(۱۰) جب زمین کو شروع میں سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈگمگاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعے اُس کو جمادیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق اب بھی بڑے بڑے براعظم سمندر کے پانی پر تھوڑے تھوڑے سرکتے رہتے ہیں، لیکن یہ سرکنا اتنا معمولی ہوتا ہے کہ انسان کو اِحساس نہیں ہوتا۔

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲

اور (راستوں کی پہچان کے لئے) بہت سی علامتیں بنائی ہیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اب بتاؤ کہ جو ذات (یہ ساری چیزیں) پیدا کرتی ہے، کیا وہ اُن کے برابر ہوسکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے؟ کیا پھر بھی تم کوئی سبق نہیں لیتے؟ ﴿۱۷﴾ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو، تو اُنہیں شمار نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۱) ﴿۱۸﴾ اور اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپ کر کرتے ہو، اور وہ بھی جو تم علی الاعلان کرتے ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ ﴿۲۰﴾ وہ بے جان ہیں، اُن میں زندگی نہیں، اور اُن کو اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کب زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا۔ (۱۲) ﴿۲۱﴾

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جب اتنی زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں تو ان کا حق تو یہ تھا کہ انسان ہر آن اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتا رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرما کر شکر کی اس کوتاہی کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ البتہ یہ مطالبہ ضرور ہے کہ وہ اُس کے اَحکام کے مطابق زندگی گذارے، اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہے۔ اس کے لئے اُسے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام کو جانتا ہے، چاہے وہ چھپ کر کرے یا علانیہ۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

(۱۲) اس سے وہ بت مراد ہیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی کو پیدا تو کیا کرتے؟ خود پیدا

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

ع ۳ ۹

تمہارا معبود تو بس ایک ہی خدا ہے۔ لہٰذا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دِل میں انکار پیوست ہوگیا ہے، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔ ﴿۲۲﴾ ظاہر بات ہے کہ اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو وہ چھپ کر کرتے ہیں، اور وہ بھی جو وہ علی الاعلان کرتے ہیں۔ وہ یقیناً گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۳) ﴿۲۳﴾ اور جب اُن سے کہا گیا کہ: ''تمہارے رَبّ نے کیا بات نازل کی ہے؟'' تو انہوں نے کہا کہ: ''گذرے ہوئے لوگوں کے افسانے!'' ﴿۲۴﴾ (ان باتوں کا) نتیجہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن خود اپنے (گناہوں) کے پورے پورے بوجھ بھی اپنے اُوپر لادیں گے، اور اُن لوگوں کے بوجھ کا ایک حصہ بھی جنہیں یہ کسی علم کے بغیر گمراہ کررہے ہیں۔ (۱۴) یاد رکھو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لاد رہے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

کئے گئے ہیں، اور نہ اُن میں جان ہے، نہ انہیں یہ احساس ہے کہ ان کے پجاریوں کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا۔

(۱۳) چونکہ وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اس لئے اُنہیں سزا بھی ضرور دے گا، اور اس کے لئے آخرت کا وجود ضروری ہے۔ لہٰذا اُس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱۴) یعنی اللہ کے کلام کو افسانہ قرار دے کر انہوں نے جن لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اُن کے ایسے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر لادا جائے گا جو انہوں نے ان کے زیر اثر آکر کئے۔

قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ وَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ‌ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ وَالسُّوۡۤءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۲۷ۙ الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ‌ۖ فَاَلۡقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعۡمَلُ مِنۡ سُوۡۤءٍ‌ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۲۸

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا، پھر اُن کے اُوپر سے چھت بھی اُن پر آ گری، اور اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آدھمکا جس کا اُنہیں احساس تک نہیں تھا۔ ﴿۲۶﴾ پھر قیامت کے دن اللہ اُنہیں رُسوا کرے گا، اور ان سے پوچھے گا کہ: ''کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کی خاطر تم (مسلمانوں سے) جھگڑا کیا کرتے تھے؟'' جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ (اس دن) کہیں گے کہ: ''بڑی رُسوائی اور بدحالی مسلط ہے آج اُن کافروں پر ﴿۲۷﴾ جن کی رُوحیں فرشتوں نے اس حالت میں قبض کیں جب انہوں نے اپنی جانوں پر (کفر کی وجہ سے) ظلم کر رکھا تھا۔''[۱۵] اس موقع پر کافر لوگ بڑی فرماں برداری کے بول بولیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ (ان سے کہا جائے گا:) ''کیسے نہیں کرتے تھے؟ اللہ کو سب معلوم ہے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ ﴿۲۸﴾

---

(۱۵) اس سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف اُن لوگوں کو ہوگا جو کفر کی حالت میں مرے ہوں۔ اگر کوئی مرنے سے پہلے پہلے سچی توبہ کرلے تو اُس کی توبہ قبول ہوجاتی ہے، اور اُسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا خَيۡرًا‌ ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ‌ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ‌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِيۡنَۙ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡزِى اللّٰهُ الۡمُتَّقِيۡنَۙ ﴿۳۱﴾ الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ‌ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ‌ ؕ

لہٰذا اب ہمیشہ جہنم میں رہنے کے لئے اُس کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا یہی برا ٹھکانا ہے۔'' ﴿۲۹﴾ اور (دوسری طرف) متقی لوگوں سے پوچھا گیا کہ: ''تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ''خیر ہی خیر اُتاری ہے۔'' (اس طرح) جن لوگوں نے نیکی کی رَوِش اختیار کی ہے، اُن کے لئے اس دُنیا میں بھی بہتری ہے، اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا بہتری، یقیناً متقیوں کا گھر بہترین ہے، ﴿۳۰﴾ ہمیشہ ہمیشہ بسنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے، اُنہیں ملے گا۔ متقی لوگوں کو اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے۔ ﴿۳۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی رُوحیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ: ''سلامتی ہو تم پر! جو عمل تم کرتے رہے ہو، اُس کے صلے میں جنت میں داخل ہوجاؤ۔'' ﴿۳۲﴾ یہ (کافر) لوگ اب (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آکھڑے ہوں، یا (قیامت یا عذاب کی صورت میں) تمہارے پروردگار کا حکم ہی آجائے۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

جو اُمتیں ان سے پہلے گذری ہیں، اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اس لئے اُن کے برے اعمال کا وبال اُن پر پڑا، اور جس چیز کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آکر گھیر لیا۔ ﴿۳۴﴾ اور جن لوگوں نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے، نہ ہم، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اُس کے (حکم کے) بغیر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔'' جو اُمتیں ان سے پہلے گذری ہیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچادیں۔(۱۶) ﴿۳۵﴾

---

(۱۶) اُن کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی تھا، کیونکہ اس طرح ہر مجرم یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں یہ جرم نہ کرتا۔ ایسی باتیں قابلِ جواب نہیں ہوتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کا جواب دینے کے بجائے صرف یہ فرمادیا ہے کہ رسولوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ اُن کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ایسے ضدی لوگ راہِ راست پر آہی جائیں۔ اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ ''ہم کوئی چیز حرام قرار نہ دیتے'' اس سے ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے بتوں کے نام پر حرام کر رکھے تھے۔ اس کی تفصیل سورۂ انعام (۶: ۱۳۹ تا ۱۴۵) میں گذر چکی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔(۱۷) پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دے دی، اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی۔ تو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۶﴾ (اے پیغمبر!) اگر تمہیں یہ حرص ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر آجائیں، تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ جن کو (اُن کے عناد کی وجہ سے) گمراہ کردیتا ہے، اُن کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا، اور ایسے لوگوں کو کسی قسم کے مددگار بھی میسر نہیں آتے۔ ﴿۳۷﴾ اور ان لوگوں نے بڑا زور لگا کر اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ جو لوگ مرجاتے ہیں، اللہ اُن کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ بھلا کیوں نہیں کرے گا؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جسے سچا کرنے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (دوبارہ زندہ کرنے کا یہ وعدہ اللہ نے اس لئے کیا ہے) تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اُن باتوں کو اچھی طرح واضح کردے جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ ﴿۳۹﴾

---

(۱۷) ''طاغوت'' شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور بتوں کو بھی۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور یہ بھی کہ بت پرستی سے اجتناب کرو۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ''ہوجا'' بس وہ ہوجاتی ہے۔ (۱۸) ﴿۴۰﴾ اور جن لوگوں نے دوسروں کے ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا ہے، یقین رکھو کہ اُنہیں ہم دُنیا میں بھی اچھی طرح بسائیں گے، اور آخرت کا اجر تو یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جان لیتے! (۱۹) ﴿۴۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر سے کام لیا ہے، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

(۱۸) پچھلی آیت میں آخرت کی دوسری زندگی کا مقصد بیان فرمایا تھا، اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو تم اس لئے ناممکن سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہارے تصور سے باہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لئے اُسے کوئی محنت کرنی نہیں پڑتی، وہ تو ایک حکم دیتا ہے، اور وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے۔

(۱۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ آیت اُن صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ البتہ اس میں جو عام الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ ہر اُس شخص کو شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دِین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرے۔ اور آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ''کاش یہ لوگ جان لیتے'' اس سے مراد بظاہر یہ مہاجرین ہی ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اس اَجر کا علم ہوجائے تو بے وطن ہونے سے انہیں جو تکلیف ہورہی ہے، وہ بالکل باقی نہ رہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد کافر لوگ ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کاش اس حقیقت کا علم ان کافروں کو بھی ہوجائے تو وہ اپنے کفر سے توبہ کرلیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

نصف

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اور کو نہیں، انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ (اے منکرو!) اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ ﴿۴۳﴾ اُن پیغمبروں کو روشن دلائل اور آسمانی کتابیں دے کر بھیجا گیا تھا۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُن باتوں کی واضح تشریح کردو جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہیں، اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۴۴﴾ تو کیا وہ لوگ جو بُرے بُرے منصوبے بنا رہے ہیں اس بات سے بالکل بے خوف ہوگئے ہیں کہ اللہ اُنہیں زمین میں دھنسا دے، یا اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آپڑے کہ انہیں احساس تک نہ ہو؟ ﴿۴۵﴾ یا اُنہیں چلتے پھرتے ہی اپنی پکڑ میں لے لے، کیونکہ وہ اُسے عاجز نہیں کرسکتے، ﴿۴۶﴾ یا اُنہیں اِس طرح گرفت میں لے کہ وہ دھیرے دھیرے گھٹتے چلے جائیں؟[20] کیونکہ تمہارا پروردگار بڑا شفیق، نہایت مہربان ہے۔[21] ﴿۴۷﴾

(۲۰) یعنی ایک دم سے تو عذاب آکر انہیں ہلاک نہ کرے، لیکن اپنی بدعملی کی سزا میں دھیرے دھیرے اُن کی افرادی قوت اور ان کا مال و دولت گھٹتا چلا جائے۔ یہ تفسیر رُوح المعانی میں متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔

(۲۱) اس ''کیونکہ'' کا تعلق بے خوف ہونے سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ شفیق اور مہربان ہے، اس لئے اُس نے کافروں کو مہلت دی ہوئی ہے، اور فوری طور پر اُنہیں عذاب میں نہیں پکڑا، اس لئے یہ کافر لوگ بے خوف ہوگئے ہیں، حالانکہ پچھلی اُمتوں کے واقعات سے سبق لے کر انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (السجدۃ) وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، اُس کے سائے اللہ کو سجدے کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکے رہتے ہیں، اور وہ سب عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں؟ (۲۲) ﴿۴۸﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، وہ اور سارے فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہ ذرا تکبر نہیں کرتے۔ ﴿۴۹﴾ وہ اپنے اُس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اُوپر ہے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (۲۳) ﴿۵۰﴾ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ: "دو دو معبود نہ بنا بیٹھنا۔ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے۔ اس لئے بس مجھی سے ڈرا کرو۔" ﴿۵۱﴾

(۲۲) انسان کتنا بھی مغرور یا متکبر ہو جائے، اُس کا سایہ جب زمین پر پڑتا ہے تو وہ عاجزی اور اِنکساری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے ساتھ اُس کے سائے کی شکل میں ایک ایسی چیز پیدا فرمادی ہے جو اُس کے اختیار کے بغیر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں، وہ خود تو سورج کے آگے جھک رہے ہوتے ہیں، اور اُن کے سائے اُس کی مخالف سمت میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

(۲۳) یہ آیتِ سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص بھی یہ آیت عربی زبان میں پڑھے، اس پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسے "سجدۂ تلاوت" کہتے ہیں جو نماز کے سجدے کے علاوہ ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا آیت کو پڑھے بغیر صرف دیکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے، اور اُسی کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے۔ کیا پھر بھی تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟ ﴿۵۲﴾ اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی سے فریادیں کرتے ہو۔ ﴿۵۳﴾ اس کے بعد جب وہ تم سے تکلیف دُور کر دیتا ہے، تو تم میں سے ایک گروہ اچانک اپنے پروردگار کے ساتھ شرک شروع کر دیتا ہے، ﴿۵۴﴾ تاکہ ہم نے اُسے جو نعمت دی تھی اُس کی ناشکری کرے۔ اچھا! کچھ عیش کرلو، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا۔ ﴿۵۵﴾ اور ہم نے جو رزق اُنہیں دیا ہے، اُس میں وہ اُن (بتوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کی حقیقت خود اُنہیں معلوم نہیں ہے۔(۲۴) اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی کہ تم کیسے بہتان باندھا کرتے تھے۔ ﴿۵۶﴾

---

(۲۴) عرب کے مشرکین اپنی زرعی پیداوار اور جانوروں کا ایک حصہ بتوں کے نام پر نذر کر دیتے تھے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ جن بتوں کی نہ حقیقت ان کو معلوم ہے، نہ ان کے وجود کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو ان کے لئے نذر کر دیتے ہیں۔ اس رسم کی تفصیل سورۂ انعام (۱۳۶:۶) میں گذری ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ج يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ ع وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور اللہ کے لئے تو انہوں نے بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں۔ سبحان اللہ! اور خود اپنے لئے وہ (بیٹے چاہتے ہیں) جو اپنی خواہش کے مطابق ہوں![25] ﴿۵۷﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دِل ہی دِل میں کڑھتا رہتا ہے۔ ﴿۵۸﴾ اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، (اور سوچتا ہے کہ) ذِلت برداشت کر کے اُسے اپنے پاس رہنے دے، یا اُسے زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔ ﴿۵۹﴾ بری بری باتیں تو اُنہی میں ہیں جو آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اور اعلیٰ درجے کی صفات صرف اللہ کی ہیں، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے (فوراً) اپنی پکڑ میں لیتا تو رُوئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ چھوڑتا، لیکن وہ اُن کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا وہ معین وقت آجائے گا تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکیں گے۔ ﴿۶۱﴾

(۲۵) مشرکینِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ اولاد

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۗ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۶۴﴾

اور انہوں نے اللہ کے لئے وہ چیزیں گھڑ رکھی ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں، پھر بھی ان کی زبانیں (اپنی) جھوٹی تعریف کرتی رہتی ہیں کہ ساری بھلائی اُنہی کے حصے میں ہے۔ لازمی بات ہے کہ (ایسے رویے کی وجہ سے) اُن کے حصے میں تو دوزخ ہے، اور انہیں اسی میں پڑا رہنے دیا جائے گا۔ ﴿۶۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں، ہم نے اُن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے، تو شیطان نے اُن کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔[۲۶] چنانچہ وہی (شیطان) آج ان کا سرپرست بنا ہوا ہے، اور (اس کی وجہ سے) ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لئے اُتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کر دو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں، اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔ ﴿۶۴﴾

کی ضرورت سے پاک ہے، دوسرے یہ خود اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے، بلکہ بیٹوں کی ولادت کے خواہش مند رہتے ہیں، جو بذاتِ خود بڑی گمراہی کی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بیٹیاں ہیں۔

(۲۶) یعنی یہ پٹی پڑھائی کہ تم جو اعمال کر رہے ہو وہی بہترین اعمال ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ لا

اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، اور زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اُس میں جان ڈال دی۔ یقیناً اِس میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو بات سنتے ہیں۔ ﴿۶۵﴾ اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی سوچنے سمجھنے کا بڑا سامان ہے۔ اُن کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے، اُس کے بیچ میں سے ہم تمہیں ایسا صاف ستھرا دُودھ پینے کو دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے۔ ﴿۶۶﴾ اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے بھی (ہم تمہیں ایک مشروب عطا کرتے ہیں) جس سے تم شراب بھی بناتے ہو، اور پاکیزہ رزق بھی۔(۲۷) بیشک اس میں بھی اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۶۷﴾ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دِل میں یہ بات ڈال دی کہ: ''تو پہاڑوں میں، اور درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اُٹھاتے ہیں، اُن میں اپنے گھر بنا۔(۲۸) ﴿۶۸﴾

---

(۲۷) یہ سورت مکی ہے۔ جب یہ نازل ہوئی تو اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی آیت میں شراب کو پاکیزہ رزق کے مقابلے میں ذکر فرما کر ایک لطیف اشارہ اس طرف کر دیا گیا تھا کہ شراب پاکیزہ رزق نہیں ہے۔

(۲۸) چھتریاں اُٹھانے سے مراد وہ ٹٹیاں ہیں جن پر مختلف قسم کی بیلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر شہد کی مکھی کے گھر بنانے کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ وہ جو چھتے بناتی ہے، وہ عجیب و غریب صنعت کا شاہکار

ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾

ع ۹ ۵ ۱۵

پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر، پھر اُن راستوں پر چل جو تیرے رَبّ نے تیرے لئے آسان بنادیئے ہیں۔" (اس طرح) اس مکھی کے پیٹ سے وہ مختلف رنگوں والا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں۔ ﴿۶۹﴾ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر وہ تمہاری رُوح قبض کرتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس میں پہنچ کر وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا۔(۲۹) بیشک اللہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۷۰﴾

ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر وہ یہ چھتے اُونچی جگہوں پر بناتی ہے تاکہ اُس میں بننے والا شہد زمین کی کثافتوں سے بھی محفوظ رہے، اور اُسے تازہ ہوا بھی میسر آئے۔ توجہ اس طرف دِلائی جارہی ہے کہ یہ سب کچھ اُسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے معارف القرآن ج:۵ ص:۳۶۲ تا ۳۶۷۔

(۲۹) انتہائی بڑھاپے کی حالت کو "ناکارہ عمر" سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں انسان کی جسمانی اور ذہنی قوتیں ناکارہ ہوجاتی ہیں۔ اور سب کچھ جاننے کے باوجود کچھ نہ جاننے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بڑھاپے کے اس حصے میں انسان اُس علم کا اکثر حصہ بھول جاتا ہے جو اُس نے اپنی پچھلی زندگی میں حاصل کیا تھا، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابھی اُسے ایک بات بتائی گئی، اور تھوڑی سی دیر میں وہ ایسا ہوگیا جیسے اُس کو کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ یہ حقائق بیان فرما کر غافل انسان کو اس طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ اُسے اپنی کسی طاقت اور صلاحیت پر غرور نہیں کرنا چاہئے۔ جو کوئی طاقت اُسے ملی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور جب وہ چاہے واپس لے لیتا ہے۔ ان تغیرات سے اُسے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ یہ سارا کارخانہ ایک بڑے علم والے، بڑی قدرت والے خدا کا بنایا ہوا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور بالآخر ہر شخص کو اُسی کے پاس واپس جانا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔ اب جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے، وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح نہیں لوٹا دیتے کہ وہ سب برابر ہوجائیں۔[۳۰] تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟[۳۱] ﴿۷۱﴾ اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں، اور تمہیں اچھی اچھی چیزوں میں سے رزق فراہم کیا ہے۔ کیا پھر بھی یہ لوگ بے بنیاد باتوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۷۲﴾ اور یہ اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں سے کسی طرح کا رزق دینے کا نہ کوئی اختیار رکھتی ہیں، نہ رکھ سکتی ہیں۔ ﴿۷۳﴾

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کرتا کہ اپنے غلام کو اپنی دولت اس طرح دیدے کہ وہ دولت میں اُس کے برابر ہوجائے۔ اب تم خود مانتے ہو کہ جن دیوتاؤں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک یعنی غلام ہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ نے انہیں اپنی خدائی اس طرح دے دی ہو کہ انہیں اللہ کے برابر معبود بننے کا حق حاصل ہوگیا ہو۔

(۳۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرکے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں نعمت اللہ نے نہیں، بلکہ ان کے گھڑے ہوئے دیوتاؤں نے دی ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع

ع ۱۰ ۶ ۱۶

لہٰذا تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔(۳۲) بیشک اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۷۴﴾ اللہ ایک مثال دیتا ہے کہ ایک طرف ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے، اُس کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں، اور دوسری طرف وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہے، اور وہ اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور کھلے بندوں بھی خوب خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (ایسی صاف بات بھی) نہیں جانتے۔ ﴿۷۵﴾ اور اللہ ایک اور مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں، اُن میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کرسکتا، اور اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اُسے جہاں کہیں بھیجتا ہے، وہ کوئی ڈھنگ کا کام کر کے نہیں لاتا، کیا ایسا شخص اُس دوسرے آدمی کے برابر ہوسکتا ہے جو دوسروں کو بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے؟ ﴿۷۶﴾

(۳۲) مشرکینِ عرب بعض اوقات اپنے شرک کی تائید میں یہ مثال دیتے تھے کہ جس طرح دُنیا کا بادشاہ تنہا اپنی حکومت نہیں چلاتا، بلکہ اُسے حکومت کے بہت سے کام اپنے مددگاروں کو سونپنے پڑتے ہیں، اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی خدائی کے بہت سے کام ان دیوتاؤں کو سونپ رکھے ہیں۔ اور ان معاملات میں وہ خود مختار ہوگئے ہیں۔ اس آیت میں اُن سے کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دُنیا کے بادشاہوں کی، بلکہ کسی بھی مخلوق کی مثال دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ اس کے بعد آیت نمبر ۷۵ و ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

اور آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اللہ کے قبضے میں ہیں۔ اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۷۷﴾ اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دِل پیدا کئے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضا میں اللہ کے حکم کے پابند ہیں؟ اُنہیں اللہ کے سوا کوئی اور تھامے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو اِیمان رکھتے ہوں۔ ﴿۷۹﴾ اور اُس نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا، اور تمہارے لئے مویشیوں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جو تمہیں سفر پر روانہ ہوتے وقت اور کسی جگہ ٹھہرتے وقت ہلکے پھلکے محسوس ہوتے ہیں۔ (۳۳) اور اُن کے اُون، اُن کے رُویں اور اُن کے بالوں سے گھریلو سامان اور ایسی چیزیں پیدا کیں جو ایک مدت تک تمہیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ﴿۸۰﴾

بیان فرمائی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ اگر مخلوقات ہی کی مثال لینی ہے تو ان دو مثالوں سے ظاہر ہے کہ مخلوق مخلوق میں بھی فرق ہوتا ہے، کوئی مخلوق اعلیٰ درجے کی ہے، کوئی ادنیٰ درجے کی، جب مخلوق مخلوق میں اتنا فرق ہے تو خالق اور مخلوق میں کتنا فرق ہوگا؟ پھر کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ عبادت میں کیسے شریک کیا جا سکتا ہے؟

(۳۳) ان گھروں سے مراد وہ خیمے ہیں جو چمڑے سے بنائے جاتے ہیں، اور عرب کے لوگ اُنہیں سفر میں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ؑ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کئے، اور پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہارے لئے ایسے لباس پیدا کئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، اور ایسے لباس جو تمہاری جنگ میں تمہیں محفوظ رکھتے ہیں۔ (۳۴) اس طرح وہ اپنی نعمتوں کو تم پر مکمل کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار بنو۔ ﴿۸۱﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) منہ موڑے رہیں تو (اے پیغمبر!) تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ واضح طریقے پر پیغام پہنچا دو۔ ﴿۸۲﴾ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ ﴿۸۳﴾ اور اُس دن کو یاد رکھو جب ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، (۳۵) پھر جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، اُنہیں (عذر پیش کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ اُن سے یہ فرمائش کی جائے گی کہ وہ توبہ کریں۔ (۳۶) ﴿۸۴﴾

ساتھ لے جاتے تھے تاکہ جہاں چاہیں، انہیں نصب کر کے پڑاؤ ڈال لیں۔

(۳۴) یعنی لوہے کی زرہیں جو جنگ میں تلوار وغیرہ کے وار کو روکنے کے لئے پہنی جاتی تھیں۔

(۳۵) اس سے مراد ہر اُمت کے پیغمبر ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے اس اُمت کے لوگوں کو حق کا پیغام پہنچایا تھا، اور ان کافروں نے اُسے قبول نہیں کیا۔

(۳۶) اس لئے کہ توبہ کا دروازہ موت سے پہلے پہلے تک تو کھلا رہتا ہے۔ اُس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِنِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٨٧﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ

اور جب یہ ظالم عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو نہ اُن سے اُس عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا، جب وہ اپنے (گھڑے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔''(۳۷) اس موقع پر وہ (گھڑے ہوئے شریک) ان پر بات پھینک ماریں گے کہ: ''تم بالکل جھوٹے ہو۔''(۳۸) ﴿۸۶﴾ اور وہ اُس دن اللہ کے سامنے فرماں برداری کے بول بولنے لگیں گے، اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے، اُس کا اُنہیں کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ﴿۸۷﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا تھا، اُن کے عذاب پر ہم مزید عذاب کا اضافہ کرتے رہیں گے، کیونکہ وہ فساد مچایا کرتے تھے۔ ﴿۸۸﴾ اور وہ دن بھی یاد رکھو جب ہر اُمت میں ایک گواہ اُنہی میں سے کھڑا کریں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے لائیں گے۔

(۳۷) اس موقع پر اُن بتوں کو بھی سامنے لایا جائے گا جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے، تاکہ اُن کی بیچارگی سب کے سامنے واضح ہو، اور ان شیاطین کو بھی جن کی پیروی کر کے گویا ان کو خدا کا شریک بنا لیا تھا۔

(۳۸) عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر اُنہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں۔ اور شیاطین یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں گے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ

اور ہم نے تم پر یہ کتاب اُتار دی ہے تا کہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کردے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری کا سامان ہو۔ ﴿۸۹﴾ بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔ ﴿۹۰﴾ اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد اُنہیں نہ توڑو، جبکہ تم اپنے اُوپر اللہ کو گواہ بنا چکے ہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اُسے جانتا ہے۔ ﴿۹۱﴾ اور جس عورت نے اپنے سوت کو مضبوطی سے کاتنے کے بعد اُسے اُدھیڑ کر تار تار کردیا تھا، تم اُس جیسے نہ بن جانا[۳۹] کہ تم بھی اپنی قسموں کو (توڑ کر) آپس کے فساد کا ذریعہ بنانے لگو، صرف اس لئے کہ کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ فائدے حاصل کرلیں۔[۴۰]

(۳۹) روایات میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک دیوانی عورت تھی جسے خرقاء کہتے تھے۔ وہ بڑی محنت سے دن بھر سوت کاتتی تھی، اور شام کو اُسے اُدھیڑ ڈالتی تھی۔ یہ عورت اس معاملے میں ایک ضرب المثل بن گئی تھی۔ جب کوئی شخص اچھا خاصا کام کر کے خود ہی اُسے بگاڑ دے تو اُسے اس عورت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں یہ تشبیہ اُن لوگوں کے لئے استعمال کی گئی ہے جو زور شور سے کسی بات کی قسم کھا کر اُسے توڑ ڈالیں۔

(۴۰) جھوٹی قسم کھانے یا قسم کو توڑنے کا مقصد عام طور پر کوئی نہ کوئی دُنیا کا فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس معمولی سے فائدے کی خاطر ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کرو۔

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اللہ اس کے ذریعے تمہاری آزمائش کر رہا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ تمہیں وہ باتیں ضرور کھول کر بتادے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی دِین کا پیرو) بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے تھے اُس کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ ﴿۹۳﴾ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ، جس کے نتیجے میں کسی (اور) کا پاؤں جمنے کے بعد پھسل جائے،(۴۱) پھر تمہیں (اس کو) اللہ کے راستے سے روکنے کی وجہ سے بری سزا چکھنی پڑے، اور تمہیں (ایسی صورت میں) بڑا عذاب ہوگا۔ ﴿۹۴﴾ اور اللہ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت میں نہ بیچ ڈالو۔ اگر تم حقیقت سمجھو تو جو (اجر) اللہ کے پاس ہے، وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ﴿۹۵﴾

---

(۴۱) یہ قسم کو توڑنے کا ایک اور نقصان بیان فرمایا جارہا ہے، اور وہ یہ کہ جب تم قسم توڑو گے تو عین ممکن ہے کہ تمہیں دیکھ کر کوئی اور شخص بھی اس گناہ پر آمادہ ہو جائے۔ پہلے تو اس کے پاؤں جمے ہوئے تھے، تمہیں دیکھ کر وہ پھسل گیا تو چونکہ تم اس کے گناہ کا سبب بنے تو تمہیں دُہرا گناہ ہوگا، کیونکہ تم نے اُس کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر سے کام لیا ہوگا،(۴۲) ہم اُنہیں اُن کے بہترین کاموں کے مطابق اُن کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۶﴾ جس شخص نے بھی مؤمن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہم اُسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ایسے لوگوں کو اُن کے بہترین اعمال کے مطابق اُن کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۷﴾

چنانچہ جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔(۴۳) ﴿۹۸﴾

---

(۴۲) پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ کریم کی اِصطلاح میں ''صبر'' کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اپنی نفسانی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی پابندی کو بھی صبر کہا جاتا ہے، اور کسی تکلیف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کوئی شکایت نہ کی جائے تو وہ بھی صبر ہے۔

(۴۳) پچھلی آیتوں میں نیک عمل کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی۔ چونکہ نیکی کے کاموں میں سب سے زیادہ خلل شیطان کے اثر سے پڑتا ہے، اس لئے اس آیت میں اُس کا یہ علاج بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لی جائے۔ یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھا جائے۔ تلاوتِ قرآن کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم ہی تمام نیک کاموں کی ہدایت دینے والا ہے۔ لیکن شیطان سے پناہ مانگنا صرف تلاوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر نیک کام کے وقت پناہ مانگ لی جائے تو اِن شاء اللہ شیطانی اثرات سے حفاظت رہے گی۔

إِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَإِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا إِنَّمَآ أَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾

ع ۱۳ / ۱۱ / ۱۹

اُس کا بس ایسے لوگوں پر نہیں چلتا جو اِیمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۹۹﴾ اُس کا بس تو اُن لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بناتے ہیں، اور اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿۱۰۰﴾ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدلتے ہیں (۴۴) ـــــ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے ـــــ تو یہ (کافر) کہتے ہیں کہ: ''تم تو اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہو۔'' حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿۱۰۱﴾ کہہ دو کہ: ''یہ (قرآنِ کریم) تو رُوح القدس (یعنی جبریلِ علیہ السلام) تمہارے ربّ کی طرف سے ٹھیک ٹھیک لے کر آئے ہیں، تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری کا سامان ہو۔'' ﴿۱۰۲﴾

(۴۴) اللہ تعالیٰ مختلف حالات کے لحاظ سے اپنے اَحکام میں کبھی کبھی تبدیلی فرماتے تھے، جیسا کہ قبلے کے اَحکام کے متعلق سورۂ بقرہ میں تفصیل گذر چکی ہے۔ اس پر کفار اعتراض کرتے تھے کہ یہ اَحکام کیوں بدلے جارہے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے یہ تبدیلیاں کررہے ہیں۔ اس آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس وقت کونسا حکم نازل کیا جائے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور (اے پیغمبر!) ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ (تمہارے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: "ان کو تو ایک انسان سکھاتا پڑھاتا ہے۔" (حالانکہ) جس شخص کا یہ حوالہ دے رہے ہیں، اُس کی زبان عجمی ہے،(۴۵) اور یہ (قرآن کی زبان) صاف عربی زبان ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کو اللہ ہدایت پر نہیں لاتا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اللہ پر جھوٹ تو (پیغمبر نہیں) وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، اور وہی حقیقت میں جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اُس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے ـــــ وہ نہیں جسے زبردستی (کفر کا کلمہ کہنے پر) مجبور کردیا گیا ہو، جبکہ اُس کا دِل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا ہو ـــــ تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا،(۴۶) اور ان کے لئے زبردست عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۰۶﴾

---

(۴۵) مکہ مکرمہ میں ایک لوہار تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دِل لگا کر سنا کرتا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اُس کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، اور وہ کبھی کبھی آپ کو اِنجیل کی کوئی بات بھی سنا دیا کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا شروع کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن اس لوہار سے سیکھتے ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ اس اعتراض کی لغویت کو بیان کررہی ہے کہ وہ بیچارہ لوہار تو عرب نہیں ہے، عجمی ہے۔ وہ عربی زبان کے اس فصیح وبلیغ کلام کا مصنف کیسے ہوسکتا ہے۔

(۴۶) یعنی کسی شخص کو جان کا خوف ہو کہ اگر زبان سے کفر کا کلمہ نہیں کہے گا تو جان چلی جائے گی، تو ایسا شخص

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہ اس لئے کہ ایسے لوگوں نے دُنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں زیادہ محبوب سمجھا، اور اس لئے کہ اللہ ایسے ناشکرے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچایا کرتا۔ ﴿۱۰۷﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دِلوں پر، ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر لگادی ہے، اور یہی لوگ ہیں جو (اپنے انجام سے) بالکل غافل ہیں۔ ﴿۱۰۸﴾ لازمی بات ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھائیں گے۔ ﴿۱۰۹﴾ پھر یقین جانو تمہارے پروردگار کا معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنے میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو ان باتوں کے بعد تمہارا پروردگار یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۴۷) ﴿۱۱۰﴾ یہ سب کچھ اُس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا، اور ہر ہر شخص کو اُس کے سارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾

معذور ہے، جبکہ اس کا دِل اِیمان پر مطمئن ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوگا جو اپنے اختیار سے کفر کی باتیں کرے۔

(۴۷) اس آیت میں فتنے میں مبتلا ہونے سے اُن صحابہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو مکہ مکرمہ میں کافروں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ پہلے چونکہ کافروں کے برے انجام کا ذکر تھا تو اس آیت میں نیک مسلمانوں کا اجر بھی بیان فرمادیا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے یہاں فتنے میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ پہلے کفر میں مبتلا

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پر امن اور مطمئن تھی، اُس کا رِزق اُس کو ہر جگہ سے بڑی فراوانی کے ساتھ پہنچ رہا تھا۔ پھر اُس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی، تو اللہ نے اُن کے کرتوت کی وجہ سے اُن کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف اُن کا پہننا اوڑھنا بن گیا۔ (۴۸) ﴿۱۱۲﴾ اور اُن کے پاس اُنہی میں سے ایک پیغمبر آیا تھا، مگر انہوں نے اُس کو جھٹلایا، چنانچہ جب انہوں نے ظلم اپنا لیا تو اُن کو عذاب نے آ پکڑا۔ ﴿۱۱۳﴾ لہٰذا اللہ نے جو حلال پاکیزہ چیزیں تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں، انہیں کھاؤ، (۴۹) اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿۱۱۴﴾

ہو گئے، بعد میں توبہ کی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پہلے سے جن مرتد لوگوں کا ذکر چلا آ رہا ہے، اُنہی کے بارے میں اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اب بھی اگر وہ توبہ کر کے ہجرت کریں اور جہاد کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔

(۴۸) یہ اللہ تعالیٰ نے ایک عام مثال دی ہے کہ جو بستیاں خوشحال تھیں، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی پر کمر باندھ لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب کا مزہ چکھایا۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس میں سب لوگ خوشحالی اور امن کے ساتھ رہ رہے تھے، لیکن جب اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اُن پر سخت قسم کا قحط مسلط کر دیا گیا جس کے نتیجے میں لوگ چمڑا تک کھانے پر مجبور ہوئے۔ بعد میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ قحط دُور ہونے کی دُعا فرمائیں۔ چنانچہ وہ آپ کی دُعا سے دُور ہوا۔ اس واقعے کا ذکر سورۂ دُخان میں بھی آنے والا ہے۔

(۴۹) جس ناشکری کی پیچھے مذمت کی گئی ہے، اُسی کی ایک صورت مشرکینِ عرب نے یہ اختیار کر رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾

اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے بالکل بے تاب ہو، لذت حاصل کرنے کے لئے نہ کھائے، اور (ضرورت کی) حد سے آگے نہ بڑھے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۵۰) ﴿۱۱۵﴾ اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں، اُن کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے، اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے۔ یقین جانو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پاتے۔ ﴿۱۱۶﴾ (دُنیا میں) اُنہیں جو عیش حاصل ہے، وہ بہت تھوڑا سا ہے، اور اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور یہودیوں کے لئے ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جن کا تذکرہ ہم تم سے پہلے ہی کر چکے ہیں۔(۵۱) اور ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ﴿۱۱۸﴾

کی بہت سی نعمتوں کو من گھڑت طریقے سے حرام قرار دے رکھا تھا، جس کی تفصیل سورۂ انعام (۶: ۱۳۹ تا ۱۴۵) میں گذر چکی ہے۔ یہاں ناشکری کی اس خاص صورت سے منع کیا جارہا ہے۔

(۵۰) اس کی تفصیل سورۂ مائدہ (۵: ۳) میں گذر چکی ہے۔

(۵۱) بتلانا یہ مقصود ہے کہ کفارِ مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دِین کا پیرو کہتے تھے، حالانکہ جن

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٩﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾

ع ١٥ ٩ ٢١

پھر بھی تمہارا ربّ ایسا ہے کہ جن لوگوں نے نادانی میں برائی کا ارتکاب کرلیا، اور اُس کے بعد توبہ کرلی، اور اپنی اصلاح کرلی تو ان سب باتوں کے بعد بھی تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۹﴾ بیشک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہوکر اللہ کی فرماں برداری اختیار کرلی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ﴿۱۲۰﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکرگذار تھے۔ اُس نے اُنہیں چن لیا تھا، اور ان کو سیدھے راستے تک پہنچادیا تھا۔ ﴿۱۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دُنیا میں بھی بھلائی دی تھی، اور آخرت میں تو یقیناً اُن کا شمار صالحین میں ہے۔ ﴿۱۲۲﴾ پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دِین کی پیروی کرو جس نے اپنا رُخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ﴿۱۲۳﴾

حلال چیزوں کو ان مشرکین نے حرام کر رکھا تھا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت ہی سے حلال چلی آتی تھیں، البتہ اُن میں سے صرف چند چیزوں کو یہودیوں پر بطورِ سزا حرام کردیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ نساء (۴:۱۶۰) میں گذر چکا ہے۔ باقی سب چیزیں اُس وقت سے آج تک حلال ہی چلی آتی ہیں۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾

سنیچر کے دن کے اَحکام تو اُن لوگوں پر لازم کئے گئے تھے جنہوں نے اُس کے بارے میں اختلاف کیا تھا، (۵۲) اور یقین رکھو کہ تمہارا رَبّ قیامت کے دن ان کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۲۴﴾

اپنے رَبّ کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اُسلوبی سے نصیحت کرکے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور اُن سے بھی خوب واقف ہے جو راہِ راست پر قائم ہیں۔ ﴿۱۲۵﴾ اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی۔ اور اگر صبر ہی کرلو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ ﴿۱۲۶﴾

---

(۵۲) یہ ایک دوسرا اِستثناء ہے جس میں یہودیوں کے لئے بعض وہ چیزیں ممنوع کردی گئی تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھیں۔ اور وہ یہ کہ یہودیوں کے لئے سنیچر کے دن معاشی سرگرمیاں ممنوع کردی گئی تھیں۔ پھر ان میں بھی اختلاف رہا کہ کچھ لوگوں نے اس پابندی پر عمل کیا، اور کچھ نے نہیں کیا۔ بہرحال! یہ بھی

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۶ ع ۲۲

اور (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں، اُن کی وجہ سے تنگ دِل نہ ہو۔ ﴿۱۲۷﴾ یقین رکھو کہ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو اِحسان پر عمل پیرا ہیں۔ (۵۳) ﴿۱۲۸﴾

ایک اِستثنائی حکم تھا جو صرف یہودیوں کو دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اس سے خالی تھی۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام قرار دیدے۔

(۵۳) ''احسان'' بڑا عام لفظ ہے جس میں ہر طرح کے نیک کام داخل ہیں۔ اور ایک حدیث میں اس کی یہ تشریح فرمائی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، یا کم از کم اس تصور کے ساتھ کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۸ رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴ راگست ۲۰۰۶ء سورۂ نحل کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کرغیزستان کے دارالحکومت بشکیک میں بروز جمعرات عصر سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی بآسانی اپنی رضائے کامل کے ساتھ پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ بنی اسرائیل

تعارف

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتارہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رُجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اُس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ناقابلِ انکار ثبوت فراہم کردیا گیا ہے۔ اُس کے بعد بنو اِسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح اُنہیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذِلت ورُسوائی اور دُشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح مشرکینِ عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی مخالفت سے باز آجائیں، ورنہ ان کو بھی اسی قسم کے انجام سے سابقہ پیش آسکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآنِ کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اِعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کررہی ہے (آیت نمبر ۹)۔ پھر آیت نمبر ۲۲ سے ۳۸ تک مسلمانوں کو اُن کے دِینی، معاشرتی اور اخلاقی طرزِ عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرزِ عمل کی مذمت کرکے اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُسی کی عبادت کرتے رہیں۔

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اِسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا

تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۂ بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کا دوسرا نام ''سورۃ الاسراء'' بھی ہے۔ ''اسراء'' سفرِ معراج کو، اور خاص طور پر اِس سفر کے اُس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اِس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو ''سورۃ الاسراء'' بھی کہا جاتا ہے۔

آیاتھا ۱۱۱ ۱۷ سورۃ بنیٓ اسرآءیل مکیۃ ۵۰ رکوعاتھا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اُنہیں اپنی کچھ نشانیاں دِکھائیں۔(۱) بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔ ﴿۱﴾

---

(۱) اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آئی ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور رات کے وقت اُنہیں ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام براق تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔ یہ سفرِ معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے ''اِسراء'' کہا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو ساتوں آسمانوں پر لے گئے۔ ہر آسمان پر آپ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔ اُس کے بعد جنت کے ایک درخت ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف عطا ہوا۔ اُسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت پر پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔ پھر رات ہی رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ اس آیت میں اس سفر کے صرف پہلے حصے کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ آنے والے تذکرے سے اُسی کا تعلق زیادہ تھا۔ البتہ سفر کے دوسرے حصے کا تذکرہ سورۂ نجم ۵۳: ۱۳ تا ۱۸ میں آیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ معجزانہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی آپ کو دِکھائی گئی تھی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ واقعہ بیداری کے بجائے خواب میں دِکھایا گیا، کیونکہ یہ بات صحیح احادیث کے تو خلاف ہے ہی، خود قرآنِ کریم کا اُسلوب واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُس کو بنی اِسرائیل کے لئے اس ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ تم میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز قرار نہ دینا، ﴿۲﴾ اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا![2] اور وہ بڑے شکر گذار بندے تھے۔ ﴿۳﴾ اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کر کے بنو اِسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے، اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کرو گے۔ ﴿۴﴾ چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمہارے سروں پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے، اور وہ تمہارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے۔[3] اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہو کر رہنا ہی تھا۔ ﴿۵﴾

غیر معمولی واقعہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے، اگر یہ صرف ایک خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، انسان خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے۔ پھر اُسے اپنی ایک نشانی قرار دینے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا حوالہ خاص طور پر اس لئے دیا گیا ہے کہ جو لوگ اُس کشتی میں سوار ہوئے تھے، اُنہیں اللہ تعالیٰ نے طوفان میں ڈوبنے سے بچالیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، اُسے یاد دِلا کر فرمایا جارہا ہے کہ اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ان لوگوں کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائے۔

(۳) جب بنو اِسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئی تھیں تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اُن پر حملہ کر کے اُن کا قتلِ عام کیا تھا، اور جو زندہ رہ گئے تھے، اُنہیں گرفتار کر کے فلسطین سے بابل لے گیا تھا جہاں مدت دراز تک وہ اُس کی غلامی میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۞ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۞ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۞

وقف لازم

پھر ہم نے تمہیں یہ موقع دیا کہ تم پلٹ کر اُن پر غالب آؤ، اور تمہارے مال و دولت اور اولاد میں اضافہ کیا، اور تمہاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھادی۔[۴] ﴿۶﴾ اگر تم اچھے کام کروگے تو اپنے ہی فائدے کے لئے کروگے، اور بُرے کام کروگے تو بھی وہ تمہارے لئے ہی بُرا ہوگا۔ چنانچہ جب دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دُشمنوں کو تم پر مسلط کردیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں، اور تاکہ وہ مسجد میں اُسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس جس چیز پر اُن کا زور چلے، اُس کو تہس نہس کرکے رکھ دیں۔[۵] ﴿۷﴾ عین ممکن ہے کہ (اب) تمہارا رَبّ تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کام کروگے، تو ہم بھی دوبارہ وہی کریں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا ہی رکھا ہے۔ ﴿۸﴾

(۴) تقریباً ستر سال تک بخت نصر کی غلامی میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس طرح رحم فرمایا کہ ایران کے بادشاہ اخسویرس نے بابل پر حملہ کرکے اُسے فتح کرلیا۔ اس موقع پر اُسے ان یہودیوں کی حالتِ زار پر رحم آیا، اور اُس نے ان کو آزاد کرکے دوبارہ فلسطین میں بسادیا۔ اس طرح ان کو دوبارہ خوشحالی ملی، اور ایک مدت تک وہ بڑی تعداد میں وہاں آباد رہے۔ مگر جب خوشحالی ملنے پر اُنہوں نے دوبارہ بداعمالیوں پر کمر باندھی تو وہ دوسرا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔

(۵) بعض حضرات نے تو کہا ہے کہ اس دوسرے دُشمن سے مراد انتیوکس اپی فانیوس ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے کچھ پہلے دوبارہ بیت المقدس پر حملہ کرکے یہودیوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ اور بعض

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ﴿۹﴾ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۰﴾ وَ یَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دِکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے، اور جو لوگ (اس پر) ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں، اُنہیں خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کے لئے بڑا اجر ہے، ﴿۹﴾ اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اُن کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور اِنسان بُرائی اس طرح مانگتا ہے جیسے اُسے بھلائی مانگنی چاہئے،(۶) اور اِنسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ ﴿۱۱﴾

حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے بعد رُوم کے شاہ طیطوس کا حملہ ہے۔ اگرچہ بنی اسرائیل پر مختلف زمانوں میں بہت سے دُشمن مسلط ہوتے رہے ہیں، لیکن ان دو دُشمنوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس لئے فرمایا ہے کہ ان کے حملوں میں اُنہیں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا، اور ان میں سے پہلا دُشمن یعنی بخت نصر اُن پر اُس وقت مسلط کیا گیا جب اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی خلاف ورزی کی، اور دوسرا دُشمن اُس وقت مسلط کیا گیا جب اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ اور آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کروگے تو تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک دوبارہ کیا جائے گا۔

(۶) کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں ہمارے کفر پر عذاب ہونا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں ہوجاتا؟ یہ ان کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ جلد بازی میں عذاب کی برائی کو اس طرح مانگ رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ؕ

اور ہم نے رات اور دِن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے۔ پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنا دیا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تا کہ تم اپنے رَبّ کا فضل تلاش کر سکو،(۷) اور تا کہ تمہیں سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم ہو سکے۔ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اُس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے،(۸) اور قیامت کے دن ہم (اُس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اُس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ ﴿۱۳﴾ (کہا جائے گا کہ) لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہو۔ ﴿۱۴﴾

---

(۷) یعنی دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد تسلسل کے ساتھ آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کی نشانی ہے۔ رات کے وقت اندھیرا چھا جاتا ہے، تا کہ لوگ اُس میں آرام کر سکیں، اور دن کے وقت روشنی ہوتی ہے، تا کہ لوگ اپنا روزگار تلاش کر سکیں، جس کو قرآنِ کریم ''اللہ کے فضل'' سے تعبیر کرتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ نحل، آیت: ۱۴ کا حاشیہ) اور رات اور دن کے بدلنے ہی سے تاریخوں کا تعین ہوتا ہے۔

(۸) انجام کو گلے سے چمٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے تمام اعمال ہر لمحے لکھے جا رہے ہیں جو اُس کے اچھے یا برے انجام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اور جب قیامت آئے گی تو یہ سارا اعمال نامہ اُس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا جسے وہ خود پڑھ سکے گا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دُنیا میں اَن پڑھ تھا، قیامت کے دن اُسے بھی اپنا اعمال نامہ پڑھنے کی صلاحیت دے دی جائے گی۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے، تو وہ خود اپنے فائدے کے لئے چلتا ہے، اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اور ہم کبھی کسی کو اُس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کوئی پیغمبر (اُس کے پاس) نہ بھیج دیں۔ ﴿۱۵﴾ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہو جاتی ہے، چنانچہ ہم اُنہیں تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اور کتنی ہی نسلیں ہیں جو ہم نے نوح کے بعد ہلاک کیں! اور تمہارا ربّ اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ﴿۱۷﴾ جو شخص دُنیا کے فوری فائدے ہی چاہتا ہے تو ہم جس کے لئے چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں، اُسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں، (۹) پھر اُس کے لئے ہم نے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوگا۔ ﴿۱۸﴾

---

(۹) یہ اُس شخص کا ذکر ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی دُنیا کی بہتری کو بنا رکھا ہے، اور آخرت پر یا تو ایمان نہیں، یا اُس کی کوئی فکر نہیں۔ نیز اس قسم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو کوئی نیکی کا کام دُنیا کی دولت یا شہرت حاصل

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

اور جو شخص آخرت (کا فائدہ) چاہے، اور اُس کے لئے ویسی ہی کوشش کرے جیسی اُس کے لئے کرنی چاہئے، جبکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش کی پوری قدردانی کی جائے گی۔ ﴿۱۹﴾ (اے پیغمبر!) جہاں تک (دُنیا میں) تمہارے رَبّ کی عطا کا تعلق ہے، ہم اِن کو بھی اُس سے نوازتے ہیں، اور اُن کو بھی۔[10] اور (دُنیا میں) تمہارے رَبّ کی عطا کسی کے لئے بند نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾ دیکھو ہم نے کس طرح ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔[11] اور یقین رکھو کہ آخرت درجات کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے، اور فضیلت کے اعتبار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ﴿۲۱﴾

کرنے کے لئے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو دُنیا کے یہ فوائد ملنے کی بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے، نہ اس بات کی گارنٹی ہے کہ جتنے فائدے وہ چاہ رہے ہیں، وہ سب مل جائیں۔ البتہ اُن میں سے جن کو ہم مناسب سمجھتے ہیں جتنا مناسب سمجھتے ہیں دُنیا میں دے دیتے ہیں۔ مگر آخرت میں اُن کا انجام جہنم ہے۔

(۱۰) یہاں عطا سے مراد دُنیا کا رزق ہے۔ یعنی مؤمن و کافر اور متقی اور فاسق ہر شخص کو دُنیا میں اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتے ہیں۔ یہ رزق کسی پر بند نہیں ہے۔

(۱۱) یعنی دُنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت زیادہ رزق عطا فرمایا ہے، اور کسی کو کم۔ البتہ جس چیز کے لئے انسان کو پوری کوشش کرنی چاہئے، وہ آخرت کے فوائد ہیں، کیونکہ وہ دُنیا کے فوائد کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ ہیں۔

لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ؕ ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، ورنہ تم قابلِ ملامت (اور) بے یار و مددگار ہوکر بیٹھ رہو گے۔[12] ﴿۲۲﴾ اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ اُنہیں جھڑکو، بلکہ اُن سے عزّت کے ساتھ بات کیا کرو، ﴿۲۳﴾ اور اُن کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے اُن کے سامنے اپنے آپ کو اِنکساری سے جھکاؤ، اور یہ دُعا کرو کہ: ''یا ربّ! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔'' ﴿۲۴﴾ تمہارا ربّ خوب جانتا ہے کہ تمہارے دِلوں میں کیا ہے۔ اگر تم نیک بن جاؤ، تو وہ اُن لوگوں کی خطائیں بہت معاف کرتا ہے جو کثرت سے اُس کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔[13] ﴿۲۵﴾

---

(۱۲) آیت نمبر ۱۹ میں فرمایا گیا تھا کہ آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کے لئے بندے کو ویسی ہی کوشش کرنی ہے جیسی کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی اطاعت کی طرف اشارہ تھا۔ اب یہاں سے ایسے کچھ اَحکام کی تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے جس کو سب سے پہلے توحید کے حکم سے شروع کیا گیا ہے، کیونکہ اُس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کچھ اَحکام حقوق العباد سے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور مجموعی حیثیت سے نیکی کے کام کرنے کی کوشش کرتے ہو، پھر بشری تقاضوں سے کوئی غلطی ہوجاتی ہے، اور تم اُس پر توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اور رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو (اُن کا حق،) اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اُڑاو۔[۱۴] ﴿۲۶﴾ یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اُڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور اگر کبھی تمہیں ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے کہ تمہیں اللہ کی متوقع رحمت کا انتظار ہو[۱۵] تو ایسے میں اُن کے ساتھ نرمی سے بات کرلیا کرو۔ ﴿۲۸﴾ اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں قابلِ ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔ ﴿۲۹﴾

---

(۱۴) قرآنِ کریم نے یہاں "تبذیر" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ عام طور سے تبذیر اور اِسراف دونوں کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جائز کام میں خرچ کیا جائے، لیکن ضرورت یا اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے تو وہ "اِسراف" ہے۔ اور اگر مال کو ناجائز اور گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے تو وہ "تبذیر" ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ "بیہودہ کاموں میں مال اُڑانے" سے کیا گیا ہے۔

(۱۵) یعنی کسی ضرورت مند کو کچھ دینے سے اس لئے انکار کرنے کی نوبت آجائے کہ اُس وقت تمہارے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہو، لیکن تمہیں یہ توقع ہو کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وسعت عطا فرمادیں گے تو ایسے میں اُس ضرورت مند سے نرم الفاظ میں معذرت کرسکتے ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

ع ۳ ۸

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ربّ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا فرمادیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی پیدا کردیتا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے، اُنہیں پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔(۱۶) ہم اُنہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی۔ یقین جانو کہ اُن کو قتل کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ ﴿۳۱﴾
اور زِنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔ ﴿۳۲﴾
اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے، اُسے قتل نہ کرو، اِلَّا یہ کہ تمہیں (شرعاً) اس کا حق پہنچتا ہو۔(۱۷) اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہوجائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔ چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔(۱۸) یقیناً وہ اس لائق ہے کہ اُس کی مدد کی جائے۔ ﴿۳۳﴾

---

(۱۶) مشرکینِ عرب بعض اوقات تو لڑکیوں کو اس لئے زندہ دفن کردیتے تھے کہ اپنے گھر میں لڑکی کے وجود ہی کو وہ باعثِ شرم سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ اولاد کو اس لئے قتل کردیتے تھے کہ اُن کو کھلانے سے مفلس ہوجانے کا احتمال تھا۔

(۱۷) کسی کو قتل کرنے کا حق صرف چند صورتوں میں پہنچتا ہے جن میں سے ایک اہم صورت کا ذکر اگلے جملے میں آرہا ہے، اور وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالمانہ طور پر قتل کردیا گیا ہو تو اُس کے ولی یعنی وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدلے میں عدالتی کارروائی کے بعد قاتل کو قتل کریں، یا کروائیں۔ اس بدلے کو "قصاص" کہا جاتا ہے۔

(۱۸) قاتل کو قصاص میں قتل کروانے کا حق تو اولیاءِ مقتول کو حاصل ہے، لیکن اس سے زیادہ کسی کارروائی کا

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو،[19] یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو، یقین جانو کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور تولنے کے لئے صحیح ترازو استعمال کرو۔ یہی طریقہ درست ہے، اور اسی کا انجام بہتر ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو، (اُسے سچ سمجھ کر) اُس کے پیچھے مت پڑو۔[20]

حق نہیں ہے۔ چنانچہ ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کو کاٹنا یا قتل کرنے کے لئے کوئی زیادہ تکلیف دہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے تو اُسے قرآنِ کریم نے حد سے تجاوز قرار دیا ہے۔

(۱۹) یہ یتیم کے رشتہ داروں اور خاص طور پر اُس کے سرپرستوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یتیم کو اپنے مرحوم باپ سے میراث میں کوئی مال ملا ہو تو اُسے امانت سمجھو، اور اُس میں وہی تصرف تمہارے لئے جائز ہے جو یتیم کے حق میں فائدہ مند ہو، کوئی ایسا کام جائز نہیں جس میں اُس کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، مثلاً کسی کو قرض دے دینا، یا اُس کی طرف سے کسی کو تحفہ دے دینا۔ البتہ جب وہ پختگی کو پہنچ جائے، یعنی بالغ ہو کر اُسے اتنی سمجھ آجائے کہ وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھنے لگے تو اُس وقت اُس کا مال اُسی کے حوالے کر دینا واجب ہے۔ یہ مسئلہ قرآنِ کریم نے تفصیل کے ساتھ سورۂ نساء (۴:۲) میں بیان فرمایا ہے۔

(۲۰) مثلاً جب تک کسی شخص کے بارے میں شرعی دلیل سے کوئی جرم یا گناہ ثابت نہ ہو جائے، اُس وقت تک صرف شبہے کی بنیاد پر نہ اُس کے خلاف سزا کی کارروائی جائز ہے، اور نہ دِل میں یہ یقین کر لینا جائز ہے کہ واقعی اُس نے جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن باتوں کا نہ یقینی علم حاصل ہے، اور نہ ایسے علم پر دُنیا اور آخرت کا کوئی کام موقوف ہے، بلاوجہ ایسی چیزوں کی تحقیق اور جستجو میں پڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دِل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا۔[۲۱] ﴿۳۶﴾ اور زمین پر اَکڑ کر مت چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔[۲۲] ﴿۳۷﴾ یہ سارے برے کام ایسے ہیں جو تمہارے پروردگار کو بالکل ناپسند ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (اے پیغمبر!) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تمہارے پروردگار نے تم پر وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں۔ اور (اے انسان!) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا، ورنہ تجھے ملامت کرکے، دھکے دے کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ ﴿۳۹﴾ بھلا کیا تمہارے رَبّ نے تمہیں تو بیٹے دینے کے لئے چن لیا ہے، اور خود اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بڑی سنگین بات کہہ رہے ہو۔[۲۳] ﴿۴۰﴾

---

(۲۱) اگر شرعی دلیل کے بغیر کوئی شخص دوسرے کے بارے میں یقین کرکے بیٹھ جائے کہ اس نے فلاں گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو یہ دِل کا گناہ ہے، اور اس سے آخرت میں باز پرس ہوگی۔

(۲۲) اَکڑ کر چلنے کے لئے ایک تو کچھ لوگ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلتے ہیں، دوسرے سینہ تان کر چلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلی صورت کے لئے کہا گیا ہے کہ پاؤں چاہے کتنے زور سے مارلو، تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے، اور دوسری صورت کے لئے فرمایا گیا ہے کہ سینہ تان کر اپنا قد اُونچا کرنے کی کتنی ہی کوشش کرلو، تمہاری لمبائی پہاڑوں سے زیادہ نہیں ہوسکتی، اور اگر لمبا قد ہی فضیلت اور بڑائی کا معیار ہوتا تو پہاڑوں کو تم سے افضل ہونا چاہئے تھا۔

(۲۳) پیچھے کئی مرتبہ گذرا ہے کہ مشرکینِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، حالانکہ خود اپنے لئے بیٹیوں کی پیدائش کو وہ بہت برا سمجھتے تھے، اور اپنے لئے ہمیشہ بیٹوں کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤٤﴾

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے وضاحتیں کی ہیں، تاکہ لوگ ہوش میں آئیں، مگر یہ لوگ ہیں کہ اس سے ان کے بدکنے ہی میں اور اضافہ ہو رہا ہے۔﴿۴۱﴾ کہہ دو کہ: "اگر اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے (حقیقی خدا) پر چڑھائی کرنے کے لئے کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔"(۲۴) ﴿۴۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُس کی ذات اُن سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔﴿۴۳﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور اُن کی ساری مخلوقات اُس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم لوگ اُن کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔(۲۵) حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا بردبار، بہت معاف کرنے والا ہے۔﴿۴۴﴾

کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دینے کے لئے چن لیا ہے، اور خود بیٹیاں رکھی ہیں جو تمہارے خیال کے مطابق باپ کے لئے باعثِ عار ہوا کرتی ہیں۔

(۲۴) یہ توحید کے حق میں اور شرک کے خلاف ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا ایسی ذات ہی کو کہا جا سکتا ہے جو ہر کام پر قدرت رکھتی ہو، اور کسی کے حکم کے تابع نہ ہو۔ اب اگر اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آزاد ہوتا، اور سب کی قدرت کامل ہوتی۔ چنانچہ یہ دوسرے خدا مل کر عرش والے خدا پر چڑھائی بھی کر سکتے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو خدا پر چڑھائی کرنے کی قدرت نہیں ہے، اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے محکوم ہیں تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوئے؟ ثابت ہو گیا کہ کائنات میں حقیقی خدا تو ایک ہی ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، کیونکہ ان میں

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور (اے پیغمبر!) جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، ایک اَن دیکھا پردہ حائل کردیتے ہیں۔[۲۶] ﴿۴۵﴾ اور ہم ان کے دِلوں پر ایسا غلاف چڑھادیتے ہیں کہ وہ اُسے سمجھتے نہیں، اور اُن کے کانوں میں گرانی پیدا کردیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رَبّ کا ذکر کرتے ہو تو یہ لوگ نفرت کے عالم میں پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب یہ لوگ تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں تو کس لئے سنتے ہیں، اور جب یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (تو ان باتوں کا بھی ہمیں پورا علم ہے) جب یہ ظالم (اپنی برادری کے مسلمانوں سے) یوں کہتے ہیں کہ: ''تم تو بس ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل پڑے ہو جس پر جادُو ہوگیا ہے۔'' ﴿۴۷﴾

سے ہر چیز ایسی ہے کہ اگر اس کی تخلیق پر غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، نیز ہر چیز اُسی کے تابع فرمان ہے۔ اور یہ مطلب بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں حقیقی معنی میں تسبیح کرتی ہوں، اور ہم اُسے نہ سمجھتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پیدا فرمائی ہے، اور یہ بات قرآنِ کریم کی کئی آیتوں کی روشنی میں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور آج کی سائنس نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پائی جاتی ہے۔

(۲۶) جو لوگ اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر سے غافل ہو کر بس دُنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور حق کی کوئی طلب اُن کے دِلوں میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ حق کے مقابلے میں ضد اور عناد کی رَوِش اختیار کرلیتے ہیں، وہ حق

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

دیکھو انہوں نے تم پر کیسی کیسی پھبتیاں چست کی ہیں۔ یہ راہ سے بھٹک چکے ہیں، چنانچہ یہ راستے پر نہیں آسکتے۔ ﴿۴۸﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: "کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہوکر چورا چورا ہوجائے گا تو بھلا کیا اُس وقت ہمیں نئے سرے سے پیدا کرکے اُٹھایا جائے گا؟" ﴿۴۹﴾ کہہ دو کہ: "تم پتھر یا لوہا بھی بن جاؤ ﴿۵۰﴾ یا کوئی اور ایسی مخلوق بن جاؤ جس کے بارے میں تم دِل میں سوچتے ہو کہ (اُس کا زندہ ہونا) اور بھی مشکل ہے، (پھر بھی تمہیں زندہ کردیا جائے گا)" اب وہ کہیں گے کہ: "کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟" کہہ دو کہ: "وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔" (۲۷) پھر وہ تمہارے سامنے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ: "ایسا کب ہوگا؟" کہہ دینا کہ: "کیا بعید ہے کہ وہ وقت قریب ہی آگیا ہو۔" ﴿۵۱﴾ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اُس کی حمد کرتے ہوئے اُس کے حکم کی تعمیل کروگے، اور یہ سمجھ رہے ہوگے کہ تم بس تھوڑی سی مدت (دُنیا میں) رہے تھے۔ ﴿۵۲﴾

کو سوچنے سمجھنے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ اَن دیکھا پردہ ہے جو اُن کے اور پیغمبر کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، اور یہی وہ غفلت کا غلاف ہے جو اُن کے دِلوں پر مسلط ہوجاتا ہے، اور اُن کے کانوں میں وہ گرانی پیدا کردیتا ہے جس کی بنا پر وہ حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

(۲۷) اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

میرے (مؤمن) بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہا کریں جو بہترین ہو۔ درحقیقت شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دُشمن ہے۔(۲۸) ﴿۵۳﴾ تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے، اور چاہے تو تمہیں عذاب دیدے، اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان کی باتوں کا ذمہ دار بنا کرنہیں بھیجا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارا پروردگار اُن سب کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور ہم نے کچھ نبیوں کو دوسرے نبیوں پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داود کو زبور عطا کی تھی۔ ﴿۵۵﴾ (جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: ''جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔ ہوگا یہ کہ نہ وہ تم سے کوئی تکلیف دُور کرسکیں گے، اور نہ اُسے تبدیل کرسکیں گے۔'' ﴿۵۶﴾

ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ جس خدا نے پہلی بار پیدا کرنے کا زیادہ مشکل کام اپنی قدرت سے انجام دیا ہے، اُس کے بارے میں یہ ماننے میں کیا دُشواری ہے کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔

(۲۸) اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب ان کی کافروں کے ساتھ گفتگو ہو تو اُن کے ساتھ بھی خوش اُسلوبی کے ساتھ بات کیا کریں، کیونکہ غصّے کے عالم میں سخت قسم کی باتوں سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے، اور ایسی باتیں شیطان اس لئے کہلواتا ہے کہ ان سے فساد پیدا ہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہوجائے، اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔(۲۹) یقیناً تمہارے ربّ کا عذاب ہے ہی ایسی چیز جس سے ڈرا جائے۔﴿۵۷﴾ اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم روزِ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں، یا اُسے سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات (تقدیر کی) کتاب میں لکھی جاچکی ہے۔(۳۰) ﴿۵۸﴾ اور ہم کو نشانیاں (یعنی کفار کے مانگے ہوئے معجزات) بھیجنے سے کسی اور چیز نے نہیں، بلکہ اس بات نے روکا ہے کہ پچھلے لوگ ایسی نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔(۳۱) اور ہم نے قومِ ثمود کو اُونٹنی دی تھی جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی، مگر انہوں نے اُس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں۔﴿۵۹﴾

(۲۹) اس سے مراد بت نہیں، بلکہ وہ فرشتے اور جنات ہیں جن کو مشرکینِ عرب خدائی کا درجہ دیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تو کیا ہوتے، خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اُس کے تقرب کے راستے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

(۳۰) یعنی اگر کافروں پر ابھی جلدی سے کوئی عذاب نہیں آرہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ کے لئے عذاب سے بچ گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یا تو ان پر کوئی سخت عذاب دُنیا ہی میں آجائے گا، ورنہ قیامت سے پہلے پہلے سبھی کو ہلاک ہونا ہے، اور پھر آخرت میں ان کافروں کو دائمی عذاب ہو کر رہے گا۔

(۳۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود مشرکین آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ یہ ان مطالبات کا جواب ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾ ع ۶

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار (اپنے علم سے) تمام لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دِکھایا ہے،(۳۲) اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ بنادیا،(۳۳) نیز اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔ اور ہم تو ان کو ڈراتے رہتے ہیں، لیکن اس سے ان کی سخت سرکشی ہی میں اضافہ ہورہا ہے۔ ﴿۶۰﴾

کافروں کو کوئی فرمائشی معجزہ دِکھادیا جاتا ہے، اور وہ اُس کے باوجود اِیمان نہیں لاتے، تو اُنہیں عذاب سے ہلاک کردیا جاتا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ قومِ ثمود کے مطالبے پر پہاڑ سے اُونٹنی نکال دی تھی، مگر وہ پھر بھی نہ مانے اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ مشرکینِ عرب بھی اپنا فرمائشی معجزہ دیکھنے کے باوجود اُسی طرح پیغمبر کو جھٹلاتے رہیں گے جس طرح پچھلی قوموں نے جھٹلایا تھا۔ چونکہ ابھی ان کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو منظور نہیں ہے، اس لئے فرمائشی معجزات نہیں دِکھائے جارہے ہیں۔

(۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ ہٹ دھرم لوگ کسی صورت میں ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کی ہٹ دھرمی کی آگے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر جو نظارہ دِکھایا، وہ آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ کافروں نے آپ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کئے، اور آپ نے سب کے ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیئے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ واقعی آپ نے راتوں رات یہ سفر کیا ہے۔ لیکن اتنی کھلی ہوئی بات سامنے آجانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے فرمایا تھا کہ زَقوم کا درخت دوزخیوں کی غذا ہوگی، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ درخت جہنم ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس پر کافروں نے ایمان لانے کے بجائے مذاق اُڑانا شروع کیا کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہوسکتا ہے، اور یہ نہ سوچا کہ جس ذات نے آگ پیدا کی ہے، اگر وہ اُسی آگ میں کوئی درخت بھی پیدا کردے جس کی خاصیت عام درختوں سے مختلف ہو تو بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۳۳) یعنی اُس سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے یہ اور گمراہی میں پڑ گئے جس کی تفصیل اُوپر کے حاشیہ میں گذری۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ اُنہوں نے سجدہ کیا، لیکن اِبلیس نے نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ: ''کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟'' ﴿۶۱﴾ کہنے لگا: ''بھلا بتاؤ یہ ہے وہ مخلوق جسے تو نے میرے مقابلے میں عزت بخشی ہے! اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب کے جبڑوں میں لگام ڈالوں گا۔'' (۳۴) ﴿۶۲﴾ اللہ نے کہا: ''جا پھر ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی، مکمل اور بھرپور سزا۔ ﴿۶۳﴾ اور ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلے، اُنہیں اپنی آواز سے بہکا لے، (۳۵) اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کی فوج چڑھا لا، (۳۶) اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا حصہ لگا لے، (۳۷) اور اُن سے خوب وعدے کر لے ـــــ

---

(۳۴) یعنی اُنہیں اس طرح اپنے قابو میں کرلوں گا جیسے گھوڑے وغیرہ کو جبڑوں میں لگام دے کر قابو میں کیا جاتا ہے۔

(۳۵) آواز سے بہکانے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کے دِلوں میں گناہ کے وسوسے پیدا کرے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد گانے بجانے کی آواز ہے جو اِنسان کو گناہ میں مبتلا کرتی ہے۔

(۳۶) شیطان کو دُشمن کی فوج سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک فوج میں سواروں کے بھی دستے ہوتے ہیں، اور پیدل چلنے والے دستے بھی، اسی طرح شیطان اپنی ایک فوج رکھتا ہے جس میں شریر جنات اور اِنسان شامل ہیں۔ یہ سب مل کر اِنسانوں کو بہکانے میں شیطان کی مدد کرتے ہیں۔

(۳۷) اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مال و دولت اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے خلاف حاصل

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾

اور (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان اُن سے جو وعدہ بھی کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ــــ ﴿۶۴﴾ یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا،(۳۸) اور تیرا پروردگار (ان کی) رکھوالی کے لئے کافی ہے۔'' ﴿۶۵﴾ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں لے چلتا ہے، تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو۔ یقیناً وہ تمہارے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے والا ہے۔ ﴿۶۶﴾

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو جن (دیوتاؤں) کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب غائب ہو جاتے ہیں، بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔ پھر جب اللہ تمہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ﴿۶۷﴾ تو کیا تمہیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں رہا کہ اللہ تمہیں خشکی ہی کے ایک حصے میں دھنسا دے، یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے، اور پھر تمہیں اپنا کوئی رکھوالا نہ ملے؟ ﴿۶۸﴾

کرتا یا اُنہیں ناجائز کاموں میں استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے مال اور اولاد میں شیطان کا حصہ لگا لیا ہے۔

(۳۸) ''میرے بندوں'' سے مراد وہ مخلص بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی فکر رکھتے ہیں۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

ع ۷

اور کیا تم اس بات سے بھی بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اُسی (سمندر) میں لے جائے، پھر تم پر ہوا کا طوفان بھیج کر تمہاری ناشکری کی سزا میں تمہیں غرق کر ڈالے، پھر تمہیں کوئی نہ ملے جو اس معاملے میں ہمارا پیچھا کر سکے؟ (۳۹) ﴿۶۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے، اور انہیں خشکی اور سمندر دونوں میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رِزق دیا ہے، اور اُن کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ﴿۷۰﴾ اُس دن کو یاد رکھو جب ہم تمام انسانوں کو اُن کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جنہیں اُن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے، اور ان پر ریشہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۷۱﴾ اور جو شخص دُنیا میں اندھا بنا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا، بلکہ راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا۔ (۴۰) ﴿۷۲﴾

(۳۹) یعنی اس معاملے میں نہ کوئی ہم سے کسی قسم کی باز پرس کر سکتا ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو کیوں ہلاک کیا، اور نہ کوئی ہمارے فیصلے کو ٹالنے کے لئے ہمارا پیچھا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

(۴۰) یہاں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ دُنیا میں حق کو دیکھنے سے محروم رہا، چنانچہ وہ آخرت میں بھی نجات کا راستہ نہیں دیکھ سکے گا۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ ۗۙ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

اور (اے پیغمبر!) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اُس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اُس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ ﴿۷۳﴾ اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی اُن کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ ﴿۷۴﴾ اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دُنیا میں بھی دُگنی سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دُگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔[41] ﴿۷۵﴾ اس کے علاوہ یہ لوگ اس فکر میں بھی ہیں کہ اس سرزمین (مکہ) سے تمہارے قدم اُکھاڑیں، تاکہ تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ بھی تمہارے بعد زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔[42] ﴿۷۶﴾

---

(۴۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں سے معصوم بنایا تھا، جس کی بنا پر آپ ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔ اگرچہ آپ سے کافروں کی بات ماننے کا دُور دُور اِحتمال نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی فرضی نافرمانی کی صورت میں سزا کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی کہ کسی بھی شخص کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہونے کا اصل مدار اُس کے اعمال پر ہے، اور کوئی شخص کتنا ہی مقرب ہو، اگر گناہ کا ارتکاب کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا، بلکہ مقرب ہونے کی وجہ سے اُسے دُگنی سزا دی جائے گی۔

(۴۲) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد یہ کافر لوگ بھی مکہ مکرمہ میں زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اور نویں سال تمام کافروں کو

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

یہ ہمارا وہ طریقِ کار ہے جو ہم نے اپنے اُن پیغمبروں کے ساتھ اختیار کیا تھا جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے۔ اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ ﴿۷۷﴾
(اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو،(۴۳) اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔(۴۴) ﴿۷۸﴾ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لئے ایک اضافی عبادت ہے۔(۴۵)

یہاں سے نکل جانے کا حکم مل گیا جس کی تفصیل سورۂ توبہ کے شروع میں گذر چکی ہے۔

(۴۳) سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چار نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور فجر کی نماز کا ذکر الگ سے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اُس وقت لوگوں کو نماز کے لئے اُٹھنا پڑتا ہے جس میں دوسری نمازوں کے مقابلے میں زیادہ مشقت ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو خاص اہمیت کے ساتھ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۴۴) اکثر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ صبح کی نماز میں جو تلاوت کی جاتی ہے، اُس میں فرشتوں کا مجمع حاضر ہوتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی نگرانی کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں، وہ باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں، چنانچہ ایک جماعت فجر کے وقت آتی ہے جو سارے دن اپنے فرائض انجام دیتی ہے، اور دوسری جماعت شام کو عصر کے وقت آتی ہے۔ پہلی جماعت فجر کی نماز میں آکر شریک ہوتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے نمازیوں کی حاضری مراد لی ہے۔ یعنی فجر کی نماز میں چونکہ نمازیوں کو حاضری کا موقع دینے کے لئے اُس نماز میں لمبی تلاوت کرنی چاہئے۔

(۴۵) اضافی عبادت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافی

عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقامِ محمود تک پہنچائے گا۔ (۴۶) ﴿۷۹﴾ اور یہ دُعا کرو کہ: ''یا رَبّ! مجھے جہاں داخل فرما اچھائی کے ساتھ داخل فرما، اور جہاں سے نکال اچھائی کے ساتھ نکال، اور مجھے خاص اپنے پاس سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ (تیری) مدد ہو۔'' (۴۷) ﴿۸۰﴾ اور کہو کہ: ''حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔'' (۴۸) ﴿۸۱﴾ اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مؤمنوں کے لئے شفا اور رحمت کا سامان ہے، البتہ ظالموں کے حصے میں اُس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔ ﴿۸۲﴾

طور پر فرض تھی، عام مسلمانوں کے لئے فرض نہیں تھی۔ اور بعض مفسرین نے اضافی عبادت کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نفلی عبادت ہے۔

(۴۶) مقامِ محمود کے لفظی معنی ہیں ''قابلِ تعریف مقام'' اور اَحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منصب ہے جس کے تحت آپ کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

(۴۷) یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر قرار دینے کا حکم ہوا تھا۔ اُس وقت آپ کو یہ دُعا مانگنے کی تلقین فرمائی گئی تھی، اور اس میں داخل کرنے سے مدینہ منورہ میں داخل کرنا اور نکالنے سے مکہ مکرمہ سے نکالنا مراد ہے۔ لیکن الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ دُعا ہر اُس موقع پر کی جا سکتی ہے جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جانے کا یا نیا کام شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔

(۴۸) اس آیتِ کریمہ میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ حق یعنی اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا اور حرم میں داخل ہو کر کعبے میں بنے ہوئے بت گرائے تو اُس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہی آیات تھیں۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور پہلو بدل لیتا ہے، اور اگر اُس کو کوئی برائی چھو جائے تو مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: ''ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستہ پر ہے۔'' ﴿۸۴﴾

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ''رُوح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے، وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔''[۴۹] ﴿۸۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، وہ ساری واپس لے جائیں، پھر تم اُسے واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاؤ۔ ﴿۸۶﴾

(۴۹) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے، اور وہ یہ کہ رُوح کی پیدائش براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ ان کی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا ہے، مثلاً نر اور مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن رُوح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان کے مشاہدے میں نہیں آتا۔ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔ اس سے زیادہ رُوح کی حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرما دیا گیا ہے کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے، اور بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿٨٧﴾ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ
الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ
فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ
الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ
وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾

لیکن یہ تو تمہارے ربّ کی طرف سے ایک رحمت ہے (کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے) حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر جو فضل ہو رہا ہے، وہ بڑا عظیم ہے۔ ﴿٨٧﴾ کہہ دو کہ: ''اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اِکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لاسکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کرلیں۔'' ﴿٨٨﴾ اور ہم نے انسانوں کی بھلائی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی حکمت کی باتیں طرح طرح سے بیان کی ہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہیں۔ ﴿٨٩﴾ اور کہتے ہیں کہ: ''ہم تم پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے ایک چشمہ نہ نکال دو، ﴿٩٠﴾ یا پھر تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو جائے، اور تم اُس کے بیچ بیچ میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کردو، ﴿٩١﴾ یا جیسے تم دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے ہم پر گرادو، یا پھر اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے آمنے سامنے لے آؤ، ﴿٩٢﴾

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

یا پھر تمہارے لئے ایک سونے کا گھر پیدا ہو جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اُس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کر دو جسے ہم پڑھ سکیں۔'' (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''(۵۰) ﴿۹۳﴾ اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت کا پیغام آیا تو ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے تو روکا کہ وہ کہتے تھے: ''کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟'' ﴿۹۴﴾ کہہ دو کہ: ''اگر زمین میں فرشتے ہی اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو بیشک ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر اُن پر اُتار دیتے۔''(۵۱) ﴿۹۵﴾

---

(۵۰) آیت ۸۹ سے ۹۲ تک مشرکینِ مکہ کے وہ مطالبات بیان فرمائے گئے ہیں جو وہ محض ضد کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعدد معجزات ان پر ظاہر ہو چکے تھے، لیکن وہ پھر بھی نت نئی فرمائشوں سے باز نہیں آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ساری فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ میں خدا نہیں ہوں کہ یہ سارے کام میرے اختیار میں ہوں۔ میں تو ایک انسان ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جو معجزات مجھے عطا فرما دیئے ہیں، اُن سے زیادہ اپنے اختیار سے میں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔

(۵۱) مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُسی جنس سے ہو جس کی طرف وہ بھیجا جا رہا ہے، تاکہ وہ ان کی فطری ضروریات کو سمجھ کر اور ان کی نفسیات سے واقف ہو کر ان کی رہنمائی کرے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

کہہ دو کہ: ’’اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے کافی ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔‘‘ ﴿۹۶﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے، وہی صحیح راستے پر ہوتا ہے، اور جن لوگوں کو وہ گمراہی میں مبتلا کردے، تو اُس کے سوا تمہیں اُن کے کوئی مددگار نہیں مل سکتے۔ اور ہم اُنہیں قیامت کے دن منہ کے بل اس طرح اِکٹھا کریں گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی اُس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اُسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ یہ اُن کی سزا ہے، کیونکہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ: ’’کیا جب ہم (مرکر) ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گے، اور چورا چورا ہوجائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں نئے سرے سے زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا؟‘‘ ﴿۹۸﴾ بھلا کیا اُنہیں اتنی سی بات نہیں سوجھی کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی پھر سے پیدا کردے؟ اور اُس نے ان کے لئے ایک ایسی میعاد مقرر کر رکھی ہے جس (کے آنے) میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔

علیہ وسلم کو اِنسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کا انسان ہونا قابلِ اِعتراض نہیں، بلکہ حکمت کے عین مطابق ہے۔ ہاں اگر دُنیا میں فرشتے آباد ہوتے تو بیشک ان کے پاس فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

پھر بھی یہ ظالم انکار کے سوا کسی بات پر راضی نہیں۔﴿۹۹﴾ (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہہ دو کہ: ''اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے کہیں تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم خرچ ہوجانے کے ڈر سے ضرور ہاتھ روک لیتے،(۵۲) اور اِنسان ہے ہی بڑا تنگ دِل!'' ﴿۱۰۰﴾ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی کھلی نشانیاں دی تھیں۔(۵۳) اب بنو اِسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ ان لوگوں کے پاس گئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ: ''اے موسیٰ! تمہارے بارے میں میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی نے تم پر جادو کردیا ہے۔'' ﴿۱۰۱﴾

(۵۲) رحمت کے خزانوں سے یہاں مراد نبوت عطا کرنے کا اختیار ہے۔ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو کیوں نہیں دی گئی؟ گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کسی کو نبوت ہماری مرضی سے دینی چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمارہے ہیں کہ اگر نبوت عطا کرنے کا اختیار تمہیں دے دیا جاتا تو تم اس میں اُسی طرح بخل سے کام لیتے جیسے دُنیوی دولت کے معاملے میں بخل کرتے ہو کہ خرچ ہونے کے ڈر سے کسی کو نہیں دیتے۔

(۵۳) ایک صحیح حدیث میں ان نو نشانیوں کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نو اَحکام تھے۔ شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زِنا نہ کرو، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اُسے قتل یا سزا کے لئے پیش نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھو، اور جہاد میں پیٹھ دِکھا کر نہ بھاگو (ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾

موسیٰ نے کہا: ”تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ ساری نشانیاں کسی اور نے نہیں، آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے بصیرت پیدا کرنے کے لئے نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! تمہارے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ تمہاری بربادی آنے والی ہے۔“ ﴿۱۰۲﴾ پھر فرعون نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان سب (بنو اِسرائیل) کو اس سرزمین سے اُکھاڑ پھینکے، لیکن ہم نے اُسے اور جتنے لوگ اُس کے ساتھ تھے، اُن سب کو غرق کردیا، ﴿۱۰۳﴾ اور اُس کے بعد بنو اِسرائیل سے کہا کہ: ”تم زمین میں بسو، پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے حاضر کردیں گے۔“ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے، اور حق ہی کے ساتھ یہ اُترا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تم (فرماں برداروں کو) خوشخبری دو، اور (نافرمانوں کو) خبردار کرو۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے، تاکہ تم اُسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو، اور ہم نے اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ (کافروں سے) کہہ دو کہ: ”چاہے تم اس پر ایمان لاؤ، یا نہ لاؤ، جب یہ (قرآن) اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں، ﴿۱۰۷﴾

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور کہتے ہیں: ''پاک ہے ہمارا پروردگار! بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ تو پورا ہی ہوکر رہتا ہے۔''(۵۴) ﴿۱۰۸﴾ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرجاتے ہیں، اور یہ (قرآن) اُن کے دِلوں کی عاجزی کو اور بڑھادیتا ہے۔(۵۵) ﴿۱۰۹﴾ کہہ دو کہ: ''چاہے تم اللہ کو پکارو، یا رحمٰن کو پکارو، جس نام سے بھی (اللہ کو) پکاروگے، (ایک ہی بات ہے) کیونکہ تمام بہترین نام اُسی کے ہیں۔''(۵۶) اور تم اپنی نماز نہ بہت اُونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔(۵۷) ﴿۱۱۰﴾ اور کہو کہ: ''تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا، نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ اُسے عاجزی سے بچانے کے لئے کوئی حمایتی درکار ہے۔''(۵۸) اور اُس کی ایسی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ ﴿۱۱۱﴾

(۵۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تورات اور اِنجیل کا علم دیا گیا تھا۔ چونکہ ان کتابوں میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اس لئے ان کے مخلص لوگ قرآنِ کریم کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخر زمانے میں جس کتاب کے نازل کرنے اور جس پیغمبر کو بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا ہوگیا۔

(۵۵) یہ سجدۂ تلاوت کی آیت ہے۔ یہ آیت جب بھی عربی زبان میں پڑھی جائے، سجدہ کرنا واجب ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا دِل دِل میں زبان ہلائے بغیر پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

(۵۶) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کے نام ''رحمٰن'' کو نہیں مانتے تھے، چنانچہ جب

مسلمان ''یا اللہ! یا رحمٰن!'' کہہ کر کوئی دُعا کرتے تو وہ مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ اللہ ایک ہے، اور دوسری طرف دو خداؤں کو پکار رہے ہو، ایک اللہ کو، اور ایک رحمٰن کو۔ اس آیت میں ان کے لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دونوں اللہ ہی کے نام ہیں، بلکہ اُس کے اور بھی اچھے اچھے نام ہیں جنہیں ''اسمائے حسنیٰ'' کہا جاتا ہے، ان میں سے کسی بھی نام سے اُس کو پکارا جاسکتا ہے۔ اس سے عقیدۂ توحید پر کوئی حرف نہیں آتا۔

(۵۷) نماز میں جب بلند آواز سے تلاوت کی جاتی تو مشرکین شور مچا کر مذاق اُڑاتے اور اُس میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ بہت اُونچی آواز سے تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں بھی معتدل آواز زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۵۸) بہت سے کافروں کا یہ خیال تھا کہ جس ذات کا نہ کوئی بیٹا ہو، اور نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہو، وہ تو بڑی کمزور ذات ہوگی۔ اس آیت نے واضح فرما دیا کہ اولاد اور مددگاروں کی حاجت اُس کو ہوتی ہے جو کمزور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی قوی ہے کہ اُسے کمزوری دُور کرنے کے لئے نہ کسی اولاد کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی حاجت۔

الحمدللہ! آج مؤرخہ ۱۷/اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۲۳/شعبان ۱۴۲۷ھ بروز ہفتہ سورۂ بنی اِسرائیل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی اسلام آباد سے کراچی جاتے ہوئے پی آئی اے کے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس پوری سورت کا ترجمہ وتشریح کرغیزستان، برطانیہ، البانیہ اور اسلام آباد کے سفروں کے دوران لکھا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَات،

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّنَا الْکَرِیْمِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سُورَةُ الكَهْفِ

تعارف

حافظ ابنِ جریر طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سورت کا شانِ نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجے کہ تورات اور اِنجیل کے یہ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیجئے۔ اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اُن نو جوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرے اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا۔ تیسرے اُن سے پوچھیں کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے، اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۸۵:۱۷) میں آچکا ہے۔ اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نو جوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو ''اَصحابِ کہف'' کہا جاتا ہے۔ ''کہف'' عربی میں ''غار'' کو کہتے ہیں، ''اَصحابِ کہف'' کے معنیٰ ہوئے: ''غار والے'' اور اسی غار کے نام پر سورت کو سورۃ الکہف کہا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے، اور کچھ عرصہ ان کی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس سورت میں بطورِ خاص اُس کی تردید بھی ہے، اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

سورۂ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ خاص طور پر جمعہ کے دن اُس کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

آیاتھا ۱۱۰ ۱۸ سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ﴿۱﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ ﴿۳﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۖ ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی، ﴿۱﴾ ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اُس نے اس لئے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے، اور جو مؤمن نیک عمل کرتے ہیں اُن کو خوشخبری دے کہ اُن کو بہترین اجر ملنے والا ہے، ﴿۲﴾ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ﴿۳﴾ اور تاکہ اُن لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ ﴿۴﴾ اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہ خود اُن کے پاس ہے، نہ اُن کے باپ دادوں کے پاس تھا۔ بڑی سنگین بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿۵﴾ اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں، تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے! ﴿۶﴾

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ؕ

یقین جانو کہ رُوئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں، ہم نے اُنہیں زمین کی سجاوٹ کا ذریعہ اس لئے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ اُن میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔(۱) ﴿۷﴾ اور یہ بھی یقین رکھو کہ رُوئے زمین پر جو کچھ ہے، ایک دن ہم اُسے ایک سپاٹ میدان بنا دیں گے۔(۲) ﴿۸﴾

---

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے کفر اور معاندانہ طرزِ عمل سے سخت صدمہ ہوتا تھا، ان آیات میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ دُنیا تو لوگوں کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون ہے جو دُنیا کی سجاوٹ میں محو ہوکر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اور کون ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے مطابق استعمال کرکے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ بناتا ہے۔ اور جب یہ امتحان گاہ ہے تو اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو اِمتحان میں کامیاب ہوں گے، اور وہ بھی جو ناکام ہوں گے۔ لہٰذا اگر یہ لوگ کفر و شرک کا ارتکاب کرکے امتحان میں ناکام ہو رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی تعجب کی بات ہے، اور نہ اس پر آپ کو اتنا افسوس کرنا چاہئے کہ آپ اپنی جان کو گھلا بیٹھیں۔

(۲) یعنی جتنی چیزوں سے یہ زمین سجی ہوئی اور بارونق نظر آتی ہے، ایک دن وہ سب فنا ہو جائیں گی، نہ کوئی عمارت باقی رہے گی، نہ پہاڑ اور درخت، بلکہ وہ ایک چٹیل اور سپاٹ میدان میں تبدیل ہو جائے گی۔ اُس وقت یہ حقیقت واضح ہوگی کہ دُنیا کی ظاہری خوبصورتی بڑی ناپائیدار تھی۔ اور یہی وہ وقت ہوگا جب آپ کے ساتھ ضد اور دُشمنی کا معاملہ کرنے والے اپنے بُرے انجام کو پہنچیں گے۔ لہٰذا اگر ان لوگوں کو دُنیا میں ڈھیل دی جارہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُنہیں بدعملی کے باوجود آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا نہ آپ کو زیادہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ ان کے انجام پر فکرمند ہونے کی۔ آپ کا کام تبلیغ ہے، بس اُسی میں اپنے آپ کو مصروف رکھئے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے لوگ[۳] ہماری نشانیوں میں سے کچھ (زیادہ) عجیب چیز تھے؟[۴] ﴿۹﴾ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی، اور (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر خاص اپنے پاس سے رحمت نازل فرمایئے، اور ہماری اس صورتِ حال میں ہمارے لئے بھلائی کا راستہ مہیا فرما دیجئے۔'' ﴿۱۰﴾ چنانچہ ہم نے اُن کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک اُن کو غار میں سلائے رکھا۔[۵] ﴿۱۱﴾ پھر ہم نے اُن کو جگایا، تاکہ یہ دیکھیں کہ ان کے دو گروہوں میں سے کونسا گروہ اپنے سوئے رہنے کی مدت کا زیادہ صحیح شمار کرتا ہے؟[۶] ﴿۱۲﴾

ہم تمہارے سامنے اُن کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُن کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی، ﴿۱۳﴾

(۳) ان حضرات کے واقعے کا خلاصہ قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ یہ کچھ نوجوان تھے جو ایک مشرک بادشاہ کے عہدِ حکومت میں توحید کے قائل تھے۔ بادشاہ نے ان کو توحید پر ایمان رکھنے کی بنا پر پریشان کیا تو یہ حضرات شہر سے نکل کر ایک غار میں چھپ گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند طاری فرما دی، اور یہ تین سو نو سال تک اُسی غار میں پڑے سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیند کے دوران اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کی زندگی کو بھی سلامت رکھا، اور اُن کے جسم بھی گلنے سڑنے سے محفوظ رہے۔ تین سو نو سال بعد ان کی آنکھ کھلی تو اُنہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی لمبی مدت تک سوتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان کو بھوک محسوس ہوئی تو اپنے میں سے ایک صاحب کو کچھ کھانا خرید کر لانے کے لئے شہر بھیجا، اور یہ ہدایت کی کہ احتیاط کے ساتھ شہر میں جائیں، تاکہ ظالم بادشاہ کو پتہ نہ چل سکے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس تین سو سال کے عرصے میں وہ ظالم بادشاہ مر کھپ گیا تھا،

اور ایک نیک اور صحیح العقیدہ شخص بادشاہ بن چکا تھا۔ یہ صاحب جب شہر میں پہنچے تو کھانا خریدنے کے لئے وہی پرانا سکہ پیش کیا جو تین سو سال پہلے اس ملک میں چلا کرتا تھا، دُکان دار نے وہ پرانا سکہ دیکھا تو اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ یہ حضرات صدیوں تک سوتے رہے تھے۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اُس نے ان لوگوں کو بڑی عزت اور اِکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اور بالآخر جب ان حضرات کی وفات ہوئی تو ان کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کی۔ عیسائیوں کے یہاں یہ واقعہ ''سات سونے والوں'' (Seven Sleepers) کے نام سے مشہور ہے۔ معروف مؤرخ ایڈورڈ گبن نے اپنی مشہور کتاب ''زوال وسقوطِ سلطنتِ رُوم'' میں بیان کیا ہے کہ وہ ظالم بادشاہ ڈوسیس تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرووں پر ظلم ڈھانے میں بہت مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ ترکی کے شہر افسس میں پیش آیا تھا۔ جس بادشاہ کے زمانے میں یہ حضرات بیدار ہوئے، گبن کے بیان کے مطابق وہ تھیوڈوسیس تھا۔ مسلمان مؤرخین اور مفسرین نے بھی اس سے ملتی جلتی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، اور ظالم بادشاہ کا نام دقیانوس ذکر کیا ہے۔ ہمارے دور کے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ اُردُن کے شہر عمان کے قریب پیش آیا تھا جہاں ایک غار میں کچھ لاشیں اب تک موجود ہیں۔ یہ تحقیق میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''جہانِ دیدہ'' میں بیان کردی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اتنی مستند نہیں ہے کہ اُس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ قرآنِ کریم کا اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کی اُتنی ہی تفصیل بیان فرماتا ہے جو فائدہ مند ہو۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان حضرات کو ''اصحاب الکہف'' (غاروالے) کہنے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے غار میں پناہ لی تھی۔ لیکن ان کو ''رقیم والے'' کیوں کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ''رقیم'' اس غار کے نیچے والی وادی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''رقیم'' تختی پر لکھے ہوئے کتبے کو کہتے ہیں، اور ان حضرات کے انتقال کے بعد ان کے نام ایک تختی پر کتبے کی صورت میں لکھوادیئے گئے تھے، اس لئے ان کو ''اصحاب الرقیم'' بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر وہ غار واقع تھا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴) جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کیا تھا، انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ اس آیت میں اُنہی کے حوالے سے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پیش نظر یہ واقعہ کوئی بہت عجیب نہیں ہے، کیونکہ اُس کی قدرت کے کرشمے تو بیشمار ہیں۔

(۵) کانوں پر تھپکی دینا عربی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گہری نیند طاری کردی۔ وجہ یہ ہے کہ نیند کے شروع میں کان آوازیں سنتے رہتے ہیں، اور ان کا سننا اُسی وقت بند ہوتا ہے جب نیند گہری ہوگئی ہو۔

(۶) آگے آرہا ہے کہ جب یہ لوگ بیدار ہوئے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

اور ہم نے اُن کے دِل خوب مضبوط کردیئے تھے۔(۷) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ اُٹھے، اور انہوں نے کہا کہ: ''ہمارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقیناً انتہائی لغو بات کہیں گے۔ ﴿۱۴﴾ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اُس پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ (اگر ان کا عقیدہ صحیح ہے تو) وہ اپنے معبودوں کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتے؟ بھلا اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ﴿۱۵﴾ اور (ساتھیو!) جب تم نے اِن لوگوں سے بھی علیحدگی اختیار کرلی ہے، اور اُن سے بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، تو چلو اب تم اُس غار میں پناہ لے لو،(۸) تمہارا پروردگار تمہارے لئے اپنا دامنِ رحمت پھیلا دے گا، اور تمہارے کام میں آسانی کے اسباب مہیا فرمائے گا۔'' ﴿۱۶﴾

(۷) ابنِ کثیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو ان کے عقیدے کا پتہ لگا تو اُس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کرلیا، اور ان سے ان کے عقیدے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بڑی بے باکی سے توحید کا عقیدہ بیان کیا جس کا آگے ذکر آرہا ہے۔ دِل کی اسی مضبوطی کا حوالہ اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۸) یعنی جب تم نے دِینِ حق اختیار کرلیا ہے، اور تمہارے شہر کے لوگ تمہارے مخالف ہوگئے ہیں، تو اب اس دِین کے مطابق عبادت کرنے کی یہی صورت ہے کہ شہر سے باہر پہاڑ پر جو غار ہے، اس میں جا بیٹھو کہ کسی کو تمہارا پتہ نہ چلے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

ع ۵/۱۴

اور (وہ غار ایسا تھا کہ) تم سورج کو نکلتے وقت دیکھتے تو وہ اُن کے غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا، اور جب غروب ہوتا تو اُن سے بائیں طرف کترا کر چلا جاتا،(۹) اور وہ اُس غار کے ایک کشادہ حصے میں (سوئے ہوئے) تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔(۱۰) جسے اللہ ہدایت دیدے، وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کردے، اُس کا تمہیں ہرگز کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اُسے راستے پر لائے۔ ﴿۱۷﴾ تم اُنہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔(۱۱) اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ دِلواتے رہتے تھے، اور اُن کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر تم اُنہیں جھانک کر دیکھتے تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، اور تمہارے اندر اُن کی دہشت سما جاتی۔ ﴿۱۸﴾

---

(۹) اس غار کا محلِ وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس میں دُھوپ نہیں آتی تھی۔ طلوعِ آفتاب کے وقت سورج اس کی دائیں جانب ہٹ کر نکل جاتا تھا، اور غروب کے وقت بائیں جانب۔ اور اس طرح یہ لوگ دُھوپ کی تپش سے محفوظ بھی رہے، اور اس سے ان کے جسم اور کپڑے بھی خراب نہیں ہوئے، اور دُھوپ کے قریب سے گذرنے کی وجہ سے گرمی کے فوائد بھی حاصل ہوتے رہے۔

(۱۰) یعنی ان لوگوں کا اس غار میں پناہ لینا، اتنے لمبے عرصے تک سوتے رہنا اور دُھوپ سے محفوظ رہنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانی تھی۔

(۱۱) یعنی سونے والے پر نیند کی جو علامتیں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں، وہ ان میں نظر نہیں آتی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لیٹے ہوئے جاگ رہے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ⑳

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بالتاء بعد الیاء من النصف الاول و اللام الثانیۃ من النصف الاخیر ۱۲

اور (جیسے ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے اُنہیں اُٹھا دیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ''تم اس حالت میں کتنی دیر رہے ہوگے؟'' کچھ لوگوں نے کہا: ''ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔'' دوسروں نے کہا: ''تمہارا ربّ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جا کر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کونسے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے،[(۱۲)] پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے، اور اُسے چاہئے کہ ہوشیاری سے کام کرے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ ﴿۱۹﴾ کیونکہ اگر ان (شہر کے) لوگوں کو تمہاری خبر مل گئی تو یہ تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، یا تمہیں اپنے دِین میں واپس آنے کے لئے مجبور کریں گے، اور ایسا ہوا تو تمہیں کبھی فلاح نہیں مل سکے گی۔'' ﴿۲۰﴾

(۱۲) پاکیزہ کھانے سے مراد بظاہر حلال کھانا ہے۔ ان حضرات کو فکر یہ تھی کہ بت پرستوں کے شہر میں حلال کھانا ملنا آسان نہیں۔ اس لئے جانے والے کو یہ تاکید کی کہ وہ ایسی جگہ سے کھانا لائے جہاں حلال کھانا میسر ہو۔ نیز چونکہ ان کے خیال میں ابھی تک اُسی بت پرست بادشاہ کی حکومت تھی، اس لئے انہیں دوسری فکر یہ تھی

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اور یوں ہم نے اُن کی خبر لوگوں تک پہنچادی،(۱۳) تا کہ وہ یقین سے جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، نیز یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے،(۱۴) اُس میں کوئی شک نہیں۔ (پھر وہ وقت بھی آیا) جب لوگ ان کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے،(۱۵) چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنادو۔ ان کا ربّ ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔(۱۶) (آخرکار) جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ حاصل تھا، انہوں نے کہا کہ: ''ہم تو ان کے اُوپر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔'' ﴿۲۱﴾

کہ کہیں کسی کو ان کے غار میں چھپنے کا پتہ نہ لگ جائے۔ اس لئے جانے والے کو دوسری تاکید یہ کی کہ ہوشیاری سے جا کر کھانا لائے۔

(۱۳) جب وہ صاحب، جن کا نام بعض روایتوں میں ''تملیخا'' بتایا گیا ہے، کھانا لینے کے لئے شہر پہنچے، اور دُکان دار کو وہ سکہ پیش کیا جو تین سو سال پرانا تھا، اور اُس پر پرانے بادشاہ کی علامتیں تھیں تو دُکان دار بڑا حیران ہوا، اور ان کو لے کر اُس وقت کے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ یہ بادشاہ نیک تھا، اور اس نے یہ قصہ سن رکھا تھا کہ کچھ نوجوان دقیانوس کے ظلم سے تنگ آکر کہیں غائب ہوگئے تھے۔ اس نے معاملے کی مزید تحقیق کی تو پتہ چل گیا کہ یہ وہی نوجوان ہیں۔ اس پر بادشاہ نے ان کا خوب اِکرام کیا، لیکن یہ حضرات دوبارہ اُسی غار میں چلے گئے، اور وہیں پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وفات دے دی۔

(۱۴) ان اصحابِ کہف کا اتنی لمبی مدت تک سوتے رہنا اور پھر زندہ جاگ اُٹھنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی واضح

دلیل تھی، اور اس واقعے کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی اس نتیجے تک پہنچ سکتا تھا کہ جو ذات اتنے عرصے تک سونے کے بعد ان نوجوانوں کو زندہ اُٹھا سکتی ہے، یقیناً وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کردے۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس وقت کا بادشاہ تو قیامت اور آخرت پر اِیمان رکھتا تھا، لیکن کچھ لوگ آخرت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کر رہے تھے، اور بادشاہ نے یہ دُعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی ایسا واقعہ دِکھادے جس سے آخرت پر ان کا ایمان مضبوط ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت ان نوجوانوں کو جگا کر اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دِکھادیا۔

(۱۵) جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا، یہ حضرات جاگنے کے بعد جلد ہی اُسی غار میں وفات پاگئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ سامنے آیا کہ جن نوجوانوں کو کبھی اس شہر میں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے، اب اُسی شہر میں اُن کی ایسی عزت ہوئی کہ لوگ اُن کی یادگار میں کوئی عمارت بنانے کی فکر میں پڑ گئے۔ اور آخر کار جن لوگوں کو اِقتدار حاصل تھا، انہوں نے یہ طے کیا کہ جس غار میں ان کی وفات ہوئی ہے، اس پر ایک مسجد بنادیں۔ واضح رہے کہ عمان کے پاس جو غار دریافت ہوا ہے، اس میں کھدائی کرنے سے غار کے اُوپر بنی ہوئی ایک مسجد بھی برآمد ہوئی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اُن کی وفات کی جگہ پر مسجد بنانے کی یہ تجویز اس زمانے کے اصحابِ اِقتدار نے دی تھی، قرآنِ کریم نے اس تجویز کی تائید نہیں فرمائی۔ لہٰذا اس آیت سے مقبرے بنانے یا قبروں کو عبادت گاہ میں تبدیل کرنے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اس عمل سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶) روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کی یادگار تعمیر کرنے کی تجویز آئی تو لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ ان کے صحیح صحیح نام اور ان کا نسب اور مذہب وغیرہ بھی اس یادگار پر لکھا جائے، لیکن چونکہ کسی کو ان کے پورے حالات معلوم نہیں تھے، اس لئے پھر لوگوں نے کہا کہ ان کے ٹھیک ٹھیک حالات تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ہم ان کے نسب وغیرہ کی تحقیق میں پڑے بغیر ہی ان کی یادگار بنادیتے ہیں۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫

کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے، اور چوتھا اُن کا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، اور چھٹا اُن کا کتا تھا۔ یہ سب اٹکل کے تیر چلانے کی باتیں ہیں۔ اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ: "میرا ربّ ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی کو ان کا پورا علم نہیں۔" لہٰذا ان کے بارے میں سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو، اور نہ ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو۔ (۱۷) ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) کسی بھی کام کے بارے میں کبھی یہ نہ کہو کہ میں یہ کام کل کرلوں گا، ﴿۲۳﴾ ہاں (یہ کہو کہ) اللہ چاہے گا تو (کرلوں گا)۔ (۱۸)

(۱۷) اس آیت نے یہ مستقل سبق دے دیا ہے کہ جس معاملے پر اِنسان کا کوئی عملی مسئلہ موقوف نہ ہو، اُس کے بارے میں خواہ مخواہ بحثیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اصحابِ کہف کے واقعے میں اصل سبق لینے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کس طرح ناموافق حالات میں حق پر ثابت قدم رہنے کا مظاہرہ کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی مدد فرمائی۔ رہا یہ کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر بحث کا بازار گرم کیا جائے۔ لہٰذا اس میں اُلجھنے کے بجائے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی اس معاملے میں بحث کرنا بھی چاہے تو اُسے سرسری گفتگو کر کے ٹال دو، اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

(۱۸) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف اور ذُوالقرنین کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، اُس وقت آپ نے سوال کرنے والوں سے ایک طرح کا وعدہ کرلیا تھا کہ میں اس سوال کا جواب کل دُوں گا۔ اُس وقت آپ "اِن شاء اللہ" کہنا بھول گئے تھے، اور آپ کو یہ اُمید تھی کہ کل تک وحی کے ذریعے آپ کو ان واقعات سے باخبر کردیا جائے گا۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل ہدایت عطا فرمائی کہ کسی بھی مسلمان کو آئندہ کے بارے میں کوئی بات "اِن شاء اللہ" کہے بغیر نہیں کہنی چاہئے۔ بعض روایات سے معلوم

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾

اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رَبّ کو یاد کرلو، اور کہو: ''مجھے اُمید ہے کہ میرا رَبّ کسی ایسی بات کی طرف میری رہنمائی کردے جو ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو۔''(۱۹) ﴿۲۴﴾ اور وہ (اصحابِ کہف) اپنے غار میں تین سو سال اور مزید نو سال (سوتے) رہے۔ ﴿۲۵﴾ (اگر کوئی اس میں بحث کرے تو) کہہ دو کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت (سوتے) رہے۔(۲۰) آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اُسی کے علم میں ہیں۔ وہ کتنا دیکھنے والا، اور کتنا سننے والا ہے! اُس کے سوا ان کا کوئی رکھوالا نہیں ہے، اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ﴿۲۶﴾

ہوتا ہے کہ اس معاملے میں چونکہ آپ نے ''اِن شاء اللہ'' نہیں فرمایا تھا، اس لئے اگلے روز وحی نہیں آئی، بلکہ کئی روز کے بعد وحی آئی، اور اُس میں یہ ہدایت بھی دی گئی۔

(۱۹) اصحابِ کہف کا واقعہ سوال کرنے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کے طور پر پوچھا تھا۔ اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے اور بھی دلائل عطا فرمائے ہیں جو اُصحابِ کہف کا واقعہ سنانے سے بھی زیادہ واضح ہیں۔

(۲۰) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے بارے میں یہ بتلادیا کہ وہ غار میں تین سو نو سال تک سوتے رہے، لیکن آگے پھر وہی بات ارشاد فرمائی کہ محض قیاسات کی بنیاد پر اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر کوئی اس مدت سے اختلاف کرے تو یہ کہہ کر بحث کا دروازہ بند کردو کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مدت کو خوب جانتا ہے۔ اُس نے جو مدت بتادی ہے، وہی درست ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی گئی ہے، اُسے پڑھ کر سنادو۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کی باتوں کو بدل سکے، اور اُسے چھوڑ کر تمہیں ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی۔[۲۱] ﴿۲۷﴾ اور اپنے آپ کو اِستقامت سے اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح وشام اپنے رَبّ کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔[۲۲] اور تمہاری آنکھیں دُنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دِل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گذر چکا ہے۔ ﴿۲۸﴾

---

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب درحقیقت ان کافروں کو سنانے کے لئے ہے جو آپ سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ آپ اس قرآن میں ہماری خواہش اور عقیدے کے مطابق تبدیلیاں کرلیں تو ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ پیچھے سورۂ یونس (۱۵:۱۰) میں گذر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی کرنے کا کسی کو اِختیار نہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ میسر نہیں آسکتی۔

(۲۲) بعض کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ جو غریب اور کم حیثیت لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ انہیں اپنے پاس سے ہٹادیں تو ہم آپ کی بات سننے کو تیار ہوں گے، موجودہ حالت میں ہم ان غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔ یہ آیت اس مطالبے کو رَدّ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے رہی ہے کہ آپ اس مطالبے کو نہ مانیں، اور اپنے غریب صحابہ کی رفاقت نہ چھوڑیں۔ اور اس ضمن میں ان غریب صحابۂ کرام کی فضیلت اور ان کے مقابلے میں ان مال دار کافروں کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ یہی مضمون سورۂ اَنعام (۵۲:۶) میں بھی گذر چکا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

اور کہہ دو کہ: "حق تو تمہارے رَبّ کی طرف سے آچکا ہے۔ اب جو چاہے، ایمان لے آئے، اور جو چاہے کفر اِختیار کرے۔(۲۳)" ہم نے بیشک (ایسے) ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کا جواب ایسے پانی سے دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، (اور) چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کیسا بدترین پانی، اور کیسی بری آرام گاہ! ﴿۲۹﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کیے، تو یقیناً ہم ایسے لوگوں کے اَجر کو ضائع نہیں کرتے جو اچھی طرح عمل کریں۔ ﴿۳۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اُن کو وہاں سونے کے کنگنوں سے مزین کیا جائے گا، وہ اُونچی مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنے ہوں گے۔ کتنا بہترین اَجر، اور کیسی حسین آرام گاہ! ﴿۳۱﴾

---

(۲۳) یعنی حق کے واضح ہو جانے کے بعد دُنیا میں کسی کو ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو شخص ایمان نہیں لائے گا، اُس کو آخرت میں بیشک ایک خوفناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے سامنے اُن دو آدمیوں کی مثال پیش کرو[(٢٤)] جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے، اور ان کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی۔ ﴿٣١﴾ دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے، اور کوئی باغ پھل دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر دی تھی، ﴿٣٣﴾ اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا کہ: ''میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے، اور میرا جتھہ بھی تم سے زیادہ مضبوط ہے۔'' ﴿٣٤﴾

---

(٢٤) آیت نمبر ٢٨ میں کافر سرداروں کے اس تکبر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ایک ایسا واقعہ بیان فرمارہے ہیں جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مال و دولت کی زیادتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کوئی شخص اِترائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ مضبوط نہ ہو تو بڑے بڑے مال دار لوگ انجام کار ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو تو غریب لوگ ان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔ جن دو آدمیوں کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، ان کی کوئی تفصیل کسی مستند مرفوع روایت میں موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے کچھ روایتوں کی بنیاد پر یہ کہا ہے کہ یہ بنی اِسرائیل میں سے تھے، اور انہیں اپنے باپ سے وراثت میں بڑی دولت ہاتھ آئی تھی۔ ان میں سے ایک نے کافر ہو کر اسی دولت سے دِل لگالیا، اور دوسرے نے اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اور اس کی وجہ سے اُس کی دولت پہلے شخص کے مقابلے میں گنتی میں کم رہ گئی۔ لیکن آخر کار کافر شخص کی دولت پر آفت آگئی، اور اُسے حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾

اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا: ''میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا، ﴿٣٥﴾ اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی۔ اور اگر کبھی مجھے اپنے رَبّ کے پاس واپس بھیجا بھی گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔'' ﴿٣٦﴾ اُس کے ساتھی نے اُس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کر رہے ہو جس نے تمہیں مٹی سے، اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تمہیں ایک بھلا چنگا انسان بنا دیا؟ ﴿٣٧﴾ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا۔ ﴿٣٨﴾ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اُس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ اِلا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمہیں یہ نظر آ رہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے، ﴿٣٩﴾ تو میرے رَبّ سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا فرما دے، اور تمہارے اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے، جس سے وہ چکنے میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔ ﴿٤٠﴾

أَوْ يُصْبِحَ مَاۤؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَأُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ أَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ أَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۤءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

یا اُس کا پانی زمین میں اُتر جائے، پھر تم اُسے تلاش بھی نہ کرسکو۔" ﴿۴۱﴾ اور (پھر ہوا یہ کہ) اُس کی ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آگئی، اور صبح ہوئی تو اِس حالت میں کہ اُس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا، وہ اُس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، جبکہ اُس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا، اور وہ کہہ رہا تھا: "کاش! میں نے اپنے رَبّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔" ﴿۴۲﴾ اور اُسے کوئی ایسا جتھہ میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اُس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دِفاع کرسکے۔ ﴿۴۳﴾ ایسے موقع پر (آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ) مدد کا سارا اِختیار سچے اللہ کو حاصل ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دیتا اور بہتر اَنجام دِکھاتا ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور ان لوگوں سے دُنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کردو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تو اُس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوگیا، پھر وہ ایسا ریزہ ریزہ ہوا کہ اُسے ہوائیں اُڑا لے جاتی ہیں۔ (۲۵) اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۵﴾

(۲۵) جس طرح یہ سبزہ ناپائیدار ہے کہ شروع میں اُس کی خوب بہار نظر آتی ہے، لیکن آخر کار وہ چورا چورا ہو کر ہوا میں بکھر جاتا ہے، اُسی طرح دُنیوی زندگی بھی شروع میں بڑی خوبصورت اور بارونق معلوم ہوتی ہے، لیکن انجام کار وہ فنا ہوجانے والی ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

مال اور اولاد دُنیوی زندگی کی زینت ہیں، اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رَبّ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں، اور اُمید وابستہ کرنے کے لئے بھی بہتر۔(۲۶) ﴿۴۶﴾ اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے،(۲۷) اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے،(۲۸) اور ہم ان سب کو گھیر کر اِکٹھا کردیں گے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ﴿۴۷﴾ اور سب کو تمہارے رَبّ کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ آخر تم ہمارے پاس اُسی طرح آگئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس تمہارا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تمہارے لئے (یہ) مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے۔ ﴿۴۸﴾

---

(۲۶) دُنیا کے مال واَسباب سے اُمیدیں لگا کر بیٹھو تو ایک وقت وہ دھوکا دے جاتے ہیں، لیکن نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کئے جائیں، اُن سے ثواب کی جو اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، وہ پوری ہوتی ہیں۔

(۲۷) قرآنِ کریم کی آیات کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے موقع پر پہاڑوں کو پہلے اپنی جگہ سے ہٹا کر چلایا جائے گا، پھر ان کو کوٹ پیس کر غبار کی طرح ہوا میں اُڑا دیا جائے گا۔ چلانے کا ذکر اس جگہ کے علاوہ سورۂ نمل (۲۷:۸۸) اور سورۂ تکویر (۸۱:۳) میں بھی آیا ہے، اور انہیں کوٹ پیس کر غبار میں تبدیل کردینے کا ذکر سورۂ طٰہٰ (۲۰:۱۰۵)، سورۂ واقعہ (۵۶:۵-۶) اور سورۂ مرسلات (۷۷:۱۰) میں موجود ہے۔

(۲۸) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو چیزیں زمین کے اندر پوشیدہ ہیں، وہ سامنے آجائیں گی جیسا کہ سورۂ اِنشقاق (۸۴:۴) میں بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ مطلب بھی ہے کہ پہاڑوں، درختوں اور عمارتوں کے فنا ہوجانے کے بعد زمین حدِ نظر تک سپاٹ نظر آئے گی جس میں کوئی نشیب وفراز نہیں ہوگا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۱۰۶و۱۰۷) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠

ع ۶ / ۱۸

اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی، چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اُس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ: "ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا اِحاطہ نہ کرلیا ہو۔" اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ ﴿۴۹﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: "آدم کے آگے سجدہ کرو۔" چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے اِبلیس کے۔[۲۹] وہ جنات میں سے تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رَبّ کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم میرے بجائے اُسے اور اُس کی ذُرّیت کو اَپنا رکھوالا بناتے ہو، حالانکہ وہ سب تمہارے دُشمن ہیں؟ (اللہ تعالیٰ کا) کتنا برا متبادل ہے جو ظالموں کو ملا ہے![۳۰] ﴿۵۰﴾ میں نے نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اُن کو حاضر کیا تھا، نہ خود اُن کو پیدا کرتے وقت،[۳۱]

(۲۹) تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ (۲:۳۱ تا ۳۶) اور ان آیات کے حواشی۔

(۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلے ان ظالموں نے کتنا برا رکھوالا چنا ہے۔

(۳۱) یعنی جن شیاطین کو ان کافروں نے اپنا سرپرست بنا رکھا ہے، ان کو میں نے تخلیق کائنات کا منظر دِکھانے کے لئے یا ان سے مدد لینے کے لئے نہیں بلایا تھا کہ وہ تخلیق کے اسرار سے واقف ہوتے۔ لیکن کافروں نے یہ سمجھ

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ ع ١٩ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾

اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔ ﴿۵۱﴾ اور اُس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ: ”ذرا پکارو اُن کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا!“ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے، اور ہم اُن کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے۔ ﴿۵۲﴾ اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ ﴿۵۳﴾ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو اَب اُنہیں ایمان لانے اور اپنے رَبّ سے معافی مانگنے سے اس (مطالبے) کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ اُن کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں، یا عذاب ان کے بالکل سامنے آکھڑا ہو۔ (۳۲) ﴿۵۵﴾

رکھا ہے کہ یہ شیاطین تمام حقائق کو جانتے ہیں، چنانچہ ان کے بہکائے میں آکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو یا جن کو وہ کہیں، خدائی کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(۳۲) یعنی ان لوگوں پر ساری حجتیں تو تمام ہو چکیں۔ اب ان کے پاس اپنے کفر پر اس کے سوا کوئی دلیل باقی

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَا اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مؤمنوں کو) خوشخبری دیں، اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اُس کے ذریعے حق کو ڈگمگادیں، اور انہوں نے میری آیتوں کو اور اُنہیں جو تنبیہ کی گئی تھی، اُس کو مذاق بنا رکھا ہے۔ ﴿۵٦﴾ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اُس کے ربّ کی آیتوں کے حوالے سے نصیحت کی جائے، تو وہ اُن سے منہ موڑ لے، اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے) اُن کے دِلوں پر غلاف چڑھا دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ، تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔ ﴿۵۷﴾

نہیں رہی کہ یہ پیغمبر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جیسا عذاب پچھلی اُمتوں پر آیا تھا، اگر ہم باطل پر ہیں تو ویسا ہی عذاب ہم پر لاکر دِکھاؤ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں کا کام اپنے اختیار سے عذاب نازل کرنا نہیں ہوتا۔ وہ تو لوگوں کو عذاب سے متنبہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانوں پر فوراً عذاب نہیں بھیجتا، بلکہ اپنی رحمت کی وجہ سے انہیں مہلت دیتا ہے، تاکہ اس مہلت کے دوران جن کو ایمان لانا ہو، وہ ایمان لے آئیں۔ البتہ اُس کی طرف سے نافرمانوں کو عذاب دینے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو کوئی اس عذاب کو ٹلا نہیں سکے گا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔ ﴿۵۸﴾ یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی رَوِش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کرڈالا، اور ان کی ہلاکت کے لئے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔ ﴿۵۹﴾ اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: ''میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگھم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔'' (۳۳) ﴿۶۰﴾

---

(۳۳) یہاں سے آیت نمبر ۸۲ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی تفصیل ایک طویل حدیث میں بیان فرمائی ہے جو صحیح بخاری میں کئی سندوں سے منقول ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اس وقت رُوئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چونکہ ہر پیغمبر اپنے وقت میں دِین کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہی فرمادیا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت دی گئی کہ اس سوال کا صحیح جواب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے کچھ ایسے گوشوں سے روشناس کرائیں جو ان کی واقفیت کے دائرے سے باہر تھے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جائیں۔ ان کو پتہ یہ بتایا گیا کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں، وہاں تک سفر کریں، اور اپنے ساتھ ایک مچھلی لے جائیں۔ ایک موقع ایسا آئے گا کہ وہ مچھلی گم

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

چنانچہ جب وہ ان کے سنگھم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔(۳۴) ﴿۶۱﴾ پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: "ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔" ﴿۶۲﴾

ہو جائے گی۔ بس اُسی جگہ انہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نوجوان شاگرد حضرت یوشع علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس سفر پر روانہ ہوئے، جو بعد میں خود پیغمبر بننے والے تھے۔ آگے کا واقعہ خود قرآنِ کریم میں آرہا ہے۔ البتہ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ سفر کرایا گیا، اُس کا ایک مقصد تو یہ ادب سکھانا تھا کہ اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم کہنا کسی کو بھی زیب نہیں دیتا۔ علم تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے، اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسا علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود آنکھوں سے اس بات کی ایک جھلک دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم سے اس کائنات کا نظام کس طرح چلا رہا ہے۔ اس کائنات میں بہت سے ایسے واقعات روزمرہ انسان کے سامنے آتے رہتے ہیں جن کا مقصد اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ کوئی واقعہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی حکمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ انسان کی نظر چونکہ محدود ہے، اس لئے وہ اس حکمت کو بسا اوقات نہیں سمجھتا، لیکن جس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں پوری کائنات کی باگ ڈور ہے، وہی جانتا ہے کہ کس وقت کیا واقعہ پیش آنا چاہئے۔ اس بات کی مزید وضاحت اِن شاء اللہ اسی واقعے کے آخر میں آئے گی (دیکھئے ذیل میں حاشیہ نمبر ۴۱)۔

(۳۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان پر پہنچ کر کچھ دیر کے لئے سو گئے تھے۔ اسی دوران وہ مچھلی جو ایک زنبیل میں تھی، وہاں سے کھسک کر دریا میں جاگری، اور جس جگہ گری، وہاں پانی میں سرنگ سی بن گئی جس میں جا کر مچھلی غائب ہوگئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام اُس وقت جاگ رہے تھے، اور انہوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا، مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، اس لئے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ بعد میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگ کر آگے روانہ ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام اُن کو یہ بات بتانا بھول گئے۔ اور یاد اُس وقت آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے چل کر ناشتہ مانگا۔

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ‌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ‌ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰ لِكَ مَا كُنَّا نَـبۡغِ‌ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾

اُس نے کہا: ''بھلا بتایئے! (عجیب قصہ ہوگیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس (مچھلی) نے تو بڑے عجیب طریقے پر دریا میں اپنی راہ لے لی تھی۔'' ﴿۶۳﴾ موسیٰ نے کہا: ''اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔''(۳۵) چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ ﴿۶۴﴾ تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔(۳۶) ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے اُن سے کہا: ''کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اُس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟'' ﴿۶۶﴾

---

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی علامت بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی گم ہوگی، وہیں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔ اس لئے حضرت یوشع علیہ السلام نے تو ڈرتے ڈرتے یہ واقعہ ذکر کیا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے سن کر خوش ہوئے کہ منزلِ مقصود کا پتہ لگ گیا۔

(۳۶) صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس چٹان کے پاس واپس پہنچے تو وہاں وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے نظر آئے۔ اور ان کو جس خصوصی علم کے سکھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد تکوینیات کا علم ہے جس کی تشریح اس واقعے کے آخر میں آرہی ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ ع فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾

انہوں نے کہا: ''مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ ﴿٦٧﴾ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟''[٣٧] ﴿٦٨﴾ موسیٰ نے کہا: ''اِن شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔'' ﴿٦٩﴾ انہوں نے کہا: ''اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔'' ﴿٧٠﴾ چنانچہ دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اُن صاحب نے کشتی میں چھید کردیا۔[٣٨] موسیٰ بولے: ''ارے کیا آپ نے اس میں چھید کردیا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔'' ﴿٧١﴾ انہوں نے کہا: ''کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے؟'' ﴿٧٢﴾

---

(۳۷) صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، (یعنی تکوینیات کا علم) اور آپ کو ایک ایسا علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں (یعنی شریعت کا علم)۔

(۳۸) صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر اس میں سوراخ کردیا تھا۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾

موسیٰ نے کہا: ''مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجئے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنایئے۔'' ﴿۷۳﴾ وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ اُن کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو اُن صاحب نے اُسے قتل کرڈالا۔[۳۹] موسیٰ بول اُٹھے: ''ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کردیا، جبکہ اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلہ اُس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!'' ﴿۷۴﴾ اُنہوں نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کرسکیں گے؟'' ﴿۷۵﴾ موسیٰ بولے: ''اگر اَب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے۔ یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔'' ﴿۷۶﴾ چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اُس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو اُن لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کردیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی، اُن صاحب نے اُسے کھڑا کردیا۔ موسیٰ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اُجرت لے لیتے۔''[۴۰] ﴿۷۷﴾

(۳۹) مذکورہ حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کا سر دھڑ سے الگ کردیا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ بستی والوں نے مہمانی سے تو اِنکار کردیا تھا، لیکن اس دیوار کی مرمت پر اُن سے جائز اُجرت وصول کی جاسکتی تھی جس سے ہمارے کھانے کا بھی انتظام ہوسکتا تھا۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

ع ۱۲ ۱۰

انہوں نے کہا: ''لیجئے میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں آپ کو اُن باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا۔ ﴿۷۸﴾ جہاں تک کشتی کا تعلق ہے، وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اُس میں کوئی عیب پیدا کردُوں، (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین کر رکھ لیا کرتا تھا۔ ﴿۷۹﴾ اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اُس کے ماں باپ مؤمن تھے، اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا اُن دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ ﴿۸۰﴾ چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ اُن کا پروردگار اُنہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسنِ سلوک میں بھی اُس سے بڑھی ہوئی ہو۔ ﴿۸۱﴾ رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اُس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے ربّ کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد اُن باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا۔''[۴۱] ﴿۸۲﴾

(۴۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملوانے اور یہ واقعات دِکھانے کا اصل مقصد ایک اہم حقیقت کا مشاہدہ کرانا تھا، اور اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآنِ کریم نے یہ واقعہ ہمارے لئے بیان فرمایا ہے۔ اسلامی شریعت کی رُو سے کسی کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اُس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے، خاص طور پر اس کی تو ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اُس کی ملکیت کو کوئی نقصان پہنچادے، چاہے وہ نقصان خود مالک کے فائدے کی نیت ہی سے پہنچایا گیا ہو، لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کی اجازت کے بغیر اس کا تختہ نکال دیا۔ اسی طرح کسی بے گناہ کو قتل کرنا شریعت میں انتہائی سنگین جرم ہے، خاص طور پر کسی نابالغ لڑکے کو قتل کرنا تو حالتِ جنگ میں بھی جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کوئی فساد مچائے گا، تب بھی اس وقت اُسے قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا، اور چونکہ یہ دونوں باتیں شریعت میں ناجائز تھیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر خاموش نہیں رہ سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے شریعت کے بالکل خلاف یہ کام کیسے کئے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کائنات میں جتنے واقعات ہوتے ہیں، چاہے وہ ہماری نظر میں اچھے معلوم ہوتے ہوں یا بُرے، ان کا تعلق ایک ایسے جہان سے ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، اور جسے اِصطلاح میں ''عالمِ تکوین'' کہا جاتا ہے، جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کے تکوینی اَحکام کے ذریعے کنٹرول ہو رہا ہے۔ کس شخص کو کتنے عرصے زندہ رہنا ہے؟ اور کب اُس کی موت واقع ہوگی؟ وہ کتنے عرصے صحت مند رہے گا، اور کب بیمار ہو جائے گا؟ اُسے کب کونسا روزگار نصیب ہوگا؟ اور اُس کے ذریعے وہ کتنی روزی کما سکے گا؟ اس قسم کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ براہِ راست طے فرماتے ہیں، اور ان فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ کارندے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی اَحکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا کہ فلاں شخص کی موت کا وقت آگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا فرشتہ اُس شخص کی رُوح قبض کرنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کی تعمیل میں کسی کی موت واقع کررہا ہوتا ہے تو وہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی جان لے، لیکن جس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے اسی کام پر مقرر فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ کوئی جرم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تکوینی اَحکام کو نافذ کرنے کے لئے عام طور سے فرشتے مقرر ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں، یہ فریضہ سونپ سکتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام اگرچہ انسان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کی طرح عالمِ تکوین کا پیغمبر

بنادیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے ذریعے کیا۔ لہٰذا جس طرح موت کے فرشتے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے ایک بے گناہ کی جان لے کر گناہ کا اِرتکاب کیا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی بات کے لئے مامور تھا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی اُس کشتی کو عیب لگانے اور اُس لڑکے کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر مامور تھے، اس لئے ان کا یہ عمل کوئی جرم نہیں تھا۔ البتہ ہم لوگ دُنیا میں رہتے ہوئے شریعت کے اَحکام کے پابند ہیں، اور ہمیں عالمِ تکوین کا نہ علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ اس عالم سے متعلق ہمیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی ہے، اس لئے ہم اُنہی اَحکام کے مکلّف ہیں جو اس جیتی جاگتی زندگی میں ہمیں آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اسی جیتی جاگتی دُنیا کے پیغمبر تھے، اور جو شریعت ان کو دی گئی تھی، اُسی کے پابند تھے، اس لئے وہ نہ حضرت خضر علیہ السلام کی ان باتوں پر خاموش رہ سکے، اور نہ آئندہ ان کے ساتھ چل سکے۔ ان تین واقعات کے بعد وہ سمجھ گئے کہ ان صاحب کا دائرۂ کار میرے دائرۂ کار سے بالکل الگ ہے، اور میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ البتہ اس طرح اُنہیں یہ حقیقت کھلی آنکھوں دِکھادی گئی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے، اُس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمت کارفرما ہے۔ اگر ہمیں کسی واقعے کی وجہ سمجھ میں نہ آئے تو اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جس عالمِ تکوین میں اُس کی حکمت واضح ہوسکتی ہے، وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں بہت سے منظر ایسے نظر آتے ہیں جن پر ہمارا دِل دُکھتا ہے، بہت سے انسانوں کی مظلومیت کو دیکھ کر بعض اوقات دِل میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے عالمِ تکوین کی ایک جھلک دِکھا کر ایک مؤمن کے لئے ایسے شکوک وشبہات کا خاتمہ کردیا گیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عالمِ تکوین اور اس کے کارندے ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی اسی طرح پوشیدہ تھے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالمِ تکوین کی ایک جھلک دِکھانے کے لئے وحی کے ذریعے ان کا پتہ بتادیا گیا۔ اب جبکہ وحی کا دروازہ بند ہوچکا ہے، کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ یقینی طور پر تکوین کے کسی کارندے تک رسائی حاصل کرسکے، اور نہ نظر آنے والی دُنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ تکوین کا کارندہ ہے، اور اُسے تکوینی اختیارات حاصل ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کی بنیاد پر شریعت کے ظاہری اَحکام کی خلاف ورزی کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، انہوں نے سراسر گمراہی پھیلائی ہے۔ مثلاً بعض نام نہاد درویشوں کا تصوف وغیرہ کا نام لے کر یہ کہنا کہ: "شریعت کے اَحکام ظاہر بیں لوگوں کے لئے ہیں، اور ہم ان سے مستغنی ہیں" پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ آج کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ شریعت کے اَحکام سے مستغنی ہوسکے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ

اور یہ لوگ تم سے ذُوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔(۴۲) کہہ دو کہ: ''میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔'' ﴿۸۳﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا، اور اُنہیں ہر کام کے وسائل عطا کئے تھے، ﴿۸۴﴾ جس کے نتیجے میں وہ ایک راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۸۵﴾ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈُوبنے کی جگہ پہنچے، تو انہیں دِکھائی دیا کہ وہ ایک دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈُوب رہا ہے،(۴۳) اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔

(۴۲) اس سورت کے تعارف میں گذر چکا ہے کہ مشرکین نے حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کئے تھے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا۔ یہاں سے اس سوال کا جواب دیا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ اُس شخص کا نام ذُوالقرنین تھا۔ ''ذُوالقرنین'' کے لفظی معنی ہیں: ''دو سینگوں والا'' یہ کسی نامعلوم وجہ سے ایک بادشاہ کا لقب تھا۔ قرآنِ کریم نے اس بادشاہ کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ کون تھا، اور کس زمانے میں تھا۔ البتہ ہمارے زمانے کے بیشتر محققین کا رُجحان یہ ہے کہ وہ ایران کا بادشاہ سائرس تھا جس نے بنی اِسرائیل کو بابل کی جلاوطنی سے نجات دِلا کر انہیں دوبارہ فلسطین میں آباد کیا تھا۔ قرآنِ کریم نے اتنا بتایا ہے کہ اُنہوں نے تین لمبے سفر کئے تھے۔ پہلا دُنیا کی انتہائی مغربی آبادی تک، دوسرا اِنتہائی مشرقی آبادی تک، اور تیسرا اِنتہائی شمالی علاقے تک، جہاں انہوں نے یاجوج ماجوج کے وحشیانہ حملوں سے لوگوں کو بچانے کے لئے ایک دیوار تعمیر کی تھی۔

(۴۳) یہ اُن کے پہلے سفر کا ذکر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اُس وقت مغرب میں دُنیا کی جو آخری آبادی تھی، ذُوالقرنین وہاں تک پہنچے۔ وہ ایسی جگہ تھی کہ اُس کے بعد کوئی آبادی نہیں تھی، اور حدِ نظر تک سمندر پھیلا ہوا تھا، اور سمندر کی شکل بھی ایک سیاہ رنگ کی دلدل جیسی تھی، اور شام کے وقت جب سورج غروب ہوتا تو دیکھنے والے کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک دلدل نما چشمے میں ڈُوب رہا ہے۔

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

ہم نے (ان سے) کہا: ”اے ذُوالقرنین! (تمہارے پاس دو راستے ہیں:) یا تو ان لوگوں کو سزا دو، یا پھر ان کے معاملے میں اچھا رویہ اختیار کرو۔“ (۴۴) ﴿۸۶﴾ انہوں نے کہا: ”ان میں سے جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا، اُسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اُسے اپنے رَبّ کے پاس پہنچا دیا جائے گا، اور وہ اُسے سخت عذاب دے گا۔ ﴿۸۷﴾ البتہ جو کوئی ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا مستحق ہوگا، اور ہم بھی اُس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے۔“ (۴۵) ﴿۸۸﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۸۹﴾

---

(۴۴) اس علاقے میں کافر لوگ آباد تھے، اور حضرت ذُوالقرنین نے اُسے فتح کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو دوسرے فاتحوں کی طرح تم بھی ان لوگوں کو قتلِ عام کر کے تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہو، اور اگر چاہو تو ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کر سکتے ہو۔ دوسری صورت کو ”اچھا رویہ“ قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرما دیا کہ یہ صورت بہتر ہے۔ ذُوالقرنین کے بارے میں یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ اگر وہ پیغمبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات اُن سے براہِ راست وحی کے ذریعے فرمائی ہوگی، اور اگر وہ پیغمبر نہیں تھے، تو ان کو اُس زمانے کے کسی پیغمبر کے ذریعے یہ بات پہنچائی ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وحی کے بجائے اِلہام کے ذریعے ان کے دِل میں یہ بات ڈالی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

(۴۵) ذُوالقرنین کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں انہیں راہِ راست پر آنے کی دعوت دُوں گا، جو لوگ اس دعوت کو قبول نہ کر کے ظلم کا ارتکاب کریں گے، انہیں تو میں سزا دُوں گا، اور جو لوگ دعوت قبول کر کے ایمان اور عملِ صالح اختیار کر لیں گے، ان کے ساتھ میں آسانی کا معاملہ کروں گا۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اُس (کی دُھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔"(۴۶) ﴿۹۰﴾ واقعہ اسی طرح ہوا، اور ذُوالقرنین کے پاس جو کچھ (ساز وسامان) تھا، ہمیں اُس کی پوری پوری خبر تھی۔ ﴿۹۱﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۹۲﴾ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔(۴۷) ﴿۹۳﴾ انہوں نے کہا: "اے ذُوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کرسکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں؟"(۴۸) ﴿۹۴﴾

(۴۶) یہ ذُوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے۔ اس سفر میں وہ دُنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔ یہاں کچھ غیر متمدن لوگ رہتے تھے۔ ان میں مکان بنانے اور چھتیں ڈالنے کا دستور نہیں تھا، سب کھلے میدان میں رہتے تھے، اس لئے دُھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہِ راست پڑتی تھیں۔

(۴۷) یہ ذُوالقرنین کا تیسرا سفر ہے۔ قرآنِ کریم نے اس سفر کی سمت متعین نہیں فرمائی، لیکن بیشتر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ سفر شمال میں دُنیا کی انتہائی آبادی کی طرف ہوا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی زبان بالکل مختلف تھی، اور شاید حلیہ بھی ایسا ہو کہ ان میں سمجھ کے آثار نظر نہ آتے ہوں۔ اور آگے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے، وہ یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوئی ہوگی، یا اشاروں سے۔

(۴۸) یاجوج اور ماجوج دو وحشی قبیلے تھے جو ان پہاڑوں کے پیچھے رہتے تھے، اور تھوڑے تھوڑے وقفوں سے وہ

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

ذُوالقرنین نے کہا: "اللہ نے مجھے جو اِقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لئے) بہتر ہے۔ لہٰذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور اُن کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادُوں گا۔ ﴿۹۵﴾ مجھے لوہے کی چادریں لادو۔" یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملادیا تو کہا کہ: "اب آگ دہکاؤ۔"(۴۹) یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگارا کردیا تو کہا کہ: "پگھلا ہوا تانبا لاؤ، اب میں اس پر اُنڈیلوں گا۔" ﴿۹۶﴾ چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے، اور نہ اُس میں کوئی سوراخ بنا سکتے تھے۔ ﴿۹۷﴾

پہاڑوں کے درمیانی درّے سے اس علاقے میں آکر قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیتے تھے۔ علاقے کے لوگ ان سے پریشان تھے، اس لئے انہوں نے ذُوالقرنین کو دیکھا کہ وہ بڑے وسائل کے مالک ہیں، تو ان سے درخواست کی کہ پہاڑوں کے درمیان جو درّہ ہے، اسے ایک دیوار بنا کر بند کردیں، تاکہ یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہوجائے، اور وہ یہاں آکر فساد نہ پھیلا سکیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے کچھ مال کی بھی پیش کش کی، لیکن حضرت ذُوالقرنین نے کوئی معاوضہ لینے سے انکار کردیا، البتہ یہ کہا کہ تم اپنی افرادی طاقت سے میری مدد کرو تو میں یہ دیوار بلا معاوضہ بنادُوں گا۔

(۴۹) ذُوالقرنین نے پہلے لوہے کی بڑی بڑی چادریں پہاڑوں کے درمیان رکھ کر درّے کو پاٹ دیا، پھر اُن چادروں کو آگ سے گرم کرکے ان پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالا، تاکہ وہ چادروں کی درمیانی درازوں میں جاکر بیٹھ جائے، اور اس طرح یہ دیوار نہایت مضبوط بن گئی۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

ذُوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رَبّ کی رحمت ہے (کہ اُس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رَبّ نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کردے گا،(۵۰) اور میرے رَبّ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔'' ﴿۹۸﴾

(۵۰) ذُوالقرنین نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد دو حقیقتوں کو واضح کیا۔ ایک یہ کہ یہ سارا کارنامہ میرے قوّتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے اس کی توفیق ہوئی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگرچہ اس وقت یہ دیوار بہت مستحکم بن گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اسے توڑنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، یہ قائم رہے گی، اور جب وہ وقت آجائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ٹوٹنا مقرر کر رکھا ہے تو یہ ٹوٹ کر زمین کے برابر ہوجائے گی۔ اس طرح قرآنِ کریم سے یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی، بلکہ اس کا قیامت سے پہلے ٹوٹنا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دیوار رُوس کے علاقے داغستان میں دربند کے مقام پر بنائی گئی تھی، اور اَب وہ ٹوٹ چکی ہے۔ یاجوج ماجوج کے مختلف ریلے تاریخ کے مختلف زمانوں میں متمدن آبادیوں پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں، اور پھر وہ ان متمدن علاقوں میں پہنچ کر خود بھی متمدن ہوتے رہے ہیں۔ البتہ ان کا آخری ریلا قیامت سے کچھ پہلے نکلے گا۔ اس موضوع کی مفصل تحقیق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قصص القرآن'' میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''معارف القرآن'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور آگے ذُوالقرنین نے جو فرمایا کہ: ''میرے رَبّ کا وعدہ بالکل سچا ہے'' اس سے مراد قیامت کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس دیوار کے ٹوٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کونسا وقت مقرّر فرمایا ہے، لیکن ایک وعدہ واضح طور پر معلوم ہے کہ ایک وقت قیامت آنے والی ہے، اور جب وہ آئے گی تو ہر مضبوط سے مضبوط چیز بھی ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوجائے گی۔ ذُوالقرنین نے اس موقع پر قیامت کا جو حوالہ دیا، اُس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آگے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

اور اُس دن ہم ان کی یہ حالت کردیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے،(٥١) اور صور پھونکا جائے گا، تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کرلیں گے۔ ﴿٩٩﴾ اور اُس دن ہم دوزخ کو اُن کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے، ﴿١٠٠﴾ جن کی آنکھوں پر (دُنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ﴿١٠١﴾ جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، کیا وہ پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بندوں کو اَپنا رکھوالا بنالیں گے؟ یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿١٠٢﴾ کہہ دو کہ: ''کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اَپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟ ﴿١٠٣﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ دُنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دُھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں۔''(٥٢) ﴿١٠٤﴾

(٥١) اس سے مراد یاجوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہوسکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے، اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

(٥٢) اس آیتِ کریمہ نے یہ بڑی اہم حقیقت واضح فرمائی ہے کہ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے صرف خلوص

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہوگیا، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔﴿۱۰۵﴾ یہ ہے جہنم کی شکل میں اُن کی سزا، کیونکہ انہوں نے کفر کی رَوِش اِختیار کی تھی، اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔﴿۱۰۶﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کی مہمانی کے لئے بیشک فردوس کے باغ ہوں گے،﴿۱۰۷﴾ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، (اور) وہ وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔﴿۱۰۸﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "اگر میرے رَبّ کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رَبّ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اُس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اُس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لئے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔"(۵۳) ﴿۱۰۹﴾

نیت کافی نہیں ہے، بلکہ راستے کا سیدھا ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے کافر خلوص کے ساتھ ایک کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کام انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یا اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی طرف سے اُس کام کی کوئی سند نہیں ہوتی، اس لئے وہ ساری محنت اکارت ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۵۳) "اللہ تعالیٰ کی باتوں" سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا تذکرہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت، اُس کی حکمت اور اُس کے کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو قلم بند کیا جائے تو بڑے بڑے سمندروں کو روشنائی بنا کر لکھا جائے تو سمندر کے سمندر خشک ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا بیان ختم نہیں ہوگا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲ ۹ ۳

کہہ دو کہ: ''میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔ لہٰذا جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی اُمید ہو، اُسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔'' ﴿۱۱۰﴾

الحمدللہ تعالیٰ! آج شبِ دوشنبہ ۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۲۰۰۶ء کو رات کے چار بجے سحری سے کچھ قبل سورۂ کہف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین، ثم آمین۔

سُورَةُ مَرَيَمَ

تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور اُن کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں، جہاں یہ سورت نازل ہوئی، عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔ چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق وسباق میں بیان ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور اُس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۂ مریم رکھا گیا ہے۔

أياتها ٩٨ ١٩ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ٤٤ رکوعاتها ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ[1] ﴿۱﴾ یہ تذکرہ ہے اُس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی، ﴿۲﴾ یہ اُس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا۔ ﴿۳﴾ انہوں نے کہا تھا کہ: ''میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں، اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اُٹھا ہے، اور میرے پروردگار! میں آپ سے دُعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔ ﴿۴﴾ اور مجھے اپنے بعد اپنے چچازاد بھائیوں کا اندیشہ لگا ہوا ہے،[2] اور میری بیوی بانجھ ہے، لہٰذا آپ خاص اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر دیجئے ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروفِ مقطعات آئے ہیں، ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی میری کوئی اولاد تو ہے نہیں، اور میرے پیچھے میرے چچازاد بھائی اپنے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے اُس مقام پر نہیں ہیں کہ وہ میرے مشن کو آگے جاری رکھ سکیں، اس لئے مجھے اُن سے اندیشہ ہے کہ وہ دِین کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا مجھے ایسا بیٹا عطا فرما دیجئے جو میرے علومِ نبوت کا وارث ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جواب میں بیٹا عطا فرمانے کا تذکرہ پیچھے سورۂ آلِ عمران

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝٩

جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد سے بھی میراث پائے۔[٣] اور یا ربّ! اُسے ایسا بنایئے جو (خود آپ کا) پسندیدہ ہو۔" ﴿٦﴾ (آواز آئی کہ:) اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس کے نام کا کوئی اور شخص پیدا نہیں کیا۔" ﴿٧﴾ زکریا نے کہا: "میرے پروردگار! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے سے اس حال کو پہنچ گیا ہوں کہ میرا جسم سوکھ چکا ہے!"[٤] ﴿٨﴾ کہا: "ہاں! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارے ربّ نے فرمایا ہے کہ یہ تو میرے لئے معمولی بات ہے۔ اور اس سے پہلے میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے۔"[٥] ﴿٩﴾

(٣:٣٨ تا ٤٠) میں بھی گذر چکا ہے۔ ان آیتوں کے حواشی بھی ملاحظہ فرمالئے جائیں۔

(٣) ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ میراث پانے سے حضرت زکریا علیہ السلام کا مطلب مال و دولت کی میراث نہیں تھا، بلکہ علومِ نبوت کی میراث پانا مراد تھا، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے مالی وراثت پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کی یہ دُعا اس اُصول کے خلاف نہیں ہے جو معروف حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ انبیائے علیہم السلام کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(٤) یہ تعجب کا اظہار درحقیقت فرطِ مسرت میں اللہ تعالیٰ کے اس اِنعام پر شکر ادا کرنے کا ایک اُسلوب تھا۔

(٥) یعنی جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود عطا فرمایا ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمادے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِـيًّا ۝۱۱ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ۧ

ع ۱۵

زکریا نے کہا: ''میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرّر فرمادیجئے۔''(۶) فرمایا: ''تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم صحت مند ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کرسکوگے۔''(۷) ﴿۱۰﴾ چنانچہ وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے، اوران کو اِشارے سے ہدایت دی کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ ﴿۱۱﴾ (پھر جب یحیٰی پیدا ہوکر بڑے ہوگئے تو ہم نے ان سے فرمایا:) ''اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔''(۸) اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی بھی عطا کردی تھی، ﴿۱۲﴾ اور خاص اپنے پاس سے نرم دِلی اور پاکیزگی بھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے، ﴿۱۳﴾ اور اپنے والدین کے خدمت گذار! نہ وہ سرکش تھے، نہ نافرمان۔ ﴿۱۴﴾ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلام ہے ان پر اُس دن بھی جس روز وہ پیدا ہوئے، اُس دن بھی جس روز انہیں موت آئے گی، اور اُس دن بھی جس روز انہیں زندہ کرکے دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ ﴿۱۵﴾

(۶) یعنی کوئی ایسی نشانی بتادیجئے جس سے مجھے یہ پتہ چل جائے کہ حمل قرار پاچکا ہے۔

(۷) یعنی جب حمل قرار پائے گا تو تم سے بولنے کی قوت تین دن کے لئے سلب کرلی جائے گی، البتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرسکوگے۔

(۸) کتاب سے مراد تورات ہے، اور مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر خود بھی پورا پورا عمل کرو، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرو۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور اس کتاب میں مریم کا بھی تذکرہ کرو۔ اُس وقت کا تذکرہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوکر اُس جگہ چلی گئیں جو مشرق کی طرف واقع تھا۔ ﴿۱۶﴾ پھر انہوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ (۹) اس موقع پر ہم نے ان کے پاس اپنی رُوح (یعنی ایک فرشتے) کو بھیجا جوان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ﴿۱۷﴾ مریم نے کہا: ''میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ) ﴿۱۸﴾ فرشتے نے کہا: ''میں تو تمہارے ربّ کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں، (اور اس لئے آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دُوں۔'' (۱۰) ﴿۱۹﴾ مریم نے کہا: ''میرے لڑکا کیسے ہوجائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے، اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں؟'' ﴿۲۰﴾ فرشتے نے کہا: ''ایسے ہی ہوجائے گا۔ تمہارے ربّ نے فرمایا ہے کہ: ''یہ میرے لئے ایک معمولی بات ہے۔ اور ہم یہ کام اس لئے کریں گے تاکہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنائیں، اور اپنی طرف سے رحمت کا مظاہرہ کریں۔ (۱۱) اور یہ بات پوری طرح طے ہوچکی ہے۔'' ﴿۲۱﴾

(۹) علیحدہ جاکر پردہ ڈالنے کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ وہ غسل کرنا چاہتی تھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ عبادت کے لئے تنہائی اختیار کرنا مقصود تھا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۱۰) پاکیزہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے نسب اور اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے پاکیزہ ہوگا۔

(۱۱) انسان کی پیدائش کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

پھر ہوا یہ کہ مریم کو اُس بچے کا حمل ٹھہر گیا، (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے الگ ایک دُور مقام پر چلی گئیں۔ ﴿۲۲﴾ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگیں: ''کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی!''(۱۲) ﴿۲۳﴾ پھر فرشتے نے ان کے نیچے ایک جگہ سے اُنہیں آواز دی کہ: ''غم نہ کرو، تمہارے رَبّ نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، اُس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی۔ ﴿۲۵﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ان کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا کوئی دخل تھا، نہ کسی عورت کا، اور حضرت حواء کو چونکہ انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا، اس لئے ان کی پیدائش میں مرد کا تو فی الجملہ دخل تھا، عورت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی چوتھی صورت اپنی قدرت سے ظاہر فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا فرمایا۔ اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ مقصود تھا، اور دوسرے وہ ایک پیغمبر کی حیثیت میں لوگوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لا رہے تھے۔

(۱۲) ایک پاکباز عورت کو کنوارے پن میں بچہ پیدا ہونے کے تصور سے جو بے چینی ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ اگرچہ عام حالات میں موت کی تمنا کرنا منع ہے، لیکن کسی دِینی نقصان کے اندیشے سے ایسی تمنا منع نہیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ شدید بے چینی کے عالم میں حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتے کی دی ہوئی بشارتوں کی طرف وقتی طور سے دھیان نہیں رہا۔ اس لئے بے ساختہ یہ کلمات زبان سے نکلے۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔(۱۳) اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: ''آج میں نے خدائے رحمٰن کے لئے ایک روزے کی منّت مانی ہے، اس لئے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔''(۱۴) ﴿۲۶﴾ پھر وہ اُس بچے کو اُٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔(۱۵) وہ کہنے لگے کہ: ''مریم! تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔ ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن!(۱۶) نہ تو تمہارا باپ کوئی بُرا آدمی تھا، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی!'' ﴿۲۸﴾

---

(۱۳) حضرت مریم علیہا السلام جس جگہ تشریف لے گئی تھیں، وہ کچھ بلندی پر واقع تھی، (اور شاید یہی جگہ بیت اللحم کہلاتی ہے جو بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر ہے) اس کے نیچے نشیب میں سے فرشتہ ان سے دوبارہ ہم کلام ہوا، اور انہیں تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کھانے پینے کا یہ انتظام فرما دیا ہے کہ نیچے ایک چشمہ بہہ رہا ہے، اور معمولی کوشش سے تازہ کھجوریں آپ پر خود بخود جھڑ جائیں گی جن میں پوری غذائیت بھی ہے، اور تقویت کا سامان بھی۔

(۱۴) بعض پچھلی شریعتوں میں بات چیت نہ کرنے کا روزہ رکھنا بھی عبادت کی ایک شکل تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں منسوخ ہوگئی۔ اب ایسا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ایسے روزے کی منّت مان کر روزہ رکھ لیں، اور کوئی بات کرنا چاہے تو اسے اشاروں سے بتا دیں کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے، تاکہ خواہ مخواہ لوگوں کے سوال و جواب سے مزید تکلیف نہ ہو۔

(۱۵) بچے کی پیدائش کے بعد حضرت مریم علیہا السلام پوری طرح مطمئن ہو چکی تھیں کہ جس اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ اپنی خاص قدرت سے پیدا فرمایا ہے، وہی ان کی برائت بھی ظاہر فرمائے گا، اس لئے اب اطمینان کے ساتھ خود ہی بچے کو لے کر لوگوں کے سامنے تشریف لے گئیں۔

(۱۶) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں، اور ان کے قبیلے

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾

اس پر مریم نے اُس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ''بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟'' ﴿۲۹﴾ (اس پر) بچہ بول اُٹھا کہ: ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے،[۱۷] ﴿۳۰﴾ اور جہاں بھی میں رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے،[۱۸] ﴿۳۱﴾ اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دِل نہیں بنایا۔ ﴿۳۲﴾ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر اُس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اُس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اُس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔'' ﴿۳۳﴾ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم! ان (کی حقیقت) کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔[۱۹] ﴿۳۴﴾

کی طرف منسوب کر کے ان کو ہارون کی بہن کہہ دیا گیا ہو جیسے حضرت ہود علیہ السلام کو ''عاد کا بھائی'' کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کسی بھائی کا نام ہارون ہو، اور چونکہ وہ نیک نام بزرگ تھے، اس لئے ان کی قوم نے ان کا حوالہ دیا ہو۔

(۱۷) یعنی بڑے ہو کر مجھے اِنجیل عطا کی جائے گی، اور نبی بنایا جائے گا، اور یہ بات اتنی یقینی ہے جیسے ہو ہی چکی۔ دُودھ پیتے بچے کا اس طرح بولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلا ہوا معجزہ تھا جس نے حضرت مریم علیہا السلام کی برائت بالکل واضح کر دی۔

(۱۸) یعنی جب تک میں اس دُنیا میں زندہ رہوں گا، مجھ پر نماز اور زکوٰۃ فرض رہے گی۔

(۱۹) اس پورے واقعے کو ذکر فرما کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے، اُس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُس سے یہ کہتا ہے کہ: "ہوجا" چنانچہ وہ ہو جاتی ہے۔﴿۳۵﴾ اور (اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ:) یقیناً اللہ میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔﴿۳۶﴾ پھر بھی ان میں سے مختلف گروہوں نے اختلاف ڈال دیا ہے، چنانچہ جس دن یہ ایک زبردست دن کا مشاہدہ کریں گے، اُس دن اُن کی بڑی تباہی ہوگی جنھوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔﴿۳۷﴾ جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے، اُس دن یہ کتنے سننے والے اور دیکھنے والے بن جائیں گے! لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔﴿۳۸﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرایئے جب ہر بات کا آخری فیصلہ ہو جائے گا، جبکہ یہ لوگ (اس وقت) غفلت میں ہیں، اور ایمان نہیں لا رہے۔﴿۳۹﴾ یقین جانو کہ زمین اور اُس پر سارے رہنے والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے، اور ہماری طرف ہی ان سب کو لوٹایا جائے گا۔﴿۴۰﴾

بارے میں جو اِفراط و تفریط اختیار کر رکھی ہے، وہ حقیقت نہیں ہے۔ نہ وہ الزامات درست ہیں جو یہودیوں نے ان پر لگا رکھے ہیں، اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننا صحیح ہے جیسا کہ عیسائیوں نے مان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی بیٹے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

اور اس کتاب میں ابراہیم کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ ﴿۴۱﴾ یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ: ''ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کرسکتی ہیں؟(۲۰) ﴿۴۲﴾ ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لئے میری بات مان لیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتلا دوں گا۔ ﴿۴۳﴾ ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے۔(۲۱) یقین جانئے کہ شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ﴿۴۴﴾ ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ خدائے رحمٰن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ آ پکڑے، جس کے نتیجے میں آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔''(۲۲) ﴿۴۵﴾ ان کے باپ نے کہا: ''ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے بیزار ہو؟ یاد رکھو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برساؤں گا، اور اب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو جاؤ۔'' ﴿۴۶﴾

(۲۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہ صرف بت پرست تھا، بلکہ خود بت تراشی کیا کرتا تھا۔

(۲۱) بتوں کی عبادت کرنے کا خیال درحقیقت شیطان کا ڈالا ہوا خیال تھا، اس لئے بتوں کی عبادت کا مطلب یہی تھا کہ انسان شیطان کو قابلِ اطاعت سمجھ کر اس کی عبادت کرے۔

(۲۲) یعنی جو انجام شیطان کا ہو، وہ آپ کا بھی ہو۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖؗ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

ابراہیم نے کہا: ''میں آپ کو (رُخصت کا) سلام کرتا ہوں۔ (۲۳) میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دُعا کروں گا۔ (۲۴) بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور میں آپ لوگوں سے بھی الگ ہوتا ہوں، اور اللہ کو چھوڑ کر آپ لوگ جن جن کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے بھی، اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اپنے ربّ کو پکار کر میں نامراد نہیں رہوں گا۔'' ﴿۴۸﴾ چنانچہ جب وہ اُن سے اور ان (بتوں) سے الگ ہوگئے جنہیں وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، تو ہم نے اِنہیں اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) بخشی، اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔ ﴿۴۹﴾ اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا، اور انہیں اُونچے درجے کی نیک نامی عطا کی۔ (۲۵) ﴿۵۰﴾

(۲۳) عام حالات میں کافروں کو سلام کی ابتدا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جہاں کوئی دِینی مصلحت داعی ہو تو اس نیت سے سلام کرنے کی گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اسلام کی توفیق دے کر سلامتی سے ہم کنار فرمائیں۔

(۲۴) سورۂ توبہ (۹: ۱۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس وعدے کا حوالہ دیا ہے، اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے یہ وعدہ اُس وقت کیا تھا جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو پھر آپ اس کے لئے دُعا کرنے سے دست بردار ہوگئے۔

(۲۵) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف مسلمان، بلکہ یہودی اور عیسائی بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ قلے

اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔(۲۶) ﴿۵۱﴾ ہم نے اُنہیں کوہِ طور کی دائیں جانب سے پکارا، اور انہیں اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب عطا کیا۔ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اپنی رحمت سے انہیں (ایک مددگار) عطا کیا۔ ﴿۵۳﴾ اور اس کتاب میں اسمٰعیل کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے،(۲۷) اور رسول اور نبی تھے۔ ﴿۵۴﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ ﴿۵۵﴾ اور اس کتاب میں اِدریس کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ ﴿۵۶﴾

(۲۶) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا مفصل واقعہ اگلی سورت میں آرہا ہے۔

(۲۷) پیچھے آیت نمبر ۴۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ اُن کی اہمیت کے پیش نظر اُن کا تذکرہ علیحدہ کرنا مقصود تھا جو اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یوں تو سارے انبیائے علیہم السلام ہی وعدے کے سچے ہوتے ہیں، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے خاص طور پر یہ صفت اس لئے بیان فرمائی گئی ہے کہ جب انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ ذبح کے وقت وہ انہیں صبر کرنے والا پائیں گے (جس کا ذکر سورۂ صافات میں آئے گا)۔ موت کو سامنے دیکھ کر بھی انہیں اپنا یہ وعدہ یاد رہا، اور انہوں نے مثالی صبر وضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی وعدے کی پابندی کے معاملے میں ان کے کئی واقعات مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔

وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫ وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡرَآءِيۡلَ ۫ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۙ ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۙ ﴿۶۰﴾

السجدۃ

اور ہم نے انہیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔ (۲۸) ﴿۵۷﴾ آدم کی اولاد میں سے یہ وہ نبی ہیں جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا، اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور کچھ ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی، اور (اپنے دِین کے لئے) منتخب کیا۔ جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔ (۲۹) ﴿۵۸﴾ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کی جگہ آئے جنہوں نے نمازوں کو برباد کیا، اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آجائے گی۔ (۳۰) ﴿۵۹﴾ البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی، اور اِیمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۰﴾

(۲۸) اس سے مراد نبوت و رسالت اور تقویٰ اور بزرگی کا اعلیٰ مرتبہ ہے جو ان کے زمانے میں انہی کو عطا ہوا۔ بائبل میں ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اُٹھالیا تھا۔ تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی ایسی کچھ روایتیں آئی ہیں جن کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن یہ روایتیں سند کے اعتبار سے نہایت کمزور اور نا قابلِ اعتبار ہیں۔

(۲۹) یہ سجدے کی آیت ہے۔ جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، یا سنے اُس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

(۳۰) یعنی ان کی گمراہی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں اُن کے سامنے آجائے گا۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ﴿۶۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾ ع ۱۵

(ان کا داخلہ) ایسے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات میں (ہوگا) جن کا خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے ان کے دیکھے بغیر وعدہ کر رکھا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے کہ یہ اس تک ضرور پہنچیں گے۔ ﴿۶۱﴾ وہ اس میں سلامتی کی باتوں کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اور وہاں ان کا رزق انہیں صبح وشام ملا کرے گا۔ ﴿۶۲﴾ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔ ﴿۶۳﴾

اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رَبّ کے حکم کے بغیر اُتر کر نہیں آتے۔ (۳۱) جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اُسی کی ملکیت ہے۔ اور تمہارا رَبّ ایسا نہیں ہے جو بھول جایا کرے۔ ﴿۶۴﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا بھی مالک ہے، اور جو مخلوقات اُن کے درمیان ہیں، اُن کا بھی۔ لہٰذا تم اُس کی عبادت کرو، اور اُس کی عبادت پر جمے رہو۔ کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اُس جیسی صفات رکھتا ہو؟ ﴿۶۵﴾

---

(۳۱) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تھا۔ اس پر بعض کفار نے آپ کا مذاق بھی بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (معاذ اللہ) چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ جلدی جلدی ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا ہے کہ ہمارا اُتر کر آنا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ ساری کائنات کی مصلحتیں وہی جانتا ہے، کیونکہ آسمان، زمین

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

اور (کافر) انسان یہ کہتا ہے کہ: ”جب میں مر چکا ہوں گا تو کیا واقعی اُس وقت مجھے زندہ کر کے نکالا جائے گا؟“ ﴿٦٦﴾ کیا اس انسان کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ ہم نے اُسے شروع میں اُس وقت پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ (۳۲) ﴿٦٧﴾ تو قسم ہے تمہارے پروردگار کی! ہم ان کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اِکٹھا کریں گے، (۳۳) پھر ان کو دوزخ کے گرد اس طرح لے کر آئیں گے کہ یہ سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ ﴿٦٨﴾ پھر ان کے ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو خدائے رحمٰن کے ساتھ سرکشی کرنے میں زیادہ سخت تھے۔ ﴿٦٩﴾ پھر یہ بات ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو سب سے پہلے اس دوزخ میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ ﴿٧٠﴾

اور ان کی درمیانی مخلوقات سب اُسی کے قبضے میں ہیں۔ اور اگر کسی وقت دیر ہوتی ہے تو کسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور دیر کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ (معاذ اللہ) وہ وحی نازل کرنا بھول گیا ہے۔

(۳۲) یعنی جب انسان کا وجود بالکل تھا ہی نہیں، تب اللہ تعالیٰ نے اُسے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا تھا، اب مرنے کے بعد تو اِنسان کے جسم کے کچھ نہ کچھ حصے کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتے ہیں۔ ان کو دوبارہ زندگی دے دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے جو بالکل عدم سے انسان کو پیدا کر چکا ہے؟

(۳۳) یعنی اُن شیطانوں کو جو انہیں گمراہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہر اِنسان کے ساتھ وہ شیطان بھی لایا جائے گا جس نے اُس انسان کو گمراہ کیا تھا (تفسیر عثمانی)۔

وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾

اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اِس (دوزخ) پر گذر نہ ہو۔ (۳۴) اس بات کا تمہارے پروردگار نے حتمی طور پر ذمہ لے رکھا ہے۔ ﴿۷۱﴾ پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں تو ہم نجات دے دیں گے، اور جو ظالم ہیں، انہیں اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس (دوزخ میں) گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔ ﴿۷۲﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو کافر لوگ مؤمنوں سے کہتے ہیں کہ: ''بتاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے؟'' ﴿۷۳﴾ اور (یہ نہیں دیکھتے کہ) ان سے پہلے ہم کتنی نسلیں ہلاک کر چکے ہیں، جو اپنے ساز و سامان اور ظاہری آن بان میں ان سے کہیں بہتر تھیں۔ ﴿۷۴﴾

---

(۳۴) اس سے مراد پل صراط ہے جو دوزخ ہی پر بنا ہوا ہے، اور اس پل پر سے ہر شخص کو گذرنا ہوگا، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا بدعمل۔ پھر جیسے اگلی آیت میں آرہا ہے، نیک لوگ تو اس پل سے اس طرح گذر جائیں گے کہ انہیں دوزخ کی ذراسی بھی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر اور بدعمل لوگوں کو دوزخ میں گرادیا جائے گا۔ پھر جن کے دِلوں میں ایمان ہوگا، انہیں تو اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا، اور جن کے دِلوں میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا، وہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور نیک لوگوں کو دوزخ سے گذارنے کی حکمت یہ بھی ہے کہ جہنم کا ہولناک نظارہ دیکھنے کے بعد جنت کی قدر و قیمت یقیناً زیادہ ہوگی۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ط فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ط وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷٦﴾ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾

کہہ دو کہ: ''جو لوگ گمراہی میں جا پڑیں تو اُن کے لئے مناسب یہی ہے کہ خدائے رحمٰن اُنہیں خوب ڈھیل دیتا رہے۔'' یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ چیز خود دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، چاہے وہ (اس دُنیا کا) عذاب ہو، یا قیامت، تو اُس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ بدترین مقام کس کا تھا، اور لشکر کس کا زیادہ کمزور تھا۔ ﴿۷۵﴾ اور جن لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کرلیا ہے، اللہ ان کو ہدایت میں اور ترقی دیتا ہے۔ اور جو نیک عمل باقی رہنے والے ہیں، ان کا بدلہ بھی تمہارے پروردگار کے یہاں بہتر ملے گا، اور ان کا (مجموعی) انجام بھی بہتر ہوگا۔ ﴿۷٦﴾ بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: ''مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔''(۳۵) ﴿۷۷﴾

(۳۵) صحیح بخاری میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں لوہار کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور (اسی سلسلے میں) میرے کچھ پیسے مکہ مکرمہ کے ایک کافر سردار عاص بن وائل کے ذمے واجب ہوگئے تھے۔ میں اس سے اپنا حق مانگنے کے لئے گیا تو اُس نے قسم کھا کر کہا کہ: ''میں تمہارے پیسے اُس وقت تک نہیں دُوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ جھٹلاؤ''۔ میں نے کہا کہ: ''تم مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤ، تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا نہیں سکتا۔'' اس پر عاص بن وائل نے کہا: ''اچھا جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس بہت سا مال اور اولاد ہوگی، اُس وقت میں تمہارے پیسے ادا کردُوں گا۔'' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

کیا اُس نے عالمِ غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ﴿۷۸﴾ ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کردیں گے۔ ﴿۷۹﴾ اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنِ تنہا آئے گا۔ ﴿۸۰﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود اس لئے بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی پشت پناہی کریں۔(۳۶) ﴿۸۱﴾ یہ سب غلط بات ہے! وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کردیں گے، اور اُلٹے ان کے مخالف ہوجائیں گے۔ ﴿۸۲﴾

---

(۳۶) بعض مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لات اور عزیٰ جیسے بتوں یا دوسرے معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں (سورۂ یونس ۱۰:۱۸)۔ یہ اُن کے اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ اور جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جن دیوتاؤں پر یہ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، قیامت کے دن وہ تو اس بات ہی سے انکار کردیں گے کہ ان کی عبادت کی گئی تھی، اور وہ ان کی سفارش تو کیا کرتے، اُلٹے ان کے مخالف ہوجائیں گے۔ یہ مضمون سورۂ نحل (۸۶:۱۶) میں بھی گذرا ہے، جیسا کہ وہاں بھی عرض کیا گیا تھا، عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر اُنہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں، اور شیاطین واقعی زبان سے یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

وقف لازم

(اے پیغمبر!) کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں برابر اُکساتے رہتے ہیں؟ ﴿۸۳﴾ لہٰذا تم ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ ہم تو ان کے لئے گنتی گن رہے ہیں۔ ﴿۸۴﴾ (اُس دن کو نہ بھولو) جس دن ہم سارے متقی لوگوں کو مہمان بنا کر خدائے رحمٰن کے پاس جمع کریں گے، ﴿۸۵﴾ اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح ہنکا کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ ﴿۸۶﴾ لوگوں کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے خدائے رحمٰن سے کوئی اجازت حاصل کرلی ہو۔ ﴿۸۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہے! ﴿۸۸﴾ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ ﴿۸۹﴾ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ ﴿۹۰﴾ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ﴿۹۱﴾ حالانکہ خدائے رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو۔ ﴿۹۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو خدائے رحمٰن کے حضور بندہ بن کر نہ آئے۔ ﴿۹۳﴾

لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾

ع ٦/١٦ ٩

یقین رکھو کہ اُس نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں خوب اچھی طرح گن رکھا ہے۔ ﴿۹۴﴾ اور قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک شخص اُس کے پاس اکیلا آئے گا۔ ﴿۹۵﴾ (ہاں) بیشک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، خدائے رحمٰن ان کے لئے دِلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔(۳۷) ﴿۹۶﴾ چنانچہ (اے پیغمبر!) ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان بنا دیا ہے تا کہ تم اس کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری دو، اور اسی کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جو ضد کی وجہ سے جھگڑے پر آمادہ ہیں۔ ﴿۹۷﴾ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے، یا ان میں سے کسی کی بھنک بھی تمہیں سنائی دیتی ہے؟ ﴿۹۸﴾

(۳۷) یعنی اس وقت تو مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کفار ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب مخلوقِ خدا کے دِلوں میں ان مسلمانوں کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

الحمدللہ! آج شب جمعہ ۲/ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۳/نومبر ۲۰۰۶ء کو بحرین میں بعد نمازِ عشاء سورۂ مریم کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی، اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو معاف فرما کر اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

سُورَةُ طٰهٰ

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اِسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے خفیہ طور پر اِسلام لاچکے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہوچکے ہیں۔ حضرت عمر غصّے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر کو آتے دیکھا تو انہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپادیا، لیکن حضرت عمر پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہوچکے ہو، اور یہ کہہ کر بہن اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہوچکے ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دِکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کرواکر صحیفہ ان کو دِکھایا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت رہ گئے، اور انہیں یقین ہوگیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی، اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اِسلام کی توفیق دے کر اِسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اِسلام قبول کرلیا۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفارِ مکہ نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علم برداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیائے کرام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر اِیمان لائے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اٰیاتھا ١٣٥ ٢٠ سُوْرَۃُ طٰـهٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵ رکوعاتھا ٨

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

طٰهٰ ۚ ① مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ ② اِلَّا تَذۡكِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۙ ③ تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ؕ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰہٰ![1] ﴿١﴾ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم تکلیف اُٹھاؤ۔[2] ﴿٢﴾ البتہ یہ اس شخص کے لئے ایک نصیحت ہے جو ڈرتا ہو۔[3] ﴿٣﴾ اسے اُس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جا رہا ہے جس نے زمین اور اُونچے اُونچے آسمان پیدا کئے ہیں۔ ﴿۴﴾

---

(١) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ طٰہٰ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ ان حروفِ مقطعات میں سے ہے جو مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(٢) اس تکلیف سے مراد وہ تکلیفیں بھی ہو سکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے پہنچ رہی تھیں، اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ تکلیفیں ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دُور فرما کر آپ کو فتح عطا فرمائے گا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ساری ساری رات جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس آیت نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اتنی تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے رات کے شروع حصے میں سونا اور آخری حصے میں عبادت کرنا شروع کر دیا۔

(٣) یہ نصیحت اس کے لئے کار آمد ہے جو ڈرتا رہتا ہو کہ میرا طرزِ عمل صحیح ہے یا نہیں، دوسرے الفاظ میں جس کے دِل میں حق کی طلب ہو، اور جو ہٹ دھرمی یا لا پروائی کی رَوِش اختیار کرنے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ گیا ہو۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿٥﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿٦﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿٧﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿٨﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٩﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

وہ بڑی رحمت والا عرش پر اِستوا فرمائے ہوئے ہے۔(۴) ﴿۵﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب بھی اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی۔ ﴿۶﴾ اگر تم کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا آہستہ)، تو وہ چپکے سے کہی ہوئی باتوں کو، بلکہ اور زیادہ چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔(۵) ﴿۷﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ ﴿۸﴾

اور (اے پیغمبر!) کیا تم تک موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ﴿۹﴾ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کو ایک آگ نظر آئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں، یا اُس آگ کے پاس مجھے راستے کا پتہ مل جائے۔“(۶) ﴿۱۰﴾

(۴) اس کی تشریح پیچھے سورۂ اَعراف (۷:۵۴) کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔

(۵) اور زیادہ چھپی ہوئی باتیں وہ ہیں جو زبان سے کہی ہی نہیں گئیں، بلکہ جن کا صرف خیال دِل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بھی باخبر ہے۔

(۶) سورۂ قصص میں آگے اس واقعے کی تفصیل آنے والی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں ایک عرصہ دراز گذارنے کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ جب صحرائے سینا میں پہنچے تو راستہ بھول گئے، اور سخت سردی کا بھی احساس ہوا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آگ کی سی شکل نظر آئی جو

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾

چنانچہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ: ''اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ یقین سے جان لو کہ میں ہی تمہارا ربّ ہوں۔(۷) اب تم اپنے جوتے اُتار دو۔ تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔(۸) ﴿۱۲﴾ اور میں نے تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کیا ہے۔ لہٰذا جو بات وحی کے ذریعے کہی جارہی ہے، اُسے غور سے سنو۔ ﴿۱۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے میری عبادت کرو، اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ ﴿۱۴﴾

درحقیقت ایک نور تھا۔ اُس وقت انہوں نے اپنی اہلیہ کو وہاں رکنے کی ہدایت دی، اور خود آگ کی طرف چلے۔

(۷) سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یقین کیسے آیا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دِل کو یہ اطمینان عطا فرمادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہم کلام ہیں۔ اور حالات بھی ایسے پیدا کردیئے گئے کہ انہیں یہ یقین آجائے۔ مثلاً بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو یہ عجیب منظر نظر آیا کہ وہ آگ ایک درخت کے اُوپر شعلے ماررہی ہے، مگر درخت کا کوئی پتہ جلتا نہیں ہے۔ انہوں نے انتظار کیا کہ شاید کوئی چنگاری اُڑکر ان کے پاس آجائے، مگر وہ بھی نہ آئی۔ پھر انہوں نے کچھ گھاس پھونس لے کر اسے آگ کے قریب کیا، تاکہ اس میں آگ لگ جائے تو وہ آگ پیچھے ہٹ گئی۔ اس وقت یہ آواز سنائی دی، اور آواز کسی ایک جہت سے نہیں، بلکہ چاروں طرف سے آتی محسوس ہورہی تھی، اور موسیٰ علیہ السلام صرف کان سے نہیں، بلکہ تمام اعضاء سے یہ آواز سن رہے تھے۔

(۸) کوہِ طور کے دامن میں جو وادی ہے، اس کا نام ''طویٰ'' ہے۔ اور یہ ان مقامات میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے۔ اور جوتے اُتارنے کا حکم ایک تو اس وادی کے تقدس کی وجہ سے تھا، اور دوسرے یہ موقع جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف مل رہا تھا، ادب اور عجز و نیاز کے اظہار کا موقع تھا، اس لئے بھی جوتے اُتار دینا مناسب تھا۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۷﴾ قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ﴿۲۲﴾ لا

یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ میں اُس (کے وقت) کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں، تا کہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ ملے۔ ﴿۱۵﴾ لہٰذا کوئی ایسا شخص تمہیں اس سے ہرگز غافل نہ کرنے پائے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہو، ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ ﴿۱۶﴾ اور موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' ﴿۱۷﴾ موسیٰ نے کہا: ''یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں، اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔'' ﴿۱۸﴾ فرمایا: ''موسیٰ! اسے نیچے پھینک دو'' ﴿۱۹﴾ چنانچہ انہوں نے اسے پھینک دیا۔ بس پھر کیا تھا! وہ اچانک ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے فرمایا: ''اسے پکڑ لو، اور ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اسے اس کی پچھلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ ﴿۲۱﴾ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دباؤ، وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔[9] یہ (تمہاری نبوت کی) ایک اور نشانی ہوگی۔ ﴿۲۲﴾

---

(۹) یعنی جب ہاتھ کو بغل سے نکالو گے تو سفیدی سے چمک رہا ہوگا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾

(یہ ہم اس لئے کررہے ہیں) تاکہ اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ تمہیں دِکھائیں۔﴿۲۳﴾ (اب) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں حد سے نکل گیا ہے۔" ﴿۲۴﴾

موسیٰ نے کہا: "پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجئے، ﴿۲۵﴾ اور میرے لئے میرا کام آسان بنادیجئے، ﴿۲۶﴾ اور میری زبان میں جو گرہ ہے، اُسے دُور کردیجئے،(۱۰) ﴿۲۷﴾ تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ ﴿۲۸﴾ اور میرے لئے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر کردیجئے، ﴿۲۹﴾ یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں! ﴿۳۰﴾ ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط کردیجئے، ﴿۳۱﴾ اور ان کو میرا شریکِ کار بنادیجئے، ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں، ﴿۳۳﴾ اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔(۱۱) ﴿۳۴﴾ بیشک آپ ہمیں اچھی طرح دیکھنے والے ہیں۔" ﴿۳۵﴾ اللہ نے فرمایا: "موسیٰ! تم نے جو کچھ مانگا ہے، تمہیں دے دیا گیا، ﴿۳۶﴾

(۱۰) بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارا زبان پر رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہوگئی تھی۔ اسی لکنت کو یہاں "گرہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۱۱) اگرچہ تسبیح اور ذکر تنہا بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اچھے رُفقاء میسر ہوں، اور ماحول سازگار ہو تو یہ رفاقت خود بخود اس تسبیح اور ذکر کا داعیہ بن جاتی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾

اور ہم نے تم پر ایک اور مرتبہ بھی احسان کیا تھا، ﴿۳۷﴾ جب ہم نے تمہاری ماں سے وحی کے ذریعے وہ بات کہی تھی جو اَب وحی کے ذریعے (تمہیں) بتائی جارہی ہے۔ ﴿۳۸﴾ کہ اس (بچے) کو صندوق میں رکھو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ (۱۲) پھر دریا کو چھوڑ دو کہ وہ اسے ساحل کے پاس لاکر ڈال دے، جس کے نتیجے میں ایک ایسا شخص اس (بچے) کو اُٹھالے گا جو میرا بھی دُشمن ہوگا، اور اس کا بھی دُشمن۔ (۱۳) اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبوبیت نازل کردی تھی، (۱۴) اور یہ سب اس لئے کیا تھا تاکہ تم میری نگرانی میں پرورِش پاؤ۔ (۱۵) ﴿۳۹﴾

(۱۲) فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اِسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اِسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کرڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دِل پر اِلہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو۔

(۱۳) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اُٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کرلیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔

(۱۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی معصومیت رکھ دی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا، آپ سے محبت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے فرعون بھی انہیں اپنے گھر میں رکھنے پر راضی ہوگیا۔

(۱۵) یوں تو ہر شخص کی پرورِش اللہ تعالیٰ ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے، مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ عام طور سے پرورِش کے جو اَسباب ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنے خرچ اور ذمہ داری پر بچے کی پرورِش کرتے ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اختیار نہیں فرمائے گئے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ان کی پرورِش ان کے دُشمن سے کرائی۔

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِيٓ أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿۴۰﴾

اس وقت کا تصور کرو جب تمہاری بہن گھر سے چلتی ہے، اور (فرعون کے کارندوں سے) یہ کہتی ہے کہ: "کیا میں تمہیں اُس (عورت) کا پتہ بتاؤں جو اِس (بچے) کو پالے؟"[16] اس طرح ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا،[17] پھر ہم نے تمہیں اس گھٹن سے نجات دی، اور تمہیں کئی آزمائشوں سے گذارا۔[18] پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے، اس کے بعد اے موسیٰ! تم ایک ایسے وقت پر یہاں آئے ہو جو پہلے سے مقدر تھا، ﴿۴۰﴾

(۱۶) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کرلیا تو ان کو دُودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دُودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دُودھ یہ قبول کرلیں۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں پریشانی کے عالم میں دُودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کررہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دُودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دُودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آگیا۔

(۱۷) یہ سارے واقعات تفصیل سے سورۂ قصص میں آنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم اِسرائیلی کو ایک ظالم سے بچانے کے لئے اُسے ایک مکا مارا تھا، ان کا مقصد اُسے ظلم سے باز رکھنا تھا، قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ مکے ہی سے مرگیا۔

(۱۸) ان آزمائشوں کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک طویل روایت میں بتائی ہے جو تفسیر ابن کثیرؒ میں مروی ہے، اور اس کا مکمل ترجمہ "معارف القرآن" جلد ۶ ص ۸۴ تا ۱۰۳ میں موجود ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔﴿۴۱﴾ تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ، اور میرا ذکر کرنے میں سستی نہ کرنا۔(۱۹) ﴿۴۲﴾ دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ حد سے آگے نکل چکا ہے۔﴿۴۳﴾ جا کر دونوں اُس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ سے) ڈر جائے۔" ﴿۴۴﴾ دونوں نے کہا: "ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے، یا کہیں سرکشی پر آمادہ نہ ہوجائے۔" ﴿۴۵﴾ اللہ نے فرمایا: "ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، اور دیکھ بھی رہا ہوں۔﴿۴۶﴾ اب اُس کے پاس جاؤ، اور کہو کہ ہم دونوں تمہارے ربّ کے پیغمبر ہیں، اس لئے بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو، اور انہیں تکلیفیں نہ پہنچاؤ، ہم تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور سلامتی اُسی کے لئے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔﴿۴۷﴾ ہم پر یہ وحی نازل کی گئی ہے کہ عذاب اُس کو ہوگا جو (حق کو) جھٹلائے، اور منہ موڑے۔" ﴿۴۸﴾

---

(۱۹) یہاں یہ سبق دینا مقصود ہے کہ ایک داعیٔ حق کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا چاہئے، اور ہر مشکل میں اسی سے مدد مانگنی چاہئے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

(یہ ساری باتیں سن کر) فرعون نے کہا: ''موسیٰ! تم دونوں کا رَبّ ہے کون؟'' ﴿۴۹﴾ موسیٰ نے کہا: ''ہمارا رَبّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اُس کے مناسب تھی، پھر (اس کی) رہنمائی بھی فرمائی۔''(۲۰) ﴿۵۰﴾ فرعون بولا: ''اچھا پھر ان قوموں کا کیا معاملہ ہوا جو پہلے گذر چکی ہیں؟''(۲۱) ﴿۵۱﴾ موسیٰ نے کہا: ''ان کا علم میرے رَبّ کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے۔ میرے رَبّ کو نہ کوئی غلطی لگتی ہے، نہ وہ بھولتا ہے۔'' ﴿۵۲﴾

(۲۰) یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت ہے کہ جس مخلوق کے لئے جو بناوٹ مقرر کردی، اُس کو اسی کے مطابق کائنات میں اپنی ڈیوٹی بجالانے کا طریقہ بھی سکھادیا۔ مثلاً سورج کو کائنات میں روشنی اور حرارت پیدا کرنے کے لئے ایک خاص بناوٹ عطا فرمائی تو اسے یہ طریقہ بھی سکھادیا کہ وہ کس طرح اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ گردش کرے، اسی طرح ہر جان دار کو یہ سکھادیا کہ وہ کس طرح چلے، اور کس طرح اپنی غذا حاصل کرے۔ مچھلی کا بچہ پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور کسی کے سکھائے بغیر تیرنا شروع کردیتا ہے۔ پرندے ہوا میں اُڑنا خود بخود سیکھ لیتے ہیں۔ غرض ہر مخلوق کو اس کی ساخت کے مناسب زندہ رہنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ ہی سکھاتے ہیں۔

(۲۱) اس سوال سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گذر چکی ہیں جو توحید کی قائل نہیں تھیں، اس کے باوجود وہ زندہ رہیں، اور ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اگر توحید کے انکار سے انسان عذابِ الٰہی کا مستحق ہوجاتا ہے تو ان قوموں پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ہر شخص کا اور اُس کے کئے ہوئے کاموں کا پورا پورا حال معلوم ہے۔ وہ اپنی حکمت ہی سے فیصلہ فرماتا ہے کہ حق کا انکار کرنے والوں میں سے کس کو اسی دُنیا میں سزا دینی ہے، اور کس کی سزا آخرت تک مؤخر کرنی ہے۔ اگر کسی کافر قوم کو دُنیا میں کسی عذاب کا سامنا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ کوئی بھول چوک ہوگئی ہے، بلکہ یہ اس کی حکمت کا فیصلہ ہے کہ اس کو دُنیا کے بجائے آخرت میں عذاب دیا جائے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

یہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنادیا، اور اُس میں تمہارے لئے راستے بنائے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے طرح طرح کی مختلف نباتات نکالیں۔ ﴿۵۳﴾ خود بھی کھاؤ، اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ یقیناً ان سب باتوں میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵۴﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے، اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں نکال لائیں گے۔ ﴿۵۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُس (فرعون) کو اپنی ساری نشانیاں دِکھائیں، مگر وہ جھٹلاتا ہی رہا، اور مان کر نہیں دیا۔ ﴿۵۶﴾ کہنے لگا: ''موسیٰ! کیا تم اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے ذریعے ہمیں اپنی زمین سے نکال باہر کرو؟ ﴿۵۷﴾ اچھا تو ہم بھی تمہارے سامنے ایسا ہی جادو لا کر رہیں گے۔ اب تم کسی کھلے میدان میں ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا ایسا وقت طے کرلو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں، نہ تم کرو۔'' ﴿۵۸﴾ موسیٰ نے کہا: ''تم سے وہ دن طے ہے جس میں جشن منایا جاتا ہے،(۲۲) اور یہ بھی طے ہے کہ دن چڑھے ہی لوگوں کو جمع کرلیا جائے۔'' ﴿۵۹﴾

(۲۲) یہ کوئی تہوار تھا جس میں فرعون کی قوم جشن منایا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا انتخاب اس لئے فرمایا تاکہ ایک بڑا مجمع موجود ہو، اور اس کے سامنے حق کی فتح کا مظاہرہ ہوسکے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾

چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا، اور اُس نے اپنی ساری تدبیریں اِکٹھی کیں، پھر (مقابلے کے لئے) آ گیا۔ ﴿۶۰﴾ موسیٰ نے ان (جادوگروں سے) کہا: ''افسوس ہے تم پر! اللہ پر بہتان نہ باندھو،[۲۳] ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہیں ملیامیٹ کردے گا، اور جو کوئی بہتان باندھتا ہے، نامراد ہوتا ہے۔'' ﴿۶۱﴾ اس پر ان کے درمیان اپنی رائے قائم کرنے میں اختلاف ہوگیا، اور وہ چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ﴿۶۲﴾ (آخرکار) انہوں نے کہا کہ: ''یقینی طور پر یہ دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) جادوگر ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور پر تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں، اور تمہارے بہترین (دینی) طریقے کا خاتمہ ہی کرڈالیں۔ ﴿۶۳﴾ لہٰذا اپنی ساری تدبیریں پختہ کرلو، پھر صف باندھ کر آؤ، اور یقین رکھو کہ آج جو غالب آجائے گا، فلاح اُسی کو حاصل ہوگی۔'' ﴿۶۴﴾ جادوگر بولے: ''موسیٰ! یا تو تم (اپنی لاٹھی پہلے) ڈال دو، یا پھر ہم ڈالنے میں پہل کریں؟ ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے کہا: ''نہیں، تم ہی ڈالو'' بس پھر اچانک ان کی (ڈالی ہوئی) رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں موسیٰ کو ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔ ﴿۶۶﴾

---

(۲۳) یعنی کفر کی راہ اختیار نہ کرو، کیونکہ کفر کا ہر باطل عقیدہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے مرادف ہے۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

اس پر موسیٰ کو اپنے دِل میں کچھ خوف محسوس ہوا۔ (۲۴) ﴿۶۷﴾ ہم نے کہا: ''ڈرو نہیں، یقین رکھو تم ہی تم سر بلند رہو گے۔ ﴿۶۸﴾ اور جو (لاٹھی) تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، اُسے (زمین پر) ڈال دو، ان لوگوں نے جو کاریگری کی ہے، وہ اُس سب کو نگل جائے گی۔ ان کی ساری کاریگری ایک جادوگر کے کرتب کے سوا کچھ نہیں، اور جادوگر چاہے کہیں چلا جائے، اُسے فلاح نصیب نہیں ہوتی۔'' ﴿۶۹﴾ چنانچہ (یہی ہوا اور) سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔ (۲۵) کہنے لگے کہ: ''ہم ہارون اور موسیٰ کے رَبّ پر ایمان لے آئے۔'' ﴿۷۰﴾ فرعون بولا: ''تم ان پر میرے اجازت دینے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ (موسیٰ) تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھلایا ہے۔

(۲۴) یہ طبعی خوف تھا، اور اس لئے تھا کہ جو شعبدہ ان جادوگروں نے دِکھایا، وہ بظاہر اُس معجزے سے ملتا جلتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام دِکھا چکے تھے۔ لہٰذا خوف یہ تھا کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو بھی کہیں جادو ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو اُس نے ایک اژدہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے جعلی سانپوں کو ایک ایک کر کے نگل لیا۔ اس پر جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ یہ جادو نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ وہ سجدے میں گر پڑے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآنِ کریم نے ان کے لئے ''سجدے میں گر گئے'' کے بجائے ''سجدے میں گرا دیئے گئے'' فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دِکھلایا، وہ اس درجہ مؤثر تھا کہ اُس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾

اب میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا، اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اور تمہیں یقیناً پتہ لگ جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔" ﴿۷۱﴾ جادوگروں نے کہا: "قسم اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے! ہمارے سامنے جو روشن نشانیاں آگئی ہیں، ان پر ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہو، کرلو۔ تم جو کچھ بھی کروگے، اسی دُنیوی زندگی کے لئے ہوگا۔ ﴿۷۲﴾ ہم تو اپنے رَبّ پر اِیمان لاچکے ہیں، تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے، اور جادو کے اُس کام کو بھی جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا۔(۲۶) اور اللہ ہی سب سے اچھا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔" ﴿۷۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اُس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا۔(۲۷) ﴿۷۴﴾

(۲۶) اندازہ لگایئے کہ جب ایمان دِل میں گھر کرجاتا ہے تو وہ انسان کی سوچ اور اس کے ارادوں میں کتنا بڑا اِنقلاب پیدا کردیتا ہے۔ یہ وہ جادوگر تھے جن کی سب سے بڑی معراج یہ تھی کہ فرعون ان کو اِنعام واِکرام سے نواز کر اپنی خوشنودی اور تقرب عطا کردے۔ چنانچہ مقابلے پر آنے کے وقت فرعون سے ان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ: "اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی اُجرت بھی ملے گی؟" (دیکھئے سورۂ اَعراف ۷:۱۱۳) لیکن جب حق کھل کر ان کے سامنے آگیا اور اس پر اِیمان ویقین دِل میں گھر کرگیا تو انہیں نہ فرعون کی ناراضی کا خوف رہا، نہ اپنے ہاتھ پاؤں کٹوانے یا سولی پر لٹکنے کا۔ اللہ اکبر!

(۲۷) مرے گا تو اس لئے نہیں کہ وہاں کسی کو موت نہیں آئے گی، اور جینے کی جو نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ

وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

اور جو شخص اُس کے پاس مؤمن بن کر آئے گا جس نے نیک عمل بھی کئے ہوں گے، تو ایسے ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں، ﴿۷۵﴾ وہ ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے! اور یہ صلہ ہے اُس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ ﴿۷٦﴾

اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: "تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ،(۲۸) پھر ان کے لئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دُشمن کے) آ پکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔(۲۹)" ﴿۷۷﴾

ہے کہ وہ جینا چونکہ موت سے بھی بدتر ہوگا، اس لئے وہ جینے میں شمار کرنے کے لائق نہیں ہوگا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِكَ۔

(۲۸) جادوگروں سے مقابلے میں فتح پانے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کافی عرصے مصر میں رہے، اور اس دوران فرعون کو اُن کی تبلیغ بھی جاری رہی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد نشانیاں بھی دِکھائی جاتی رہیں، جن کا ذکر سورۂ اَعراف میں گذرا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تمام بنی اِسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں۔

(۲۹) یعنی تمہارے راستے میں سمندر آئے گا، تم اپنا عصا اُس پر مارو گے تو اُس میں تمہاری قوم کے گذرنے کے لئے خشک راستہ بن جائے گا۔ اس کی تفصیل سورۂ یونس (۱۰:۸۹ تا ۹۲) میں بھی گذری ہے، اور سورۂ شعراء (۲٦:٦۰ تا ٦٦) میں بھی آئے گی۔ چونکہ یہ راستہ اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے لئے پیدا کیا ہوگا، اس لئے فرعون کا لشکر اُس سے گذر کر تمہیں نہیں پکڑ سکے گا، لہٰذا نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہوگا، نہ ڈُوب جانے کا۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾

چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خوفناک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔[(۳۰)] ﴿۷۸﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستے پر لگایا، اور انہیں صحیح راستہ نہ دِکھایا۔ ﴿۷۹﴾ اے بنی اِسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دُشمن سے نجات دی، اور تم سے کوہِ طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ ٹھہرایا، اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔ ﴿۸۰﴾ جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے کھاؤ، اور اس میں سرکشی نہ کرو جس کے نتیجے میں تم پر میرا غضب نازل ہوجائے۔ اور جس کسی پر میرا غضب نازل ہوجاتا ہے، وہ تباہی میں گر کر رہتا ہے۔ ﴿۸۱﴾ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر قائم رہے تو میں اُس کے لئے بہت بخشنے والا ہوں۔ ﴿۸۲﴾ اور (جب موسیٰ کوہِ طور پر اپنے لوگوں سے پہلے چلے آئے تو اللہ نے ان سے کہا:) ''موسیٰ! تم اپنی قوم سے پہلے جلدی کیوں آگئے؟''[(۳۱)] ﴿۸۳﴾

---

(۳۰) عربی محاورے کے مطابق ''وہ چیز'' کہہ کر اُس کے ناقابلِ بیان حد تک خوفناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۱) صحرائے سینا میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلایا تھا، تاکہ وہ وہاں چالیس دن تک اِعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ شروع میں بنی اِسرائیل کے کچھ منتخب لوگوں کے

قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰىٓ أَثَرِىْ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوسٰىٓ إِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُّمْ أَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ أَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿٨٧﴾

انہوں نے کہا: ''وہ میرے پیچھے پیچھے آیا ہی چاہتے ہیں، اور پروردگار! میں آپ کے پاس اس لئے جلدی آ گیا تا کہ آپ خوش ہوں۔'' ﴿۸۴﴾ اللہ نے فرمایا: ''پھر تمہارے آنے کے بعد ہم نے تمہاری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے، اور انہیں سامری نے گمراہ کر ڈالا ہے۔''(۳۲) ﴿۸۵﴾ چنانچہ موسیٰ غم و غصّے میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس لوٹے۔ کہنے لگے: ''میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟(۳۳) تو کیا تم پر کوئی بہت لمبی مدت گذر گئی تھی،(۳۴) یا تم چاہتے ہی یہ تھے کہ تم پر تمہارے ربّ کا غضب نازل ہو جائے، اور اس وجہ سے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟'' ﴿۸۶﴾ کہنے لگے: ''ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر لوگوں کے زیورات کے بوجھ لدے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے انہیں پھینک دیا،(۳۵) پھر اسی طرح سامری نے کچھ ڈالا''(۳۶) ﴿۸۷﴾

بارے میں بھی یہ طے ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی روانہ ہو گئے، اور ان کا خیال تھا کہ باقی ساتھی بھی پیچھے آ رہے ہوں گے۔ لیکن وہ لوگ نہیں آئے۔

(۳۲) سامری ایک جادوگر تھا جو بظاہر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا، اور اسی لئے ان کے ساتھ لگ گیا تھا، مگر حقیقت میں وہ منافق تھا۔

(۳۳) اچھے وعدے سے مراد کوہِ طور پر تورات دینے کا وعدہ ہے۔

(۳۴) یعنی مجھے کوہِ طور پر گئے ہوئے کوئی ایسی لمبی مدت تو نہیں گذری تھی کہ تم میرا انتظار کئے بغیر اس بچھڑے کو معبود بنا بیٹھو۔

(۳۵) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون کے لشکر کا چھوڑا ہوا مالِ غنیمت تھا، اُس دور میں مالِ غنیمت کو اِستعمال کرنا جائز نہیں تھا۔ اس کے بجائے اُسے ایک میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، اور آسمان سے ایک آگ آکر اُسے جلا دیتی تھی۔ شاید ان زیورات کو پھینکنے کا یہی مقصد ہو کہ آسمانی آگ اُنہیں آکر جلا دے۔ اس کے برخلاف عام طور پر تفسیروں میں یہ روایت مذکور ہے کہ بنی اِسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو نکلنے سے پہلے انہوں نے فرعون کی قوم کے لوگوں سے بہت سے زیورات عید کے موقع پر پہننے کے لئے مستعار لئے تھے۔ وہ سارے زیورات مصر سے نکلتے ہوئے ان کے ساتھ تھے۔ چونکہ یہ زیورات دوسروں کی امانت تھی، اس لئے بنی اِسرائیل کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ انہیں مالکوں کی اجازت کے بغیر اِستعمال کریں۔ دوسری طرف انہیں واپس کرنے کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ یہ زیورات یہیں پھینک دو، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو دُشمن سے حاصل کئے ہوئے مالِ غنیمت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روایت بہت مستند نہیں ہے، اور اِحتمال یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا شعبدہ دِکھانے کے لئے لوگوں سے کہا ہو کہ تم اپنے اپنے زیور نیچے پھینکو، میں تمہیں ایک تماشا دِکھاتا ہوں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عام لوگوں نے جو زیورات پھینکے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ''قذف'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور سامری نے جو کچھ پھینکا، اُس کے لئے دوسرا لفظ ''القاء'' استعمال فرمایا ہے۔ اس میں یہ بھی امکان ہے کہ یہ صرف اُسلوب کی تبدیلی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری کے پھینکنے سے مراد اس کی شعبدہ بازی کی کاریگری ہو، کیونکہ ''القاء'' کا لفظ جادوگروں کے کرتب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳۶) جب سارے لوگوں نے اپنے زیورات پھینک دیئے تو سامری بھی کوئی چیز مٹھی میں دبا کر لایا، اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ کیا میں بھی پھینک دُوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ بھی کوئی زیور ہوگا، اس لئے فرمایا کہ ڈال دو۔ اُس پر سامری نے کہا کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیں کہ جب میں ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہ پورا ہو جائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کی منافقت معلوم نہیں تھی، اس لئے دُعا فرما دی۔ حقیقت میں وہ مٹھی میں زیور کے بجائے مٹی لے کر آیا تھا، اور اُس نے وہ مٹی ان زیورات پر ڈال کر انہیں پگھلایا، اور اُن سے ایک بچھڑے کی سی مورت بنالی جس میں سے آواز نکلتی تھی۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ ﴿٩٢﴾

اور لوگوں کے سامنے ایک بچھڑا بنا کر نکال لیا، ایک جسم تھا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے کہ: "یہ تمہارا معبود ہے، اور موسیٰ کا بھی معبود ہے، مگر موسیٰ بھول گئے ہیں۔" ﴿۸۸﴾ بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا، اور نہ ان کو کوئی نقصان یا نفع پہنچا سکتا تھا؟ ﴿۸۹﴾

اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا کہ: "میری قوم کے لوگو! تم اس (بچھڑے) کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہو، اور حقیقت میں تمہارا ربّ تو رحمٰن ہے، اس لئے تم میرے پیچھے چلو اور میری بات مانو۔" (۳۷) ﴿۹۰﴾ وہ کہنے لگے کہ: "جب تک موسیٰ واپس نہ آجائیں، ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے۔" ﴿۹۱﴾ موسیٰ نے (واپس آکر) کہا: "ہارون! جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو تمہیں کس چیز نے روکا تھا ﴿۹۲﴾

---

(۳۷) قرآنِ کریم کی اس آیت نے بائبل کی اس روایت کی واضح طور پر تردید فرمادی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی (معاذ اللہ) بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے تھے (دیکھئے خروج ۳۲: ۱ تا ۶)۔ یہ روایت اس لئے بھی قطعی طور پر لغو ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے، اور کسی نبی کے شرک میں ملوث ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿٩٦﴾

کہ تم میرے پیچھے چلے آتے؟ بھلا کیا تم نے میری بات کی خلاف ورزی کی؟"(۳۸) ﴿۹۳﴾ ہارون نے کہا: "میرے ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑو، اور نہ میرا سر۔ حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم یہ کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔"(۳۹) ﴿۹۴﴾ موسیٰ نے کہا: "اچھا تو سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟" ﴿۹۵﴾ وہ بولا: "میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس لئے میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی اُٹھالی، اور اُسے (بچھڑے پر) ڈال دیا۔(۴۰) اور میرے دِل نے مجھے کچھ ایسا ہی سجھایا۔" ﴿۹۶﴾

---

(۳۸) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جارہے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بناتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ: "اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے پیچھے نہ چلنا" (۷:۱۴۲) یہاں اپنی اسی ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تھے تو آپ کو چاہئے تھا کہ ان سے الگ ہو کر میرے پاس چلے آتے۔ اس طرح آپ مفسدوں کے ساتھی بھی نہ بنتے، اور میرے ذریعے اصلاح بھی کرتے۔

(۳۹) یعنی میرے چلے جانے سے قوم دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی، کچھ لوگ میرا ساتھ دیتے، اور کچھ ان گمراہوں کا جو مجھے قتل تک کرنے کے درپے تھے۔ (جیسا کہ سورۂ اعراف ۷:۱۵۰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زبانی بیان فرمایا گیا ہے) لہٰذا آپ نے جو فرمایا تھا کہ "اصلاح کرتے رہنا" مجھے اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے آپ کے اس حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی۔

(۴۰) رسول سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ تھے۔ عام طور سے مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں ایک گھوڑے پر سوار تھے، اور سامری نے دیکھا کہ گھوڑے کا پاؤں جس جگہ پڑتا، وہاں زندگی کے کچھ آثار پیدا ہو جاتے تھے۔ سامری نے سمجھا

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ إِلٰٓى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

موسیٰ نے کہا: ''اچھا تو جا، اب زندگی بھر تیرا کام یہ ہوگا کہ تو لوگوں سے یہ کہا کرے گا کہ مجھے نہ چھونا۔(۴۱) اور (اس کے علاوہ) تیرے لئے ایک وعدے کا وقت مقرّر ہے جو تجھ سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔(۴۲) اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اسے جلا ڈالیں گے، اور پھر اس (کی راکھ) کو چورا چورا کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ حقیقت میں تم سب کا معبود تو بس ایک ہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۹۸﴾

کہ اس مٹی میں جو زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں، ان سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے کہ کسی بے جان چیز پر ڈالنے سے اس میں زندگی کچھ خصوصیات پیدا ہوجائیں، چنانچہ اُس نے ایک مٹھی اس مٹی کی لے کر بچھڑے پر ڈال دی جس سے آواز نکلنے لگی۔ لیکن بعض مفسرین مثلاً حضرت مولانا حقانی نے تفسیر حقانی (جلد:۳ ص:۲۷۲-۲۷۳) میں فرمایا ہے کہ یہ سامری کی طرف سے ایک جھوٹا بہانہ تھا، ورنہ بچھڑے میں آواز خلا میں ہوا کے گذرنے سے نکلتی تھی۔ چونکہ قرآنِ کریم نے نہ کوئی تفصیل خود بیان فرمائی، نہ کسی مضبوط حدیث سے ثابت ہے، اور نہ کوئی دینی ضرورت اس کے جاننے پر موقوف ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کیا جائے۔

(۴۱) سامری کے جرم کی سزا اُس کو یہ دی گئی کہ تمام لوگ اُس کا بائیکاٹ کریں، نہ کوئی اُسے چھوئے، اور نہ وہ کسی کو ہاتھ لگائے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کو یہ سزا قانونی حکم کے ذریعے دی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا بھی ہے، کہ اُس کے جسم میں کوئی ایسی بیماری پیدا ہوگئی تھی کہ کوئی شخص اُسے ہاتھ لگاتا تو اُس کو بھی اور ہاتھ لگانے والے کو بھی بخار چڑھ جاتا تھا۔

(۴۲) اس سے مراد آخرت کے عذاب کا وعدہ ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ ع ۱۵ ۱۴

(اے پیغمبر!) ماضی میں جو حالات گذرے ہیں اُن میں سے کچھ واقعات ہم اسی طرح تم کو سناتے ہیں، اور ہم نے تمہیں خاص اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔(۴۳) ﴿۹۹﴾ جو لوگ اُس سے منہ موڑیں گے، تو وہ قیامت کے دن بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے، ﴿۱۰۰﴾ جس (کے عذاب) میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور قیامت کے دن اُن کے لئے یہ بدترین بوجھ ہوگا، ﴿۱۰۱﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا، اور اُس دن ہم سارے مجرموں کو گھیر کر اس طرح جمع کریں گے کہ وہ نیلے پڑے ہوں گے، ﴿۱۰۲﴾ آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوں گے کہ تم (قبروں میں یا دُنیا میں) دس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔(۴۴) ﴿۱۰۳﴾ جس بارے میں وہ باتیں کریں گے اُس کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے،(۴۵) جبکہ ان میں سے جس کا طریقہ سب سے بہتر ہوگا، وہ کہے گا کہ تم ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔(۴۶) ﴿۱۰۴﴾

(۴۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس جیسے واقعات کا جاری ہونا جبکہ آپ اُمّی ہیں، اور آپ کے پاس ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور جو آیات آپ تلاوت کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی ہیں۔

(۴۴) قیامت کا دن ان کے لئے اتنا ہولناک ہوگا کہ وہ دُنیا کی ساری زندگی کو ایسا سمجھیں گے جیسے وہ دس دن کی بات ہو۔

(۴۵) یعنی جن دنوں کا شمار وہ صرف دس دن سمجھ کر کر رہے تھے، اُن کی صحیح تعداد ہم جانتے ہیں۔

(۴۶) یعنی جس شخص کو زیادہ سمجھدار سمجھا جاتا تھا، وہ تو کہے گا کہ ہمارے دُنیا میں قیام کی مدت یا قبروں میں رہنے کی مدت صرف ایک ہی دن تھی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟) جواب میں کہہ دو کہ میرا پروردگار ان کو دُھول کی طرح اُڑا دے گا ﴿۱۰۵﴾ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑے گا ﴿۱۰۶﴾ کہ اس میں تمہیں نہ کوئی بل نظر آئے گا، نہ کوئی اُبھار ﴿۱۰۷﴾ اُس دن سب کے سب منادی کے پیچھے اس طرح چلے آئیں گے کہ اُس کے سامنے کوئی ٹیڑھ نہیں دِکھا سکیں گے۔ اور خدائے رحمٰن کے آگے تمام آوازیں دَب کر رہ جائیں گی، چنانچہ تمہیں پاؤں کی سرسراہٹ کے سوا کچھ سنائی نہیں دے گا۔ ﴿۱۰۸﴾ اُس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی، سوائے اُس شخص (کی سفارش) کے جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو، اور جس کے بولنے پر وہ راضی ہو۔ ﴿۱۰۹﴾ وہ لوگوں کی ساری اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ﴿۱۱۰﴾ اور سارے کے سارے چہرے حی و قیوم کے آگے جھکے ہوں گے، اور جو کوئی ظلم کا بوجھ لاد کر لایا ہوگا، نامراد ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾ اور جس نے نیک عمل کئے ہوں گے، جبکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو اُسے نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی حق تلفی کا۔ ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے اسی طرح یہ وحی ایک عربی قرآن کی شکل میں نازل کی ہے، اور اُس میں تنبیہات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے، تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں، یا یہ قرآن اُن میں کچھ سوچ سمجھ پیدا کرے۔ ﴿۱۱۳﴾

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع

ایسی ہی اُونچی شان ہے اللہ کی، جو سلطنت کا حقیقی مالک ہے! اور (اے پیغمبر!) جب قرآن وحی کے ذریعے نازل ہو رہا ہو تو اُس کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو، (٤٧) اور یہ دُعا کرتے رہا کرو کہ: "میرے پروردگار! مجھے علم میں اور ترقی عطا فرما۔" (٤٨) ﴿١١٤﴾

اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر اُن سے بھول ہوگئی، اور ہم نے اُن میں عزم نہیں پایا۔ (٤٩) ﴿١١٥﴾

---

(٤٧) جب حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآنِ کریم کی آیتیں وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے، تو آپ اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، ساتھ ساتھ اُن آیتوں کو دُہراتے رہتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ اس آیت میں آپ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کو یہ محنت اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی قرآنِ کریم کو آپ کے سینۂ مبارک میں محفوظ فرمادے گا۔ یہی بات سورۂ قیامہ (٧٥:١٦-١٨) میں بھی فرمائی گئی ہے۔

(٤٨) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُعا کی تلقین فرما کر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، اور اِنسان کو علم کے کسی بھی درجے پر قناعت کر کے نہیں بیٹھنا چاہیے، بلکہ ہر وقت علم میں ترقی کی کوشش اور دُعا کرتے رہنا چاہیے۔ اس دُعا میں یادداشت کی قوت کی دُعا بھی شامل ہے، اور معلومات کی زیادتی اور ان کی صحیح سمجھ کی بھی۔

(٤٩) جس تاکید کا یہاں ذکر ہے، اُس سے مراد ایک خاص درخت کا پھل نہ کھانے کی تاکید ہے۔ اس واقعے کی تفصیل اور اس سے متعلق سوالات کا جواب سورۂ بقرہ (٢:٣٤ تا ٣٩) میں گذر چکا ہے۔ اور یہاں آدم علیہ السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان میں عزم نہیں پایا، اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ؕ أَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، البتہ ابلیس تھا جس نے انکار کیا۔ ﴿۱۱٦﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ: ''اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دُشمن ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔(۵۰) ﴿۱۱۷﴾ یہاں تو تمہیں یہ فائدہ ہے کہ نہ تم بھوکے ہوگے، نہ ننگے، ﴿۱۱۸﴾ اور نہ یہاں پیاسے رہوگے، نہ دُھوپ میں تپوگے۔'' ﴿۱۱۹﴾ پھر شیطان نے اُن کے دِل میں وسوسہ ڈالا۔ کہنے لگا: ''اے آدم! کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت بتاؤں جس سے جاودانی زندگی اور وہ بادشاہی حاصل ہوجاتی ہے جو کبھی پرانی نہیں پڑتی؟''(۵۱) ﴿۱۲۰﴾

بیان فرمایا ہے کہ ان سے درخت کا پھل کھانے کے سلسلے میں جو غلطی ہوئی، اُس میں ان کے عزم کو دخل نہیں تھا، یعنی انہوں نے نافرمانی کے ارادے سے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ان سے بھول ہوگئی۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اُن میں ایسا پختہ عزم نہیں تھا کہ شیطان کے بہکائے میں نہ آتے۔ اس سے انسان کی اُس سرشت کی طرف اشارہ ہے جس میں شیطان اور نفس کے بہکائے میں آنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چونکہ قرآنِ کریم نے عزم کی نفی کو بھول ہوجانے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، اس لئے یہاں پہلے معنی زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۰) اس آیت کو اگلی آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جنت میں تو تمہیں زندگی کی ساری ضروریات یعنی خوراک، کپڑا اور رہنے کے لئے گھر بغیر کسی محنت کے حاصل ہے۔ جنت سے نکل گئے تو ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت اُٹھانی پڑے گی۔

(۵۱) ساتھ ہی شیطان نے یہ تاویل بھی سجھائی کہ اس درخت کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ اس لئے تھی کہ تم میں اُس وقت اس درخت کا پھل کھانے کی طاقت نہیں تھی۔ اب ایک عرصہ گذر جانے کے بعد یہ رُکاوٹ باقی نہیں رہی۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

چنانچہ ان دونوں نے اُس درخت میں سے کچھ کھالیا جس سے اُن دونوں کے شرم کے مقامات اُن کے سامنے کھل گئے، اور وہ دونوں جنت کے پتوں کو اپنے اُوپر گانٹھنے لگے۔ اور (اس طرح) آدم نے اپنے ربّ کا کہا ٹالا، اور بھٹک گئے۔ (۵۲) ﴿۱۲۱﴾ پھر اُن کے ربّ نے اُنہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی، اور انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ ﴿۱۲۲﴾ اللہ نے فرمایا: "تم دونوں کے دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دُشمن ہوگے۔ (۵۳) پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوگا۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اُس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔ (۵۴) ﴿۱۲۴﴾

(۵۲) سورۂ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اِجتہادی غلطی تھی جس کی حقیقت اُوپر آیت نمبر ۱۱۵ میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن سے بھول ہوگئی، اور اِجتہادی غلطی اور بھول میں جو کام کیا جاتا ہے، وہ گناہ نہیں ہوتا، لیکن چونکہ پیغمبروں کی شان بہت بلند ہوتی ہے، اس لئے ان سے اس قسم کی اِجتہادی غلطی کا سرزد ہونا بھی ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا، اس لئے اُسے حکم ٹالنے اور بھٹکنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر بھی توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۵۳) یعنی انسان اور شیطان ایک دوسرے کے دُشمن ہوں گے۔

(۵۴) جب قبر سے اُٹھا کر حشر کی طرف لائے جائیں گے، اُس وقت تو یہ لوگ اندھے ہوں گے، لیکن بعد میں انہیں بینائی دے دی جائے گی، جیسا کہ سورۂ کہف (۱۸:۵۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھیں گے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيٓ أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسٰكِنِهِمْ ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِأُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى ﴿۱۲۹﴾

وہ کہے گا کہ: "یا ربّ! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا، حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا؟" ﴿۱۲۵﴾ اللہ کہے گا: "اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، مگر تو نے اُنہیں بھلا دیا۔ اور آج اُسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا۔" ﴿۱۲۶﴾
اور جو شخص حد سے گذر جاتا ہے، اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا، اُسے ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں، اور آخرت کا عذاب واقعی زیادہ سخت اور زیادہ دیر رہنے والا ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ پھر کیا ان لوگوں کو اس بات نے بھی کوئی ہدایت کا سبق نہیں دیا کہ ان سے پہلے کتنی نسلیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، جن کی بستیوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے بھی ہیں؟ یقیناً جن لوگوں کے پاس عقل ہے، اُن کے لئے اس بات میں عبرت کے بڑے سامان ہیں۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اگر تمہارے ربّ کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، اور (اس کے نتیجے میں عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہوتی، تو لازمی طور پر عذاب (ان کو) چمٹ چکا ہوتا۔(۵۵) ﴿۱۲۹﴾

(۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کافروں کو عذاب دینے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور یہ طے کر رکھا ہے کہ اُس سے پہلے ان کو مہلت دی جائے گی۔ اس لئے ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا ہے۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کے کرتوت ایسے تھے کہ ان کو فوری طور پر عذاب آچمٹتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے غروب سے پہلے اپنے ربّ کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔(۵۶) ﴿۱۳۰﴾ اور دُنیوی زندگی کی اُس بہار کی طرف آنکھیں اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کے لئے دے رکھی ہے، تاکہ ہم ان کو اُس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے ربّ کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اُس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے،(۵۷) رزق تو ہم تمہیں دیں گے۔ اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ ﴿۱۳۲﴾

(۵۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف جو بے ہودہ باتیں کرتے ہیں، ان کا جواب دینے کے بجائے ان پر صبر کرتے رہئے، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہئے جس کا بہترین طریقہ نماز پڑھنا ہے، چنانچہ سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز اور غروب سے پہلے عصر کی نماز اور رات میں عشاء اور تہجد کی نماز اور دن کے کناروں پر مغرب کی نماز کا اہتمام کرتے رہئے۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر آپ خوش ہو جائیں گے، ایک تو اس لئے کہ اس پر آپ کو جو اَجر ملنے والا ہے، وہ انتہائی عظیم الشان ہے، اور دوسرے یہی طرزِ عمل آخرکار دُشمنوں پر آپ کی فتح کا ضامن ہے، اور تیسرے اس لئے کہ آپ کو اُمت کی شفاعت کا مقام حاصل ہوگا تو اُمت کی نجات سے آپ کو خوشی ہوگی۔

(۵۷) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دُنیا میں آقا اپنے غلاموں کو معاشی مشغلے میں لگا کر ان کی آمدنی

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

ع ۸ / ۱۷

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''یہ (نبی) ہمارے پاس اپنے ربّ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟'' بھلا کیا ان کے پاس پچھلے (آسمانی) صحیفوں کے مضامین کی گواہی نہیں آگئی؟ (۵۸) ﴿۱۳۳﴾ اور اگر ہم انہیں اس (قرآن) سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کردیتے تو یہ لوگ کہتے کہ: ''ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا، تاکہ ہم ذلیل اور رُسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے؟'' ﴿۱۳۴﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ''(ہم) سب انتظار کررہے ہیں، لہٰذا تم بھی انتظار کرو (۵۹)'' کیونکہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ سیدھے راستے والے لوگ کون ہیں، اور کون ہیں جو ہدایت پاگئے ہیں؟ ﴿۱۳۵﴾

سے رزق حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری اس طرح کی بندگی سے بے نیاز ہے، اس کے بجائے وہ خود تمہیں رزق دینے کا وعدہ کرچکا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں کی کہ تم اپنا رزق خود پیدا کرو۔ تم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرتے ہو، وہ یہ کہ اسباب کو اختیار کرلیتے ہو، مثلاً زمین میں بیج بودیتے ہو، لیکن اُس بیج سے دانہ اُگانے کا کام ہم نے تم پر نہیں رکھا، بلکہ ہم خود اُس سے وہ پیداوار پیدا کرتے ہیں جو تمہیں رزق مہیا کرتی ہے۔

(۵۸) اس سے مراد قرآنِ کریم ہے، اور آیت کی تشریح دو طرح کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی پیشین گوئی پچھلے آسمانی صحیفوں میں موجود تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صحیفوں نے قرآنِ کریم کی حقانیت کی گواہی دی تھی، اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرآنِ کریم پچھلے آسمانی صحیفوں کے مضامین کی تصدیق کرکے ان کی گواہی دے رہا ہے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زبان مبارک پر یہ کلام جاری ہوا

ہے، وہ اُمّی ہیں، اور ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ پچھلی کتابوں کا علم حاصل کرسکتے۔ اب جو ان آسمانی کتابوں کے مضامین ان کی زبان پر جاری ہورہے ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں، اور قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اور کیا نشانی چاہتے ہو؟

(۵۹) یعنی دلیلیں اور حجتیں تو ساری تمام ہوچکیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا تم بھی انتظار کرو، اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ وہ وقت دُور نہیں جب ہر شخص کے سامنے دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ ہوکر واضح ہوجائے گا۔

الحمدللہ! سورۂ طٰہٰ کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۷/دسمبر ۲۰۰۶ء - ۵/ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ دبی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس سورت کا بیشتر کام بحرین، دبی، لاہور اور اسلام آباد کے سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الأنبيآء

تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اِثبات ہے، اور ان عقائد کے خلاف کفارِ مکہ جو اِعتراضات اُٹھایا کرتے تھے، سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ان لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا، اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے، اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد ہیں۔ انبیائے کرام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔

ایاتها ۱۱۲ ۲۱ سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ ۷۳ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے، اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں! ﴿۱﴾ جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنا بنا کر اس حالت میں سنتے ہیں ﴿۲﴾ کہ ان کے دِل فضولیات میں منہمک ہوتے ہیں۔ اور یہ ظالم چپکے چپکے (ایک دوسرے سے) سرگوشی کرتے ہیں کہ: "یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمہی جیسا ایک انسان نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا پھر بھی تم سوجھتے بوجھتے جادو کی بات سننے جاؤ گے؟" ﴿۳﴾ پیغمبر نے (جواب میں) کہا کہ: "آسمان اور زمین میں جو کچھ کہا جاتا ہے، میرا پروردگار اُس سب کو جانتا ہے۔ وہ ہر بات سنتا ہے، ہر چیز سے باخبر ہے۔"(۱) ﴿۴﴾

(۱) جو باتیں یہ کافر لوگ خفیہ طور پر کیا کرتے تھے، بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعے اُن سے باخبر ہو کر وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے، اس بات کو وہ لوگ جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ جادو نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی وحی ہے جو زمین و آسمان میں کہی ہوئی ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٥ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨

یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ: ''یہ (قرآن) بے جوڑ خوابوں کا مجموعہ ہے، بلکہ یہ ان صاحب نے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ ایک شاعر ہیں۔ بھلا یہ ہمارے سامنے کوئی نشانی تو لے آئیں جیسے پچھلے پیغمبر (نشانیوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے!'' ﴿۵﴾ حالانکہ ان سے پہلے جس کسی بستی کو ہم نے ہلاک کیا، وہ ایمان نہیں لائی، اب کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟[۲] ﴿۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی اور کو نہیں، آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ لہٰذا (کافروں سے کہو کہ) اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔[۳] ﴿۷﴾ اور ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم بنا کر پیدا نہیں کر دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ ﴿۸﴾

(۲) نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ان کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ نت نئے معجزوں کے مطالبات کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پچھلی قوموں نے بھی ایسے مطالبات کئے تھے، لیکن جب ان کو ان کی فرمائش کے مطابق معجزات دِکھائے گئے تب بھی وہ ایمان نہیں لائے جس کے نتیجے میں انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے فرمائشی معجزے دیکھنے کے بعد ایمان نہیں لائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ابھی اللہ تعالیٰ کو ان کی فوری ہلاکت منظور نہیں ہے۔

(۳) نصیحت کا علم رکھنے والوں سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ یعنی اگر تمہیں خود پچھلے پیغمبروں کا علم نہیں ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو، وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ تمام انبیائے کرام انسانوں ہی میں سے آئے ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ؕ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾

پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے سچا کر دِکھایا کہ ان کو بھی بچالیا، اور (ان کے علاوہ) جن کو ہم نے چاہا ان کو بھی، اور جو لوگ حد سے گذر چکے تھے، انہیں ہلاک کر دیا۔﴿۹﴾ (اب) ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔[۴] کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟﴿۱۰﴾ اور ہم نے کتنی بستیوں کو پیس ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔﴿۱۱﴾ چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو وہ ایک دم وہاں سے بھاگنے لگے۔﴿۱۲﴾ (ان سے کہا گیا:) ''بھاگو مت، اور واپس جاؤ اپنے انہی مکانات اور اسی عیش وعشرت کے سامان کی طرف جس کے مزے تم لوٹ رہے تھے، شاید تم سے کچھ پوچھا جائے۔''[۵] ﴿۱۳﴾

(۴) اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: ''ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے ہی ذکرِ خیر کا سامان ہے'' اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب عربی زبان میں نازل کی گئی ہے جس کے براہِ راست مخاطب تم عرب لوگ ہو، اور یہ تمہارے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری کلام تم پر تمہاری زبان میں نازل فرمایا، اور اس سے رہتی دُنیا تک دُنیا کی ساری قوموں میں تمہارا ذکرِ خیر جاری رہے گا۔

(۵) یہ بات اُن سے طنز کے طور پر کہی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے عیش وعشرت میں منہمک تھے تو تمہارے نوکر چاکر تم سے پوچھا کرتے تھے کہ ''کیا حکم ہے؟'' اب ذرا اپنے گھروں میں واپس جا کر دیکھو، شاید تمہارے نوکر چاکر تم سے تمہارا حکم پوچھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اب نہ تمہیں اپنے گھروں کا کوئی نشان ملے گا، نہ عیش وعشرت کے سامان کا، اور نہ ان نوکروں کا جو تمہارے اَحکام کے منتظر رہا کرتے تھے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

وہ کہنے لگے: ''ہائے ہماری کم بختی! سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ ہی ظالم تھے۔'' ﴿۱۴﴾ ان کی یہی پکار جاری رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایک کٹی ہوئی کھیتی، ایک بجھی ہوئی آگ بنا کر رکھ دیا۔ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اُس کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ہم کوئی کھیل کرنا چاہتے ہوں۔(۶) ﴿۱۶﴾ اگر ہمیں کوئی کھیل بنانا ہوتا تو ہم خود اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔(۷) ﴿۱۷﴾ بلکہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اُس کا سر توڑ ڈالتا ہے، اور وہ ایک دم ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔(۸) اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن کی وجہ سے خرابی تمہاری ہی ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۶) جو لوگ دُنیا کے بعد آخرت کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، درحقیقت اُن کے دعوے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی کسی مقصد کے بغیر ایک کھیل بنا کر پیدا کر دی ہے، اور جو کچھ اس دُنیا میں ہو رہا ہے، اُس کا کوئی نتیجہ بعد میں ظاہر ہونے والا نہیں ہے، نہ کسی شخص کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ ملے گا، اور نہ کسی ظالم اور بدکار کو اُس کے گناہ کی سزا ملے گی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت بہت بڑی گستاخی ہے۔

(۷) یعنی اوّل تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور کرنا حماقت ہے کہ وہ کوئی کھیل کرنا چاہتا ہے، دوسرے اگر بفرضِ محال اُسے کوئی دِل لگی کرنی ہوتی تو اُس کے لئے کائنات کا یہ سارا کارخانہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ اپنے پاس ہی سے کوئی مشغلہ بنا سکتا تھا۔

(۸) یعنی کھیل دِل لگی ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم تو جو کام کرتے ہیں، وہ حق ہی حق ہوتا ہے، اور اُس کے مقابلے میں باطل آتا ہے تو حق ہی کے ذریعے اُس کا توڑ کیا جاتا ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو لوگ بھی ہیں، اللہ کے ہیں۔ اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اُس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾ وہ رات دن اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور سست نہیں پڑتے۔ ﴿۲۰﴾

بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں سے ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو نئی زندگی دیتے ہیں؟[9] ﴿۲۱﴾ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔[10] لہٰذا عرش کا مالک اللہ اُن باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾

---

(۹) اکثر مفسرین نے نئی زندگی دینے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن دیوتاؤں کو انہوں نے خدا بنا رکھا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر ہیں کہ مُردوں کو نئی زندگی دے سکیں؟ اگرچہ مشرکینِ عرب مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں تھے، لیکن جب کسی ذات کو خدا مان لیا تو اُس کا منطقی تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اُس ذات کو نئی زندگی دینے پر بھی قدرت حاصل ہو، تو کیا یہ لوگ بتوں کو ایسا قادر مانتے ہیں؟ لیکن بعض مفسرین نے یہاں نئی زندگی دینے کا مطلب یہ لیا ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوتا زمین کو نئی زندگی دیتے ہیں جس سے وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے، کیونکہ ان میں سے بعض کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کا خدا کوئی اور ہے، اور زمین کا کوئی اور، اللہ تعالیٰ کی خدائی تو آسمان پر ہے، اور زمین کا سارا انتظام یہ دیوتا کرتے ہیں۔

(۱۰) یہ توحید کی ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا مستقل خدائی کا حامل ہوتا، اور کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا۔ اس صورت میں ان کے فیصلوں کے درمیان اختلاف بھی ہو سکتا تھا۔ اب اگر ایک خدا نے ایک فیصلہ کیا، اور دوسرے خدا نے دوسرا فیصلہ تو یا تو اُن میں سے ایک دوسرے کے آگے ہار مان لیتا، تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوا جو کسی سے ہار مان لے، یا دونوں اپنے اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے، اُس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور اِن سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ ﴿۲۳﴾ بھلا کیا اُسے چھوڑ کر انہوں نے دوسرے خدا بنا رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ''لاؤ اپنی دلیل!'' یہ (قرآن) بھی موجود ہے جس میں میرے ساتھ والوں کے لئے نصیحت ہے، اور وہ (کتابیں) بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے نصیحت تھی۔(۱۱) لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق بات کا یقین نہیں کرتے، اس لئے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ: ''میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا میری عبادت کرو۔'' ﴿۲۵﴾

زور لگاتے تو متضاد فیصلوں کی تنفیذ سے آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اسی دلیل کی ایک دوسری تشریح یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین کے لئے الگ الگ خدا مانتے ہیں، اُن کا یہ عقیدہ اس لئے بالکل باطل ہے کہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ پوری کائنات ایک ہی مربوط نظام میں بندھی ہوئی ہے۔ چاند، سورج اور ستاروں سے لے کر دریاؤں، پہاڑوں اور زمین کی نباتات اور جمادات تک سب میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان سب کو ایک ہی ارادے، ایک ہی مشیت اور ایک ہی منصوبہ بندی نے کام پر لگا رکھا ہے۔ اگر آسمان اور زمین کے خدا الگ الگ ہوتے تو کائنات میں اس ربط اور ہم آہنگی کا فقدان ہوتا، جس کے نتیجے میں یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایک عقلی دلیل تو پچھلی آیت میں بیان فرمادی گئی ہے جس کی تشریح اُوپر کے حاشیے میں گذری۔ اب اس آیت میں نقلی دلیل بیان کی جارہی ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توحید کے عقیدے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''خدائے رحمٰن (فرشتوں کی شکل میں) اولاد رکھتا ہے۔''[۱۲] سبحان اللہ! بلکہ (فرشتے تو اللہ کے) بندے ہیں جنہیں عزت بخشی گئی ہے۔ ﴿۲۶﴾ وہ اُس سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے، اور وہ اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿۲۷﴾ وہ اُن کی تمام اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، سوائے اُس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو، اور وہ اُس کے خوف سے سہمے رہتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اور اگر اُن میں سے کوئی (بالفرض) یہ کہے کہ: ''اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں'' تو اُس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ایسے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۲۹﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا اُنہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے اُنہیں کھول دیا،[۱۳]

پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اس قرآنِ کریم کے علاوہ جتنی کتابیں پچھلی قوموں پر نازل کی گئیں، اُن سب میں یہی عقیدہ بیان ہوا ہے۔

(۱۲) اہلِ عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(۱۳) اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں آسمان کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمین کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی، اور ان دونوں کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، اور زمین سے سبزیاں اُگنے لگیں۔ یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور یک جان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے؟[۱۴] کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ﴿۳۰﴾ اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کئے ہیں، تاکہ وہ اُنہیں لے کر ملنے نہ پائے،[۱۵] اور اُس میں ہم نے چوڑے چوڑے راستے بنائے ہیں، تاکہ وہ منزل تک پہنچ سکیں۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا ہے،[۱۶] اور یہ لوگ ہیں کہ اُس کی نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کئے۔ سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں۔[۱۷] ﴿۳۳﴾

---

(۱۴) اس آیت نے واضح کردیا ہے کہ ہر جان دار چیز کی تخلیق میں پانی کا کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہے۔

(۱۵) یہ حقیقت قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ جب زمین کو بچھایا گیا تو وہ ہلتی تھی، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کر کے اُس پر جمائے تو اُس کو قرار حاصل ہوا۔ جدید سائنس نے بھی صدیوں کے بعد یہ پتہ لگایا ہے کہ بڑے بڑے براعظم اب بھی بہت سست رفتار سے سمندر کے پانی پر سرکتے رہتے ہیں، مگر اب ان کی رفتار اتنی دھیمی ہے کہ عام آنکھیں ان کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

(۱۶) یعنی وہ گرنے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی محفوظ ہے، اور شیطانوں کی دست برد سے بھی۔

(۱۷) قرآنِ کریم میں اصل لفظ "فلک" ہے جو عربی زبان میں گول دائرے کو کہتے ہیں۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے، اُس وقت فلکیات میں یہ بطلیموسی نظریہ دُنیا پر چھایا ہوا تھا کہ چاند سورج اور دوسرے سیارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اور آسمان کی گردش کے ساتھ وہ سیارے بھی گردش کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ اختیار فرمائے، وہ اس بطلیموسی نظریے پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتے۔ اس کے بجائے اس آیت کے مطابق ہر سیارے کا اپنا مدار ہے جس میں وہ "تیر رہا ہے"۔ تیرنے کا لفظ بطورِ خاص قابلِ توجہ ہے، جو خلا میں تیرنے پر زیادہ صادق آتا ہے۔ سائنس اس حقیقت تک بھی بہت بعد میں پہنچی ہے کہ سیارے خلا میں تیر رہے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَھٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی ہمیشہ زندہ رہنا ہم نے کسی فرد بشر کے لئے طے نہیں کیا۔(۱۸) چنانچہ اگر تمہارا انتقال ہوگیا تو کیا یہ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں؟ ﴿۳۴﴾ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں آزمانے کے لئے بری بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تم سب ہمارے پاس ہی لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو اس کے سوا اُن کا کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ تمہارا مذاق بنانے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ''کیا یہی صاحب ہیں جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتے ہیں؟ (یعنی یہ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں)'' حالانکہ ان (کافروں) کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ خدائے رحمٰن ہی کا ذکر کرنے سے انکار کئے بیٹھے ہیں!(۱۹) ﴿۳۶﴾

(۱۸) سورۂ طور (۵۲: ۳۰) میں مذکور ہے کہ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ ہم ان کی موت کا انتظار کررہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے انتقال کے موقع پر وہ خوشی منائیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اوّل تو موت ہر شخص کو آنی ہے، اور کیا خود یہ خوشی منانے والے موت سے بچ جائیں گے؟

(۱۹) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی خدائی کی کوئی حقیقت نہیں، اس پر یہ لوگ عیب لگاتے ہیں کہ آپ ہمارے خداؤں کا برائی سے ذکر کررہے ہیں، لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا نام ''رحمٰن'' ذکر کرتے ہیں تو یہ اُس کا انکار کرتے ہیں کہ: ''رحمٰن کیا ہوتا ہے؟'' دیکھئے سورۂ فرقان (۲۵: ۶۰)۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

انسان جلد بازی کی خصلت لے کر پیدا ہوا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دِکھلا دُوں گا، لہٰذا تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔[20] ﴿۳۷﴾ اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ''اگر تم سچے ہو تو آخر یہ (عذاب کی) دھمکی کب پوری ہوگی؟'' ﴿۳۸﴾ کاش ان کافروں کو اُس وقت کی کچھ خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دُور کرسکیں گے، اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ ان کو کوئی مدد میسر آئے گی۔ ﴿۳۹﴾ بلکہ وہ (آگ) ان کے پاس ایک دم آدھمکے گی، اور ان کے ہوش وحواس گم کر کے رکھ دے گی، پھر نہ یہ اُسے پیچھے ہٹا سکیں گے، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اُڑایا گیا تھا، پھر اُن کا مذاق بنانے والوں کو اُسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ﴿۴۱﴾ کہہ دو کہ: ''کون ہے جو رات میں اور دن میں خدائے رحمٰن (کے عذاب سے) سے تمہارا بچاؤ کرے؟'' مگر وہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

---

(۲۰) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو یہ لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی لے آؤ۔ ان آیتوں میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا ؕ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَا هُمۡ مِّنَّا یُصۡحَبُوۡنَ ﴿۴۳﴾ بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمۡ حَتّٰی طَالَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُکُمۡ بِالۡوَحۡیِ ۫ۖ وَ لَا یَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنۡذَرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّکَ لَیَقُوۡلُنَّ یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۴۶﴾

بھلا کیا ان کے پاس ہمارے سوا کوئی ایسے خدا ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ﴿۴۳﴾ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آبا وٴ اجداد کو سامانِ عیش عطا کیا، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان پر ایک عمر گذر گئی۔(۲۱) بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو اس کے مختلف کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔(۲۲) پھر کیا وہ غالب آجائیں گے؟ ﴿۴۴﴾ کہہ دو کہ: ''میں تو تمہیں وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں'' لیکن بہرے لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ کوئی پکار نہیں سنتے۔ ﴿۴۵﴾ اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی انہیں چھو جائے تو یہ کہہ اُٹھیں گے کہ: ''ہائے ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔'' ﴿۴۶﴾

---

(۲۱) یعنی ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو عیش و عشرت کا جو سامان دے دیا تھا، اُس سے وہ لمبے عرصے تک مزے اُڑاتے رہے، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ ان کا حق ہے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ اس غرور میں مبتلا ہو کر وہ حق کے انکار پر آمادہ ہو گئے۔

(۲۲) یہ وہی بات ہے جو سورۂ رعد (۱۳:۴۱) میں بھی گذری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف سے شرک اور مشرکین کا اثر و رسوخ گھٹتا چلا جا رہا ہے، اور اِسلام اور مسلمانوں کے اثرات بڑھ رہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی،(۲۳) چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا، تو ہم اُسے سامنے لے آئیں گے۔ اور حساب لینے کے لئے ہم کافی ہیں۔ ﴿۴۷﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کا ایک معیار، (ہدایت کی) ایک روشنی اور اُن متقی لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان عطا کیا تھا ﴿۴۸﴾ جو دیکھے بغیر اپنے پروردگار سے ڈریں، اور جن کو قیامت کی گھڑی کا خوف لگا ہوا ہو۔ ﴿۴۹﴾ اور اب یہ (قرآن) برکتوں والا پیغام نصیحت ہے جو ہم نے نازل کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم اسے ماننے سے انکار کرتے ہو؟ ﴿۵۰﴾

(۲۳) اس آیت نے واضح فرمایا ہے کہ قیامت کے دن صرف یہی نہیں کہ تمام لوگوں سے انصاف ہوگا، بلکہ اس بات کا بھی اہتمام کیا جائے گا کہ انصاف سب لوگوں کو آنکھوں سے نظر آئے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی ترازویں برسرِ عام نصب فرمائیں گے جن میں انسانوں کے اعمال کو تولا جائے گا، اور اعمال کے وزن کے حساب سے انسانوں کے انجام کا فیصلہ ہوگا۔ انسان جو عمل بھی کرتا ہے، اس دُنیا میں اگرچہ ان کا نہ کوئی جسم نظر آتا ہے، اور نہ ان میں کسی وزن کا احساس ہوتا ہے، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرنے کی ایسی صورت پیدا فرمائیں گے جن سے ان اعمال کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اگر انسان سردی گرمی جیسی چیزوں کو تولنے کے لئے نئے نئے آلات ایجاد کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان اعمال کو تولنے کا عملی مظاہرہ فرما دیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو وہ سمجھ بوجھ عطا کی تھی جو اُن کے لائق تھی، اور ہم اُنہیں خوب جانتے تھے۔ ﴿۵۱﴾ وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''یہ کیا مورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو؟'' ﴿۵۲﴾ وہ بولے کہ: ''ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔'' ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: ''حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو۔'' ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا: ''کیا تم ہم سے سچ مچ کی بات کر رہے ہو، یا دِل لگی کر رہے ہو؟''(۲۴) ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: ''نہیں، بلکہ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، جس نے یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں، اور لوگو! میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں۔ ﴿۵۶﴾ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک (ایسا) کام کروں گا (جس سے ان کی حقیقت کھل جائے گی)۔'' ﴿۵۷﴾

(۲۴) انہیں چونکہ توقع نہیں تھی کہ کوئی ان کے بتوں کے بارے میں ایسی بات کہہ سکتا ہے، اس لئے شروع میں انہیں یہ شک ہوا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام سنجیدگی سے نہیں، بلکہ مذاق کے طور پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ؕ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ؕ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

چنانچہ ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تاکہ وہ لوگ اُن کی طرف رُجوع کریں۔ (٢٥) ﴿٥٨﴾ وہ کہنے لگے کہ: ''ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔'' ﴿٥٩﴾ کچھ لوگوں نے کہا: ''ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان بتوں کے بارے میں باتیں بنایا کرتا ہے، اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔'' ﴿٦٠﴾ انہوں نے کہا: ''تو پھر اُس کو سب لوگوں کے سامنے لے کر آؤ، تاکہ سب گواہ بن جائیں۔'' ﴿٦١﴾ (پھر جب ابراہیم کو لایا گیا تو) وہ بولے: ''ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے؟'' ﴿٦٢﴾ ابراہیم نے کہا: ''نہیں، بلکہ یہ حرکت اُن کے اس بڑے سردار نے کی ہے، اب انہی بتوں سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے ہوں۔'' (٢٦) ﴿٦٣﴾

---

(٢٥) جیسا کہ سورۂ صافات (٣٧: ٨٨-٨٩) میں آنے والا ہے، وہ کوئی جشن کا دن تھا جس میں ساری قوم شہر چھوڑ کر کہیں جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی، اور جب سارے لوگ چلے گئے تو بت خانے میں جا کر سارے بتوں کو توڑ ڈالا، صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کلہاڑی بھی اُس کی گردن میں لٹکا کر چھوڑ دی۔ اس عمل سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھ سکیں، اور یہ سوچیں کہ جو بت خود اپنا دِفاع نہیں کر سکتے، وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے۔ بڑے بت کو چھوڑنے کی مصلحت اس سوال وجواب سے واضح ہوگی جو آیت نمبر ٦٣ میں آگے آرہا ہے۔

(٢٦) یہ درحقیقت ان کے عقیدے پر ایک طنز تھا، وہ لوگ چونکہ بتوں کو بڑے اختیارات کا مالک سمجھتے تھے، اور

فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوۡٓا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۟ۙ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾

اس پر وہ لوگ اپنے دِل میں کچھ سوچنے لگے، اور (اپنے آپ سے) کہنے لگے کہ: ''سچی بات تو یہی ہے کہ تم خود ظالم ہو۔'' ﴿۶۴﴾ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لئے، اور کہا: ''تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔''(۲۷) ﴿۶۵﴾ ابراہیم نے کہا: ''بھلا بتاؤ کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ پہنچاتی ہیں نہ نقصان؟ ﴿۶۶﴾ تف ہے تم پر بھی، اور اُن پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ بھلا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہیں؟'' ﴿۶۷﴾

بڑا بت بنانے کا مقصد یہی تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کے لئے سردار کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اس طنز سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جب تم اس بڑے بت کو بتوں کا سردار سمجھتے ہو، اور سردار اپنے ماتحتوں کا محافظ ہوا کرتا ہے، اس لئے اگر کسی اور شخص نے چھوٹے بتوں کو توڑا ہوتا تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ سردار اُسے ایسا کرنے نہ دیتا، لہٰذا یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اور شخص بتوں کی یہ گت بنائے، اور ان کا یہ سردار چپ چاپ دیکھتا رہے، اب تمہارے اعتقاد کے مطابق ایک ہی احتمال رہ جاتا ہے کہ خود یہ سردار ہی ان سے ناراض ہو گیا ہو، اور اسی نے ان کو توڑ پھوڑ ڈالا ہو۔ چونکہ یہ واضح طور پر ایک طنز تھا، اس لئے اس میں غلط بیانی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ چھوٹے بت بھی ان کے عقیدے کے مطابق چھوٹے ہونے کے باوجود خدا ہی تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں اتنی طاقت تو ہونی چاہئے کہ جو واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا ہے، کم از کم وہ تمہیں بتا سکیں، اس لئے انہی سے پوچھ کر دیکھ لو کہ کیا قصہ ہوا تھا۔

(۲۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی حقیقت بتانے کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا، اُس نے انہیں کم از کم اپنے دِل میں سوچنے پر مجبور کر دیا، اور اُن کے دِل نے گواہی دی کہ قصور دراصل ہمارا ہی ہے۔ لیکن مدتوں سے جمے ہوئے عقیدے کو چھوڑنے کی جرأت نہ ہوئی، لاجواب ہو کر سر تو جھکا دیا، لیکن کہا یہ کہ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو، اور ہم بھی پہلے سے جانتے ہیں کہ یہ بت بولتے نہیں ہیں۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾

وہ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: ''آگ میں جلا ڈالو اس شخص کو، اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم میں کچھ کرنے کا دَم خم ہے۔'' ﴿۶۸﴾ (چنانچہ انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا، اور) ہم نے کہا: ''اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔''(۲۸) ﴿۶۹﴾ اُن لوگوں نے ابراہیم کے لئے برائی کا منصوبہ بنایا تھا، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُنہی کو بری طرح ناکام کر دیا۔ ﴿۷۰﴾ اور ہم اُنہیں اور لوط کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔(۲۹) ﴿۷۱﴾ اور ہم نے اُن کو اِنعام کے طور پر اِسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا۔ ﴿۷۲﴾

---

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ معجزہ دِکھایا کہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا سبب بن گئی۔ جو لوگ معجزات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، ان کا موقف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک کرنے کے مرادف ہے۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ پر اِیمان ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آگ میں جلانے کی خاصیت اُسی نے پیدا فرمائی ہے، اگر وہ اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو دُشمنوں کے ظلم سے بچانے کے لئے اُس کی یہ خاصیت ختم کر دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۲۹) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور سورۂ عنکبوت (۲۶:۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے تنہا وہی ان پر اِیمان لائے تھے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈالنے کی سازش ناکام ہو گئی تو نمرود نے مرعوب ہو کر ان سے تعرض نہیں کیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بھتیجے کو لے کر عراق سے شام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر شام اور فلسطین کے علاقے کو برکتوں والا علاقہ قرار دیا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ
وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ
الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾
وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور ان سب کو ہم نے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے وحی کے ذریعے انہیں نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی تھی، اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔ ﴿٧٣﴾ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا، اور انہیں اُس بستی سے نجات دی جو گندے کام کرتی تھی۔[(٣٠)] حقیقت میں وہ بہت برائی والی نافرمان قوم تھی۔ ﴿٧٤﴾ اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کرلیا، وہ یقیناً نیک لوگوں میں سے تھے۔ ﴿٧٥﴾ اور نوح کو بھی (ہم نے حکمت اور علم عطا کیا)، وہ وقت یاد کرو جب اس واقعے سے پہلے اُنہوں نے ہمیں پکارا، تو ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی بھاری مصیبت سے بچالیا۔ ﴿٧٦﴾ اور جس قوم نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اُس کے مقابلے میں اُن کی مدد کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت برے لوگ تھے، اس لئے ہم نے اُن سب کو غرق کردیا۔ ﴿٧٧﴾

---

(٣٠) یوں تو یہ قوم بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھی، لیکن ان کی جس گھناؤنی حرکت کا قرآنِ کریم نے خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ ہم جنس پرستی یعنی مردوں کا مردوں سے جنسی لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ سورۂ ہود (١١: ٧٧-٨٣) میں گذر چکا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور داود اور سلیمان (کو بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، کیونکہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اُس کھیت میں جا گھسی تھیں،(۳۱) اور ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ ہوا اُسے ہم خود دیکھ رہے تھے۔ ﴿۷۸﴾ چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔(۳۲) اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو تابع دار بنا دیا تھا کہ وہ پرندوں کو ساتھ لے کر تسبیح کریں،(۳۳) اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے۔ ﴿۷۹﴾

اور ہم نے اُنہیں تمہارے فائدے کے لئے ایک جنگی لباس (یعنی زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہیں لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔(۳۴) اب بتاؤ کہ کیا تم شکر گذار ہو؟ ﴿۸۰﴾ اور ہم نے تیز چلتی ہوئی ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا جو اُن کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔(۳۵) اور ہمیں ہر ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۸۱﴾

---

(۳۱) واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک شخص کی بکریوں نے رات کے وقت دوسرے کے کھیت میں گھس کر ساری فصل تباہ کر دی تھی۔ کھیت والا مقدمہ لے کر حضرت داود علیہ السلام کے پاس آیا، حضرت داود علیہ السلام نے فیصلہ یہ فرمایا

کہ بکریوں کے مالک کا فرض تھا کہ وہ رات کے وقت بکریوں کو باندھ کر رکھتا، اور چونکہ اُس کی غلطی سے کھیت والے کا نقصان ہوا، اس لئے بکری والا اپنی اتنی بکریاں کھیت والے کو دے جو قیمت میں تباہ ہونے والی فصل کے برابر ہوں۔ یہ فیصلہ عین شریعت کے مطابق تھا، لیکن جب یہ لوگ باہر نکلنے لگے تو دروازے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ میرے والد نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتادیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایک اور صورت آرہی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اُن کی یہ بات سن لی تو انہیں بلا کر پوچھا کہ وہ کیا صورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکری والا کچھ عرصے کے لئے اپنی بکریاں کھیت والے کو دیدے جن کے دُودھ وغیرہ سے کھیت والا فائدہ اُٹھاتا رہے، اور کھیت والا اپنا کھیت بکری والے کے حوالے کردے کہ وہ اُس میں کھیتی اُگائے، اور جب فصل اُتنی ہی ہوجائے جتنی بکریوں کے نقصان پہنچانے سے پہلے تھی تو اُس وقت بکریوں والا کھیت والے کو کھیت واپس کردے، اور کھیت والا اُسے بکریاں واپس کردے۔ یہ ایک مصالحت کی صورت تھی جس میں دونوں کا فائدہ تھا، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اسے پسند فرمایا، اور دونوں فریق بھی اس پر راضی ہوگئے۔

(۳۲) چونکہ حضرت داود علیہ السلام کا فیصلہ اصل قانون کے مطابق تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تجویز باہمی رضامندی سے ایک صلح کی صورت تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ ہم نے علم اور حکمت دونوں کو عطا کی تھی، لیکن مصالحت کی جو صورت حضرت سلیمان علیہ السلام نے تجویز کی، اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کی سمجھ اُنہیں ہم نے عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدمے کے دوران قانونی فیصلہ حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ فریقین آپس کی رضامندی سے مصالحت کی کوئی ایسی شکل نکال لیں جس میں دونوں کا بھلا ہو۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دِلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اور اُڑتے ہوئے پرندے بھی رُک جاتے، اور وہ بھی ذکر کرنے لگتے تھے۔

(۳۴) سورۂ سبا (۳۴:۱۰) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھ میں نرم کردیا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے، اور لوہے کی زرہ اس طرح بناتے تھے کہ اُس کے تمام خانے نہایت متوازن ہوتے تھے۔ علمائے کرام نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ اس میں ہر اُس صنعت کے قابلِ تعریف ہونے کی طرف اشارہ ہے جو اِنسانوں کے لئے فائدہ مند ہو۔

(۳۵) حضرت داود علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے جیسی سخت چیز کو نرم کردیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور کچھ ایسے شریر جنات بھی ہم نے اُن کے تابع کردیئے تھے جو اُن کی خاطر پانی میں غوطے لگاتے تھے،(۳۶) اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے۔ اور ان سب کی دیکھ بھال کرنے والے ہم تھے۔ ﴿۸۲﴾

اور ایوب کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: "مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"(۳۷) ﴿۸۳﴾

السلام کے لئے ہوا جیسی لطیف چیز کو۔ چنانچہ وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا کو حکم دیتے تو وہ اُنہیں ان کی مرضی کے مطابق جہاں چاہتے لے جاتی تھی، اور سورۂ سبأ (۳۴: ۱۲) میں مذکور ہے کہ وہ ایک مہینے کا فاصلہ صبح کے سفر میں، اور ایک مہینے کا فاصلہ شام کے سفر میں طے کرلیا کرتے تھے۔ اور برکتوں والی سرزمین سے مراد شام یا فلسطین کا علاقہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ کہیں دُور چلے جاتے تو وہ ہوا انہیں تیز رفتاری کے ساتھ واپس اپنے شہر میں لے آتی تھی جو فلسطین میں واقع تھا۔

(۳۶) شریر جنات سے مراد وہ جنات ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کردیا تھا، وہ ان کے حکم سے دریا میں غوطے لگا کر موتی نکالتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو لاکر دیتے تھے۔ اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے جن کی کچھ تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ سبأ (۳۴: ۱۳) میں آئے گی۔

(۳۷) حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہیں کوئی سخت بیماری لاحق ہوگئی تھی، لیکن انہوں نے صبر وضبط سے کام لیا، اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمائی۔ وہ بیماری کیا تھی؟ اس کی تشریح قرآنِ کریم نے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور جو روایتیں اس سلسلے میں مشہور ہیں، وہ عام طور سے مستند نہیں ہیں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

پھر ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور انہیں جو تکلیف لاحق تھی، اُسے دُور کر دیا، اور ان کو ان کے گھر والے بھی دیئے، اور ان کے ساتھ اتنے ہی لوگ اور بھی،(۳۸) تاکہ ہماری طرف سے رحمت کا مظاہرہ ہو، اور عبادت کرنے والوں کو ایک یادگار سبق ملے۔ ﴿۸۴﴾ اور اسماعیل اور اِدریس اور ذُوالکفل کو دیکھو! یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔(۳۹) ﴿۸۵﴾ اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کرلیا تھا۔ یقیناً ان کا شمار نیک لوگوں میں ہے۔ ﴿۸۶﴾

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کو دیکھو! جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے تھے، اور یہ سمجھے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیریوں میں سے آواز لگائی کہ: "(یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بیشک میں قصوروار ہوں۔"(۴۰) ﴿۸۷﴾

(۳۸) بیماری کے دوران اُن کی باوفا بیوی کے سوا گھر کے بیشتر اَفراد حضرت ایوب علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ گئے تھے، پھر جب انہیں صحت حاصل ہوئی تو ان کی اولاد اور پوتے پوتیوں کی تعداد ان لوگوں سے دُگنی ہوگئی جو بیماری کے دوران ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

(۳۹) حضرت اسماعیل اور حضرت اِدریس علیہما السلام کا ذکر تو پہلے سورۂ مریم میں گذر چکا ہے۔ حضرت ذُوالکفل کا قرآنِ کریم میں صرف نام آیا ہے، ان کا کوئی واقعہ قرآنِ کریم نے بیان نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بھی کوئی پیغمبر تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت الیسع علیہ السلام کے خلیفہ تھے، اور نبی تو نہیں تھے، لیکن بڑے اُونچے درجے کے ولی اللہ تھے۔ واللہ اعلم۔

(۴۰) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ پیچھے سورۂ یونس (۱۰:۹۷) میں گذر چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَ زَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿ۚۖ۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾

اس پر ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور انہیں گھٹن سے نجات عطا کی۔ اور اسی طرح ہم ایمان رکھنے والوں کو نجات دیتے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اور زکریا کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: "یا ربّ! مجھے اکیلا نہ چھوڑیئے، اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔"[41] ﴿۸۹﴾
چنانچہ ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان کو یحیٰؑ (جیسا بیٹا) عطا کیا، اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو اچھا کردیا۔[42] یقیناً یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں تیزی دِکھاتے تھے، اور ہمیں شوق اور رُعب کے عالم میں پکارا کرتے تھے، اور ان کے دِل ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔ ﴿۹۰﴾

پہلے اپنی بستی کو چھوڑ گئے تھے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، اور اس کی وجہ سے ان پر یہ آزمائش آئی کہ جس کشتی میں وہ سوار ہوئے تھے، انہیں اس میں سے دریا میں اُتار دیا گیا، اور ایک مچھلی انہیں نگل گئی، جس کے پیٹ میں وہ تین دن رہے۔ اس آیت میں اندھیریوں سے مراد مچھلی کے پیٹ کی اندھیریاں ہیں۔ وہاں وہ مستقل اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک کنارے پر لاکر پھینک دے، اور اس طرح انہیں اُس گھٹن سے نجات ملی۔ واقعے کی مزید تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ صافات (۳۷: ۱۳۹ تا ۱۴۸) میں آئے گی۔

(۴۱) حضرت زکریا علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دُعا کی تو انہیں حضرت یحیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورۂ آل عمران (۳: ۳۷ تا ۴۰) میں گذر چکی ہے۔

(۴۲) یعنی ان کی بیوی بانجھ تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں اولاد کی صلاحیت پیدا فرمادی۔

وَالَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَیۡنَهُمۡ ؕ كُلٌّ اِلَیۡنَا رٰجِعُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۹۵﴾

اور اُس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اُس کے اندر اپنی رُوح پھونکی، اور اُنہیں اور اُن کے بیٹے کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔(۴۳) ﴿۹۱﴾ (لوگو!) یقین رکھو کہ یہ (دِین جس کی یہ تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں) تمہارا دِین ہے جو ایک ہی دِین ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، لہٰذا تم میری عبادت کرو۔ ﴿۹۲﴾ اور لوگوں نے اپنے دِین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لیا، (مگر) سب ہمارے پاس لوٹ کر آنے والے ہیں۔ ﴿۹۳﴾ پھر جو مؤمن بن کر نیک عمل کرے گا تو اُس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی، اور ہم اُس کوشش کو لکھتے جاتے ہیں۔ ﴿۹۴﴾ اور جس کسی بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کیا ہے، اُس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ پلٹ کر (دُنیا میں) آجائیں۔(۴۴) ﴿۹۵﴾

---

(۴۳) مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی بنا دیا تھا۔

(۴۴) کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندگی آنے والی ہے تو جو کافر پہلے مرچکے ہیں، انہیں زندہ کرکے ابھی ان کا حساب کیوں نہیں لے لیا جاتا؟ یہ آیت اُس کا جواب دے رہی ہے کہ حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس سے پہلے کسی کا زندہ ہوکر اس دُنیا میں آجانا ممکن نہیں ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا، اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے نظر آئیں گے،[(۴۵)] ﴿۹۶﴾ اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا تو اچانک حالت یہ ہوگی کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (اور وہ کہیں گے کہ:) ''ہائے ہماری کم بختی! ہم اس چیز سے بالکل ہی غفلت میں تھے، بلکہ ہم نے بڑے ستم ڈھائے تھے۔'' ﴿۹۷﴾ (اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔[(۴۶)] تمہیں اسی جہنم میں جا اُترنا ہے۔ ﴿۹۸﴾ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو اُس (جہنم) میں نہ جاتے۔ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۹۹﴾ وہاں اُن کی چیخیں نکلیں گی، اور وہاں وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔ ﴿۱۰۰﴾

---

(۴۵) مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اُس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی، اور اُس کی ایک علامت یہ ہوگی کہ یاجوج اور ماجوج کے وحشی قبیلے بہت بڑی تعداد میں دُنیا پر حملہ آور ہوں گے، اور ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ہر بلند جگہ سے پھسلتے ہوئے آرہے ہیں۔

(۴۶) پتھر کے جن بتوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے، ان کو بھی سزا کے طور پر نہیں، بلکہ اس لئے جہنم میں ڈالا جائے گا تاکہ اس بات کا عملی مظاہرہ کیا جائے کہ جن بتوں کو تم خدا سمجھتے تھے، وہ آخرکار کتنے بے بس ثابت ہوئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(البتہ) جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی پہلے سے لکھی جاچکی ہے، (یعنی نیک مؤمن) اُن کو اُس جہنم سے دُور رکھا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ وہ اُس کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۱۰۲﴾ اُن کو وہ (قیامت کی) سب سے بڑی پریشانی غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے اُن کا (یہ کہہ کر) استقبال کریں گے (کہ:) ''یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔'' ﴿۱۰۳﴾

اُس دن (کا دھیان رکھو) جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کاغذوں کے طومار میں تحریریں لپیٹ دی جاتی ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کردیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنے کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔ ہمیں یقیناً یہ کام کرنا ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے زَبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ (۴۷) ﴿۱۰۵﴾

---

(۴۷) یعنی آخرت میں ساری زمین پر کسی کافر کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ہی کو ملے گی۔

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾

ع ۷ ۱۹ النصف

بیشک اس (قرآن) میں عبادت گذار لوگوں کے لئے کافی پیغام ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾ کہہ دو کہ: ''مجھ پر تو یہی وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ تو کیا تم اطاعت قبول کرتے ہو؟'' ﴿۱۰۸﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: ''میں نے تمہیں علی الاعلان خبردار کردیا ہے۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، وہ قریب ہے یا دُور۔ ﴿۱۰۹﴾ بیشک اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بلند آواز سے کہی جاتی ہیں، اور وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ ﴿۱۱۰﴾ اور میں نہیں جانتا شاید (سزا میں) یہ (تاخیر) تمہارے لئے ایک آزمائش ہے، اور کسی خاص وقت تک کے لئے مزے کرنے کا موقع دینا ہے۔'' ﴿۱۱۱﴾ (آخرکار) پیغمبر نے کہا کہ: ''اے میرے پروردگار! حق کا فیصلہ کردیجئے، اور ہمارا پروردگار بڑی رحمت والا ہے، اور جو باتیں تم بناتے ہو، اُن کے مقابلے میں اُسی کی مدد درکار ہے۔'' ﴿۱۱۲﴾

الحمد للہ! سورۂ انبیاء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل آج شبِ جمعہ میں عشاء کے بعد لندن میں ۱۵/فروری ۲۰۰۷ء مطابق ۲۶/محرم ۱۴۲۸ھ کو ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الحَجّ

تعارف

اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے، اور کچھ مکی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا، اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی، اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورۂ حج ہے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم کا نشانہ بنایا تھا، وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی، اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اُٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دے کر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا، بلکہ دُنیا میں بھی مسلمانوں کو اِن شاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔ اس کے علاوہ اسلام کے بنیادی عقائد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کا آغاز آخرت کے بیان سے ہوا ہے جس میں قیامت کا ہولناک منظر بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

ركوعاتها ١٠ ۱۰۳ سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۲۲ اٰيَاتُهَا ۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝١ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝٢ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤

سورۂ حج مدنی ہے، اور اس میں اَٹھتر آیتیں اور دس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے ڈرو۔ یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے۔ ﴿۱﴾ جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا، اُس دن ہر دُودھ پلانے والی اُس بچے (تک) کو بھول بیٹھے گی جس کو اُس نے دُودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشے میں بدحواس ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بے جانے بوجھے جھگڑے کرتے ہیں، اور اُس سرکش شیطان کے پیچھے چل کھڑے ہوتے ہیں ﴿۳﴾ جس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اُسے دوست بنائے گا، تو وہ اُس کو گمراہ کرے گا، اور اُسے بھڑکتی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔ ﴿۴﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ

اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کچھ شک ہے تو (ذرا سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا،[1] پھر نطفے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر ایک گوشت کے لوتھڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے، اور (کبھی) پورا نہیں بنتا،[2] تاکہ ہم تمہارے لئے (تمہاری) حقیقت کھول کر بتادیں، اور ہم (تمہیں) ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں، ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں ایک بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں، پھر (تمہیں پالتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو (پہلے ہی) دُنیا سے اٹھا لئے جاتے ہیں، اور تمہی میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بدترین عمر (یعنی انتہائی بڑھاپے) تک لوٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتے۔[3]

---

(۱) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہیں، اُن سے کہا جارہا ہے کہ خود اپنی تخلیق پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقے پر کتنے مرحلوں سے گذار کر تمہیں پیدا فرمایا تھا۔ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود بخشا، تم میں جان نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے تم میں جان ڈالی۔ جس ذات نے اس حیرت انگیز طریقے سے تمہیں اُس وقت پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے تو کیا وہ تمہیں مردہ لاش بننے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟

(۲) یعنی بعض اوقات تو اس گوشت کے لوتھڑے سے ماں کے پیٹ میں بچے کے اعضاء پورے بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات پورے نہیں بنتے۔ پھر بعض اوقات اسی نامکمل حالت میں عورت کو اِسقاط ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات بچہ ناقص اعضاء کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) یعنی زیادہ بڑھاپے کی حالت میں انسان بچپن کی سی ناسمجھی کی طرف لوٹ جاتا ہے، اور جوانی میں اُس نے

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی پڑی ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے، اُس میں بڑھوتری ہوتی ہے، اور وہ ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگاتی ہے۔[۴] ﴿۵﴾ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی کا وجود برحق ہے،[۵] اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے، اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے، ﴿۶﴾ اور اس لئے کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، جس میں کوئی شک نہیں ہے، اور اس لئے کہ اللہ اُن سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔[۶] ﴿۷﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت، اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب۔ ﴿۸﴾

کتنا علم حاصل کیا ہو، اس بڑھاپے میں وہ سب یا اکثر حصہ بھول جاتا ہے۔

(۴) یہ دوبارہ زندگی دینے کی دوسری دلیل ہے، اور وہ یہ کہ زمین جب خشک ہوتی ہے تو اُس میں زندگی کے آثار ختم ہوجاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُس میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتا ہے، اور اُسی بے جان زمین سے پودے اُگنے لگتے ہیں۔ جو خدا اس پر قادر ہے، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں؟

(۵) مطلب یہ ہے کہ تمہاری اپنی تخلیق ہو، یا زمین سے پودے اُگانے کا معاملہ، ان ساری باتوں کی اصل علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، اور باقی ساری چیزیں اُسی کی قدرت سے وجود میں آتی ہیں۔ لہٰذا وہ مردوں کو زندہ کرنے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۶) انسان کی جس پیدائش کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے، وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کرسکتا ہے، اور دوسری طرف اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو دُنیا میں پیدا کیا گیا ہے، اُن کی پیدائش ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ۫ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ج

وہ تکبر سے اپنا پہلو اکڑائے ہوئے ہیں، تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کریں۔ ایسے ہی شخص کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اُسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے ﴿۹﴾ (کہ) یہ سب کچھ تیرے اُس کرتوت کا بدلہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم ڈھانے والا نہیں ہے۔ ﴿۱۰﴾

اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ اگر اُسے (دُنیا میں) کوئی فائدہ پہنچ گیا تو وہ اُس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر اُسے کوئی آزمائش پیش آگئی تو وہ منہ موڑ کر (پھر کفر کی طرف) چل دیتا ہے۔(۷) ایسے شخص نے دُنیا بھی کھوئی، اور آخرت بھی۔ یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ ﴿۱۱﴾ وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ ﴿۱۲﴾

اُنہیں ایک اور زندگی دی جائے، کیونکہ اگر دوسری زندگی نہ ہو تو دُنیا میں نیکی کرنے والے اور بدی کرنے والے، ظالم اور مظلوم سب برابر ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ایسی ناانصافی کے لئے انسانوں کو پیدا نہیں کرسکتا کہ جو چاہے دوسروں پر ظلم کرتا رہے، یا گناہوں کا طومار لگادے، اور اُسے اپنے عمل کی کوئی سزا نہ ملے، اور اسی طرح دُنیا میں کوئی شخص کتنی پاکباز زندگی گذارے، اُس کو کوئی انعام نہ ملے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جب انسانوں کو دُنیا میں پیدا کیا ہے تو آخرت میں انہیں دوسری زندگی دے کر اُنہیں انعام یا سزا ضرور دے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کچھ لوگ

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

یہ ایسے (جھوٹے خدا) کو پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔(۸) ایسا مددگار بھی کتنا برا ہے، اور ایسا ساتھی بھی کتنا برا!(۹) ﴿۱۳﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ یقیناً ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یقیناً اللہ ہر وہ کام کرتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے۔ ﴿۱۴﴾

اس لالچ میں اسلام لائے کہ اسلام کی وجہ سے انہیں دُنیا میں کچھ فوائد حاصل ہوں گے، لیکن جب ان کی توقع پوری نہیں ہوئی، بلکہ کوئی آزمائش آگئی تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ یہ آیت ان کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ لوگ حق کو حق ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، بلکہ دُنیا کے مفادات کی خاطر قبول کرتے ہیں، اور ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی جنگ میں اس نیت سے ایک کنارے کھڑا ہو گیا ہو کہ دونوں لشکروں میں سے جس کا پلہ بھاری نظر آئے گا، اُس کے ساتھ ہو جاؤں گا، تاکہ کچھ مفادات حاصل کرسکوں۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ اسلام پر عمل اس لالچ میں نہ کرو کہ اس دُنیا ہی میں تمہیں کوئی فائدہ مل جائے گا، بلکہ اس لئے کرو کہ وہ برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا یہی ہے۔ جہاں تک دُنیا کے مفادات کا تعلق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ مشیت ہے کہ کس کو کیا دیا جائے، چنانچہ اسلام لانے کے بعد دُنیوی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا چاہئے، اور کوئی آزمائش بھی آسکتی ہے جس میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے کہ مصیبت دُور فرما کر آزمائش سے نکال دے۔

(۸) اصل میں ان جھوٹے خداؤں میں خود تو نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی طاقت ہے، نہ نقصان پہنچانے کی۔ البتہ یہ نقصان پہنچنے کا سبب بن سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ جو شخص انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک مانے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہوگا۔

(۹) جس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہو، وہ نہ مددگار بنانے کے لائق ہے، اور نہ ساتھی بنانے کے لائق۔ لہٰذا ان بتوں سے اُمیدیں لگانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

جو شخص یہ سمجھتا تھا کہ اللہ دُنیا اور آخرت میں اس (پیغمبر) کی مدد نہیں کرے گا تو وہ آسمان تک ایک رسّی تان کر رابطہ کاٹ ڈالے، پھر دیکھے کہ کیا اُس کی یہ تدبیر اُس کی جھنجلاہٹ دُور کرسکتی ہے؟ (۱۰) ﴿۱۵﴾

اور ہم نے اس (قرآن) کو کھلی کھلی نشانیوں کی صورت میں اسی طرح اُتارا ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ ﴿۱۶﴾

---

(۱۰) رسّی تان کر رابطہ کاٹ ڈالنے کے ایک معنی تو عربی محاورے کے مطابق پھانسی دے کر گلا گھونٹنے کے ہوتے ہیں۔ اگر یہاں یہ معنی لئے جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، تو اُس صورت میں آسمان سے مراد اُوپر کی سمت یعنی چھت ہوگی، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جس کا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہوگی، اُس کا یہ خیال نہ تو پورا ہوا ہے، نہ ہوگا۔ اس پر اگر اُسے غصہ اور جھنجلاہٹ ہے تو وہ چھت کی طرف ایک رسّی تان کر اپنے آپ کو پھانسی دے، اور اپنا گلا گھونٹ لے۔

اور آسمان تک رسّی تان کر رابطہ کاٹ لینے کی ایک دوسری تشریح حضرت جابر بن زید سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، اُن کا سرچشمہ وہ وحی ہے جو آپ پر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ان کامیابیوں پر غم وغصہ ہے، اور وہ ان کامیابیوں کا راستہ روکنا چاہتا ہے تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی رسّی تان کر آسمان تک جائے، اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رابطہ کاٹ دے جس کے ذریعے آپ پر وحی آرہی ہے، اور کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ ظاہر

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ﴿١٨﴾

السجدة ٦

بلاشبہ مؤمن ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا نصرانی اور مجوسی، یا وہ جنہوں نے شرک اختیار کیا ہے، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ ﴿١٧﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے آگے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں، نیز سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی! (١١) اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب طے ہو چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے، کوئی نہیں ہے جو اُسے عزت دے سکے۔ یقیناً اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ﴿١٨﴾

ہے کہ یہ بات کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا (رُوح المعانی)۔

(١١) ان مخلوقات کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہیں، اور ہر چیز اُس کے ہر حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے۔ نیز اس سے عبادت کا سجدہ بھی مراد ہوسکتا ہے، کیونکہ اتنی سمجھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور اُسی کی عبادت کرنی چاہئے، البتہ ہر چیز کے سجدے کی صورت مختلف ہے۔ اس پوری کائنات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جس کے تمام افراد

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾

یہ (مؤمن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔ اب (اس کا فیصلہ اس طرح ہوگا کہ) جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، اُن کے لئے آگ کے کپڑے تراشے جائیں گے۔ اُن کے سروں کے اُوپر سے کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا ﴿۱۹﴾ جس سے اُن کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی، ﴿۲۰﴾ اور اُن کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، ﴿۲۱﴾ جب کبھی تکلیف سے تنگ آکر وہ اُس سے نکلنا چاہیں گے، تو اُنہیں پھر اُسی میں لوٹا دیا جائے گا، کہ چکھو جلتی آگ کا مزہ! ﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں اُنہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے سجایا جائے گا، اور جہاں اُن کا لباس ریشم ہوگا۔ ﴿۲۳﴾

عبادت کا یہ سجدہ نہیں کرتے، بلکہ بہت سے کرتے ہیں، بعض نہیں کرتے، اس لئے انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ "بہت سے انسان بھی"۔ یاد رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، جو شخص اصل عربی میں یہ آیت تلاوت کرے یا سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

وَهُدُوۡۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۖۚ وَهُدُوۡۤا اِلٰى صِرَاطِ الۡحَمِيۡدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ الَّذِىۡ جَعَلۡنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَالۡبَادِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِىۡ شَيۡـئًا وَّطَهِّرۡ بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡقَآئِمِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾

ع ۳ ۱۰

اور (وجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں کی رسائی پاکیزہ بات (یعنی کلمہ توحید) تک ہوگئی تھی، اور وہ اُس خدا کے راستے تک پہنچ گئے تھے جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔ ﴿۲۴﴾ بیشک وہ لوگ (سزا کے لائق ہیں) جنہوں نے کفر اَپنا لیا ہے، اور جو دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور اُس مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے لوگوں کے لئے ایسا بنایا ہے کہ اُس میں وہاں کے باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔(۱۲) اور جو کوئی شخص اُس میں ظلم کر کے ٹیڑھی راہ نکالے گا،(۱۳) ہم اُسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۲۵﴾ اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتا دی تھی،(۱۴) (اور یہ ہدایت دی تھی کہ:) ''میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو اُن لوگوں کے لئے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لئے کھڑے ہوں، اور رُکوع سجدے بجا لائیں۔ ﴿۲۶﴾

(۱۲) مسجدِ حرام اور اُس کے آس پاس کے وہ مقامات جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جگہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ وہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے وقفِ عام ہیں، اور ان کو عبادت کے لئے استعمال کرنے میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔

(۱۳) ٹیڑھی راہ نکالنے سے مراد کفر و شرک، حرم کے اَحکام کی خلاف ورزی، بلکہ ہر قسم کا گناہ ہے۔ حرم میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ یہاں گناہوں کا وبال بھی دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

(۱۴) جیسا کہ سورۂ بقرہ (۲:۱۲۷) میں گذر چکا ہے، بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تعمیر ہو کر منہدم

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾

اورلوگوں میں حج کا اعلان کردو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دُور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی اُن اُونٹنیوں پر سوار ہوکر آئیں جو (لمبے سفر سے) دُبلی ہوگئی ہوں، ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ اُن فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو اُن کے لئے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں اُن چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنہیں عطا کئے ہیں۔(۱۵) چنانچہ (مسلمانو!) اُن جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ، اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔ ﴿۲۸﴾ پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا میل کچیل دُور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔(۱۶) ﴿۲۹﴾

ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وہ جگہ بتائی جہاں بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کرنا منظور تھا۔

(۱۵) حج کے کاموں میں ایک اہم کام جانوروں کی قربانی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اُنہیں ذبح کیا جائے۔ یہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۶) حج کے دوران انسان اِحرام میں ہوتا ہے تو اُس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن تراشنا جائز نہیں رہتا۔ یہ پابندیاں اُس وقت ختم ہوتی ہیں جب وہ حج کی قربانی سے فارغ ہوجائے۔ چنانچہ یہاں میل کچیل دُور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے والے قربانی کے بعد جسم کے بال اور ناخن کاٹ سکتے ہیں۔ اور منتیں پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ واجب قربانی کے علاوہ بہت سے حضرات یہ منتیں مان لیا کرتے تھے کہ حج کے موقع پر ہم اپنی طرف سے بھی قربانی کریں گے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کے جس طواف کا ذکر ہے، اُس سے مراد ''طواف زیارت'' ہے۔ یہ طواف عام طور پر قربانی اور سر منڈانے کے بعد کیا جاتا ہے، اور حج کا اہم رکن ہے۔ بیت اللہ کو یہاں ''بیت عتیق'' کہا گیا ہے۔ اس کے ایک معنی تو قدیم کے ہیں، یعنی یہ اس معنی میں قدیم ترین گھر ہے کہ دُنیا

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ لا حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اُن چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے، تو اُس کے حق میں یہ عمل اُس کے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ سارے مویشی تمہارے لئے حلال کردیئے گئے ہیں، سوائے اُن جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنادی گئی ہے۔(۱۷) لہٰذا بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے اس طرح بچ کر رہو ﴿۳۰﴾ کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر یا تو پرندے اُسے اُچک لے جائیں، یا ہوا اُسے کہیں دُور دراز کی جگہ لا پھینکے۔(۱۸) ﴿۳۱﴾

میں سب سے پہلا گھر ہے جو عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے ایک معنیٰ ''آزاد'' کے بھی ہیں، اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آزاد کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ظالموں کے قبضہ کرلینے سے آزاد رکھا ہے۔

(۱۷) جانوروں کی قربانی کا ذکر آیا تو مشرکینِ عرب کی اُس جاہلانہ رسم کی بھی تردید کردی گئی جس کی رُو سے انہوں نے بتوں کے نام پر بہت سے جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ انعام ۶: ۱۳۷ تا ۱۴۴)۔ چنانچہ یہ بتادیا گیا کہ یہ سب چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں، سوائے اُن چیزوں کے جنہیں قرآنِ کریم نے سورۂ مائدہ (۵: ۳) میں حرام قرار دیا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جس بنیاد پر مشرکین ان جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ماننا اور اُن کے نام پر جانوروں کو چھوڑ دینا، اُس بنیاد کو بھی یہ فرما کر ختم کردیا گیا ہے کہ بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی باتوں سے بچو۔

(۱۸) اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی مثال آسمان کی سی ہے۔ جو شخص شرک کا اِرتکاب کرتا ہے، وہ ایمان

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دِلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔[19] ﴿۳۲﴾ تمہیں ایک معین وقت تک ان (جانوروں سے) فوائد حاصل کرنے کا حق ہے،[20] پھر اُن کے حلال ہونے کی منزل اُسی قدیم گھر (یعنی خانۂ کعبہ) کے آس پاس ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ اُن مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اُسی کی فرماں برداری کرو، اور خوشخبری سنادو اُن لوگوں کو جن کے دِل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، ﴿۳۴﴾

کے بلند مقام سے نیچے گر پڑتا ہے۔ پھر پرندوں کے اُچک لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خواہشات اُسے راہِ راست سے بھٹکا کر اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہیں، اور ہوا کے دُور دراز پھینک دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان اُسے مزید گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا شخص ایمان کے بلند مقام سے نیچے گر کر اپنی نفسانی خواہشات اور شیاطین کا غلام بن بیٹھتا ہے جو اُسے گمراہی کی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۱۹) ''شعائر'' کے معنی ہیں وہ علامتیں جن کو دیکھ کر کوئی دوسری چیز یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں واجب قرار دی ہیں، اور خاص طور پر جن مقامات پر حج کی عبادت مقرر فرمائی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر میں داخل ہیں، اور اُن کی تعظیم ایمان کا تقاضا ہے۔

(۲۰) یعنی جب تک تم نے ان جانوروں کو حج کی قربانی کے لئے خاص نہ کرلیا ہو، اُس وقت تک تم ان سے ہر طرح کے فوائد حاصل کر سکتے ہو، ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے، اُن کا دُودھ پینا بھی، اُن کے جسم سے اُون حاصل کرنا بھی، لیکن جب انہیں حج کے لئے خاص کرلیا گیا تو پھر ان میں سے کوئی کام جائز نہیں رہتا۔ اُس کے

الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ ۖ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰھَا لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۷﴾

جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِلوں پر رُعب طاری ہو جاتا ہے، اور جو اپنے اُوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز کو قائم کرنے والے ہیں، اور جو رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ اور قربانی کے اُونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمہارے لئے اُن میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، اُن پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) اُن کے پہلو زمین پر گر جائیں تو اُن (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور اُن محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔(۲۱) اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تمہارے تابع بنا دیا ہے تاکہ تم شکر گذار بنو۔ ﴿۳۶﴾ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے ہیں، تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ اور جو لوگ خوش اُسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، اُنہیں خوشخبری سنا دو۔ ﴿۳۷﴾

بعد تو اُنہیں بیت اللہ کے آس پاس یعنی حدودِ حرم میں ذبح کر کے حلال کرنا ہی واجب ہے۔ اور حج کے لئے خاص کرنے کی مختلف علامتیں ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲۱) یہاں قرآنِ کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں، ایک "قانع" جس کا مطلب ہے وہ شخص جو حاجت مند تو

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

بیشک اللہ اُن لوگوں کا دِفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں۔[۲۲] یقین جانو کہ اللہ کسی دغا باز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۳۸﴾ جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، اُنہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دِفاع میں لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے،[۲۳] اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دِلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۳۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کردی جاتیں۔[۲۴] اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دِین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ ﴿۴۰﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔[۲۵] اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ ﴿۴۱﴾

ہے، لیکن اپنی حاجت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ صبر کئے بیٹھا ہے، اور دوسرا ''معتر'' جس کا مطلب وہ شخص ہے جو اپنی حاجت اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کردے۔

(۲۲) مکہ مکرمہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر جو ظلم توڑے جارہے تھے، شروع میں قرآنِ کریم ہی نے انہیں بار بار صبر سے کام لینے کا حکم دیا تھا۔ اب اس آیت میں یہ تسلی دی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صبر آزما مرحلہ اب ختم ہونے والا ہے، اور وقت آگیا ہے کہ ان ظالموں کے ظلم کا جواب دیا جائے، چنانچہ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس سے پہلے یہ خوشخبری دے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کا دِفاع کرے گا، اس لئے وہ اب بے خوف ہو کر لڑیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے لڑائی ہونی ہے، وہ دغاباز اور ناشکرے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ان کے خلاف مسلمانوں ہی کی مدد کرے گا۔

(۲۳) مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک صبر و ضبط کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم کا کوئی جواب دینے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ ہر زیادتی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲۴) اس آیت میں جہاد کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے، اور وہ یہ کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دُنیا میں آئے ہیں، اپنے اپنے وقت میں اُنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی، اور اس کے لئے عبادت گاہیں بنائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کام کے لئے خانقاہیں اور کلیسا بنائے گئے جنہیں عربی میں ''صومعہ'' اور ''بیعہ'' کہا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں نے جو عبادت گاہیں بنائیں، اُن کو صلوات کہا گیا ہے، اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو مسجد کہا جاتا ہے۔ جو لوگ ان آسمانی مذاہب کے مخالف تھے، وہ ان عبادت گاہوں کو مٹانے کے درپے رہے، اگر ان کے خلاف جہاد کی اجازت نہ ہوتی، تو وہ ان عبادت گاہوں کو مسمار کر ڈالتے۔

(۲۵) مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں حکومت قائم کرنے اور کافروں کے خلاف لڑائی میں ان کی مدد کرنے کا مقصد اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ زمین میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کی عبادت خود بھی کریں گے، اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیں گے۔ اس طرح یہ آیت ایک اسلامی ریاست کے بنیادی اغراض ومقاصد بیان فرما رہی ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں، تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد وثمود کی قومیں بھی (اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، ﴿۴۲﴾ نیز ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم ﴿۴۳﴾ اور مدین کے لوگ بھی۔ اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا تھا، چنانچہ ان کافروں کو میں نے کچھ ڈھیل دی، پھر اُنہیں پکڑ میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میری پکڑ کیسی تھی! ﴿۴۴﴾ غرض کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے اُس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کررہی تھیں، چنانچہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں، اور کتنے ہی کنویں جو اَب بیکار ہوئے پڑے ہیں، اور کتنے پکے بنے ہوئے محل (جو کھنڈر بن چکے ہیں) ﴿۴۵﴾ تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں جس سے اُنہیں وہ دِل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دِل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ ﴿۴۶﴾

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

ع ۱۰ ۱۲

اور یہ لوگ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور یقین جانو کہ تمہارے رَبّ کے یہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی طرح کا ہوتا ہے۔(۲۶) ﴿۴۷﴾ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہیں میں نے مہلت دی تھی، اور وہ ظلم کرتی رہیں، پھر میں نے اُنہیں پکڑ میں لے لیا، اور سب کو آخرکار میرے پاس ہی لوٹنا ہوگا۔ ﴿۴۸﴾

(۲۶) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے متشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن اس آیت کو سمجھنے کے لئے اتنی تشریح کافی ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گذر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ معارج (۷۰:۴) میں آئے گی۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيۡنَ سَعَوۡا فِىۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۵۱﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ‌ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۵۲﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "اے لوگو! میں تو تمہیں وضاحت کے ساتھ خبردار کرنے والا ہوں۔" ﴿۴۹﴾ پھر جو لوگ ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرنے لگے، تو اُن کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو نیچا دِکھانے کے لئے دوڑ دُھوپ کی ہے، تو وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے جب بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا تو اس کے ساتھ یہ واقعہ ضرور ہوا کہ جب اُس نے (اللہ کا کلام) پڑھا تو شیطان نے اُس کے پڑھنے کے ساتھ ہی (کفار کے دِلوں میں) کوئی رُکاوٹ ڈال دی، پھر جو رُکاوٹ شیطان ڈالتا ہے، اللہ اُسے دُور کردیتا ہے، پھر اپنی آیتوں کو زیادہ مضبوط کردیتا ہے،(۲۷) اور اللہ بڑے علم کا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۲﴾

(۲۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کے مخالفین کی طرف سے جن شکوک وشبہات کا اِظہار ہورہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پچھلے انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ جب وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سناتے تو شیطان کافروں کے دِل میں شکوک وشبہات پیدا کردیتا جس کی بنا پر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، لیکن چونکہ یہ شکوک وشبہات اصل میں بے بنیاد ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا کوئی اثر مخلص مسلمانوں پر باقی نہیں رہنے دیتا، بلکہ اُنہیں نیست ونابود کردیتا ہے۔ اس آیت کا ایک اور ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: "تم سے پہلے ہم نے جو کوئی رسول یا نبی بھیجا، تو اُس کے ساتھ یہی ہوا کہ جب اُس نے کوئی تمنا کی تو شیطان نے اُس کی تمنا میں کوئی کھنڈت ڈال دی، پھر شیطان جو کھنڈت ڈالتا ہے، اللہ اُسے ختم کردیتا ہے

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

یہ (شیطان نے رُکاوٹ اس لئے ڈالی) تا کہ جو رُکاوٹ شیطان نے ڈالی تھی، اللہ اُسے ان لوگوں کے لئے فتنہ بنادے جن کے دِلوں میں روگ ہے، اور جن کے دِل سخت ہیں۔ اور یقین جانو کہ یہ ظالم لوگ مخالفت میں بہت دُور چلے گئے ہیں۔ ﴿۵۳﴾ اور (اُس رُکاوٹ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دُور کیا) تا کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ یہی (کلام) برحق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، پھر وہ اُس پر اِیمان لائیں، اور اُن کے دِل اُس کے آگے جھک جائیں۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، وہ اس (کلام) کی طرف سے برابر شک ہی میں پڑے رہیں گے، یہاں تک کہ اُن پر اچانک قیامت آجائے، یا ایسے دن کا عذاب ان تک آپہنچے جو (ان کے لئے) کسی بھلائی کو جنم دینے کی صلاحیت سے خالی ہوگا۔ ﴿۵۵﴾

پھر اپنی آیتوں کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔" اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے کرام اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کسی بات کی تمنا کرتے تھے، مگر شروع میں شیطان اس تمنا کے پورے ہونے میں کوئی رُکاوٹ پیدا کر دیتا تھا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ اُس رُکاوٹ کو دُور فرما کر اپنی اُن آیتوں کو مزید مستحکم بنا دیتا جن میں انبیائے کرام کی مدد کی بشارت دی گئی تھی، البتہ شیطان نے جو رُکاوٹ ڈالی تھی، وہ کافر لوگ جن کے دِلوں میں روگ ہے، اُسے انبیائے کرام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کر کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

بادشاہی اُس دن اللہ کی ہوگی، وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا، چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے۔ ﴿۵۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے ذِلت والا عذاب ہوگا۔ ﴿۵۷﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر قتل کردیئے گئے یا اُن کا انتقال ہوگیا، تو اللہ اُنہیں ضرور اچھا رزق دے گا، اور یقین رکھو کہ اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ انہیں ضرور ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، اور اللہ یقیناً ہر بات جاننے والا، بڑا بردبار ہے۔ ﴿۵۹﴾ یہ بات تو طے ہے، اور (آگے یہ بھی سن لو کہ) جس شخص نے کسی کو بدلے میں اتنی ہی تکلیف پہنچائی جتنی اُس کو پہنچائی گئی تھی، اُس کے بعد پھر اُس سے زیادتی کی گئی، تو اللہ اُس کی ضرور مدد کرے گا۔ (۲۸) یقین رکھو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۶۰﴾

---

(۲۸) اُوپر آیت نمبر ۳۹ میں مسلمانوں کو ان کافروں سے لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جنہوں نے اُن پر ظلم ڈھائے تھے، حالانکہ اس سے پہلے ان کے ظلم کے جواب میں صبر اور درگذر کے اَحکام دیئے جاتے رہے تھے۔ اب یہاں صرف جنگ ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ ہر قسم کے ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دی جارہی ہے، بشرطیکہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةًؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌۚ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ ع ۸ ۱۵

یہ اس لئے کہ اللہ (کی قدرت اتنی بڑی ہے کہ وہ) رات کو دن میں داخل کر دیتا اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے،[۲۹] اور اس لئے کہ اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۶۱﴾ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے، اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، وہ سب باطل ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اُونچی ہے، رُتبہ بھی بڑا۔ ﴿۶۲﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا مہربان، ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۶۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ ﴿۶۴﴾

وہ اتنا ہی ہو جتنا ظلم ہوا۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ درگذر کا معاملہ زیادہ افضل ہے، لیکن برابر کا بدلہ لینا بھی جائز ہے، اور اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے۔ بلکہ یہاں اور آگے بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر برابر کا بدلہ لینے کے بعد ظالم دوبارہ زیادتی کرے تو اُس پر بھی اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

(۲۹) یعنی ایک موسم میں جو دن کا وقت تھا، دوسرے موسم میں اللہ تعالیٰ نے اُسے رات بنا دیا، اور ایک موسم میں جو رات کا وقت تھا، اُسے دوسرے موسم میں دن بنا دیا۔ چاند سورج کی گردش کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ذرّہ برابر فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بیشمار مظاہر میں سے یہاں خاص طور پر اس کو شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہو کہ یہاں مظلوم کی مدد فرمانے کا ذکر ہے، اور جس طرح رات دن کے اوقات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح جو کبھی مظلوم تھا، اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کر کے اُسے فتح دِلا دیتے ہیں، اور جو ظالم اور بالادست تھا، اُسے نیچا دِکھا دیتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَحْيَاكُمْ ؗ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے کام میں لگا رکھی ہیں، اور وہ کشتیاں بھی جو اُس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں؟ اور اُس نے آسمان کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ اُس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۶۵﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۶۶﴾ ہم نے ہر اُمت کے لوگوں کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے، جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں،[۳۰] لہٰذا (اے پیغمبر!) لوگوں کو تم سے اس معاملے میں جھگڑا نہیں کرنا چاہئے، اور تم اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہو۔ تم یقیناً سیدھے راستے پر ہو۔ ﴿۶۷﴾ اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ''جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۶۸﴾

---

(۳۰) بعض لوگ اس بات پر اِعتراض کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اَحکام دیئے ہیں، اُن میں سے کچھ اُن اَحکام سے مختلف ہیں جو پچھلے انبیائے کرام کی اُمتوں کو دیئے گئے تھے۔ اس آیت میں اس اِعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یعنی مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کے مختلف طریقے مقرر فرمائے تھے اور ہر دور کے مناسب شریعت کے مختلف اَحکام دیئے تھے۔ لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کچھ اَحکام پچھلی شریعتوں سے الگ ہیں تو اس میں نہ کوئی اِعتراض کی بات ہے، اور نہ بحث مباحثے کا کوئی موقع۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۗ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۗ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۗ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ اَلنَّارُ ۗ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ ع ۸/۱۲

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔" ﴿٦٩﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کے علم میں ہیں؟ یہ سب باتیں ایک کتاب میں محفوظ ہیں۔ بیشک یہ سارے کام اللہ کے لئے بہت آسان ہیں۔ ﴿٧٠﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور خود ان لوگوں کو بھی اس کے بارے میں کوئی علم حاصل نہیں۔[31] اور ان ظالموں کا (آخرت میں) کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿٧١﴾ اور جب ان کو ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحتوں کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو تم ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات صاف پہچان لیتے ہو، ایسا لگتا ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کردیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ کہہ دو کہ: "لوگو! کیا میں تمہیں ایسی چیز بتلادوں جو اس سے زیادہ ناگوار ہے؟[32] آگ! اللہ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔" ﴿٧٢﴾

(۳۱) یعنی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ علم حاصل ہو سکے کہ یہ بت واقعی خدائی کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۳۲) مطلب یہ ہے کہ ابھی تو تم ان آیتوں ہی کو ناگوار سمجھ رہے ہو، آخرت میں جب آگ سامنے آئے گی تو پتہ چلے گا کہ اصل ناگوار چیز کیا تھی؟

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٧٤﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ ﴿٧٧﴾

السجدة ۱۲ عند الشافعی

لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے، اب اُسے کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دُعا کے لئے پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے اس کام کے لئے سب کے سب اِکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اُس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسا دُعا مانگنے والا بھی بودا اور جس سے دُعا مانگی جارہی ہے وہ بھی! ﴿۷۳﴾ ان لوگوں نے اللہ کی ٹھیک ٹھیک قدر ہی نہیں پہچانی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قوت کا بھی مالک ہے، اقتدار کا بھی مالک۔ ﴿۷۴﴾ اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے، اور اِنسانوں میں سے بھی۔(۳۳) یقیناً اللہ ہر بات سنتا ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۷۵﴾ وہ اُن کے آگے اور پیچھے کی ساری باتوں کو جانتا ہے، اور اللہ ہی پر تمام معاملات کا دار و مدار ہے۔ ﴿۷۶﴾ اے ایمان والو! رُکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی بندگی کرو، اور بھلائی کے کام کرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔(۳۴) ﴿۷۷﴾

---

(۳۳) کونسے فرشتے پیغمبروں کے پاس وحی کا پیغام لے کر جائیں، اور کن انسانوں کو پیغمبری کے مقام پر سرفراز کیا جائے، ان سب باتوں کا تعین اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔

(۳۴) شافعی مذہب میں یہاں سجدہ ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰ / ۱۷

اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ (۳۵) اُس نے تمہیں (اپنے دِین کے لئے) منتخب کرلیا ہے، اور تم پر دِین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دِین کو مضبوطی سے تھام لو، اُس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ یہ رسول تمہارے لئے گواہ بنیں، اور تم دوسرے لوگوں کے لئے گواہ بنو۔ (۳۶) لہٰذا نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو، کتنا اچھا رکھوالا، اور کتنا اچھا مددگار! ﴿۷۸﴾

(۳۵) ''جہاد'' کے لفظی معنی جدوجہد اور کوشش کے ہیں، اور یہ لفظ دِین کے راستے میں ہر کوشش کو شامل ہے۔ اس میں مسلح جدوجہد یعنی اللہ کے راستے میں جنگ کرنا بھی داخل ہے، پر امن جدوجہد بھی، اور اِنسان اپنی اصلاح کے لئے جو محنت کرے، وہ بھی۔

(۳۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے مؤمنوں کے حق میں گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تھے، اور مسلمان دوسری اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ (۲:۱۴۷) میں گذر چکا ہے۔ وہاں اس کی تشریح دیکھ لی جائے۔

الحمدللہ، آج بروز دوشنبہ ۱۵/ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۵/ مارچ ۲۰۰۷ء مدینہ منورہ میں سورۂ حج کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرماکر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضاء کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ المؤمِنُون

تعارف

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔ مسندِ احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کرلے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اسی لئے اس سورت کا نام ''مؤمنون'' ہے، یعنی وہ سورت جو یہ بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔ نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۂ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تھے۔ سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اُس کی اصلیت کی طرف متوجہ کر کے اس بات پر غور وفکر کی دعوت دینا ہے کہ اُس کے دُنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آنی ہے، اُس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیائے کرام کے واقعات اس سورت میں دُہرائے گئے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تواتر کے ساتھ ایک ہی تھی، اور جن لوگوں نے اُن کا انکار کیا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اُن کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لیں گے، اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا وسزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے ثابت کیا گیا ہے۔

آیاتھا ۱۱۸ ۲۳ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۷۴ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اُن ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے ﴿۱﴾ جو اپنی نماز میں دِل سے جھکنے والے ہیں، (۱) ﴿۲﴾ اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں (۲) ﴿۳﴾ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، (۳) ﴿۴﴾

---

(۱) یہ ''خشوع'' کا ترجمہ ہے۔ عربی میں ''خضوع'' کے معنی ہیں ظاہری اعضاء کو جھکانا، اور ''خشوع'' کے معنی ہیں دِل کو عاجزی کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رکھنا۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان نماز میں جو کچھ زبان سے پڑھ رہا ہو، اُس کی طرف دھیان رکھے، اور اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو وہ معاف ہے، لیکن جونہی یاد آئے، دوبارہ نماز کے الفاظ کی طرف متوجہ ہوجانا چاہئے۔

(۲) ''لغو'' کا مطلب ہے بیکار مشغلہ جس میں نہ دُنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا۔

(۳) ''زکوٰۃ'' کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو پاک صاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ غریبوں کے لئے نکالیں، اُسے زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُس سے اُن کا باقی مال بھی پاک صاف ہوجاتا ہے، اور ان کے دِلوں کو بھی پاکی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں زکوٰۃ سے مراد وہ مالی فریضہ بھی ہوسکتا ہے، اور اُس کے دوسرے معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو برے اعمال اور اخلاق سے پاک صاف کرنا۔ اس کو ''تزکیہ'' بھی کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے یہاں زکوٰۃ کے ساتھ ''ادا کرنے'' کے بجائے زکوٰۃ پر ''عمل کرنے والے'' کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کی وجہ سے بہت سے مفسرین نے یہاں دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں،[۴] ﴿۵﴾ سوائے اپنی بیویوں اور اُن کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت میں آچکی ہوں،[۵] کیونکہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں، ﴿۶﴾ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں۔[۶] ﴿۷﴾ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، ﴿۸﴾ اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی رکھتے ہیں۔[۷] ﴿۹﴾ یہ ہیں وہ وارث ﴿۱۰﴾ جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی۔[۸] یہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۱﴾

---

(۴) یعنی اس بات سے حفاظت کرتے ہیں کہ اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کوئی ناجائز طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۵) اس سے مراد وہ کنیزیں ہیں جو شرعی اَحکام کے مطابق کسی کی ملکیت میں آئی ہوں، لیکن آج کل ایسی کنیزوں کا کوئی وجود نہیں رہا۔

(۶) یعنی بیوی اور شرعی کنیز کے سوا کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔

(۷) نمازوں کی نگرانی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نماز کی پوری پابندی کی جائے، اور یہ بھی کہ اُن کو صحیح طریقے سے آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے۔

(۸) جنت کو مؤمنوں کی میراث اس لئے کہا گیا ہے کہ ملکیت کے اسباب میں سے میراث ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس میں ایک چیز خود بخود اس طرح انسان کی ملکیت میں آجاتی ہے کہ اُس ملکیت کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اشارہ اس طرف ہے کہ جنت کے مل جانے کے بعد اُس کے چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا،[9] ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے اُسے ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا،[10] ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اُس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اُس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اُسے ایسی اُٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا۔ غرض بڑی شان ہے اللہ کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے! ﴿۱۴﴾ پھر اس سب کے بعد تمہیں یقیناً موت آنے والی ہے، ﴿۱۵﴾ پھر قیامت کے دن تمہیں یقیناً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے تمہارے اُوپر سات تہہ برتہہ راستے پیدا کئے ہیں، اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔[11] ﴿۱۷﴾

---

(۹) انسان کا مٹی سے پیدا ہونا یا تو اس اعتبار سے ہے کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، پھر تمام انسان اُن کی پشت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے بالواسطہ تمام انسانوں کی اصل مٹی ہے، یا پھر اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کی تخلیق منی کے قطرے سے ہوتی ہے، اور وہ غذا سے پیدا ہوتی ہے جس کے اُگنے اور بننے میں مٹی کا دخل واضح ہے۔

(۱۰) محفوظ جگہ سے مراد رحمِ مادر ہے۔

(۱۱) یہاں آسمانوں کو تہہ برتہہ راستوں سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انہی آسمانوں سے آتے جاتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ہماری مخلوق کی ضروریات کیا ہیں، اور ان کی مصلحت کا کیا تقاضا ہے، اس لئے ہماری تمام تخلیقات میں ان مصالح کی پوری رعایت ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اُتارا، پھر اُسے زمین میں ٹھہرا دیا،(۱۲) اور یقین رکھو، ہم اُسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے جن سے تمہیں بہت سے میوے حاصل ہوتے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور وہ درخت بھی پیدا کیا جو طورِ سینا سے نکلتا ہے،(۱۳) جو اپنے ساتھ تیل لے کر اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اُگتا ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے مویشیوں میں بڑی نصیحت کا سامان ہے۔ جو (دُودھ) ان کے پیٹ میں ہے، اُس سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں، اور اُن میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں، اور انہی سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ ﴿۲۱﴾ اور اُنہی پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار بھی کیا جاتا ہے۔ ﴿۲۲﴾

(۱۲) یعنی اگر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں ذمہ داری دی جاتی کہ تم خود اس کا ذخیرہ کرو، تو یہ تمہارے بس میں نہیں تھا۔ ہم نے یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اُسے برف کی شکل میں جما دیا، جو رفتہ رفتہ پگھل کر دریاؤں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور اُس کی جڑیں زمین بھر میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے کنویں بنتے ہیں، اور اس طرح زمین کی تہہ میں وہ پانی محفوظ رہتا ہے۔

(۱۳) اس سے مراد زیتون کا درخت ہے جو طورِ سینا کے علاقے میں کثرت سے پایا جاتا تھا۔ اس سے جو تیل نکلتا ہے، اُس سے روغن کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور عرب میں اُسے روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس درخت کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے فوائد بہت ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ اُنہوں نے (قوم سے) کہا کہ: ''میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟'' ﴿۲۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: ''اس شخص کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے جو تم پر اپنی برتری جمانا چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا۔ یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی۔ ﴿۲۴﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جسے جنون لاحق ہو گیا ہے، اس لئے کچھ وقت تک اس کا انتظار کر کے دیکھ لو (کہ شاید اپنے حواس میں آجائے)'' ﴿۲۵﴾ نوح نے کہا: ''یارَبّ! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد فرما۔'' ﴿۲۶﴾ چنانچہ ہم نے اُن کے پاس وحی بھیجی کہ: ''تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم آجائے، اور تنور اُبل پڑے[۱۴]،

---

(۱۴) تنور چولھے کو بھی کہتے ہیں، اور سطحِ زمین کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح اس طرح شروع ہوا تھا کہ ایک چولھے سے پانی اُبلنے لگا، اُوپر سے بارش شروع ہوگئی، اور رفتہ رفتہ وہ ایک ہولناک طوفان میں بدل گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۲۵ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾

تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اُسے بھی اُس کشتی میں سوار کر لینا،(۱۵) اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوائے اُن کے جن کے خلاف پہلے ہی حکم صادر ہو چکا ہے۔(۱۶) اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، یہ بات طے ہے کہ یہ سب غرق کئے جائیں گے۔﴿۲۷﴾ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک ٹھیک بیٹھ چکیں، تو کہنا: 'شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔'' ﴿۲۸﴾ اور کہنا: ''یا ربّ! مجھے ایسا اُترنا نصیب کر جو برکت والا ہو، اور تو بہترین اُتارنے والا ہے۔'' ﴿۲۹﴾ اس سارے واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں، اور یقینی بات ہے کہ ہمیں آزمائش تو کرنی ہی کرنی تھی۔ ﴿۳۰﴾ پھر اُن کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں، ﴿۳۱﴾ اور اُن کے درمیان اُنہی میں کے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا(۱۷) (جس نے کہا) کہ: ''اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟'' ﴿۳۲﴾

(۱۵) تاکہ ضرورت کے جانوروں کی نسل باقی رہے۔

(۱۶) اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے، اور نہ اُن کا ایمان لانا مقدر تھا، مثلاً اُن کا بیٹا کنعان جس کا واقعہ سورۂ ہود میں گذر چکا ہے۔

(۱۷) یہاں قرآنِ کریم نے پیغمبر کا نام نہیں لیا، لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾

اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اَپنا رکھا تھا، اور جنہوں نے آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، اور جن کو ہم نے دُنیوی زندگی میں خوب عیش دے رکھا تھا، اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا: ''اس شخص کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے۔ جو چیز تم کھاتے ہو، یہ بھی کھاتا ہے، اور جو تم پیتے ہو، یہ بھی پیتا ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور اگر کہیں تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی فرماں برداری قبول کرلی تو تم بڑے ہی گھاٹے کا سودا کروگے۔ ﴿۳۴﴾ بھلا بتاؤ، یہ شخص تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے، اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہوجاؤ گے، تو تمہیں دوبارہ زمین سے نکالا جائے گا؟ ﴿۳۵﴾ جس بات سے تمہیں ڈرایا جارہا ہے، وہ تو بہت ہی بعید بات ہے، سمجھ سے بالکل ہی دُور! ﴿۳۶﴾ زندگی تو ہماری اس دُنیوی زندگی کے سوا کوئی اور نہیں ہے، (یہیں) ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿۳۷﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' ﴿۳۸﴾

ہیں جنہیں قوم ِ ثمود کی طرف بھیجا گیا تھا، کیونکہ آگے آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا گیا ہے کہ اُن کی قوم کو چنگھاڑ سے ہلاک کیا گیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید حضرت ہود علیہ السلام مراد ہوں جنہیں قوم ِ عاد کی طرف بھیجا گیا تھا، اور چنگھاڑ سے مراد ہوا کا وہ عذاب ہے جس کے ساتھ یقیناً خوفناک آواز بھی ہوگی۔ ان دونوں قوموں کے واقعات سورۂ اعراف (۷:۶۵ و ۷۳) اور سورۂ ہود (۱۱:۵۰ و ۶۱) میں گذر چکے ہیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾

پیغمبر نے کہا: ''یا ربّ! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد فرما۔'' ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا: ''اب تھوڑی ہی دیر کی بات ہے کہ یہ لوگ پچھتاتے رہ جائیں گے۔'' ﴿۴۰﴾ چنانچہ اس سچے وعدے کے مطابق اُن کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا، اور ہم نے اُنہیں کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا۔ پھٹکار ہے ایسے ظالم لوگوں پر! ﴿۴۱﴾ اس کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔ ﴿۴۲﴾ کوئی اُمت نہ اپنے معین وقت سے پہلے جا سکتی ہے، نہ اُس کے بعد ٹھہر سکتی ہے۔ (۱۸) ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اُس کا پیغمبر آتا تو وہ اُسے جھٹلاتے، چنانچہ ہم نے بھی ایک کے بعد ایک (کو ہلاک کرنے) کا سلسلہ باندھ دیا، اور اُنہیں قصہ کہانیاں بنا ڈالا۔ پھٹکار ہے اُن لوگوں پر جو اِیمان نہیں لاتے! ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح ثبوت کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو اُنہوں نے گھمنڈ کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے تکبر والے لوگ تھے۔ ﴿۴۵ و ۴۶﴾

(۱۸) یعنی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لئے فنا ہونے کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ع ۳ ۱۸ ۳

چنانچہ کہنے لگے: ''کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے؟''(۱۹) ﴿۴۷﴾ اس طرح انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، اور آخر کار وہ بھی اُن لوگوں سے جا ملے جنہیں ہلاک کیا گیا تھا۔ ﴿۴۸﴾ اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا فرمائی، تاکہ اُن کے لوگ رہنمائی حاصل کریں۔ ﴿۴۹﴾ اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور اُن کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پُرسکون جگہ تھی، اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔(۲۰) ﴿۵۰﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور نیک عمل کرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، مجھے اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تمہارا دِین ہے، (سب کے لئے) ایک ہی دِین! اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لئے دِل میں (صرف) میرا رُعب رکھو۔ ﴿۵۲﴾

---

(۱۹) حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی جسے فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔

(۲۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر بغیر باپ کے بیت اللحم کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ بیت اللحم کا بادشاہ ان کا اور ان کی والدہ کا دُشمن ہو گیا تھا، اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کو وہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ اپنے آپ کو اور اپنے صاحبزادے کو چھپانا پڑا جہاں اُس بادشاہ کی پہنچ نہ ہو۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ ہم نے اُنہیں ایک ایسی بلند جگہ پر پناہ دی جو اُن کے لئے پُرسکون بھی تھی، اور وہاں چشمے کا پانی بھی بہتا تھا جو ان کی ضروریات پوری کر سکے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ۙ

پھر ہوا یہ کہ لوگوں نے اپنے دِین میں باہم پھوٹ ڈال کر فرقے بنالئے۔ ہر گروہ نے اپنے خیال میں جو طریقہ اختیار کرلیا ہے، اُسی پر مگن ہے۔ ﴿۵۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) ان کو ایک خاص وقت تک اپنی جہالت میں ڈوبا رہنے دو۔ ﴿۵۴﴾ کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ ہم ان کو جو دولت اور اولاد دیئے جارہے ہیں، ﴿۵۵﴾ تو اُن کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی دِکھارہے ہیں؟[۲۱] نہیں، بلکہ ان کو حقیقت کا شعور نہیں ہے۔ ﴿۵۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار کے رُعب سے ڈرے رہتے ہیں، ﴿۵۷﴾ اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر اِیمان لاتے ہیں، ﴿۵۸﴾ اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے، ﴿۵۹﴾

---

(۲۱) بہت سے کفار اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سا مال و دولت دے رکھا ہے، ہماری اولاد بھی خوشحال ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، اور ہمیں آئندہ بھی خوشحال رکھے گا۔ اگر ناراض ہوتا تو یہ مال اور اولاد ہمیں میسر نہ ہوتا، یہ آیت اُن کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ دُنیا میں مال و دولت مل جانا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وہ کافروں اور نافرمانوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ اس کے بجائے وہ اُن لوگوں سے خوش ہے، اور اُن کا انجام بہتر کرے گا جن کے حالات آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰى رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ ۙ﴿۶۰﴾ اُولٰٓـئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُـكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا وَلَدَيۡنَا كِتٰبٌ يَّـنۡطِقُ بِالۡحَـقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ بَلۡ قُلُوۡبُهُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ مِّنۡ هٰذَا وَلَهُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰ لِكَ هُمۡ لَهَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِيۡهِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا هُمۡ يَجۡئَرُوۡنَ ؕ﴿۶۴﴾ لَا تَجۡئَرُوا الۡيَوۡمَ‌ اِنَّكُمۡ مِّنَّا لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَدۡ كَانَتۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ تَـنۡكِصُوۡنَ ۙ﴿۶۶﴾

اور وہ جو عمل بھی کرتے ہیں، اُسے کرتے وقت ان کے دِل اس بات سے سہمے ہوتے ہیں کہ اُنہیں اپنے پروردگار کے پاس واپس جانا ہے،[(۲۲)] ﴿۶۰﴾ وہ ہیں جو بھلائیاں حاصل کرنے میں جلدی دِکھا رہے ہیں، اور وہ ہیں جو اُن کی طرف تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ﴿۶۱﴾ اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کی ذمہ داری نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو (سب کا حال) ٹھیک ٹھیک بول دے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۲﴾ لیکن ان کے دِل اس بات سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور اس کے علاوہ اُن کی اور بھی کارستانیاں ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں[(۲۳)] ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم اُن کے دولت مند لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ ایک دم بلبلا اُٹھیں گے۔ ﴿۶۴﴾ آج بلبلاؤ نہیں، ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ ﴿۶۵﴾ میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اُلٹے پاؤں مڑ جاتے تھے، ﴿۶۶﴾

---

(۲۲) یعنی نیک عمل کرتے ہوئے بھی اُن کے دِل میں کوئی بڑائی نہیں آتی، بلکہ وہ سہمے رہتے ہیں کہ اس عمل میں کوئی ایسی کوتاہی نہ رہ گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بن جائے۔

(۲۳) یعنی کفر اور شرک کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی بہت سے برے کام ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ ؕ

بڑے غرور سے اس (قرآن) کے بارے میں رات کو مجلسیں جما کر بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔ ﴿۶۷﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی ہے جو ان کے پچھلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ ﴿۶۸﴾ یا یہ اپنے پیغمبر کو (پہلے سے) جانتے ہی نہیں تھے، اس وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہیں؟ (۲۴) ﴿۶۹﴾ یا ان کا کہنا ہے کہ ان (پیغمبر) کو جنون لاحق ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ پیغمبر ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔ (۲۵) ﴿۷۰﴾ اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو آسمان اور زمین اور اُن میں بسنے والے سب برباد ہو جاتے۔ نہیں، بلکہ ہم ان کے پاس خود ان کے لئے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں، اور وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۷۱﴾

---

(۲۴) اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سچائی اور امانت و دیانت سے واقف نہ ہوتا تو اُس کے دِل میں آپ کی نبوت میں شک ہونا کم از کم شروع میں سمجھ میں آ سکتا تھا، لیکن یہ لوگ چالیس سال سے آپ کی سچائی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے رہے ہیں، اور انہیں یقین سے معلوم ہے کہ آپ نے کبھی نہ جھوٹ بولا ہے، نہ کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے باوجود وہ آپ کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں جیسے وہ آپ کے حالات سے کبھی واقف ہی نہیں تھے۔

(۲۵) ان کے جھٹلانے کی نہ یہ وجہ ہے کہ آپ کوئی ایسی نئی بات لے کر آئے ہیں جو پچھلے انبیائے کرام لے کر نہ

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾

یا (ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ) تم ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہو؟ تو (یہ بات بھی غلط ہے، اس لئے کہ) تمہارے پروردگار کا دیا ہوا معاوضہ (تمہارے لئے) کہیں بہتر ہے، اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔﴿۷۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تم تو اُنہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہو،﴿۷۳﴾ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔﴿۷۴﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور اُس تکلیف کو دُور کردیں جس میں یہ مبتلا ہیں تب بھی یہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر اَڑے رہیں گے۔(۲۶)﴿۷۵﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو (ایک مرتبہ) عذاب میں پکڑا تھا، تو اُس وقت بھی یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکے۔ اور یہ تو عاجزی کی رَوِش اختیار کرتے ہی نہیں ہیں۔﴿۷۶﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے، تو یہ ایک دم اس میں مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔﴿۷۷﴾

آئے ہوں، نہ آپ کے اعلیٰ اخلاق ان لوگوں سے پوشیدہ ہیں، اور نہ یہ سچ مچ آپ کو (معاذ اللہ) مجنون سمجھتے ہیں۔ اصل وجہ اس کے برعکس یہ ہے کہ حق کی جو بات آپ لے کر آئے ہیں، وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اس لئے اُسے جھٹلانے کے لئے مختلف بہانے بناتے رہتے ہیں۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو جھنجھوڑنے کے لئے دو ایک مرتبہ اُنہیں قحط اور معاشی بدحالی میں مبتلا کیا۔ یہ آیت کسی ایسے ہی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دِل پیدا کئے۔ (مگر) تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔[(۲۷)] ﴿۷۸﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، اور اُسی کی طرف تمہیں اِکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۷۹﴾ اور وہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے، اور اُسی کے قبضے میں رات اور دن کی تبدیلیاں ہیں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۸۰﴾ اس کے بجائے یہ لوگ بھی ویسی ہی باتیں کرتے ہیں جیسی پچھلے لوگوں نے کی تھیں۔ ﴿۸۱﴾ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے، تو کیا واقعی ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا؟ ﴿۸۲﴾ یہ وہ یقین دہانی ہے جو ہم سے بھی کی گئی ہے، اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئی تھی۔ اس کی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں۔“ ﴿۸۳﴾ (اے پیغمبر! ذرا ان سے) کہو کہ: ”یہ ساری زمین اور اُس میں بسنے والے کس کی ملکیت ہیں؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔“ ﴿۸۴﴾

---

(۲۷) یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مختلف مظاہر بیان فرما رہے ہیں جنہیں کفارِ مکہ بھی مانتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ذات اتنے عظیم اور حیرت انگیز کام کرنے پر قادر ہے، وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتی؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ۙ

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ’’یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔‘‘ (۲۸) کہو کہ: ’’کیا پھر بھی تم سبق نہیں لیتے؟‘‘ ﴿۸۵﴾ کہو کہ: ’’سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے؟‘‘ ﴿۸۶﴾ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ’’یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔‘‘ کہو کہ: ’’کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟‘‘ ﴿۸۷﴾ کہو کہ: ’’کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اختیار ہے، اور جو پناہ دیتا ہے، اور اُس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔‘‘ ﴿۸۸﴾ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ’’سارا اختیار اللہ کا ہے۔‘‘ کہو کہ: ’’پھر کہاں سے تم پر کوئی جادو چل جاتا ہے؟‘‘ ﴿۸۹﴾ نہیں، (یہ افسانے نہیں) بلکہ ہم نے اُنہیں حق بات پہنچائی ہے، اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ ﴿۹۰﴾ نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے۔ (۲۹) پاک ہے اللہ اُن باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں، ﴿۹۱﴾

---

(۲۸) کفارِ عرب مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اس کے باوجود مختلف خداؤں کے بھی قائل تھے۔

(۲۹) یہ توحید کی تقریباً وہی دلیل ہے جو سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۴۲) اور سورۂ انبیاء (۲۱:۲۲) میں گذری ہے۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

وہ اللہ جسے تمام چھپی اور کھلی باتوں کا مکمل علم ہے۔ لہٰذا وہ ان کے شرک سے بہت بلند وبالا ہے۔ ﴿۹۲﴾ (اے پیغمبر!) دُعا کرو کہ: "میرے پروردگار! جس عذاب کی دھمکی ان (کافروں) کو دی جارہی ہے، اگر آپ اُسے میری آنکھوں کے سامنے لے آئیں، ﴿۹۳﴾ تو اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے گا۔" ﴿۹۴﴾ اور یقین جانو کہ ہم جس چیز کی انہیں دھمکی دے رہے ہیں، اُسے تمہاری آنکھوں کے سامنے لانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ﴿۹۵﴾ (لیکن جب تک وہ وقت نہ آئے) تم برائی کا دفعیہ ایسے طریقے سے کرتے رہو جو بہترین ہو۔[۳۰] جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، ہم خوب جانتے ہیں۔ ﴿۹۶﴾ اور دُعا کرو کہ: "میرے پروردگار! میں شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ﴿۹۷﴾ اور میرے پروردگار! میں اُن کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔" ﴿۹۸﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: "میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجئے، ﴿۹۹﴾

(۳۰) یعنی ان کی بے ہودگیوں کا اور ان کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن کا جواب حتی الامکان نرمی، خوش اخلاقی اور احسان سے دیئے جایئے۔

لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا کٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

تاکہ جس دُنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، اُس میں جا کر نیک عمل کروں۔'' ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے[۳۱] جو اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے۔ ﴿۱۰۰﴾ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ ان کے درمیان رشتے ناتے باقی رہیں گے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔[۳۲] ﴿۱۰۱﴾ اُس وقت جن کے پلڑے بھاری نکلے، تو وہی ہوں گے جو فلاح پائیں گے، ﴿۱۰۲﴾ اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لئے گھاٹے کا سودا کیا تھا، وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾ آگ اُن کے چہروں کو جھلس ڈالے گی، اور اُس میں اُن کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ ﴿۱۰۴﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ''کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے۔'' ﴿۱۰۵﴾

---

(۳۱) مرنے کے بعد سے قیامت تک مردہ جس عالم میں رہتا ہے، اُسے ''عالمِ برزخ'' کہا جاتا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد تمہارا دُنیا میں واپس جانا اب ممکن نہیں، کیونکہ تمہارے سامنے عالمِ برزخ ہے، جو قیامت تک باقی رہے گا۔

(۳۲) دُنیا میں رشتہ دار اور دوست ایک دوسرے کے بارے میں یہ پوچھتے رہتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ قیامت کا منظر اتنا ہولناک ہوگا کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑی ہوگی، اور اُسے اتنی فرصت نہیں ہوگی کہ وہ رشتہ داروں اور ملاقاتیوں کا حال معلوم کرے۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰىٓ اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

وہ کہیں گے: ''ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی تھی، اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ ﴿۱۰۶﴾ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے باہر نکال دیجئے، پھر اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔'' ﴿۱۰۷﴾ اللہ فرمائے گا: ''اسی (دوزخ) میں ذلیل ہو کر پڑے رہو، اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ ﴿۱۰۸﴾ میرے بندوں میں سے ایک جماعت یہ دُعا کرتی تھی کہ: 'اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمایئے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں' ﴿۱۰۹﴾ تو تم نے ان لوگوں کا مذاق بنایا تھا۔ یہاں تک کہ اُن ہی (کے ساتھ چھیڑ چھاڑ) نے تمہیں میری یاد تک سے غافل کر دیا، اور تم اُن کی ہنسی اُڑاتے رہے۔ (۳۳) ﴿۱۱۰﴾ اُنہوں نے جس طرح صبر سے کام لیا تھا، آج میں نے اُنہیں اُس کا یہ بدلہ دیا ہے کہ اُنہوں نے اپنی مراد پالی ہے۔'' ﴿۱۱۱﴾ (پھر) اللہ (ان دوزخیوں سے) فرمائے گا: ''تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟'' ﴿۱۱۲﴾

---

(۳۳) یعنی تمہارا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق پامال کئے، بلکہ نیک بندوں پر ظلم کر کے حقوق العباد بھی پامال کئے۔ اس دن کی ہولناک سزا سے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا، مگر تم اس کا مذاق اُڑاتے رہے، اس لئے اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں ہو۔

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶ ۲۶

وہ کہیں گے کہ: ''ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔ (۳۴) (ہمیں پوری طرح یاد نہیں) اس لئے جنہوں نے (وقت کی) گنتی کی ہو، اُن سے پوچھ لیجئے۔'' ﴿۱۱۳﴾ اللہ فرمائے گا: ''تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم نے (اُس وقت) سمجھ لی ہوتی! (۳۵) ﴿۱۱۴﴾ بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کر دیا، (۳۶) اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟'' ﴿۱۱۵﴾ غرض بہت اُونچی شان ہے اللہ کی جو صحیح معنی میں بادشاہ ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے، جس پر اُس کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں، تو اُس کا حساب اُس کے پروردگار کے پاس ہے۔ یقین جانو کہ کافر لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور تم (اے پیغمبر!) یہ کہو کہ: ''میرے پروردگار! ہماری خطائیں بخش دے، اور رحم فرما دے، تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔'' ﴿۱۱۸﴾

---

(۳۴) آخرت کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ اُس کے مقابلے میں دُنیا کی ساری زندگی اور اُس میں جو عیش و عشرت کئے تھے، وہ ان دوزخیوں کو ایک دن یا اُس سے بھی کم معلوم ہوں گے۔

(۳۵) یعنی اب تو تم نے خود دیکھ لیا کہ دُنیا کا عیش ایک دن کا نہ سہی، مگر آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا سا تھا۔ یہی بات تم سے دُنیا میں کہی جاتی تھی تو تم اُسے ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ کاش یہ حقیقت تم نے اُس وقت

سمجھ لی ہوتی تو آج تمہارا یہ حشر نہ ہوتا۔

(۳۶) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اُن کے موقف کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا کردی ہے۔ یہاں جس کے جو جی میں آئے کرتا رہے، اُس کا کوئی بدلہ کسی اور زندگی میں ملنے والا نہیں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی حکمت پر ایمان رکھتا ہو، اُس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی غلط بات منسوب کرے، لہٰذا آخرت پر ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا منطقی تقاضا ہے۔

الحمد للہ! سورۂ مؤمنون کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شب جمعہ ۲۶ رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۶ ر مارچ ۲۰۰۷ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے، جبکہ سورت کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

سُورَةُ النُّورِ

تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہدایات اور اَحکام دینا ہے۔ پچھلی سورت کے شروع میں مؤمنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، اُن میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گذارتے ہیں۔ اب اس سورت میں باعفت زندگی گذارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اُسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اُس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے ایک قبیلے بنوالمصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے اُس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اُس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی، اور اُسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔ اس سورت کی آیات: ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہؓ کی براءت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، اُن کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔ نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے اَحکام بھی اسی سورت میں دیئے گئے ہیں، اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب واَحکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیاتها ۶۴ ۲۴ سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے، اور جس (کے اَحکام) کو ہم نے فرض کیا ہے، اور اُس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۱﴾ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ،(۱) اور اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دِین کے معاملے میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ اور یہ بھی چاہئے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع اُن کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔ ﴿۲﴾

(۱) یہ وہ سزا ہے جو مرد یا عورت کے زنا کرنے پر قرآنِ کریم نے مقرر فرمائی ہے، اور جسے اِصطلاح میں ''حدِ زنا'' کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر زنا کا ارتکاب کسی غیر شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو تب تو یہی سزا دی جائے گی، اور اگر اس جرم کا ارتکاب شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو، تو اُس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق میری کتاب ''عدالتی فیصلے'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ۳ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ ۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ ۶

زانی مرد نکاح کرتا ہے تو زناکار یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، اور زناکار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو، یا مشرک ہو،(۲) اور یہ بات مؤمنوں کے لئے حرام کردی گئی ہے۔(۳) ﴿۳﴾ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، تو اُن کو اَسّی کوڑے لگاؤ،(۴) اور اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو،(۵) اور وہ خود فاسق ہیں۔ ﴿۴﴾ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں، اور (اپنی) اصلاح کرلیں، تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔(۶) ﴿۵﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں،(۷) اور خود اپنے سوا اُن کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی شخص کو جو گواہی دینی ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ بیان دے کہ وہ (بیوی پر لگائے ہوئے الزام میں) یقیناً سچا ہے۔ ﴿۶﴾

---

(۲) یعنی جو شخص بدکاری کا عادی ہو، اور اُس پر نہ شرمندہ ہو، نہ توبہ کرتا ہو، اُس کا مزاج ایسی ہی عورت سے ملتا ہے جو بدکار ہو، اس لئے اوّل تو وہ بدکاری ہی کی کوشش میں رہتا ہے، اور اگر نکاح کرنا پڑجائے تو وہ نکاح بھی ایسی ہی بدکار عورت سے کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جو عورت اسی طرح کی عادی بدکار ہو اُس کا مزاج بھی بدکار مرد ہی سے ملتا ہے، اس لئے اُس سے نکاح وہی کرتا ہے جو خود بدکاری کا عادی رہا ہو، اور اُسے اس بات سے کوئی شرم محسوس نہ ہوتی ہو کہ اُس کی بیوی بدکاری میں ملوث ہے، اور وہ خود بھی ایسے ہی

مرد کو پسند کرتی ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) یعنی بدکار مرد یا عورت کو نکاح کے لئے پسند کرنا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ اُنہیں چاہئے کہ وہ اپنے لئے شریکِ زندگی تلاش کرتے وقت اُس کی نیکی اور پاک دامنی کا ضرور خیال رکھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے کسی بدکار مرد یا عورت سے نکاح کرلیا تو اُس نکاح کو باطل نہیں کہا جائے گا، اور اُس پر نکاح کے تمام اَحکام جاری ہوں گے، لیکن اس غلط انتخاب کا گناہ ضرور ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم اُن عادی بدکاروں کا ہے جنہوں نے اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کی ہو۔ لیکن اگر کسی نے توبہ کرلی تو پھر اُس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس آیت کی تشریح اس کے علاوہ بھی دوسرے طریقوں سے کی گئی ہے لیکن جو تشریح یہاں لکھی گئی ہے وہ آسان اور بے غبار ہے۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ''بیان القرآن'' میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) جس طرح زنا ایک انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اور اُس پر سزا بھی بڑی سخت رکھی گئی ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی نہایت سنگین جرم قرار دیا گیا ہے، اور اُس کی سزا اَسّی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ اس کو اِصطلاح میں ''حدِ قذف'' کہا جاتا ہے۔

(۵) یہ بھی جھوٹی تہمت کی سزا کا ایک حصہ ہے کہ ایسی تہمت لگانے والے کی گواہی کسی بھی مقدمے میں قبول نہیں کی جائے گی۔

(۶) توبہ سے جھوٹی تہمت کا گناہ تو معاف ہوجائے گا، لیکن جو سزائیں اُوپر بیان کی گئی ہیں، وہ پھر بھی دی جائیں گی۔

(۷) اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اُوپر جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اُس کی رُو سے اگر وہ چار گواہ نہ لاسکے تو اُس پر بھی اَسّی کوڑوں کی سزا لاگو ہونی چاہئے تھی، لیکن میاں بیوی کے تعلقات کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک الگ خصوصی طریقۂ کار مقرر فرمایا ہے جسے اِصطلاح میں ''لعان'' کہا جاتا ہے۔ یہ طریقِ کار ان آیات میں بیان ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کو قاضی اُن الفاظ میں پانچ پانچ قسمیں کھانے کو کہے گا جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے دونوں کو یہ ترغیب دے گا کہ آخرت کا عذاب دُنیا کی سزا سے زیادہ سخت ہے، اس لئے جھوٹی قسم کھانے کے بجائے اصل حقیقت کا اعتراف کرلو۔ اگر بیوی قسم کھانے کے بجائے اپنے جرم کا اعتراف کرلے تو اُس پر زنا کی حد جاری ہوگی، اور اگر شوہر قسم کھانے کے بجائے یہ اعتراف کرلے کہ اُس نے جھوٹا الزام لگایا تھا تو اُس پر وہ حدِ قذف جاری ہوگی جو آیت نمبر ۴ میں بیان ہوئی ہے۔ اور اگر دونوں قسم کھالیں تو کسی پر دُنیا میں سزا جاری نہیں ہوگی، البتہ اس کے بعد قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کردے گا۔ اور اگر کوئی بچہ پیدا ہوا اور شوہر اُسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے تو وہ صرف ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۚ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١﴾

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: ''اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔'' ﴿۷﴾ اور عورت سے (زنا کی) سزا دُور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ اُس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے۔ ﴿۸﴾ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: ''اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔'' ﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ کثرت سے توبہ قبول کرنے والا، حکمت والا ہے (تو خود سوچ لو کہ تمہارا کیا بنتا؟)۔[8] ﴿۱۰﴾

یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔[9] تم اس بات کو اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی بہتر ہے۔[10] ان لوگوں میں سے ہر ایک کے حصے میں اپنے کئے کا گناہ آیا ہے۔ اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ہے، اُس کے لئے تو زبردست عذاب ہے۔[11] ﴿۱۱﴾

---

(۸) یعنی لعان کا جو طریقِ کار مقرر کیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، ورنہ اگر میاں بیوی کے درمیان بھی وہی قاعدہ جاری ہوتا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھے تو اُس وقت تک زبان نہ کھولے جب تک چار گواہ میسر نہ ہوں، ورنہ خود اُس کو اَسّی کوڑے لگائے جائیں گے تو سخت دُشواری کا سامنا ہوتا۔

(۹) یہاں سے آیت نمبر ۲۶ تک جس واقعے کی طرف اشارہ ہے، اُس کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اِسلام کو جو تیز رفتار فروغ حاصل ہوا، اُس پر کفر کی طاقتیں دانت

پیس رہی تھیں۔ خود مدینہ منورہ میں اُن منافقوں کا ایک گروہ موجود تھا جو زبان سے تو اِسلام لے آئے تھے، لیکن اُن کے دِلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے خلاف کینہ بھرا ہوا تھا، اور وہ مسلمانوں کو بدنام کرنے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع چھوڑتے نہیں تھے۔ اسی زمانے میں غزوۂ بنو المصطلق پیش آیا جس میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ واپسی کے سفر میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا تو حضرت عائشہؓ کا ایک ہار گم ہوگیا، اور وہ اُس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم نہیں تھا، اس لئے آپ نے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا، اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو قافلہ جاچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ذہانت اور تحمل کا غیر معمولی مقام عطا فرمایا تھا، وہ پریشان ہوکر اِدھر اُدھر جانے کے بجائے اُسی جگہ بیٹھ گئیں جہاں سے روانہ ہوئی تھیں، کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اُن کی غیر موجودگی کا احساس ہوگا تو آپ اُن کی تلاش میں اسی جگہ یا تو خود تشریف لائیں گے یا کسی کو بھیجیں گے۔ قافلوں کا ایک دستور یہ تھا کہ ایک شخص کو قافلے کے بالکل پیچھے اس طرح رکھا جاتا تھا کہ قافلے کی روانگی کے بعد وہ یہ دیکھتا ہوا آئے کہ کوئی چیز گری پڑی تو نہیں رہ گئی ہے۔ اس قافلے میں آپ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ جب اُس جگہ سے گذرے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں تو اُنہیں اس سانحے کا علم ہوا، اور پھر اُنہوں نے اپنا اُونٹ اُمّ المؤمنین کو پیش کیا، جس پر سوار ہوکر وہ مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اس واقعے کو منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے ایک بتنگڑ بنالیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنہا صفوان بن معطلؓ کے ساتھ سفر کیا ہے، اور اس کی وجہ سے آپ پر وہ گھناؤنی تہمت لگائی جسے زبان سے نکالنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے مشکل ہے۔ عبداللہ بن اُبی نے اس تہمت کو اتنی شہرت دی کہ دو تین سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آگئے، اور اس طرح کئی دن تک یہ بے سروپا باتیں لوگوں میں پھیلائی جاتی رہیں۔ بالآخر سورۂ نور کی یہ آیات نازل ہوئیں جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مکمل براءت ظاہر کرنے کے ساتھ اُن لوگوں کو سخت وعیدیں سنائیں جو اس سازش کے کرتا دھرتا تھے۔

(۱۰) یعنی اگرچہ بظاہر یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا، لیکن انجام کے لحاظ سے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے، اوّل تو اس لئے کہ اس کے ذریعے وہ لوگ بے نقاب ہوگئے جو خانوادۂ نبوت کے خلاف سازشیں کرتے تھے، دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقامِ بلند لوگوں پر ظاہر ہوا، تیسرے اس واقعے سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی، اُس پر انہیں بڑا ثواب ہوا۔

(۱۱) اس سے مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی ہے جس نے یہ ساری سازش تیار کی تھی۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟ ﴿۱۲﴾ وہ (بہتان لگانے والے) اس بات پر چار گواہ کیوں نہیں لے آئے؟ اب جبکہ وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آپڑتا، ﴿۱۴﴾ جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے،(۱۲) اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم اس بات کو معمولی سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی سنگین بات تھی۔ ﴿۱۵﴾ اور جس وقت تم نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: "ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں، یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے۔" ﴿۱۶﴾

---

(۱۲) اگرچہ اکثر مخلص مسلمان اس تہمت کو جھوٹ ہی سمجھتے تھے، لیکن مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ اس طرح کی بے بنیاد اور بے دلیل باتوں کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۸
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا، اگر واقعی تم مؤمن ہو۔ ﴿۱۷﴾ اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کررہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۸﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لئے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۱۹﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تمہارے شاملِ حال ہے، اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور اگر کوئی شخص شیطان کے پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کردیتا ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۱﴾

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

اور تم میں سے جو لوگ اہلِ خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے،(۱۳) اور انہیں چاہئے کہ معافی اور درگذر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، اُن پر دُنیا اور آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے، اور اُن کو اُس دن زبردست عذاب ہوگا ﴿۲۳﴾ جس دن خود اُن کی زبانیں، اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں اُن کے خلاف اُس کرتوت کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

---

(۱۳) جو دو تین مخلص مسلمان اپنی سادہ لوحی سے منافقوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے تھے، اُن میں ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مہاجر صحابی تھے، اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ اُن کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عائشہؓ کے خلاف ایسی باتیں کی ہیں تو انہوں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ ان کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ حضرت مسطح سے غلطی ضرور ہوگئی تھی، لیکن پھر انہوں نے سچے دِل سے توبہ بھی کرلی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ اُن کی مالی مدد نہ کرنے کی قسم کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ جب انہوں نے توبہ کرلی ہے تو ان کو معاف کر دینا چاہئے۔ چنانچہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد اُن کی مالی امداد دوبارہ جاری کردی، اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اور فرمایا کہ آئندہ کبھی اس امداد کو بند نہیں کروں گا۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اُس دن اللہ اُن کو وہ بدلہ پورا پورا دیدے گا جس کے وہ مستحق ہیں، اور اُن کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے، اور وہی ساری بات کھول دینے والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق۔ اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لائق ہیں، اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لائق۔[۱۴] یہ (پاکباز مرد اور عورتیں) اُن باتوں سے بالکل مبرا ہیں جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔ اُن (پاکبازوں) کے حصے میں تو مغفرت ہے اور باعزت رزق۔ ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور اُن میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو۔[۱۵] یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، اُمید ہے کہ تم خیال رکھو گے۔ ﴿۲۷﴾

(۱۴) اشارہ فرمادیا گیا کہ اس کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاکباز شخصیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس اُصول کے تحت یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زوجیت میں کسی ایسی خاتون کو لائے جو (معاذ اللہ) پاکباز نہ ہو۔ کوئی شخص اسی بات پر غور کرلیتا تو اُس پر اس تہمت کی حقیقت واضح ہو جاتی۔

(۱۵) یہاں سے معاشرے میں بے حیائی پھیلنے کے بنیادی اسباب پر پہرہ بٹھانے کے لئے کچھ اَحکام دیئے جارہے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اُس سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس میں ایک تو حکمت یہ ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں بے جا مداخلت نہ ہو جس سے اُسے تکلیف پہنچے۔ دوسرے بلا اجازت کسی کے گھر میں چلے جانے سے بے حیائی کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔ اور اجازت لینے کا طریقہ بھی یہ بتایا گیا ہے کہ باہر سے ''السلام علیکم'' کہا جائے، یا اگر یہ خیال ہو کہ گھر والا سلام نہیں

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾

اور اگر تم اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تب بھی اُن میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دے دی جائے۔[۱۶] اور اگر تم سے کہا جائے کہ: ''واپس چلے جاؤ'' تو واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، اور تم جو عمل بھی کرتے ہو، اللہ کو اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۲۸﴾ تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں (اجازت لئے بغیر) داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو، اور اُن سے تمہیں فائدہ اُٹھانے کا حق ہو۔[۱۷] اور تم جو کام علانیہ کرتے ہو، اور جو چھپ کر کرتے ہو، اللہ اُن سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی اُن کے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں، اللہ اُن سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳۰﴾

سن سکے گا، اور اجازت دستک دے کر یا گھنٹی بجا کر لی جارہی ہے تو جب گھر والا سامنے آجائے اُس وقت اُسے سلام کیا جائے۔

(۱۶) یعنی اگر کوئی گھر کسی اور کا ہے اور بظاہر خالی معلوم ہورہا ہے، تب بھی اُس میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اوّل تو ممکن ہے کہ وہ اندر موجود ہو، اور نظر نہ آرہا ہو، اور اگر موجود نہ بھی ہو تو کسی اور کے گھر میں اُس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(۱۷) اس سے مراد وہ عوامی مقامات ہیں جو کسی ایک شخص یا اشخاص کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ عوام کو اُن سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہوتی ہے، مثلاً عوامی مسافر خانے، ہوٹل کے بیرونی حصے، ہسپتال، ڈاک خانے، پارک، مدرسے، وغیرہ۔ اجازت طلب کرنے کے مفصل احکام کے لئے ان آیات کے تحت ''معارف القرآن'' کی طرف رُجوع کیا جائے جس میں یہ اہم احکام بڑے شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے،[۱۸] اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں،[۱۹] سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے،[۲۰] یا اُن کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں،[۲۱] یا اُن خدمت گذاروں کے جن کے دِل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا،[۲۲] یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔[۲۳] اور مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اِس طرح نہ ماریں کہ اُنہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے۔[۲۴] اور اے مؤمنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۳۱﴾

---

(۱۸) سجاوٹ سے مراد جسم کے وہ حصے ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے، یا خوشنما کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس

آیتِ کریمہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرَم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جو ان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپالے۔ البتہ ان مقامات میں سے کوئی حصہ کام کاج کے دوران بے اختیار کھل جائے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑے تو اُسے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ ''سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔'' تفسیر ابنِ جریرؒ کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ چادر ہے جو عورت نے اوڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو چھپانا ممکن نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ضرورت کے وقت عورت کو اگر اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہاتھ کھولنے پڑیں تو اس آیت نے اُس کی بھی اجازت دی ہے۔ لیکن چونکہ چہرہ ہی عورت کے حسن کا اصل مرکز ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں اُس کو بھی چھپانے کا حکم ہے جیسا کہ سورۂ اَحزاب (۳۳:۵۹) میں بیان فرمایا گیا ہے، البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر اُسے کھولنے کی اجازت ہے، اور اُس حالت میں بھی مردوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، جیسا کہ پچھلی آیت میں گذرا۔

(۱۹) یہاں سے اُن افراد کی فہرست دی جارہی ہے جن سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۰) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، لہٰذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے۔ لیکن چونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں اَزواجِ مطہراتؓ کے پاس جایا کرتی تھیں، اس لئے اِمام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ''اپنی عورتوں'' سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اُن سے پردہ واجب نہیں ہے (معارف القرآن)۔

(۲۱) اس سے مراد باندیاں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اور بعض فقہاء نے اپنے غلاموں کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے، یعنی اُن سے پردہ نہیں ہے۔

(۲۲) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ''تابعین'' استعمال ہوا ہے، اس کے معنی ایسے لوگ ہیں جو کسی دوسرے کے تابع ہوں۔ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اُس زمانے میں کچھ بے عقل قسم کے لوگ ایسے ہوتے تھے جو کسی گھر والے کے اس لئے پیچھے لگ جاتے تھے کہ وہ انہیں کھانا کھلا دے، یا کسی مہمان کے طفیلی بن کر کسی کے گھر میں چلے جاتے تھے، اور کھانے کے سوا اُنہیں کسی سے سروکار نہیں ہوتا تھا، اور نہ ان میں کوئی جنسی خواہش ہوتی تھی۔ البتہ اِمام شعبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ نوکر چاکر ہیں جو اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں کہ اُن کے دِل میں عورتوں کی طرف کوئی میلان باقی نہ رہا ہو (تفسیر ابنِ جریر)۔

(۲۳) یعنی وہ نابالغ بچے جن کو ابھی مرد و عورت کے جنسی تعلقات کا کچھ پتہ ہی نہ ہو۔

(۲۴) یعنی اگر پاؤں میں پازیب پہنی ہوئی ہے تو اس طرح نہ چلیں کہ پازیب کی آواز سنائی دے، یا زیوروں کے ایک دوسرے سے ٹکرا کر بجنے کی آواز غیر محرَم مرد سنیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، اُن کا بھی نکاح کراؤ، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، اُن کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں بے نیاز کردے گا۔(۲۵) اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں، وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے اُنہیں بے نیاز کردے۔ اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں، اگر اُن میں بھلائی دیکھو تو اُن سے مکاتبت کا معاہدہ کرلیا کرو،(۲۶) اور (مسلمانو!) اللہ نے تمہیں جو مال دے رکھا ہے، اُس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دیا کرو۔ اور اپنی باندیوں کو دُنیوی زندگی کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامنی چاہتی ہوں۔(۲۷) اور جو کوئی اُنہیں مجبور کرے گا تو اُن کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (اُن باندیوں کو) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۲۸) ﴿۳۳﴾

(۲۵) اس سورت میں جہاں بے حیائی اور بدکاری کو روکنے کے لئے مختلف اَحکام دیئے گئے ہیں، وہاں انسان کی

فطرت میں جو جنسی خواہش موجود ہے، اُس کو حلال طریقے سے پورا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے، چنانچہ اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو بالغ مرد و عورت نکاح کے قابل ہوں، تمام متعلقین کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اُن کا نکاح ہوجائے، اور یہ اندیشہ نہ کرنا چاہئے کہ اگرچہ اس وقت تو وسعت موجود ہے، لیکن نکاح کے نتیجے میں بیوی بچوں کا خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کہیں مفلسی نہ ہوجائے، بلکہ جب اس وقت نکاح کی وسعت موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکاح کر لینا چاہئے۔ پاک دامنی کی نیت سے نکاح کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ آئندہ اِخراجات کا بھی مناسب انتظام فرمادے گا۔ البتہ اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جن کے پاس اس وقت بھی نکاح کی وسعت نہیں ہے۔ اُن کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان میں وسعت پیدا کرے، اُس وقت تک وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں۔

(۲۶) جب غلاموں اور باندیوں کا رواج تھا، اُس وقت وہ اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کر لیتے تھے کہ وہ ایک طے شدہ رقم کما کر اپنے آقاؤں کو دیں گے جس کے بعد وہ آزاد ہوجائیں گے۔ یہ معاملہ "مکاتبت" کہلاتا ہے۔ اس آیت نے آقاؤں کو یہ ترغیب دی ہے کہ جب اُن کے غلام یا باندیاں اُن سے یہ معاملہ کرنا چاہیں تو اُنہیں قبول کر لینا چاہئے، اور دوسرے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ ایسے غلاموں اور بندیوں کی مالی مدد کریں، تاکہ وہ آزادی حاصل کرسکیں۔

(۲۷) جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ لوگ اپنی کنیزوں سے عصمت فروشی کراتے، اور اس طرح اُن کو بدکاری پر مجبور کر کے پیسہ کماتے تھے۔ اس آیت نے اس گھناؤنی رسم کو شدید گناہ قرار دے کر اُسے ختم کیا۔

(۲۸) یعنی جس کنیز کو اُس کی مرضی کے خلاف بدکاری پر مجبور کیا گیا، اُس کو مجبور ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ اُس نے بدکاری سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو، نیز اُسے بدکاری کی شرعی سزا بھی نہیں دی جائے گی، البتہ بدکاری کی سزا اُس کو ملے گی جس نے اُس سے بدکاری کی، نیز اُس آقا کو بھی تعزیری سزا ہوگی جس نے اُسے عصمت فروشی پر مجبور کیا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ

ع ۸ / ۱۰

اور ہم نے وہ آیتیں بھی اُتار کر تم تک پہنچادی ہیں جو ہر بات کو واضح کرنے والی ہیں، اور اُن لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، اور وہ نصیحت بھی جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے کارآمد ہے۔ ﴿۳۴﴾ اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔[۲۹] اُس کے نور کی مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو،[۳۰] چراغ ایک شیشے میں ہو۔ شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارا، موتی کی طرح چمکتا ہوا! وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ (صرف) مشرقی ہو نہ (صرف) مغربی،[۳۱]

(۲۹) اس جملے کا سادہ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایت کا نور پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ البتہ اِمام غزالیؒ نے اس آیت کی تشریح میں ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جس میں اس فقرے کا مطلب بڑے لطیف فلسفیانہ انداز میں سمجھایا ہے، اُن کی یہ پوری بحث اِمام رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت نقل فرمائی ہے جو اہلِ علم کے لئے قابلِ دید ہے۔

(۳۰) اِمام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سورج کی روشنی ایک چراغ کی روشنی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت کی مثال سورج کے بجائے چراغ سے اس لئے دی گئی ہے کہ یہاں مقصود اُس ہدایت کی مثال دینا ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے عین درمیان راستہ دِکھائے، اور چراغ ہمیشہ اندھیرے کے بیچوں بیچ روشنی پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس سورج کی موجودگی میں کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا، اس لئے اندھیرے سے اُس کا تقابل ساتھ ساتھ ظاہر نہیں ہوتا (تفسیر کبیر)۔

(۳۱) یعنی سورج چاہے مشرق میں ہو یا مغرب میں، اُس کی دُھوپ اُس درخت کو ہر حال میں پہنچتی ہو۔ ایسے درخت کا پھل اچھی طرح پکتا ہے، اور اُس کا تیل بھی زیادہ شفاف ہوتا ہے۔

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

ایسا لگتا ہو کہ اُس کا تیل خود ہی روشنی دیدے گا، چاہے اُسے آگ بھی نہ لگے۔(۳۲) نور بالائے نور! اللہ اپنے نور تک جسے چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں کے فائدے کے لئے تمثیلیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۳۵﴾ جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اُن کو بلند مقام دیا جائے، اور اُن میں اُس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، اُن میں صبح و شام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔(۳۳) وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دِل اور نگاہیں اُلٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔ ﴿۳۶-۳۷﴾

(۳۲) پکے ہوئے زیتون کا تیل اگر خالص ہو تو خود اُس میں اتنی چمک ہوتی ہے کہ وہ دُور سے روشن معلوم ہوتا ہے۔

(۳۳) پچھلی آیت میں یہ بیان تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، نورِ ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اب اُن لوگوں کی خصوصیات بیان فرمائی جارہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ ہدایت تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ مسجدوں اور عبادت گاہوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اور عبادت گاہیں ایسے گھر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند مرتبہ دے کر اُن کی تعظیم کی جائے۔ پھر یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ان عبادت گاہوں میں عبادت کرنے والے دُنیا کو بالکل چھوڑ کر نہیں بیٹھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معاشی کاروبار میں حصہ لے کر تجارت اور خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، لیکن یہ تجارتی سرگرمیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ۙ

نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا، اور اپنے فضل سے مزید کچھ اور بھی دے گا،[۳۴] اور اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل صحرا میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا،[۳۵] اور اُس کے پاس اللہ کو پاتا ہے، چنانچہ اللہ اُس کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔[۳۶] اور اللہ بہت جلدی حساب لے لیتا ہے۔ ﴿۳۹﴾

یاد اور اُس کے اَحکام کی اطاعت سے غافل نہیں کرتیں۔ چنانچہ وہ اپنے وقت پر نماز بھی قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، اور کسی وقت اس حقیقت سے بے پروا نہیں ہوتے کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور وہ دن اتنا ہولناک ہوگا کہ اُس میں لوگوں اور خاص طور پر نافرمانوں کے دل اُلٹ جائیں گے، اور آنکھیں پلٹ کر رہ جائیں گی۔

(۳۴) نیک اعمال کا ثواب کچھ تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں آگیا ہے۔ اس آیت نے بڑے لطیف انداز میں یہ بتایا ہے کہ نیک لوگوں کا ثواب صرف اُن نعمتوں میں منحصر نہیں ہوگا جن کا تذکرہ قرآن وحدیث میں کردیا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اُس کے علاوہ ایسی نعمتیں بھی عطا فرمائیں گے جن کا تذکرہ نہ قرآن وحدیث میں آیا ہے، اور نہ کسی کے دِل میں اُن کا تصور آیا ہے۔

(۳۵) ریگستان میں جو ریت چمکتا نظر آتا ہے، دُور سے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پانی ہو، اُسے "سراب" کہتے ہیں۔ جس طرح سفر کرتے ہوئے آدمیوں کو سراب دھوکا دیتا ہے کہ وہ اُسے پانی سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی طرح کافر لوگ جو عبادت نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، وہ سراب کی طرح ایک دھوکا ہے۔

(۳۶) یہ مثال اُن کافروں کی ہے جو آخرت کو مانتے ہیں، لیکن توحید اور رِسالت کے منکر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع

یا پھر اُن (اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اُوپر ایک اور موج ہو، اور اُس کے اُوپر بادل، غرض اُوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے! اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔(۳۷) اور جس شخص کو اللہ ہی نور عطا نہ کرے، اُس کے نصیب میں کوئی نور نہیں۔ ﴿۴۰﴾

جن اعمال کے بارے میں یہ کافر لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ ان کو آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، مرنے کے بعد اُنہیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پورا پورا حساب دُنیا میں چکا کر انہیں سزا کا مستحق قرار دیا ہے، اور اس طرح اُن سارے کاموں نے فائدے کے بجائے نقصان پہنچایا ہے۔

(۳۷) یہ اُن کافروں کی مثال ہے جو آخرت کو سرے سے مانتے ہی نہیں، اس لئے ان کے پاس اتنا نور بھی نہیں جتنا پہلے گروہ کے پاس تھا کہ کم از کم وہ یہ اُمید رکھتے تھے کہ اُن کے اعمال اُنہیں آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، لیکن ان لوگوں کے پاس اُمید کی یہ کرن بھی نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے دونوں مثالوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، اور اُن سے فائدے کی اُمید رکھتے ہیں، اُن کی مثال تو سراب جیسی ہے، اور ایک وہ اعمال ہیں جو وہ نیکی سمجھ کر نہیں کرتے، اُن کی مثال اُن اندھیروں کی ہے جن میں روشنی کی کوئی کرن نہیں ہوتی۔ پھر سمندر کی تہہ کا اندھیرا اُن کے کافرانہ عقائد کی مثال ہے، اور ایک موج کا اندھیرا اُن کے برے اعمال کی مثال ہے، اور دوسری موج کا اندھیرا اُن کی ہٹ دھرمی کی مثال ہے۔ اس طرح اُن میں اُوپر تلے بہت سے اندھیرے جمع ہو گئے ہیں۔ ایسے سخت اندھیرے میں جس طرح انسان کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا، اسی طرح کفر اور فسق کے اندھیروں میں ان لوگوں کو خود اپنی حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے اُڑتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ معلوم ہے۔(۳۸) اور اللہ ان کے سارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔﴿۴۱﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔﴿۴۲﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہنکاتا ہے، پھر ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے، پھر انہیں تہہ بر تہہ گھٹا میں تبدیل کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اُس کے درمیان سے برس رہی ہے۔ اور آسمان میں (بادلوں کی شکل میں) جو پہاڑ کے پہاڑ ہوتے ہیں، اللہ ان سے اولے برساتا ہے، پھر جس کے لئے چاہتا ہے، ان کو مصیبت بنا دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے، اُن کا رُخ پھیر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اُس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے گی۔﴿۴۳﴾

---

(۳۸) سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرما دیا ہے کہ ہر چیز کے تسبیح کرنے کا طریقہ مختلف ہے، اور کائنات کی تمام چیزیں اپنے اپنے مخصوص انداز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کے حاشیے میں عرض کیا گیا، قرآنِ کریم کی متعدد آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم دُنیا میں بے حس سمجھتے ہیں، اُن سب میں کچھ نہ کچھ حس موجود ہے، اور یہ بات اب رفتہ رفتہ موجودہ سائنس بھی تسلیم کر رہی ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو چار (پاؤں) پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۵﴾ بیشک ہم نے وہ آیتیں نازل کی ہیں جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے۔ ﴿۴۶﴾ اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم فرماں بردار ہوگئے ہیں، پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد بھی منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ لوگ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں۔[۳۹] ﴿۴۷﴾

---

(۳۹) منافقین چونکہ دِل سے ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف معاندانہ حرکتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوگیا۔ یہودی جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق کا فیصلہ کریں گے، اس لئے اُس نے بشر کو پیشکش کی کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرالیں۔ بشر کے دِل میں چور تھا، اس لئے

وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوٓا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿٥٢﴾

اور جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رُخ پھیر لیتے ہیں۔ ﴿۴۸﴾ اور اگر خود اُنہیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرماں بردار بن کر رسول کے پاس چلے آتے ہیں۔ ﴿۴۹﴾ کیا ان کے دِلوں میں کوئی روگ ہے، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول ان پر ظلم ڈھائے گا؟ نہیں، بلکہ ظلم ڈھانے والے تو خود یہ لوگ ہیں۔ ﴿۵۰﴾ مؤمنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: "ہم نے (حکم) سن لیا، اور مان لیا" اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ﴿۵۲﴾

اُس نے آپ سے فیصلہ کرانے کے بجائے ایک یہودی سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی۔ اُس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں (ابنِ جریر طبری)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪

اور یہ (منافق لوگ) بڑے زوروں سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر (اے پیغمبر!) تم انہیں حکم دو گے تو یہ نکل کھڑے ہوں گے۔ (ان سے) کہو کہ: "قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) فرماں برداری کا سب کو پتہ ہے۔[۴۰] یقین جانو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔" ﴿۵۳﴾ (ان سے) کہو کہ: "اللہ کا حکم مانو، اور رسول کے فرماں بردار بنو، پھر بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو رسول پر تو اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے، اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے، اُس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر تم اُن کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کا فرض اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں۔" ﴿۵۴﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا،

(۴۰) جب جہاد کا موقع نہ ہوتا تو یہ منافق لوگ منہ بھر بھر کر قسمیں کھاتے تھے کہ اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو یہ جہاد کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے، لیکن جب وقت آتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے جہاد سے جان چھڑا لیتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تمہاری فرماں برداری کی حقیقت تو سب کو معلوم ہے۔ بار بار تجربہ ہو چکا ہے کہ وقت پڑنے پر تمہاری ساری قسمیں دھری رہ جاتی ہیں۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع ۷ ۱۳

اور اُن کے لئے اُس دِین کو ضرور اِقتدار بخشے گا جسے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور اُن کو جو خوف لاحق رہا ہے، اُس کے بدلے اُنہیں ضرور اَمن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے، تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔(۴۱) ﴿۵۵﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو، تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ ﴿۵۶﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنالیا ہے، وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر ہمیں) بے بس کردیں گے۔ اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۷﴾

(۴۱) مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام نے کفار کے ظلم وستم کا سامنا کیا تھا، اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تو اُس کے بعد بھی کافروں کی طرف سے ہر وقت حملوں کا خوف لاحق رہتا تھا۔ اس موقع پر ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر چین سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ اُس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی، اور اس میں پیشین گوئی فرمائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو زمین پر اِقتدار حاصل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس وعدے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا جزیرۂ عرب اِسلام کے جھنڈے تلے آچکا تھا، اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اسلامی حکومت کا دائرہ تقریباً آدھی دُنیا تک وسیع ہوگیا تھا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِيَسْتَـْٔذِنكُمُ ٱلَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ وَٱلَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا۟ ٱلْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَٰثَ مَرَّٰتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَوٰةِ ٱلْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ ٱلظَّهِيرَةِ وَمِنۢ بَعْدِ صَلَوٰةِ ٱلْعِشَآءِ ۚ ثَلَٰثُ عَوْرَٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّٰفُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں پہنچے، ان کو چاہئے کہ وہ تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لئے) تم سے اجازت لیا کریں: نمازِ فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اُتار کر رکھا کرتے ہو، اور نمازِ عشاء کے بعد۔ (۴۲) یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی تنگی ہے، نہ اُن پر۔ اُن کا بھی تمہارے پاس آنا جانا لگا رہتا ہے، تمہارا بھی ایک دوسرے کے پاس۔ اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۸﴾

---

(۴۲) آیات: ۲۷ تا ۲۹ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی دوسرے کے گھر میں اجازت مانگے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے۔ عام طور سے مسلمان اس حکم پر عمل کرنے لگے تھے، لیکن کسی گھر کے غلام باندیوں اور نابالغ لڑکے لڑکیوں کو چونکہ بکثرت گھروں میں آنا جانا رہتا تھا، اس لئے وہ اس حکم کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ یہ لوگ کسی کے گھر میں ایسے وقت بلا اجازت داخل ہوگئے جو اُس کے آرام اور تنہائی کا وقت تھا، جس سے نہ صرف یہ کہ اُس کو تکلیف ہوئی، بلکہ بے پردگی بھی ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور ان میں یہ واضح کردیا گیا کہ کم از کم تین اوقات میں ان لوگوں کو بھی بلا اجازت گھروں میں داخل

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں، تو وہ بھی اُسی طرح اجازت لیا کریں جیسے اُن سے پہلے بالغ ہونے والے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۹﴾ اور جن بڑی بوڑھی عورتوں کو نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ہو، اُن کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے، (مثلاً چادریں نامحرَموں کے سامنے) اُتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں،(۴۳) اور اگر وہ احتیاط ہی رکھیں تو اُن کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تین اوقات وہ ہیں جن میں عام طور سے انسان تنہائی پسند کرتا ہے، اور بے تکلفی سے صرف ضروری کپڑوں میں رہنا چاہتا ہے، اور ایسے میں کسی کے اچانک آجانے سے بے پردگی کا بھی احتمال رہتا ہے۔ البتہ دوسرے اوقات میں چونکہ یہ خطرہ نہیں ہے، اس لئے ضرورت کی وجہ سے ان کو بلا اجازت بھی چلے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

(۴۳) یہ ان بوڑھی عورتوں کا حکم ہے جن کی طرف نہ کسی کو رغبت ہوتی ہے، نہ وہ نکاح کے قابل ہوتی ہیں۔ ان کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ عام عورتیں غیر محرَموں کے سامنے جانے کے لئے جو چادر یا برقع وغیرہ استعمال کرتی ہیں، یہ بوڑھی عورتیں اُن کے بغیر بھی نامحرَم مردوں کے سامنے جاسکتی ہیں، بشرطیکہ بن سنور کر اور سنگھار کر کے نہ جائیں۔ اس سہولت کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ ان کے لئے بھی احتیاط اس میں ہے کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح پردہ کریں۔

لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الۡمَرِیۡضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا مِنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اٰبَآئِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اُمَّہٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اِخۡوَانِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخَوٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَعۡمَامِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ عَمّٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخۡوَالِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ خٰلٰتِکُمۡ اَوۡ مَا مَلَکۡتُمۡ مَّفَاتِحَہٗۤ اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ ؕ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّۃً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾

ع ۸/۱۴

نہ کسی نابینا کے لئے اس میں کوئی گناہ ہے، نہ کسی پاؤں سے معذور شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، نہ کسی بیمار شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، اور نہ خود تمہارے لئے کہ تم اپنے گھروں سے کچھ کھالو،(۴۴) یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے،(۴۵) یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا اُن گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں،(۴۶) یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر کھاؤ، یا الگ الگ۔ چنانچہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، کہ یہ ملاقات کی وہ بابرکت پاکیزہ دُعا ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ ﴿۶۱﴾

(۴۴) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ بعض افراد جو نابینا یا پاؤں سے معذور یا بیمار ہوتے تھے، وہ دوسروں کے

ساتھ مل کر کھانا کھانے سے اس لئے شرماتے تھے کہ شاید دوسروں کو ان کے ساتھ کھاتے ہوئے کراہیت محسوس ہو، اور بعض معذور افراد یہ بھی سوچتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ جگہ گھیر لیں، یا نابینا ہونے کی بنا پر دوسروں سے زیادہ کھالیں۔ دوسری طرف صحت مند لوگ بھی بعض اوقات یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں کا ساتھ نہ دے سکیں، کم کھائیں اور مشترک کھانے میں سے اپنا مناسب حصہ نہ لے سکیں۔ یہ احساس ان حضرات کے دِل میں اسلام کے اُن اَحکام نے پیدا کیا تھا جن کی رُو سے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے ادنیٰ سی تکلیف پہنچانا گناہ قرار دیا گیا ہے، نیز مشترک چیزوں کے استعمال میں احتیاط کی تاکید کی گئی ہے۔ ان آیات نے یہ واضح فرمایا کہ بے تکلف مقامات پر اتنی باریک بینی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۵) عرب کے لوگوں میں یہ عام رواج تھا کہ اُن کے گھر میں آنے والے یہ رشتہ دار جن کا اس آیت میں ذکر ہے، اگر اُن کی اجازت کے بغیر بھی اُن کے گھر سے کچھ کھالیتے تو وہ نہ صرف یہ کہ برا نہیں مناتے تھے، بلکہ خوش ہوتے تھے۔ جب یہ اَحکام آئے کہ کسی کی چیز اُس کی خوش دِلی کے بغیر اِستعمال کرنا جائز نہیں تو بعض صحابہ یہاں تک پرہیز کرنے لگے کہ اگر کسی شخص کی غیر موجودگی میں اُس کے گھر جاتے، اور اُس کے بیوی بچے اُن کی کچھ خاطر تواضع کرتے تو اُن کو کھانے میں تردّد ہوتا تھا کہ گھر کا اصل مالک تو موجود نہیں ہے، اس لئے ہمیں اُس کی اجازت کے بغیر کھانا نہیں چاہئے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اصل مالک ہمارے کھانے سے خوش ہوگا، وہاں کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ البتہ جہاں یہ بات مشکوک ہو، وہاں یہ حکم نہیں ہے، چاہے وہ کتنے قریبی رشتہ دار کا گھر ہو (روح المعانی و معارف القرآن)۔

(۴۶) بعض حضرات جب جہاد کے لئے جاتے تو اپنے گھر کی چابیاں ایسے معذور اَفراد کے حوالے کر جاتے جو جہاد میں جانے کے لائق نہیں تھے، اور اُن کو یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ ہمارے گھر کی کوئی چیز اگر آپ کھانا چاہیں تو کھالیا کریں، اس کے باوجود یہ معذور حضرات احتیاط کی وجہ سے کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اس آیت نے اُن کو بھی یہ ہدایت فرمادی کہ اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے، جب مالک کی طرف سے چابیاں تک آپ کے حوالے کردی گئی ہیں، اور اِجازت بھی دے دی گئی ہے تو اَب کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دِل سے مانتے ہیں، اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو اُن سے اجازت لئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔[۴۷] (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دِل سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو اُن میں سے جن کو چاہو، اجازت دے دیا کرو، اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۶۲﴾ (اے لوگو!) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلا لیا کرتے ہو۔[۴۸]

---

(۴۷) یہ آیت غزوۂ اَحزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت عرب کے کئی قبیلوں نے مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے دِفاع کے لئے مدینہ منورہ کے گرد ایک خندق کھودنے کے لئے تمام مسلمانوں کو جمع کیا تھا۔ سارے مسلمان خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور اگر کسی کو اپنے کسی کام سے جانا ہوتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا تھا۔ لیکن منافق لوگ اوّل تو اس کام کے لئے آنے میں سستی کرتے تھے، اور اگر آجاتے تو کبھی کسی بہانے سے اُٹھ کر چلے جاتے، اور کبھی بلا اجازت ہی چپکے سے روانہ ہو جاتے۔ اس آیت میں اُن کی مذمت اور اُن مخلص مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے جو بلا اجازت نہیں جاتے تھے۔

(۴۸) برابر کے آدمی جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو اُس کی زیادہ اہمیت نہیں سمجھی جاتی، اگر کوئی اُس کے جواب میں نہ جائے تو اتنا بُرا نہیں سمجھا جاتا، اور اگر چلا بھی جائے تو بغیر اجازت کے واپس آجانے کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں تو اُسے

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ع ۳/۹ ۱۵

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں اُن پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا اُنہیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے۔ ﴿۶۳﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حالت پر بھی ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور جس دن سب کو اُس کے پاس لوٹایا جائے گا، اُس دن وہ اُن کو بتادے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا، اور اللہ کو ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۶۴﴾

آپس کا بلانا نہ سمجھو کہ چاہے گئے چاہے نہ گئے، بلکہ اہتمام کر کے جانا ہی ضروری ہے، دوسرے یہ بات بھی معمولی نہ سمجھو کہ جب چاہو، بلا اجازت اُٹھ کر چلے آؤ، بلکہ جب کہیں جانا ہو تو آپ سے اجازت لے کر جاؤ۔
اسی آیت کی ایک اور تفسیر یہ بھی ممکن ہے کہ جب تم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرو تو اس طرح نہ کرو جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرتے ہو، لہٰذا ''یا محمد'' کہہ کر نہ بلاؤ، بلکہ آپ کو تعظیم کے ساتھ ''یا رسول اللہ'' کہہ کر مخاطب کرو۔

الحمدللہ! سورۂ نور کا ترجمہ اور حواشی آج کراچی میں شبِ دوشنبہ ۲۶/ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۰۷ء کو تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الفُرقَان

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی مقصد اِسلام کے بنیادی عقائد کا اِثبات اور ان کے بارے میں کفارِ مکہ کے مختلف اِعتراضات کا جواب دینا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لئے جو بیشمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، اُنہیں یاد دِلاکر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اُس کی توحید کے اقرار اور شرک سے علیحدگی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں، اور اُن کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے آخرت میں جو اَجر وثواب رکھا ہے، اُس کا بیان فرمایا گیا ہے۔

ایاتھا ۷۷ ۲۵ سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ ۴۲ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ستتر آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل کی، تاکہ وہ دُنیا جہان کے لوگوں کو خبردار کر دے۔ ﴿۱﴾ وہ ذات جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کی تنہا مالک ہے اور جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہے، اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کو ایک نپا تلا انداز عطا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، اور جن کا خود اپنے نقصان یا فائدے پر بھی کوئی بس نہیں چلتا، اور نہ کسی کا مرنا یا جینا اُن کے اختیار میں ہے، نہ کسی کو دوبارہ زندہ کرنا۔ ﴿۳﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿۷﴾

اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں، بس ایک من گھڑت چیز ہے جو اِس شخص نے گھڑ لی ہے، اور اس کام میں کچھ اور لوگ بھی اس کے مددگار بنے ہیں[1]۔" اس طرح (یہ بات کہہ کر) یہ لوگ بڑے ظلم اور کھلے جھوٹ پر اُتر آئے ہیں۔ ﴿۴﴾ اور کہتے ہیں کہ: "یہ تو پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو اس شخص نے لکھوالی ہیں، اور صبح وشام وہی اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔" ﴿۵﴾ کہہ دو کہ: "یہ کلام تو اُس (اللہ) نے نازل کیا ہے جو ہر بھید کو پوری طرح جانتا ہے، آسمانوں میں بھی، زمین میں بھی۔ بیشک وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۶﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟ ﴿۷﴾

---

(۱) مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے یہ الزام لگایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے انبیائے کرام کے واقعات کچھ یہودیوں سے سیکھ لئے ہیں، اور وہی واقعات لکھوا کر (معاذ اللہ) یہ قرآن بنالیا ہے، حالانکہ جن یہودیوں کا وہ ذکر کرتے تھے، وہ اسلام لا چکے تھے۔ اگر آپ (معاذ اللہ) اُنہی سے سیکھ کر اس کلام کے کلامِ الٰہی ہونے کا غلط دعویٰ کر رہے تھے تو یہ حقیقت سب سے پہلے اُن یہودیوں پر ظاہر ہوتی، پھر وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان ہی کیوں لاتے؟

اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۞ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۞ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۞ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ۞

یا اس کے اُوپر کوئی خزانہ ہی آپڑتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھایا کرتا۔'' اور یہ ظالم (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ''تم جس کے پیچھے چل رہے ہو، وہ اور کچھ نہیں، بس ایک شخص ہے جس پر جادو ہوگیا ہے۔'' ﴿۸﴾ (اے پیغمبر!) دیکھو ان لوگوں نے تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں، چنانچہ ایسے بھٹکے ہیں کہ راستے پر آنا ان کے بس سے باہر ہے۔ ﴿۹﴾ بڑی شان ہے اُس (اللہ) کی جو اگر چاہے تو تمہیں ان سب سے کہیں بہتر چیز، (ایک باغ کے بجائے) بہت سے باغات دیدے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور تمہیں بہت سے محلات کا مالک بنادے۔ ﴿۱۰﴾ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہوا ہے،(۲) اور جو کوئی قیامت کی گھڑی کو جھٹلائے، اُس کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۱﴾ جب وہ ان کو دُور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اُس کے بپھرنے اور پھنکارنے کی آوازیں سنیں گے۔ ﴿۱۲﴾

(۲) یعنی یہ لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں، اُن کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ حق کے طلب گار ہیں، اور ان کے شبہات دُور ہو جائیں تو یہ ایمان لے آئیں، بلکہ اصل وجہ ان کی بے فکری ہے۔ چونکہ ان کو قیامت اور آخرت پر اِیمان نہیں ہے، اس لئے ان کو بے ہودہ اعتراضات کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں ہوتا کہ آخرت میں ان پر سزا بھی مل سکتی ہے۔

وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ﴿۱۷﴾

اور جب ان کو اچھی طرح باندھ کر اُس کی ایک تنگ جگہ میں پھینکا جائے گا تو وہاں یہ موت کو آواز دے کر پکاریں گے۔ ﴿۱۳﴾ (اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ:) ''آج تم موت کو صرف ایک بار نہ پکارو، بلکہ بار بار موت کو پکارتے ہی رہو۔''(۳) ﴿۱۴﴾ کہو کہ یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت، جس کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے؟ وہ اُن کے لئے اِنعام ہوگی، اور اُن کا آخری انجام۔ ﴿۱۵﴾ وہاں اُنہیں ہمیشہ ہمیشہ بستے ہوئے ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ وہ ذمہ دارانہ وعدہ ہے جو تمہارے رَبّ نے اپنے اُوپر لازم کرلیا ہے۔ ﴿۱۶﴾ اور وہ دن (انہیں یاد دِلاؤ) جب اللہ ان (کافروں) کو بھی حشر میں جمع کرے گا اور اُن (معبودوں) کو بھی جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، اور (ان کے معبودوں) سے کہے گا کہ: ''کیا تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا تھا، یا یہ راستے سے خود بھٹکے تھے؟'' ﴿۱۷﴾

---

(۳) یہ ترجمہ مشہور مفسر ابو السعودؒ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جس شدت سے گھبرا کر تم موت کو پکار رہے ہو، وہ تو آنے والی نہیں ہے، بلکہ تمہیں بار بار نت نئے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور ہر مرتبہ تمہیں اُس کی شدت سے گھبرا کر موت کو پکارنا پڑے گا۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۱ ۲ ۱۷

وہ کہیں گے کہ: ''آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ہماری مجال نہیں تھی کہ ہم آپ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالوں کے قائل ہوں(۴)، لیکن ہوا یہ کہ آپ نے اِن کو اور اِن کے باپ داداوں کو دُنیا کا ساز و سامان دیا، یہاں تک کہ جو بات یاد رکھنی تھی، یہ اُسے بھلا بیٹھے، اور (اس طرح) یہ خود برباد ہو کر رہے۔'' ﴿۱۸﴾ لو، (اے کافرو!) انہوں نے تو تمہاری وہ ساری باتیں جھٹلا دیں جو تم کہا کرتے ہو۔ اب نہ (عذاب کو) ٹالنا تمہارے بس میں ہے، نہ کوئی مدد حاصل کرنا۔ اور تم میں سے جو کوئی ظلم کا مرتکب ہے، ہم اُسے بڑے بھاری عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۱۹﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ سب ایسے تھے کہ کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ بتاؤ کیا صبر کرو گے؟(۵) اور تمہارا پروردگار ہر بات دیکھ رہا ہے۔ ﴿۲۰﴾

---

(۴) جن معبودوں کو انہوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا تھا، اُن میں سے کچھ تو فرشتے تھے جنہیں یہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے یا بعض لوگوں نے کچھ انبیاء یا بزرگوں کو خدا بنا رکھا تھا، اُن کی طرف سے تو یہ جواب ظاہر ہی ہے، لیکن جو لوگ بتوں کو پوجتے تھے، اُن کے بارے میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ تو پتھر تھے، اور اُن میں بولنے کی صلاحیت کہاں تھی؟ اُس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف اُن مشرکین کا ذکر ہے جو اِنسانوں یا فرشتوں کو خدا بنائے بیٹھے تھے، اور اُن کی علامت کے طور پر بتوں کو پوجتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن پتھروں میں بھی بولنے کی صلاحیت پیدا فرما دے۔

(۵) کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد درمیان میں اب اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب فرما رہے ہیں

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے آملیں گے، وہ یوں کہتے ہیں کہ: "ہم پر فرشتے کیوں نہیں اُتارے جاتے؟ یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟" حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے دِلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں،(۶) اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہوئی ہے۔ ﴿۲۱﴾ جس دن ان کو فرشتے نظر آگئے، اُس دن ان مجرموں کے لئے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے کہ یہ ہم سے دُور ہوجائیں۔(۷) ﴿۲۲﴾ اور انہوں نے (دُنیا میں) جو عمل کئے ہیں، ہم اُن کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو اُنہیں فضا میں بکھرے ہوئے گردو غبار (کی طرح بے قیمت) بنادیں گے۔(۸) ﴿۲۳﴾

کہ تمہارے مخالفین تم پر طرح طرح کے اعتراضات کرکے تمہیں جو تکلیفیں دے رہے ہیں، وہ اس لئے کہ ہم نے تمہیں ان کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ یہ حق واضح ہوجانے کے باوجود اُسے مانتے ہیں یا نہیں، اور انہیں تمہاری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ تم ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتے ہو یا نہیں، کیونکہ تمہارے صبر ہی سے یہ ظاہر ہوگا کہ تم نے حق کو سچے دِل سے قبول کیا ہے۔

(۶) یہ ان کا تکبر ہے جو اُن سے ایسی باتیں کہلوا رہا ہے۔ یہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ اپنی ہدایت کے لئے کسی پیغمبر کی بات ماننا اپنی توہین سمجھتے ہیں، اور مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود آکر انہیں سمجھائیں، یا کم از کم کوئی فرشتہ بھیجیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کی ان میں تاب ہی نہیں ہے، اور فرشتے انہیں اُس وقت دِکھائے جائیں گے جب وہ انہیں دوزخ میں ڈالنے کے لئے آئیں گے، اُس وقت یہ ان کو دیکھنے سے پناہ مانگیں گے۔

(۸) جن اعمال کو انہوں نے نیکی سمجھ رکھا تھا، وہ آخرت میں گردو غبار کی طرح بے حقیقت نظر آئیں گے۔ اور ان

اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ يَوۡمَئِذٍ خَيۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۵﴾ اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِىۡ ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾

اُس دن جنتی لوگ ہوں گے جن کا مستقر بھی بہترین ہوگا، اور آرام گاہ بھی خوب ہوگی۔ ﴿۲۴﴾ اور جس دن آسمان پھٹ کر ایک بادل کو راہ دے گا، اور فرشتے اس طرح اُتارے جائیں گے کہ اُن کا تار بندھ جائے گا۔ ﴿۲۵﴾ اُس دن صحیح معنی میں بادشاہی خدائے رحمٰن کی ہوگی، اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا۔ ﴿۲۶﴾ اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، اور کہے گا: ''کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کرلی ہوتی! ﴿۲۷﴾ ہائے میری بربادی! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ﴿۲۸﴾ میرے پاس نصیحت آچکی تھی، مگر اس (دوست) نے مجھے اُس سے بھٹکا دیا۔'' اور شیطان تو ہے ہی ایسا کہ وقت پڑنے پر اِنسان کو بے کس چھوڑ جاتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے کہ: ''یا ربّ! میری قوم اس قرآن کو بالکل چھوڑ بیٹھی تھی۔''(۹) ﴿۳۰﴾

کے جو کام واقعی اچھے تھے، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا میں دے دیا ہوگا، لیکن آخرت میں تمام نیکیوں کے قبول ہونے کے لئے ایمان لازمی شرط ہے، اس لئے وہاں یہ نیکیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔

(۹) اگرچہ سیاق وسباق کی روشنی میں یہاں قوم سے مراد کافر لوگ ہیں، لیکن یہ مسلمانوں کے لئے بھی ڈرنے کا مقام ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈال دیا جائے تو کہیں وہ بھی اس سنگین جملے کا مصداق نہ بن جائیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے بجائے شکایت پیش کریں، والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ ع

اور ہم نے اسی طرح مجرم لوگوں کو ہر نبی کا دُشمن بنایا ہے۔[10] اور تمہارا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿٣١﴾ اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ''ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کردیا گیا؟'' (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دِل مضبوط رکھیں،[11] اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ ﴿٣٢﴾ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کردیتے ہیں۔[12] ﴿٣٣﴾ جن لوگوں کو گھیر کر منہ کے بل دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، وہ بدترین مقام پر ہیں، اور اُن کا راستہ بدترین گمراہی کا راستہ ہے۔ ﴿٣٤﴾

(١٠) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ کفارِ مکہ آپ کے ساتھ جو دُشمنی کررہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر پیغمبر کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے، پھر جن کے مقدر میں ہدایت قبول کرنا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتے ہیں۔

(١١) یعنی قرآنِ کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے جو نت نئی تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، ہم کوئی نئی آیت نازل کرکے آپ کو تسلی دے دیتے ہیں۔

(١٢) یہ قرآنِ کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے کا دُوسرا فائدہ ہے کہ جب کوئی نیا اعتراض کافروں کی طرف سے آتا ہے تو قرآنِ کریم کی کسی نئی آیت کے ذریعے اُس کا واضح جواب فراہم کردیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو مددگار کے طور پر مقرر کیا تھا۔ ﴿۳۵﴾ چنانچہ ہم نے کہا تھا کہ: ’’تم دونوں اُن لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے۔‘‘ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن کو تباہ کر کے نیست و نابود کر دیا۔ ﴿۳۶﴾ اور نوح کی قوم نے جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے اُنہیں غرق کر دیا، اور اُن کو لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔ اور ہم نے اُن ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اسی طرح ہم نے عاد و ثمود اور اَصحاب الرس کو (۱۳) اور اُن کے درمیان بہت سی نسلوں کو تباہ کیا۔ ﴿۳۸﴾ ان میں سے ہر ایک کو سمجھانے کے لئے ہم نے مثالیں دیں، اور (جب وہ نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے پیس کر رکھ دیا۔ ﴿۳۹﴾

---

(۱۳) عاد و ثمود کا تعارف سورۂ اَعراف (۷: ۶۵ تا ۸۴) میں گذر چکا ہے، اور ’’اَصحاب الرس‘‘ کے لفظی معنی ہیں ’’کنویں والے۔‘‘ بظاہر یہ لوگ کسی کنویں کے پاس آباد تھے۔ قرآنِ کریم نے بس اتنا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کیا گیا، ان کے بارے میں مختلف تاریخی روایتیں ملتی ہیں، لیکن ان کے واقعے کی کوئی تفصیل نہ قرآنِ کریم نے بتائی ہے، نہ کسی مستند حدیث میں آئی ہے۔ اتنی بات ظاہر ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر بھیجے گئے تھے جن کی انہوں نے نافرمانی کی، اور اس کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں لٹکا کر پھانسی دی تھی۔ واللہ اعلم

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝۴۰ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۲ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳

اور یہ (کفارِ مکہ) اُس بستی سے ہو کر گذرتے رہے ہیں جس پر بری طرح (پتھروں کی) بارش برسائی گئی تھی۔[۱۴] بھلا کیا یہ اُس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ (پھر بھی انہیں عبرت نہیں ہوئی) بلکہ ان کے دِل میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو ان کا کوئی کام اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ تمہارا مذاق بناتے ہیں کہ: ''کیا یہی وہ صاحب ہیں جنہیں اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ ﴿۴۱﴾ اگر ہم اپنے خداؤں (کی عقیدت) پر مضبوطی سے جمے نہ رہتے تو اِن صاحب نے تو ہمیں اُن سے بھٹکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' (جو لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں) جب اُنہیں عذاب آنکھوں سے نظر آجائے گا تب انہیں پتہ چلے گا کہ کون راستے سے بالکل بھٹکا ہوا تھا؟ ﴿۴۲﴾ بھلا بتاؤ جس شخص نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہو، تو (اے پیغمبر!) کیا تم اُس کی ذمہ داری لے سکتے ہو؟[۱۵] ﴿۴۳﴾

---

(۱۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے جس کا واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) میں گذر چکا ہے۔

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اپنی اُمت پر بہت شفقت تھی، اس لئے آپ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جو لوگ کفر و شرک پر اَڑے ہوئے ہیں، وہ کسی طرح ایمان لے آئیں، اور جب وہ ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو صدمہ ہوتا تھا۔ قرآنِ کریم نے جا بجا آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ کا فریضہ حق بات کو پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ جن لوگوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے، اُن کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾

ع ۴/۱۰

یا تمہارا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں! ان کی مثال تو بس چار پاؤں کے جانوروں کی سی ہے، بلکہ یہ اُن سے زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ کیا تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ایک جگہ ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اُس کے لئے رہنما بنا دیا ہے ﴿۴۵﴾ پھر ہم اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔[۱۶] ﴿۴۶﴾ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا، اور نیند کو سراپا سکون، اور دن کو دوبارہ اُٹھ کھڑے ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔ ﴿۴۷﴾

(۱۶) یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی کئی نشانیوں کی طرف توجہ دِلائی ہے جن پر اِنسان غور کرے تو ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ سب سے پہلے یاد دِلایا گیا ہے کہ دُھوپ چھاؤں کی تبدیلیاں انسان کی زندگی کے لئے کتنی ضروری ہیں۔ اگر دُنیا میں ہمیشہ دُھوپ رہتی تب بھی زندگی دوبھر ہو جاتی، اور اگر ہر وقت سایہ ہی سایہ رہتا تو بھی انسان کا کاروبارِ زندگی معطّل ہو کر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ان دونوں کا حسین اِمتزاج اس طرح پیدا فرماتا ہے کہ صبح کے وقت سایہ زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے، اُس کا سایہ سمٹتا رہتا ہے۔ ''سورج کو سائے کا رہنما بنانے'' کا مطلب یہی ہے کہ سورج کے چڑھنے کے ساتھ ساتھ سایہ گھٹنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت وہ کالعدم ہو جاتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سمیٹنے سے تعبیر فرمایا ہے، پھر جوں جوں سورج مغرب کی طرف ڈھلتا ہے، سایہ پھر رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ غروب کے وقت پورے اُفق کو گھیر لیتا ہے۔ اور اس طرح انسانوں کو دُھوپ چھاؤں کی یہ تبدیلی دھیرے دھیرے حاصل ہوتی ہے، اور ناگہانی تبدیلی کے نقصانات سے بچاؤ ہوتا رہتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَيۡ رَحۡمَتِهٖ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحۡیَِۧ بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا وَّنُسۡقِيَهٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِيۡرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنٰهُ بَيۡنَهُمۡ لِيَذَّكَّرُوۡا ۖ فَاَبٰۤى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوۡ شِئۡنَا لَبَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ نَّذِيۡرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَجَاهِدۡهُمۡ بِهٖ جِهَادًا كَبِيۡرًا ﴿۵۲﴾

اور وہی ہے جس نے اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجیں جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور ہم نے ہی آسمان سے پاکیزہ پانی اُتارا ہے، ﴿۴۸﴾ تاکہ ہم اُس کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشیں، اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے مویشیوں اور اِنسانوں کو اُس سے سیراب کریں۔ ﴿۴۹﴾ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اُس (پانی) کی اُلٹ پھیر کر رکھی ہے،(۱۷) تاکہ وہ سبق حاصل کریں۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کے سوا ہر بات سے انکاری ہیں۔ ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک الگ آگاہ کرنے والا (پیغمبر) بھیج دیتے۔ ﴿۵۱﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ان کافروں کا کہنا نہ مانو، اور اِس قرآن کے ذریعے اُن کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کرو۔ ﴿۵۲﴾

---

(۱۷) پانی کی اُلٹ پھیر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ پانی اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان اپنی حکمت سے ایک خاص تناسب کے مطابق تقسیم فرماتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ وہاں سے اُسے بادلوں کے ذریعے اُٹھاتے ہیں، اور پہاڑوں پر برف کی صورت میں جما دیتے ہیں جہاں سے وہ پگھل پگھل کر دریاؤں کی صورت اختیار کرتا ہے، اور لوگ اُس سے اپنی ضروریات پوری کر کے اُسے ضائع کر دیتے ہیں، لیکن یہی مستعمل پانی ندی نالوں کے ذریعے دوبارہ سمندروں میں جا گرتا ہے، اور پاک پانی کے اس ذخیرے میں بہہ بہہ کر دوبارہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُسے پھر بادلوں کے ذریعے اُوپر اُٹھایا جائے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے، اور ایک نمکین ہے، سخت کڑوا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رُکاوٹ حائل کردی ہے جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کرسکتا۔(۱۸) ﴿۵۳﴾ اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اُس کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کئے، اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور یہ لوگ ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں جو نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہیں، نہ نقصان۔ اور کافر انسان نے اپنے پروردگار ہی کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ﴿۵۵﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو خوشخبری دو، اور خبردار کرو۔ ﴿۵۶﴾ کہہ دو کہ: "میں اس کام پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا، ہاں جو شخص یہ چاہے کہ اپنے رَبّ تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے (تو یہی میری اُجرت ہے)" ﴿۵۷﴾

---

(۱۸) دریاؤں اور سمندروں کے سنگھم پر یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دو الگ الگ قسم کے پانی ساتھ ساتھ چلتے ہیں، لیکن ایک دوسرے میں گڈمڈ نہیں ہوتے، بلکہ دُور تک ان کی خصوصیات الگ الگ دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہی وہ عجیب وغریب آڑ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کی سرحد عبور کرنے نہیں دیتی۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ﴿٦١﴾

السجدۃ ۵ ع ۱۶

اور تم اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور اُسی کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں پیدا کیں، پھر اُس نے عرش پر اِستواء فرمایا،(۱۹) وہ رحمٰن ہے، اس لئے اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھو۔ ﴿۵۹﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ: ''رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا جسے بھی تم کہہ دو، ہم اُسے سجدہ کیا کریں؟''(۲۰) اور اس بات سے وہ اور زیادہ بدکنے لگتے ہیں۔(۲۱) ﴿۶۰﴾ بڑی شان ہے اُس کی جس نے آسمان میں برج بنائے،(۲۲) اور اُس میں ایک روشن چراغ اور نور پھیلانے والا چاند پیدا کیا۔ ﴿۶۱﴾

(۱۹) ''اِستواء'' کے لفظی معنی سیدھا ہو جانے اور مضبوطی سے بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر اِستواء فرمانے کا کیا مطلب اور اُس کی کیا کیفیت ہے؟ یہ بات ہماری محدود عقل سے ماوراء ہے، اور اُن متشابہات میں سے ہے جن کا ذکر سورۂ آل عمران کے بالکل شروع میں آیا ہے۔ اس لئے اس پر جوں کا توں ایمان رکھنا چاہئے، اور اس کی کیفیت کی تحقیق و جستجو میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۲۰) مشرکینِ مکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ''رحمٰن'' کے نام کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اس نام کے ساتھ کیا جاتا تو وہ بڑی بدتمیزی سے اس مبارک نام کی تردید کرتے تھے۔

(۲۱) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

(۲۲) ''بروج'' سے مراد ستارے بھی ہو سکتے ہیں، اور آسمان کے وہ مختلف حصے بھی جنہیں فلکیات والے بروج

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں، (مگر یہ ساری باتیں) اُس شخص کے لئے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجالانا چاہتا ہو۔ ﴿۶۲﴾

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، اور جب جاہل لوگ اُن سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔[۲۳] ﴿۶۳﴾ اور جو راتیں اس طرح گذارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں۔ ﴿۶۴﴾ اور جو یہ کہتے ہیں کہ: ''ہمارے پروردگار! جہنم کے عذاب کو ہم سے دُور رکھئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا عذاب وہ تباہی ہے جو چمٹ کر رہ جاتی ہے۔ ﴿۶۵﴾ یقیناً وہ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے بدترین جگہ ہے۔'' ﴿۶۶﴾ اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ اُن کا طریقہ اس (اِفراط وتفریط) کے درمیان اِعتدال کا طریقہ ہے۔ ﴿۶۷﴾

کہتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے بالائی فضا کے کچھ ایسے اَجسام مراد ہوں جن تک ابھی انسان کی پہنچ نہیں ہوسکی۔

(۲۳) یعنی ان کی بدکلامی اور گالی گفتار کا جواب برے الفاظ میں دینے کے بجائے شریفانہ انداز میں دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اُسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اُسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ﴿۶۸﴾ قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دُگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔(۲۴) ﴿۶۹﴾ ہاں مگر جو کوئی توبہ کر لے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا،(۲۵) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷۰﴾ اور جو کوئی توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آتا ہے۔ ﴿۷۱﴾ اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو ناحق کاموں میں شامل نہیں ہوتے،(۲۶)

(۲۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک کا اِرتکاب کریں، کیونکہ مؤمن عذاب میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، اور اگر انہوں نے گناہ کئے ہوں گے تو اس کی سزا پا کر جنت میں جائیں گے۔

(۲۵) یعنی حالتِ کفر میں انہوں نے جو برے کام کئے تھے، وہ ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے، اور اِسلام لا کر جو نیک عمل کئے ہوں گے، وہ ان کی جگہ لے لیں گے۔

(۲۶) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ''زُور'' اِستعمال ہوا ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں، اور ہر باطل اور ناحق کو بھی ''زُور'' کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں ناحق اور ناجائز کام ہو رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اُن میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اس کا ایک یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

ع ۶ / ۱۷ / ۴

اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔(۲۷) ﴿۷۲﴾ اور جب انہیں اپنے ربّ کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے(۲۸) ﴿۷۳﴾ اور جو (دُعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ: "ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنا دے۔"(۲۹) ﴿۷۴﴾ یہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے صبر کے بدلے جنت کے بالاخانے عطا ہوں گے، اور وہاں دُعاؤں اور سلام سے اُن کا استقبال کیا جائے گا۔ ﴿۷۵﴾ وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے وہ بہترین جگہ ہے۔ ﴿۷۶﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "میرے پروردگار کو تمہاری ذرا بھی پروا نہ ہوتی، اگر تم اُس کو نہ پکارتے۔(۳۰) اب جبکہ (اے کافرو!) تم نے حق کو جھٹلا دیا ہے تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے پڑ کر رہے گا۔" ﴿۷۷﴾

---

(۲۷) یعنی نہ تو اُس لغو اور بے ہودہ کام میں شریک ہوتے ہیں، اور نہ اُن لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں جو ان کاموں میں مبتلا ہیں، البتہ اُس برے کام کو برا سمجھتے ہوئے وقار کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے ہیں۔

(۲۸) یہ منافقین پر طنز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں سن کر وہ بظاہر تو بڑے اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اُن کے آگے گرے اور جھکے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں انہوں نے حق بات کے لئے اپنے کان بند کئے ہوتے ہیں، اور آنکھیں اندھی بنائی ہوتی ہیں اس لئے اُن آیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ

کے نیک بندے ان آیتوں کا شوق سے استقبال کرتے ہیں تو اُن کے مضامین کو توجہ سے سنتے بھی ہیں، اور جن حقائق کی طرف وہ توجہ دِلاتی ہیں، اُنہیں کھلی آنکھوں سمجھنے اور محسوس کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

(۲۹) باپ عام طور سے اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اُس کو یہ دُعا سکھائی جارہی ہے کہ بحیثیت باپ اور شوہر کے مجھے اپنے بیوی بچوں کا سربراہ تو بننا ہے، لیکن میرے بیوی بچوں کو متقی پرہیزگار بنادیجئے تاکہ میں پرہیزگاروں کا سربراہ بنوں جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں، فاسق وفاجر لوگوں کا سربراہ نہ بنوں جو میرے لئے عذابِ جان بن جائیں۔ جو لوگ اپنے گھر والوں کے رویے سے پریشان رہتے ہیں، اُنہیں یہ دُعا ضرور مانگتے رہنا چاہئے۔

(۳۰) یہ خطاب اُن لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے رُجوع نہ کرتے، اور اُس کی عبادت سے روگردانی کرتے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروانہیں تھی، لیکن جو لوگ اُس کی عبادت کرتے ہیں اور جن کے نیک کاموں کا اُوپر بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے بہتر انجام کا کفیل ہے۔ پھر آگے کافروں سے خطاب ہے کہ جب تمہیں یہ اُصول معلوم ہوگیا، اور تم نے حق کو جھٹلانے کی رَوِشِ اختیار کررکھی ہے تو تمہارا وہ انجام نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے گلے پڑے گا، اور آخرت کے عذاب کی شکل میں تم سے اس طرح چمٹ جائے گا کہ اس سے خلاصی ممکن نہیں ہوگی۔

الحمدللہ، آج بروز دوشنبہ ۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰؍اپریل ۲۰۰۷ء سورۂ فرقان کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الشُّعَرَاء

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورۂ واقعہ (سورت نمبر ۵٦) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا جس میں کفارِ مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور شور سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دِکھانے کا مطالبہ کررہے تھے۔ اس سورت کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے، اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف توجہ دِلا کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے دِل میں انصاف ہو اور وہ سچے دِل سے حق کی تلاش کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں اُس کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اور اُسے کسی اور معجزے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ضمن میں پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے واقعات یہ بیان کرنے کے لئے سنائے گئے ہیں کہ ان کی قوموں نے جو معجزات مانگے تھے، اُنہیں وہی معجزات دِکھائے گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ مانے جس کے نتیجے میں انہیں عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اُسے ہلاک کردیا جاتا ہے۔ اس بنا پر کفارِ مکہ کو مہلت دی جارہی ہے کہ وہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرنے کے بجائے توحید و رِسالت کے دوسرے دلائل پر کھلی آنکھوں سے غور کرکے ایمان لائیں، اور ہلاکت سے بچ جائیں۔

کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کہتے تھے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کو شاعر کا نام دیتے تھے۔ سورت کے آخری رُکوع میں ان باتوں کی مدلل تردید فرمائی گئی ہے، اور کاہنوں اور شاعروں کی خصوصیات بیان کرکے جتایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی۔ اسی ضمن میں آیت : ۲۲۴ تا ۲۲۷ نے شعراء کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے سورت کا نام شعراء رکھا گیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں صفحہ نمبر ۱۱۴۱)۔

آیاتها ۲۲۷ ۲۶ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۴۷ رکوعاتها ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

طٰسٓمٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دوسو ستائیس آیتیں اور گیارہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰسٓمٓ[1] ﴿۱﴾ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کئے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے! ﴿۳﴾ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اُتار دیں کہ اُس کے آگے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔[2] ﴿۴﴾ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) ان کے پاس خدائے رحمٰن کی طرف سے جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے، یہ اُس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں، اُنہیں حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے، اور ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں تھا کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، لیکن اس دُنیا میں انسان کو بھیجنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اُسے زبردستی مسلمان بنایا جائے، بلکہ انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ کسی زور زبردستی کے بغیر اپنی عقل کو اِستعمال کر کے اور دلائل پر غور کر کے ایمان کا راستہ اختیار کرے۔ یہی وہ آزمائش ہے جس کے لئے اُسے دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو آپ کو اتنا صدمہ نہیں کرنا چاہئے کہ اپنی جان کو ہلکان کر لیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۞ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ع وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ۙ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۞ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۞ؕ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۞ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۞ۚ

اس طرح انہوں نے حق کو جھٹلا دیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جن باتوں کا مذاق اُڑاتے رہے ہیں، اب عنقریب اُن کے ٹھیک ٹھیک حقائق اِن کے سامنے آجائیں گے۔ ﴿۶﴾ اور کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر نفیس قسم کی کتنی چیزیں اُگائی ہیں؟ ﴿۷﴾ یقیناً ان سب چیزوں میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۸﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۹﴾ اور اُس وقت کا حال سنو جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دے کر کہا تھا کہ: ''اس ظالم قوم کے پاس جاؤ، ﴿۱۰﴾ یعنی فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا ان کے دِل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟'' ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے کہا کہ: ''میرے پروردگار! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھوٹا بنائیں گے۔ ﴿۱۲﴾ اور میرا دِل تنگ ہونے لگتا ہے، اور میری زبان نہیں چلتی۔ اس لئے آپ ہارون کو بھی (نبوت کا) پیغام بھیج دیجئے۔ ﴿۱۳﴾ اور میرے خلاف ان لوگوں نے ایک جرم بھی عائد کر رکھا ہے،[۳] جس کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کرڈالیں۔'' ﴿۱۴﴾

---

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم کو بچاتے ہوئے ظالم کو ایک مکا مارا تھا جس سے وہ مر ہی گیا۔ اس وجہ سے ان پر قتل کا اِلزام لگ گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ سورۂ قصص (سورت نمبر: ۲۸) میں آنے والا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ نے فرمایا کہ: ''ہرگز نہیں! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ یقین رکھو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ساری باتیں سنتے رہیں گے۔ ﴿۱۵﴾ اب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اور کہو کہ: ''ہم دونوں رَبّ العالمین کے پیغمبر ہیں ﴿۱۶﴾ (اور یہ پیغام لائے ہیں) کہ تم بنو اِسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔''[۴] ﴿۱۷﴾ فرعون نے (جواب میں موسیٰ علیہ السلام سے) کہا: ''کیا ہم نے تمہیں اُس وقت اپنے پاس رکھ کر نہیں پالا تھا جب تم بالکل بچے تھے؟[۵] اور تم نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہمارے یہاں رہ کر گذارے، ﴿۱۸﴾ اور جو حرکت تم نے کی تھی وہ بھی کر گذرے،[۶] اور تم بڑے ناشکرے آدمی ہو۔'' ﴿۱۹﴾ موسیٰ نے کہا: ''اُس وقت وہ کام میں ایسی حالت میں کر گذرا تھا کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔[۷] ﴿۲۰﴾

---

(۴) بنو اِسرائیل اصل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے۔ یہ فلسطین کے علاقے کنعان کے باشندے تھے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے حکمران بنے تو انہوں نے اپنے سارے خاندان کو مصر بلا کر آباد کرلیا تھا، جس کا واقعہ سورۂ یوسف میں گذر چکا ہے۔ کچھ عرصے یہ لوگ وہاں اطمینان سے رہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد مصر کے بادشاہوں نے جنہیں فرعون کہا جاتا تھا، ان کو غلام بنا کر ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے شروع کردیئے۔

(۵) یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ (۳۹:۲۰) میں گذر چکا ہے۔

(۶) یہ اُسی قتل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اُوپر حاشیہ نمبر ۳ میں کیا گیا ہے۔

(۷) یعنی یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ ایک ہی مکا کھا کر مرجائے گا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہوگیا، پھر اللہ نے مجھے حکمت عطا فرمائی، اور پیغمبروں میں شامل فرمادیا۔[۸] ﴿۲۱﴾ اور وہ احسان جو تم مجھ پر رکھ رہے ہو، (اُس کی حقیقت) یہ ہے کہ تم نے سارے بنو اِسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔'' ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا: ''اور یہ ربّ العالمین کیا چیز ہے؟'' ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے کہا: ''وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو۔'' ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے اِردگرد کے لوگوں سے کہا: ''سن رہے ہو کہ نہیں؟'' ﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا: ''وہ تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی۔'' ﴿۲۶﴾ فرعون بولا: ''تمہارا یہ پیغمبر جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، یہ تو بالکل ہی دیوانہ ہے۔''[۹] ﴿۲۷﴾

---

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے جہاں سے واپسی میں اُنہیں نبوت عطا ہوئی۔ تفصیلی واقعہ سورۂ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آنے والا ہے۔

(۹) فرعون نے جو سوال کیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ ربّ العالمین کی حقیقت و ماہیت بتاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت کوئی نہیں جان سکتا، البتہ اُس کو اُس کی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں باری تعالیٰ کی صفات ہی بیان فرمائیں۔ اس پر فرعون نے کہا کہ ''یہ بالکل دیوانہ ہے'' کیونکہ سوال حقیقت کا کیا گیا تھا، اور جواب صفات سے دے رہے ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿۲۹﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۳۵﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۳۶﴾

موسیٰ نے کہا: ''وہ مشرق و مغرب کا بھی پروردگار ہے، اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کا بھی، اگر تم عقل سے کام لو۔'' ﴿۲۸﴾ کہنے لگا: ''یاد رکھو، اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں ضرور اُن لوگوں میں شامل کردوں گا جو جیل خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔'' ﴿۲۹﴾ موسیٰ بولے: ''اور اگر میں تمہیں کوئی ایسی چیز لا دِکھاؤں جو حق کو واضح کردے، پھر؟'' ﴿۳۰﴾ فرعون نے کہا: ''اچھا، اگر واقعی سچے ہو تو لے آؤ وہ چیز۔'' ﴿۳۱﴾ چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا، ﴿۳۲﴾ اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ کر نکالا تو پل بھر میں وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے سفید ہوگیا۔[10] ﴿۳۳﴾ فرعون نے اپنے اِردگرد کے سرداروں سے کہا: ''یقیناً یہ کوئی ماہر جادوگر ہے۔ ﴿۳۴﴾ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟'' ﴿۳۵﴾ انہوں نے کہا: ''ان کو اور ان کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے، اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے ﴿۳۶﴾

(۱۰) یعنی چمک دار ہوگیا۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾

جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں (اور ان جادوگروں کا مقابلہ کریں)" ﴿۳۷﴾ چنانچہ ایک دن مقررہ وقت پر سارے جادوگر جمع کرلئے گئے۔ ﴿۳۸﴾ اور لوگوں سے کہا گیا کہ: "کیا تم لوگ جمع ہو رہے ہو؟ ﴿۳۹﴾ شاید اگر یہ جادوگر ہی غالب آگئے تو ہم انہی کے راستے پر چلیں۔" ﴿۴۰﴾ پھر جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: "یہ بات تو یقینی ہے نا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی اِنعام ملے گا؟" ﴿۴۱﴾ فرعون نے کہا: "ہاں ہاں، اور تمہیں اُس صورت میں مقرب لوگوں میں بھی ضرور شامل کرلیا جائے گا۔" ﴿۴۲﴾ موسیٰ نے اُن جادوگروں سے کہا: "جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے، پھینکو۔" ﴿۴۳﴾ اس پر اُن جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں،[11] اور کہا کہ: "فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی ہم غالب آئیں گے۔" ﴿۴۴﴾ اب موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا، تو اچانک اُس نے (اژدھا بن کر) اُس تماشے کو نگلنا شروع کردیا جو وہ جھوٹ موٹ بنا رہے تھے۔ ﴿۴۵﴾ بس پھر وہ جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔[12] ﴿۴۶﴾

---

(۱۱) سورۂ طٰہٰ (۶۶:۲۰) میں گذر چکا ہے کہ اچانک ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔

(۱۲) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآنِ کریم نے ان کے لئے "سجدے میں گر گئے" کے بجائے "سجدے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾ۚ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ؗ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ۚ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾ؕ۠ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۳ ۱۸ ۷

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ۚ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ۙ

کہنے لگے کہ: ''ہم ربّ العالمین پر ایمان لے آئے، ﴿۴۷﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔'' ﴿۴۸﴾ فرعون بولا: ''تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ ثابت ہوا کہ یہ تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا، اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔'' ﴿۴۹﴾ جادوگروں نے کہا: ''ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا، ہمیں یقین ہے کہ ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس چلے جائیں گے۔ ﴿۵۰﴾ ہم تو شوق سے اُمید لگائے ہوئے ہیں کہ ہمارا پروردگار اس وجہ سے ہماری خطائیں بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔'' ﴿۵۱﴾ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ: ''میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، تمہارا پیچھا یقیناً کیا جائے گا۔'' ﴿۵۲﴾ اس پر فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیج دیئے ﴿۵۳﴾ (اور یہ کہلا بھیجا کہ:) ''یہ (بنی اسرائیل) ایک چھوٹی سی ٹولی کے تھوڑے سے لوگ ہیں ﴿۵۴﴾

میں گرادیئے گئے'' فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دِکھلایا، وہ اس درجہ مؤثر تھا کہ اُس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿٦۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿٦۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿٦۳﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے دِل جلائے ہوئے ہیں، ﴿۵۵﴾ اور ہم سب احتیاطی تدبیریں کئے ہوئے ہیں (لہٰذا سب مل کر ان کا تعاقب کرو)'' ﴿۵٦﴾ اس طرح ہم انہیں باہر نکال لائے باغوں اور چشموں سے بھی ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور باعزت مقامات سے بھی ﴿۵۸﴾ ان کا معاملہ تو اسی طرح ہوا، اور (دوسری طرف) ان چیزوں کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنادیا۔(۱۳) ﴿۵۹﴾ غرض ہوا یہ کہ یہ سب لوگ سورج نکلتے ہی اُن کا پیچھا کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ ﴿٦۰﴾ پھر جب دونوں جتھے ایک دوسرے کو نظر آنے لگے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ: ''اب تو پکی بات ہے کہ ہم پکڑ ہی لئے گئے۔''(۱۴) ﴿٦۱﴾ موسیٰ نے کہا: ''ہرگز نہیں، میرے ساتھ یقینی طور سے میرا پروردگار ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا۔'' ﴿٦۲﴾ چنانچہ ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو۔ بس پھر سمندر پھٹ گیا، اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہوگیا۔(۱۵) ﴿٦۳﴾

(۱۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اَعراف (۷:۱۳۷) کا حاشیہ۔

(۱۴) موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے سامنے سمندر آگیا تھا، اور پیچھے سے فرعون کا لشکر۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سمجھے کہ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پانی کے کئی حصے کرکے اُن کو پہاڑ کی طرح کھڑا کردیا، اور اُن حصوں کے درمیان خشک راستے بن گئے۔

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ۧ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ۘ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ۙ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

اور دوسرے فریق کو بھی ہم اُس جگہ کے نزدیک لے آئے۔ (١٦) ﴿٦٤﴾ اور موسیٰ اور اُن کے تمام ساتھیوں کو ہم نے بچالیا، ﴿٦٥﴾ پھر دوسروں کو غرق کرڈالا۔ ﴿٦٦﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿٦٧﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿٦٨﴾

اور (اے پیغمبر!) ان کو ابراہیم کا واقعہ سناؤ، ﴿٦٩﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟'' ﴿٧٠﴾ انہوں نے کہا کہ: ''ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور اُنہی کے آگے دھرنا دیئے رہتے ہیں۔'' ﴿٧١﴾ ابراہیم نے کہا: ''جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ ﴿٧٢﴾ یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں؟'' ﴿٧٣﴾ انہوں نے کہا: ''اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔'' ﴿٧٤﴾

(١٦) یعنی فرعون کے لشکر نے جب دیکھا کہ سمندر کے درمیان راستے بنے ہوئے ہیں، تو اُس نے بھی اُس راستے سے گذرنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اپنی اصل حالت پر لوٹا دیا، اور فرعون اور اُس کے ساتھی اُسی سمندر میں غرق ہوگئے۔ یہ تفصیل سورۂ یونس (١٠: ٩١ و ٩٢) میں گذر چکی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾

ابراہیم نے کہا: ”بھلا کبھی تم نے ان چیزوں کو غور سے دیکھا بھی جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو؟ ﴿۷۵﴾ تم بھی اور تمہارے پرانے باپ دادے بھی! ﴿۷۶﴾ میرے لئے تو یہ سب دُشمن ہیں، سوائے ایک ربّ العالمین کے ﴿۷۷﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، ﴿۷۸﴾ اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے ﴿۷۹﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، (۱۷) ﴿۸۰﴾ اور جو مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، ﴿۸۱﴾ اور جس سے میں یہ اُمید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ حساب و کتاب کے دن میری خطا بخش دے گا۔“ ﴿۸۲﴾ میرے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمالے، ﴿۸۳﴾ اور آنے والی نسلوں میں میرے لئے وہ زبانیں پیدا فرمادے جو میری سچائی کی گواہی دیں۔ ﴿۸۴﴾ اور مجھے اُن لوگوں میں سے بنادے جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے۔ ﴿۸۵﴾

---

(۱۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے بیمار ہونے کی نسبت تو اپنی طرف فرمائی، اور شفا دینے کو اللہ تعالیٰ کا عمل قرار دیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیماری انسان کی کسی اپنی غلطی کے سبب آتی ہے، اور شفا براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور میرے باپ کی مغفرت فرما۔ یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ (۱۸) ﴿۸۶﴾ اور اُس دن مجھے رُسوانہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ﴿۸۷﴾ جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا، نہ اولاد، ﴿۸۸﴾ ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دِل لے کر آئے گا، (اس کو نجات ملے گی) ﴿۸۹﴾ اور جنت متقی لوگوں کے لئے قریب کردی جائے گی، ﴿۹۰﴾ اور دوزخ کھلے طور پر گمراہوں کے سامنے کردی جائے گی ﴿۹۱﴾ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ''کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا خود اپنا بچاؤ کرلیں گے؟'' ﴿۹۲و۹۳﴾ پھر اُن کو اور گمراہوں کو بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، (۱۹) ﴿۹۴﴾ اور اِبلیس کے سارے لشکروں کو بھی۔ ﴿۹۵﴾ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے ﴿۹۶﴾

---

(۱۸) سورۂ مریم (۱۹: ۴۷) میں گذر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کی مغفرت کی دُعا کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آگئی اور معلوم ہوگیا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا تو اُنہوں نے بھی اس سے براءت کا اظہار فرمادیا، جیسا کہ سورۂ توبہ (۹: ۱۱۴) میں گذر چکا ہے۔

(۱۹) یعنی ان گمراہوں کے ساتھ ان کے جھوٹے معبودوں کو بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے خود اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور بعض پتھر کے بت ہیں، اُن کو یہ دِکھانے کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا کہ جن کو یہ گمراہ لوگ معبود سمجھتے تھے، ان کا حشر بھی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

کہ: ''اللہ کی قسم ہم تو اُس زمانے میں کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ﴿۹۷﴾ جب ہم نے تمہیں ربّ العالمین کے برابر قرار دے رکھا تھا ﴿۹۸﴾ اور ہمیں تو ان بڑے بڑے مجرموں نے ہی گمراہ کیا تھا۔[20] ﴿۹۹﴾ نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو ہمیں کسی قسم کی سفارش کرنے والے میسر ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور نہ کوئی ایسا دوست جو ہمدردی کرسکے ﴿۱۰۱﴾ اب کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ دُنیا میں واپس جانے کا موقع مل جائے تو ہم مؤمن بن جائیں!''[21] ﴿۱۰۲﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۰۳﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۱۰۴﴾

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۰۵﴾ جبکہ اُن کے بھائی نوح نے اُن سے کہا کہ: ''کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۰۶﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۰۷﴾

---

(۲۰) مجرموں سے یہاں مراد وہ بڑے بڑے سردار ہیں جو کفر پر قائم رہے، اور انہیں دیکھ کر دوسروں نے بھی کفر اختیار کئے رکھا۔

(۲۱) یہ وہ تقریر تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے فرمائی۔ باقی واقعہ یہاں بیان نہیں کیا گیا، اس کی تفصیل پیچھے سورۂ انبیاء (۲۱:۵۱) میں گذر چکی ہے، اور کچھ تفصیل سورۂ صافات (۳۷:۸۳) میں بھی آنے والی ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

لٰہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۰۸﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورِش کرتی ہے۔ ﴿۱۰۹﴾ لٰہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔'' ﴿۱۱۰﴾ وہ لوگ بولے: ''کیا ہم تم پر اِیمان لے آئیں، حالانکہ بڑے نیچے درجے کے لوگ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟'' ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا: ''میں کیا جانوں کہ وہ کیا کام کرتے ہیں؟ (۲۲) ﴿۱۱۲﴾ اُن کا حساب لینا کسی اور کا نہیں، میرے پروردگار کا کام ہے۔ (۲۳) کاش! تم سمجھ سے کام لو! ﴿۱۱۳﴾ اور میں ان مؤمنوں کو دُھتکار کر اپنے سے دُور نہیں کرسکتا۔ ﴿۱۱۴﴾ میں تو بس ایک خبردار کرنے والا ہوں جو (تمہارے سامنے) حقیقت کھول کر رکھ رہا ہے۔'' ﴿۱۱۵﴾

---

(۲۲) کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ طعنہ دیا تھا کہ اُن کے پیروکار اکثر ایسے لوگ ہیں جن کا پیشہ نچلے درجے کا سمجھا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس سے کیا سروکار کہ اُن کا پیشہ کیا ہے، اور وہ کیا کام کرتے ہیں۔

(۲۳) کافروں کے مذکورہ اعتراض میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ یہ نچلے درجے کے لوگ سوچ سمجھ کر دِل سے ایمان نہیں لائے ہیں، بلکہ کسی ذاتی مفاد کی خاطر آپ کے ساتھ ہو لئے ہیں۔ اس جملے میں اس کا جواب ہے کہ اگر بالفرض اُن کے دِل میں کوئی اور بات ہے بھی، تو میں اُس کی تحقیق کا مکلّف نہیں ہوں، اُن کا حساب اللہ تعالیٰ خود لے لیں گے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ٚالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

وہ کہنے لگے: ”اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔“ ﴿۱۱۶﴾ نوح نے کہا: ”میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اب آپ میرے اور ان کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر دیجئے، اور مجھے اور میرے مؤمن ساتھیوں کو بچا لیجئے۔“ ﴿۱۱۸﴾ چنانچہ ہم نے اُنہیں اور اُن کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا، ﴿۱۱۹﴾ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا[۲۴] ﴿۱۲۰﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۲۱﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۱۲۲﴾ عاد کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۲۳﴾ جبکہ اُن کے بھائی ہود نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۲۴﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۲۵﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۲۶﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۲۷﴾

(۲۴) پورا واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾

کیا تم ہر اُونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟ (۲۵) ﴿۱۲۸﴾ اور تم نے بڑی کاریگری سے بنائی ہوئی عمارتیں اس طرح رکھ چھوڑی ہیں جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ (۲۶) ﴿۱۲۹﴾ اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو پکے ظالم و جابر بن کر پکڑ کرتے ہو۔ (۲۷) ﴿۱۳۰﴾ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۳۱﴾

---

(۲۵) فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دِکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لئے یہ کام کیا جاتا تھا۔ دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاکؒ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اُونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گذرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔ اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے (رُوح المعانی)۔

(۲۶) قرآنِ کریم میں یہاں ''مصانع'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اصل معنی ہیں وہ چیزیں جو کاریگری کا مظاہرہ کر کے بنائی گئی ہوں، اس میں ہر طرح کی وہ تعمیرات داخل ہیں جو نام ونمود کی خاطر بڑی شان وشوکت سے بنائی گئی ہوں، چاہے وہ زرق برق محل ہوں، یا پرشکوہ قلعے یا نہریں اور راستے۔ یہاں حضرت ہود علیہ السلام نے اس طرزِ عمل پر جو اِعتراض فرمایا ہے، دراصل اُس کا منشا یہ ہے کہ تم نے اپنی ساری دوڑ دُھوپ کا مرکز اس نام ونمود اور شان وشوکت کو بنایا ہوا ہے، اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے ہو، جیسے تمہیں ہمیشہ اسی دُنیا میں رہنا ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں ہونا۔

(۲۷) یعنی ایک طرف تو تمہارا حال یہ ہے کہ ان نام ونمود کی عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہو، اور دوسری طرف غریبوں کے ساتھ تمہارا رویہ انتہائی ظالمانہ ہے کہ ذرا سی بات پر کسی کی پکڑ کرلی تو اس کی جان عذاب میں آگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام کی یہ باتیں نقل کر کے قرآنِ کریم نے ہم سب کو توجہ دِلائی ہے کہ کہیں ہمارا طرزِ عمل بھی اس زُمرے میں تو نہیں آتا کہ بس دُنیا کی شان وشوکت ہی کو سب کچھ سمجھ کر آخرت سے غافل ہوں، اور دولت مندی کے نشے میں غریبوں کو اپنے ظلم وستم کی چکی میں پیس رکھا ہو؟

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

اور اُس ذات سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے نواز کر تمہاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود جانتے ہو۔ ﴿۱۳۲﴾ اُس نے تمہیں مویشیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے، ﴿۱۳۳﴾ اور باغوں اور چشموں سے بھی۔ ﴿۱۳۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔" ﴿۱۳۵﴾ وہ کہنے لگے: "چاہے تم نصیحت کرو، یا نہ کرو، ہمارے لئے سب برابر ہے۔ ﴿۱۳۶﴾ یہ باتیں تو وہی ہیں جو پچھلے لوگوں کی عادت رہی ہیں۔(۲۸) ﴿۱۳۷﴾ اور ہم عذاب کا نشانہ بننے والے نہیں ہیں۔" ﴿۱۳۸﴾ غرض ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔(۲۹) یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۳۹﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۴۰﴾

(۲۸) اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تم جو ہمیں دُنیا کی شان وشوکت سے بیزار کر کے آخرت کی باتیں کر رہے ہو، پچھلے زمانے میں بھی لوگ اس طرح کے جھوٹے دعوے کرتے آئے ہیں، اس لئے تمہاری بات توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پرانے زمانے سے لوگ یہی کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتراض درست نہیں۔

(۲۹) قومِ عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کے مزید تعارف کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۶۵) اور سورۂ ہود (۱۱:۵۰ تا ۵۹)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

قومِ ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا،(۳۰) ﴿۱۴۱﴾ جبکہ اُن کے بھائی صالح نے اُن سے کہا کہ: ''کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۴۲﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۴۳﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۴۴﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورِش کرتی ہے۔ ﴿۱۴۵﴾ کیا تمہیں اطمینان کے ساتھ ان ساری نعمتوں میں ہمیشہ رہنے دیا جائے گا جو یہاں موجود ہیں؟ ﴿۱۴۶﴾ ان باغوں اور چشموں میں؟ ﴿۱۴۷﴾ اور ان کھیتیوں اور ان نخلستانوں میں جن کے خوشے ایک دوسرے میں پیوست ہیں؟ ﴿۱۴۸﴾ اور کیا پہاڑوں کو بڑے ناز کے ساتھ تراش کر تم (ہمیشہ) گھر بناتے رہو گے؟ ﴿۱۴۹﴾ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۵۰﴾ اور اُن حد سے گذرے ہوئے لوگوں کا کہنا مت مانو ﴿۱۵۱﴾ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، اور اِصلاح کا کام نہیں کرتے۔'' ﴿۱۵۲﴾ وہ کہنے لگے کہ: ''تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، ﴿۱۵۳﴾

---

(۳۰) قومِ ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورۂ اَعراف (۷:۷۲) اور سورۂ ہود (۱۱:۶۱ تا ۶۸) میں گذر چکا ہے۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۸ ۱۹ ۱۲

تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ لہٰذا اگر سچے ہو تو کوئی نشانی لے کر آؤ۔"[۳۱] ﴿۱۵۴﴾ صالح نے کہا: "(لو) یہ اُونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہوگی، اور ایک معین دن میں ایک باری تمہاری۔[۳۲] ﴿۱۵۵﴾ اور اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ ایک زبردست دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔" ﴿۱۵۶﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اس اُونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور آخرکار پشیمان ہوئے۔ ﴿۱۵۷﴾ چنانچہ عذاب نے انہیں آ پکڑا۔[۳۳] یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۵۸﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۵۹﴾

(۳۱) نشانی سے مراد معجزہ ہے، اور انہوں نے خود فرمائش کی تھی کہ پہاڑ کے اندر سے ایک اُونٹنی نکال کر دِکھاؤ۔

(۳۲) چونکہ اُونٹنی کا معجزہ اُنہوں نے خود مانگا تھا، اس لئے ان سے کہا گیا کہ اس اُونٹنی کے کچھ حقوق ہوں گے، اور اُن میں سے ایک حق یہ ہے کہ ایک دن تمہارے کنویں سے صرف یہ اُونٹنی پانی پیئے گی، اور ایک دن تم کنویں سے جتنا پانی بھر سکو، بھر کر رکھ لو۔

(۳۳) سورۂ ہود (۱۱:۶۸) میں قرآنِ کریم ہی نے بتایا ہے کہ یہ عذاب ایک خوفناک چنگھاڑ کی شکل میں آیا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ کر رہ گئے۔ مزید تفصیل وہیں پر گذر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۶۰﴾ جبکہ اُن کے بھائی لوط نے اُن سے کہا کہ: ''کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۶۱﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۶۲﴾ لٰہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۶۳﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورِش کرتی ہے۔ ﴿۱۶۴﴾ کیا دُنیا جہان کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو، ﴿۱۶۵﴾ اور تمہاری بیویاں جو تمہارے رَبّ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم حد سے بالکل گذرے ہوئے لوگ ہو۔'' (۳۴) ﴿۱۶۶﴾ کہنے لگے: ''لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے جنہیں (بستی سے) نکال باہر کیا جاتا ہے۔'' ﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا: ''یقین جانو، میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں۔ ﴿۱۶۸﴾

---

(۳۴) حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، اُن کے مرد فطرت کے خلاف مردوں ہی سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتے تھے۔ اُن کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۷۷ تا ۸۳) اور سورۂ حجر (۱۵:۵۸ تا ۷۶) میں گذر چکا ہے، اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورۂ اَعراف (۷:۸۰) میں کرایا ہے۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾

میرے پروردگار! جو حرکتیں یہ لوگ کر رہے ہیں، مجھے اور میرے گھر والوں کو اُن سے نجات دیدے۔"(۳۵) ﴿۱۶۹﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی، ﴿۱۷۰﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل رہی۔(۳۶) ﴿۱۷۱﴾ پھر اور سب کو ہم نے تباہ کردیا۔ ﴿۱۷۲﴾ اور اُن پر ایک زبردست بارش برسادی۔(۳۷) غرض بہت بری بارش تھی جو اُن پر برسی جنہیں پہلے سے ڈرادیا گیا تھا۔ ﴿۱۷۳﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۷۴﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۷۵﴾

(۳۵) یعنی اُس کڑھن سے نجات دیدے جو ان لوگوں کو ایسے گھناؤنے کردار میں ملوث دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، اور اُس عذاب سے محفوظ رکھ جو ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والا ہے۔

(۳۶) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ایمان لانے کے بجائے اپنی بدکردار قوم کا ساتھ دیتی تھی۔ جب عذاب آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو شہر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو یہ عورت اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے پیچھے رہ گئی تھی، اور جب بستی والوں پر عذاب آیا تو یہ بھی اُس کا شکار ہوئی۔

(۳۷) پتھروں کی بارش مراد ہے جو ان لوگوں پر برسائی گئی تھی، جیسا کہ سورۂ حجر میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾

اَیکہ کے باشندوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا،(۳۸) ﴿۱۷۶﴾ جبکہ شعیب نے اُن سے کہا کہ: ''کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۷۷﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۷۸﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۷۹﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورِش کرتی ہے۔ ﴿۱۸۰﴾ پورا پورا ناپ دیا کرو، اور اُن لوگوں میں سے نہ بنو جو دوسروں کو گھاٹے میں ڈالتے ہیں۔(۳۹) ﴿۱۸۱﴾ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو، ﴿۱۸۲﴾ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔(۴۰) ﴿۱۸۳﴾

---

(۳۸) ''اَیکہ'' اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورۂ اَعراف (۷:۸۵ تا ۹۳) میں گذر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

(۳۹) کفر و شرک کے علاوہ ان لوگوں کی ایک خرابی یہ تھی کہ یہ تجارت میں ڈنڈی مارنے کے عادی تھے۔

(۴۰) یہ لوگ مسافروں کو لوٹنے کے لئے ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ
الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ
عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

اور اُس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور پچھلی خلقت کو بھی۔" ﴿۱۸۴﴾ کہنے لگے: "تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے، ﴿۱۸۵﴾ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو، اور ہم تمہیں پورے یقین کے ساتھ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ﴿۱۸۶﴾ لہٰذا اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو۔" ﴿۱۸۷﴾ شعیب نے کہا: "میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم کیا کررہے ہو۔"(۴۱) ﴿۱۸۸﴾ غرض ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا۔(۴۲) بیشک وہ ایک زبردست دن کا عذاب تھا۔ ﴿۱۸۹﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۹۰﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۹۱﴾

(۴۱) یعنی کس وقت کونسا عذاب نازل کیا جائے، یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جب چاہے گا، جس قسم کا عذاب مناسب ہوگا، نازل فرمادے گا، کیونکہ وہ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

(۴۲) کئی دن تک سخت گرمی پڑنے کے بعد ایک بادل ان کی بستی کے قریب آیا جس کے نیچے بظاہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، بستی کے سب لوگ اس بادل کے نیچے جمع ہوگئے تو اُس بادل نے ان پر انگارے برسائے جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾

بیشک یہ قرآن ربّ العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔﴿۱۹۲﴾ امانت دار فرشتہ اسے لے کر اُترا ہے ﴿۱۹۳﴾ (اے پیغمبر!) تمہارے قلب پر اُترا ہے تاکہ تم اُن (پیغمبروں) میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبردار کرتے ہیں، ﴿۱۹۴﴾ ایسی عربی زبان میں اُترا ہے جو پیغام کو واضح کردینے والی ہے۔﴿۱۹۵﴾ اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے۔(۴۳) ﴿۱۹۶﴾ بھلا کیا ان لوگوں کے لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ بنو اسرائیل کے علماء اس سے واقف ہیں؟(۴۴) ﴿۱۹۷﴾ اور اگر ہم یہ کتاب عجمی لوگوں میں سے کسی پر نازل کردیتے، ﴿۱۹۸﴾

---

(۴۳) یعنی تورات، زَبور اور اِنجیل میں، نیز دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے صحیفوں میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ آخری پیغمبر تشریف لانے والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ اگرچہ اب ان کتابوں میں بہت سی تحریفات ہوگئی ہیں، لیکن ان میں سے متعدد بشارتیں آج بھی ان کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی کتاب ''اظہار الحق'' کے آخری باب میں یہ بشارتیں تفصیل کے ساتھ نقل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ راقم الحروف کی شرح وتحقیق کے ساتھ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۴۴) بنو اِسرائیل میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لے آئے تھے، وہ تو کھلم کھلا یہ بتاتے تھے کہ یہود ونصاریٰ کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کی علامتیں درج ہیں، لیکن بنی اسرائیل کے جو علماء ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی تنہائی میں کبھی کبھی اس حقیقت کا اعتراف کرلیتے تھے۔

فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور وہ ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا تو یہ لوگ تب بھی اُس پر اِیمان نہ لاتے۔[۴۵] ﴿۱۹۹﴾ مجرموں کے دِلوں میں تو ہم نے اس کو اسی طرح داخل کیا ہے،[۴۶] ﴿۲۰۰﴾ یہ لوگ اِس پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، ﴿۲۰۱﴾ اور وہ ان کے پاس اس طرح اچانک آ کھڑا ہو کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے، ﴿۲۰۲﴾ پھر یہ کہہ اُٹھیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟ ﴿۲۰۳﴾ تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟[۴۷] ﴿۲۰۴﴾

---

(۴۵) یعنی اگر ہم قرآنِ کریم کے معجزہ ہونے کی اور زیادہ وضاحت اس طرح کر دیتے کہ یہ عربی زبان کی کتاب کسی غیر عرب پر نازل ہوتی جو عربی سے ناواقف ہوتا، اور وہ عربی نہ جاننے کے باوجود اس عربی قرآن کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، کیونکہ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآنِ کریم کی حقانیت کے دلائل معاذ اللہ کمزور ہیں، بلکہ انہوں نے ضد کی بنا پر طے کر رکھا ہے کہ کیسے ہی دلائل سامنے آجائیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم اگرچہ ہدایت کی کتاب ہے، اور جو لوگ حق کے طلب گار ہوں، اُن کے دِل پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے ضد کا راستہ اپنا رکھا ہے، اس لئے ہم بھی ان کے دِلوں میں قرآن اس طرح داخل کرتے ہیں کہ اُس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۴۷) اُوپر عذاب کا جو ذکر آیا، اُس کو سن کر کافر لوگ مذاق اُڑانے کے انداز میں یہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر عذاب ہونا ہے تو ابھی جلدی ہو جائے۔ یہ آیات اُس کا جواب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے فوراً کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا، بلکہ اُس کے پاس ایسے رہنما بھیجتا ہے جو اُسے خبردار کریں، اور پھر اُسے مہلت دیتا ہے کہ وہ اگر حق کو قبول کرنا چاہے تو کر لے۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾

بھلا بتاؤ اگر ہم کئی سال تک انہیں عیش کا سامان مہیا کرتے رہیں، ﴿۲۰۵﴾ پھر وہ (عذاب) ان کے اُوپر آکھڑا ہو جس سے انہیں ڈرایا جارہا ہے ﴿۲۰۶﴾ تو عیش کا جو سامان ان کو دیا جاتا رہا وہ انہیں (عذاب کے وقت) کیا فائدہ پہنچاسکتا ہے؟ (۴۸) ﴿۲۰۷﴾ اور ہم نے کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ (پہلے) اُس کے لئے خبردار کرنے والے موجود تھے، ﴿۲۰۸﴾ تاکہ وہ نصیحت کریں، اور ہم ایسے تو نہیں ہیں کہ ظلم کریں۔ ﴿۲۰۹﴾ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اُترے، (۴۹) ﴿۲۱۰﴾ نہ یہ قرآن اُن کے مطلب کا ہے، اور نہ وہ ایسا کرسکتے ہیں، ﴿۲۱۱﴾

---

(۴۸) عذاب کے جلدی نہ آنے پر کافروں کا ایک استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں بڑے عیش دے رکھے ہیں اگر ہم لوگ غلط راستے پر ہوتے تو یہ عیش ہمیں کیوں دیا جاتا؟ ان آیات میں جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہلت سنبھلنے کے لئے دی ہوئی ہے، اگر کچھ لوگ سنبھل گئے تو خیر، ورنہ جب مہلت ختم ہونے پر، مثلاً مرنے کے بعد عذاب آئے گا تو یہ عیش و عشرت جس کے مزے تم دُنیا میں اُڑا رہے ہو، کچھ بھی کام نہیں آئے گا، بلکہ اُس وقت معلوم ہوگا کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اُس کی ذرّہ برابر کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۴۹) یہاں سے چند اُن باتوں کی تردید کی جارہی ہے جو کفارِ مکہ قرآنِ کریم کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ بنیادی طور پر اُن کے دو دعوے تھے، بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاہن ہیں، اور بعض لوگ آپ کو شاعر کہہ کر قرآنِ کریم کو شاعری کی کتاب قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان دونوں باتوں کی تردید فرمائی ہے۔ "کاہن" اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کا دعویٰ یہ تھا کہ جنات اُن کے قبضے میں ہیں جو اُنہیں غیب کی خبریں لا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کاہنوں کی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ جو جنات اُن کے پاس آتے ہیں، وہ دراصل شیاطین ہیں۔ اور قرآنِ کریم کے مضامین ایسے ہیں کہ شیاطین کو کبھی پسند نہیں آسکتے، اور نہ وہ ایسی نیکی کی باتیں کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾

اُنہیں تو (وحی کے) سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ﴿۲۱۲﴾ لہٰذا اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ مانو، کبھی تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ جنہیں عذاب ہوگا۔ ﴿۲۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو،[(۵۰)] ﴿۲۱۴﴾ اور جو مؤمن تمہارے پیچھے چلیں، اُن کے لئے انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دو، ﴿۲۱۵﴾ اور اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ: ''جو کچھ تم کر رہے ہو، اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔'' ﴿۲۱۶﴾ اور اُس (اللہ) پر بھروسہ رکھو جو بڑا اقتدار والا، بہت مہربان ہے، ﴿۲۱۷﴾ جو تمہیں اُس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم (عبادت کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، ﴿۲۱۸﴾ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تمہاری آمد و رفت کو بھی دیکھتا ہے، ﴿۲۱۹﴾ یقین رکھو کہ وہی ہے جو ہر بات سنتا ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۲۰﴾ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اُترتے ہیں؟ ﴿۲۲۱﴾

(۵۰) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلی بار تبلیغ کا حکم ہوا، اور یہ ہدایت دی گئی کہ تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی خاندان کے لوگوں سے فرمائیں، چنانچہ اسی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو جمع کر کے اُن کو دِینِ حق کی دعوت دی۔ اس میں یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ اصلاح کا کام کرنے والے کو سب سے پہلے اپنے گھر اور اپنے خاندان سے شروع کرنا چاہئے۔

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱ ۳۶ ۱۵

وہ ہر ایسے شخص پر اُترتے ہیں جو پرلے درجے کا جھوٹا گنہگار ہو، ﴿۲۲۲﴾ وہ سنی سنائی بات لاڈالتے ہیں، (۵۱) اور اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ﴿۲۲۳﴾ رہے شاعر لوگ، تو اُن کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں ﴿۲۲۴﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ (۵۲) ﴿۲۲۵﴾ اور یہ کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں، (۵۳) ﴿۲۲۶﴾ ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو اِیمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد اُس کا بدلہ لیا۔ (۵۴) اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ ﴿۲۲۷﴾

---

(۵۱) یعنی شیاطین کی باتوں پر بھروسہ کرنے والے کوئی نیک لوگ نہیں، گنہگار لوگ ہوتے ہیں، اور ان شیاطین کا یہ دعویٰ بھی بالکل لغو ہے کہ اُنہیں غیب کی خبریں معلوم ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی فرشتوں کی کوئی بات اُن کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو وہ اُس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے اپنے معتقدین کو آکر بتادیتے ہیں۔

(۵۲) یہ کفار کی دوسری بات کی تردید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ شاعر ہیں، اور قرآنِ کریم شاعری کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاعری تو ایک تخیلاتی چیز ہے جس کا بسا اوقات حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اپنی خیالی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، طرح طرح کے مبالغے کرتے ہیں، اور تشبیہات اور اِستعاروں میں حد سے گذر جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ شاعری ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں، اُن کو کوئی بھی اپنا دِینی پیشوا نہیں بناتا، اور اگر کوئی اُن کو اپنا مقتدا بناتا بھی ہے تو وہ جو خود گمراہ ہو، اور حقیقت کے بجائے خیالی دُنیا میں رہنا چاہتا ہو۔

(۵۳) یعنی اپنی شیخی بگھارتے ہوئے ایسے دعوے کرتے ہیں جن کا اُن کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۵۴) یہ اِستثنا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اگر شاعری میں یہ خرابیاں نہ ہوں، اور اِیمان اور عملِ صالح کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شاعری کرے، اور اپنے شاعرانہ تخیلات کو دِین و مذہب کے خلاف استعمال نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ظلم کا بدلہ لینے کا ذکر بطورِ خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ اُس زمانے میں شاعری پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ کوئی شاعر کسی کے خلاف کوئی شاندار ہجویہ قصیدہ کہہ دیتا تو وہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ بعض بدنہاد کافروں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کے اَشعار کہہ کر مشہور کردیئے تھے۔ بعض صحابہ مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اُس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصیدے کہے، اور اُن میں کفار کے اعتراضات کا جواب دیا، بلکہ اُن کی اپنی حقیقت واضح فرمائی۔ اس آیت میں اُن حضرات کی شاعری کی تائید کی گئی ہے۔

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۰۷ء کو دُبی سے فرینکفرٹ جاتے ہوئے جہاز میں سورۂ شعراء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اور آیت نمبر ۱۶۰ کے حواشی سے لے کر آخر سورت تک کا سارا کام اسی سفر کے دوران جہاز ہی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی خالص رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا الکریم وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

سُورَةُ النَّمل

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت پچھلی سورت یعنی سورۂ شعراء کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اِثبات اور کفر کے برے نتائج کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ، اور حضرت صالح علیہما السلام کے واقعات کی طرف مختصر اِشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں نے اس بنا پر اُن کی بات نہیں مانی کہ اُنہیں اپنی دولت اور اپنے سماجی رُتبے پر گھمنڈ تھا۔ اسی طرح کفارِ مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے نوازا تھا، لیکن یہ دولت اور بادشاہت اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے اَحکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ اسی طرح سبا کی ملکہ بلقیس بھی بہت دولت مند تھی، لیکن حق واضح ہونے کے بعد اُس نے اُس کو فوراً قبول کرلیا۔ اس سیاق میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کی ملکہ کا واقعہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اُس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کو بڑے مؤثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔ نمل کے معنی عربی میں چیونٹی کے ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گذرے تھے، اس لئے، اس کا نام سورۂ نمل رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۹۳ ۲۷ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۸ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

الربع

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترانوے آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰسٓ۔ یہ قرآن کی اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت کھول دینے والی ہے، ﴿۱﴾ یہ اُن مؤمنوں کے لئے سراپا ہدایت اور خوشخبری بن کر آئی ہے ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ﴿۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظروں میں خوشنما بنا دیا ہے،(۱) اس لئے وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ﴿۴﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، اور وہی ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ اور (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہیں یہ قرآن اُس (اللہ) کی طرف سے عطا کیا جارہا ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔ ﴿۶﴾

(۱) یعنی اُن کی ضد کی وجہ سے اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے سارے برے اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں، اور ہدایت کی طرف نہیں آتے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِۦٓ إِنِّيٓ ءَانَسْتُ نَارًا سَـَٔاتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ ءَاتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَآءَهَا نُودِيَ أَنۢ بُورِكَ مَن فِي ٱلنَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨﴾ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّهُۥٓ أَنَا ٱللَّهُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَءَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَٰمُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ ٱلْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾

اُس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ: ''مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔ میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا پھر تمہارے پاس آگ کا کوئی شعلہ اُٹھا کر لے آؤں گا، تاکہ تم آگ سے گرمی حاصل کرسکو۔''(۲) ﴿۷﴾ چنانچہ جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو اُنہیں آواز دی گئی کہ: ''برکت ہو اُن پر بھی جو اس آگ کے اندر ہیں، اور اُس پر بھی جو اس کے آس پاس ہے،(۳) اور پاک ہے اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۸﴾ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں، بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا، ﴿۹﴾ اور ذرا اپنی لاٹھی کو نیچے پھینکو۔'' پھر جب اُنہوں نے لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کررہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا:) ''موسیٰ! ڈرو نہیں، جن کو پیغمبر بنایا جاتا ہے، ان کو میرے حضور کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، ﴿۱۰﴾

---

(۲) یہاں یہ واقعہ محض ایک اشارے کے طور پر آیا ہے، مفصل واقعہ اگلی سورت یعنی سورۂ قصص میں آنے والا ہے۔

(۳) یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، بلکہ ایک نور تھا، اور اُس میں فرشتے تھے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کی دُعا دی گئی، اور اُس کے آس پاس موسیٰ علیہ السلام تھے، اُن کو بھی۔

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَإِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾

ع ۱۴/۱۶

اِلَّا یہ کہ کسی نے کوئی زیادتی کی ہو۔ (۴) پھر وہ برائی کے بعد اُسے بدل کر اچھے کام کرلے، تو میں بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ ﴿۱۱﴾ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو، تو وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں باتیں اُن نو نشانیوں میں سے ہیں جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف (تمہارے ذریعے) بھیجی جارہی ہیں۔ (۵) حقیقت یہ ہے کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔" ﴿۱۲﴾ پھر ہوا یہ کہ جب اُن کے پاس ہماری نشانیاں اس طرح پہنچیں کہ وہ آنکھیں کھولنے والی تھیں، تو اُنہوں نے کہا کہ: "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔" ﴿۱۳﴾ اور اگرچہ اُن کے دِلوں کو ان (کی سچائی) کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اُن کا انکار کیا۔ اب دیکھ لو کہ ان فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ (۶) ﴿۱۴﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور پیغمبروں کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، البتہ کسی سے کوئی قصور ہو گیا ہو، تو اُسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس پر ناراض نہ ہوں، لیکن جب ایسا کوئی شخص توبہ اور اِستغفار کے بعد اپنے حالات کی اصلاح کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمادیتے ہیں۔

(۵) ان نشانیوں کا بیان سورۂ اَعراف (۷: ۱۳۰ و ۱۳۳) میں گذر چکا ہے۔

(۶) اس انجام کا مفصل ذکر سورۂ یونس (۱۰: ۹۰ تا ۹۲) اور سورۂ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں گذر چکا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے داود اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ اور انہوں نے کہا: ''تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔'' ﴿۱۵﴾ اور سلیمان کو داود کی وراثت ملی،(۷) اور اُنہوں نے کہا: ''اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے،(۸) اور ہمیں ہر (ضرورت کی) چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔'' ﴿۱۶﴾ اور سلیمان کے لئے اُن کے سارے لشکر جمع کر دیئے گئے تھے جو جنات، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے، چنانچہ اُنہیں قابو میں رکھا جاتا تھا۔(۹) ﴿۱۷﴾

---

(۷) یاد رہے کہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اُن کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا اس لئے یہاں وراثت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت اور سلطنت میں وہ اپنے والد حضرت داود علیہ السلام کے جانشین ہوئے۔

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سکھا دی تھیں جس کی وجہ سے اُن کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بلکہ آگے چیونٹی کا جو واقعہ آ رہا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولی بھی سکھائی گئی تھی۔ بعض معاصرین نے نہ جانے اس بات کو تسلیم کرنے میں کیا دشواری محسوس کی ہے جس کی وجہ سے اُنہوں نے ان آیتوں میں دُور اَز کار تاویلات کا دروازہ کھول دیا ہے، حالانکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جانوروں کی ایک بولی ہوتی ہے۔ ہم چاہیں اُسے نہ سمجھیں، لیکن جس پروردگار نے اُنہیں پیدا کیا ہے، اور بولنے پر قدرت عطا فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ وہ اُن کی بولی کو بھی جانتا اور سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ بولی اپنے کسی پیغمبر کو سکھا دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۹) یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت عطا فرمائی تھی، وہ صرف

حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

یہاں تک کہ ایک دن جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: "چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں پیس ڈالے، اور اُنہیں پتہ بھی نہ چلے۔" ﴿۱۸﴾ اُس کی بات پر سلیمان مسکرا کر ہنسے، اور کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے اس بات کا پابند بنا دیجئے کہ میں اُن نعمتوں کا شکر اَدا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں، اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہو، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لیجئے۔" ﴿۱۹﴾ اور انہوں نے (ایک مرتبہ) پرندوں کی حاضری لی تو کہا: "کیا بات ہے، مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟" ﴿۲۰﴾ میں اُسے سخت سزا دوں گا، یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا، اِلا یہ کہ وہ میرے سامنے کوئی واضح وجہ پیش کرے۔" ﴿۲۱﴾

انسانوں پر ہی نہیں، بلکہ جنات اور پرندوں پر بھی تھی، چنانچہ جب اُن کا لشکر چلتا تھا تو اُس میں جنات، انسان اور پرندے سب شامل ہوتے تھے، اور اس طرح لشکر کے افراد اتنے زیادہ ہو جاتے تھے کہ اُنہیں قابو میں رکھنے کا خاص اہتمام کرنا پڑتا تھا، لیکن نظم و ضبط پھر بھی قائم رہتا تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

السجدة ۸

پھر ہد ہد نے زیادہ دیر نہیں لگائی، اور (آکر) کہا کہ: ''میں نے ایسی معلومات حاصل کی ہیں جن کا آپ کو علم نہیں ہے، اور میں ملکِ سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔[10] ﴿۲۲﴾ میں نے وہاں ایک عورت کو پایا جو اُن لوگوں پر بادشاہت کر رہی ہے، اور اُس کو ہر طرح کا ساز وسامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔ ﴿۲۳﴾ میں نے اُس عورت اور اُس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدے کرتے ہیں، اور شیطان نے اُن کو یہ سمجھا دیا ہے کہ اُن کے اعمال بہت اچھے ہیں، چنانچہ اُس نے اُنہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت سے اتنے دُور ہیں ﴿۲۴﴾ کہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکال لاتا ہے، اور تم جو کچھ چھپاؤ، اور جو کچھ ظاہر کرو، سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اللہ تو وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، (اور) جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔''[*] ﴿۲۶﴾

(۱۰) سبا ایک قوم کا نام تھا جو یمن کے ایک علاقے میں آباد تھی، اُسی قوم کے نام پر اُس علاقے کو بھی سبا کہا جاتا تھا۔ اُس وقت یہاں ایک ملکہ حکمرانی کر رہی تھی جس کا نام تاریخی روایتوں میں ''بلقیس'' بیان کیا گیا ہے۔

(*) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۷ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝۲۸ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝۲۹ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۵ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳

(ع ۲ ۱۷/۱۷)

سلیمان نے کہا: ''ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے، یا جھوٹ بولنے والوں میں تم بھی شامل ہوگئے ہو۔ ﴿۲۷﴾ میرا یہ خط لے کر جاؤ، اور اُن کے پاس ڈال دینا، پھر الگ ہٹ جانا، اور دیکھنا کہ وہ جواب میں کیا کرتے ہیں۔'' ﴿۲۸﴾ (چنانچہ ہدہد نے ایسا ہی کیا اور) ملکہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا: ''قوم کے سردارو! میرے سامنے ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے، ﴿۲۹﴾ وہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے، ﴿۳۰﴾ (اُس میں لکھا ہے) کہ: ''میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، اور میرے پاس تابع دار بن کر چلے آؤ۔''(۱۱) ﴿۳۱﴾ ملکہ نے کہا: ''قوم کے سردارو! جو مسئلہ میرے سامنے آیا ہے، اُس میں مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ میں کسی مسئلے کا حتمی فیصلہ اُس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔'' ﴿۳۲﴾ انہوں نے کہا: ''ہم طاقت ور اور ڈٹ کر لڑنے والے لوگ ہیں، آگے معاملہ آپ کے سپرد ہے، اب آپ دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔'' ﴿۳۳﴾

(۱۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا یہ علاقہ بھی اصل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت تھا، لیکن کسی وقت اس عورت نے خفیہ طور پر یہاں اپنی حکومت قائم کرلی تھی، جس کی خبر آکر ہدہد نے دی۔ اسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مختصر مگر نہایت بلیغ خط میں کوئی تفصیلی بات کرنے کے بجائے بلقیس اور اُس کی قوم کو سرکشی سے باز رہنے اور تابع دار بننے کا حکم دیا۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

ملکہ بولی: ''حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اُسے خراب کرڈالتے ہیں، اور اُس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے۔ ﴿۳۴﴾ اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں؟'' ﴿۳۵﴾ چنانچہ جب ایلچی سلیمان کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے کہا: ''کیا تم مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ ﴿۳۶﴾ اُن کے پاس واپس جاؤ، کیونکہ اب ہم اُن کے پاس ایسے لشکر لے کر پہنچیں گے جن کے مقابلے کی اُن میں تاب نہیں ہوگی، اور اُنہیں وہاں سے اس طرح نکالیں گے کہ وہ ذلیل ہوں گے، اور ماتحت بن کر رہیں گے۔'' ﴿۳۷﴾ سلیمان نے کہا: ''اے اہلِ دربار! تم میں سے کون ہے جو اُس عورت کا تخت ان کے تابع دار بن کر آنے سے پہلے ہی میرے پاس لے آئے؟''[۱۲] ﴿۳۸﴾

(۱۲) حضرت سلیمان علیہ السلام دراصل یہ چاہتے تھے کہ جب ملکہ آئے تو اُس کے سامنے اُن کا یہ معجزہ ظاہر ہو کہ اتنا بھاری تخت ملکہ کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا، اور اس طرح اُن کی طاقت کا بھی مظاہرہ ہو۔

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ایک قوی ہیکل جن نے کہا: ”آپ اپنی جگہ سے اُٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں اُس سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا، اور یقین رکھئے کہ میں اس کام کی پوری طاقت رکھتا ہوں، (اور) امانت دار بھی ہوں۔“[۱۳] ﴿۳۹﴾ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ بول اُٹھا: ”میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔“[۱۴] چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: ”یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ اور جو کوئی شکر کرتا ہے، تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے، کریم ہے۔“ ﴿۴۰﴾

(۱۳) یہ کوئی جن تھا جس نے یہ پیشکش کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار ختم کرنے سے پہلے ہی وہ تخت اُٹھا لائے گا۔ اور یہ اطمینان دِلایا کہ نہ صرف یہ کہ اُس میں اتنی طاقت ہے، بلکہ وہ امانت دار بھی ہے، اس لئے اُس تخت میں جو سونا چاندی یا ہیرے جواہرات لگے ہوں گے، اُن میں کوئی خرد برد نہیں کرے گا۔

(۱۴) قرآنِ کریم نے اس شخص کا تعین نہیں فرمایا، صرف اتنا کہا ہے کہ اس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ بظاہر اس کتاب سے مراد تورات ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا تھے، اور ان کو اِسم اعظم کا علم حاصل تھا جس کی بنا پر اُنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی برکت سے پلک جھپکنے کی دیر میں تخت وہاں لے آئیں گے۔ دوسری طرف امام رازیؒ وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، کیونکہ کتاب کا جتنا علم اُن کو حاصل تھا، اُتنا کسی اور کو نہیں تھا، اور شروع میں تو آپ

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

سلیمان نے (اپنے خدام سے) کہا کہ: ''اس ملکہ کے تخت کو اس کے لئے اجنبی بنا دو،[(۱۵)] دیکھیں وہ اُسے پہچانتی ہے، یا وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو حقیقت تک نہیں پہنچتے؟'' ﴿۴۱﴾ غرض جب وہ آئی تو اُس سے پوچھا گیا: ''کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟'' کہنے لگی: ''ایسا لگتا ہے کہ یہ تو بالکل وہی ہے۔[(۱۶)] ہمیں تو اس سے پہلے ہی (آپ کی سچائی کا) علم عطا ہوگیا تھا، اور ہم سر جھکا چکے تھے۔''[(۱۷)] ﴿۴۲﴾

نے اہلِ دربار اور خاص طور پر جنات کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس ملکہ کا تخت اُس کے آنے سے پہلے ہی یہاں لے آئے، لیکن اس سے اُن کا مقصد جنات کا غرور توڑنا تھا۔ چنانچہ جب ایک جن نے بڑے فخریہ انداز میں یہ کہا کہ میں دربار ختم ہونے سے پہلے ہی تخت لے آؤں گا تو اُس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود یہ فرمایا کہ تم تو دربار ختم ہونے کی بات کر رہے ہو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزے کے طور پر اُسے تمہاری پلک جھپکنے سے پہلے ہی یہاں لے آؤں گا۔ چنانچہ پھر اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت وہ تخت وہاں حاضر کرا دیا۔

(۱۵) یعنی اس کی شکل میں کوئی ایسی تبدیلی کر دو جس کی وجہ سے اُسے پہچاننے میں کچھ دِقت ہو، اور اُس کی سمجھ کو آزمایا جا سکے۔

(۱۶) بلقیس سمجھ گئی کہ اس تخت کی شکل میں کچھ ردّ و بدل کیا گیا ہے، اس لئے اُس نے ایک طرف تو یقین ظاہر کرنے کے بجائے یہ کہا کہ: ''ایسا لگتا ہے'' لیکن دوسری طرف یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے تخت کو پہچان گئی ہے۔

(۱۷) یعنی مجھے آپ کی سچائی کا یقین کرنے کے لئے یہ معجزہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ آپ کے ایلچیوں کے ذریعے آپ کے جو حالات مجھے معلوم ہوئے تھے، اُن کی وجہ سے مجھے پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم حاصل ہوگیا تھا، اور ہم نے آپ کی تابع داری میں سر جھکانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

ع ۳ ۱۳ ۱۸

اور (اب تک) اُس کو (ایمان لانے سے) اس بات نے روک رکھا تھا کہ وہ اللہ کے بجائے دوسروں کی عبادت کرتی تھی، اور ایک کافر قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ (۱۸) ﴿۴۳﴾ اُس سے کہا گیا کہ: ''اس محل میں داخل ہو جاؤ'' (۱۹) اُس نے جو دیکھا تو یہ سمجھی کہ یہ پانی ہے، اس لئے اُس نے (پائینچے چڑھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا کہ: ''یہ تو محل ہے جو شیشوں کی وجہ سے شفاف نظر آرہا ہے۔'' ملکہ بول اُٹھی: ''میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اب تک) اپنی جان پر ظلم کیا ہے، اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ ربّ العالمین کی فرماں برداری قبول کرلی ہے۔'' (۲۰) ﴿۴۴﴾

(۱۸) بلقیس نے چونکہ سمجھ کی بات کی تھی کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم ہو چکا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کی تعریف فرمائی کہ وہ ایک سمجھ دار عورت تھی، اور اب تک وہ جو ایمان نہیں لائی تھی، اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی ساری قوم کافر تھی، اور اِنسان جب ایسے ماحول میں ہو تو بے سوچے سمجھے ماحول کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، لیکن جب اُسے توجہ دِلائی گئی تو اُس نے حق بات کے ماننے میں دیر نہیں لگائی۔

(۱۹) حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُنیا پرستوں پر رُعب ڈالنے کے لئے ایک ایسا شیش محل بنوایا تھا جس کے صحن میں ایک پانی کا حوض تھا، اور اُس پر بھی مہین اور شفاف شیشے کی چھت اس طرح ڈال دی تھی کہ غور سے دیکھے بغیر شیشہ نظر نہیں آتا تھا، اور سرسری نظر سے دیکھیں تو وہ کھلا ہوا حوض معلوم ہوتا تھا۔ محل میں داخل ہونے کے لئے اُسی حوض کے اُوپر سے گذرنا پڑتا تھا، چنانچہ جب بلقیس محل میں داخل ہونے کے لئے چلی تو سامنے وہ حوض نظر آیا جس کا پانی گہرا نہیں تھا، اس لئے اُس نے حوض سے گذرنے کے لئے اپنے پائینچے چڑھا لئے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسے بتایا کہ پائینچے چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس حوض کے اُوپر شیشہ چڑھا ہوا ہے، اور اس پر سے گذرتے ہوئے پانی میں بھیگنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

(۲۰) ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی سچائی کی تو پہلے ہی قائل ہو چکی تھی، محل کی یہ شان و شوکت دیکھ کر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے قومِ ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو،(۲۱) تو اچانک وہ دو گروہ بن گئے جو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ﴿۴۵﴾ صالح نے کہا: ''میری قوم کے لوگو! اچھائی سے پہلے برائی کو کیوں جلدی مانگتے ہو۔(۲۲) تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے؟'' ﴿۴۶﴾ اُنہوں نے کہا: ''ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے براشگون لیا ہے۔''(۲۳) صالح نے کہا: ''تمہارا شگون تو اللہ کے قبضے میں ہے، البتہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔''(۲۴) ﴿۴۷﴾

اُس کے دِل میں آپ کی مزید عظمت پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دُنیا کے لحاظ سے بھی ایسی شان و شوکت سے نوازا ہے۔ اس لئے وہ بالکل فرماں بردار ہو کر رہی۔ اس واقعے کو ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دِلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دُنیا کے مال و دولت اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناشکری کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ اطاعت اختیار کرتے ہیں، اور دُنیا کی رنگینیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہیں روکتیں۔

(۲۱) قومِ ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورۂ اَعراف (۷:۷۲) اور سورۂ ہود (۱۱:۶۱ تا ۶۸) میں گذر چکا ہے۔

(۲۲) اچھائی سے مراد ایمان ہے، اور برائی سے مراد عذاب۔ مطلب یہ ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ تم ایمان لاکر اچھائی حاصل کرتے، لیکن ایمان لانے کے بجائے تم نے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔

(۲۳) یعنی آپ کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی ہے، اور ہم اسے آپ کی نحوست سمجھتے ہیں۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ ان پر قحط بھی آپڑا تھا، اس کو بھی انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نحوست قرار دیا۔

(۲۴) یعنی نحوست تو تمہارے اعمال کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس لئے آئی ہے کہ تمہیں آزمایا جائے کہ ان مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرتے ہو یا اپنی بد اعمالیوں پر قائم رہتے ہو۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد مچاتے تھے، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔ (۲۵) ﴿۴۸﴾ اُنہوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا: ''سب مل کر اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم صالح اور اُس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے، اور یقین جانو ہم بالکل سچے ہیں۔'' ﴿۴۹﴾ اُنہوں نے یہ چال چلی، اور ہم نے بھی ایک چال اس طرح چلی کہ اُن کو پتہ بھی نہ لگ سکا۔ (۲۶) ﴿۵۰﴾ اب دیکھو کہ اُن کی چال بازی کا انجام کیسا ہوا کہ ہم نے اُنہیں اور اُن کی ساری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ﴿۵۱﴾

(۲۵) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو سردار تھے، جن میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک جتھہ تھا۔ اور بالآخر یہی لوگ تھے جنہوں نے اُس اُونٹنی کو ہلاک کیا جو معجزے کے طور پر پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ رات کے وقت اُن پر خفیہ طور پر حملہ کریں گے، اور اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو ہلاک کر دیں گے۔

(۲۶) قرآنِ کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ اُن لوگوں کی سازش کس طرح ناکام ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ لوگ برا ارادہ لے کر چلے تو ایک چٹان ان پر آ گری، اور یہ سب ہلاک ہو گئے، اور بعد میں پوری قوم پر عذاب آ گیا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ مسلح ہو کر حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا، اور اُنہی کے ہاتھوں وہ مارے گئے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ابھی

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

چنانچہ وہ رہے اُن کے گھر جواُن کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں![۲۷] یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہے جو علم سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۵۲﴾ اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور تقویٰ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن سب کو ہم نے بچالیا۔ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''کیا تم کھلی آنکھوں دیکھتے ہوئے بھی بے حیائی کا یہ کام کرتے ہو؟ ﴿۵۴﴾ کیا یہ کوئی یقین کرنے کی بات ہے کہ تم اپنی جنسی خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم بڑی جہالت کے کام کرنے والے لوگ ہو۔'' ﴿۵۵﴾ اس پر یہ کہنے کے سوا اُن کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا کہ: ''لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔'' ﴿۵۶﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیا، سوائے اُن کی بیوی کے جس کے بارے میں ہم نے یہ طے کردیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔ ﴿۵۷﴾

وہ اپنی سازش پر عمل نہیں کر پائے تھے کہ پوری قوم پر عذاب آ گیا، اور اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوگئے۔

(۲۷) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی بستیاں عرب ہی کے علاقے میں تھیں، اور مدینہ منورہ سے کچھ ہی فاصلے پر

وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ؕ آٰللّٰہُ خَیۡرٌ اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾

اور ہم نے اُن پر ایک زبردست بارش برسائی، چنانچہ بہت بری بارش تھی جو اُن لوگوں پر برسی جنہیں پہلے سے خبردار کر دیا گیا تھا۔(۲۸) ﴿۵۸﴾

(اے پیغمبر!) کہو: ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اُس کے اُن بندوں پر جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے!(۲۹) بتاؤ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو ان لوگوں نے اللہ کی خدائی میں شریک بنا رکھا ہے؟ ﴿۵۹﴾

واقع تھیں، اور اہلِ عرب جب شام کا سفر کرتے تو اُن کے پاس سے گذرا کرتے تھے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے اُن کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے جیسے وہ نظر آرہے ہوں۔ آج بھی یہ ویران بستیاں اور اُن کے کھنڈر ''مدائن صالح'' کے نام سے مشہور ہیں، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہیں۔

(۲۸) حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۷۷ تا ۸۳) اور سورۂ حجر (۱۵:۵۸ تا ۷۶) میں گذر چکا ہے، نیز پچھلی سورت سورۂ شعراء میں (۲۶:۱۶۰ تا ۱۷۵) بھی گذرا ہے اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورۂ اَعراف (۷:۸۰) میں کرایا ہے۔

(۲۹) مختلف پیغمبروں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ عقیدۂ توحید کے دلائل بیان فرما رہے ہیں جو تمام پیغمبروں کا مشترک اور متفقہ عقیدہ تھا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف توجہ دِلا کر فرمایا جارہا ہے کہ جو ذات اس کائنات کی تخلیق کرکے اُس کا محیر العقول انتظام کررہی ہے، کیا اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی اور کی مدد کی ضرورت ہوسکتی ہے؟ یہ توحید کے بارے میں ایک انتہائی بلیغ خطبہ ہے جس کے زورِ بیان کو کسی ترجمے میں منتقل کرنا ممکن نہیں، تاہم مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچنا تھا، اس لئے اُس کے شروع میں آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اُس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیج کر کیا جائے، اور اس طرح یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ جب کوئی تقریر کرنی ہو تو اُسے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے پیغمبروں پر دُرود و سلام بھیج کر کیا جائے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اُتارا؟ ـــــ پھر ہم نے اُس پانی سے بارونق باغ اُگائے، تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم اُن کے درختوں کو اُگا سکتے۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟[30] نہیں! بلکہ ان لوگوں نے راستے سے منہ موڑ رکھا ہے۔ ﴿۶۰﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور اُس کے بیچ بیچ میں دریا پیدا کئے، اور اُس (کو ٹھہرانے) کے لئے (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں، اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی؟[31] کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ﴿۶۱﴾ بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اُسے پکارتا ہے تو وہ اُس کی دُعا قبول کرتا ہے، اور تکلیف دُور کر دیتا ہے، اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟

(۳۰) واضح رہے کہ کفارِ مکہ یہ بات مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، مگر ساتھ ہی وہ کہتے تھے کہ اُس نے کائنات کے انتظام کے بہت سے شعبے دوسرے خداؤں کو سونپ دیئے ہیں، اس لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔

(۳۱) جہاں دو دریا یا دو سمندر ملتے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دِکھایا ہے کہ دونوں کے پانی آپس میں ملتے نہیں ہیں، بلکہ دُور تک دونوں دریا ساتھ ساتھ بہنے کے باوجود الگ الگ نظر آتے ہیں، گویا اُن کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ
مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ
الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾
بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۵ ۸

کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ ﴿۶۲﴾ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں راستہ دِکھاتا ہے، اور جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (نہیں! بلکہ) اللہ اُس شرک سے بہت بالا و برتر ہے جس کا ارتکاب یہ لوگ کررہے ہیں۔ ﴿۶۳﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق فراہم کرتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ کہو: "لاؤ اپنی کوئی دلیل، اگر تم سچے ہو۔" ﴿۶۴﴾ کہہ دو کہ: "اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے،(۳۲) اور لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ اُنہیں کب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔" ﴿۶۵﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان (کافروں) کا علم بے بس ہوکر رہ گیا ہے، بلکہ وہ اُس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ اُس سے اندھے ہوچکے ہیں۔ ﴿۶۶﴾

(۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو غیب کی بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتادیتے ہیں، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ غیب کی خبریں حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھیں، لیکن مکمل علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اُس کے سوا کسی کو "عالم الغیب" نہیں کہا جاسکتا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا اُس وقت واقعی ہمیں (قبروں سے) نکالا جائے گا؟ ﴿۶۷﴾ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس قسم کے وعدے پہلے بھی کئے گئے تھے، (لیکن) ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ قصہ کہانیاں ہیں جو پرانے زمانے کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔'' ﴿۶۸﴾ کہو کہ: ''ذرا زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے۔'' ﴿۶۹﴾ اور (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں پر غم نہ کرو، اور یہ جس مکاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے گھٹن محسوس نہ کرو۔ ﴿۷۰﴾ یہ (تم سے) یوں کہتے ہیں کہ: ''یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟'' ﴿۷۱﴾ کہہ دو کہ: ''کچھ بعید نہیں ہے کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو، اُس کا کچھ حصہ تمہارے بالکل پاس آلگا ہو۔''(۳۳) ﴿۷۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ﴿۷۳﴾

---

(۳۳) یعنی کفر کا اصل عذاب تو آخرت ہی میں ہوگا، لیکن اُس کا کچھ حصہ دُنیا میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے، چنانچہ قریش کے بڑے بڑے سردار جنگِ بدر میں مارے گئے، اور باقی لوگوں کو بری طرح شکست ہوئی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنۡ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَكۡثَرَ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الۡحَـقِّ الۡمُبِيۡنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ﴿۸۰﴾ وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِى الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار وہ ساری باتیں بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور وہ باتیں بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں۔ ﴿۷۴﴾ اور آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو ایک واضح کتاب میں درج نہ ہو۔[۳۴] ﴿۷۵﴾ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر اُن باتوں کی حقیقت واضح کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔[۳۵] ﴿۷۶﴾ اور یقیناً یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ﴿۷۷﴾ اور تمہارا پروردگار یقیناً اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا اِقتدار والا، بڑا علم والا ہے۔ ﴿۷۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یقیناً تم کھلے کھلے حق پر ہو۔ ﴿۷۹﴾ یاد رکھو کہ تم مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ تم بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں۔ ﴿۸۰﴾ اور نہ تم اندھوں کو اُن کی گمراہی سے بچا کر راستے پر لا سکتے ہو۔ تم تو اُنہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر وہی لوگ فرماں بردار ہوں گے۔ ﴿۸۱﴾

---

(۳۴) اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔

(۳۵) یہ بھی قرآنِ کریم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ جن معاملات میں بنی اِسرائیل کے بڑے بڑے علماء میں بھی اختلاف رہا، قرآنِ کریم نے اُن کی حقیقت واضح فرمادی۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔[۳۶] ﴿۸۲﴾ اور اُس دن کو نہ بھولو جب ہم ہر اُمت میں سے اُن لوگوں کی پوری فوج کو گھیر لائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر اُن کی جماعت بندی کی جائے گی۔ ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ کہے گا کہ: ''کیا تم نے میری آیتوں کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی جھٹلا دیا تھا، یا کیا کرتے رہے تھے؟'' ﴿۸۴﴾ اور اُنہوں نے جو ظلم کیا تھا، اُس کی وجہ سے اُن پر عذاب کی بات پوری ہو جائے گی، چنانچہ وہ کچھ بول نہیں سکیں گے۔ ﴿۸۵﴾ کیا اُنہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ وہ اُس میں سکون حاصل کریں، اور دن اس طرح بنایا ہے کہ اُس میں چیزیں دِکھائی دیں؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو اِیمان لاتے ہیں۔ ﴿۸۶﴾

---

(۳۶) قیامت کی آخری علامتوں میں سے ایک علامت قیامت کے بالکل قریب یہ ظاہر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ زمین سے ایک عجیب الخلقت جانور پیدا کریں گے جو اِنسانوں سے بات کرے گا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی، اور اس جانور کے نکلنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ۙ

اور جس دن صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے گھبرا اُٹھیں گے، ــــ سوائے اُن کے جنہیں اللہ چاہے گا،(۳۷) ــــ اور سب اُس کے پاس جھکے ہوئے حاضر ہوں گے۔﴿۸۷﴾ تم (آج) پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ (اُس وقت) وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے سے بنایا ہے۔ یقیناً اُسے پوری خبر ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔﴿۸۸﴾ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُسے اُس سے بہتر بدلہ ملے گا،(۳۸) اور ایسے لوگ اُس دن ہر قسم کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔﴿۸۹﴾ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا، تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تمہیں کسی اور بات کی نہیں، اُنہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔﴿۹۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ:) ''مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے ربّ کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔﴿۹۱﴾

---

(۳۷) آگے آیت نمبر ۸۹ میں اس کی وضاحت آرہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیک اعمال لے کر آئیں گے، اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ نے ہر نیکی کا ثواب دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔'' اب جو شخص ہدایت کے راستے پر آئے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے راستے پر آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے، تو کہہ دینا کہ: ''میں تو بس اُن لوگوں میں سے ہوں جو خبردار کرتے ہیں۔'' ﴿۹۲﴾ اور کہہ دو کہ: ''تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، وہ تمہیں اپنی نشانیاں دِکھائے گا، پھر تم اُنہیں پہچان بھی لوگے۔ (۳۹) اور تمہارا پروردگار تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔'' ﴿۹۳﴾

(۳۹) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں دُنیا میں بھی دِکھاتا رہا ہے، مثلاً بہت سی پیشگی خبریں جو آپ نے وحی کی بنیاد پر دی تھیں، وہ لوگوں نے کھلی آنکھوں پوری ہوتی دیکھیں، جیسا کہ سورۂ رُوم کے شروع میں اُس کی ایک مثال آنے والی ہے۔ یہاں اس قسم کی نشانیاں بھی مراد ہوسکتی ہیں، اور قیامت بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اُس وقت قیامت کے منکر بھی اُسے پہچان لیں گے، لیکن اس وقت کا پہچاننا فائدہ مند نہیں ہوگا، کیونکہ ایمان لانے کا وقت گذر چکا ہوگا۔

الحمدللہ! آج بروز اتوار ۲۰ / مئی ۲۰۰۷ء مطابق ۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ کو سورۂ نمل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی دُبئی سے کراچی جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے، اور یہ پوری سورت یورپ کے سفر میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کی خطاؤں سے درگذر فرما کر اس کاوش کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضا کے مطابق کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

سُورَةُ القَصَصْ

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت سورۂ نمل (سورت نمبر ۲۷) کے بعد نازل ہوئی تھی، اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اس کی آیت نمبر ۸۵ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ سورت کا مرکزی موضوع حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرنا ہے۔ سورت کی پہلی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں جو کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوئیں۔ اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آیات ۴۴ تا ۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان واقعات کو اتنی تفصیل سے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس کے باوجود جب آپ یہ واقعات بیان فرما رہے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کفارِ مکہ کی طرف سے آپ کی نبوت اور رِسالت پر جو اِعتراضات کئے جاتے تھے، اُن کا شافی جواب بھی اس سورت میں دیا گیا ہے، اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ ضد پر اَڑے ہوئے ہیں، ان کے طرزِ عمل کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر کفارِ مکہ جن جھوٹے خداؤں پر اِیمان رکھتے تھے، اُن کی تردید کی گئی ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اپنی دولت پر غرور کی وجہ سے بھی آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اُن کی عبرت کے لئے آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا، لیکن اس کی دولت اُسے تباہی سے نہ بچا سکی جو غرور اور ضد کے نتیجے میں اُس پر آکر رہی۔ سورت کے آخر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس وقت آپ بے سروسامانی کی حالت میں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ واپس آنے کا موقع عنایت فرمائے گا۔

ایاتھا ۸۸ ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰسٓمّٓ۔ ﴿۱﴾ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت واضح کرنے والی ہے۔ ﴿۲﴾ ہم ایمان والے لوگوں کے فائدے کے لئے تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں۔ ﴿۳﴾ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اُس نے اتنا دبا کر رکھا ہوا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا،(۱) اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلایا کرتے ہیں۔ ﴿۴﴾

(۱) جیسا کہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۳۶) کے حاشیے میں ہم نے عرض کیا ہے، فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اِسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اِسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کر ڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دِل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸

اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں دبا کر رکھا گیا ہے، اُن پر احسان کریں، اُن کو پیشوا بنائیں، اُنہی کو (ملک ومال کا) وارث بنادیں، ﴿۵﴾ اور اُنہیں زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون، ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہی کچھ دِکھادیں جس سے بچاؤ کی وہ تدبیریں کررہے تھے۔ (۲) ﴿۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو اِلہام کیا کہ: ''تم اس (بچے) کو دُودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا، اور ڈرنا نہیں، اور نہ صدمہ کرنا، یقین رکھو ہم اُسے واپس تمہارے پاس پہنچا کر رہیں گے، اور اُس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے۔'' ﴿۷﴾ اس طرح فرعون کے لوگوں نے اُس بچے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اُٹھالیا، تاکہ آخرکار وہ اُن کے لئے دُشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور اُن کے لشکر بڑے خطا کار تھے۔ (۳) ﴿۸﴾

پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اُٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کرلیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔ یہی واقعہ آگے آیت نمبر ۶ تا ۸ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) اُنہیں جو خطرہ تھا کہ کوئی بچہ بڑا ہو کر اُن کے زوال کا باعث بنے گا، اُسی سے بچنے کے لئے وہ تدبیریں کررہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ اُنہیں یہ دِکھائیں کہ اُن کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئی ہیں، اور وہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے۔

(۳) خطا کار ہونے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کافر اور گناہگار لوگ تھے، اور یہ بھی کہ اُنہوں نے اُس بچے کو اُٹھا کر اپنے حق میں غلطی کی، کیونکہ وہی بچہ آخر اُن کے زوال کا سبب بنا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور فرعون کی بیوی نے (فرعونؑ سے) کہا کہ: ’’یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔‘‘ اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) اُنہیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔ ﴿۹﴾ ادھر موسیٰ کی والدہ کا دِل بے قرار تھا۔ قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دِل کو سنبھالا نہ ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کیے رہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور اُنہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ: ’’اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ۔‘‘ چنانچہ اُس نے بچے کو دُور سے اس طرح دیکھا کہ اُن لوگوں کو پتہ نہیں چلا۔ ﴿۱۱﴾ اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے یہ بندش لگادی تھی کہ دُودھ پلانے والیاں اُنہیں دُودھ نہ پلاسکیں، اس لئے اُن کی بہن نے کہا: ’’کیا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں، اور اس کے خیر خواہ رہیں؟‘‘ (۴) ﴿۱۲﴾

---

(۴) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کرلیا تو ان کو دُودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دُودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دُودھ یہ قبول کرلیں۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں پریشانی کے عالم میں دُودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کررہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دُودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دُودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آگیا۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اس طرح ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُن کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہوں، اور تاکہ اُنہیں اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۱۳﴾ اور جب موسیٰ اپنی بھرپور توانائی کو پہنچے، اور پورے جوان ہوگئے تو ہم نے اُنہیں حکمت اور علم سے نوازا، اور نیک لوگوں کو ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾ اور (ایک دن) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جب اُس کے باشندے غفلت میں تھے،(۵) تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے ہیں، ایک تو اُن کی اپنی برادری کا تھا، اور دوسرا اُن کی دُشمن قوم کا۔ اب جو شخص اُن کی برادری کا تھا، اُس نے اُنہیں اُن کی دُشمن قوم کے آدمی کے مقابلے میں مدد کے لئے پکارا، اس پر موسیٰ نے اُس کو ایک مکا مارا جس نے اُس کا کام تمام کردیا۔(۶) (پھر) انہوں نے (پچھتا کر) کہا کہ: ”یہ تو کوئی شیطان کی کارروائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کھلا دُشمن ہے جو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔“ ﴿۱۵﴾

(۵) یعنی اکثر لوگ دوپہر کے وقت بے خبر سوئے ہوئے تھے۔
(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اسرائیلی شخص کو اُس کے ظلم سے بچائیں، اُسے قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ ایک ہی مکے سے مرگیا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

کہنے لگے: ''میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کرلیا، آپ مجھے معاف فرمادیجئے۔''(۷) چنانچہ اللہ نے اُنہیں معاف کردیا۔ یقیناً وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے کہا: ''میرے پروردگار! آپ نے جو مجھ پر اِنعام کیا ہے، تو میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔''(۸) ﴿۱۷﴾ پھر صبح کے وقت وہ شہر میں ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے، اتنے میں دیکھا کہ جس شخص نے کل اُن سے مدد مانگی تھی، وہ پھر اُنہیں فریاد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا کہ: ''معلوم ہوا کہ تم تو کھلم کھلا شریر آدمی ہو۔''(۹) ﴿۱۸﴾

---

(۷) چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان بوجھ کر اُسے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ وہ بلا ارادہ مارا گیا، اس لئے اصل میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معذور تھے، لیکن بہر حال کسی کا قتل ہوجانا ایک سنگین معاملہ ہے، اور ایک ہونے والے پیغمبر کے شایانِ شان نہیں، اس لئے وہ شرمندہ بھی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ مسلمان اور غیر مسلم آپس میں امن کے ساتھ رہ رہے ہوں، خواہ وہاں حکومت غیر مسلموں ہی کی ہو، وہاں کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو قتل کرے، یا اُس کی جان و مال کو کسی اور طرح نقصان پہنچائے۔

(۸) اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ساتھ رہ رہے تھے، اور اُس کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ اس واقعے نے اُن کے دِل میں ایک انقلاب پیدا کردیا، اور اُنہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ سارا جھگڑا درحقیقت فرعون کے جابرانہ طرزِ حکومت کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے مصریوں کو اِسرائیلیوں پر ظلم ڈھانے کی جرأت ہوئی ہے۔ اس لئے اس واقعے کے بعد اُنہوں نے تہیہ کرلیا کہ آئندہ میں فرعون اور اُس کے اہل کاروں سے مکمل علیحدگی اختیار کرلوں گا، تاکہ اُن کی بالواسطہ بھی کسی بھی قسم کی مدد کا ارتکاب نہ ہو۔

(۹) یعنی لڑائی بھڑائی تمہارا روز کا وطیرہ معلوم ہوتا ہے کہ کل کسی اور سے لڑے تھے، اور آج اس شخص سے لڑ رہے ہو۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

پھر جب اُنہوں نے اُس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دُشمن تھا تو اُس (اسرائیلی) نے کہا: ''موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا؟[10] تمہارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم زمین میں اپنی زبردستی جماؤ، اور تم مصلح بننا نہیں چاہتے۔'' ﴿۱۹﴾ اور (اُس کے بعد یہ ہوا کہ) شہر کے بالکل دُور دراز علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اُس نے کہا کہ: ''موسیٰ! سردار لوگ تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر ڈالیں، اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ، یقین رکھو میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔'' ﴿۲۰﴾ چنانچہ موسیٰ ڈرتے ڈرتے، حالات کا جائزہ لیتے شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے بچالے۔'' ﴿۲۱﴾ اور جب اُنہوں نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا کہ: ''مجھے پوری اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔''[11] ﴿۲۲﴾

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ تو اُس مصری قبطی کی طرف بڑھایا تھا، تاکہ اُسے مارنے سے روکیں، لیکن اسرائیلی نے جب اُن کا یہ جملہ سنا کہ: ''تم بڑے شریر آدمی ہو'' تو وہ یہ سمجھا کہ وہ اُس کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ اس لئے اُس نے یہ بات کہی۔

(۱۱) مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی تھی اور وہ علاقہ فرعون کی حکومت سے باہر تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں جانے کا ارادہ کیا، لیکن شاید راستہ پوری طرح معلوم نہیں تھا، محض اندازے سے چل رہے تھے، اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راستے پر ڈال دے گا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ اُس پر ایسے لوگوں کا ایک مجمع ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دیکھا کہ اُن سے پہلے دو عورتیں ہیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے اُن سے کہا: ''تم کیا چاہتی ہو؟'' اُن دونوں نے کہا: ''ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے پانی پلا کر نکل نہیں جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔''(۱۲) ﴿۲۳﴾ اس پر موسیٰ نے اُن کی خاطر اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا،(۱۳) پھر مڑ کر ایک سائے کی جگہ چلے گئے، اور کہنے لگے: ''میرے پروردگار! جو کوئی بہتری تو مجھ پر اُوپر سے نازل کر دے، میں اُس کا محتاج ہوں۔''(۱۴) ﴿۲۴﴾ تھوڑی دیر بعد اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کے پاس شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی،(۱۵) کہنے لگی: ''میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں، تا کہ آپ کو اس بات کا اِنعام دیں کہ آپ نے ہماری خاطر جانوروں کو پانی پلایا ہے۔''(۱۶) چنانچہ جب وہ عورتوں کے والد کے پاس پہنچے اور اُن کو ساری سرگزشت سنائی، تو اُنہوں نے کہا: ''کوئی اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔'' ﴿۲۵﴾

---

(۱۲) مطلب یہ تھا کہ ہمارے والد بوڑھے ہونے کی وجہ سے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے نہیں آسکتے، اور ہم

چونکہ عورت ذات ہیں، اس لئے مردوں میں گھس کر پانی نہیں پلاسکتیں، اس لئے اس انتظار میں ہیں کہ مرد چلے جائیں اور کنواں خالی ہو جائے تو ہم اپنے جانوروں کو لے جا کر پانی پلائیں۔ واضح رہے کہ ان عورتوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں مدین کے لوگوں کی اصلاح کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور جن کا واقعہ سورۂ اعراف، سورۂ ہود وغیرہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت خواتین کا کسی کام کے لئے باہر نکلنا جائز ہے، البتہ اگر مرد وہ کام انجام دے سکتے ہوں تو مردوں ہی کو انجام دینا چاہئے، اسی لئے انہوں نے اپنے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمارے والد ضعیف ہیں، اور گھر میں کوئی اور مرد نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین سے بات کرنا جائز ہے، خاص طور پر اگر انہیں کسی مشکل میں مبتلا دیکھیں تو اُن کی مدد کے لئے اُن کا حال پوچھ کر حتی الامکان اُن کی مدد کرنی چاہئے، بشرطیکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن عورتوں سے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی اور کنواں بھی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک کنواں اور ہے، مگر اُس کے منہ پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے جسے اُٹھانا آسان نہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے، اور پتھر کو اُٹھا کر اُن کی بکریوں کو پانی پلادیا (رُوح المعانی بحوالہ عبد بن حمید ص: ۳۶۷ ج: ۲۰)۔

(۱۴) اس مختصر دُعا میں عبدیت کا عجیب مظاہرہ ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے محتاج ہونے کا ذکر فرمارہے ہیں کہ اس غریب الوطنی میں جہاں کوئی شخص آشنا نظر نہیں آتا، زندگی کی ہر ضرورت کی احتیاج ہے، اور دوسری طرف خود سے کوئی نعمت تجویز کرنے کے بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رہے ہیں کہ آپ بھلائی کی جو صورت بھی تجویز کر کے مجھ پر اُوپر سے نازل فرمادیں گے، تو سمجھو کہ اُسی کی احتیاج ظاہر کر کے وہی میں نے مانگی ہے، میں اپنی طرف سے کوئی متعین حاجت مانگنے کی حالت میں نہیں ہوں۔

(۱۵) معلوم ہوا کہ اگرچہ اُس وقت پردے کے باقاعدہ اَحکام نہیں تھے جو قرآنِ کریم نے عطا فرمائے، لیکن خواتین شرم و حیا کے لباس میں رہتی تھیں، اور مردوں سے معاملات کرتے وقت شرم و حیا کو پوری طرح ملحوظ رکھتی

تھیں، چنانچہ ابنِ جریر، ابنِ ابی حاتم اور سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ خاتون جب آئیں تو انھوں نے اپنی قمیص کی آستین اپنے چہرے پر رکھی ہوئی تھی۔

(۱۶) اگرچہ کسی نیکی کا اِنعام وصول کرنے کے لئے جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیرت اور شرافت کے خلاف تھا، لیکن اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ آپ کی طرف سے جو بھلائی بھی آئے گی، میں اُس کا محتاج ہوں، اور اس خاتون کی دعوت سے ایک راستہ ایسا پیدا ہوا تھا کہ اس بستی میں کسی بزرگ سے جان پہچان ہو جائے، اور دوسری طرف اُن کے اپنی بیٹی کو بھیجنے سے اُن کی شرافت اور بزرگی ظاہر ہو رہی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت یہ خیال فرمایا کہ اس دعوت کو رَدّ کرنا ناشکری اور اُس عبدیت کے خلاف ہوگا جس کے ساتھ دُعا مانگی گئی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ ان بزرگ سے کوئی مفید مشورہ مل جائے۔ چنانچہ دعوت قبول کر کے اُن کے پاس چلے گئے، لیکن ابنِ عساکر کی ایک روایت میں حضرت ابوحازمؒ سے یہ تفصیل منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کھانا پیش کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا: ''کیوں؟ کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''بھوک تو ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا میرے اُس عمل کا معاوضہ نہ بن جائے کہ میں نے بکریوں کو پانی پلا دیا تھا، اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ جو کام آخرت کی خاطر کریں، اُس کے معاوضے میں کوئی پوری زمین سونے سے بھر کر بھی دیدے تو اُسے قبول نہیں کرتے۔'' حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ: ''اللہ کی قسم، ایسا نہیں ہے، لیکن میری اور میرے آباؤ اجداد کی یہ عادت رہی ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔'' اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔'' (روح المعانی، حوالۂ بالا)۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاتون نے جو کہا تھا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلا رہے ہیں کہ آپ کو آپ کی نیکی کا اِنعام دیں گے، یہ اُنہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے ہوں گے۔ واللہ سبحانہ اعلم

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ
الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِي
ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ
سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا
الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾ ع

اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا: ''ابا جان! آپ ان کو اُجرت پر کوئی کام دے دیجئے۔ آپ کسی سے اُجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔''(۱۷) ﴿۲۶﴾ اُن کے باپ نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کر دوں، بشرطیکہ تم آٹھ سال تک اُجرت پر میرے پاس کام کرو،(۱۸) پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا۔ اور میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ تم پر مشقت ڈالوں، اِن شاء اللہ تم مجھے اُن لوگوں میں سے پاؤ گے جو بھلائی کا معاملہ کرتے ہیں۔'' ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: ''یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں، تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور جو بات ہم کر رہے ہیں، اللہ اُس کا رکھوالا ہے۔'' ﴿۲۸﴾

---

(۱۷) یہ وہی خاتون تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھیں، ان کا نام صفورا تھا، اور پھر انہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا۔ گھر میں ایک ایسے مرد کی ضرورت تھی جو گھر کے باہر کے کاموں کی دیکھ بھال کرے، اور عورتوں کو بکریاں چرانے اور اُنہیں پانی پلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ اُنہیں اس کام پر رکھ لیں، اور اُس کی باقاعدہ اُجرت طے کرلیں۔ اور خاتون کا یہ جملہ کہ: ''آپ کسی سے اُجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔'' ان کی کمالِ عقل مندی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جملہ نقل فرما کر ملازمت کے فیصلے کے لئے بہترین معیار عطا فرما دیا ہے کہ ایک اچھے ملازم میں یہی دو بنیادی خصوصیات ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ جو فرائض اُس کے سپرد

کئے گئے ہیں، وہ اُن کو بجالانے کی جسمانی اور ذہنی طاقت رکھتا ہو، اور دوسرے یہ کہ امانت دار ہو۔ خاتون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان دونوں باتوں کا تجربہ ہو چکا تھا، پانی پلانے کے لئے اُنہوں نے جو طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک نہایت بھاری پتھر کو ہٹا کر کنویں سے پانی نکالا، یہ اُن کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت کی دلیل تھی، اور جہاں تک امانت داری کا تعلق ہے، اُس کا تجربہ خاتون کو اس طرح ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتون کے ساتھ چلنے لگے تو اُن سے کہا کہ آپ میرے پیچھے رہیں، اور راستہ بتاتی جائیں، تاکہ اُن کی شرم وحیا اور عفت وعصمت کا پورا احترام ہو۔ اس قسم کی امانت چونکہ کم دیکھنے میں آتی ہے، اس لئے وہ سمجھ گئیں کہ امانت ودیانت ان کا خاص وصف ہے۔

(۱۸) اُس وقت تو حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں میں سے کسی ایک صاحبزادی کی تعیین نہیں کی، لیکن جب باقاعدہ نکاح ہوا تو متعین کر کے معروف طریقے کے مطابق ہوا۔ اور اُجرت پر کام کرنے سے مراد بکریاں چرانا تھا۔ بہت سے فقہاء اور مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ بکریاں چرانے کو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا مہر مقرر کیا تھا، لیکن اُس پر اوّل تو یہ اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بیوی کا کوئی کام کرنا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، دوسرے یہاں تو بیوی کا نہیں، بلکہ بیوی کے والد کا کام کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ جو حضرات اس معاہدے کو مہر قرار دیتے ہیں اگرچہ اُنہوں نے اس اِشکال کا بھی جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ تکلف سے خالی نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین اور فقہاء نے یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ بکریاں چرانا بطور مہر نہیں تھا، بلکہ یہ دو الگ الگ باتوں کی مفاہمت تھی، حضرت شعیب علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی بکریاں بھی چرائیں جس کی اُجرت الگ مقرر ہو، اور اُن کی صاحبزادی سے نکاح بھی کریں، جس کا مہر الگ سے قاعدے کے مطابق طے کیا جائے۔ ان دونوں باتوں کے بارے میں اُن کی مرضی معلوم کرنے کے لئے آپ نے دونوں باتیں ذکر فرمائیں، تاکہ جب وہ ان باتوں کو منظور کر کے وعدہ کرلیں تو نکاح اُس کے اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں لڑکی کا تعین بھی ہو، گواہ بھی ہوں اور مہر بھی مقرر کیا جائے، اور ملازمت کا معاہدہ اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں اُجرت باقاعدہ مقرر کی جائے۔ چنانچہ یہ دونوں معاملات اپنے اپنے اَحکام کے مطابق اپنے اپنے وقت پر اَنجام پائے، اور اس وقت صرف اُن معاملات کو آئندہ وجود میں لانے کا دونوں طرف سے وعدہ کیا گیا۔ لہٰذا اس پر یہ اِشکال بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک معاملے کو دوسرے معاملے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ یہی موقف علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری میں اختیار فرمایا ہے (دیکھئے عمدۃ القاری، کتاب الاجارات، ص:۸۵ ج:۱۲)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿٣١﴾

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کرلی، اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے[19] تو اُنہوں نے کوہِ طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی۔ اُنہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”ٹھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ اُٹھالاؤں، تاکہ تم گرمائی حاصل کرسکو۔“ ﴿۲۹﴾ چنانچہ جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو دائیں وادی کے کنارے پر جو برکت والے علاقے میں واقع تھی، ایک درخت سے آواز آئی کہ: ”اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں، تمام جہانوں کا پروردگار!“ ﴿۳۰﴾ اور یہ کہ: ”اپنی لاٹھی نیچے ڈال دو۔“ پھر ہوا یہ کہ جب اُنہوں نے اُس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کررہی ہے جیسے وہ سانپ ہو، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور مڑکر بھی نہ دیکھا۔[20] (اُن سے کہا گیا:) ”موسیٰ! سامنے آؤ، اور ڈرو نہیں، تم بالکل محفوظ ہو۔ ﴿۳۱﴾

---

(۱۹) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پورے کئے تھے۔ اُس کے بعد غالباً اُنہوں نے اپنی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں کے پاس مصر جانے کا ارادہ فرمایا، اور یہ سوچا کہ قبطی کے قتل کا قصہ اب بھولا بسرا ہوچکا ہوگا، اور واپس مصر جانے میں کوئی خطرہ نہیں رہا۔

(۲۰) یہ ایک طبعی خوف تھا جو نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

معانقة ۱۱

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا، اور ڈر دُور کرنے کے لئے اپنا بازو اپنے جسم سے لپٹا لینا۔[21] اب یہ دو زبردست دلیلیں ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس بھیجی جارہی ہیں۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔" ﴿۳۲﴾ موسیٰ نے کہا: "میرے پروردگار! میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کردیا تھا، اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کردیں۔ ﴿۳۳﴾ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے،[22] اس لئے اُن کو بھی میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے کہ وہ میری تائید کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔" ﴿۳۴﴾ ارشاد ہوا: "ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے دیتے ہیں، اور تم دونوں کو ایسا دبدبہ عطا کردیتے ہیں کہ اُن کو ہماری نشانیوں کی برکت سے تم پر دسترس حاصل نہیں ہوگی، تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہو گے۔" ﴿۳۵﴾

(۲۱) لاٹھی کے سانپ بننے اور ہاتھ سے اچانک روشنی نکلنے کے واقعات سے جو طبعی گھبراہٹ ہوئی، اُس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جس ہاتھ کو بغل سے نکالا تھا، اور وہ چمکنے لگا تھا، اُسے دوبارہ اپنے جسم سے لپٹا لو، تو گھبراہٹ دُور ہوجائے گی۔

(۲۲) جیسا کہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۲۵) میں گذرا ہے، بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارا زبان پر

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

چنانچہ جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو اُنہوں نے کہا: ''یہ کچھ نہیں، بس بناوٹی جادو ہے، اور ہم نے یہ بات اپنے پچھلے باپ دادوں میں نہیں سنی۔'' ﴿۳۶﴾ اور موسیٰ نے کہا: ''میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے، اور آخر کار بہتر ٹھکانا کس کے ہاتھ آئے گا۔[۲۳] یہ یقینی بات ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔'' ﴿۳۷﴾ اور فرعون بولا: ''اے درباروالو! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی اور خدا سے واقف نہیں ہوں۔ ہامان! تم ایسا کرو کہ میرے لئے گارے کو آگ دے کر پکواؤ، اور میرے لئے ایک اُونچی عمارت بناؤ، تاکہ میں اُس پر سے موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں،[۲۴] اور میں تو پورے یقین کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔'' ﴿۳۸﴾

رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہوگئی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے درخواست کی کہ اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اُن کے ساتھ نبی بنا کر بھیج دیا جائے، کیونکہ اُن کی زبان زیادہ صاف ہے۔

(۲۳) ٹھکانے سے مراد دُنیا بھی ہوسکتی ہے کہ دُنیا میں اچھا انجام کس کا ہوگا کہ خاتمہ بخیر ہو، اور آخرت بھی مراد ہوسکتی ہے کہ آخرت میں انجام بہتر ہو۔

(۲۴) یہ اُس نے محض مذاق اُڑانے کے طور پر کہا تھا۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ لا

غرض یہ کہ اُس نے اور اُس کے لشکروں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اُنہیں ہمارے پاس واپس نہیں لایا جائے گا۔ ﴿۳۹﴾ اس لئے ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکروں کو پکڑ میں لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ ﴿۴۰﴾ ہم نے اُنہیں قائد بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن اُن کو کسی کی مدد نہیں پہنچے گی۔ ﴿۴۱﴾ دُنیا میں ہم نے لعنت اُن کے پیچھے لگادی ہے، اور قیامت کے دن وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن کی بری حالت ہونے والی ہے۔ ﴿۴۲﴾ ہم نے پچھلی اُمتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے بصیرت کی باتوں پر مشتمل، اور سراپا ہدایت و رحمت تھی، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۲۵) ﴿۴۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اُس وقت (کوہِ طور کی) مغربی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو اَحکام سپرد کئے تھے، (۲۶) اور نہ تم اُن لوگوں میں سے تھے جو اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ ﴿۴۴﴾

(۲۵) اس سے مراد تورات ہے۔

(۲۶) یہاں سے آیت نمبر ۶۱ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کی سچائی کا بیان ہے۔ پہلے یہ دلیل

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

ـــــ بلکہ اُن کے بعد ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، جن پر طویل زمانہ گذر گیا ـــــ اور تم مدین کے بسنے والوں کے درمیان بھی مقیم نہیں تھے کہ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہو، بلکہ (تمہیں) رسول بنانے والے ہم ہیں، ﴿۴۵﴾ اور نہ تم اُس وقت طور کے کنارے موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا، بلکہ یہ تمہارے ربّ کی رحمت ہے (کہ تمہیں وحی کے ذریعے یہ باتیں بتائی جارہی ہیں) تاکہ تم اُس قوم کو خبردار کرو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، شاید وہ نصیحت قبول کرلیں۔ ﴿۴۶﴾ اور تاکہ جب ان لوگوں پر ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ: ''ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں ہم بھی شامل ہو جاتے؟'' ﴿۴۷﴾

پیش کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات قرآنِ کریم نے بیان فرمائے ہیں، مثلاً کوہِ طور کے مغربی کنارے پر اُن کو تورات دیا جانا، اور صحرائے سینا میں اُن کو پکار کر نبوت عطا کرنا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرصۂ دراز تک مدین میں رہنا، یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت خود موجود تھے کہ ان واقعات کو دیکھتے، اور نہ ان کو معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ تھا، اس کے باوجود آپ یہ واقعات اتنی تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں، تو اس کا کوئی اور مطلب سوائے اس کے نہیں ہوسکتا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے جس نے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۖ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۵/۸ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ: ''اس پیغمبر کو اُس جیسی چیز کیوں نہیں دی گئی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو دی گئی تھی؟''(۲۷) حالانکہ جو چیز موسیٰ کو دی گئی تھی، کیا انہوں نے پہلے ہی اُس کا انکار نہیں کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا کہ: ''یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، اور ہم ان میں سے ہر ایک کے منکر ہیں۔'' ﴿۴۸﴾ (ان سے) کہو: ''اچھا، اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی اور ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو، میں اُس کی اِتباع کرلوں گا۔'' ﴿۴۹﴾ پھر اگر یہ تمہاری فرمائش پوری نہ کریں، تو سمجھ لو کہ درحقیقت یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۵۰﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم ان کے فائدے کے لئے ایک کے بعد ایک (نصیحت کی) بات بھیجتے رہے ہیں،(۲۸) تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ ﴿۵۱﴾

(۲۷) یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری تورات ایک ہی مرتبہ عطا کر دی گئی تھی، اسی طرح آپ کو سارا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں دے دیا گیا؟ اس اعتراض کا یہ جواب آگے دیا گیا ہے کہ تم لوگ تورات پر کونسا ایمان لے آئے تھے جو قرآن کے بارے میں یہ مطالبہ کر رہے ہو؟

(۲۸) قرآنِ کریم ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ اس میں تم لوگوں ہی کا

ربع اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِہٖ ہُمۡ بِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖۤ اِنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلِہٖ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِکَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۵۴﴾

جن کو ہم نے قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں دی ہیں، وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، (۲۹) ﴿۵۲﴾ اور جب وہ اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: "ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہ برحق کلام ہے جو ہمارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ ہم تو اس سے پہلے بھی اسے مانتے تھے۔ (۳۰) ﴿۵۳﴾ ایسے لوگوں کو اُن کا ثواب دُہرا دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا، اور وہ نیکی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں، (۳۱) اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۵۴﴾

فائدہ مقصود تھا کہ ہر موقع پر اُس کے مناسب ہدایات دی جاسکیں، اور ایک کے بعد ایک ہدایات دے کر تمہیں اس بات کا موقع دیا جائے کہ تم کسی بات کو تو قبول کرلو۔

(۲۹) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کی سچائی کی ایک اور دلیل ہے، اور وہ یہ کہ جن لوگوں کو پہلے آسمانی کتابیں دی جاچکی ہیں، یعنی یہودی اور عیسائی، اُن میں سے جو لوگ حق کے طالب تھے، وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اس بات کا اِعتراف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآنِ کریم کے نزول کی بشارت پچھلی کتابوں میں موجود ہے، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ کو اور قرآنِ کریم کو مانتے تھے۔

(۳۰) جو شخص پہلے ایک دِین کو اِختیار کئے ہوئے ہو، اور جسے اس بات پر فخر بھی ہو کہ وہ ایک آسمانی کتاب کی پیروی کررہا ہے، اُس کے لئے نیا دِین اختیار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ اپنی پرانی عادت چھوڑنا دُشوار ہے، اور اس لئے بھی کہ اُس کے ہم مذہب اُسے تکلیفیں پہنچاتے ہیں، لیکن ان حضرات نے ان تمام تکلیفوں پر صبر کیا، اور حق پر ثابت قدم رہے، اس لئے ان کو دُہرا ثواب ملے گا۔

(۳۱) یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اُسے ٹال جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ''ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔(۳۲) ہم نادان لوگوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔'' ﴿۵۵﴾ (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہمیں اپنی زمین سے کوئی اُچک کر لے جائے گا۔''(۳۳) بھلا کیا ہم نے ان کو اُس حرم میں جگہ نہیں دے رکھی جو اتنا پرامن ہے کہ ہر قسم کے پھل اُس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، جو خاص ہماری طرف سے دیا ہوا رزق ہے؟ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۷﴾

---

(۳۲) یعنی تم سے بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے، ہاں یہ دُعا کرتے ہیں کہ تمہیں اسلام کی توفیق ملے، اور اس کے نتیجے میں تمہیں سلامتی عطا ہو۔

(۳۳) بعض کافروں نے اسلام لانے میں یہ رُکاوٹ ظاہر کی تھی کہ اسلام لانے کے بعد عرب کے لوگ ہماری عزت کرنا چھوڑ دیں گے، اور ہمارے خلاف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے ہمیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ قرآنِ کریم نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب تو اسی آیت میں یہ دیا ہے کہ ہم نے ان کے کفر کے باوجود ان کو حدودِ حرم میں اتنا محفوظ بنایا ہوا ہے کہ سارے عرب میں قتل و غارت گری ہو رہی ہے، لیکن حرم والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا، بلکہ چاروں طرف سے ہر قسم کے پھل کھنچ کھنچ کر وہاں آتے ہیں، اور حرم آنے والے کسی

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور کتنی ہی بستیاں وہ ہیں جو اپنی معیشت پر اِتراتی تھیں، ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا، اب وہ اُن کی رہائش گاہیں تمہارے سامنے ہیں، جو اُن کے بعد تھوڑے عرصے کو چھوڑ کر کبھی آباد ہی نہ ہوسکیں، اور ہم ہی تھے جو اُن کے وارث بنے۔ ﴿۵۸﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ وہ بستیاں یونہی ہلاک کر ڈالے جب تک اُس نے اُن بستیوں کے مرکزی مقام پر کوئی رسول نہ بھیجا ہو جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو اُس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب تک اُن کے باشندے ظالم نہ بن جائیں۔[۳۴] ﴿۵۹﴾

سامان پر کوئی ڈاکا نہیں ڈالتا۔ جب تمہارے کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حفاظت بخشی ہوئی ہے تو جب تم ایمان لے آؤ گے تو کیا اُس وقت اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت نہیں کرے گا؟ پھر آیت ۵۸ میں دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بربادی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آتی ہے، چنانچہ تم سے پہلی جن قوموں نے کفر کی راہ اختیار کی، آخر کار وہی تباہ ہوئیں، نہ کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے۔ پھر آیت نمبر ۶۰ میں تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر بالفرض اسلام لانے کے نتیجے میں تمہیں دُنیا کے اندر کچھ تکلیفیں پہنچ بھی جائیں تو وہ آخرت کی تکلیفوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

(۳۴) یہ بیچ میں کفارِ عرب کے ایک اور اِعتراض کا جواب دے دیا گیا ہے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے مذہب اور طریقِ کار سے ناراض ہے، تو جس طرح اُس نے پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے، جن کا حوالہ پچھلی آیت میں بھی دیا گیا ہے، اُسی طرح ہم کو اب تک کیوں ہلاک نہیں کیا؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کو ہلاک کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنا کوئی پیغمبر اُن کے

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، وہ دُنیوی زندگی کی پونجی اور اُس کی سجاوٹ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۶۰﴾ بھلا بتاؤ کہ جس شخص سے ہم نے اچھا سا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ اُس وعدے کو پا کر رہے گا، کیا وہ اُس جیسا ہوسکتا ہے جسے ہم نے دُنیوی زندگی کی پونجی کے کچھ مزے دے دیئے ہیں، پھر وہ اُن لوگوں میں شامل ہونے والا ہے جو قیامت کے دن دھر لئے جائیں گے؟ ﴿۶۱﴾ اور وہ دن (کبھی نہ بھولو) جب اللہ ان لوگوں کو پکارے گا، اور کہے گا: ''کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟'' (۳۵) ﴿۶۲﴾

مرکزی علاقے میں بھیجتا ہے جو اُنہیں سیدھے راستے کی دعوت دے، اور بار بار دیتا رہے، تاکہ وہ راہِ راست پر آئیں، اور اُنہیں سزا دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر وہ اپنی گمراہی سے باز آجاتے ہیں تو اُنہیں ہلاک نہیں کیا جاتا، البتہ اگر وہ اپنی ظالمانہ رَوش پر اَڑے رہتے ہیں، تب اُنہیں سزا دی جاتی ہے۔ یہی معاملہ پچھلی قوموں کے ساتھ ہوا، اور وہی سلوک تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بار بار حق کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور تمہیں مہلت دی جارہی ہے۔ اس کا یہ مطلب لینا پرلے درجے کی نادانی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہیں، اور تمہیں کبھی سزا نہیں ملے گی۔

(۳۵) اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

جن کے خلاف (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہوگی،(۳۶) وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، ہم نے ان کو اُسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔(۳۷) ہم آپ کے سامنے ان سے دست بردار ہوتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔''(۳۸) ﴿۶۳﴾ اور (ان کافروں سے) کہا جائے گا کہ: ''پکارو اُن کو جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا!'' چنانچہ وہ اُن کو پکاریں گے، مگر وہ ان کو جواب نہیں دیں گے، اور یہ عذاب آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ کاش یہ ایسے ہوتے کہ ہدایت کو قبول کر لیتے! ﴿۶۴﴾ اور وہ دن (بھی ہرگز نہ بھولو) جب اللہ ان کو پکارے گا، اور کہے گا: ''تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟'' ﴿۶۵﴾ اس پر ساری باتیں (جو یہ بنایا کرتے ہیں) اُس دن بے نشان ہو چکی ہوں گی، چنانچہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔ ﴿۶۶﴾

---

(۳۶) ان سے مراد بھی وہی شیاطین ہیں جن کو نفع نقصان کا مالک سمجھ کر کافر لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور بات پوری ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شیاطین دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، انہیں آخرکار دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان شیاطین کے دوزخ میں جانے کا وقت آچکا ہوگا، اُس وقت وہ یہ بات کہیں گے۔

(۳۷) یعنی جس طرح ہم نے اپنے اختیار سے گمراہی اختیار کی، ان لوگوں نے بھی اپنے اختیار سے گمراہی اپنائی، ورنہ ہم نے ان پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی کہ یہ ضرور ہماری بات مانیں۔

(۳۸) یعنی درحقیقت یہ لوگ ہماری عبادت کرنے کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔

فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِيۡنَ ۞ وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ‌ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ‌ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۞ وَرَبُّكَ يَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۞ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ؕ لَـهُ الۡحَمۡدُ فِى الۡاُوۡلٰى وَالۡاٰخِرَةِ‌ وَلَـهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۞ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰـهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ‌ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ۞

البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو پوری اُمید ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جنہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۶۷﴾ اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور (جو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔ ان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ (۳۹) اللہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۶۸﴾ اور تمہارا پروردگار اُن باتوں کو بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور اُن باتوں کو بھی جو یہ کھلم کھلا کرتے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ اللہ وہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تعریف اُسی کی ہے، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور حکم اُسی کا چلتا ہے، اور اُسی کی طرف تم سب واپس بھیجے جاؤ گے۔ ﴿۷۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو: "ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر رات کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط رکھے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے؟ بھلا کیا تم سنتے نہیں ہو؟" ﴿۷۱﴾

---

(۳۹) یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ پیغمبر ہمارے سرداروں اور دولت مند لوگوں میں سے کسی کو کیوں نہیں بنایا گیا؟ مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، اور اُسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کس کو اپنا پیغمبر بنائے۔ ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۵

کہو: ''ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر دن کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط کردے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں وہ رات لاکر دیدے جس میں تم سکون حاصل کرسکو؟ بھلا کیا تمہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا؟ ﴿۷۲﴾ یہ تو اُسی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات بھی بنائی ہے اور دن بھی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور اِس میں اللہ کا فضل تلاش کرو، (۴۰) اور تاکہ تم شکر اَدا کرو۔ ﴿۷۳﴾ اور وہ دن (نہ بھولو) جب وہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا، اور کہے گا کہ: ''کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟'' ﴿۷۴﴾ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہی دینے والا نکال لائیں گے، پھر کہیں گے کہ: ''لاؤ اپنی کوئی دلیل!'' اُس وقت اُن کو پتہ چل جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی، اور وہ ساری باتیں جو انہوں نے گھڑ رکھی تھیں، سب گم ہوکر رہ جائیں گی۔ ﴿۷۵﴾

(۴۰) یہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم اِنعام کا تذکرہ ہے کہ اُس نے رات کے وقت کو سکون حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا، اندھیرا طاری کرکے سب کو مجبور کردیا کہ وہ اُس وقت آرام کریں، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ سب لوگ کسی ایک وقت پر متفق ہوکر اُسے آرام کا وقت قرار دے دیتے، اور نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک شخص آرام کرنا چاہتا ہے تو دوسرا اُس وقت کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اور اُس کے کام میں مشغول ہونے سے پہلے شخص کے آرام میں خلل واقع ہوتا۔ اسی طرح دن کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل تلاش کرنے یعنی روزی روزگار کمانے کا وقت بنادیا، تاکہ اُس وقت سب کام میں لگیں۔ اگر تمام وقت دن رہتا تو سکون حاصل کرنا مشکل ہوتا، اور اگر تمام وقت رات رہتی تو سارے کام ناممکن ہوجاتے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾

قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا،[۴۱] پھر اُس نے اُنہی پر زیادتی کی۔[۴۲] اور ہم نے اُسے اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُس کی چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اُٹھتی تھیں۔ ایک وقت تھا جب اُس کی قوم نے اُس سے کہا کہ: ''اِتراؤ نہیں، اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، ﴿۷۶﴾ اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے، اُس کے ذریعے آخرت والا گھر بنانے کی کوشش کرو،[۴۳] اور دُنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو،[۴۴] اور جس طرح اللہ نے تم پر اِحسان کیا ہے، تم بھی (دوسروں پر) احسان کرو،[۴۵] اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو۔ یقین جانو اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' ﴿۷۷﴾ کہنے لگا: ''یہ سب کچھ تو مجھے خود اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔'' بھلا کیا اُسے اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اللہ نے اُس سے پہلی نسلوں کے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کرڈالا تھا جو طاقت میں بھی اُس سے زیادہ مضبوط تھے،[۴۶] اور جن کی جمعیت بھی زیادہ تھی۔ اور مجرموں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔[۴۷] ﴿۷۸﴾

---

(۴۱) اتنی بات تو خود قرآنِ کریم سے واضح ہے کہ قارون بنو اِسرائیل ہی کا ایک شخص تھا۔ بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے فرعون نے اُس کو بنو اِسرائیل کی نگرانی پر متعین کیا ہوا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنایا اور حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے نائب قرار پائے تو اسے حسد ہوا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا کہ اُسے کوئی منصب دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اُسے کوئی منصب ملے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کرلی، اس پر اس کے حسد کی آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھی، اور اُس نے منافقت شروع کردی۔

(۴۲) قرآنِ کریم نے یہاں جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کے معنیٰ ظلم اور زیادتی کرنے کے بھی ہوسکتے ہیں، اور تکبر کرنے کے بھی۔ کہتے ہیں کہ جب اُس کو فرعون کی طرف سے بنو اِسرائیل کی نگرانی سونپی گئی تھی تو اُس نے اپنے ہی قوم کے لوگوں پر زیادتیاں کی تھیں۔

(۴۳) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے مطابق استعمال کرو جس کے نتیجے میں آخرت کا ثواب حاصل ہو۔

(۴۴) یعنی آخرت کا گھر بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کی ضروریات کو بالکل نظر انداز کردو، بلکہ ضرورت کے مطابق دُنیا کا ساز و سامان رکھنے اور کمانے میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔ البتہ دُنیا اس انداز سے نہ کماؤ جس سے آخرت میں نقصان اُٹھانا پڑے۔

(۴۵) یہاں اشارہ فرمادیا گیا کہ جو مال و دولت تمہیں دُنیا میں ملا ہے، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اُس نے تم پر اِحسان کرکے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح تم بھی لوگوں پر اِحسان کرکے اُنہیں اس مال و دولت میں شریک کرو۔

(۴۶) ایک طرف تو قارون یہ دعویٰ کررہا تھا کہ میں نے جو مال و دولت حاصل کیا ہے اپنے علم و ہنر سے حاصل کیا ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علم کا کوئی اعلیٰ درجہ تو درکنار اُسے اتنی معمولی بات بھی معلوم نہیں تھی کہ اگر بالفرض اُس نے اپنے علم و ہنر ہی سے یہ سب کچھ حاصل کیا تو وہ علم و ہنر کس کا دیا ہوا تھا؟ نیز یہ بات بھی اُس نے نظر انداز کردی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بہت سے انسانوں کو ہلاک کرچکا ہے جو اُس سے زیادہ مضبوط تھے، اور اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔

(۴۷) یعنی اللہ تعالیٰ کو مجرموں کے حالات کا پورا علم ہے، اس لئے اُس کو حالات جاننے کے لئے اُن سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں آخرت میں اُن سے جو سوالات ہوں گے، وہ اُن کا جرم خود اُن پر ثابت کرنے کے لئے ہوں گے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸ ۷ ۱۱

پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی آن بان کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دُنیوی زندگی کے طلب گار تھے، وہ کہنے لگے: ’’اے کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔ یقیناً وہ بڑے نصیبوں والا ہے۔‘‘ ﴿۷۹﴾ اور جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) علم عطا ہوا تھا، اُنہوں نے کہا: ’’تم پر افسوس ہے (کہ تم ایسا کہہ رہے ہو)۔ اللہ کا دیا ہوا ثواب اُس شخص کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو اِیمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ اُنہی کو ملتا ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔‘‘ (۴۸) ﴿۸۰﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اُسے کوئی ایسا گروہ میسر نہ آیا جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا۔ ﴿۸۱﴾ اور کل جو لوگ اُس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، کہنے لگے: ’’اوہو! پتہ چل گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر اِحسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اوہو! پتہ چل گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے۔‘‘ ﴿۸۲﴾

(۴۸) ’’صبر‘‘ قرآنِ کریم کی ایک اِصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ناجائز خواہشات پر قابو پا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ثابت قدم رکھے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾

وہ آخرت والا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص کردیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں، اور نہ فساد، اور آخری انجام پرہیزگاروں کے حق میں ہوگا۔ ﴿۸۳﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُس سے بہتر چیز ملے گی، اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کئے ہیں، اُن کو کسی اور چیز کی نہیں، اُن کے کئے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی۔ ﴿۸۴﴾

(اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اُس جگہ پر لا کر رہے گا جو (تمہارے لئے) اُنسیت کی جگہ ہے۔[۴۹] کہہ دو: ”میرا ربّ اُس سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اُس سے بھی جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۸۵﴾

---

(۴۹) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ”معاد“ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ ”عادت“ سے نکلا ہے، یعنی وہ جگہ جس میں رہنے اور آنے جانے کا انسان عادی اور اُس سے مانوس ہو۔ اور بعض حضرات نے اس کے معنی ”لوٹنے کی جگہ“ بیان کئے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، جب جحفہ کے قریب اُس جگہ پہنچے جہاں سے مکہ مکرمہ کا راستہ الگ ہوتا تھا تو آپ کو اپنے وطن سے جدائی کا احساس ہوا، اُس موقع پر اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی، اور وعدہ فرمایا کہ آپ کو دوبارہ اس سرزمین پر فاتح کی حیثیت سے لایا جائے گا۔ چنانچہ آٹھ سال کی مدت میں یہ وعدہ پورا ہوگیا، اور مکہ مکرمہ میں آپ فاتح بن کر

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

ع ۹ وقف لازم ۱۲ الثلثة

اور (اے پیغمبر!) تمہیں پہلے سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکن یہ تمہارے رَبّ کی طرف سے رحمت ہے، لہٰذا کافروں کے ہرگز مددگار نہ بننا۔ ﴿۸۶﴾ اور جب اللہ کی آیتیں تم پر نازل کردی گئی ہیں، تو اس کے بعد یہ لوگ تمہیں ہرگز اُن (پر عمل کرنے) سے روکنے نہ پائیں۔ اور تم اپنے رَبّ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور ہرگز ان مشرکین میں شامل نہ ہونا۔ ﴿۸۷﴾ اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سوائے اُس کی ذات کے۔ حکومت اُسی کی ہے، اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ ﴿۸۸﴾

داخل ہوئے۔ اور بعض مفسرین نے ''اُنسیت کی جگہ'' یا ''لوٹنے کی جگہ'' سے مراد جنت لی ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ کو اگرچہ اس دُنیا میں تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، لیکن آخرکار آپ کا مقام جنت ہے۔

الحمدللہ! آج بروز اتوار مؤرخہ ۱۶/ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳/ جون ۲۰۰۷ء کو ڈربن جنوبی افریقہ میں سورۂ قصص کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ العَنكَبُوت

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو اُن کے دُشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھانی پڑ رہی تھیں۔ بعض مسلمان ان تکلیفوں کی شدت سے بعض اوقات پریشان ہوتے، اور اُن کی ہمت ٹوٹنے لگتی تھی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اوّل تو سورت کے بالکل شروع میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے جو جنت تیار فرمائی ہے، وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہو جائے۔ ایمان لانے کے بعد اِنسان کو مختلف آزمائشوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسرے یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ یہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں، اور آخر کار ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رہے گی، اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پچھلے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں جن میں سے ہر واقعے میں یہی ہوا کہ شروع میں ایمان لانے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو برباد کیا، اور مظلوم مؤمنوں کو فتح عطا فرمائی۔ مکی زندگی کے اسی زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہوگئی، اور والدین کفر پر بضد رہے، اور اپنی اولاد کو واپس کفر اِختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ والدین ہونے کی وجہ سے اُن کی اولاد کو دِین ومذہب کے معاملے میں بھی اُن کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اُصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ اِنسان کا فرض ہے، لیکن اگر وہ کفر یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ جن مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ کے کافروں کا ظلم وستم ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا، اُن کو اس سورت میں نہ صرف اجازت، بلکہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے

جائیں جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنے دِین پر عمل کرسکیں۔ بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دِینِ اسلام کو چھوڑ دو، اور اگر اس کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم اُسے بھگت لیں گے۔ اس سورت کی آیات ۱۲ و ۱۳ میں اس لغو پیشکش کی حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا۔ اس کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس سلسلے میں جو اِعتراضات کافروں کی طرف سے اُٹھائے جاتے تھے، اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

''عنکبوت'' عربی میں مکڑی کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کر رکھا ہو، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ عنکبوت ہے۔

آیاتها ۶۹ ۲۹ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُنہتر آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ۔ ﴿۱﴾ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُنہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ''ہم ایمان لے آئے'' اور اُن کو آزمایا نہ جائے؟ ﴿۲﴾ حالانکہ ہم نے اُن سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ لہٰذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔[1] ﴿۳﴾ جن لوگوں نے برے برے کام کئے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے؟ بہت برا اندازہ ہے جو وہ لگا رہے ہیں۔ ﴿۴﴾ جو شخص اللہ سے جا ملنے کی اُمید رکھتا ہو، اُسے یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی میعاد ضرور آ کر رہے گی، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۵﴾

---

(۱) اگرچہ اللہ تعالیٰ کو شروع ہی سے سب کچھ معلوم ہے کہ کون فرماں بردار ہوگا، اور کون نافرمان، لیکن اللہ تعالیٰ اس ازلی علم کی بنیاد پر جزا و سزا کا فیصلہ کرنے کے بجائے لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے اُنہیں موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت یا گمراہی کا راستہ خود چنیں، اور یہاں یہی دیکھنا مراد ہے کہ کس نے کونسا راستہ عملاً چنا ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝۹

اور جو شخص بھی ہمارے راستے میں محنت اُٹھاتا ہے،[۲] وہ اپنے ہی فائدے کے لئے محنت اُٹھاتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام دُنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿۶﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم اُن کی خطاؤں کو ضرور اُن سے جھاڑ دیں گے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کا بہترین بدلہ اُنہیں ضرور دیں گے۔ ﴿۷﴾ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہراؤ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اُن کا کہنا مت مانو۔[۳] میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ﴿۸﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم اُنہیں ضرور نیک لوگوں میں شامل کریں گے۔ ﴿۹﴾

---

(۲) اس میں دِین کے راستے میں کی ہوئی ہر محنت داخل ہے، چاہے وہ نفس اور شیطان کا مقابلہ کرنے کی محنت ہو، یا تبلیغ ودعوت کی محنت، یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی محنت۔

(۳) اس آیت نے یہ اُصول بتادیا ہے کہ اگر والدین کافر ہوں، تب بھی اُن کے ساتھ عام برتاؤ میں نیک سلوک کرنا چاہیئے، اور ان کی توہین یا ان کو تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں ہے، لیکن اگر وہ کفر وشرک پر مجبور کریں تو ان کا کہا ماننا جائز نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ: ''ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں'' پھر جب اُن کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا اللہ کا عذاب۔(۴) اور اگر کبھی تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد ان (مسلمانوں) کے پاس آگئی ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ''ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔''(۵) بھلا کیا اللہ کو وہ باتیں اچھی طرح معلوم نہیں ہیں جو سارے دُنیا جہان کے لوگوں کے سینوں میں چھپی ہیں؟ ﴿۱۰﴾ اور اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ایمان لائے ہیں، اور وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ منافق ہیں۔(۶) ﴿۱۱﴾ اور جن لوگوں نے کفر اَپنا لیا ہے، اُنہوں نے ایمان والوں سے کہا کہ: ''ہمارے راستے کے پیچھے چلو تو ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اُٹھالیں گے''، حالانکہ وہ اُن کی خطاؤں کا ذرا بھی بوجھ نہیں اُٹھا سکتے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۲﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب جتنا سنگین ہے، یہ لوگ انسانوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو بھی اتنا ہی سنگین سمجھتے ہیں، اور اس کی وجہ سے کفار کی بات مان کر واپس کفر کی طرف چلے جاتے ہیں، اور یہ بات منافقت کے طور پر مسلمانوں سے چھپاتے ہیں۔

(۵) یعنی جب مسلمانوں کو فتح ہوگی، اور فتح کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے تو یہ لوگ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو دِل سے تمہارے ساتھ تھے، اس لئے ہم سے کافروں جیسا معاملہ کرنے کے بجائے ہمیں اس فتح کے نتائج میں شریک کرو۔

(۶) دیکھئے حاشیہ نمبر ا۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور وہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی ضرور اُٹھائیں گے، اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی۔(۷) اور یہ لوگ جتنے جھوٹ گھڑا کرتے تھے، قیامت کے دن اِن سے اُن سب کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ ﴿۱۳﴾ اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ پچاس کم ایک ہزار سال تک وہ اُن کے درمیان رہے، پھر اُن کو طوفان نے آپکڑا، اور وہ ظالم لوگ تھے۔ ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا، اور ہم نے اُس کو دُنیا جہان والوں کے لئے ایک عبرت بنادیا۔(۸) ﴿۱۵﴾ اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''اللہ کی عبادت کرو، اور اُس سے ڈرو، یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۶﴾ جو کچھ تم کرتے ہو وہ یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم بتوں کو پوجتے ہو، اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ یقین جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہیں رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، اس لئے رزق اللہ کے پاس تلاش کرو، اور اُس کی عبادت کرو، اور اُس کا شکر ادا کرو۔ اُسی کے پاس تمہیں واپس لوٹایا جائے گا۔ ﴿۱۷﴾

(۷) یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا، اُن کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کو اُٹھانا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ گناہوں کی سزا سے بچ جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو تو گناہ ہوگا ہی، لیکن ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گناہ ہوگا جنہوں نے ان کو گمراہ کیا۔

(۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۲۵) میں گذر چکا ہے۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ
النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى
السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِىْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ

اور اگر تم مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلانے کی رَوِش اختیار کر چکی ہیں، اور رسول پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دے۔" ﴿۱۸﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کرتا ہے؟ پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ کام تو اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۹﴾ کہو کہ: "ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا، پھر اللہ ہی آخرت والی مخلوق کو بھی اُٹھا کھڑا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۰﴾ وہ جس کو چاہے گا، سزا دے گا، اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا، اور اُسی کی طرف تم سب کو پلٹا کر لے جایا جائے گا۔ ﴿۲۱﴾ اور تم نہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کر سکتے ہو، اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، اور نہ کوئی مددگار۔" ﴿۲۲﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اُس سے جا ملنے کا انکار کیا ہے، وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں، اور اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ ﴿۲۳﴾ غرض ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اُنہوں نے کہا: "قتل کر ڈالو اس کو یا جلا ڈالو اسے!" پھر اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچایا۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّۃَ بَیۡنِکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکۡفُرُ بَعۡضُکُمۡ بِبَعۡضٍ وَّ یَلۡعَنُ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ۫ وَّ مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾ ۙ فَاٰمَنَ لَہٗ لُوۡطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیۡ مُہَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۶﴾

وقف لازم

یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں جو اِیمان لاتے ہیں۔ (9) ﴿۲۴﴾ اور اِبراہیم نے یہ بھی کہا کہ: ''تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (خدا) مانا ہوا ہے جس کے ذریعے دُنیوی زندگی میں تمہاری آپس کی دوستی قائم ہے۔ (10) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا اِنکار کروگے، اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجوگے، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور تمہیں کسی بھی طرح کے مددگار میسر نہیں ہوں گے۔'' ﴿۲۵﴾ پھر لوط اُن پر اِیمان لائے، (11) اور اِبراہیم نے کہا کہ: ''میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر کے جارہا ہوں، (12) وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔'' ﴿۲۶﴾

(۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء (۵۱:۲۱)۔

(۱۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، انہوں نے اسی بت پرستی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کررکھی ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم لوگوں نے بت پرستی سوچ سمجھ کر اِختیار نہیں کی، بلکہ اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ بت پرستی کررہے ہیں، تو اُنہی کے طریقے پر چل پڑے، اور صرف دوستی قائم رکھنے کے لئے اس مذہب کو اپنالیا۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ حق و باطل کے معاملے میں دوستوں اور رشتہ داروں کی مروّت میں کوئی راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ بصیرت کے ساتھ وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جو حق ہو۔

(۱۱) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن یعنی عراق میں اُن پر حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا تھا۔

(۱۲) مطلب یہ ہے کہ وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جارہا ہوں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۸ ۱۵ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے اُنہیں اسحاق اور یعقوب (جیسے بیٹے) عطا فرمائے، اور اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رکھا، اور اُن کا اجر ہم نے انہیں دُنیا میں (بھی) دیا اور یقیناً آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا۔ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا: ”حقیقت یہ ہے کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ ﴿۲۸﴾ کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو،(۱۳) اور راستوں میں ڈاکے ڈالتے ہو، اور اپنی بھری مجلس میں بدی کا ارتکاب کرتے ہو؟“ پھر اُن کی قوم کے لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ اُنہوں نے کہا: ”لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو!“ ﴿۲۹﴾ لوط نے کہا: ”میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمایئے۔“ ﴿۳۰﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس (اُن کے بیٹا ہونے کی) خوشخبری لے کر پہنچے،(۱۴) تو اُنہوں نے کہا کہ: ”ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے باشندے بڑے ظالم بنے ہوئے ہیں۔“ ﴿۳۱﴾

(۱۳) یعنی اپنی جنسی خواہش عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتے ہو۔

(۱۴) جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ خوشخبری لے کر آئے تھے کہ اُن کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا،

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٚ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ابراہیم نے کہا: ''اس بستی میں تو لوط موجود ہیں۔'' فرشتوں نے کہا: ''ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُس میں کون ہے۔ ہم اُنہیں اور اُن کے متعلقین کو ضرور بچالیں گے، سوائے اُن کی بیوی کے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل رہے گی جو پیچھے رہ جائیں گے۔'' ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو لوط اُن کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے، اور ان کی وجہ سے اُن کا دِل تنگ ہونے لگا۔ اُن فرشتوں نے کہا: '' آپ نہ ڈریے، اور نہ غم کیجئے۔ ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔ ﴿۳۳﴾ اس بستی کے باشندے جو بدکاریاں کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے ہم ان پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔'' ﴿۳۴﴾ اور ہم نے اس بستی کی کچھ کھلی نشانی اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دی ہے جو سمجھ سے کام لیں۔ (۱۵) ﴿۳۵﴾

اُنہی کو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھی بھیجا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ ہود (۱۱:۶۹) اور سورۂ حجر (۱۵:۵۱)۔

(۱۵) یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں، اور نشانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱرْجُوا۟ ٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا۟ فِى دَارِهِمْ جَٰثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا۟ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ ٱلسَّبِيلِ وَكَانُوا۟ مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَٰرُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَٱسْتَكْبَرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا كَانُوا۟ سَٰبِقِينَ ﴿٣٩﴾

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ چنانچہ اُنہوں نے کہا: "میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اور آخرت والے دن کی اُمید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔" ﴿۳۶﴾ پھر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، چنانچہ زلزلے نے اُن کو آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (۱۶) ﴿۳۷﴾ اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا، اور اُن کی تباہی تم پر اُن کے گھروں سے واضح ہو چکی ہے۔ (۱۷) اور شیطان نے اُن کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر اُنہیں راہِ راست سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سوجھ بوجھ کے لوگ تھے۔ (۱۸) ﴿۳۸﴾ اور قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔ (۱۹) موسیٰ اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، مگر اُنہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا، اور وہ (ہم سے) جیت نہ سکے۔ ﴿۳۹﴾

---

(۱۶) دیکھئے سورۂ اَعراف (۷: ۸۴) اور سورۂ ہود (۱۱: ۸۳)۔

(۱۷) دیکھئے سورۂ اَعراف (۷: ۶۴ و ۷: ۷۲) وسورۂ ہود (۱۱: ۴۹ و ۱۱: ۶۰)۔

(۱۸) یعنی دُنیا کے معاملات میں بڑے سمجھدار اور ہوشیار تھے، مگر آخرت سے بالکل غافل اور جاہل۔

(۱۹) دیکھئے سورۂ قصص (۲۸: ۷۶ و ۲۸: ۸۳)۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۖۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

وقف لازم

ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی،(۲۰) اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا،(۲۱) اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسادیا،(۲۲) اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں غرق کردیا۔(۲۳) اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ ﴿۴۰﴾

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے کوئی گھر بنالیا ہو۔ اور کھلی بات ہے کہ تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جانتے!(۲۴) ﴿۴۱﴾

---

(۲۰) قومِ عاد اسی طرح ہلاک ہوئی۔ دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۶۴)۔

(۲۱) قومِ ثمود اسی طرح تباہ ہوئی۔ دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۷۲)۔

(۲۲) قارون کو زمین میں دھنسایا گیا تھا۔ دیکھئے سورۂ قصص (۲۸:۷۵)۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تھا جس میں وہ غرق ہوئی، اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو بھی سمندر میں غرق کیا گیا۔

(۲۴) یعنی کاش یہ لوگ جانتے کہ جن جھوٹے خداؤں پر انہوں نے بھروسہ کیا ہوا ہے، وہ مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہیں، اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾ اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٤٥﴾

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس جس چیز کو پکارتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴۲﴾ ہم یہ مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے دیتے ہیں، اور اُنہیں سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں۔ ﴿۴۳﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق (مقصد کے لئے) پیدا کیا ہے۔ (۲۵) درحقیقت اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ ﴿۴۴﴾

(اے پیغمبر!) جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے، اُس کی تلاوت کرو، اور نماز قائم کرو۔ بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، (۲۶) اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سب کو جانتا ہے۔ ﴿۴۵﴾

---

(۲۵) یعنی یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ اُس کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے، اور پھر لوگوں کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی آنے والی نہ ہو تو کائنات کو پیدا کرنے کا یہ اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

(۲۶) یعنی اگر انسان نماز کو نماز کی طرح پڑھے، اور اس کے مقصد پر دھیان دے تو وہ اُسے بے حیائی اور ہر بُرے کام سے روکے گی، اس لئے کہ انسان نماز میں سب سے پہلے تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان اور اقرار کرتا ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی بات کو وقعت نہیں دیتا۔ پھر ہر رکعت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات کا اقرار اور عہد کرتا ہے کہ یا اللہ! میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں، اور آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ لہٰذا جب اس کے بعد کسی گناہ کا خیال اُس کے دِل میں آئے تو اگر اُس نے

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور (مسلمانو!) اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، ـــــ البتہ اُن میں سے جو زیادتی کریں، اُن کی بات اور ہے ـــــ (۲۷) اور (ان سے) یہ کہو کہ: ’’ہم اُس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور اُس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھی، اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔‘‘ ﴿۴۶﴾ اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے، اس لئے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ان (بت پرستوں) میں سے بھی کچھ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا رہے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ ﴿۴۷﴾

نماز دھیان سے پڑھی ہے تو اُسے اپنا یہ عہد یاد آنا چاہئے جو یقیناً اُسے گناہ سے روکے گا۔ نیز وہ رُکوع، سجدے اور نماز کی ہر حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے زبانِ حال سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس لئے جو شخص نماز کو سوچ سمجھ کر اُس طرح پڑھے جیسے پڑھنا چاہئے تو نماز یقیناً اُسے برائیوں سے روکے گی۔

(۲۷) یوں تو دعوتِ اسلام میں ہر جگہ یہی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شائستگی کے ساتھ ہو، لیکن خاص طور پر اہلِ کتاب، یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اس لئے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ آسمانی کتابوں پر فی الجملہ ایمان رکھتے ہیں، اس لئے بت پرستوں کے مقابلے میں وہ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ تاہم اگر زیادتی اُن کی طرف سے ہو تو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل والے مین میخ نکال سکتے تھے۔ (۲۸) ﴿۴۸﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے جو اُن لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "ان (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اُتاری گئیں؟" (۲۹) (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: "نشانیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اور میں تو ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔" ﴿۵۰﴾

---

(۲۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُمّی بنایا، یعنی آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے۔ اس آیت میں اُس کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُمّی ہونے کے باوجود جب آپ کی زبان مبارک پر قرآنِ کریم جاری ہوا تو یہ بذاتِ خود ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ جس شخص نے کبھی نہ پڑھنا سیکھا، نہ لکھنا، وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر رہا ہے جس کی مثال پیش کرنے سے سارا عرب عاجز ہوگیا۔ قرآنِ کریم فرما رہا ہے کہ اگر آپ پڑھتے لکھتے ہوتے تو آپ کے مخالفین کو یہ کہنے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا کہ آپ نے کہیں سے پڑھ پڑھا کر یہ مضامین اکٹھے کر لئے ہیں۔ اگرچہ اعتراض اُس پر بھی فضول ہی ہوتا، لیکن اب تو یہ کہنے کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا۔

(۲۹) یعنی وہ معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جن کی ہم فرمائش کرتے ہیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے تھے، لیکن کفارِ مکہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، جیسے سورۂ بنی اِسرائیل (۱۷:۹۳) میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزات دِکھانا اللہ تعالیٰ کی

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝51 قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝52 وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝53 يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝54 يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝55

بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جارہی ہے؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ماننے والے ہوں۔﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: ''میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے، اُسے اُن تمام چیزوں کا علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے ہیں، اور اللہ کا انکار کیا ہے، وہی ہیں جو سخت نقصان اُٹھانے والے ہیں۔''﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم سے عذاب کی جلدی مچار ہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک معین وقت نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آجاتا، اور وہ آئے گا ضرور (مگر) اتنا اچانک کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔﴿۵۳﴾ یہ تم سے عذاب کی جلدی مچارہے ہیں، اور یقیناً جہنم ان کو گھیرے میں لے لے گی،﴿۵۴﴾ اُس دن جب عذاب اُن پر اُوپر سے بھی چھا جائے گا، اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی، اور کہے گا کہ: ''چکھو اُن کاموں کا مزہ جو تم کیا کرتے تھے۔''﴿۵۵﴾

قدرت میں ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ نیز اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم بذاتِ خود ایک بڑا معجزہ ہے جو ایک طالبِ حق کے لئے بالکل کافی ہونا چاہئے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اے میرے بندو جو ایمان لاچکے ہو! یقین جانو میری زمین بہت وسیع ہے، لہٰذا خالص میری عبادت کرو۔(۳۰) ﴿۵۶﴾ ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری ہی طرف تم سب کو واپس لایا جائے گا۔(۳۱) ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو ہم ضرور جنت کے ایسے بالاخانوں میں آباد کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہترین اجر ہے ان عمل کرنے والوں کا، ﴿۵۸﴾ جنہوں نے صبر سے کام لیا، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾ اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اُٹھائے نہیں پھرتے! اللہ اُنہیں بھی رزق دیتا ہے، اور تمہیں بھی،(۳۲) اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

---

(۳۰) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ سورت اُس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کررکھی تھی، اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ اس سورت کے شروع میں تو انہیں صبر و اِستقامت کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور اَب اس آیت میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر مکہ مکرمہ میں دِین پر عمل کرنا مشکل ہورہا ہے تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، ہجرت کر کے کسی اور ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں امن وسکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکو۔

(۳۱) یعنی اگر ہجرت کرنے سے اس لئے رُکاوٹ محسوس ہو کہ اپنے عزیزوں دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا تو یہ جدائی کبھی نہ کبھی تو ہونی ہی ہے، کیونکہ ہر انسان کو موت آنی ہے۔ پھر جب سب ہمارے پاس واپس آجاؤ گے تو پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی۔

(۳۲) ہجرت کرنے میں ایک خوف یہ ہوسکتا تھا کہ یہاں تو ہمارے روزگار کا ایک نظام موجود ہے، کہیں اور جا کر

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع ۶ ۱۲ ۲

اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ: ’’کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا؟‘‘ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ’’اللہ!‘‘ پھر آخر یہ لوگ کہاں سے اوندھے چل پڑتے ہیں؟ (۴۳) ﴿۶۱﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں کشادگی کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگی کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ ﴿۶۲﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ: ’’کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اُسے زندگی بخشی؟‘‘ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ’’اللہ!‘‘ کہو: ’’الحمدللہ!‘‘ (۴۴) لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۶۳﴾

معلوم نہیں کوئی مناسب روزگار ملے یا نہ ملے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دُنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق ساتھ لئے نہیں پھرتے، بلکہ وہ جہاں کہیں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ وہیں ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں وطن چھوڑیں گے، کیا اللہ تعالیٰ اُن کے رزق کا انتظام نہیں فرمائے گا؟ البتہ رزق کی کمی اور زیادتی تمام تر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر موقوف ہے۔ لہٰذا وہی فیصلہ فرماتا ہے کہ کس کو کس وقت کتنا رزق دینا ہے۔

(۴۳) یعنی اس حقیقت کا اعتراف کرنے کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ وہ اُسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، کسی اور کی نہیں، لیکن اس کے بعد انہیں کیا ہو جاتا ہے کہ اس منطقی تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے شرک شروع کر دیتے ہیں۔

(۴۴) یعنی الحمدللہ! کہ انہوں نے خود اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے خالقِ کائنات ہونے کا اعتراف کر لیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مشرکانہ عقائد بے بنیاد اور سراسر باطل ہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۛ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

اور یہ دُنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں،[۳۵] اور حقیقت یہ ہے کہ دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے! ﴿۶۴﴾ چنانچہ جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ان کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔[۳۶] پھر جب وہ اُنہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔ ﴿۶۵﴾ کرلیں یہ لوگ ناشکری اُس نعمت کی جو ہم نے اُن کو دی ہے، اور اُڑالیں کچھ مزے! پھر وہ وقت دُور نہیں جب اِنہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۶۶﴾ بھلا کیا اِنہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے (ان کے شہر کو) ایک پر امن حرم بنادیا ہے، جبکہ ان کے اِردگرد لوگوں کا حال یہ ہے کہ اُنہیں اُچک لیا جاتا ہے۔[۳۷] کیا پھر بھی یہ باطل پر اِیمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۶۷﴾ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا جب اُس کے پاس حق کی بات پہنچے تو وہ اُسے جھٹلائے؟ کیا جہنم میں (ایسے) کافروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۶۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم اُنہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے،[۳۸] اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۶۹﴾

---

(۳۵) یعنی جس طرح کھیل کود میں کچھ دیر تو مزہ آتا ہے، مگر وہ کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، ذرا دیر گذرنے کے بعد سارا تماشا ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح دُنیا کی لذتیں بھی ناپائیدار ہیں، اور کچھ ہی عرصے میں سب ختم ہوجائیں گی۔

اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے، اس لئے اُس کی لذتیں اور نعمتیں سدا بہار ہیں۔ اس لئے اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔

(۳۶) مشرکینِ عرب کا یہ عجیب طریقہ تھا کہ جب سمندر کی موجوں میں گھر کر موت نظر آنے لگتی تو اُس وقت اُنہیں نہ کوئی بت یاد آتا تھا، نہ کوئی دیوی یا دیوتا۔ اُس وقت وہ مدد کے لئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب ڈُوبنے سے بچ کر کنارے پہنچ جاتے تو اللہ تعالیٰ کے بجائے پھر انہی بتوں کی عبادت شروع کردیتے تھے۔

(۳۷) پچھلی سورت یعنی سورۂ قصص (۲۸:۵۷) میں گذرا ہے کہ مشرکینِ مکہ اپنے ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ یہ پیش کرتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو سارا عرب جو اس وقت ہماری عزت کرتا ہے، ہمارا مخالف ہوجائے گا، اور ہمیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ اس آیت میں اوّل تو اس بہانے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مکہ مکرمہ کو حرم بنا کر اُسے اتنا پُرامن علاقہ بنادیا ہے کہ وہاں کوئی قتل وغارت گری کی جرأت نہیں کرتا، حالانکہ اُس کے اِردگرد اچھے خاصے لوگوں کو دن دہاڑے اُچک کر قتل اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ لہٰذا جب تمہاری نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ چین کی زندگی دے رکھی ہے تو جب تم اُس کے فرماں بردار بن جاؤ گے تو کیا وہ تمہیں اس نعمت سے محروم کردے گا؟ دوسرے اس آیت نے اس طرف بھی توجہ دِلائی ہے کہ مکہ مکرمہ کو کیا کسی بت نے یا دیوتا نے حرم بنادیا تھا جو تم اُن کی عبادت کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ یقیناً اس خطے کو یہ تقدس تو اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے۔ پھر خود سوچ لو کہ عبادت کے لائق کون ہے؟

(۳۸) یہ اُن لوگوں کے لئے بڑی عظیم خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کے دِین پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تک انسان اس راستے میں کوشش جاری رکھے، اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُس کی مدد فرما کر ضرور منزل تک پہنچادیں گے۔ لہٰذا راستے کی مشکلات سے ہار مان کر بیٹھنے کے بجائے نئے عزم وہمت کے ساتھ یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی مکمل توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ! سورۂ عنکبوت کا ترجمہ اور حواشی آج شب چہارشنبہ ۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲؍جون ۲۰۰۷ء کو اذانِ عشاء کے وقت کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

تشریحات کے ساتھ



سورۃ الروم تا سورۃ الناس

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

ISBN 978-969-9306-02-0

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "آسان ترجمۂ قرآن" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔



مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)



maktabamaarifulquran.com
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,
Karachi - Pakistan.

باہتمام : حضر اشفاق قاسمی
طبع جدید : ربیع الاوّل - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011
مطبع : احمد برادرز پرنٹنگ پریس
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : (92-21) 35031565, 35123130
ای میل : info@quranicpublishers.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی۔
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔
- بیت العلوم، ۲۰، نابھہ روڈ، لاہور۔

- Azhar Academy Ltd.,
  54-68, Little Ilford Lane,
  Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.
  Ph : +44-20-8911-9797
- Darul Uloom Al-Madania,
  182, Sobieski Street Buffalo,
  NY, 14212-U.S.A

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيّدنا
ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلىٰ آله واصحابه أجمعين،
وعلىٰ من تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے کلامِ مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس آڑے آتا، اور دُوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اَطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہوگئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہوکر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو قرآنِ کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیشِ نظر میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآنِ کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اُسلوب اور تاثیر کو کسی دُوسری زبان میں منتقل کردے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآنِ کریم کا مطلب آسان، بامحاورہ اور رواں انداز میں واضح ہوجائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآنِ کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآنِ کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآنِ کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہوسکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ راجح معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دُشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔

قرآنِ کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کررہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّۂ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور دُرست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ اِلتجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرماکر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

فہرست

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام

سُورَةُ الرُّومِ

تعارف

اس سورت کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کی سچائی اور حقانیت کا نا قابلِ انکار ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی، اُس وقت دُنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک ایران کی حکومت جو مشرق کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، اور اُس کے ہر بادشاہ کو ''کسریٰ'' کہا جاتا تھا، یہ لوگ آتش پرست تھے، یعنی آگ کو پوجتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روم کی تھی جو مکہ مکرمہ کے شمال اور مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک اور یورپ کے علاقے اسی سلطنت کے ماتحت تھے، اور اس کے ہر بادشاہ کو ''قیصر'' کہا جاتا تھا، اور ان کی اکثریت عیسائی مذہب پر تھی۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اُس وقت ان دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی، اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا، اور اُس کی فوجوں نے ہر محاذ پر روم کی فوجوں کو شکست دے کر اُن کے بڑے بڑے شہر فتح کر لئے تھے، یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں عیسائیوں کا مقدس ترین کلیسا تباہ کر کے رومیوں کو مسلسل پیچھے دھکیلتی جا رہی تھیں، اور روم کے بادشاہ ہرقل کو جائے پناہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایران کی حکومت چونکہ آتش پرست تھی، اس لئے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں اُس کے ساتھ تھیں، اور جب کبھی ایران کی کسی فتح کی خبر آتی تو مکہ مکرمہ کے بت پرست اُس پر نہ صرف خوشی مناتے، بلکہ مسلمانوں کو چڑاتے کہ عیسائی لوگ جو آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، مسلسل شکست کھاتے جا رہے ہیں، اور اِیران کے لوگ جو ہماری طرح کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے، اُنہیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی، اور اُس کے بالکل شروع میں یہ پیشینگوئی کی گئی کہ روم کے لوگ اگرچہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں، لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور اُس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اس طرح اس سورت کے شروع میں بیک وقت دو پیشینگوئیاں کی گئیں۔ ایک یہ کہ

روم کے جو لوگ شکست کھا گئے ہیں، وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے، اور دوسرے یہ کہ مسلمان جو اِس وقت مکہ مکرمہ کے مشرکین کے ہاتھوں ظلم وستم کا شکار ہیں، اُس دن وہ بھی مشرکین پر فتح منائیں گے۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں اُس وقت کے ماحول میں اتنی بعید اَز قیاس تھیں کہ کوئی بھی شخص جو اُس وقت کے حالات سے واقف ہو، ایسی پیشینگوئی نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمان اُس وقت جس طرح کافروں کے ظلم وستم میں دبے اور پسے ہوئے تھے، اُس کے پیش نظر بظاہر کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اپنی فتح کی خوشی منائیں۔ دوسری طرف سلطنتِ روما کا حال بھی یہ تھا کہ اُس کے ایرانیوں کے مقابلے میں اُبھرنے کا دُور دُور کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سلطنتِ روما کا مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن اس پیشینگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''جس وقت مبینہ طور پر یہ پیشینگوئی کی گئی، اُس وقت کسی بھی پیشینگوئی کا پورا ہونا اس سے زیادہ بعید نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ قیصر ہرقل کی حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ رومی سلطنت کا خاتمہ بالکل قریب آ چکا ہے۔''

(Gibbon: The Decline and Fall of the Roman Empire, chapter 46, Volume 2, p.125, Great Books, v.38, University of Chicago, 1990)

چنانچہ مکہ مکرمہ کے مشرکین نے اس پیشینگوئی کا بہت مذاق اُڑایا، یہاں تک کہ اُن کے ایک مشہور سردار اُبیؓ بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ شرط لگالی کہ اگر آئندہ نو سال کے درمیان روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آ گئے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کو سو اُونٹ دے گا، اور اگر اس عرصے میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اُس کو سو اُونٹ دیں گے (اُس وقت تک اس قسم کی دوطرفہ شرط لگانا حرام نہیں کیا گیا تھا)۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ایرانیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ وہ قیصر کے پایۂ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے، اور اُنہوں نے قیصر ہرقل کی طرف سے صلح کی ہر پیشکش کو ٹھکرا کر یہ جواب دیا کہ انہیں ہرقل کے سر کے سوا کوئی اور پیشکش منظور نہیں ہے، جس کے نتیجے میں ہرقل تیونس کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ لیکن اس کے فوراً بعد حالات نے عجیب وغریب پلٹا کھایا، ہرقل نے مجبور ہو کر ایرانیوں پر عقب

سے حملہ کیا جس میں اُسے ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اس پیشینگوئی کو ابھی سات سال گذرے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر عرب تک پہنچ گئی۔ جس وقت یہ خبر پہنچی، یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی، اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح قرآنِ کریم کی دونوں پیشینگوئیاں کھلی آنکھوں اس طرح پوری ہوئیں جن کا بظاہر حالات کوئی اِمکان نظر نہیں آتا تھا، اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ اُس وقت اُبیّ بن خلف جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی، مرچکا تھا، لیکن اُس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق سو اُونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اَدا کیے، اور چونکہ اُس وقت جوے کی حرمت آچکی تھی، اور دو طرفہ شرط جوے ہی کی ایک شکل ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اُونٹ خود اِستعمال کرنے کے بجائے صدقہ کردیں۔

اس پیشینگوئی کے علاوہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کی تردید کی گئی ہے۔

آیاتها ٦٠ ۳۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ رکوعاتها ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے[1] ﴿۲و۳﴾ چند ہی سالوں میں!

(۱) اس پیشینگوئی کی تفصیل اُوپر سورت کے تعارف میں آچکی ہے، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ''چند سالوں'' کے لئے قرآنِ کریم نے ''بضع'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا ترجمہ اُردو میں ''چند'' کیا جاتا ہے، لیکن عربی زبان میں ''بضع'' کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع میں اُبیّ بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو شرط لگائی تھی، وہ یہ تھی کہ اگر تین سال کے اندر اندر رومی فتح پاگئے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دس اُونٹ دے گا، ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس کو دس اُونٹ دیں گے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآنِ کریم میں ''بضع'' کا لفظ آیا ہے، اور اُس میں تین سے لے کر نو سال تک کا احتمال ہے، اس لئے تم اُبیّ بن خلف سے دس کے بجائے سو اُونٹوں کی شرط لگالو، البتہ مدت کو تین سال سے بڑھا کر نو سال کردو۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ چونکہ رومیوں کے فتح پانے کا دُور دُور بھی کوئی احتمال نظر نہیں آتا تھا، اس لئے اُبیّ بن خلف بھی اس پر راضی ہوگیا، اور اَب شرط یہ قرار پائی کہ اگر نو سال کے اندر اندر رومی غالب آگئے تو اُبیّ بن خلف سو اُونٹ حضرت ابوبکرؓ کو دے گا، ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو سو اُونٹ دیں گے۔ اور یہ بات اُوپر عرض کی جاچکی ہے کہ اُس وقت ایسی شرط لگانا حرام نہیں ہوا تھا، لیکن جب یہ پیشینگوئی پوری ہوگئی اور اُبیّ بن خلف کے بیٹے نے سو

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾

سارا اختیار اللہ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن ایمان والے اللہ کی دی ہوئی فتح سے خوش ہوں گے۔(۲) وہ جس کو چاہتا ہے، فتح دیتا ہے، اور وہی صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۴و۵﴾ یہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۶﴾ وہ دُنیوی زندگی کے صرف ظاہری رُخ کو جانتے ہیں، اور آخرت کے بارے میں اُن کا حال یہ ہے کہ وہ اُس سے بالکل غافل ہیں۔ ﴿۷﴾ بھلا کیا انہوں نے اپنے دِلوں میں غور نہیں کیا؟ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان پائی جانے والی چیزوں کو بغیر کسی برحق مقصد کے اور کوئی میعاد مقرر کیے بغیر پیدا نہیں کر دیا۔(۳) اور بہت سے لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار سے جا ملنے کے منکر ہیں۔ ﴿۸﴾

اُونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ادا کیے تو اُس وقت ایسی شرط لگانا جائز نہیں رہا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں حکم دیا کہ ان اُونٹوں کو صدقہ کر دیں۔

(۲) جیسا کہ اُوپر تعارف میں عرض کیا گیا، اس سے مراد غزوۂ بدر کی فتح ہے۔

(۳) یعنی اگر آخرت کو نہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دی ہے جس میں نہ کسی ظالم اور بدکار سے کوئی حساب کبھی لیا جائے گا، اور نہ کسی نیک انسان کو اُس کی نیکی کا کوئی انعام کبھی مل سکے گا، نیز یہ کائنات غیر محدود مدت تک اسی طرح بے مقصد چلتی رہے گی۔

اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَعَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ؕ‏ ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡۤاٰى اَنۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِهَا يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ‏ ﴿۱۱﴾ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ‏ ﴿۱۲﴾

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں، تاکہ وہ یہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ وہ طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے، اور اُنہوں نے زمین کو بھی جوتا تھا، اور جتنا اِن لوگوں نے اُسے آباد کیا ہے، اُس سے زیادہ اُنہوں نے اُس کو آباد کیا تھا، اور اُن کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے! چنانچہ اللہ تو ایسا نہیں تھا کہ اُن پر ظلم کرے، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ﴿۹﴾ پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی، اُن کا انجام بھی برا ہی ہوا، کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا، اور وہ اُن کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ﴿۱۰﴾ اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، اور وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا،(۴) پھر تم سب اُس کے پاس واپس بلا لئے جاؤ گے۔ ﴿۱۱﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس روز مجرم لوگ نا اُمید ہو جائیں گے۔ ﴿۱۲﴾

(۴) جو لوگ اس بات کو ناممکن سمجھتے تھے کہ انسان کے مرنے اور گلنے سڑنے کے بعد اُسے دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا، یہ اُن کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز کا قاعدہ یہ ہے کہ اُسے پہلی بار بنانا زیادہ مشکل ہوتا ہے، لیکن جب کوئی چیز ایک مرتبہ بنالی جائے تو دوبارہ اُسی جیسی چیز بنانا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام چیزوں کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اُنہیں دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور انہوں نے جن کو اللہ کا شریک مان رکھا تھا، اُن میں سے کوئی اُن کا سفارشی نہیں ہوگا، اور خود یہ لوگ اپنے مانے ہوئے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔(۵) ﴿۱۳﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس روز لوگ مختلف قسموں میں بٹ جائیں گے۔ ﴿۱۴﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے، اُن کو تو جنت میں ایسی خوشیاں دی جائیں گی جو اُن کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی ہوں گی۔ ﴿۱۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، تو ایسے لوگوں کو عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ لہٰذا اللہ کی تسبیح کرو اُس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے، اور اُس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے، ﴿۱۷﴾ اور اُسی کی حمد ہوتی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی ــــ اور سورج ڈھلنے کے وقت بھی (اُس کی تسبیح کرو) اور اُس وقت بھی جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔ ﴿۱۸﴾

---

(۵) یعنی ایک مرحلے پر یہ مشرک لوگ صاف جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے دُنیا میں کبھی شرک ہی نہیں کیا تھا، چنانچہ سورۂ انعام میں قرآنِ کریم نے ان کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ" (ہم اللہ اپنے پروردگار کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مشرک نہیں تھے۔) دیکھئے سورۂ انعام (۶: ۲۳)۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۹ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

ع ۲ / ۹ / ۵

وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے، اور بے جان کو جاندار سے نکال لیتا ہے،(۶) اور وہ زمین کو اُس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اور اسی طرح تم کو (قبروں سے) نکال لیا جائے گا۔ ﴿۱۹﴾ اور اُس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم دیکھتے ہی دیکھتے انسان بن کر (زمین میں) پھیلے پڑے ہو۔(۷) ﴿۲۰﴾ اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم اُن کے پاس جاکر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیئے۔(۸) یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾

(۶) جاندار کو بے جان سے نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی، اور بے جان کو جاندار سے نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ مثال دی ہے کہ زمین قحط کی وجہ سے مردہ ہوچکی ہوتی ہے، اور اس میں کچھ اُگانے کی صلاحیت نہیں رہتی، لیکن اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُسے دوبارہ زندگی بخشتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کو بھی مرنے کے بعد وہ دوبارہ زندہ کردیں گے۔

(۷) یہاں سے آیت نمبر ۲۷ تک اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی قدرت کی بہت سی نشانیوں کی طرف توجہ دِلائی ہے۔ اگر کوئی شخص حقیقت پسندی اور اِنصاف سے ان پر غور کرے تو اُسے نظر آئے گا کہ ان میں سے ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ جس ذات نے کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، وہ اپنی خدائی میں کسی شریک کی محتاج نہیں ہوسکتی، اور نہ یہ بات معقول ہے کہ اتنے عظیم الشان کارناموں کے بعد چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے (معاذ اللہ) وہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کی ضرورت محسوس کرے۔

(۸) عام طور پر نکاح سے پہلے میاں بیوی الگ الگ ماحول میں پرورِش پاتے ہیں، لیکن نکاح کے بعد اُن میں

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اُس کی نشانیوں کا ایک حصہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس میں دانش مندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور اُس کی نشانیوں کا ایک حصہ تمہارا رات اور دن کے وقت سونا اور اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔ (۹) یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو بات سنتے ہوں۔ ﴿۲۳﴾ اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دِکھاتا ہے جس سے ڈر بھی لگتا ہے، اور اُمید بھی ہوتی ہے، (۱۰) اور آسمان سے پانی برساتا ہے، جس کے ذریعے وہ زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

ایسا گہرا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے طرزِ زندگی کو خیر باد کہہ کر ایک دوسرے کے ہو رہتے ہیں۔ اُن کے درمیان یک بیک وہ محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر رہنا اُن کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ جوانی میں اُن کے درمیان محبت کا جوش ہوتا ہے، اور بڑھاپے میں اُس پر رحمت اور ہمدردی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۹) رات کے وقت سونے اور دن کے وقت اللہ کا فضل یعنی روزگار تلاش کرنے کا یہ نظام اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے۔ اس کے لئے انسانوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ کام لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تو کچھ لوگ ایک وقت سونا چاہتے، اور دوسرے لوگ اُسی وقت کام میں مشغول ہو کر اُن کی نیند خراب کرتے۔

(۱۰) ڈر اس بات کا کہ بجلی گر کر کوئی نقصان نہ پہنچادے، اور اُمید اس بات کی کہ اس کے نتیجے میں رحمت کی بارش برسے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝۲۵ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۲۶ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۷ ع ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۸

اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ ایک پکار دے کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے۔ ﴿۲۵﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اُسی کی ملکیت ہیں۔ سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ ﴿۲۶﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اُس کے لئے بہت آسان ہے۔ اور اُسی کی سب سے اُونچی شان ہے، آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جو اقتدار والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔ ﴿۲۷﴾ وہ تمہیں خود تمہارے اندر سے ایک مثال دیتا ہے۔ ہم نے جو رزق تمہیں دیا ہے، کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی اُس میں تمہارا شریک ہے کہ اُس رزق میں تمہارا درجہ اُن کے برابر ہو (اور) تم اُن غلاموں سے ویسے ہی ڈرتے ہو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟[11] ہم اسی طرح دلائل اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۲۸﴾

(۱۱) کوئی بھی شخص یہ گوارا نہیں کرتا کہ اُس کا غلام اُس کی املاک میں اُس کے برابر ہو جائے، اور کوئی کام کرتے وقت اُس سے اسی طرح ڈرنا پڑے جیسے دو آزاد آدمی جو کاروبار میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اگر یہ بات یہ مشرک لوگ اپنے لئے گوارا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دوسروں کو کیسے شریک ٹھہرا دیتے ہیں؟

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

لیکن ظالم لوگ کسی علم کے بغیر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ اب اُس شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو،(۱۲) اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۲۹﴾ لہٰذا تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اِس دِین کی طرف قائم رکھو۔ اللہ کی بنائی ہوئی اُس فطرت پر چلو جس پر اُس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔(۱۳) ـــــ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی،(۱۴) یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ـــــ ﴿۳۰﴾ (فطرت کی پیروی) اس طرح (کرو) کہ تم نے اُسی (اللہ) سے لو لگا رکھی ہو، اور اُس سے ڈرتے رہو، اور نماز قائم کرو، اور اُن لوگوں کے ساتھ شامل نہ ہو جو شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿۳۱﴾

(۱۲) یعنی اُس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں اُسے ہدایت کی توفیق نہ دی ہو۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے ہر اِنسان میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے، اُس کی توحید کا قائل ہو، اور اُس کے پیغمبروں کے لائے ہوئے دِین کی پیروی کرے۔ اسی کو آیت میں فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱۴) یعنی یہ فطری صلاحیت جو اللہ تعالیٰ نے ہر اِنسان کو عطا فرمائی ہے، اس صلاحیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ماحول کے اثر سے انسان غلط راستے پر جاسکتا ہے، لیکن اُس کی یہ صلاحیت ختم نہیں ہوسکتی، چنانچہ جب کبھی وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حق پرستی کے جذبے سے غور کرے گا تو اُس کی یہ صلاحیت کام دِکھائے گی، اور وہ حق تک پہنچ جائے گا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص مسلسل ضد اور عناد کی رَوِش اختیار کئے رکھے، اور حق بات سننے کے لئے تیار ہی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود اُس کے دِل پر مہر لگا دے، جیسا کہ کئی آیتوں میں بعض کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے۔ سورۂ بقرہ (۲:۷) اور پیچھے آیت نمبر ۲۹ میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

وہ جنہوں نے اپنے دِین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ اپنے اپنے طریقے پر مگن ہے۔[15] ﴿۳۲﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے لو لگا کر اُسی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے اُنہیں کسی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے، تو اُن میں سے کچھ لوگ یکا یک اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں، ﴿۳۳﴾ تاکہ ہم نے اُنہیں جو کچھ دیا تھا، اُس کی ناشکری کریں۔ اچھا! کچھ مزے اُڑا لو، پھر وہ وقت دُور نہیں جب تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۳۴﴾ بھلا کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو اُس شرک کا ارتکاب کرنے کو کہتی ہو جو یہ اللہ کے ساتھ کرتے رہے ہیں؟ ﴿۳۵﴾ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اِترا جاتے ہیں، اور اگر انہیں خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچ جائے تو ذرا سی دیر میں وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾

---

(۱۵) انسان جب پہلے پہل دُنیا میں آیا، تو اُس نے اسی فطری صلاحیت سے کام لے کر دِینِ حق کو اِختیار کیا، لیکن پھر لوگوں نے الگ الگ طریقے اختیار کرکے اپنے آپ کو مختلف مذاہب میں بانٹ لیا۔ اسی کو دِین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور فرقوں میں بٹ جانے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ ۫ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع ۴

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔(۱۶) اس میں یقیناً اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو اِیمان لائیں۔ ﴿۳۷﴾ لہٰذا تم رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو بھی۔(۱۷) جو لوگ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، اُن کے لئے یہ بہتر ہے، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے،(۱۸) اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، تو جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ ہیں جو (اپنے مال کو) کئی گنا بڑھا لیتے ہیں۔(۱۹) ﴿۳۹﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر اُس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا ہوا ہے، کیا اُن میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر اُس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

---

(۱۶) یعنی تنگی کے مواقع پر مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے کے بجائے اوّل تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وسعت اور

تنگی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت فرماتا ہے جو ضروری نہیں کہ ہر ایک کی خواہشات کے مطابق ہو، یا اُس کی سمجھ میں بھی آجائے، دوسرے چونکہ وسعت اور تنگی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، اس لئے تنگی کے مواقع پر اُسی کی طرف رُجوع کر کے اُسی سے مدد مانگنی چاہئے۔

(۱۷) پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ رزق تمام تر اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس لئے جو کچھ اُس نے عطا فرمایا ہے، وہ اُسی کے حکم اور ہدایت کے مطابق خرچ ہونا چاہئے، لہٰذا اُس میں غریبوں مسکینوں اور رشتہ داروں کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، وہ اُن کو دینا ضروری ہے، اور دیتے وقت یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے مال میں کمی آجائے گی، کیونکہ جیسا کہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا، رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے، وہ تمہیں حقوق کی ادائیگی کے بعد محروم نہیں فرمائے گا۔ چنانچہ آج تک نہیں دیکھا گیا کہ حقوق ادا کرنے کے نتیجے میں کوئی مفلس ہو گیا ہو۔

(۱۸) واضح رہے کہ سورۂ روم کی یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور یہ پہلی آیت ہے جس میں سود کی مذمت کی گئی ہے، اُس وقت تک سود کو واضح لفظوں میں حرام نہیں کیا گیا تھا، لیکن اشارہ فرمادیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سود کی آمدنی بڑھتی نہیں، یعنی سود لینے والا لیتا تو اسی ارادے سے ہے کہ اُس سے اُس کی دولت بڑھے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑھتی نہیں ہے، کیونکہ اوّل تو دُنیا میں بھی حرام مال اگرچہ گنتی میں بڑھ جائے، لیکن اُس میں برکت نہیں ہوتی، مال و دولت کا اصل فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے آرام و راحت نصیب ہو، لیکن حرام آمدنی کی گنتی بڑھانے والے بکثرت دُنیا میں بھی پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں، اور اُنہیں راحت نصیب نہیں ہوتی۔ دوسرے دولت کی یہ بڑھوتری آخرت میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے برخلاف صدقات آخرت میں کام آتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورۂ بقرہ میں (۲:۲۷۶) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت میں ''ربا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے مشہور معنیٰ ''سود'' کے ہیں۔ لیکن اس کے ایک معنیٰ اور ہیں، اور وہ یہ کہ کوئی شخص اس نیت سے کسی کو کوئی تحفہ دے کہ وہ اُس کو اُس سے زیادہ قیمتی تحفہ دے گا، مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر ''نیوتہ'' کی جو رسم ہوتی ہے، اُس کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مفسرین نے یہاں ''ربا'' کے یہی معنیٰ مراد لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس آیت میں ''نیوتہ'' کی رسم کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس قسم کا تحفہ جس کا مقصد زیادہ قیمتی تحفہ حاصل کرنا ہو، اُس کو سورۂ مدثر (آیت نمبر ۶) میں بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۱۹) سورۂ آل عمران (۳:۲۶۱) میں فرمایا گیا ہے کہ صدقے کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں، مزید اضافہ فرمادیتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾

لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اُس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا،[20] تاکہ انہوں نے جو کام کئے ہیں اللہ اُن میں سے کچھ کا مزہ اُنہیں چکھائے، شاید وہ باز آجائیں۔ ﴿۴۱﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ''زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گذرے ہیں، اُن کا کیسا انجام ہوا۔ اُن میں سے اکثر مشرک تھے۔'' ﴿۴۲﴾ لہٰذا تم اپنا رُخ صحیح دِین کی طرف قائم رکھو، قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کا اللہ کی طرف سے کوئی اِمکان نہیں ہے۔ اُس دن لوگ الگ الگ ہوجائیں گے۔ ﴿۴۳﴾ جس نے کفر کیا ہے، اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا، اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے، وہ اپنے لئے ہی راستہ بنا رہے ہیں، ﴿۴۴﴾

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں جو عام مصیبتیں لوگوں پر آئیں، مثلاً قحط، وبائیں، زلزلے، ظالموں کا تسلط، ان سب کا اصل سبب یہ تھا کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی خلاف ورزی کی، اور اس طرح یہ مصیبتیں اپنے ہاتھوں مول لیں، اور ان کا ایک مقصد یہ تھا کہ ان مصائب سے دوچار ہو کر لوگوں کے دِل کچھ نرم پڑیں، اور وہ اپنے برے اعمال سے باز آئیں۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ دُنیوی مصیبتوں کا بعض اوقات کوئی ظاہری سبب بھی ہوتا ہے جو کائنات کے طبعی قوانین کے مطابق اپنا اثر دِکھاتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ سبب بھی اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اُس کو کسی خاص وقت یا خاص جگہ پر مؤثر بنا دینا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور عموماً اُس کی بنیادی وجہ انسانوں کی بداعمالیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح آیت کریمہ یہ سبق دے رہی ہے کہ عام مصیبتوں کے وقت، چاہے وہ ظاہری اسباب کے ماتحت وجود میں آئی ہوں، اپنے گناہوں پر اِستغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

نتیجہ یہ کہ اللہ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ یقیناً اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۴۵﴾ اور اُس (اللہ کی قدرت) کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور اس لئے بھیجتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائے، اور تاکہ کشتیاں اُس کے حکم سے پانی میں چلیں، اور تم اُس کا فضل تلاش کرو،(۲۱) اور شکر ادا کرو۔ ﴿۴۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے، چنانچہ وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے۔ پھر جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا تھا، ہم نے اُن سے انتقام لیا، اور ہم نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ ایمان والوں کی مدد کریں۔ ﴿۴۷﴾

(۲۱) ہوائیں چلانے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، اور بادلوں کو اُٹھا کر پانی برسانے کا سبب بنتی ہیں، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ سمندروں اور دریاؤں میں کشتیوں کو چلاتی ہیں، بادبانی کشتیوں کا تو سارا دارومدار ہی ہواؤں پر ہوتا ہے، لیکن مشینی جہاز بھی ہوا کی مدد سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور سمندروں میں کشتیاں چلانے کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اُس کے ذریعے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں، جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا، ''اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا'' قرآنِ کریم کی ایک اِصطلاح ہے جس سے مراد تجارت اور روزگار کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم نے توجہ دِلائی ہے کہ اگر یہ ہوائیں نہ ہوں جن سے کشتیاں اور جہاز سمندروں میں چلنے کے لائق ہوتے ہیں، تو تمہاری ساری تجارت ٹھپ ہو کر رہ جائے، کیونکہ ساری بین الاقوامی تجارت کا دارومدار پانی کے جہازوں پر ہی ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾

اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، چنانچہ وہ بادل کو اُٹھاتی ہیں، پھر وہ اُس (بادل) کو جس طرح چاہتا ہے، آسمان میں پھیلا دیتا ہے، اور اُسے کئی تہوں (والی گھٹا) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تب تم دیکھتے ہو کہ اُس کے درمیان سے بارش برس رہی ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے، وہ بارش پہنچا تا ہے تو وہ اچانک خوشی منانے لگتے ہیں، ﴿۴۸﴾ حالانکہ اس سے پہلے جب تک اُن پر بارش نہیں برسائی گئی تھی، وہ نا اُمید ہو رہے تھے۔ ﴿۴۹﴾ اب ذرا اللہ کی رحمت کے اثرات دیکھو کہ وہ زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندگی بخشتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم (نقصان دہ) ہوا چلا دیں[22] جس کے نتیجے میں وہ اپنے کھیت کو پیلا پڑا ہوا دیکھیں تو اس کے بعد یہ ناشکری کرنے لگیں۔ ﴿۵۱﴾ غرض (اے پیغمبر!) تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، ﴿۵۲﴾

---

(۲۲) قرآنِ کریم میں جہاں کہیں "ریاح" (ہوائیں) کا لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے، اُس سے مراد فائدہ مند ہوائیں ہیں، اور جہاں "ریح" (ہوا) مفرد آیا ہے، وہاں اُس سے مراد نقصان دہ ہوا ہے۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

ع ۱۳/۵ ۸

قرء حفص بضم الضاد وفتحها فی الثلاثة لکن الضم مختار ہ ۱۲

اور نہ تم اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نکال کر راستے پر ڈال سکتے ہو۔[۲۳] تم تو اُنہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر فرماں بردار بن جائیں۔ ﴿۵۳﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کمزوری سے کی، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد (دوبارہ) کمزوری اور بڑھاپا طاری کردیا۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، قدرت بھی کامل۔ ﴿۵۴﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس دن مجرم لوگ قسم کھالیں گے کہ وہ (برزخ میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح (دُنیا میں بھی) وہ اوندھے چلا کرتے تھے۔ ﴿۵۵﴾ جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا ہے، وہ کہیں گے کہ: ''تم اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق حشر کے دن تک (برزخ میں) پڑے رہے ہو۔ اب یہ وہی حشر کا دن ہے، لیکن تم لوگ یقین نہیں کرتے تھے۔'' ﴿۵۶﴾ چنانچہ جن لوگوں نے ظلم کی راہ اپنائی تھی، اُس دن اُن کی معذرت اُنہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اور نہ اُن سے یہ کہا جائے گا کہ اللہ کی ناراضی دُور کرو۔ ﴿۵۷﴾

(۲۳) یعنی وہ اندھے جو کسی کی رہنمائی قبول نہ کریں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کو سمجھانے) کی خاطر ہر قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) اِن کا حال یہ ہے کہ تم ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ، یہ کافر لوگ پھر بھی یہی کہیں گے کہ تم کچھ بھی نہیں، بالکل غلط کار ہو۔ ﴿۵۸﴾ اللہ اسی طرح اُن لوگوں کے دِلوں پر ٹھپہ لگادیتا ہے جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۵۹﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، یقین جانو اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ یقین نہیں کرتے، اُن کی وجہ سے تم ڈھیلے پڑ جاؤ۔ ﴿۶۰﴾

الحمدللہ! آج شبِ جمعہ ۶/جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲/جون ۲۰۰۷ء کو رات کے بارہ بجے دوحہ (قطر) ایئرپورٹ پر سورۂ روم کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ لُقْمَانَ

تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں کفارِ مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی، اور کافروں کے سردار حیلوں بہانوں اور پُرتشدد کارروائیوں سے اسلام کی نشر واِشاعت کا راستہ روکنے کی کوششیں کررہے تھے۔ قرآنِ کریم کا اثر انگیز اُسلوب جب لوگوں کے دِلوں پر اثر انداز ہوتا تو وہ اُن کی توجہ اُس سے ہٹانے کے لئے اُنہیں قصے کہانیوں اور شعروشاعری میں اُلجھانے کی کوشش کرتے تھے جس کا تذکرہ اس سورت کے شروع (آیت نمبر ۶) میں کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان اہلِ عرب کے ایک بڑے عقل مند اور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اُن کی حکیمانہ باتوں کو اہلِ عرب بڑا وزن دیتے تھے، یہاں تک کہ شاعروں نے اپنے اَشعار میں اُن کا ایک حکیم کی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ لقمان جیسے حکیم اور دانشور جن کی عقل وحکمت کا تم بھی لوہا مانتے ہو، وہ بھی توحید کے قائل تھے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ماننے کو ظلمِ عظیم قرار دیا تھا، اور اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ تم کبھی شرک مت کرنا۔ اس ضمن میں اس سورت نے اُن کی اور بھی کئی قیمتی نصیحتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ دوسری طرف مکہ مکرمہ کے مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو توحید اور نیک عمل کی نصیحت تو کیا کرتے، اُنہیں شرک پر مجبور کرتے تھے، اور اگر اُن کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہوجاتا تو اُس پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ دوبارہ شرک کو اِختیار کرلے۔ اس مناسبت سے حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان (آیات نمبر ۱۴ و ۱۵ میں) اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر وہ اُصول بیان فرمایا ہے جو پیچھے سورۂ عنکبوت (۸:۲۹) میں بھی گذرا ہے کہ والدین کی عزت اور اِطاعت اپنی جگہ، لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو شرک اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈالیں تو انکا کہنا ماننا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت توحید کے دلائل اور آخرت کی یاددہانی کے مؤثر مضامین پر مشتمل ہے۔

آیاتها ۳۴ ۳۱ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۭ ﴿۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ڰ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ۔ ﴿۱﴾ یہ اُس حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، ﴿۲﴾ جو نیک لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت بن کر آئی ہے، ﴿۳﴾ وہ نیک لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ ﴿۴﴾ وہی ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں،(۱) تاکہ اُن کے ذریعے لوگوں کو بے سمجھے بوجھے اللہ کے راستے سے بھٹکائیں، اور اُس کا مذاق اُڑائیں۔ ان لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۶﴾ اور جب ایسے شخص کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ پورے تکبر کے ساتھ منہ موڑ لیتا ہے، جیسے اُنہیں سنا ہی نہیں، گویا اُس کے دونوں کانوں میں بہرا پن ہے۔ لہٰذا اُس کو ایک دُکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ ﴿۷﴾

---

(۱) جیسا کہ اُوپر سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، قرآنِ کریم کی تاثیر ایسی تھی کہ جو لوگ ابھی ایمان نہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٩﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ

البتہ جو لوگ ایمان لے آئے، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے اُن کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں، ﴿۸﴾ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۹﴾ اُس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا جو تمہیں نظر آسکیں،(۲) اور زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں، تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگائے نہیں،(۳) اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں۔

لائے تھے، وہ بھی چھپ چھپ کر قرآنِ کریم سنا کرتے تھے جس کے نتیجے میں بعض لوگ اسلام قبول بھی کر لیتے تھے۔ کافروں کے سردار اس صورتِ حال کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ قرآنِ کریم کے مقابلے میں کوئی ایسی دِلچسپ صورت پیدا کریں کہ لوگ قرآنِ کریم کو سننا بند کر دیں۔ اسی کوشش میں مکہ مکرمہ کا ایک تاجر نضر بن حارث جو اپنی تجارت کے لئے غیر ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا، ایران سے وہاں کے بادشاہوں کے قصوں پر مشتمل کتابیں خرید لایا، اور بعض روایات میں ہے کہ وہ وہاں سے ایک گانے والی کنیز بھی خرید کر لایا، اور لوگوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تمہیں اُن سے زیادہ دِلچسپ قصے اور گانے سناؤں گا۔ چنانچہ لوگ اس کے گرد اِکٹھے ہونے لگے۔ یہ آیت اس واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے، نیز اس میں یہ اُصول بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ دِل بہلانے کا مشغلہ جو اِنسان کو اپنے دِینی فرائض سے غافل اور بے پروا کرے، ناجائز ہے۔ کھیل اور دِل بہلانے کے صرف وہ مشغلے جائز ہیں جن میں کوئی فائدہ ہو، مثلاً جسمانی یا ذہنی ورزش، یا تھکن دُور کرنا، اور جن کی وجہ سے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچے، اور نہ وہ انسان کو اپنے دِینی فرائض سے غافل کریں۔

(۲) آسمانوں کا پورا نظام کسی ایسے ستونوں پر نہیں کھڑا جو اِنسان کو نظر آسکیں، بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کے سہارے قائم فرمایا ہے جو معنوی ستون ہیں، نظر نہیں آتے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے، جیسا کہ سورۂ رعد (۲:۱۳) میں بھی گذر چکا ہے۔

(۳) یہ مضمون بھی قرآنِ کریم میں کئی جگہ آیا ہے کہ زمین کو پانی پر ڈگمگانے سے بچانے کے لئے پہاڑ پیدا کئے گئے

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ ۞ هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ فَاَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۞ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۞

اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس (زمین) میں ہر قابلِ قدر قسم کی نباتات اُگائیں۔﴿۱۰﴾
یہ ہے اللہ کی تخلیق! اب ذرا مجھے دِکھاؤ کہ اللہ کے سوا کسی نے کیا پیدا کیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔﴿۱۱﴾
اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی تھی،[۴] (اور اُن سے کہا تھا) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو۔[۵] اور جو کوئی اللہ کا شکر اَدا کرتا ہے، وہ خود اپنے فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف!﴿۱۲﴾

ہیں۔ دیکھئے پیچھے سورۂ رعد (۱۳:۳)، سورۂ حجر (۱۵:۱۹)، سورۂ نحل (۱۶:۱۵)، سورۂ انبیاء (۲۱:۳۱) اور سورۂ نمل (۲۷:۶۱) اور آگے سورۂ حٰم السجدہ (۴۱:۱۰)، سورۂ ق (۵۰:۷) اور سورۂ مرسلات (۷۷:۲۷)۔

(۴) حضرت لقمان کے بارے میں راجح بات یہی ہے کہ وہ نبی نہیں، بلکہ ایک دانشمند شخص تھے۔ وہ کس زمانے میں تھے؟ اور کس علاقے کے باشندے تھے، اس کے بارے میں بھی روایات بہت مختلف ہیں جن سے کوئی حتمی نتیجہ نکالنا مشکل ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ یمن کے باشندے تھے، اور حضرت ہود علیہ السلام کے جو ساتھی عذاب سے بچ گئے تھے، اُن میں یہ بھی شامل تھے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حبشہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن قرآنِ کریم نے اُن کا جس غرض سے تذکرہ فرمایا ہے، وہ ان تفصیلات کے جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عرب کے لوگ اُن کو ایک عظیم دانشور سمجھتے تھے، اور اُن کی حکمت کی باتیں اُن کے درمیان مشہور تھیں۔ جاہلیت کے زمانے کے کئی شعراء نے اُن کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا اُن کی باتیں بجا طور پر ان اہلِ عرب کے سامنے حجت کے طور پر پیش کی جا سکتی تھیں۔

(۵) بعض اوقات اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے علاوہ اپنے خاص بندوں پر بھی اِلہام فرماتے ہیں جو انبیائے کرام پر

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔''(۶) ﴿۱۳﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے ــــــ (کیونکہ) اُس کی ماں نے اُسے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اُس کا دُودھ چھوٹتا ہے ــــــ کہ تم میرا شکر اَدا کرو، اور اپنے ماں باپ کا۔(۷) میرے پاس ہی (تمہیں) لوٹ کر آنا ہے۔ ﴿۱۴﴾

نازل ہونے والی وحی کی طرح تو حجت نہیں ہوتا، لیکن اُس کے ذریعے عام ہدایات دی جاتی ہیں جو وحی کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں۔

(۶) ''ظلم'' کے معنی یہ ہیں کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیا جائے۔ شرک اس لحاظ سے واضح طور پر بہت بڑا ظلم ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، شرک کرنے والے اللہ تعالیٰ کا یہ حق اُس کو اَدا کرنے کے بجائے خود اُسی کے بندوں اور اُسی کی مخلوقات کو دیتے ہیں۔

(۷) یہ حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان ایک جملہ معترضہ ہے جو اس مناسبت سے لایا گیا ہے کہ حضرت لقمان تو اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور توحید کا عقیدہ رکھنے کی تاکید کر رہے تھے، دوسری طرف مکہ مکرمہ کے بعض مشرکین، جو حضرت لقمان کو ایک دانش مند شخص سمجھتے تھے، جب اُن کی اولاد نے توحید کا عقیدہ اختیار کیا تو وہ اُنہیں دوبارہ شرک اختیار کرنے پر زور دے رہے تھے، اور اولاد پریشان تھی کہ وہ ان ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ہی انسان کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر اَدا کرے، کیونکہ اگرچہ اُسے پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، لیکن ظاہری اسباب میں والدین ہی اُس کا سبب بنے ہیں۔ پھر والدین میں سے بھی خاص طور پر ماں کی مشقتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کتنی محنت سے اُس نے بچے کو پیٹ میں اُٹھائے رکھا، اور دو سال تک اُسے دُودھ پلایا، اور بچے کی پرورِش میں دُودھ پلانے کا زمانہ ماں کے لئے سب سے زیادہ محنت کا ہوتا ہے۔ اس لئے ماں بطورِ خاص اولاد کی طرف سے اچھے

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُن کی بات مت مانو، اور دُنیا میں اُن کے ساتھ بھلائی سے رہو،(۸) اور ایسے شخص کا راستہ اپناؤ جس نے مجھ سے لو لگا رکھی ہو۔(۹) پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ﴿۱۵﴾

سلوک کی مستحق ہے۔ لیکن اس اچھے سلوک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے دِین اور عقیدے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے بجائے ماں باپ کا حکم ماننا شروع کردے۔ اسی لئے اس آیت میں والدین کا شکر اَدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر اَدا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، کیونکہ والدین تو صرف ایک ذریعہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پرورِش کے لئے پیدا کردیا ہے، ورنہ خالقِ حقیقی تو خود اللہ تعالیٰ ہیں، لہٰذا ایک ذریعے کی اہمیت کو خالقِ حقیقی کی اہمیت سے بڑھایا نہیں جاسکتا۔

(۸) یعنی دِین کے معاملے میں اگر والدین کوئی غلط بات کہیں تو اُن کی بات ماننا تو جائز نہیں ہے، لیکن اُن کی بات رَدّ کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جو اُن کے لئے تکلیف دہ ہو، یا جس سے وہ اپنی توہین محسوس کریں، بلکہ نرم الفاظ میں اُن کو بتادینا چاہئے کہ میں آپ کی یہ بات ماننے سے معذور ہوں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، اپنے عام برتاؤ میں بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے رہنا چاہئے، مثلاً اُن کی خدمت کرنا، اُن کی مالی امداد کرنا، وہ بیمار ہوجائیں تو اُن کی تیمارداری کرنا، وغیرہ۔

(۹) چونکہ والدین غلط راستے پر ہیں، اس لئے اُن کا غلط راستہ اپنانا جائز نہیں، بلکہ راستہ اُنہی کا اپنانا چاہئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم کیا ہوا ہو، یعنی وہ اُسی کی عبادت اور اِطاعت کرتے ہوں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دِین پر عمل بھی صرف اپنی سمجھ اور رائے سے نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہوئی ہے اُن کو دیکھنا چاہئے کہ اُنہوں نے دِین پر کس طرح عمل کیا، اور پھر اُنہی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے، اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث کے صرف ذاتی مطالعے کی بنیاد پر کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے جو اُمت کے علماء اور بزرگوں کی تشریح کے خلاف ہو۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ

(لقمان نے یہ بھی کہا:) "بیٹا! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، اور وہ کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں یا زمین میں، تب بھی اللہ اُسے حاضر کردے گا۔ یقین جانو اللہ بڑا باریک بین، بہت باخبر ہے۔[10] ﴿۱۶﴾ بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے، اُس پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنے گال مت پھلاؤ، اور زمین پر اِتراتے ہوئے مت چلو۔ یقین جانو اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۱۸﴾ اور اپنی چال میں اِعتدال اختیار کرو،[11] اور اپنی آواز آہستہ رکھو۔[12]

(۱۰) یہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب انسان کے مرنے کے بعد اُس کے سارے اجزاء منتشر ہو جائیں گے تو اُنہیں کیسے جمع کیا جاسکے گا؟ حضرت لقمان نے بیٹے کو بتایا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ بھی زمین و آسمان کی کسی بھی پوشیدہ جگہ چلا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور وہ اُسے نکال لانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یاد رہے کہ جب کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے، تو اُسے تلاش کرنے کے لئے بعض بزرگوں نے بتایا ہے کہ گیارہ مرتبہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" پڑھ کر سورۂ لقمان کی یہ آیت تلاوت کی جاتی رہے تو عموماً وہ گمشدہ چیز مل جاتی ہے۔ بندہ نے بھی اس کا درجنوں بار تجربہ کیا ہے۔

(۱۱) یعنی انسان کو درمیانی رفتار سے چلنا چاہئے، رفتار نہ اتنی تیز ہو کہ بھاگنے کے قریب پہنچ جائے، اور نہ اتنی آہستہ کہ سستی میں داخل ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھنے جارہا ہو تو اُس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگنے سے منع فرما کر وقار اور سکون کے ساتھ چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۱۲) آواز آہستہ رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اتنا آہستہ بولے کہ سننے والے کو دِقّت پیش آئے، بلکہ مراد

إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾

بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔" ﴿۱۹﴾

کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے،[۱۳] اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں؟ پھر بھی انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت ہے، اور نہ کوئی ایسی کتاب ہے جو روشنی دِکھائے۔ ﴿۲۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: "اُس چیز کی اِتباع کرو جو اللہ نے اُتاری ہے" تو وہ کہتے ہیں: "نہیں، بلکہ ہم تو اُس طریقے کے پیچھے چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔" بھلا اگر شیطان اُن (باپ دادوں) کو بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو، کیا تب بھی (وہ اُنہی کے پیچھے چلیں گے؟) ﴿۲۱﴾

یہ ہے کہ جن کو سنانا مقصود ہے، اُن تک تو آواز وضاحت کے ساتھ پہنچ جائے، لیکن اس سے زیادہ چیخ چیخ کر بولنا اسلامی آداب کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص درس دے رہا ہو، یا وعظ کر رہا ہو، تو اُس کی آواز اتنی ہی بلند ہونی چاہئے جتنی اُس کے مخاطبوں کو سننے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے۔ اُس سے زیادہ آواز بڑھانے کو بھی اس آیت کے تحت بزرگوں نے منع فرمایا ہے۔ اس حکم پر خاص طور سے اُن حضرات کو غور کرنے کی ضرورت ہے جو بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کر کے لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔

(۱۳) حضرت لقمان کی بنیادی نصیحت میں توحید پر جو زور دیا گیا تھا، اب اُس کے وہ دلائل بیان فرمائے جارہے

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور جو شخص فرماں بردار بن کر اپنا رُخ اللہ کی طرف کردے، اور نیک عمل کرنے والا ہو، تو اُس نے یقیناً بڑا مضبوط کنڈا تھام لیا۔ اور تمام کاموں کا آخری انجام اللہ ہی کے حوالے ہے۔ ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) جس کسی نے کفر اپنا لیا ہے، تمہیں اُس کا کفر صدمے میں نہ ڈالے۔ آخر انہیں ہمارے پاس ہی تو لوٹنا ہے، پھر ہم اُنہیں بتائیں گے کہ اُنہوں نے کیا کیا ہے؟ یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ ﴿۲۳﴾ ہم اُنہیں کچھ مزے اُڑانے کا موقع دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ ﴿۲۴﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ''اللہ!'' کہو: ''الحمد للہ!'' اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔(۱۴) ﴿۲۵﴾

ہیں جو اس کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، اور اِنسان ذرا غور کرے تو اُن سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے سوا کوئی اور نتیجہ معقولیت کے ساتھ نہیں نکالا جاسکتا۔

(۱۴) یعنی الحمد للہ! ان لوگوں نے اس حقیقت کا تو اِعتراف کرلیا کہ اس کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے جو کھلا ہوا نتیجہ نکلنا چاہئے تھا کہ جب یہ کائنات تنہا اُسی نے پیدا کی ہے تو عبادت کے لائق بھی تنہا وہی ہے، اُس نتیجے تک پہنچنے کے لئے انہوں نے سمجھ سے کام نہیں لیا، اور اپنے باپ دادوں کی تقلید میں شرک اختیار کئے ہوئے ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۱۱/۱۲ ۳

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بیشک اللہ ہی ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ ﴿۲۶﴾ اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اُس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۲۷﴾ تم سب کو پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا (اللہ کے لئے) ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان کو (پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا)۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۲۸﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک کسی متعین میعاد تک رواں دواں ہے، اور (کیا تمہیں یہ معلوم نہیں) کہ اللہ پوری طرح باخبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو؟ ﴿۲۹﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اللہ ہی کا وجود سچا ہے، اور اس کے سوا جن (معبودوں) کو یہ (مشرک) پکارتے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بہت اُونچی ہے، جس کی ذات بہت بڑی۔ ﴿۳۰﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی مہربانی سے چلتی ہیں، تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دِکھائے؟ یقیناً اس میں ہر اُس شخص کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو صبر کا پکا، اعلیٰ درجے کا شکر گذار ہو۔ ﴿۳۱﴾ اور جب موجیں سائبانوں کی طرح اُن پر چڑھ آتی ہیں تو وہ اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ اُس وقت اُن کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اُن کو بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو اُن میں سے کچھ ہیں جو راہِ راست پر رہتے ہیں (باقی پھر شرک کرنے لگتے ہیں) اور ہماری آیتوں کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو پکا بدعہد، پرلے درجے کا ناشکرا ہو۔ ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار (کی ناراضی) سے بچو، اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہیں آئے گا، اور نہ کسی بیٹے کی یہ مجال ہوگی کہ وہ اپنے باپ کے ذرا بھی کام آجائے۔ یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اس لئے ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ یہ دُنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈال دے، اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ وہ (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکے میں ڈال دے جو سب سے بڑا دھوکا باز ہے۔ ﴿۳۳﴾

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

ع ۴ ۱۳

یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی متنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳۴﴾

الحمدللہ! سورۂ لقمان کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج بروز منگل ۲۶/جون ۲۰۰۷ء مطابق ۱۰/جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کو مغرب سے ذرا پہلے جدہ، (سعودی عرب) میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تشریح بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ السَّجۡدَة

تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد، یعنی توحید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کا اِثبات ہے۔ نیز جو کفارِ عرب ان عقائد کی مخالفت کرتے تھے، اس سورت میں اُن کے اِعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور اُن کا انجام بھی بتایا گیا ہے۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۵ سجدے کی آیت ہے، یعنی جو شخص بھی اس کی تلاوت کرے یا سنے، اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، اس لئے اس کا نام ''تنزیل السجدۃ'' یا ''الم السجدۃ'' یا صرف ''سورۂ سجدۃ'' رکھا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں بکثرت یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔ اور مسندِ احمد (۳:۳۴۰) کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ رات کو سونے سے پہلے دو سورتوں کی تلاوت ضرور فرماتے تھے، ایک سورۂ تنزیل السجدہ اور دوسری سورۂ ملک۔

اٰیاتھا ۳۰ ۳۲ سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۷۵ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓ ۝١ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝٢ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ۚ بَلْ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىھُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ لَعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ ۝٣ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ربّ العالمین کی طرف سے یہ ایک ایسی کتاب اُتاری جارہی ہے جس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔ ﴿۲﴾ کیا لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں! (اے پیغمبر!) یہ تو وہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے اس لئے آیا ہے کہ تم اس کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا،[1] تاکہ وہ صحیح راستے پر آجائیں۔ ﴿۳﴾ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر اِستواء فرمایا۔[2]

---

(۱) مکہ مکرمہ میں جب سے بت پرستی شروع ہوئی، کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ انفرادی طور پر کچھ ایسے حضرات حق کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہے ہیں جو نبی نہیں تھے، لیکن نبی کوئی نہیں آیا تھا۔

(۲) ''اِستواء'' کے لفظی معنیٰ سیدھا ہونے اور بیٹھنے کے آتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے عرش پر اِستواء فرمانے کا صحیح مطلب ہماری فہم اور اِدراک سے باہر ہے۔ اس لئے اس کی تفصیلات میں جانے کی نہ ضرورت ہے، نہ اُس کا کوئی یقینی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ جو کچھ قرآنِ کریم نے فرمایا ہے، وہ برحق ہے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵

اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی سفارشی ہے۔[۳] کیا پھر بھی تم کسی نصیحت پر دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۴﴾ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کا انتظام خود کرتا ہے، پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اُس کے پاس اُوپر پہنچ جاتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔[۴] ﴿۵﴾

---

(۳) اہلِ عرب بتوں کی پوجا اس عقیدے سے کیا کرتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کر کے ہماری دُنیوی ضروریات پوری کریں گے۔ جیسا کہ سورۂ یونس (۱۰:۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے متشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن دوسرے مفسرین کے مطابق اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، اور مطلب یہ ہے کہ جتنی مخلوقات کا انتظام اس وقت اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، وہ سب آخرکار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن اُمور کا فیصلہ فرماتے ہیں، اُن کی تنفیذ اپنے طے شدہ وقت پر ہوتی ہے، چنانچہ بعض اُمور کی تنفیذ میں انسانوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال بھی لگ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک ہزار سال بھی کوئی بڑی مدت نہیں ہے، بلکہ ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ جیسا کہ سورۂ حج (۲۲:۴۷) میں فرمایا گیا ہے، کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گذر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل ان شاء اللہ سورۂ معارج (۷۰:۴) میں آئے گی۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦﴾ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿٩﴾ وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٢﴾

ع ۱۱/۱۴

وہ ہر چھپی اور کھلی چیز کا جاننے والا ہے، جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔﴿۶﴾ اُس نے جو چیز بھی پیدا کی، اُسے خوب بنایا، اور اِنسان کی تخلیق کی اِبتدا گارے سے کی۔﴿۷﴾ پھر اُس کی نسل ایک نچوڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی۔﴿۸﴾ پھر اُسے ٹھیک ٹھاک کر کے اُس میں اپنی رُوح پھونکی، اور (انسانو!) تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دِل پیدا کئے۔ تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔﴿۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''کیا جب ہم زمین میں رَل کر کھو جائیں گے، تو کیا اُس وقت ہم کسی نئے جنم میں پیدا ہوں گے؟'' بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے جاملنے کا انکار کرتے ہیں۔﴿۱۰﴾ کہہ دو کہ: ''تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کرلے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تمہیں واپس تمہارے پروردگار کے پاس لے جایا جائے گا۔''﴿۱۱﴾

اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رَبّ کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں گے، (کہہ رہے ہوں گے کہ:) ''ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے، اس لئے ہمیں (دُنیا میں) دوبارہ بھیج دیجئے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اچھی طرح یقین آچکا ہے۔''﴿۱۲﴾

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾

السجدۃ ۹

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو (پہلے ہی) اُس کی ہدایت دے دیتے، لیکن وہ بات جو میری طرف سے کہی گئی تھی، طے ہو چکی ہے کہ: ”میں جہنم کو جنات اور اِنسانوں سب سے ضرور بھر دُوں گا۔“(۵) ﴿۱۳﴾ اب (جہنم کا) مزہ چکھو کیونکہ تم نے اپنے اس دن کا سامنا کرنے کو بھلا ڈالا تھا۔ ہم نے (بھی) تمہیں بھلا دیا ہے۔ جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اُس کے بدلے اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔ ﴿۱۴﴾ ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب اُنہیں ان آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔(۶) ﴿۱۵﴾

---

(۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ زبردستی لوگوں کو ہدایت پر لانا چاہتے تو وہ ضرور ایسا کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں وہ آزمائش نہ ہوتی جو اِنسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ انسان کی آزمائش تو اسی میں تھی کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی بات پر اِیمان لائے۔ جنت اور جہنم کا آنکھ سے نظارہ کر لینے کے بعد اُس پر زبردستی ایمان لانے میں کوئی آزمائش نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آزمائش کی خاطر اِنسان کو پیدا کر کے اَزل ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ جو لوگ عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی اطاعت نہیں کریں گے، بلکہ اُن کو جھٹلائیں گے، اُن سے میں جہنم کو بھر دُوں گا۔

(۶) یہ سجدے کی آیت ہے جس کی تلاوت کرنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ؗ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

وقف غفران

اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں[۷] وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید (کے ملے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں[۸]، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔[۹] ﴿۱۷﴾ بھلا بتاؤ کہ جو شخص مؤمن ہو، کیا وہ اُس شخص کے برابر ہو جائے جو فاسق ہے؟ ـــــ (ظاہر ہے کہ) وہ برابر نہیں ہوسکتے۔ ﴿۱۸﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے مستقل قیام کے باغات ہیں جو اُن کو پہلی مہمانی ہی کے طور پر دے دیئے جائیں گے، اُن اعمال کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۹﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ہے، تو اُن کے مستقل قیام کی جگہ جہنم ہے۔

(۷) یعنی رات کے وقت وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس میں عشاء کی نماز بھی داخل ہے جو فرض ہے، اور تہجد کی نماز بھی جو سنت ہے۔

(۸) وہ اس بات سے ڈرتے بھی ہیں کہ ان کی عبادت میں جو قصور ہوا ہے، کہیں وہ نامنظور نہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ وہ اُسے قبول فرما کر اَجر و ثواب عطا فرمائے۔

(۹) یعنی خزانۂ غیب میں ایسے نیک لوگوں کے لئے جو نعمتیں چھپی ہوئی ہیں، وہ انسان کے تصور سے بھی بلند ہیں۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۱/۱۵ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ ج

جب بھی وہ اُس سے نکلنا چاہیں گے، اُنہیں وہیں واپس لوٹا دیا جائے گا، اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ''آگ کے جس عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے، اُس کا مزہ چکھو۔'' ﴿۲۰﴾ اور اُس بڑے عذاب سے پہلے بھی ہم اُنہیں کم درجے کے عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے،(۱۰) شاید یہ باز آجائیں۔ ﴿۲۱﴾ اور اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اپنے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی، تو اُس نے اُن سے منہ موڑ لیا۔ ہم یقیناً ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے۔ ﴿۲۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اس کے ملنے کے بارے میں کسی شک میں نہ رہو،(۱۱) اور ہم نے اُس کتاب کو بنو اِسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا، ﴿۲۳﴾

(۱۰) یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے اسی دُنیا میں انسان کو چھوٹی چھوٹی مصیبتیں اس لئے پیش آتی ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کر کے اپنے گناہوں سے باز آجائے۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے، اور اپنے طرزِ عمل کی اِصلاح کرنی چاہئے۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے ملنے میں کوئی شک نہ کرو، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تھی، اُسی طرح آپ کو بھی کتاب دی گئی ہے، لہٰذا اس قرآن کے منجانب اللہ وصول کرنے میں آپ کوئی شک نہ کریں، اور جب آپ صاحبِ کتاب رسول ہیں تو ان کافروں کی بنائی ہوئی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ایک تیسری تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ ''اس کے ملنے'' سے مراد کافروں کو اُس عذاب کا ملنا ہے جس کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۗ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۗ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب اُنہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنادیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ﴿۲۴﴾ یقیناً تمہارا پروردگار ہی قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۵﴾ اور کیا ان (کافروں) کو اس بات سے کوئی ہدایت نہیں ملی کہ اُن سے پہلے کتنی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کے گھروں میں یہ خود چلتے پھرتے ہیں؟[۱۲] یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں؟ ﴿۲۶﴾ اور کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو کھینچ کر خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اُس سے وہ کھیتی نکالتے ہیں جس سے اُن کے چوپائے بھی کھاتے ہیں، اور وہ خود بھی۔ تو کیا اُنہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا؟ ﴿۲۷﴾ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا؟'' ﴿۲۸﴾

---

(۱۲) مثلاً قومِ ثمود کی بستیوں سے عرب کے لوگ بکثرت گذرا کرتے تھے، اور اُن کے مکانوں کے کھنڈرات میں چلتے پھرتے بھی تھے۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۲۹﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُونَ ﴿۳۰﴾

کہہ دو کہ: ''جس دن فیصلہ ہوگا، اُس دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا، اور نہ اُنہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔'' ﴿۲۹﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کی پروا نہ کرو، اور اِنتظار کرو۔ یہ بھی انتظار کررہے ہیں۔ ﴿۳۰﴾

الحمدللہ! سورۂ سجدہ کے ترجمہ اور تفسیری حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ بتاریخ ۶/جولائی ۲۰۰۷ء مطابق ۲۰/جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ عشاء سے ذرا پہلے کراچی میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الأحزاب

تعارف

یہ سورت حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی ہے۔ اس کے پس منظر میں چار واقعات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جن کا حوالہ اس سورت میں آیا ہے۔ ان چار واقعات کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔ تفصیلات اِن شاء اللہ متعلقہ آیتوں کی تشریح میں آگے آئیں گی۔

پہلا واقعہ جنگِ اَحزاب کا ہے، جس کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ بدر و اُحد کی ناکامیوں کے بعد قریش کے لوگوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکسایا، اور اُن کا ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ منورہ کے دِفاع کے لئے شہر کے گرد ایک خندق کھودی تاکہ دُشمن اُسے عبور کر کے شہر تک نہ پہنچ سکے۔ اسی لئے اس جنگ کو "جنگِ خندق" بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے اہم واقعات اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس موقع پر مسلمانوں کو جس شدید آزمائش سے گذرنا پڑا، اُس کی تفصیل بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

دوسرا اہم واقعہ جنگِ قریظہ کا ہے۔ قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ان سے امن کا ایک معاہدہ کیا تھا جس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے دُشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن قریظہ کے یہودیوں نے معاہدے کی دوسری خلاف ورزیوں کے علاوہ جنگِ اَحزاب کے نازک موقع پر خفیہ ساز باز کر کے پیچھے سے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنا چاہا۔ اس لئے جنگِ اَحزاب سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ فوراً بنو قریظہ پر حملہ کر کے ان آستین کے سانپوں کا قلع قمع فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے اُن کا محاصرہ فرمایا جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے

افراد قتل ہوئے، اور بہت سے گرفتار۔ اس واقعے کی بھی کچھ تفصیل اس سورت میں آئی ہے۔

تیسرا اہم واقعہ یہ تھا کہ اہلِ عرب جب کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو اُسے ہر معاملے میں سگے بیٹے کا درجہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ میراث بھی پاتا تھا، اور اُس کے منہ بولے باپ کے لئے جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے نکاح کرے، بلکہ اس کو بدترین معیوب عمل سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ عرب کی یہ جاہلانہ رسمیں دِلوں میں ایسا گھر کرگئی تھیں کہ اُن کا خاتمہ صرف زبانی نصیحت سے نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی رسموں کا خاتمہ کرنے کے لئے سب سے پہلے خود علی الاعلان اُن رسموں کے خلاف عمل فرمایا، تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ اگر اس کام میں ذرا بھی کوئی خرابی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس بھی نہ جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں آپ کی سیرتِ طیبہ میں موجود ہیں۔ منہ بولے بیٹے کے بارے میں جو رسم تھی، اُس کے سدِباب کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنے ایک منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح فرمائیں۔ واضح رہے کہ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، اور حضرت زیدؓ سے اُن کا نکاح خود آپ نے کروایا تھا، اس لئے اگرچہ اب اُن سے نکاح کرنا آپ کے لئے ایک صبر آزما عمل تھا، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور دِینی مصلحت کے آگے سر جھکا دیا، اور اُن سے نکاح کرلیا۔ اسی نکاح کے ولیمے میں حجاب (پردے) کے اَحکام پر مشتمل آیات نازل ہوئیں جو اس سورت کا حصہ ہیں۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ نے اگرچہ ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا، لیکن جب آپ کے پاس مختلف فتوحات کے نتیجے میں مالی طور پر وسعت ہوئی تو اُنہوں نے اپنے نفقے میں اضافے کا مطالبہ کردیا۔ یہ مطالبہ عام حالات میں کسی بھی طرح کوئی ناجائز مطالبہ نہیں تھا، لیکن پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف رکھنے والی ان مقدس خواتین کا مقامِ بلند اس قسم کے مطالبات سے بالاتر تھا۔

اس لئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہراتؓ کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ دُنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں اِعزاز و اِکرام کے ساتھ علیحدہ کرنے کو تیار ہیں، اور اگر وہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی ساتھی ہیں، اور آخرت کے اِنعامات کی طلبگار ہیں تو پھر اس قسم کے مطالبے اُن کو زیب نہیں دیتے۔

چونکہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے واقعے پر کفار اور منافقین نے آپ کے خلاف اعتراضات کئے تھے، اس لئے اسی سورت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ بلند بتایا گیا ہے، اور آپ کی تعظیم و تکریم اور اِطاعت کا حکم دے کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت پر نادانوں کے یہ اعتراضات آپ کے مقامِ بلند میں ذرّہ برابر کمی نہیں کرسکتے۔ اس کے علاوہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کے طرزِ عمل اور اس سے متعلق بعض تفصیلات بھی اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں۔

آیاتہا ۷۳ ۳۳ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۰ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ۚ

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تہتر آیتیں اور نو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانو۔[1] بیشک اللہ بہت علم والا، بڑا حکمت والا ہے۔ ﴿۱﴾ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو وحی بھیجی جارہی ہے، اُس کی پیروی کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ یقینی طور پر اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۲﴾ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اور کام بنانے کے لئے اللہ بالکل کافی ہے۔ ﴿۳﴾ اللہ نے کسی بھی شخص کے سینے میں دو دِل پیدا نہیں کئے،[2]

---

(۱) بعض اوقات کچھ کافر لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قسم کی تجویزیں پیش کرتے تھے کہ اگر آپ ہماری فلاں بات مان لیں تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ بعض منافقین بھی اُن کی تائید کرتے کہ یہ اچھی تجویز ہے، اور اس پر عمل کرنے سے بڑی تعداد میں لوگوں کی حمایت حاصل ہوسکتی ہے، حالانکہ وہ تجویز ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہوتی تھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِطمینان دِلایا ہے کہ ایسی تجویزوں پر کان دَھرنے کے بجائے اپنے کام میں لگے رہئے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے۔ وہ خود ہی سارے معاملات ٹھیک کردے گا۔

(۲) اس معجزانہ جملے کا تعلق پچھلی آیت سے بھی ہے، اور اگلی آیت سے بھی۔ پچھلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہے کہ

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کی پشت سے تشبیہ دے دیتے ہو، اُن کو تمہاری ماں نہیں بنایا،(۳) اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا قرار دیا ہے۔ یہ تو باتیں ہی باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے کہہ دیتے ہو، اور اللہ وہی بات کہتا ہے جو حق ہو، اور وہی صحیح راستہ بتلاتا ہے۔ ﴿۴﴾ تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔(۴) یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے۔

کافر اور منافق لوگ آپ کو یہ تجویز پیش کررہے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کو بھی خوش رکھئے، اور ان کے مطالبات مان کر اُن کو بھی خوش کردیجئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں ایک ہی دِل پیدا فرمایا ہے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ہورہے تو پھر اُس کی مرضی کے خلاف کسی اور کو خوش رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان ایک دِل اللہ تعالیٰ کو دیدے، اور دُوسرا دِل کسی اور کو۔ اور اگلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہے کہ اہلِ عرب میں یہ رسم تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا تھا کہ: ''تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت'' اور یہ کہنے کے بعد وہ بیوی کو ماں کی طرح حرام سمجھتا تھا، اسی طرح جب کوئی کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تو اُسے اپنا سگا بیٹا ہی سمجھ لیتا تھا، اور اس پر میراث وغیرہ میں بھی ویسے ہی اَحکام جاری کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک انسان کے سینے میں دو دِل نہیں ہوسکتے، اسی طرح انسان کی دو مائیں نہیں ہوسکتیں، اور نہ دو قسم کے بیٹے ہوسکتے ہیں کہ ایک انسان کی اپنی صلب سے پیدا ہو، اور دُوسرا زبانی اعلان سے بیٹا بن جائے۔

(۳) اس کو اِصطلاح میں ''ظہار'' کہتے ہیں، اور آگے سورۂ مجادلہ میں اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

(۴) یعنی اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے منہ بولے بیٹے کے ساتھ محبت اور حسنِ سلوک میں بیٹے جیسا معاملہ کرو، لیکن جب اُس کی ولدیت بتانے کی ضرورت پیش آئے تو اُس کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اُس کی صحیح ولدیت بتاؤ۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ ؕ وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۵ اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۝۶

اور اگر تمہیں اُن کے باپ معلوم نہ ہوں، تو وہ تمہارے دِینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔(۵) اور تم سے جو غلطی ہوجائے، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ جو بات تم اپنے دِلوں سے جان بوجھ کر کرو، (اُس پر گناہ ہے۔) بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۶) ﴿۵﴾ ایمان والوں کے لئے یہ نبی اُن کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں، اور اِن کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کی کتاب کے مطابق پیٹ کے رشتہ دار دُوسرے مؤمنوں اور مہاجرین کے مقابلے میں ایک دوسرے پر (میراث کے معاملے میں) زیادہ حق رکھتے ہیں،(۷) اِلا یہ کہ تم اپنے دوستوں (کے حق میں کوئی وصیت کرکے اُن) کے ساتھ کوئی نیکی کرلو۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ ﴿۶﴾

(۵) مطلب یہ ہے کہ اگر منہ بولے بیٹے کی صحیح ولدیت معلوم نہ ہو تب بھی اُسے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اُسے اپنا بھائی یا اپنا ہم قبیلہ دوست کہو۔

(۶) بھول چوک میں یا مجازی طور پر منہ بولے بیٹے کو بیٹا کہہ دینے کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہے، البتہ جب سنجیدگی سے ولدیت بتائی جائے، اُس وقت اُسے اپنا بیٹا ظاہر کرنا درست نہیں۔

(۷) یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو سب مسلمان اپنی ماں سمجھتے ہیں، لیکن اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو میراث کے معاملے میں کسی مسلمان کے اپنے رشتہ داروں پر فوقیت حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کی میراث اُس کے قریبی رشتہ داروں

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۟ۙ لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۠ ۟۸

ع ۸ / ۱۷

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور اِبراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔ (۸) ﴿۷﴾ تاکہ اللہ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں پوچھے۔ (۹) اور اُس نے کافروں کے لئے تو ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۸﴾

میں تقسیم ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی ازواجِ مطہرات کو اُس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا، حالانکہ دِینی اعتبار سے آپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ حق رکھتی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو اُن کے دِینی رشتے کے باوجود میراث میں شریک نہیں کیا گیا تو منہ بولے بیٹے کو محض زبان سے بیٹا کہہ دینے کی بنا پر میراث میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟ البتہ اگر اُن کے ساتھ نیکی کا ارادہ ہو تو اُن کے لئے اپنے ترکے کے تہائی حصے کی حد تک کوئی وصیت کی جاسکتی ہے۔

(۸) پیچھے جو حقیقت بیان فرمائی تھی کہ نبی ہر مؤمن کے لئے اپنی جان سے بھی زیادہ قربت کا مقام رکھتے ہیں، اُس کی وجہ اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ اُن کی ذمہ داری بڑی سخت ہے، کیونکہ اُن سے بڑا سخت عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچا کر اُن کی ہدایت کا سبب بنیں گے۔

(۹) یہ عہد اس واسطے لیا گیا تھا کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچ جائے، اور اُن پر حجت تمام ہو جائے، اور پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سے پوچھ گچھ کرے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اِطاعت میں کس قدر سچائی سے کام لیا۔ اگر انبیائے کرام اپنے عہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کا پیغام اُن تک ٹھیک ٹھیک نہ پہنچاتے تو اُن پر حجت قائم نہ ہوتی، اور نہ اللہ تعالیٰ اُن سے باز پُرس فرماتا، کیونکہ حجت تمام کئے بغیر کسی سے باز پُرس کرنا اُس کے انصاف کے خلاف ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اُس وقت تم پر کیسا اِنعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔[10] اور تم جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اُس کو دیکھ رہا تھا۔ ﴿۹﴾

(۱۰) یہاں سے جنگِ اَحزاب کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۲۷ تک اس جنگ کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ اس جنگ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ بنونضیر کے یہودیوں کی سازش سے قریش کے بت پرستوں نے یہ طے کیا تھا کہ عرب کے مختلف قبائل کو جمع کر کے مدینہ منورہ پر اِکٹھے حملہ کریں۔ چنانچہ قریش کے علاوہ بنوغطفان، بنواَسلم، بنومرّہ، بنواَشجع، بنوکنانہ اور بنوفزارہ نے مل کر ایک زبردست لشکر تیار کیا جس کی تعداد بارہ سے پندرہ ہزار تک بتائی جاتی ہے، اور یہ لشکرِ جرار مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے شمال میں جہاں سے حملہ آور آنے والے ہیں، ایک گہری خندق کھود دی جائے، تاکہ وہ شہر تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ تمام صحابہؓ نے بڑی محنت اُٹھا کر صرف چھ دن میں یہ خندق کھودی جو ساڑھے تین میل لمبی اور پانچ گز گہری تھی۔ یہ جنگ پچھلی تمام جنگوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ سخت جنگ تھی، دُشمن کی تعداد اُن کے چار گنے سے بھی زائد تھی، اور اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ بنوقریظہ کے یہودی جو مسلمانوں کی بالکل بغل میں بیٹھے تھے، اُن کے بارے میں یہ اطلاع مل گئی کہ اُنہوں نے بھی مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ کر دُشمن کی مدد کا عہد کر لیا ہے۔ سخت سردی کا موسم تھا، اتنی لمبی خندق کھودنے میں دن رات مصروفیت کی وجہ سے خوراک کا سامان کم پڑ گیا تھا۔ پھر جب دُشمن نے خندق کے پار پڑاؤ ڈال دیا تو دونوں طرف سے تیروں اور پتھروں کا تبادلہ تقریباً ایک مہینے جاری رہا، اور دِن رات پہرہ دینے کی وجہ سے لوگ تھکن سے نڈھال تھے۔ کڑی آزمائش کا یہ زمانہ آخرکار اس طرح ختم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دُشمن کے لشکر پر برفانی ہوا کی ایک سخت آندھی مسلط فرمادی جس سے اُن کے خیمے اُکھڑ گئے، دیگیں اُلٹ گئیں، چولھے تباہ ہوگئے، اور سواری کے جانور بدک کر بھاگنے لگے۔ اس موقع پر اُنہیں محاصرہ ختم کر کے واپس جانا پڑا۔ اس آیت میں اسی آندھی کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس کے ساتھ اَن دیکھے لشکروں کا بھی جن سے مراد فرشتے ہیں جنہوں نے دُشمن کو سراسیمہ کر کے بھاگنے پر مجبور کیا۔

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾

یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اُوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی،[11] اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔[12] ﴿۱۰﴾ اس موقع پر اِیمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی، اور اُنہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔ ﴿۱۱﴾ اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ ہے، یہ کہہ رہے تھے کہ: ''اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔''[13] ﴿۱۲﴾

---

(۱۱) اُوپر سے مراد تو وہ متحدہ محاذ کا لشکر ہے جو خندق کے پار محاصرہ کئے ہوئے تھا، اور نیچے سے مراد بنوقریظہ ہیں جنہوں نے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

(۱۲) سخت آزمائش کی اس گھڑی میں غیر اِختیاری طور پر مختلف وسوسے دِل میں آیا کرتے ہیں۔ یہ اُنہی وسوسوں کا بیان ہے جن سے اِیمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۱۳) مستند روایات میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ جس جگہ خندق کھود رہے تھے، وہاں ایک سخت چٹان بیچ میں آ گئی جو کسی طرح ٹوٹ نہیں رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِطلاع ہوئی تو آپ بہ نفسِ نفیس وہاں تشریف لے گئے، اور اپنے دست مبارک میں کدال لے کر یہ آیت پڑھی: "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا" اور کدال سے چٹان پر ضرب لگائی تو ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی، اور اُس میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس میں آپ کو یمن اور کسریٰ کے محلات دِکھائے گئے۔ پھر دُوسری ضرب لگاتے وقت آپ نے اُسی آیت کو پورا پڑھا: "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا" اس پر چٹان کا ایک اور حصہ ٹوٹا، اور دوبارہ روشنی ظاہر ہوئی جس میں آپ نے رُوم کے محلات دیکھے۔ پھر تیسری ضرب پر چٹان پوری ٹوٹ گئی۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ مجھے یمن، ایران اور رُوم

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۛۚ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾

اور جب اُنہی میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ: ''یثرب کے لوگو! تمہارے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، بس واپس لوٹ جاؤ۔'' اور اُنہی میں سے کچھ لوگ نبی سے یہ کہہ کر (گھر جانے کی) اِجازت مانگ رہے تھے کہ: ''ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں''(۱۴) حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ (کسی طرح) بھاگ کھڑے ہوں۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر دُشمن مدینے میں چاروں طرف سے آگھسے، پھر ان سے فساد میں شامل ہونے کو کہا جائے تو یہ اُس میں ضرور شامل ہوجائیں گے، اور (اُس وقت) گھروں میں تھوڑے ہی ٹھہریں گے۔(۱۵) ﴿۱۴﴾

کے محلات دِکھا کر یہ بشارت دی گئی ہے کہ یہ سارے ملک میری اُمت کے ہاتھوں فتح ہوں گے۔ منافقین نے یہ سنا تو کہا کہ حالت تو یہ ہے کہ خود اپنے شہر کا بچاؤ کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے، اور خواب یہ دیکھے جارہے ہیں کہ ایران اور رُوم ہمارے ہاتھوں فتح ہوں گے! مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں منافقین کی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۱۴) یہ منافقین تھے جو اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کرکے محاذ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

(۱۵) یعنی یہ منافق لوگ اِس وقت تو یہ بہانہ بنارہے ہیں کہ ہمارے گھروں کی دیواریں نیچی ہیں، اور وہ غیر محفوظ ہیں، لیکن اگر دُشمن مدینہ منورہ میں چاروں طرف سے داخل ہوجائے، اور ان سے فرمائش کرے کہ تم بھی مسلمانوں کے خلاف ہمارے ساتھ جنگ میں شامل ہوجاؤ تو دُشمن کا پلہ بھاری دیکھ کر یہ اُن کے ساتھ جاملیں گے، اور اُس وقت انہیں اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا خیال نہیں آئے گا۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۚ وَلَا يَأْتُوْنَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے پہلے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں جائیں گے۔ اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پُرس ضرور ہو کر رہے گی۔ ﴿۱۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: "اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اُس صورت میں تمہیں (زندگی کا) لطف اُٹھانے کا جو موقع دیا جائے گا، وہ تھوڑا ہی سا ہوگا۔" ﴿۱۶﴾ کہو کہ: "کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہیں کوئی برائی پہنچانے کا ارادہ کرلے، یا (وہ کون ہے جو اُس کی رحمت کو روک سکے،) اگر وہ تم پر رحمت کرنے کا ارادہ کرلے؟" اور اللہ کے سوا ان لوگوں کو نہ کوئی رکھوالا مل سکتا ہے، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۱۷﴾

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رُکاوٹ ڈالتے ہیں، اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ: "ہمارے پاس چلے آؤ" (۱۶) اور خود لڑائی میں آتے نہیں، اور آتے ہیں تو بہت کم، ﴿۱۸﴾

---

(۱۶) یہ ایک منافق کی طرف اشارہ ہے جو اپنے گھر میں کھانے پینے میں مشغول تھا، اور اُس کا مخلص مسلمان بھائی جو جنگ میں جانے کے لئے تیار تھا، اُس سے کہہ رہا تھا کہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کیوں جارہے ہو؟ یہاں میرے پاس آؤ، اور اِطمینان سے میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو (ابن جریر طبری)۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ ع لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

ع ۲ ۱۲ ۱۸

(اور وہ بھی) تمہارے ساتھ لالچ رکھتے ہوئے۔[۱۷] چنانچہ جب خطرے کا موقع آجاتا ہے تو وہ تمہاری طرف چکرائی ہوئی آنکھوں سے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ پھر جب خطرہ دُور ہو جاتا ہے تو تمہارے سامنے مال کی حرص میں تیز تیز زبانیں چلاتے ہیں۔[۱۸] یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ہیں۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۹﴾ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ (دُشمنوں کے) لشکر ابھی گئے نہیں ہیں۔ اور اگر وہ لشکر (دوبارہ) آجائیں تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ دیہات میں جا کر رہیں، (اور وہیں بیٹھے ہوئے) تمہاری خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں تھوڑا ہی حصہ لیں گے۔ ﴿۲۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یومِ آخرت سے اُمید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذِکر کرتا ہو۔ ﴿۲۱﴾

(۱۷) یعنی اگر نام کرنے کو کچھ دیر کے لئے لڑائی میں حصہ لینے آتے بھی ہیں تو اس لالچ میں آتے ہیں کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملا تو وہ بھی اپنا حصہ لگائیں۔

(۱۸) یعنی بڑی چرب زبانی سے مالِ غنیمت کا حصہ مسلمانوں سے مانگتے ہیں۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ ۙ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ ۚ

اور جو لوگ اِیمان رکھتے ہیں، جب اُنہوں نے (دُشمن کے) لشکروں کو دیکھا تھا تو اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ: ''یہ وہی بات ہے جس کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اُس کے رسول نے سچ کہا تھا۔'' اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور تابع داری کے جذبے میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ ﴿۲۲﴾ انہی اِیمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اُسے سچا کر دِکھایا۔ پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں،[19] اور اُنہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ ﴿۲۳﴾ (یہ واقعہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا اِنعام دے، اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے، یا اُن کی توبہ قبول کرلے۔[20] اللہ یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۴﴾

---

(۱۹) نذرانہ پورا کرنے سے مراد جہاد میں جامِ شہادت نوش کرنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو صحیح معنیٰ میں مؤمن تھے، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اُس کے راستے میں اپنے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ پھر ان حضرات میں سے کچھ نے تو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جامِ شہادت نوش کرلیا، اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے جہاد میں حصہ تو لیا، لیکن شہید نہیں ہوئے، اور ابھی اس انتظار اور اِشتیاق میں ہیں کہ کب اُنہیں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان قربان کرنے کا موقع ملے۔

(۲۰) یعنی جو منافق سچی توبہ کرلیں، اُن کی توبہ قبول کرلے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾ وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِیَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۷﴾

ع ۳ ۱۹

اور جو لوگ کافر تھے، اللہ نے اُنہیں اُن کے سارے غیظ وغضب کے ساتھ اس طرح پسپا کر دیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اور مؤمنوں کی طرف سے لڑائی کے لئے اللہ خود کافی ہو گیا۔ اور اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿۲۵﴾ اور جن اہلِ کتاب نے ان (دُشمنوں) کی مدد کی تھی، اُنہیں اللہ اُن کے قلعوں سے نیچے اُتار لایا،(۲۱) اور اُن کے دِلوں میں ایسا رُعب ڈال دیا کہ (اے مسلمانو!) اُن میں سے کچھ کو تم قتل کر رہے تھے، اور کچھ کو قیدی بنا رہے تھے۔ ﴿۲۶﴾ اور اللہ نے تمہیں اُن کی زمین کا، اُن کے گھروں کا اور اُن کی دولت کا وارث بنا دیا، اور ایک ایسی زمین کا بھی جس تک ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے۔(۲۲) اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۲۷﴾

---

(۲۱) اس سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا ہوا تھا، لیکن جنگِ اَحزاب کے موقع پر عہد شکنی کر کے حملہ آوروں سے ساز باز کی، اور مسلمانوں کی پشت سے خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنایا۔ اس لئے جنگِ اَحزاب سے فارغ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ان پر حملہ کیا، یہ لوگ اپنے قلعے میں محصور ہو گئے۔ ایک مہینے تک محاصرہ جاری رہا، اور آخر کار یہ اپنے قلعے سے اُتر آئے، اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ انہیں منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اُن کے لڑنے والے مردوں کو قتل کیا جائے، اور عورتوں اور نابالغ بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ چنانچہ اسی فیصلے پر عمل ہوا۔

(۲۲) اس زمین سے مراد خیبر ہے۔ خیبر میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، اور وہیں سے مسلمانوں کے خلاف

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: ''اگر تم دُنیوی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردُوں۔'' ﴿۲۸﴾ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور عالمِ آخرت کی طلبگار ہو، تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے شاندار اِنعام تیار کررکھا ہے۔''(۲۳) ﴿۲۹﴾

سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس موقع پر اس آیت نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی کہ خیبر بھی کچھ عرصے میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر بھی فتح ہوگیا۔

(۲۳) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ؓ یوں تو ہر قسم کے سرد و گرم حالات میں بڑی اِستقامت سے آپ کا ساتھ دیتی آئی تھیں، لیکن جنگِ اَحزاب اور جنگِ بنوقریظہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کو کچھ مالی خوش حالی حاصل ہوئی، تو اُن کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس تنگی ترشی میں وہ اب تک گذارہ کرتی رہی ہیں، اب اُس میں کچھ تبدیلی آنی چاہئے، چنانچہ ایک مرتبہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خیال کا ذِکر بھی کردیا، اور یہ مثال بھی دی کہ قیصر و کسریٰ کی بیگمات بڑی سج دھج کے ساتھ رہتی ہیں، اُن کی خدمت کے لئے کنیزیں موجود ہیں، اب جبکہ مسلمانوں میں خوشحالی آچکی ہے، ہمارے نفقے میں بھی اضافہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ ازواجِ مطہرات ؓ کے دِل میں مالی وسعت کی خواہش پیدا ہونا کوئی گناہ کی بات نہیں تھی، لیکن اوّل تو پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ اُن کے شایانِ شان نہیں سمجھا گیا، دوسرے شاید بادشاہوں کی بیگمات کی مثال دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی کہ وہ اپنے آپ کو ان بیگمات پر قیاس کررہی ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم کی ان آیات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ آپ ازواجِ مطہرات ؓ سے یہ بات اچھی طرح صاف کرلیں کہ اگر پیغمبر کے ساتھ رہنا ہے تو اپنے سوچنے کا یہ انداز بدلنا ہوگا، دوسری عورتوں کی طرح ان کا مطمحِ نظر دُنیا کی سج دھج نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اُس کے نتیجے میں آخرت کی بھلائی ہونی چاہئے۔ اور ساتھ ہی اُن پر یہ

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ
صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ
لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ۚ

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی بے ہودگی کا ارتکاب کرے گی، اُس کا عذاب بڑھا کر دو گنا کر دیا جائے گا، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی تابع دار رہے گی، اور نیک عمل کرے گی، اُسے ہم اُس کا ثواب بھی دو گنا دیں گے، اور اُس کے لئے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۱﴾ اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔(۲۴) لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دِل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔(۲۵) ﴿۳۲﴾

بات بھی واضح کردی گئی کہ اگر وہ دُنیا کی زیب و زینت کو پسند کریں گی تو پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن کو کھلا اِختیار ہے کہ وہ آپ سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں کسی تلخی کے ساتھ نہیں، بلکہ سنت کے مطابق جوڑوں وغیرہ کے تحفے دے کر خوش اُسلوبی سے رُخصت فرمائیں گے۔ چنانچہ اِن آیات کے اَحکام کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ پیشکش فرمائی، اور تمام ازواج نے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے ہی کو پسند کیا، خواہ اُس کے لئے کیسی تنگی ترشی برداشت کرنی پڑے۔

(۲۴) یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مقام عام عورتوں سے بلند ہے، اس لئے اگر وہ تقویٰ اختیار کریں گی تو اُنہیں ثواب بھی دوگنا ملے گا، اور کوئی گناہ کریں گی تو اُس کا عذاب بھی دوگنا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو پیغمبر کے ساتھ جتنا قرب ہو، اُسے اپنے عمل میں اُتنا ہی محتاط ہونا چاہئے۔

(۲۵) اس آیت نے خواتین کو غیر محرم مردوں سے بات کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ اُس میں جان بوجھ کر

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو،(۲۶) اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دِکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دِکھایا جاتا تھا،(۲۷) اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اے نبی کے اہلِ بیت! (گھروالو)(۲۸) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دُور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ ﴿۳۳﴾

نزاکت اور کشش پیدا نہیں کرنی چاہئے، البتہ اپنی بات کسی بداخلاقی کے بغیر پھیکے انداز میں کہہ دینی چاہئے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب عام گفتگو میں بھی خواتین کو یہ ہدایت کی گئی ہے تو غیر مردوں کے سامنے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنا یا گانا کتنا بُرا ہوگا۔

(۲۶) اس آیت نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ عورت کا اصل مقام اُس کا گھر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس کے لئے گھر سے نکلنا جائز نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے واضح فرمادیا ہے کہ حاجت کے وقت عورت پردے کے ساتھ باہر جاسکتی ہے، لیکن اس فقرے نے یہ عظیم اُصول بیان فرمایا ہے کہ عورت کا اصل فریضہ گھر اور خاندان کی تعمیر ہے، اور ایسی سرگرمیاں جو اس مقصد میں خلل انداز ہوں، اُس کے اصل مقصدِ زندگی کے خلاف ہیں، اور ان سے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

(۲۷) پہلی جاہلیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے جس میں عورتیں بے حیائی کے ساتھ بناؤ سنگھار غیر مردوں کو دِکھاتی پھرتی تھیں۔ اور "پہلی جاہلیت" کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جاہلیت آخر میں بھی آنے والی ہے۔ اور کم از کم اس بے حیائی کے معاملے میں یہ جاہلیت ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح آچکی ہے کہ اس نے پہلی جاہلیت کو مات کردیا ہے۔

(۲۸) چونکہ آگے پیچھے سارا ذِکر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا چل رہا ہے، اس لئے وہ تو اہلِ بیت میں براہِ راست داخل ہیں، لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں، اور اُن کی اولاد بھی داخل ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ ع

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۳۴﴾ بیشک فرماں بردار مرد ہوں یا فرماں بردار عورتیں،[۲۹] مؤمن مرد ہوں یا مؤمن عورتیں، عبادت گذار مرد ہوں یا عبادت گذار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دِل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دِل سے جھکنے والی عورتیں،[۳۰] صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذِکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور شاندار اَجر تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۵﴾

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی چادر میں ڈھانپ لیا، اور یہ آیت تلاوت کی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''یا اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔'' (ابن جریر) یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مکمل پاکیزگی سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ انبیائے کرام کی طرح گناہوں سے معصوم ہوجائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے متقی بن جائیں کہ گناہوں کی گندگی اُن سے دُور ہوجائے۔

(۲۹) مسلمانوں کو قرآنِ کریم میں جب بھی کوئی حکم دیا گیا ہے، یا ان کو کوئی خوشخبری دی گئی ہے، تو عام طور سے مذکر ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اگرچہ خواتین بھی اُس میں داخل ہیں، (جیسا کہ دُنیوی قوانین میں بھی صورتِ حال یہی ہے) لیکن بعض صحابیات کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ خاص مؤنث کے صیغے کے ساتھ بھی خواتین کے بارے میں کوئی خوشخبری دیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۰) یہ ''خشوع'' کا ترجمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے وقت دِل عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہو۔ اس کا بیان سورۂ مؤمنون کی دوسری آیت میں گذر چکا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾

اور جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مؤمن عورت کے لئے کہ اُن کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔(۳۱) اور جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ ﴿۳۶﴾

(۳۱) یہ آیتِ کریمہ چند ایسے واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہؓ کے لئے کسی خاتون سے رشتہ دیا، مگر وہ خاتون یا اُن کے رشتہ دار شروع میں اُس رشتے پر راضی نہیں ہوئے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے یہ واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور ان سب میں مشترک بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہؓ کے نکاح کا پیغام دیا تھا، اُن میں کوئی خرابی نہیں تھی، لیکن خاتون یا اُن کے گھر والوں نے صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے شروع میں اُن کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ دُوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غالباً یہ چاہتے تھے کہ لوگ صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے اچھے رشتوں سے انکار کرنے کا رُجحان ختم کریں۔ اگرچہ شریعت نے نکاح میں کفاءت (یعنی میاں بیوی کے ہم پلہ ہونے) کا فی الجملہ اعتبار کیا ہے، لیکن اگر رشتے میں کوئی اور بڑی وجہ ترجیح موجود ہو تو عورت اور اُس کے سرپرستوں کو صرف اس بنا پر رشتے سے انکار نہیں کر دینا چاہئے کہ وہ خاندانی اعتبار سے عورت کے خاندان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان تمام واقعات میں رشتہ منظور کر لیا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز ہی کے مطابق نکاح ہوا۔

ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے، جس کا تعلق آنے والی آیات سے بھی ہے۔ یہ شروع میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، اور اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا، آپ نے اُنہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ (جس کی تفصیل اگلی آیت کے حاشیہ میں آ رہی ہے۔) چنانچہ آپ نے اپنی پھوپی کی صاحبزادی حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے ان کے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ اُونچے خاندان کی خاتون تھیں، اور اُس وقت کسی آزاد کردہ غلام سے شادی کرنا ایسی خاندانی عورت کے لئے معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے شروع میں انکار کیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کے بعد اُنہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا، اور پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے اُن کا نکاح ہو گیا جس کا مہر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اُس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا، اور تم نے بھی احسان کیا تھا،(۳۲) یہ کہہ رہے تھے کہ: ''اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو''(۳۳) اور تم اپنے دِل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا،(۳۴) اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کرلیا تو ہم نے اُس سے تمہارا نکاح کرادیا، تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں اُس وقت کوئی تنگی نہ رہے جب اُنہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کرلیا ہو۔ اور اللہ نے جو حکم دیا تھا، اُس پر عمل تو ہوکر رہنا ہی تھا۔ ﴿۳۷﴾

آیتِ کریمہ اگرچہ ان واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، لیکن اُس کے الفاظ عام ہیں، اور وہ شریعت کا یہ بنیادی اُصول واضح کررہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد کسی بھی مخلوق کو اپنی رائے چلانے کا اِختیار نہیں رہتا۔

(۳۲) اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کا احسان تو یہ تھا کہ اُنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا، اور اِسلام لانے کی توفیق دی، یہاں تک کہ یہ اُن چار خوش نصیب صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر احسان کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنی ننھیال میں گئے تھے، وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے حملہ کرکے اُنہیں غلام بنایا، اور عکاظ کے میلے میں لے جاکر حضرت حکیم بن حزامؓ کے ہاتھ بیچ دیا، اُنہوں نے یہ غلام اپنی پھوپی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ اُس کے بعد جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے اُنہیں آپ کی خدمت میں پیش

کر دیا، جبکہ اُن کی عمر پندرہ سال تھی۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ اُن کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور عرض کی کہ آپ جو معاوضہ چاہیں، ہم سے لے لیں، اور یہ بچہ ہمارے حوالے کر دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں کسی معاوضے کے بغیر ہی اُسے آپ کے حوالے کر دوں گا، البتہ اگر وہ نہ جانا چاہے تو میں زبردستی اُسے نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، اور آپ نے اُنہیں اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں، لیکن حضرت زیدؓ نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اُن کے والد اور چچا بڑے حیران ہوئے کہ اُن کا بیٹا آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر ایک بالکل غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے، لیکن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے اس آقا کا جو طرزِ عمل دیکھا ہے، اُس کے بعد دُنیا کے کسی شخص کو میں ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ (واضح رہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک نبوت عطا نہیں ہوئی تھی) اس پر اُن کے والد اور چچا بھی مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو فوراً آزاد کر دیا، اور حرمِ مکہ میں جا کر قریش کے لوگوں کے سامنے اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اسی بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے۔

(۳۳) حضرت زینبؓ سے حضرت زیدؓ کا نکاح ہو تو گیا تھا، لیکن حضرت زیدؓ کو یہ شکایت رہتی تھی کہ اُن کی اہلیہ کے دِل سے اپنی خاندانی فوقیت کا احساس مٹا نہیں، اور شاید اُسی کی وجہ سے بعض اوقات وہ حضرت زیدؓ کے ساتھ تیز زبانی کا بھی مظاہرہ کرتی ہیں۔ حضرت زیدؓ کی یہ شکایت اتنی بڑھی کہ انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، بلکہ اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کے جو حقوق رکھے ہیں، انہیں ادا کرو۔

(۳۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت زیدؓ کے مشورہ لینے سے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ حضرت زیدؓ کسی وقت حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں گے، اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آپ کو اُن سے نکاح کرنا ہوگا، تاکہ عرب میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو جو معیوب سمجھا جاتا ہے، اُس رسم کا عملی طور پر خاتمہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بڑی آزمائش تھی، اوّل تو حضرت زیدؓ کا یہ نکاح آپ نے بڑے اِصرار سے کرایا تھا، دوسرے اُن کے طلاق دینے کے بعد اُن سے آپ کا نکاح ہونے سے مخالفین کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا کہ انہوں نے اپنی منہ بولی بہو سے نکاح کر لیا۔ لہٰذا جب حضرت زیدؓ

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ع ۵ ۲

نبی کے لئے اُس کام میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہوتی جو اللہ نے اُس کے لئے طے کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی وہ سنت ہے جس پر اُن (انبیاء) کے معاملے میں بھی عمل ہوتا آیا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اور اللہ کا فیصلہ نپا تلا مقدر ہوتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے اَحکام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور حساب لینے کے لئے اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں۔ ﴿۳۹﴾ (مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ (۳۵) اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۴۰﴾

نے آپ سے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آجائے گا، اُس وقت تو سرِ تسلیم خم کرنا ہی ہوگا، لیکن جب تک حتمی حکم نہیں آتا، اُس وقت تک مجھے حضرت زیدؓ کو وہی مشورہ دینا چاہئے جو میاں بیوی کے اختلاف کے موقع پر عام طور سے دیا جاتا ہے کہ طلاق سے حتی الامکان بچو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔ چنانچہ آپ نے یہی مشورہ دیا، اور یہ بات ظاہر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کسی وقت حضرت زیدؓ اپنی اَہلیہ کو طلاق دیں گے، اور پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: ''اور تم اپنے دِل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا''۔ صحیح روایات کی روشنی میں اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے۔ بعض دُشمنانِ اسلام نے کچھ واہی تباہی روایتوں کی بنا پر اس کا جو مطلب نکالا ہے، وہ سراسر غلط ہے، اور جو اِنتہائی کمزور روایتیں اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، وہ قطعی طور پر غیر معقول اور نا قابلِ توجہ ہیں۔

(۳۵) چونکہ حضرت زید بن حارثہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا قرار دیا تھا، اس لئے لوگ اُن کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارتے تھے۔ پچھلی آیتوں میں جب یہ حکم جاری ہوا کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو، ﴿۴۱﴾ اور صبح وشام اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۴۲﴾ وہی ہے جو خود بھی تم پر رحمت بھیجتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور وہ مؤمنوں پر بہت مہربان ہے۔ ﴿۴۳﴾ جس دن مؤمن لوگ اللہ سے ملیں گے اُس دن اُن کا استقبال سلام سے ہوگا، اور اللہ نے اُن کے لئے باعزت اِنعام تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۴۴﴾ اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو، ﴿۴۵﴾ اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے، اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔ ﴿۴۶﴾ تم مؤمنوں کو خوشخبری سنادو کہ اُن پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے، ﴿۴۷﴾ اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو، اور اُن کی طرف سے جو تکلیف پہنچے، اُس کی پروا نہ کرو، اور اللہ پر بھروسہ کئے رہو، اور اللہ رکھوالا بننے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۴۸﴾

قرار نہیں دیا جاسکتا، تو حضرت زیدؓ کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی بھی ممانعت ہوگئی، چنانچہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں ہیں، (کیونکہ آپ کی زندہ رہنے والی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی وجہ سے پوری اُمت کے رُوحانی باپ ہیں، اور چونکہ آخری نبی ہیں، اور قیامت تک کوئی دُوسرا نبی آنے والا نہیں ہے، اس لئے جاہلیت کی رسموں کو اپنے عمل سے ختم کرنے کی ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ
تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۚ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ
سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ
وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ
خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ
عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ
حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٠﴾

اے ایمان والو! جب تم نے مؤمن عورتوں سے نکاح کیا ہو، پھر تم نے اُنہیں چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہو، تو اُن کے ذمے تمہاری کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کی گنتی تمہیں شمار کرنی ہو۔(۳۶) لہٰذا اُنہیں کچھ تحفہ دے دو،(۳۷) اور اُنہیں خوبصورتی سے رُخصت کردو۔ ﴿۴۹﴾

اے نبی! ہم نے تمہارے لئے تمہاری وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کو تم نے اُن کا مہر ادا کردیا ہے،(۳۸) نیز اللہ نے غنیمت کا جو مال تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آچکی ہیں وہ بھی (تمہارے لئے حلال ہیں) اور تمہاری وہ چچا کی بیٹیاں اور پھوپی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے،(۳۹) نیز کوئی مسلمان عورت جس نے مہر کے بغیر نبی کو اپنے آپ (سے نکاح کرنے) کی پیشکش کی ہو،(۴۰) بشرطیکہ نبی اُس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ سارے اَحکام خاص تمہارے لئے ہیں، دُوسرے مؤمنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں وہ اَحکام خوب معلوم ہیں جو ہم نے اُن کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں اُن پر عائد کئے ہیں، (اور تمہیں اُن سے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵۰﴾

---

(۳۶) اگر رُخصتی کے بعد طلاق ہو تو عورت کو عدت گذارنے کا حکم ہے جو سورۂ بقرہ (۲۲۸:۲) میں گذرا ہے کہ

ایسی عورت تین مرتبہ ایامِ ماہواری گذرنے تک عدت میں بیٹھے گی، اور اُس کے بعد نکاح کر سکے گی۔ لیکن اگر رُخصتی نہ ہوئی ہو تو اُس کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسی صورت میں عورت پر عدت گذارنا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ طلاق کے فوراً بعد بھی نکاح کر سکتی ہے۔ آیت میں ''چھونے'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اُس سے مراد رُخصتی ہے، یعنی میاں بیوی کو ایسی تنہائی میسر آجائے کہ اگر وہ ہم بستری کرنا چاہیں تو کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔ اگر ایسی تنہائی میسر آجائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے، چاہے ہم بستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

(۳۷) تحفے سے مراد یہ ہے کہ بیوی کو طلاق کے ذریعے رُخصت کرتے وقت ایک جوڑا دیا جائے، جسے اِصطلاح میں ''متعہ'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ جوڑا مہر کے علاوہ ہے، اور ہر صورت میں مرد کو دینا چاہئے، چاہے رُخصتی سے پہلے طلاق ہو، یا رُخصتی کے بعد۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے آپس میں نباہ ممکن نہ رہا ہو اور طلاق دینی ہی ہو، تو دونوں کے درمیان جدائی بھی لڑائی اور دُشمنی کی فضا کے بجائے خوش اُسلوبی کے ساتھ ہونی چاہئے۔

(۳۸) آیت نمبر ۵۰ اور ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں وہ اَحکام بیان فرمائے ہیں جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہے۔ اس اجازت میں بہت سی حکمتیں تھیں جن کی تفصیل دیکھنی ہو تو ''معارف القرآن'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۹) یہ دوسرا حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، عام مسلمان اس میں شریک نہیں ہیں۔ اور وہ یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی بھی مسلمان عورت سے یا اہلِ کتاب (یعنی عیسائیوں اور یہودیوں) میں سے کسی عورت سے بھی نکاح کر سکتے ہیں، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا گیا کہ آپ کسی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کریں، نیز مسلمان عورتوں میں سے بھی جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہ کی ہو، اُن سے بھی آپ کے لئے نکاح جائز نہیں کیا گیا۔

(۴۰) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیسرا خصوصی حکم ہے۔ یعنی عام مسلمانوں کے لئے کسی عورت سے مہر کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت خود سے یہ پیشکش کرے کہ وہ آپ سے مہر کے بغیر نکاح کرنا چاہتی ہے، اور آپ بھی اُس سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ قرآنِ کریم کی اس آیت نے آپ کے لئے یہ خصوصی اجازت دے دی تھی، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اس اجازت سے کبھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو، ملتوی کردو، اور جس کو چاہو، اپنے پاس رکھو، اور جن کو تم نے الگ کردیا ہو، اُن میں سے اگر کسی کو واپس بلانا چاہو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔(۴۱) اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ اُن سب کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، اور اُنہیں رنج نہیں ہوگا، اور تم اُنہیں جو کچھ دے دوگے، اُس پر وہ سب کی سب راضی رہیں گی۔(۴۲) اور اللہ اُن سب باتوں کو جانتا ہے جو تمہارے دِلوں میں ہیں، اور اللہ علم اور حلم کا مالک ہے۔ ﴿۵۱﴾ اس کے بعد دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال نہیں ہیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بدلے کوئی دوسری بیویاں لے آؤ، چاہے اُن کی خوبی تمہیں پسند آئی ہو،(۴۳)

(۴۱) یہ چوتھا خصوصی حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے۔ یعنی عام مسلمانوں پر یہ بات فرض ہے کہ اگر اُن کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ ہر معاملے میں اُن کے ساتھ برابری کا سلوک کریں، چنانچہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گذاریں، اُتنی ہی راتیں دوسری بیوی کے ساتھ گذارنا فرض ہے۔ لیکن اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باریاں مقرر کرنے کی یہ پابندی اُٹھالی گئی ہے۔ چنانچہ آپ کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ آپ اپنی ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کی باری ملتوی فرماسکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی وہ سہولت ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر فائدہ نہیں اُٹھایا، اور ہمیشہ تمام ازواجِ مطہراتؓ سے مکمل برابری کا معاملہ فرمایا۔

(۴۲) مطلب یہ ہے کہ جب ازواجِ مطہراتؓ پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر برابری کا معاملہ کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں فرمائی، تو آپ کی طرف سے ان کے ساتھ جتنا بھی حسنِ سلوک ہوگا، وہ اُسے اپنے اِستحقاق سے زیادہ سمجھ کر خوش ہوں گی۔

(۴۳) یہ آیت پچھلی دو آیتوں کے کچھ عرصے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ پیچھے آیات نمبر ۲۸ و ۲۹ میں ازواجِ

إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ﴿٥٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۗ

البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں ہوں، (وہ تمہارے لئے حلال ہیں،) اور اللہ ہر چیز کی پوری نگرانی کرنے والا ہے۔ ﴿۵۲﴾

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اِجازت) داخل نہ ہو، اِلا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اُس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ (۴۴)

مطہرات ؓ کو جو اِختیار دیا گیا تھا، اُس کے جواب میں تمام ازواجِ مطہرات ؓ نے دُنیا کی زیب وزینت کے بجائے آخرت کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو ترجیح دی تھی۔ اُس کے اِنعام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور عورت سے نکاح کرنے سے بھی منع فرمادیا، اور موجودہ ازواجِ مطہرات ؓ میں سے کسی کو طلاق دے کر اُن کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنا بھی ممنوع قرار دے دیا۔ (بعض مفسرین نے اس آیت کی کسی اور طرح بھی تفسیر کی ہے، لیکن جو تفسیر اُوپر ذکر کی گئی، وہ حضرت انس ؓ اور حضرت ابنِ عباس ؓ وغیرہ سے منقول ہے، (رُوح المعانی بحوالہ بیہقی وغیرہ) اور زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴۴) ان آیات میں معاشرت کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں، اور یہ آیات اُس وقت نازل ہوئیں جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے نکاح کے موقع پر ولیمے کا اہتمام فرمایا۔ اس وقت کچھ حضرات کھانے کے وقت سے کافی پہلے آبیٹھے جبکہ ابھی کھانا تیار نہیں ہوا تھا، اور کچھ حضرات کھانے کے بعد دیر تک آپ کے مکان مبارک میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، اور ان حضرات کے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ کو ان کے ساتھ مشغول رہنا پڑا جس سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ یہ واقعہ تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔(۴۵) یہ طریقہ تمہارے دِلوں کو بھی اور اُن کے دِلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کے بعد اُن کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔ ﴿۵۳﴾ چاہے تم کوئی بات ظاہر کرو، یا اُسے چھپاؤ، اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾

تھا، اس لئے اس آیت میں آپ کے گھروں کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن ان آیتوں کے اَحکام عام ہیں۔ ادب یہ سکھایا گیا ہے کہ اوّل تو کسی کے گھر میں بلا اِجازت جانا منع ہے۔ دُوسرے اگر کسی نے کھانے کی دعوت کی ہے تو کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے جس سے میزبان کو تکلیف ہو، چنانچہ کھانے کے وقت سے بہت پہلے جا بیٹھنا یا کھانے کے بعد دیر تک اس طرح بیٹھے رہنا جس سے میزبان کی آزادی میں خلل آئے، اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

(۴۵) اسلامی معاشرت کا یہ دُوسرا اہم حکم ہے، اور اس کے ذریعے خواتین کے لئے پردہ واجب کیا گیا ہے۔ یہاں اگرچہ براہِ راست خطاب ازواجِ مطہراتؓ کو ہے، لیکن حکم عام ہے جیسا کہ آگے آیت نمبر ۵۹ میں اس کی صراحت آرہی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

نبی کی بیویوں کے لئے اپنے اپنے باپ (کے سامنے بے پردہ آنے) میں کوئی گناہ نہیں ہے، نہ اپنے بیٹوں کے، نہ اپنے بھائیوں کے، نہ اپنے بھتیجوں کے، نہ اپنے بھانجوں کے، اور نہ اپنی عورتوں کے،(۴۶) اور نہ اپنی کنیزوں کے (سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے۔) اور (اے خواتین!) تم اللہ سے ڈرتی رہو۔ یقین جانو کہ اللہ ہر بات کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ ﴿۵۵﴾

بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر دُرود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُن پر دُرود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔ ﴿۵۶﴾ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے، اور اُن کے لئے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو اُن کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں، اُنہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اُوپر لاد لیا ہے۔ ﴿۵۸﴾

---

(۴۶) جیسا کہ سورۂ نور (۳۱:۲۴) میں گذر چکا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، لہٰذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے، لیکن چونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں ازواجِ مطہراتؓ کے پاس جایا کرتی تھیں، اس لئے اِمام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ "اپنی عورتوں" سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اُن سے پردہ واجب نہیں ہے۔ جن مزید لوگوں سے پردہ واجب نہیں ہے، اُن کی تفصیل سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں گذر چکی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ۛ

مـنزل ۵

اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اُوپر جھکالیا کریں۔[۴۷] اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو اُن کو ستایا نہیں جائے گا۔[۴۸] اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵۹﴾ اگر وہ لوگ باز نہ آئے جو منافق ہیں، جن کے دِلوں میں روگ ہے اور جو شہر میں شرانگیز افواہیں پھیلاتے ہیں، تو ہم ضرور ایسا کریں گے کہ تم اُن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوگے، پھر وہ اس شہر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، البتہ تھوڑے دن ﴿۶۰﴾

(۴۷) اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ پردے کا حکم صرف ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کو اپنے چہروں پر جھکا کر اُنہیں چھپالیا کریں۔ مقصد یہ ہے کہ راستہ دیکھنے کے لئے آنکھوں کو چھوڑ کر چہرے کا باقی حصہ چھپالیا جائے۔ اس کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ جس چادر سے پورا جسم ڈھکا ہوا ہے، اُس کو چہرے پر اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ آنکھوں کے سوا باقی چہرہ نظر نہ آئے، اور یہ صورت بھی ممکن ہے کہ چہرے پر الگ سے نقاب ڈال لیا جائے۔

(۴۸) بعض منافقین عورتوں کو راستے میں چھیڑا کرتے تھے، اس آیت میں پردے کے ساتھ نکلنے کی یہ حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ جب عورتیں پردے کے ساتھ باہر نکلیں گی تو ہر دیکھنے والا یہ سمجھ جائے گا کہ یہ شریف اور پاک دامن عورتیں ہیں، اس لئے منافقین کو انہیں چھیڑنے اور ستانے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف بے پردہ بن ٹھن کر باہر نکلنے والی خواتین اُن کی چھیڑ چھاڑ کا زیادہ نشانہ بن سکتی ہیں۔ علامہ ابوحیانؒ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے (البحر المحیط)۔

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾

جن میں وہ پھٹکارے ہوئے ہوں گے۔ (پھر) جہاں کہیں ملیں گے، پکڑ لئے جائیں گے، اور اُنہیں ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے گا۔(۴۹) ﴿۶۱﴾ یہ اللہ کا وہ معمول ہے جس پر اُن لوگوں کے معاملے میں بھی عمل ہوتا رہا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اور تم اللہ کے معمول میں کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔(۵۰) ﴿۶۲﴾

لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو۔ ﴿۶۳﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے کافروں کو رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اُن کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے، ﴿۶۴﴾ جس میں وہ ہمیشہ اس طرح رہیں گے کہ اُنہیں نہ کوئی حمایتی مل سکے گا، اور نہ کوئی مددگار۔ ﴿۶۵﴾

(۴۹) یہاں منافقین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اس وقت تو اُن کی منافقت چھپی ہوئی ہے، لیکن اگر انہوں نے اپنی نازیبا حرکتیں نہ چھوڑیں جن میں عورتوں کو چھیڑنے اور بے بنیاد افواہیں پھیلانے کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا ہے تو اُن کی منافقت صاف واضح ہو جائے گی، اور اس صورت میں اُن کے ساتھ غیر مسلم دشمنوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کے معمول سے یہاں مراد یہ ہے کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں، اُن کو پہلے خبردار کیا جاتا ہے، پھر بھی اگر وہ باز نہیں آتے تو انہیں سزا دی جاتی ہے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

جس دن اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹا پلٹا جائے گا، وہ کہیں گے کہ: "اے کاش! ہم نے اللہ کی اِطاعت کرلی ہوتی، اور رسول کا کہنا مان لیا ہوتا!" ﴿۶۶﴾ اور کہیں گے کہ: "اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، اور اُنہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔ ﴿۶۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے، اور اُن پر ایسی لعنت کر جو بڑی بھاری لعنت ہو۔" ﴿۶۸﴾

اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تھا، پھر اللہ نے اُن کو اُن باتوں سے بری کردیا جو ان لوگوں نے بنائی تھیں،(۵۱) اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے رُتبے والے تھے۔ ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو، ﴿۷۰﴾ اللہ تمہارے فائدے کے لئے تمہارے کام سنوار دے گا، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے، اُس نے وہ کامیابی حاصل کرلی جو زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۷۱﴾

---

(۵۱) بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر اُنہیں بہت ستایا تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے فرمایا جارہا ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ کریں۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو اُنہوں نے اُس کے اُٹھانے سے انکار کیا، اور اُس سے ڈر گئے، اور اِنسان نے اُس کا بوجھ اُٹھالیا۔ (۵۲) حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔ (۵۳) ﴿۷۲﴾ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، نیز مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷۳﴾

(۵۲) یہاں ''امانت'' کا مطلب ہے: ''اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی اطاعت کی ذمہ داری لینا۔'' اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے تکوینی اَحکام تو وہ ہیں جنہیں ماننے پر تمام مخلوقات مجبور ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کر ہی نہیں سکتیں، مثلاً موت اور زندگی کا فیصلہ، وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف مخلوقات کو یہ پیشکش فرمائی کہ بعض اَحکام کے معاملے میں اُنہیں یہ اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اُس پر عمل کریں، اور اگر چاہیں تو حکم پر عمل نہ کریں۔ پہلی صورت میں اُن کو جنت کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی، اور دُوسری صورت میں اُنہیں دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ جب یہ پیشکش آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو کی گئی تو وہ یہ ذمہ داری اُٹھانے سے ڈر گئے، اور انہوں نے ایسی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں دوزخ کے عذاب کا خطرہ ہو۔ لیکن جب انسان کو یہ پیشکش کی گئی تو اُس نے یہ ذمہ داری اُٹھالی۔ آسمان، زمین اور پہاڑ اگرچہ دیکھنے میں ایسے نظر آتے ہیں جیسے ان میں شعور نہیں ہے، لیکن قرآنِ کریم کی کئی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی نہ کسی درجے میں شعور موجود ہے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۴۴) میں گذرا ہے۔ اس لئے ان مخلوقات کو یہ پیشکش حقیقی معنیٰ میں ہوئی ہو، اور انہوں نے انکار کیا ہو تو اس میں کوئی اِشکال کی بات نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امانت کی پیشکش اور اس سے انکار مجازی معنیٰ میں ہو،

یعنی اس امانت کے اُٹھانے کی صلاحیت نہ ہونے کو انکار سے تعبیر فرمایا گیا ہو۔ اس موقع پر سورۂ اَعراف کی آیت (۷:۱۷۲) اور اس پر ہمارا تشریحی حاشیہ بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۵۳) یہ جملہ اُن لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے جنہوں نے امانت کا یہ بوجھ اُٹھانے کے بعد اُس کا حق ادا نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی، یعنی کافر اور منافق لوگ۔ چنانچہ اگلی آیت میں اُنہی کا انجام بیان ہوا ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۲؍شعبان ۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۶؍اگست ۲۰۰۷ء بروز اتوار سورۂ اَحزاب کا ترجمہ اور تشریحی حواشی پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ سبا

تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اہلِ مکہ اور دُوسرے مشرکین کو اِسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت دینا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے اعتراضات اور شبہات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور اُن کو نافرمانی کے بُرے انجام سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے ایک طرف حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اور دُوسری طرف قومِ سبا کی عظیم الشان حکومتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو ایسی زبردست سلطنت سے نوازا گیا جس کی کوئی نظیر دُنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، لیکن ان برگزیدہ پیغمبروں کو کبھی اس سلطنت پر ذرّہ برابر غرور نہیں ہوا، اور وہ اس سلطنت کو اللہ تعالیٰ کا اِنعام سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے رہے، اور اپنی حکومت کو نیکی کی ترویج اور بندوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کیا، چنانچہ وہ دُنیا میں بھی سرخرو رہے، اور آخرت میں بھی اُونچا مقام پایا۔ دوسری طرف قومِ سبأ کو جو یمن میں آباد تھی، اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی خوشحالی سے نوازا، لیکن اُنہوں نے ناشکری کی رَوِش اختیار کی، اور کفر و شرک کو فروغ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، اور اُن کی خوشحالی ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی۔ ان دونوں واقعات کو ذِکر فرما کر سبق یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اِقتدار حاصل ہو، یا دُنیوی خوشحالی نصیب ہو تو اُس میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھنا تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اس سے مشرکین کے اُن سرداروں کو متنبہ کیا گیا ہے جو اپنے اِقتدار کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر دِینِ حق کے راستے میں روڑے اَٹکا رہے تھے۔

آیاتها ۵۴ ۳۴ سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ ۵۸ ركوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ۙ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تر تعریف اُس اللہ کی ہے جس کی صفت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا ہے، اور آخرت میں بھی تعریف اُسی کی ہے، اور وہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، مکمل طور پر باخبر! ﴿۱﴾ وہ اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتی ہیں، اور اُن کو بھی جو اُس سے باہر نکلتی ہیں، اُن کو بھی جو آسمان سے اُترتی ہیں، اور اُن کو بھی جو اُس میں چڑھتی ہیں، اور وہی ہے جو بڑا مہربان ہے، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "ہم پر قیامت نہیں آئے گی" کہہ دو: "کیوں نہیں آئے گی؟ میرے عالم الغیب پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آکر رہے گی۔ کوئی ذرّہ برابر چیز اُس کی نظر سے دُور نہیں ہوتی،[1] نہ آسمانوں میں، نہ زمین میں، اور نہ اُس سے چھوٹی کوئی چیز ایسی ہے نہ بڑی جو ایک کھلی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں درج نہ ہو۔ ﴿۳﴾

---

(۱) جو کافر لوگ آخرت کی زندگی کا انکار کرتے تھے، اُن کا کہنا یہ تھا کہ انسان کے مٹی میں مل جانے کے بعد اُس کو ازسرِ نو زندگی دینا کیسے ممکن ہے؟ ان آیتوں میں جواب یہ دیا جارہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو انسان پر

لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٥﴾ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾

(اور قیامت اس لئے آئے گی) تا کہ جولوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ اُن کو اِنعام دے۔ ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق۔" ﴿۴﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے بارے میں یہ کوشش کی ہے کہ اُنہیں ناکام بنائیں، اُن کے لئے بلا کا دردناک عذاب ہے۔ ﴿۵﴾ اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، وہ حق ہے، اور اُس (اللہ) کا راستہ دِکھاتا ہے جو اِقتدار کا مالک بھی ہے، ہر تعریف کا مستحق بھی۔ ﴿۶﴾ اور یہ کافر لوگ (ایک دُوسرے سے) کہنے لگے: "کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مرکر) بالکل ریزہ ریزہ ہوچکو گے، اُس وقت تم ایک نئے جنم میں آؤ گے؟ ﴿۷﴾

قیاس کررہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا علم تو اس کائنات کے ہر چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے، اور جو ذات آسمان وزمین جیسی عظیم الشان مخلوقات کو بالکل عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ مردہ جسم کے ذرّات کو دوبارہ اِکٹھا کر کے اُنہیں نئی زندگی عطا کردے؟ اور آیت نمبر ۴ میں آخرت کی زندگی کی عقلی ضرورت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر یہ دُنیا ہی سب کچھ ہے، اور کوئی دُوسری زندگی آنے والی نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں اور نافرمانوں میں کوئی فرق ہی نہیں رکھا۔ آخرت کی زندگی اس لئے ضروری ہے تاکہ اُس میں فرماں برداروں کو اُن کی نیکی کا اِنعام دیا جائے، اور نافرمانوں کو سزا ملے۔

اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴿۹﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَ الطَّیۡرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ﴿ۙ۱۰﴾

ع ۹ / ۷

پتہ نہیں اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، یا اُسے کسی طرح کا جنون لاحق ہے؟'' ــــ نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خود عذاب میں اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔[۲] ﴿۸﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے اُس آسمان وزمین کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے بھی موجود ہیں اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسادیں، یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ہر اُس بندے کے لئے ایک نشانی ہے جو اللہ کی طرف رُجوع کرنے والا ہو۔ ﴿۹﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے داود کو خاص اپنے پاس سے فضل عطا کیا تھا۔ ''اے پہاڑو! تم بھی تسبیح میں ان کے ساتھ ہم آواز بن جاؤ، اور اے پرندو! تم بھی۔''[۳] اور ہم نے اُن کے لئے لوہے کو نرم کردیا تھا، ﴿۱۰﴾

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مذکورہ بات کا جواب ہے۔ اُنہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو اِحتمال ذکر کئے تھے، ایک یہ کہ (معاذ اللہ) آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرادف ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ الٰہی کو دعوت دینے والا کوئی کام نہیں کیا، اس کے برعکس آخرت کے منکرین ضرور عذاب کا کام کررہے ہیں۔ دُوسرا اِحتمال کافروں نے یہ ذکر کیا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کو جنون لاحق ہوگیا ہے، اور جنون کی حالت میں اگرچہ عذاب نہیں ہوتا، لیکن مجنون راستے سے بھٹکا ہوا ضرور ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آپ نہیں، بلکہ منکرینِ آخرت پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

(۳) حضرت داود علیہ السلام خود بھی بہت خوش آواز تھے، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی اُن کے لئے

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ

کہ: ''پوری پوری زرہیں بناؤ، اور کڑیاں جوڑنے میں توازن سے کام لو،(۴) اور تم سب لوگ نیک عمل کرو۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو، میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔'' ﴿۱۱﴾ اور سلیمان کے لئے ہم نے ہوا کو تابع بنادیا تھا۔ اُس کا صبح کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا ہوتا تھا، اور شام کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا۔(۵) اور ہم نے اُن کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا۔(۶)

مسخر کردیا تھا کہ جب وہ ذکر اور تسبیح میں مشغول ہوں تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح اور ذِکر کرنے لگتے تھے، اور ماحول میں ایک پُر کیف سماں بندھ جاتا تھا۔ پہاڑوں اور پرندوں کو ذِکر و تسبیح کی صلاحیت عطا ہونا حضرت داود علیہ السلام کا خاص معجزہ تھا۔

(۴) یہ حضرت داود علیہ السلام کے ایک اور معجزے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو لوہے کی وہ زرہیں بنانے کی خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی جو اُس زمانے میں جنگ کے موقع پر دُشمن کے وار سے بچاؤ کے لئے پہنی جاتی تھیں۔ اس صنعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو یہ خصوصیت عطا فرمادی تھی کہ لوہا اُن کے ہاتھ میں پہنچ کر نرم ہوجاتا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کا بھی خاص ذکر فرمایا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ زرہ کی کڑیوں میں توازن قائم رکھیں۔ اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر کام اور ہر صنعت میں سلیقے اور توازن کا خیال رکھنا پسند ہے۔

(۵) یہ وہ معجزہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اُن کا تابع فرمان بنادیا تھا، وہ ہوا کی تیز رفتاری کو استعمال فرماکر دُور دراز کا سفر مختصر وقت میں طے کرلیتے تھے۔ قرآنِ کریم نے اس معجزے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے تخت کو ہوا پر اُڑنے کی صلاحیت دے دی گئی تھی، چنانچہ جو سفر عام حالات میں ایک مہینے میں طے ہوا کرتا تھا، وہ اس طرح صرف صبح یا صرف شام میں طے ہوجایا کرتا تھا۔

(۶) یہ ایک اور نعمت کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی کہ تانبے کا ایک چشمہ اُن کی دسترس میں تھا، اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے تانبے کو سیال بنادیا تھا جس کی وجہ سے تانبے کی مصنوعات آسانی سے بن جاتی تھیں۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ

اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے،(۷) اور (ہم نے اُن پر یہ بات واضح کردی تھی کہ) اُن میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے ہٹ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا، اُسے ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۱۲﴾ وہ جنات سلیمان کے لئے جو وہ چاہتے بنادیا کرتے تھے: اُونچی اُونچی عمارتیں، تصویریں،(۸) حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور زمین میں جمی ہوئی دیگیں! ''اے داود کے خاندان والو! تم ایسے عمل کیا کرو جن سے شکر ظاہر ہو۔ اور میرے بندوں میں کم لوگ ہیں جو شکر گذار ہوں۔'' ﴿۱۳﴾ پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنات کو اُن کی موت کا پتہ کسی اور نے نہیں، بلکہ زمین کے کیڑے نے دیا جو اُن کے عصا کو کھارہا تھا۔(۹)

(۷) وہ شریر جنات جو کسی کے قابو میں نہیں آتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع بنادیا تھا، چنانچہ وہ اُن کی مختلف خدمات انجام دیتے تھے جن میں سے کچھ کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تو جنات کو اللہ تعالیٰ نے خود تابع بنادیا تھا، لیکن آج کل جو لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تابع بنانے کا دعوی کرتے ہیں، اگر وہ صحیح ہو، اور اُس کے لئے کوئی ناجائز طریقہ بھی اختیار نہ کرنا پڑے تو وہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب اُس کا مقصد شریر جنات کی تکلیف سے بچنا ہو، ورنہ کسی آزاد اور بے ضرر جن کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔

(۸) ظاہر یہ ہے کہ یہ تصویریں بے جان چیزوں کی ہوتی تھیں، جیسے درختوں اور عمارتوں وغیرہ کی، اس لئے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانداروں کی تصویریں بنانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں بھی ناجائز تھا۔

(۹) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر پر جنات کو مقرّر کیا ہوا تھا۔ یہ جنات طبعی طور پر سرکش تھے،

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾

چنانچہ جب وہ گر پڑے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب کا علم جانتے ہوتے تو اس ذِلت والی تکلیف میں مبتلا نہ رہتے۔ ﴿۱۴﴾

حقیقت یہ ہے کہ قومِ سبا کے لئے خود اُس جگہ ایک نشانی موجود تھی جہاں وہ رہا کرتے تھے،(۱۰) دائیں اور بائیں دونوں طرف باغوں کے دو سلسلے تھے!: ''اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اُس کا شکر بجالاؤ۔ ایک تو شہر بہترین، دُوسرے پروردگار بخشنے والا!'' ﴿۱۵﴾

اور صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی نگرانی میں کام کرتے تھے، اور اندیشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس لئے جب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ تدبیر اِختیار کی کہ جنات کی نگاہوں کے سامنے ایک عصا کے سہارے اپنی عبادت گاہ میں کھڑے ہوگئے جو شفاف شیشے کی بنی ہوئی تھی، تاکہ جنات اُنہیں دیکھتے رہیں۔ اسی حالت میں اُن کی وفات ہوگئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے جسم کو عصا کے سہارے کھڑا رکھا، اور جنات یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں، یہاں تک کہ اُنہوں نے تعمیر کا کام مکمل کرلیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس عصا پر دیمک مسلط فرمادی جس نے عصا کو کھانا شروع کیا، عصا کمزور پڑ گیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم گر پڑا۔ اُس وقت جنات کو اِحساس ہوا کہ وہ اپنے آپ کو جو عالم الغیب سمجھتے تھے، وہ کتنی غلط بات تھی، اگر اُنہیں غیب کا پتہ ہوتا تو وہ اتنے دن تک غلط فہمی میں مبتلا رہ کر تعمیر کے کام کی تکلیف نہ اُٹھاتے۔

(۱۰) قومِ سبا یمن میں آباد تھی، اور کسی زمانے میں وہ اپنے تہذیب وتمدن میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے، اُن کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں، ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے دُور تک چلے گئے تھے۔ خوشحالی بھی میسر تھی، اور سیاسی اِستحکام بھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی عیاشیوں میں ایسے مگن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے اَحکام کو بھول بیٹھے اور شرک کو اَپنا مذہب بنالیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کئی پیغمبر بھیجے، حافظ ابنِ کثیرؒ کے بیان کے مطابق ان کے پاس یکے بعد دیگرے تیرہ پیغمبر بھیجے گئے جنہوں نے اس

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾

پھر بھی اُنہوں نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا، اس لئے ہم نے اُن پر بند والا سیلاب چھوڑ دیا، اور اُن کے دونوں طرف کے باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جو بدمزہ پھلوں، جھاؤ کے درختوں اور تھوڑی سی بیریوں پر مشتمل تھے۔ ﴿۱۶﴾ یہ سزا ہم نے اُن کو اس لئے دی کہ اُنہوں نے ناشکری کی رَوِش اختیار کی تھی، اور ایسی سزا ہم کسی اور کو نہیں، بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، (۱۱) ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دُور سے نظر آتی تھیں، اور اُن میں سفر کو نپے تلے مرحلوں میں بانٹ دیا تھا (۱۲) (اور کہا تھا کہ) ''ان (بستیوں) کے درمیان راتیں ہوں یا دِن، امن و امان کے ساتھ سفر کرو'' ﴿۱۸﴾

قوم کو ہر طرح سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر یہ نہ مانے۔ آخر کار ان پر جو عذاب آیا وہ یہ تھا کہ مآرب کے مقام پر ایک بند تھا جس کے پانی سے ان کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بند توڑ دیا، اور اس طرح پوری بستی کو سیلاب نے گھیر لیا، اور سارے باغات تباہ ہو گئے۔

(۱۱) اس سے مراد شام اور فلسطین کے علاقے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں کو ظاہری حسن اور شادابی سے بھی نوازا ہے، اور انبیائے کرام کی سرزمین ہونے کا بھی شرف عطا فرمایا ہے۔

(۱۲) یہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور اِنعام کا ذِکر ہے جو سبا کی قوم پر فرمایا گیا تھا۔ یہ لوگ تجارتی مقاصد کے لئے یمن سے شام کا سفر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سہولت کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ یمن سے لے کر شام تک کے پورے علاقے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بستیاں بسائی تھیں جو سفر کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے نظر آتی رہتی تھیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ سفر کو آسان مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا، اور مسافر جہاں چاہے،

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۲ ۸

اس پر وہ کہنے لگے کہ: ”ہمارے پروردگار! ہمارے سفر کی منزلوں کے درمیان دُور دُور کے فاصلے پیدا کردے“ اور یوں اُنہوں نے اپنی جانوں پر ستم ڈھایا، جس کے نتیجے میں ہم نے اُنہیں افسانہ ہی افسانہ بنادیا، اور اُنہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بالکل تتر بتر کر دیا۔(۱۳) یقیناً اس واقعے میں ہر اُس شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو صبر و شکر کا خوگر ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور واقعی ان لوگوں کے بارے میں اِبلیس نے اپنا خیال دُرست پایا،(۱۴) چنانچہ یہ اُسی کے پیچھے چل پڑے، سوائے اُس گروہ کے جو مؤمن تھا۔ ﴿۲۰﴾ اور اِبلیس کو ان پر کوئی تسلط نہیں تھا، البتہ ہم (نے اُس کو بہکانے کی صلاحیت اس لئے دی تھی کہ) ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون ہے جو آخرت پر ایمان لاتا ہے، اور کون ہے جو اس کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے۔(۱۵) اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگراں ہے۔ ﴿۲۱﴾

کھانے پینے اور سونے کے لئے ٹھہر سکتا تھا۔ اور دُوسرا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح بستیوں کے تسلسل کی وجہ سے نہ چوری ڈاکے کا خطرہ تھا، نہ راستہ بھٹک جانے کا، نہ کھانے پینے کے سامان کے ختم ہوجانے کا۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس نعمت کی قدر پہچان کر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرتے، انہوں نے اُلٹا اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ بستیوں کے اس تسلسل کی وجہ سے ہمیں سفر کی مہم جوئی کا مزہ ہی نہیں آتا، اس لئے یہ بستیاں ختم کر کے منزلوں کا فاصلہ بڑھا دیجئے، تاکہ صحراؤں اور جنگلوں میں سفر کرنے کا لطف آئے۔

(۱۳) سبأ کی قوم جو اس عذاب سے پہلے ایک جگہ آباد تھی، عذاب کے بعد وہ مختلف علاقوں میں تتر بتر ہوگئی۔

(۱۴) یعنی اِبلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو خیال ظاہر کیا تھا کہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد کو بہکاؤں گا، ان سرکش لوگوں کے حق میں وہ واقعی دُرست نکلا کہ انہوں نے اُس کی بات مان لی۔

(۱۵) یعنی شیطان کو ہم نے کوئی ایسی طاقت نہیں دی تھی کہ وہ انسانوں پر زبردستی مسلط ہو کر اُن کو نافرمانی پر مجبور

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۲۳﴾

(اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ''پکارو اُن کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا خدا سمجھا ہوا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرّہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ اُن کو آسمان وزمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے، اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔'' ﴿۲۲﴾ اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش کارآمد نہیں ہے، سوائے اُس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو، یہاں تک کہ جب اُن کے دِلوں سے گھبراہٹ دُور کردی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: ''تمہارے رَبّ نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ: ''حق بات ارشاد فرمائی، اور وہی ہے جو بڑا عالیشان ہے۔''(۱۶) ﴿۲۳﴾

کردے، البتہ اُسے صرف بہکانے کی صلاحیت دی تھی جس سے دِل میں گناہ کی خواہش ضرور پیدا ہوجاتی ہے، مگر کوئی شخص گناہ اور نافرمانی پر مجبور نہیں ہوتا، اور اگر کوئی شخص عقل اور شریعت کے مطالبے پر ڈٹ جائے تو شیطان کچھ بھی نہیں کرسکتا، اور یہ صلاحیت بھی اُس کو اس لئے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعے انسانوں کی آزمائش بھی مقصود تھی، کہ کون ہے جو آخرت کی زندگی کو پیشِ نظر رکھ کر شیطان کی بات رَدّ کردیتا ہے، اور کون اُسے مان لیتا ہے۔

(۱۶) آیت نمبر ۲۲ و ۲۳ میں مشرکین کے مختلف عقیدوں کی تردید کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض مشرکین تو وہ تھے کہ وہ اپنے تراشے ہوئے بتوں ہی کو اپنا خدا مانتے تھے، اور انہی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ براہِ راست ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ اُن کی تردید کے لئے تو آیت ۲۲ میں فرمایا گیا ہے کہ: ''وہ آسمانوں اور زمین میں ذرّہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ اُن کو آسمان وزمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے۔'' اور بعض مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے کاموں میں اُس کے مددگار ہیں۔ اُن

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

کہو کہ: ''کون ہے جو تمہیں آسمانوں سے اور زمین سے رزق دیتا ہے؟'' کہو: ''وہ اللہ ہے! اور ہم ہوں یا تم، یا تو ہدایت پر ہیں، یا کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔'' ﴿۲۴﴾ کہو کہ: ''ہم نے جو جرم کیا ہو، اُس کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا، اور تم جو عمل کرتے ہو، اُس کے بارے میں ہم سے سوال نہیں ہوگا۔'' ﴿۲۵﴾ کہو کہ: ''ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان برحق فیصلہ کرے گا، اور وہی ہے جو خوب فیصلے کرنے والا، مکمل علم کا مالک ہے۔'' ﴿۲۶﴾

کی تردید کے لئے اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔'' اور بعض مشرکین اُن کو خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک یا مددگار تو نہیں مانتے تھے، لیکن یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سفارش کریں گے۔ اُن کی تردید کے لئے آیت ۲۳ میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش کارآمد نہیں ہے، سوائے اُس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو۔'' جس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب اور مقبولیت حاصل ہے جس کی وجہ سے ان کو سفارش کرنے کا اختیار حاصل ہے، حالانکہ ان کو نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی تقرب حاصل ہے، اور نہ ان میں خود سے سفارش کرنے کی صلاحیت ہے، کیونکہ جن کو واقعی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہے، یعنی فرشتے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کرسکتے۔ پھر آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ ان فرشتوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے رُعب سے سہمے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ملتا ہے، یا سفارش کی اجازت ملتی ہے تو وہ رُعب کے مارے گھبراہٹ میں مدہوش جیسے ہوجاتے ہیں، پھر جب اُن کی گھبراہٹ دُور ہوتی ہے تو وہ ایک دُوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ اس کے بعد اُس پر عمل کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو یہ تراشے ہوئے بت جنہیں کسی قسم کا تقرب حاصل نہیں ہے، وہ کیسے اللہ تعالیٰ سے کسی کی سفارش کرسکتے ہیں؟

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ﹰالْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

کہو کہ: ’’ذرا مجھے دِکھاؤ وہ کون ہیں جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ سے جوڑ رکھا ہے۔ ہرگز نہیں! (اُس کا کوئی شریک نہیں ہے) بلکہ وہ اللہ ہے جس کا اِقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔‘‘ ﴿۲۷﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے، اور خبردار بھی کرے، لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اور (تم سے) کہتے ہیں کہ: ’’اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟‘‘ ﴿۲۹﴾ کہہ دو کہ: ’’تمہارے لئے ایک ایسے دن کی میعاد مقرر ہے جس سے تم گھڑی برابر نہ پیچھے ہٹ سکتے ہو، نہ آگے جاسکتے ہو۔‘‘ ﴿۳۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ’’ہم نہ تو اس قرآن پر کبھی ایمان لائیں گے، اور نہ اُن (آسمانی کتابوں) پر جو اس سے پہلے ہوئی ہیں۔‘‘ اور اگر تم اُس وقت کا منظر دیکھو جب یہ ظالم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، تو یہ ایک دُوسرے پر بات ڈال رہے ہوں گے۔ جن لوگوں کو (دُنیا میں) کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ’’اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مؤمن بن جاتے۔‘‘ ﴿۳۱﴾

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٤﴾

جو بڑے بنے ہوئے تھے، اُن سے کہیں گے جنہیں کمزور سمجھا گیا تھا کہ: ''کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔'' ﴿۳۲﴾ اور جنہیں کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ''نہیں، یہ تمہاری رات دن کی مکاری ہی تو تھی (جس نے ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں تاکید کرتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کا معاملہ کریں، اور اُس کے ساتھ (دُوسروں کو) شریک مانیں۔'' اور یہ سب جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو اپنا پچھتاوا چھپا رہے ہوں گے۔ (۱۷) اور جن جن لوگوں نے کفر اِختیار کیا تھا، ہم اُن سب کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ اُن کو کسی اور بات کا نہیں، اُنہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اور جس کسی بستی میں ہم نے کوئی خبردار کرنے والا پیغمبر بھیجا، اُس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ: ''جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔'' ﴿۳۴﴾

---

(۱۷) یعنی ظاہر میں تو ایک دُوسرے کو اِلزام دے رہے ہوں گے، لیکن دِل میں سمجھتے ہوں گے کہ دراصل جرم میں ہم سب شریک ہیں، اس لئے دِل ہی دِل میں پچھتا رہے ہوں گے۔

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور کہا کہ: ''ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے۔'' ﴿۳۵﴾ کہہ دو کہ: ''میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے، رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔''(۱۸) ﴿۳۶﴾ اور نہ تمہارے مال تمہیں اللہ کا قرب عطا کرتے ہیں، اور نہ تمہاری اولاد۔ ہاں مگر جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، تو ایسے لوگوں کو اُن کے عمل کا دوہرا ثواب ملے گا، اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں چین کریں گے۔ ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کو ناکام بنائیں، اُن کو عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ ﴿۳۸﴾ کہہ دو کہ: ''میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، وہ اُس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ ﴿۳۹﴾

(۱۸) اصل بات نہ سمجھنے کی وجہ سے اُنہیں یہ خیال ہوگیا ہے کہ جب دُنیا میں اُنہیں مال و دولت میسر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں، حالانکہ دُنیا میں رزق دینے کا معیار اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ

اور وہ دن نہ بھولو جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ: ''کیا یہ لوگ واقعی تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟'' ﴿۴۰﴾ وہ کہیں گے کہ: ''ہم تو آپ کی ذات کی پاکی بیان کرتے ہیں، ہمارا تعلق آپ سے ہے، ان لوگوں سے نہیں۔ دراصل یہ تو جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (۱۹) ان میں سے اکثر لوگ اُنہی کے معتقد تھے۔'' ﴿۴۱﴾ لہٰذا آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے، نہ نقصان پہنچانے کا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کی رَوِش اختیار کی تھی، اُن سے ہم کہیں گے کہ: ''اُس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' ﴿۴۲﴾ اور جب ہماری آیتیں جو مکمل وضاحت کی حامل ہیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ (ہمارے پیغمبر کے بارے میں) کہتے ہیں کہ: ''کچھ نہیں، یہ شخص بس یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو اُن معبودوں سے برگشتہ کردے جنہیں تمہارے باپ دادے پوجتے آئے ہیں۔'' اور کہتے ہیں کہ: ''یہ (قرآن) کچھ بھی نہیں، ایک من گھڑت جھوٹ ہے۔''

نہیں ہے کہ جو جتنا مقرب ہو، اُسے اُتنا ہی زیادہ رزق دیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت یہاں جس کو چاہتا ہے، رزق زیادہ دیتا ہے، اُس کا اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۹) یہاں جنات سے مراد شیاطین ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ شیاطین سے بہت سے کام نکالا کرتے تھے، اور ان کے کہنے پر عمل کرتے تھے، اُنہوں نے ہی ان کو شرک کا عقیدہ سجھایا تھا، اس لئے حقیقت میں یہ شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ قُلْ إِنَّمَآ أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ أَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾

اور جب ان کافروں کے پاس حق کا پیغام آیا تو انہوں نے اُس کے بارے میں یہ کہا کہ: ''یہ تو ایک کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ﴿۴۳﴾ حالانکہ ہم نے انہیں پہلے نہ ایسی کتابیں دی تھیں جو یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور نہ (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا (نبی) بھیجا تھا۔[20] ﴿۴۴﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا، اور یہ (عرب کے مشرکین) تو اُس ساز وسامان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے ہیں جو ہم نے اُن (پہلے لوگوں) کو دے رکھا تھا، پھر بھی اُنہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو (دیکھ لو کہ) میری دی ہوئی سزا کیسی (سخت) تھی! ﴿۴۵﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ''میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ تم چاہے دو دو مل کر اور چاہے اکیلے اکیلے اللہ کی خاطر اُٹھ کھڑے ہو،[21] پھر (انصاف سے) سوچو (تو فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ) تمہارے اس ساتھی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کوئی بات بھی تو نہیں ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں خبردار کر رہے ہیں۔'' ﴿۴۶﴾

---

(۲۰) یعنی یہ لوگ اس قرآن کو (معاذ اللہ) من گھڑت کہہ رہے ہیں، حالانکہ من گھڑت تو خود ان کا مذہب ہے، کیونکہ ان کے پاس اس سے پہلے نہ کوئی آسمانی کتاب آئی ہے، نہ کوئی پیغمبر، لہٰذا انہوں نے جو کوئی مذہب بنایا ہے، وہ اپنے دِل سے گھڑ کر بنایا ہے۔ نیز ان کو پہلی مرتبہ کتاب اور پیغمبر سے نوازا گیا ہے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس نعمت کی قدر کرتے، لیکن یہ اُلٹے اُس کے مخالف بن گئے ہیں۔

(۲۱) اُٹھ کھڑا ہونا اہتمام اور سنجیدگی سے کنایہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی تک تم لوگوں نے سنجیدگی

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾

کہو: ''میں نے اگر اس بات پر تم سے کوئی اُجرت مانگی ہو تو وہ تمہاری ہے۔ میرا اَجر تو اللہ کے سوا کسی کے ذمے نہیں ہے، اور وہ ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ ﴿۴۷﴾ کہہ دو کہ: ''میرا پروردگار حق کو اُوپر سے بھیج رہا ہے،(۲۲) وہ غیب کی ساری باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔'' ﴿۴۸﴾ کہہ دو کہ: ''حق آچکا ہے، اور باطل میں نہ کچھ شروع کرنے کا دَم ہے، نہ دوبارہ کرنے کا۔'' ﴿۴۹﴾ کہہ دو کہ: ''اگر میں راستے سے بھٹکا ہوں تو میرے بھٹکنے کا نقصان مجھی کو ہوگا، اور اگر میں نے سیدھا راستہ پالیا ہے تو یہ اُس وحی کی بدولت ہے جو میرا رَبّ مجھ پر نازل کررہا ہے۔ وہ یقیناً سب کچھ سننے والا، ہر ایک سے قریب ہے۔'' ﴿۵۰﴾ (اے پیغمبر! تمہیں ان کی حالت عجیب نظر آئے گی) اگر تم وہ منظر دیکھو جب یہ گھبرائے پھرتے ہوں گے، اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اور اُنہیں قریب ہی سے پکڑ لیا جائے گا۔ ﴿۵۱﴾

نہیں کیا، اس لئے یہ بے بنیاد الزام لگا رہے ہو کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنون میں مبتلا ہیں۔ سنجیدگی سے سوچنے کا تقاضا یہ ہے کہ اوّل تو اس مسئلے کی اہمیت محسوس کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے سوچو، اور کبھی اکیلے سوچنے سے فائدہ ہوتا ہے، کبھی اجتماعی طور پر سوچنے سے، اس لئے دونوں صورتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔

(۲۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حق باتیں وحی کے ذریعے اُوپر سے آرہی ہیں، اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُوپر سے حق کو بھیج کر اُسے باطل پر غالب فرمارہا ہے، لہٰذا چاہے تم کتنی مخالفت کرو، باطل رفتہ رفتہ ختم ہوجائے گا، اور حق غالب آکر رہے گا۔

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۲ۚۖ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۳ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝۵۴ۧ

ع ۶ ۹ ۱۲

اور (اُس وقت) یہ کہیں گے کہ: ''ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں''، حالانکہ اتنی دُور جگہ سے اُن کو کوئی چیز کیسے ہاتھ آسکتی ہے؟ (۲۳) ﴿۵۲﴾ جبکہ انہوں نے پہلے اس کا انکار کیا تھا، اور دُور دُور سے اٹکل پچّوں تیر پھینکا کرتے تھے۔ ﴿۵۳﴾ اور اُس وقت یہ جس (ایمان) کی آرزو کریں گے، اُس کے اور ان کے درمیان ایک آڑ کردی جائے گی، جیسا کہ ان جیسے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں، اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ ﴿۵۴﴾

(۲۳) یعنی ایمان لانے کی اصل جگہ دُنیا تھی جو اَب دُور جاچکی، اب یہاں اتنی دُور پہنچنے کے بعد وہ ایمان تمہارے ہاتھ نہیں آسکتا جو دُنیا ہی میں مطلوب تھا، کیونکہ دیکھنا تو یہی تھا کہ دُنیا کی رنگینیوں میں گم ہوکر تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہو، یا بھول جاتے ہو؟ اب جبکہ آخرت کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا تو اَب ایمان لانا کونسے کمال کی بات ہے جس کی بنا پر تمہیں معاف کیا جائے۔

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۱ رشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۴ رستمبر ۲۰۰۷ء بروز پیر لندن میں مغرب سے ذرا پہلے سورۂ سبا کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اس کو بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ فاطر

تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر مشرکین کو توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی جو نشانیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے سے اوّل تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس قادرِ مطلق نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے، اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی شریک یا مددگار کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور دوسرے یہ کہ وہ یہ کائنات کسی مقصد کے بغیر فضول پیدا نہیں کرسکتا، یقیناً اس کا کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ جو لوگ یہاں اُس کے اَحکام کے مطابق نیک زندگی گذاریں، اُنہیں اِنعامات سے نوازا جائے، اور جو نافرمانی کریں، اُن کو سزا دی جائے، جس کے لئے آخرت کی زندگی ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ جو ذات کائنات کے اس عظیم الشان کارخانے کو عدم سے وجود میں لے کر آئی ہے، اُس کے لئے اس کو ختم کر کے نئے سرے سے آخرت کا عالم پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے جسے ناممکن سمجھ کر اُس کا اِنکار کیا جائے۔ اور جب یہ حقیقتیں مان لی جائیں تو اُس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اس دُنیا میں انسان اُس کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے تو ظاہر ہے کہ اپنی مرضی لوگوں کو بتانے کے لئے اُس نے رہنمائی کا کوئی سلسلہ ضرور جاری فرمایا ہوگا، اسی سلسلے کا نام رسالت، نبوت یا پیغمبری ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے کے آخری نمائندے ہیں۔ اس سورت میں آپ کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگر کافر لوگ آپ کی بات نہیں مان رہے ہیں تو اس میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ آپ کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں تک حق کا پیغام واضح طریقے سے پہنچادیں۔ آگے ماننا نہ ماننا اُن کا کام ہے، اور وہی اس کے لئے جواب دہ ہیں۔

سورت کا نام ''فاطر'' بالکل پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ ہیں پیدا کرنے والا۔ اسی سورت کا دُوسرا نام سورۂ ملائکہ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی آیت میں فرشتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔

آیاتها ۴۵ ۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ ۴۳ رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے اُن فرشتوں کو پیغام لے جانے کے لئے مقرر کیا ہے، جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ پیدائش میں جتنا چاہتا ہے اضافہ کردیتا ہے۔[1] بیشک اللہ ہر چیز کی قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۱﴾ جس رحمت کو اللہ لوگوں کے لئے کھول دے، کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے، اور جسے وہ روک لے، تو کوئی نہیں ہے جو اس کے بعد اُسے چھڑا سکے۔ اور وہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۲﴾

(۱) پچھلے جملے کی مناسبت سے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن فرشتوں کے پروں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، اضافہ کردیتا ہے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پروں کی تعداد حدیث میں آئی ہے۔ لیکن الفاظ عام ہیں، اور ہر تخلیق کو شامل ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ جس کی تخلیق میں چاہتا ہے، کسی خاص وصف کا اضافہ فرمادیتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ

ع ۱۲

اے لوگو! یاد کرو ان نعمتوں کو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہیں۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آخر تم کہاں اوندھے چلے جارہے ہو؟ ﴿۳﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں، تو تم سے پہلے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ہے۔ اور تمام معاملات آخرکار اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ﴿۴﴾ اے لوگو! یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہٰذا تمہیں یہ دُنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ اللہ کے معاملے میں تمہیں وہ (شیطان) دھوکے میں ڈالنے پائے جو بڑا دھوکے باز ہے۔ ﴿۵﴾ یقین جانو کہ شیطان تمہارا دُشمن ہے، اس لئے اُس کو دُشمن ہی سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے ماننے والوں کو جو دعوت دیتا ہے، وہ اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ دوزخ کے باسی بن جائیں۔ ﴿۶﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے لئے شدید عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے لئے مغفرت ہے، اور بڑا اجر! ﴿۷﴾ بھلا بتاؤ کہ جس شخص کی نظروں میں اس کی بدعملی ہی خوشنما بنا کر پیش کی گئی ہو، جس کی بنا پر وہ اس بدعملی کو اچھا سمجھتا ہو، (وہ نیک آدمی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟)

فَإِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ إِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ أُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾

کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، راستے سے بھٹکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ٹھیک راستے پر پہنچا دیتا ہے۔[۲] لہٰذا (اے پیغمبر) ایسا نہ ہو کہ ان (کافروں) پر افسوس کے مارے تمہاری جان ہی جاتی رہے۔ یقین رکھو کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۸﴾
اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اُٹھاتی ہیں، پھر ہم اُنہیں ہنکا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں جو (قحط سے) مردہ ہو چکا ہوتا ہے، پھر ہم اُس (بارش) کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بس اسی طرح انسانوں کی دوسری زندگی ہوگی۔ ﴿۹﴾ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو، تو تمام تر عزت اللہ کے قبضے میں ہے۔ پاکیزہ کلمہ اُسی کی طرف چڑھتا ہے، اور نیک عمل اُس کو اُوپر اُٹھاتا ہے۔[۳] اور جو لوگ بُری بُری مکاریاں کر رہے ہیں، ان کو سخت عذاب ہوگا، اور اُن کی مکاری ہی ہے جو ملیامیٹ ہو جائے گی۔ ﴿۱۰﴾

(۲) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، زبردستی گمراہ کر دیتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہٹ دھرمی سے خود گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو گمراہی میں ہی مبتلا رکھ کر اُس کے دِل پر مہر لگا دیتا ہے۔ دیکھئے سورۂ بقرہ (۲:۷)۔

(۳) پاکیزہ کلمے سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان ایمان کا اقرار کرتا ہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖۗ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا۔ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اور کسی عمر رسیدہ کو جتنی عمر دی جاتی ہے، اور اُس کی عمر میں جو کوئی کمی ہوتی ہے، وہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔(۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۱﴾ اور دو دریا برابر نہیں ہوتے۔ ایک ایسا میٹھا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے، جو پینے میں خوشگوار ہے، اور دوسرا کڑوا نمکین۔ اور ہر ایک سے تم (مچھلیوں کا) تازہ گوشت کھاتے ہو، اور وہ زیور نکالتے ہو جو تمہارے پہننے کے کام آتا ہے۔ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ اُس (دریا) میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو،(۵) اور تاکہ شکر گذار بنو۔ ﴿۱۲﴾

کے دوسرے کلمات بھی داخل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اُن کے چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوتے ہیں۔ اور نیک عمل کے اُس کلمے کو اُوپر اُٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کلمے کی پوری مقبولیت نیک عمل کے ذریعے ہوتی ہے۔

(۴) اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔

(۵) جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا قرآنِ کریم کی اِصطلاح ہے جس سے مراد تجارت وغیرہ کے ذریعے روزی کمانا ہے۔ اس اِصطلاح میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو جو روزی ملتی ہے، ظاہری اعتبار سے انسان اُسے اپنی قوتِ بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے، لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اگر یہ فضل شاملِ حال نہ ہو تو کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾

وہ رات کو دِن میں داخل کر دیتا ہے، اور دِن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے۔ (ان میں سے) ہر ایک کسی مقررہ میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ساری بادشاہی اُسی کی ہے۔ اور اُسے چھوڑ کر جن (جھوٹے خداؤں) کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ﴿۱۳﴾ اگر تم اُن کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو تمام باتوں کی مکمل خبر ہے، اُس کی برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا۔ ﴿۱۴﴾ اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا بذاتِ خود مستحق۔(۶) ﴿۱۵﴾ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔ ﴿۱۶﴾ اور یہ کام اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ ﴿۱۷﴾

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ دوسروں کی عبادت اور اُن کے تعریف کرنے سے بالکل بے نیاز ہے، کوئی اُس کی تعریف کرے یا نہ کرے، وہ بذاتِ خود قابلِ تعریف ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَىْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، اور جس کسی پر بڑا بوجھ لدا ہوا ہو، وہ اگر کسی اور کو اُس کے اُٹھانے کی دعوت دے گا تو اُس میں سے کچھ بھی اُٹھایا نہیں جائے گا، چاہے وہ (جسے بوجھ اُٹھانے کی دعوت دی گئی تھی) کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (اے پیغمبر!) تم اُنہی لوگوں کو خبردار کرسکتے ہو جو اپنے پروردگار کو دیکھے بغیر اُس سے ڈرتے ہوں، اور جنہوں نے نماز قائم کی ہو۔ اور جو شخص پاک ہوتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے پاک ہوتا ہے۔ اور آخر کار سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۱۸﴾

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہوسکتے۔ ﴿۱۹﴾ اور نہ اندھیرے اور روشنی ﴿۲۰﴾ اور نہ سایہ اور دُھوپ ﴿۲۱﴾ اور زندہ لوگ اور مردے برابر نہیں ہوسکتے، اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے، بات سنا دیتا ہے، اور تم اُن کو بات نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔(۷) ﴿۲۲﴾

---

(۷) جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی سے حق بات ماننے کے تمام دروازے اپنے اُوپر بند کرلئے ہیں، اُن کو پہلے اندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اُن کے کفر کو اندھیروں سے، اور اس کی سزا میں اُنہیں دوزخ کے جس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اُس کو دُھوپ سے۔ اس کے مقابلے میں حق پرستوں کو دیکھنے والوں سے، اُن کے دِین کو روشنی سے، اور جنت کی جو نعمتیں اُنہیں حاصل ہوں گی، اُن کو سائے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم کرلی ہے، وہ تو مُردوں جیسے ہیں، اور مُردوں کو آپ اپنی مرضی سے کچھ سنا نہیں سکتے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہیں کررہے ہیں تو آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، اور آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی۔

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

ع ۳ ۱۲ ۱۵

تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ ﴿۲۳﴾ ہم نے تمہیں حق بات دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم خوشخبری دو، اور خبردار کرو۔ اور کوئی اُمت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ ﴿۲۴﴾ اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو جو (کافر) ان سے پہلے تھے، اُنہوں نے بھی (رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر، صحیفے لے کر اور روشنی پھیلانے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ ﴿۲۵﴾ پھر جن لوگوں نے انکار کی رَوِش اپنائی تھی، میں نے اُنہیں پکڑ میں لے لیا۔ اب دیکھو کہ میری سزا کیسی (ہولناک) تھی! ﴿۲۶﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے رنگ برنگ کے پھل اُگائے؟ اور پہاڑوں میں بھی ایسے ٹکڑے ہیں جو رنگ برنگ کے سفید اور سرخ ہیں، اور کالے سیاہ بھی۔ ﴿۲۷﴾ اور اِنسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔(۸) یقیناً اللہ صاحبِ اِقتدار بھی ہے، بہت بخشنے والا بھی۔ ﴿۲۸﴾

(۸) کائنات کی ان عجیب وغریب مخلوقات کو دیکھ کر اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی توحید پر اِستدلال کر کے اُنہی کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم اور اُس کی

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾

جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور جنہوں نے نماز کی پابندی کر رکھی ہے، اور ہم نے اُنہیں جو رِزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیک کاموں میں) خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جو کبھی نقصان نہیں اُٹھائے گی۔ ﴿۲۹﴾ تاکہ اللہ اُن کے پورے اجر اُن کو دیدے، اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی ہے، وہ سچی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ ﴿۳۱﴾ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا۔[9] پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور اُنہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ (اللہ کا) بہت بڑا فضل ہے۔ ﴿۳۲﴾

سمجھ ہے۔ اور جو لوگ اس سمجھ سے محروم ہیں، وہ کائنات کے ان عجوبوں کی تہہ تک پہنچنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے وجود، اُس کی توحید اور اُس کی عظمت تک نہیں پہنچتے۔

(۹) اس سے مراد مسلمان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن براہِ راست تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، لیکن پھر اس کا وارث اُن مسلمانوں کو بنایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے چن لیا تھا کہ وہ اللہ کی

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ ۚ

ہمیشہ بسنے کے باغات ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، اور اُن کا لباس وہاں پر ریشم ہوگا۔ ﴿۳۳﴾ اور وہ کہیں گے کہ: ”تمام تر تعریف اللہ کی ہے جس نے ہم سے ہر غم دُور کردیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا قدردان ہے، ﴿۳۴﴾ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ابدی ٹھکانے کے گھر میں لا اُتارا ہے جس میں نہ ہمیں کبھی کوئی کلفت چھو کر گذرے گی، اور نہ کبھی کوئی تھکن پیش آئے گی۔“ ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر کی رَوِش اپنالی ہے، اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ تو اُن کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر ہی جائیں، اور نہ اُن سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ ہر ناشکرے کافر کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾

کتاب پر اِیمان لائیں۔ لیکن ایمان لانے کے بعد اُن کی تین قسمیں ہوگئیں۔ ایک وہ تھے جو ایمان تو لے آئے، لیکن اُس کے تقاضوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا، چنانچہ اپنے بعض فرائض چھوڑ دیئے، اور گناہوں کا بھی اِرتکاب کرلیا۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، کیونکہ ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں جنت میں فوری داخلہ نصیب ہوتا، لیکن انہوں نے گناہ کرکے اپنے آپ کو سزا کا مستحق بنالیا، جس کے نتیجے میں قانون کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے شخص کو پہلے اپنے گناہوں کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ دوسری قسم جس کو درمیانے درجے کا کہا گیا ہے، اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو فرائض وواجبات پر تو عمل کرتے ہیں، اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں، لیکن نفلی عبادتیں اور مستحب کاموں پر عمل نہیں کرتے۔ اور تیسری قسم اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو صرف فرائض وواجبات پر اِکتفا کرنے کے بجائے نفلی عبادتوں اور مستحب کاموں کا بھی پورا اِہتمام کرتے ہیں۔ یہ تینوں قسمیں مسلمانوں ہی کی بیان ہوئی ہیں، اور آخرکار مغفرت کے بعد جنت میں اِن شاء اللہ تینوں قسمیں داخل ہوں گی۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

اور وہ اُس دوزخ میں چیخ پکار مچائیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں باہر نکال دے تاکہ ہم جو کام پہلے کیا کرتے تھے، اُنہیں چھوڑ کر نیک عمل کریں۔'' ـــــــ (ان سے جواب میں کہا جائے گا کہ:) ''بھلا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کسی کو اُس میں سوچنا سمجھنا ہوتا، وہ سمجھ لیتا؟ اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آیا تھا۔(۱۰) اب مزا چکھو، کیونکہ کوئی نہیں ہے جو ایسے ظالموں کا مددگار بنے۔'' ﴿۳۷﴾ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ بیشک وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پچھلے لوگوں کا) جانشین بنایا۔ اب جو شخص کفر کرے گا تو اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا۔ اور کافروں کے لئے اُن کا کفران کے پروردگار کے پاس غضب کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ نہیں کرتا، اور کافروں کو اُن کے کفر سے خسارے کے سوا کسی چیز میں ترقی حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿۳۹﴾

(۱۰) انسان کو اَوسطاً جتنی عمر دی جاتی ہے، وہ اتنی طویل ہے، اور اُس میں انسان اتنے مختلف مراحل سے گذرتا ہے کہ اگر وہ واقعی حق تک پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے والے بھی اسی عمر کے دوران آتے رہتے ہیں۔ خبردار کرنے والے سے مراد انبیائے کرام اور اس اُمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے انسان کو آخرت کے عذاب سے آگاہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی،

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

(اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ''بھلا بتاؤ تم اللہ کو چھوڑ کر اپنے جن من گھڑت شریکوں کو پوجا کرتے ہو، ذرا مجھے دِکھاؤ کہ اُنہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں (کی پیدائش میں) اُن کی کونسی شرکت ہے؟'' یا پھر ہم نے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس کی کسی واضح ہدایت پر یہ لوگ قائم ہیں؟(۱۱) نہیں، بلکہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو خالص دھوکے کی یقین دہانی کرتے آئے ہیں۔ ﴿۴۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹلیں نہیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُنہیں تھام سکے۔ یقیناً اللہ بڑا بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۴۱﴾

اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ اور ہر دور میں علماء بھی یہ فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے خبردار کرنے والے کی تفسیر یہ کی ہے کہ انسانی عمر کے مختلف مرحلوں پر جو چیزیں موت کی یاد دِلاتی ہیں، یہاں خبردار کرنے والے سے وہ مراد ہیں۔ چنانچہ بڑھاپے کے مقدمے کے طور پر جب انسان کے بال سفید ہوتے ہیں تو وہ بھی خبردار کرنے والا ہے، جب کسی کے یہاں اُس کا پوتا پیدا ہوتا ہے تو وہ بھی ڈرانے والا ہے کہ موت کا وقت قریب آرہا ہے، نیز اِنسان کو جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، وہ سب بھی موت کی یاد دِلا کر اِنسان کو خبردار کرتی ہیں کہ وہ آخرت کی بہتری کا کوئی سامان کرلے۔

(۱۱) کسی دعوے کو ثابت کرنے کے دو ہی طریقے ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ انسان عقل کی کسی دلیل سے اُسے ثابت کرے، اور دُوسرا یہ کہ اُس کے پاس کسی واجب التعمیل ذات کی طرف سے کوئی حکم ملا ہو۔ جن لوگوں نے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۙ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ

اور انہوں نے پہلے اللہ کی بڑے زوروں میں قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا (پیغمبر) آیا تو وہ ہر دُوسری اُمت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔[12] مگر جب اُن کے پاس ایک خبردار کرنے والا آگیا تو اُس کے آنے سے ان کی حالت میں اور کوئی ترقی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ یہ (حق کے راستے سے) اور زیادہ بھاگنے لگے، ﴿۴۲﴾ اس لئے کہ انہیں زمین میں اپنی بڑائی کا گھمنڈ تھا، اور انہوں نے (حق کی مخالفت میں) بُری بُری چالیں چلنی شروع کردیں۔ حالانکہ بُری چالیں کسی اور کو نہیں، خود اپنے چلنے والوں ہی کو گھیرے میں لے لیتی ہیں۔[13]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ من گھڑت خدا مان رکھے ہیں، اُن کے پاس نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے، اس لئے کہ وہ کسی طرح ثابت نہیں کرسکتے کہ ان کے گھڑے ہوئے خداؤں نے زمین یا آسمان کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے، یا ان کی تخلیق میں کسی بھی طرح کا کوئی حصہ لیا ہے، اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہدایت دی ہو کہ فلاں فلاں دیوتاؤں کو خدا مان کر اُن کی عبادت کیا کرو۔

(۱۲) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کفارِ قریش نے غالباً یہودیوں اور عیسائیوں سے بحث کرتے ہوئے بڑی جوشیلی قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی پیغمبر آیا تو ہم اور ساری اُمتوں سے زیادہ اُس کی ہدایت پر عمل کریں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ آپ کی بات ماننے سے مکر گئے۔

(۱۳) بدنیتی سے کسی کے خلاف جو ناحق تدبیریں کی جاتی ہیں، اکثر تو دُنیا ہی میں وہ اُلٹی پڑ جاتی ہیں، اور اُن کا نقصان خود تدبیر کرنے والے کو اُٹھانا پڑتا ہے، چنانچہ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو چالیں

فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَكَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعۡجِزَهٗ مِنۡ شَىۡءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا قَدِيۡرًا ﴿۴۴﴾

اب یہ لوگ اُس دستور کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جس پر پچھلے لوگوں کے ساتھ عمل ہوتا آیا ہے؟ (۱۴) (اگر یہ بات ہے) تو تم اللہ کے طے شدہ دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے، اور نہ تم اللہ کے طے شدہ دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔ (۱۵) ﴿۴۳﴾ اور کیا ان لوگوں نے زمین میں کبھی سفر نہیں کیا جس سے وہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں، اُن کا انجام کیسا ہوا، جبکہ وہ طاقت میں ان سے بہت زیادہ مضبوط تھے؟ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں یا زمین کی کوئی چیز اُسے عاجز کر سکے۔ بیشک وہ علم کا بھی مالک ہے، قدرت کا بھی مالک۔ ﴿۴۴﴾

چلی تھیں، وہ آخر کار اُنہی کے خلاف پڑیں، اور اگر کبھی دُنیا میں نقصان اُٹھانا نہ پڑے تو ان بُری تدبیروں کا عذاب آخرت میں تو ہوتا ہی ہے جو دُنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔

(۱۴) یعنی پچھلی اُمتوں میں سے جنہوں نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی، اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ اُن کو عذاب ہوتا ہے، چاہے وہ دُنیا میں ہو، یا آخرت میں۔ کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں؟

(۱۵) دستور میں تبدیلی کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب کے بجائے ثواب دینے لگے، اور دستور کے ٹلنے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے بجائے ایمان والوں کو عذاب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ان میں سے کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اگر اللہ لوگوں کے ہر کرتوت پر اُن کی پکڑ کرنے لگتا تو اس زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ایک معین مدت تک کے لئے ان کو مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا، تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ لے گا۔ ﴿۴۵﴾

الحمدللہ! آج ۱۲؍رمضان المبارک (۱۴۲۸ھ) کی شب میں سورۂ فاطر کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ صرف یہ آخری حصہ کراچی میں لکھا گیا، جبکہ پوری سورت کا کام مختلف سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ يسٓ

تعارف

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی وہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ خود اِنسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان مظاہر سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ذات اتنی قدرت اور حکمت کی مالک ہے، اُس کو اپنی خدائی کا نظام چلانے کے لئے نہ کسی شریک کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی، اس لئے وہ اور صرف وہ عبادت کے لائق ہے، اور دُوسری طرف قدرت کی ان نشانیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس ذات نے یہ کائنات اور اُس کا محیر العقول نظام پیدا فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے مرنے کے بعد اُنہیں دوسری زندگی عطا فرمائے۔ اس طرح قدرت کی ان نشانیوں سے توحید اور آخرت کا عقیدہ واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے ہیں کہ وہ ان نشانیوں پر غور کرکے اپنا عقیدہ اور عمل دُرست کریں۔ اُس کے باوجود اگر کچھ لوگ اس دعوت کو قبول نہیں کررہے ہیں تو وہ اپنا ہی نقصان کررہے ہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے مستحق بن رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں آیات نمبر ۱۳ سے ۲۹ تک ایک ایسی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس نے حق کی دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ حق کے داعیوں کے ساتھ ظلم و بربریت کا معاملہ کیا جس کے نتیجے میں حق کے داعی کا انجام تو بہترین ہوا، لیکن حق کے یہ منکر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی پکڑ میں آگئے۔ چونکہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بڑے فصیح و بلیغ اور جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے اس سورت کو "قرآن کا دِل" قرار دیا ہے۔

آیاتها ۸۳ ۳۶ سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّةٌ ۴۱ رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰسٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تراسی آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یٰسٓ! ﴿۱﴾ حکمت بھرے قرآن کی قسم! ﴿۲﴾ تم یقیناً پیغمبروں میں سے ہو ﴿۳﴾ بالکل سیدھے راستے پر! ﴿۴﴾ یہ قرآن اُس ذات کی طرف سے اُتارا جارہا ہے جس کا اِقتدار بھی کامل ہے، جس کی رحمت بھی کامل، ﴿۵﴾ تاکہ تم اُن لوگوں کو خبردار کرو جن کے باپ دادوں کو پہلے خبردار نہیں کیا گیا تھا،(۱) اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کے بارے میں بات پوری ہوچکی ہے،(۲) اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۷﴾

---

(۱) یعنی مکہ مکرمہ اور اُس کے اَطراف میں مدت سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں تقدیر میں جو بات لکھی تھی کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات پوری ہورہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ تقدیر میں لکھا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کفر پر مجبور ہوگئے ہیں، کیونکہ تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اِیمان لانے کا موقع بھی دے گا، اور اِختیار بھی دے گا، لیکن یہ لوگ اپنے اختیار اور اپنی خوشی سے ضد پر اَڑے رہیں گے، اور اِیمان نہیں لائیں گے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٩﴾ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ﴿١٢﴾

ع ۱۲/۱۸ — وقف غفران

ہم نے اُن کے گلوں میں طوق ڈال رکھے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، اور اس وجہ سے اُن کے سر اُوپر کو اُٹھے رہ گئے ہیں۔[۳] ﴿۸﴾ اور ہم نے ایک آڑ اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے، اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کھڑی کر دی ہے، اور اس طرح اُنہیں ہر طرف سے ڈھانک لیا ہے جس کے نتیجے میں اُنہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ﴿۹﴾ اور ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم انہیں خبر دار کرو، یا خبر دار نہ کرو، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۱۰﴾ تم تو صرف ایسے شخص کو خبر دار کر سکتے ہو جو نصیحت پر چلے، اور خدائے رحمٰن کو دیکھے بغیر اُس سے ڈرے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تم مغفرت اور باعزت اَجر کی خوشخبری سنا دو۔ ﴿۱۱﴾ یقیناً ہم ہی مُردوں کو زندہ کریں گے، اور جو کچھ عمل اُنہوں نے آگے بھیجے ہیں، ہم اُن کو بھی لکھتے جاتے ہیں، اور اُن کے کاموں کے جو اثرات ہیں اُن کو بھی۔[۴] اور ہم نے ایک واضح کتاب میں ہر ہر چیز کا پورا اِحاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿۱۲﴾

(۳) یہ اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان کرنے کے لئے ایک اِستعارہ اور مجازی تعبیر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق کے صاف صاف ظاہر ہونے کے باوجود ان لوگوں نے اس طرح ہٹ دھرمی کی رَوِش اختیار کی ہے کہ اپنے آپ کو حق کے دیکھنے سے محروم کر لیا ہے، جیسے ان کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں، اور ان کے ہر طرف ایسی دیواریں کھڑی ہوں کہ اُن کو کچھ سجھائی نہ دے۔

(۴) یعنی ان لوگوں کی ساری بدعملیاں بھی لکھی جارہی ہیں، اور ان بدعملیوں کے جو بُرے اثرات ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہ جاتے ہیں، وہ بھی لکھے جارہے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور (اے پیغمبر!) تم ان کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال پیش کرو، جب اُن کے پاس رسول آئے تھے۔ (۵) ﴿۱۳﴾ جب ہم نے اُن کے پاس (شروع میں) دو رسول بھیجے، تو اُنہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے ایک تیسرے کے ذریعے اُن کی تائید کی، اور ان سب نے کہا کہ: ''یقین جانو ہمیں تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' ﴿۱۴﴾ اُنہوں نے کہا: ''تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی آدمی ہو۔ اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، اور تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔'' ﴿۱۵﴾

(۵) قرآنِ کریم نے نہ اس بستی کا نام ذِکر فرمایا ہے، اور نہ اُن رسولوں کا جو اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ بستی شام کا مشہور شہر انطاکیہ تھی لیکن نہ تو یہ روایتیں مضبوط ہیں، اور نہ تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ دوسری طرف رسول کا لفظ عربی زبان میں ہر اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی کا پیغام لے کر دوسرے کے پاس جائے، لیکن قرآنِ کریم میں زیادہ تر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرات انبیائے کرام تھے، اور بعض روایتوں میں ان کے نام بھی صادق، صدوق اور شلوم یا شمعون بتائے گئے ہیں، لیکن یہ روایات بھی زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اور بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی اس بستی میں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ اور ''مُرْسَلُوْنَ'' کا لفظ اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ انبیائے کرام تھے۔ شروع میں دو نبی بھیجے گئے تھے، پھر ایک تیسرے پیغمبر بھی بھیجے گئے۔ بہر حال! عبرت کا جو سبق قرآنِ کریم دینا چاہتا ہے، وہ نہ بستی کے تعین پر موقوف ہے، اور نہ پیغام لے جانے والوں کی شناخت پر۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام نہیں بتائے۔ لہٰذا ہمیں بھی اس کی کھوج میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾

اُن (رسولوں) نے کہا: ''ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہمیں واقعی تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔﴿۱۶﴾ اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔''﴿۱۷﴾ بستی والوں نے کہا: ''ہم نے تو تمہارے اندر نحوست محسوس کی ہے۔[۶] یقین جانو اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم پر پتھر برسائیں گے، اور ہمارے ہاتھوں تمہیں بڑی دردناک سزا ملے گی۔''﴿۱۸﴾ رسولوں نے کہا: ''تمہاری نحوست خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔[۷] کیا یہ باتیں اس لئے کر رہے ہو کہ تمہیں نصیحت کی بات پہنچائی گئی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود حد سے گذرے ہوئے لوگ ہو۔''﴿۱۹﴾ اور شہر کے پرلے علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔[۸] اُس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! ان رسولوں کا کہنا مان لو،﴿۲۰﴾

(۶) بعض روایات میں ہے کہ ان حضرات کے بستی میں تشریف لانے اور دینِ حق کی دعوت دینے کے بعد جب بستی کے لوگوں نے نافرمانی پر کمر باندھے رکھی تو اُن پر تنبیہ کے طور پر قحط مسلط کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے ایک تازیانہ سمجھنے کے بجائے اُلٹا اُسے ان حضرات کی نحوست قرار دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان حضرات کی دعوت کے نتیجے میں جو بحث مباحثہ شروع ہوا ہو، اُسی کو انہوں نے نحوست سے تعبیر کیا ہو۔

(۷) یعنی نحوست کا اصل سبب تو تمہارا کفر اور شرک ہے۔

(۸) روایتوں میں ان کا نام حبیب نجار بتایا گیا ہے۔ یہ پیشے کے لحاظ سے بڑھئی تھے، اور ان رسولوں کی دعوت پہلے ہی قبول کر کے ایمان لا چکے تھے، اور شہر کے سرے پر کہیں تنہا رہ کر عبادت میں لگے رہتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کی قوم کے لوگ ان رسولوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہیں تو یہ جلدی سے وہاں پہنچے، اور بڑے مؤثر انداز میں اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

اتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ان لوگوں کا کہنا مان لو جو تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگ رہے، اور وہ صحیح راستے پر ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور بھلا میں اُس ذات کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے؟ اور اُسی کی طرف تم سب کو واپس بھیجا جائے گا۔ ﴿۲۲﴾ بھلا کیا اُسے چھوڑ کر میں ایسوں کو معبود مانوں کہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلے تو اُن کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں؟ ﴿۲۳﴾ اگر میں ایسا کروں گا تو یقیناً میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہوجاؤں گا۔ ﴿۲۴﴾ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لاچکا۔ اب تم بھی میری بات سن لو۔" ﴿۲۵﴾ (آخر کار بستی والوں نے اُس کو قتل کردیا،[۹] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس سے) کہا گیا کہ: "جنت میں داخل ہوجاؤ۔"[۱۰] اُس نے (جنت کی نعمتیں دیکھ کر) کہا کہ: "کاش! میری قوم کو معلوم ہوجائے ﴿۲۶﴾

(۹) بعض روایتوں میں ہے کہ سنگدل قوم نے اُن کی خیرخواہانہ تقریر کے جواب میں اُنہیں لاتیں، گھونسے اور پتھر مار مار کر شہید کردیا۔

(۱۰) جنت میں اصل داخلہ تو حشر ونشر کے بعد ہوگا، البتہ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ عالمِ برزخ میں بھی جنت کی بعض نعمتیں عطا فرمادیتے ہیں۔ یہاں اُن کو ایک طرف خوشخبری دی گئی کہ اُن کا مقام جنت ہے، اور دُوسری طرف جنت کی کچھ نعمتیں عالمِ برزخ ہی میں عطا فرمادی گئیں جنہیں دیکھ کر اُنہوں نے پھر اپنی قوم ہی کی خیرخواہی کی بات فرمائی کہ کاش اُنہیں یہ پتہ چل جائے کہ مجھے کن نعمتوں سے سرفراز فرمایا گیا ہے تو شاید اُن کی بھی آنکھیں کھل جائیں۔

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

وقف غفران — ع ۲

کہ اللہ نے کس طرح میری بخشش کی ہے، اور مجھے باعزّت لوگوں میں شامل کیا ہے!'' ﴿۲۷﴾ اور اُس شخص کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اُتارا، اور نہ ہمیں اُتارنے کی ضرورت تھی۔[11] ﴿۲۸﴾ وہ تو بس ایک ہی چنگھاڑ تھی جس سے وہ ایک دَم بجھ کر رہ گئے۔ ﴿۲۹﴾ افسوس ہے ایسے بندوں کے حال پر! ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اُڑاتے رہے ہوں۔ ﴿۳۰﴾ کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے ہم کتنی قوموں کو اس طرح ہلاک کر چکے ہیں کہ وہ اُن کے پاس لوٹ کر نہیں آتے؟ ﴿۳۱﴾ اور یہ جتنے لوگ ہیں، ان سبھی کو اِکٹھا کر کے ہمارے سامنے حاضر کیا جائے گا۔ ﴿۳۲﴾

اور ان کے لئے ایک نشانی وہ زمین ہے جو مردہ پڑی ہوئی تھی۔ ہم نے اُسے زندگی عطا کی، اور اُس سے غلہ نکالا، جس کی خوراک یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۱) یعنی اس ظالم اور نافرمان قوم کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں فرشتوں کا کوئی لشکر آسمان سے اُتارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک ہی فرشتے نے ایک زوردار آواز نکالی تو اُسی سے ان کے کلیجے پھٹ گئے، اور پوری قوم ہلاک ہو کر ایسی ہوگئی جیسے آگ بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ وَّفَجَّرۡنَا فِیۡهَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاۡکُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتۡهُ اَیۡدِیۡهِمۡ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے اُس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے، اور ایسا انتظام کیا کہ اُس میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے، ﴿۳۴﴾ تاکہ یہ اُس کی پیداوار میں سے کھائیں، حالانکہ اُس کو اِن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔(۱۲) کیا پھر بھی یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ ﴿۳۵﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کیے ہیں، اُس پیداوار کے بھی جو زمین اُگاتی ہے، اور خود اِن انسانوں کے بھی، اور اُن چیزوں کے بھی جنہیں یہ لوگ (ابھی) جانتے تک نہیں ہیں۔(۱۳) ﴿۳۶﴾

---

(۱۲) توجہ اس طرف دِلائی جارہی ہے کہ انسان جب کھیت یا باغ لگاتا ہے تو اُس کی ساری دوڑ دُھوپ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ وہ زمین کو ہموار کرکے اُس میں بیج ڈال دے۔ لیکن اُس بیج کی پرورِش کرکے اُسے زمین کا پیٹ پھاڑ کر کونپل کی شکل میں نکالنا اور پھر اُسے پروان چڑھا کر درخت بنانا اور اُس میں پھل پیدا کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شانِ رُبوبیت ہے جو اس ساری پیداوار کی تخلیق کرتی ہے۔

(۱۳) قرآنِ کریم نے کئی جگہ یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔ انسانوں کے جوڑے تو مرد اور عورت کی شکل میں شروع سے واضح چلے آتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت سائنس کو بہت بعد میں دریافت ہوئی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے صریح الفاظ میں یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ابھی تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ اُن کے بھی جوڑے ہوتے ہیں۔ لہٰذا سائنس کو مختلف چیزوں کے جوڑوں کا جو رفتہ رفتہ ادراک ہورہا ہے، مثلاً بجلی میں مثبت اور منفی کا اور ایٹم میں الیکٹرون اور پروٹون کا، وہ سب قرآنِ کریم کے اس عمومی بیان میں داخل ہوسکتے ہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے۔ ہم اُس پر سے دن کا چھلکا اُتار لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔[۱۴] ﴿۳۷﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے۔ یہ سب اُس ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جس کا اِقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی کامل۔ ﴿۳۸﴾ اور چاند ہے کہ ہم نے اُس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کردی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب (ان منزلوں کے دورے سے) لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (پتلا) ہوکر رہ جاتا ہے۔[۱۵] ﴿۳۹﴾ نہ تو سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے،[۱۶] اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے۔ اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

---

(۱۴) یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ کائنات میں اصل اندھیرا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے دُور کرنے کے لئے سورج کی روشنی پیدا فرمائی ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ اپنی روشنی کا ایک غلاف کائنات کے کچھ حصے پر چڑھا دیتا ہے جس سے روشنی ہوجاتی ہے۔ پھر جب سورج غروب ہوتا ہے تو روشنی کا یہ چھلکا اُتر جاتا ہے، اور اندھیرا واپس آجاتا ہے۔

(۱۵) یعنی پورے مہینے کا دورہ مکمل کرنے کے بعد آخر میں ایک یا دو راتوں میں تو وہ غائب رہتا ہے، پھر جب دوسرا دورہ شروع کرتا ہے تو وہ اتنا پتلا، خم دار اور پیلا ہوجاتا ہے جیسے کھجور کے درخت کی وہ شاخ جو پرانی ہوکر پتلی، خم دار اور پیلی ہوجاتی ہے۔

(۱۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ چاند اور سورج دونوں اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں، سورج کی مجال نہیں ہے کہ وہ چاند کے مدار میں داخل ہوجائے۔ اور دُوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سورج کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رات کے وقت جب چاند اُفق پر موجود ہو، اُس وقت نکل آئے، اور رات کو دِن بنادے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

اوران کے لئے ایک اورنشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کوبھری ہوئی کشتی میں سوار کیا، (۱۷) ﴿۴۱﴾ اور ہم نے ان کے لئے اُسی جیسی اور چیزیں بھی پیدا کیں جن پر یہ سواری کرتے ہیں۔ (۱۸) ﴿۴۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کرڈالیں، جس کے بعد نہ تو کوئی ان کی فریاد کو پہنچے، اور نہ اُن کی جان بچائی جاسکے۔ ﴿۴۳﴾ لیکن یہ سب ہماری طرف سے ایک رحمت ہے، اور ایک معین وقت تک (زندگی کا) مزہ اُٹھانے کا موقع ہے (جوانہیں دیا جارہا ہے)۔ ﴿۴۴﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: ''بچو اُس (عذاب) سے جوتمہارے سامنے ہے، اور جوتمہارے (مرنے کے) بعد آئے گا، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (تو وہ ذرا کان نہیں دھرتے) ﴿۴۵﴾ اور اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ ﴿۴۶﴾

---

(۱۷) اولاد کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اہلِ عرب اپنی جوان اولاد کو تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر بھیجا کرتے تھے۔

(۱۸) کشتی جیسی دوسری سواری کی تشریح عام طور سے مفسرین نے اُونٹوں سے کی ہے، کیونکہ اہلِ عرب اُونٹوں کو صحرا کا جہاز کہا کرتے تھے۔ لیکن قرآنِ کریم کے الفاظ عام ہیں جس میں کشتی کے مشابہ ہر طرح کی سواریاں داخل ہیں، بلکہ عربی قواعد کی رُو سے آیت کا ترجمہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ: ''ہم نے ان کے لئے اُسی جیسی اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر یہ (آئندہ) سواری کریں گے۔'' اس صورت میں وہ تمام سواریاں اس عبارت میں داخل ہوجاتی ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گی، مثلاً آبدوزیں، اور ہوائی جہاز جو اس لحاظ سے کشتی کے مشابہ ہیں کہ کشتی پانی پر تیرتی ہے، اور ہوائی جہاز ہوا پر تیرتا ہے۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً تَاۡخُذُهُمۡ وَهُمۡ يَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ تَوۡصِيَةً وَّلَاۤ اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَاِذَا هُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمۡ يَنۡسِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ؕۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾

ع ۳ ۱۸ ۲ — وقف غفران — وقف لازم

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: ''اللہ نے تمہیں جو رِزق دیا ہے، اُس میں سے (غریبوں پر بھی) خرچ کرو''، تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ: ''کیا ہم اُن لوگوں کو کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ (مسلمانو!) تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔'' ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں کہ: ''یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ (مسلمانو!) بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔'' ﴿۴۸﴾ (دراصل) یہ لوگ بس ایک چنگھاڑ کا انتظار کررہے ہیں جو ان کی حجت بازی کے عین درمیان اُنہیں آپکڑے گی، ﴿۴۹﴾ پھر نہ یہ کوئی وصیت کرسکیں گے، اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے۔ ﴿۵۰﴾ اور صور پھونکا جائے گا تو یکا یک یہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے روانہ ہوجائیں گے۔ ﴿۵۱﴾ کہیں گے کہ: ''ہائے ہماری کم بختی! ہمیں کس نے ہمارے مرقد سے اُٹھا کھڑا کیا ہے؟'' (جواب ملے گا کہ): ''یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچی بات کہی تھی۔'' ﴿۵۲﴾ اور کچھ نہیں، بس ایک زور کی آواز ہوگی، جس کے بعد یہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کردیئے جائیں گے۔ ﴿۵۳﴾

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

وقف غفران

چنانچہ اُس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ اُنہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۵۴﴾ جنت والے لوگ اُس دن یقیناً اپنے مشغلے میں مگن ہوں گے، ﴿۵۵﴾ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں آرام دہ نشستوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۵۶﴾ وہاں اُن کے لئے میوے ہوں گے، اور اُنہیں ہر وہ چیز ملے گی جو وہ منگوائیں گے۔ ﴿۵۷﴾ رحمت والے پروردگار کی طرف سے اُنہیں سلام کہا جائے گا۔ ﴿۵۸﴾

(اور کافروں سے کہا جائے گا کہ:) "اے مجرمو! آج تم (مؤمنوں سے) الگ ہو جاؤ۔ ﴿۵۹﴾ اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کردی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دُشمن ہے، ﴿۶۰﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۶۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کرڈالا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ ﴿۶۲﴾ یہ ہے وہ جہنم جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا! ﴿۶۳﴾ آج اس میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" ﴿۶۴﴾

اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاہِہِمۡ وَ تُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ تَشۡہَدُ اَرۡجُلُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَ لَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤی اَعۡیُنِہِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ وَ لَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰہُمۡ عَلٰی مَکَانَتِہِمۡ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِیًّا وَّ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۷﴾ ع وَ مَنۡ نُّعَمِّرۡہُ نُنَکِّسۡہُ فِی الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۸﴾

آج کے دن ہم اُن کے منہ پر مہر لگادیں گے، اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے تھے۔[۱۹] ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو (یہیں دُنیا میں) اُن کی آنکھیں ملیامیٹ کردیں، پھر یہ راستے (کی تلاش) میں بھاگے پھریں، لیکن اُنہیں کہاں کچھ سجھائی دے گا؟ ﴿۶۶﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اُن کی صورتیں اس طرح مسخ کردیں کہ یہ نہ آگے بڑھ سکیں، اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔ ﴿۶۷﴾ اور ہم جس شخص کو لمبی عمر دیتے ہیں، اُسے تخلیقی اعتبار سے اُلٹ ہی دیتے ہیں۔[۲۰] کیا پھر بھی اُنہیں عقل نہیں آتی؟ ﴿۶۸﴾

(۱۹) جب کافر لوگ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک یا دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا تھا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کو بولنے کی صلاحیت عطا فرمادے گا، اور وہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے فلاں فلاں جرائم کئے تھے۔ یہ تفصیل قرآنِ کریم نے سورۂ نور (۲۴:۲۴) اور سورۂ حم السجدۃ (۴۱:۲۰) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

(۲۰) جب انسان بہت بوڑھا ہوجاتا ہے تو اُس کے قویٰ جواب دے جاتے ہیں، اُس کے دیکھنے، سننے، بولنے اور سمجھنے کی طاقت ختم ہوجاتی ہے، یا کمزور پڑجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ انسانوں کو پیش آنے والے ان تغیرات کو دیکھتے ہیں، اُس سے انہیں یہ سبق لینا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ انسانوں کے جسم میں یہ تغیرات پیدا کرسکتا ہے تو وہ اُن کی نافرمانیوں کی بنا پر ان کی بینائی بالکل ختم بھی کرسکتا ہے، اور ان کی صورتیں بھی بالکلیہ مسخ کرسکتا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔ (۲۱) یہ تو بس ایک نصیحت کی بات ہے، اور ایسا قرآن جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، ﴿۶۹﴾ تاکہ ہر اُس شخص کو خبردار کرے جو زندہ ہو، (۲۲) اور تاکہ کفر کرنے والوں پر حجت پوری ہو جائے۔ ﴿۷۰﴾ اور کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے اُن کے لئے مویشی پیدا کئے، اور یہ اُن کے مالک بنے ہوئے ہیں؟ ﴿۷۱﴾ اور ہم نے ان مویشیوں کو اُن کے قابو میں دے دیا ہے، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ان کی سواری بنے ہوئے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جنہیں یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۷۲﴾ نیز ان کو ان مویشیوں سے اور بھی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اور پینے کی چیزیں ملتی ہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر نہیں بجالائیں گے؟ ﴿۷۳﴾ اور انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اس اُمید پر دُوسرے خدا بنا رکھے ہیں کہ انہیں (ان سے) مدد ملے، ﴿۷۴﴾

---

(۲۱) بعض مشرکین کہا کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں، اور قرآنِ کریم آپ کی شاعری کی کتاب ہے۔ یہ آیت اس کی تردید کر رہی ہے۔

(۲۲) یعنی جس کا دِل زندہ ہو، اور وہ حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہو۔ ایسے شخص کو زندہ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص حق کا طلب گار نہ ہو، اور غفلت میں زندگی گذار رہا ہو، وہ زندہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

وقف لازم

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۙ ﴿٧٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

(حالانکہ) ان میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ ان کی مدد کرسکیں، بلکہ وہ ان کے لئے ایک ایسا (مخالف) لشکر بنیں گے جسے (قیامت میں ان کے سامنے) حاضر کرلیا جائے گا۔(۲۳) ﴿۷۵﴾ غرض (اے پیغمبر!) ان کی باتیں تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ یقین جانو ہمیں سب معلوم ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے، اور کیا کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ ﴿۷۶﴾ اور کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا تھا؟ پھر اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا۔ ﴿۷۷﴾ ہمارے بارے میں تو وہ باتیں بناتا ہے، اور خود اپنی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے۔ کہتا ہے کہ: ''ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جبکہ وہ گل چکی ہوں گی؟'' ﴿۷۸﴾ کہہ دو کہ: ''ان کو وہی زندگی دے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے، ﴿۷۹﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ پیدا کردی ہے،(۲۴) پھر تم ذرا سی دیر میں اُس سے سلگانے کا کام لے لیتے ہو۔'' ﴿۸۰﴾

---

(۲۳) یعنی جن من گھڑت خداؤں سے یہ مدد کی اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں، وہ ان کی مدد تو کیا کرتے؟ قیامت کے دن ان کا پورا لشکر ان کے خلاف گواہی دے گا، جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ سبا (۳۴: ۴۰) اور سورۂ قصص (۲۸: ۶۳) میں بتلایا ہے۔

(۲۴) عرب میں دو درخت ہوتے تھے، ایک مرخ اور دُوسرا عفار۔ اہلِ عرب ان سے چقماق کا کام لیتے تھے، اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے آگ پیدا ہوجاتی تھی۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس ذات نے ایک سرسبز درخت سے آگ پیدا کردی ہے، اُس کے لئے دوسرے جمادات میں زندگی پیدا کردینا کیا مشکل ہے؟

اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰی ٭ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِهٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر سکے؟ ــــــ کیوں نہیں؟ جبکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے! ﴿۸۱﴾ اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ: ''ہوجا'' بس وہ ہوجاتی ہے۔ ﴿۸۲﴾ غرض پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے، اور اُسی کی طرف تم سب کو آخرکار لے جایا جائے گا۔ ﴿۸۳﴾

الحمدللہ! آج رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کی اِکیسویں شب میں (۳/۱ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو) تین بجے سورۂ یٰسٓ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الصَّٰفَّٰتِ

تعارف

مکی سورتوں میں زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے اِثبات پر زور دیا گیا ہے، اس سورت کا مرکزی موضوع بھی یہی ہے، البتہ اس سورت میں خاص طور پر مشرکینِ عرب کے اس غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے جس کی رُو سے وہ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورت کا آغاز فرشتوں کے اوصاف سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت میں آخرت میں پیش آنے والے حالات کی منظر کشی فرمائی گئی ہے۔ کفار کو کفر کے ہولناک انجام سے ڈرایا گیا ہے، اور اُنہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اُن کی تمام تر مخالفت کے باوجود اس دُنیا میں بھی اسلام ہی غالب آکر رہے گا۔ اسی مناسبت سے حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت الیاس اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات مختصراً اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا، اور انہوں نے قربانی کے جس عظیم جذبے سے اُس کی تعمیل فرمائی، اُس کا واقعہ بڑے مؤثر اور مفصل انداز میں اسی سورت کے اندر بیان ہوا ہے۔ سورت کا نام اُس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

ایاتها ۱۸۲ ۳۷ سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۵۶ رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم اُن کی(۱) جو پَرے باندھ کر صف بناتے ہیں،(۲) ﴿۱﴾ پھر اُن کی جو روک ٹوک کرتے ہیں،(۳) ﴿۲﴾ پھر اُن کی جو ذِکر کی تلاوت کرتے ہیں،(۴) ﴿۳﴾ تمہارا معبود ایک ہی ہے، ﴿۴﴾ جو تمام آسمانوں اور زمین کا اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے، اور اُن تمام مقامات کا مالک جہاں سے ستارے طلوع ہوتے ہیں۔ ﴿۵﴾

(۱) اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کی تصدیق کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی جو قسمیں کھائی ہیں، وہ اوّل تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا ایک اُسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تأثیر پیدا ہوتی ہے، دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ اُس دعوے کی دلیل ہوتی ہیں جو ان قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے۔ اور ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائیں۔

(۲) اکثر مفسرین کے مطابق اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت یا اللہ تعالیٰ کا حکم سننے کے لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، لیکن الفاظ میں فرشتوں کا نام نہیں لیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ ہدایت دینی مقصود ہے کہ کسی اجتماعی کام کے وقت لوگوں کا ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، بلکہ ایسے موقع پر صف اور قطار بنا کر نظم وضبط کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی لئے نماز میں بھی صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور جہاد کے وقت بھی صف بنانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) یعنی وہ فرشتے شیطانوں کو عالمِ بالا میں داخل ہونے اور شرارت کرنے سے روکتے ہیں۔

(۴) اس سے مراد قرآنِ کریم کی تلاوت بھی ہوسکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغولیت بھی۔ بہرحال! یہ

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿٨﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿٩﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۠﴿١٢﴾

بیشک ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے، ﴿۶﴾ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ ﴿۷﴾ وہ اُوپر کے جہان کی باتیں نہیں سن سکتے، اور ہر طرف سے اُن پر مار پڑتی ہے، ﴿۸﴾ اُنہیں دھکے دیئے جاتے ہیں، اور اُن کو (آخرت میں) دائمی عذاب ہوگا۔ ﴿۹﴾ البتہ جو کوئی کچھ اُچک لے جائے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔(۵) ﴿۱۰﴾ اب ذرا ان (کافروں) سے پوچھو کہ ان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری مخلوقات کی؟(۶) ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۱۱﴾ (اے پیغمبر!) حقیقت تو یہ ہے کہ تم (ان کی باتوں پر) تعجب کرتے ہو، اور یہ ہنسی اُڑاتے ہیں، ﴿۱۲﴾

تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں، اور ان میں بندگی کی تمام صورتیں جمع ہیں، یعنی صف باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، طاغوتی طاقتوں پر روک ٹوک رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور ذکر میں مشغول رہنا۔ ان کی قسم کھا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اُس کا نہ کوئی شریک ہے، اور نہ اُسے اولاد کی حاجت ہے۔ فرشتوں کے ان اوصاف کی قسم کھا کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر فرشتوں کے ان حالات پر غور کرو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں، بلکہ عابد اور معبود کا ہے۔

(۵) اس حقیقت کی پوری تفصیل سورۂ حجر (۱۵: ۶او ۱۷) کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) یعنی آسمان، زمین اور چاند ستاروں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے زیادہ مشکل ہے، جب اللہ تعالیٰ ان مشکل مخلوقات کو عدم سے وجود میں لے آئے، تو گارے سے بنے ہوئے انسان کو ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ پیدا کر دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝۱۴ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۱۶ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۱۷ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ۝۱۸ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۱۹ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۲۰ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۱ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۲۲ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝۲۳ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝۲۴ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶

اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت مانتے نہیں، ﴿۱۳﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑاتے ہیں، ﴿۱۴﴾ اور کہتے ہیں کہ: ''یہ ایک کھلے جادو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، ﴿۱۵﴾ بھلا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیوں کی صورت اختیار کرلیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ﴿۱۶﴾ اور بھلا کیا ہمارے پچھلے باپ دادوں کو بھی؟'' ﴿۱۷﴾ کہہ دو کہ: ''ہاں! اور تم ذلیل بھی ہوگے۔'' ﴿۱۸﴾ بس وہ تو ایک ہی زوردار آواز ہوگی، جس کے بعد وہ اچانک (سارے ہولناک مناظر) دیکھنے لگیں گے، ﴿۱۹﴾ اور کہیں گے کہ: ''ہائے ہماری شامت! یہ تو حساب و کتاب کا دِن ہے۔'' ﴿۲۰﴾ (جی ہاں!) یہی وہ فیصلے کا دِن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿۲۱﴾ (فرشتوں سے کہا جائے گا کہ:) ''گھیر لاؤ اُن سب کو جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور اُن کے ساتھیوں کو بھی، اور اُن کو بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے، پھر انہیں دوزخ کا راستہ دِکھاؤ، ﴿۲۲و۲۳﴾ اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔'' ﴿۲۴﴾ ''کیوں جی؟ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کررہے؟'' ﴿۲۵﴾ اس کے بجائے یہ تو آج سر جھکائے کھڑے ہیں۔ ﴿۲۶﴾

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ مَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَاۤ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ یَوْمَىِٕذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے آپس میں سوال جواب کریں گے۔ ﴿۲۷﴾ (ماتحت لوگ اپنے بڑوں سے) کہیں گے کہ: ''تم تھے جو ہم پر بڑے زوروں سے چڑھ چڑھ کر آتے تھے''(۷) ﴿۲۸﴾ وہ کہیں گے کہ: ''نہیں، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔ ﴿۲۹﴾ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا، اصل بات یہ ہے کہ تم خود سرکش لوگ تھے۔ ﴿۳۰﴾ اب تو ہمارے پروردگار کی یہ بات ہم پر ثابت ہوگئی ہے کہ ہم سب کو یہ مزہ چکھنا ہے، ﴿۳۱﴾ کیونکہ ہم نے تمہیں بہکایا۔(۸) ہم خود بہکے ہوئے تھے۔'' ﴿۳۲﴾ غرض اُس دن یہ سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں گے۔ ﴿۳۳﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے یہ کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اکڑ دِکھاتے تھے۔ ﴿۳۵﴾ اور کہا کرتے تھے کہ: ''کیا ہم ایسے ہیں کہ ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں؟'' ﴿۳۶﴾

---

(۷) یعنی ہم پر زور ڈالتے تھے کہ ہم ایمان نہ لائیں۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ ہم چونکہ خود بہکے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے تمہیں بہکایا ضرور، لیکن ہمارے بہکانے سے تم کفر پر مجبور نہیں ہوگئے تھے، اگر تم ہمارے بہکائے میں نہ آتے تو ہمارا تم پر کوئی زور نہ چلتا۔

بَلۡ جَآءَ بِالۡحَقِّ وَ صَدَّقَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّکُمۡ لَذَآئِقُوا الۡعَذَابِ الۡاَلِیۡمِ ﴿۳۸﴾ وَ مَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ رِزۡقٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاکِہُ ۚ وَ ہُمۡ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۴۴﴾ یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِکَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ﴿۴۵﴾ بَیۡضَآءَ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِیۡہَا غَوۡلٌ وَّ لَا ہُمۡ عَنۡہَا یُنۡزَفُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ عِنۡدَہُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِیۡنٌ ﴿۴۸﴾ کَاَنَّہُنَّ بَیۡضٌ مَّکۡنُوۡنٌ ﴿۴۹﴾

حالانکہ وہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) حق لے کر آئے تھے، اور اُنہوں نے دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی تھی! ﴿۳۷﴾ چنانچہ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) "تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا، ﴿۳۸﴾ اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔" ﴿۳۹﴾ البتہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، ﴿۴۰﴾ اُن کے لئے طے شدہ رزق ہے، ﴿۴۱﴾ میوے ہیں، اور نعمت بھرے باغات میں اُن کی پوری پوری عزت ہوگی، ﴿۴۲ و ۴۳﴾ وہ اُونچی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۴۴﴾ ایسی لطیف شراب کے جام اُن کے لئے گردش میں آئیں گے، ﴿۴۵﴾ جو سفید رنگ کی ہوگی، پینے والوں کے لئے سراپا لذت! ﴿۴۶﴾ نہ اُس سے سر میں خمار ہوگا، اور نہ اُن کی عقل بہکے گی۔ ﴿۴۷﴾ اور اُن کے پاس وہ بڑی بڑی آنکھوں والی خواتین ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی،(۹) ﴿۴۸﴾ (اُن کا بے داغ وجود) ایسا لگے گا جیسے وہ (گرد و غبار سے) چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہوں۔ ﴿۴۹﴾

---

(۹) یہ حوریں ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔ اور اس آیت کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہوں میں اتنی حسین ہوں گی کہ وہ اُن کو دوسری عورتوں کی طرف مائل نہیں ہونے دیں گی۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾

پھر جنتی لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں سوالات کریں گے۔ ﴿۵۰﴾ اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا، ﴿۵۱﴾ جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ: ''کیا تم واقعی اُن لوگوں میں سے ہو جو (آخرت کی زندگی کو) سچ مانتے ہیں؟ ﴿۵۲﴾ کیا جب ہم مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہمیں (اپنے کاموں کا) بدلہ دیا جائے گا؟'' ﴿۵۳﴾ وہ جنتی (دوسرے جنتیوں سے) کہے گا کہ: ''کیا تم (میرے اُس ساتھی) کو جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟'' ﴿۵۴﴾ پھر وہ خود (دوزخ میں) جھانک کر دیکھے گا تو وہ اُسے دوزخ کے بیچوں بیچ نظر آجائے گا۔ ﴿۵۵﴾ وہ جنتی (اُس سے) کہے گا کہ: ''اللہ کی قسم! تم تو مجھے بالکل ہی برباد کرنے لگے تھے، ﴿۵۶﴾ اور اگر میرے پروردگار کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو اور لوگوں کے ساتھ مجھے بھی دھر لیا جاتا۔'' ﴿۵۷﴾ (پھر وہ خوشی کے عالم میں اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا:) ''اچھا تو کیا اب ہمیں موت نہیں آئے گی؟ ﴿۵۸﴾ سوائے اُس موت کے جو ہمیں پہلے آچکی؟ اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا؟'' ﴿۵۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ زبردست کامیابی یہی ہے، ﴿۶۰﴾ اسی جیسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ ﴿۶۱﴾ بھلا یہ مہمانی اچھی ہے، یا زقوم کا درخت؟ ﴿۶۲﴾

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

ہم نے اُس درخت کو ان ظالموں کے لئے ایک آزمائش بنادیا ہے۔[10] ﴿۶۳﴾ دراصل وہ درخت ہی ایسا ہے جو دوزخ کی تہہ سے نکلتا ہے، ﴿۶۴﴾ اُس کا خوشہ ایسا ہے جیسے شیطانوں کے سر،[11] ﴿۶۵﴾ چنانچہ دوزخی لوگ اُسی میں سے خوراک حاصل کریں گے، اور اُسی سے پیٹ بھریں گے۔ ﴿۶۶﴾ پھر انہیں اُس کے اُوپر سے کھولتے ہوئے پانی کا آمیزہ ملے گا،[12] ﴿۶۷﴾ پھر وہ لوٹیں گے تو اُسی دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔[13] ﴿۶۸﴾ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا، ﴿۶۹﴾ چنانچہ یہ اُنہی کے نقشِ قدم پر لپک لپک کر دوڑتے رہے۔[14] ﴿۷۰﴾

---

(۱۰) جب قرآنِ کریم نے یہ بتایا کہ دوزخ میں زقوم کا درخت ہوگا جو دوزخیوں کی خوراک بنے گا، تو کافروں نے مذاق اُڑایا کہ بھلا آگ میں کوئی درخت کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ زقوم کا ذِکر کرکے ان کافروں کو ایک اور آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں، یا اُس کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۱) اس کا ایک ترجمہ سانپوں کے سر سے بھی کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اُردو میں جس درخت کو ناگ پھنی کا درخت کہا جاتا ہے، وہی زقوم ہے۔

(۱۲) یعنی کھولتے ہوئے پانی میں زقوم کا بدمزہ ذائقہ اور پیپ وغیرہ ملی ہوگی۔

(۱۳) یعنی یہ عذاب بھگتنے کے بعد بھی وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے، بلکہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

(۱۴) لپکنے کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنی مرضی اور اِشتیاق سے وہی راستہ اختیار کیا، اور نہ خود اپنی عقل سے سوچا اور نہ پیغمبروں کی بات مانی۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

اور ان سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں، اُن میں سے اکثر لوگ بھی گمراہ ہوئے، ﴿۷۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان خبردار کرنے والے (پیغمبر) بھیجے تھے، ﴿۷۲﴾ اب دیکھ لو کہ جن کو خبردار کیا گیا تھا، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۷۳﴾ البتہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، (وہ محفوظ رہے) ﴿۷۴﴾

اور نوح نے ہمیں پکارا تھا، تو (دیکھ لو کہ) ہم پکار کا کتنا اچھا جواب دینے والے ہیں! ﴿۷۵﴾ اور ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی، ﴿۷۶﴾ اور ہم نے اُن کی نسل ہی کو باقی رکھا، ﴿۷۷﴾ اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ﴿۷۸﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) ''سلام ہو نوح پر دُنیا جہان کے لوگوں میں!'' ﴿۷۹﴾ ہم نیک عمل کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں ﴿۸۰﴾ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو پانی میں غرق کر دیا۔[15] ﴿۸۲﴾ اور اُنہی کے طریقے پر چلنے والوں میں یقیناً ابراہیم بھی تھے، ﴿۸۳﴾ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف ستھرا دِل لے کر آئے، ﴿۸۴﴾

(۱۵) حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا پورا واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۳۶) میں گذر چکا ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

جب اُنہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ: ’’تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿۸۵﴾ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے خدا چاہتے ہو؟ ﴿۸۶﴾ تو پھر جو ذات سارے جہانوں کو پالنے والی ہے، اُس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟‘‘ ﴿۸۷﴾ اس کے (کچھ عرصے) بعد اُنہوں نے ستاروں کی طرف ایک نگاہ ڈال کر دیکھا، ﴿۸۸﴾ اور کہا کہ: ’’میری طبیعت خراب ہے۔‘‘ (۱۶) ﴿۸۹﴾ چنانچہ وہ لوگ پیٹھ موڑ کر اُن کے پاس سے چلے گئے۔ ﴿۹۰﴾ اس کے بعد یہ اُن کے بنائے ہوئے معبودوں (یعنی بتوں) میں جا گھسے، (اور اُن سے) کہا: ’’کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ ﴿۹۱﴾ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم بولتے نہیں؟‘‘ ﴿۹۲﴾ پھر وہ پوری قوت سے مارتے ہوئے اُن (بتوں) پر پل پڑے، ﴿۹۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے، ﴿۹۴﴾ ابراہیم نے کہا: ’’کیا تم ان (بتوں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو؟ ﴿۹۵﴾ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور جو کچھ تم بناتے ہو، اُس کو بھی۔‘‘ ﴿۹۶﴾ اُن لوگوں نے کہا: ’’ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ، اور اُسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔‘‘ ﴿۹۷﴾

---

(۱۶) اُن کی قوم کے لوگ اُنہیں اپنے ایک میلے میں لے جانا چاہتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تو میلے میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے، دوسرے اُن کے دِل میں یہ ارادہ تھا کہ جب یہ سارے لوگ میلے میں چلے

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اس طرح اُنہوں نے ابراہیم کے خلاف ایک بُرا منصوبہ بنانا چاہا، لیکن ہم نے اُنہیں نیچا دِکھا دیا۔ [۱۷] ﴿۹۸﴾ اور ابراہیم نے کہا: ''میں اپنے ربّ کے پاس جارہا ہوں، وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ [۱۸] ﴿۹۹﴾ میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دیدے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔'' ﴿۱۰۰﴾ چنانچہ ہم نے اُنہیں ایک بُردبار لڑکے کی خوشخبری دی۔ [۱۹] ﴿۱۰۱﴾ پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو اُنہوں نے کہا: ''بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کررہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟'' بیٹے نے کہا: ''ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے۔ [۲۰] اِن شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' ﴿۱۰۲﴾

جائیں گے، اور مندر خالی ہوگا تو وہ وہاں جاکر بتوں کو توڑ پھوڑ دیں گے، تاکہ یہ لوگ آنکھوں سے اُن بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھیں جنہیں انہوں نے خدا بنا رکھا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے عذر کیا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ واقعی اُن کے مزاج ناساز ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ تمہارے کفر وشرک کی حرکتیں دیکھ کر میری طبیعت رُوحانی طور پر خراب ہوتی ہے۔

(۱۷) یعنی جو آگ دہکائی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈا کردیا۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انبیاء (۲۱:۳۲) میں گذر چکا ہے۔ وہیں اس کی تشریح بھی گذری ہے۔

(۱۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن عراق تھا، اس واقعے کے بعد آپ شام کی طرف ہجرت فرماگئے تھے۔

(۱۹) اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(۲۰) یہ اگرچہ ایک خواب تھا، لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اُسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا۔

فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ ﴿۱۰۳﴾ وَ نَادَیۡنٰهُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكۡنَا عَلَیۡهِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ بَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكۡنَا عَلَیۡهِ وَ عَلٰۤی اِسۡحٰقَ ؕ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ مُبِیۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳

چنانچہ (وہ عجیب منظر تھا) جب دونوں نے سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرایا،[۲۱] ﴿۱۰۳﴾ اور ہم نے اُنہیں آواز دی کہ: "اے ابراہیم! ﴿۱۰۴﴾ تم نے خواب کو سچ کر دِکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔" ﴿۱۰۵﴾ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا، ﴿۱۰۶﴾ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اُس بچے کو بچالیا۔[۲۲] ﴿۱۰۷﴾ اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ﴿۱۰۸﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) "سلام ہو ابراہیم پر!" ﴿۱۰۹﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے اُنہیں اسحاق کی خوشخبری دی، کہ وہ صالحین میں سے ایک نبی ہوں گے، ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے اُن پر بھی برکتیں نازل کیں، اور اسحاق پر بھی، اور اُن کی اولاد میں سے کچھ لوگ نیک عمل کرنے والے ہیں، اور کچھ اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والے۔ ﴿۱۱۳﴾

(۲۱) باپ بیٹے دونوں نے تو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں یہی ٹھان لی تھی کہ باپ بیٹے کو ذبح کرے گا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا، تاکہ چھری پھیرتے وقت اُن کی صورت دیکھ کر ارادے میں کوئی تزلزل نہ آجائے۔

(۲۲) چونکہ باپ بیٹے دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے اختیار کا ہر کام کر چکے تھے، اس لئے امتحان پورا

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلٰی مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ۚ وَ نَجَّیۡنٰهُمَا وَ قَوۡمَهُمَا مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۱۵﴾ۚ وَ نَصَرۡنٰهُمۡ فَکَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِیۡنَ ﴿۱۱۶﴾ۚ وَ اٰتَیۡنٰهُمَا الۡکِتٰبَ الۡمُسۡتَبِیۡنَ ﴿۱۱۷﴾ۚ وَ هَدَیۡنٰهُمَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۱۱۸﴾ۚ وَ تَرَکۡنَا عَلَیۡهِمَا فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾ۙ سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ؕ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔﴿۱۱۴﴾ اور ہم نے اُنہیں اور اُن کی قوم کو ایک بڑے کرب سے نجات دی،﴿۱۱۵﴾ اور ہم نے اُن کی مدد کی جس کے نتیجے میں وہی غالب رہے،﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے اُن دونوں کو ایسی کتاب عطا کی جو بالکل واضح تھی،﴿۱۱۷﴾ اور اُن دونوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دی،﴿۱۱۸﴾ اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ﴿۱۱۹﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) ''سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر!''﴿۱۲۰﴾ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔﴿۱۲۱﴾ بیشک وہ دونوں ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔﴿۱۲۲﴾ اور اِلیاس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے،(۲۳) ﴿۱۲۳﴾ جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟﴿۱۲۴﴾

ہوگیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دِکھایا کہ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے ایک مینڈھے پر چلی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وہاں بھیج دیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ سلامت رہے۔

(۲۳) حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ کریم نے زیادہ تفصیلات بیان نہیں فرمائیں۔ تاریخی اور اِسرائیلی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں کفر و شرک کی وبائیں پھوٹیں تو اُس وقت آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، بائبل کی کتاب سلاطین میں ہے کہ بادشاہ اخی اب کی بیوی ازابیل نے بعل نام کے ایک بت کی پرستش شروع کی تھی، حضرت اِلیاس علیہ السلام نے انہیں بت پرستی سے روکا، اور معجزے بھی دِکھلائے، لیکن نافرمان قوم نے ہدایت کی بات ماننے کے بجائے حضرت اِلیاس علیہ السلام کو

اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمۡ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَاِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلۡ يَاسِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

کیا تم بعل (نامی بت) کو پوجتے ہو، اور اُس کو چھوڑ دیتے ہو جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے؟ ﴿۱۲۵﴾ اُس اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے باپ دادوں کا بھی جو پہلے گذر چکے ہیں؟'' ﴿۱۲۶﴾ پھر ہوا یہ کہ اُنہوں نے اِلیاس کو جھٹلایا، اس لئے وہ ضرور (عذاب میں) دھر لئے جائیں گے۔ ﴿۱۲۷﴾ البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے (محفوظ رہیں گے) ﴿۱۲۸﴾ اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں ہم نے یہ روایت قائم کی ﴿۱۲۹﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) ''سلام ہو اِلیاسین پر!'' ﴿۱۳۰﴾ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۳۱﴾ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۳۲﴾ اور یقیناً لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ ﴿۱۳۳﴾ جب ہم نے اُن کو اور اُن کے سارے گھر والوں کو (عذاب سے) نجات دی تھی، ﴿۱۳۴﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہی، (۲۴) ﴿۱۳۵﴾

قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصوبے کو ناکام بنا کر خود اُنہی پر بلائیں مسلط فرمائیں، اور حضرت اِلیاس علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُنہیں آسمان پر زندہ اُٹھا لیا گیا تھا، لیکن کسی مستند روایت سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کی تشریح میں تفسیر ''معارف القرآن'' ملاحظہ فرمایئے۔

(۲۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو آخر وقت تک کافروں کا ساتھ دیتی رہی، اور اُنہی کے ساتھ عذاب میں ہلاک ہوئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا مفصل واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۷۷) میں گذر چکا ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ملیامیٹ کردیا، ﴿۱۳۶﴾ اور (اے مکہ والو!) تم اُن (کی بستیوں) پر سے گذرا کرتے ہو، (کبھی) صبح ہوتے، ﴿۱۳۷﴾ اور (کبھی) رات کے وقت۔[25] کیا پھر بھی تمہیں عقل نہیں آتی؟ ﴿۱۳۸﴾

اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۱۳۹﴾ جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے،[26] ﴿۱۴۰﴾ پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے، اور قرعے میں مغلوب ہوئے ﴿۱۴۱﴾ پھر مچھلی نے اُنہیں نگل لیا، جبکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کررہے تھے۔ ﴿۱۴۲﴾

(۲۵) اہلِ عرب اپنی تجارت کے لئے جب شام کا سفر کرتے تو ان اُجڑی ہوئی بستیوں پر سے گذرا کرتے تھے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا۔

(۲۶) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اِختصار کے ساتھ سورۂ یونس (۱۰:۹۸) میں بھی گذر چکا ہے، اور سورۂ انبیاء (۲۱:۸۷) میں بھی۔ وہ عراق کے شہر نینوا میں بھیجے گئے تھے، اور انہوں نے ایک عرصے تک اپنی قوم کو اِیمان لانے کی دعوت دی، اور جب وہ نہ مانی تو اُنہیں متنبہ کردیا کہ اب تم پر تین دن کے اندر اندر عذاب آکر رہے گا، قوم کے لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، اس لئے اگر وہ بستی سے چلے جاتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بستی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ اُدھر بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ بستی میں نہیں ہیں، اور کچھ عذاب کے آثار بھی محسوس کئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ توبہ کی، جس کے نتیجے میں اُن سے عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اُن کی توبہ کا حال معلوم نہیں تھا، اور جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ تین دن گذر گئے اور عذاب نہیں آیا تو اُنہیں ڈر ہوا کہ اگر میں بستی میں واپس جاؤں گا تو بستی والے مجھے جھوٹا بنائیں گے، اور اندیشہ یہ بھی تھا کہ جھوٹا سمجھ کر قتل نہ کردیں، اس لئے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ۔

چنانچہ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، ﴿۱۴۳﴾ تو وہ اُس دن تک اُسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے جس دن مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۱۴۴﴾ پھر ہم نے اُنہیں ایسی حالت میں ایک کھلے میدان مین لاکر ڈال دیا کہ وہ بیمار تھے، (۲۷) ﴿۱۴۵﴾ اور اُن کے اُوپر ایک بیل دار درخت اُگادیا، ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے اُنہیں ایک لاکھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ﴿۱۴۷﴾

آنے سے پہلے ہی وہ اپنی بستی میں جانے کے بجائے سمندر کی طرف نکل کھڑے ہوئے، اور ایک کشتی میں سوار ہوگئے جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے ہی بستی کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ بڑے لوگوں کی معمولی چوک پر بھی گرفت ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈوبنے کے قریب آگئی، اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس شخص کو کشتی سے باہر پانی میں اُتارا جائے، کئی مرتبہ قرعہ ڈالا گیا، اور ہر بار قرعے میں اُنہی کا نام نکلا۔ چنانچہ اُنہیں پانی میں پھینک دیا گیا جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی آپ کی منتظر تھی، اُس نے آپ کو نگل لیا، اور آپ کچھ عرصے مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین دن اُس میں گذارے، اور بعض میں ہے کہ چند گھنٹے مچھلی کے پیٹ میں رہے، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا ہے، وہاں آپ یہ تسبیح پڑھتے رہے کہ: "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"۔

(۲۷) تسبیح پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ اُنہیں ایک کھلے میدان کے کنارے لاکر ڈال دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام بہت کمزور ہو چکے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ اُن کے جسم پر بال نہیں رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُوپر ایک درخت اُگا یا، بعض روایات میں ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا۔ اس سے انہیں سایہ بھی حاصل ہوا، اور شاید اُس کے پھل کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے علاج بھی بنا دیا ہو۔ نیز ایک بکری وہاں بھیج دی گئی جس کا آپ دُودھ پیتے رہے، یہاں تک کہ تندرست ہو گئے۔

فَآمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

پھر وہ ایمان لے آئے تھے،(۲۸) اس لئے ہم نے اُنہیں ایک زمانے تک زندگی سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا۔ ﴿۱۴۸﴾

اب ان (مکہ کے مشرکوں) سے پوچھو کہ: ”کیا (اے پیغمبر!) تمہارے رَبّ کے حصے میں تو بیٹیاں آئی ہیں، اور خود ان کے حصے میں بیٹے؟“(۲۹) ﴿۱۴۹﴾ یا پھر جب ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا تھا تو کیا یہ دیکھ رہے تھے؟ ﴿۱۵۰﴾ یاد رکھو! یہ اپنی من گھڑت بات کی وجہ سے کہتے ہیں ﴿۱۵۱﴾ کہ اللہ کے کوئی اولاد ہے، اور یہ لوگ یقینی طور پر جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۵۲﴾ کیا اللہ نے بیٹوں کے بجائے بیٹیاں پسند کی ہیں؟ ﴿۱۵۳﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسا انصاف کرتے ہو؟ ﴿۱۵۴﴾ بھلا کیا تم اتنا بھی دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۱۵۵﴾

---

(۲۸) جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا، اور سورۂ یونس (۱۰:۹۸) میں بھی گذر چکا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب کے آثار دیکھ کر عذاب آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو ہٹا دیا تھا، اور وہ ایمان لا کر ایک عرصے تک زندہ رہے۔

(۲۹) جیسا کہ سورت کے شروع میں عرض کیا گیا، مکہ مکرمہ کے بت پرست، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہاں سے اُن کے اس بے ہودہ عقیدے کی تردید ہو رہی ہے۔ یہ بت پرست اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اوّل تو یہ فرما رہے ہیں کہ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم اپنے لئے تو بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے ہو۔ پھر آگے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے، نہ بیٹوں کی نہ بیٹیوں کی۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵۶ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۵۷ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۵۸ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۵۹ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۶۰ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝۱۶۱ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝۱۶۲ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝۱۶۳ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۱۶۴ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝۱۶۵ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝۱۶۶ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝۱۶۷ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶۸

یا اگر تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے، ﴿۱۵۶﴾ تو لاؤ اپنی وہ کتاب اگر تم سچے ہو۔ ﴿۱۵۷﴾ اور انہوں نے اللہ اور جنات کے درمیان بھی نسبی رشتہ داری بنا رکھی ہے،(۳۰) حالانکہ خود جنات کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ مجرم بن کر پیش ہوں گے، ﴿۱۵۸﴾ (کیونکہ) جو باتیں یہ بناتے ہیں، اللہ اُن سب سے پاک ہے، ﴿۱۵۹﴾ البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے (محفوظ رہیں گے) ﴿۱۶۰﴾ کیونکہ تم اور جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۱۶۱﴾ وہ کسی کو اللہ کے بارے میں گمراہ نہیں کر سکتے، ﴿۱۶۲﴾ سوائے ایسے شخص کے جو دوزخ میں جلنے والا ہو۔ ﴿۱۶۳﴾ اور (فرشتے تو یہ کہتے ہیں کہ:) ''ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے، ﴿۱۶۴﴾ اور ہم تو (اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں) صف باندھے رہتے ہیں، ﴿۱۶۵﴾ اور ہم تو اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔''(۳۱) ﴿۱۶۶﴾ اور یہ (کافر) لوگ پہلے تو یہ کہا کرتے تھے ﴿۱۶۷﴾ کہ: ''اگر ہمارے پاس پچھلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتاب ہوتی، ﴿۱۶۸﴾

---

(۳۰) یہ ان مشرکین کے ایک اور بے ہودہ عقیدے کی تردید ہے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جنات کے سرداروں کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا العیاذ باللہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیویاں ہیں۔

(۳۱) یعنی خود فرشتے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں کہتے، بلکہ اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

تو ہم بھی ضرور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہوتے۔"(۳۲) ﴿۱۶۹﴾ پھر بھی انہوں نے کفر کی رَوِش اپنائی ہے۔ اس لئے انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۱۷۰﴾ اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں ﴿۱۷۱﴾ کہ یقینی طور پر اُن کی مدد کی جائے گی، ﴿۱۷۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہتے ہیں۔ ﴿۱۷۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم کچھ وقت تک ان لوگوں سے بے پروا ہو جاؤ، ﴿۱۷۴﴾ اور انہیں دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۷۵﴾ بھلا کیا یہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟(۳۳) ﴿۱۷۶﴾ سو جب وہ ان کے صحن میں آ اُترے گا تو جن لوگوں کو خبردار کیا جا چکا تھا، اُن کی وہ صبح بہت بُری صبح ہوگی۔ ﴿۱۷۷﴾ اور تم کچھ وقت تک ان لوگوں سے بے پروا ہو جاؤ، ﴿۱۷۸﴾ اور دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۷۹﴾

---

(۳۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ بت پرست، یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر کوئی آسمانی کتاب اُتری تو ہم تم سے زیادہ اُس کو مان کر اُس پر عمل کریں گے۔ یہی مضمون سورۂ فاطر (۳۵: ۴۲) میں بھی گذرا ہے۔

(۳۳) کفار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اُڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہیں، وہ ابھی جلدی کیوں نہیں آجاتا؟

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۸۲﴾ ع

تمہارا پروردگار، عزّت کا مالک، اُن سب باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں! ﴿۱۸۰﴾ اور سلام ہو پیغمبروں پر ﴿۱۸۱﴾ اور تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۱۸۲﴾

الحمدللہ! آج ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کی شب میں سحری کے وقت سورۂ صافات کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ صٓ

تعارف

اس سورت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے جو معتبر روایتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن اپنی رشتہ داری کا حق نبھانے کے لئے آپ کی مدد بہت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے دوسرے سردار ابوطالب کے پاس وفد کی شکل میں آئے، اور کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں تو ہم انہیں اُن کے اپنے دِین پر عمل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے کہ ان میں کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں ہے، اور ان کو خدا ماننا گمراہی ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں بلا کر آپ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو آپ نے ابوطالب سے فرمایا کہ: ”چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دُوں جس میں ان کی بہتری ہے؟“ ابوطالب نے پوچھا: ”وہ کیا چیز ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہوجائے، اور یہ پورے عجم کے مالک ہوجائیں۔“ اس کے بعد آپ نے کلمۂ توحید پڑھا۔ یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے کہ: ”کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو اِختیار کرلیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ اس موقع پر سورۂ صٓ کی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس سورت میں مختلف پیغمبروں کا بھی تذکرہ ہے جن میں حضرت داوداور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

آیاتہا ۸۸ ۳۸ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ رکوعاتہا ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّكۡرِ ؕ ① بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّلَاتَ حِيۡنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ ۫ وَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۖۚ ④ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

صٓ،[1] قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی، ﴿۱﴾ کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔[2] ﴿۲﴾ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو اُنہوں نے اُس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔ ﴿۳﴾ اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبر دار کرنے والا اُنہی میں سے آگیا۔ اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ: ''وہ جھوٹا جادوگر ہے۔ ﴿۴﴾ کیا اُس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' ﴿۵﴾

---

(۱) یہ انہی حروفِ مقطعات میں سے ہے جن کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دیکھئے سورۂ بقرہ کی پہلی آیت پر ہمارا حاشیہ۔ اور قرآنِ کریم میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، اُن کے بارے میں پچھلی سورت (سورۂ صافات) کا پہلا حاشیہ۔

(۲) یہ ترجمہ اس جملے کی اُس ترکیب پر مبنی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے "اظھر" کہہ کر نقل کی ہے (رُوح المعانی ج: ۲۳ ص: ۲۱۷)۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝۱۰

اوران میں کے سردارلوگ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ: ''چلو، اوراپنے خداؤں (کی عبادت) پرڈٹے رہو یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی ارادے ہیں۔(۳) ﴿۶﴾ ہم نے تو یہ بات پچھلے دِین میں کبھی نہیں سنی۔ اور کچھ نہیں، یہ من گھڑت بات ہے۔ ﴿۷﴾ کیا یہ نصیحت کی بات ہم سب کو چھوڑ کر اسی شخص پر نازل کی گئی ہے؟'' اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری نصیحت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ ﴿۸﴾ تمہارا ربّ جو بڑا داتا، بڑا صاحبِ اِقتدار ہے، کیا اُس کی رحمت کے سارے خزانے انہی کے پاس ہیں؟ ﴿۹﴾ یا پھر آسمانوں اور زمین اوراُن کے درمیان ہر چیز کی بادشاہت ان کے قبضے میں ہے؟(۴) پھر تو انہیں چاہئے کہ رسیاں تان کر اُوپر چڑھ جائیں۔(۵) ﴿۱۰﴾

(۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے ذریعے (معاذ اللہ) اپنا اِقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ لوگ اس طرح اعتراضات کررہے ہیں جیسے نبوت جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے، ان کے اپنے اختیار میں ہے کہ جسے یہ چاہیں اُسے نبی بنایا جائے، اور جسے یہ ناپسند کریں، اُسے نبوت نہ دی جائے۔

(۵) یعنی اگر یہ اتنے وسیع اختیارات کے مالک ہیں تو ان میں رسیاں تان کر آسمان پر چڑھنے کی بھی طاقت ہونی چاہئے، جو ظاہر ہے کہ انہیں حاصل نہیں ہے، اس لئے آسمان وزمین کی معلومات پر انہیں کیا اختیار ہوگا جس کی بنا پر وہ یہ رائے دیں کہ فلاں کو نبی بنایا جائے اور فلاں کو نہ بنایا جائے۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

ع ۱۴/۱۰

(ان کی حقیقت تو یہ ہے کہ) یہ مخالف گروہوں کا ایک لشکر سا ہے جو یہیں پر شکست کھا جائے گا۔(۶) ﴿۱۱﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم، قومِ عاد اور میخوں والے فرعون نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ﴿۱۲﴾ اور قومِ ثمود، اور لوط کی قوم اور اَیکہ والوں نے بھی۔ وہ تھے مخالف گروہ کے لوگ! ﴿۱۳﴾ ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جس نے پیغمبروں کو نہ جھٹلایا ہو، اس لئے میرا عذاب بجا طور پر نازل ہو کر رہا ﴿۱۴﴾ اور (مکہ کے) یہ لوگ (بھی) بس ایک ایسی چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔(۷) ﴿۱۵﴾ اور کہتے ہیں کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جلدی دیدے(۸)!'' ﴿۱۶﴾ (اے پیغمبر!) یہ جو کچھ کہتے ہیں، اس پر صبر کرو، اور ہمارے بندے داود (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑے طاقتور تھے۔(۹) وہ بیشک اللہ سے بہت لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۱۷﴾

(۶) مقصد یہ ہے کہ جو بڑی بڑی قومیں پہلے گذری ہیں، اُن کے مقابلے میں یہ لوگ ایک چھوٹا سا لشکر ہیں جو خود اپنے وطن میں شکست کھا جائے گا۔ یہ فتحِ مکہ کی پیشین گوئی ہے، اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ یہ سارے بڑے بول بولنے والے فتحِ مکہ کے موقع پر ایسی شکست کھا گئے کہ مکہ مکرمہ پر ان کا کوئی اِقتدار باقی نہیں رہا۔

(۷) اس سے مراد صور پھونکنے کی آواز ہے جس کے ساتھ ہی قیامت آجائے گی۔

(۸) یہ کافروں کا وہی مطالبہ ہے جس کا ذِکر پہلے بار بار گذرا ہے کہ اگر ہم پر عذاب آنا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں آتا؟

(۹) سورت کے شروع میں کافروں کی وہ باتیں ذِکر کر کے اُن کی تردید فرمائی گئی تھی جن سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رَنج ہوا کرتا تھا۔ اب یہاں سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی بے ہودہ باتوں پر صبر کر کے آپ اپنے کام

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾

وقف لازم

ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت اُن کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ ﴿۱۸﴾ اور پرندوں کو بھی، جنہیں اِکٹھا کرلیا جاتا تھا۔ یہ سب اُن کے ساتھ مل کر اللہ کا خوب ذِکر کرتے تھے۔[۱۰] ﴿۱۹﴾ اور ہم نے اُن کی سلطنت کو اِستحکام بخشا تھا، اور اُنہیں دانائی اور فیصلہ کن گفتگو کا سلیقہ عطا کیا تھا۔ ﴿۲۰﴾ اور کیا تمہیں اُن مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے، جب وہ دیوار پر چڑھ کر عبادت گاہ میں گھس آئے تھے؟[۱۱] ﴿۲۱﴾

میں لگے رہئے، اور اسی سلسلے میں کچھ پچھلے انبیائے کرام کے واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو۔ ان میں سے پہلا تذکرہ حضرت داود علیہ السلام کا ہے۔

(۱۰) جیسا کہ سورۂ انبیاء (۷۹:۲۱) میں گذر چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دِلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذِکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذِکر اور تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اور اُڑتے ہوئے پرندے بھی رُک جاتے، اور وہ بھی ذِکر کرنے لگتے تھے۔

(۱۱) یہاں سے آیت نمبر ۲۴ تک جو واقعہ بیان ہوا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام سے کوئی لغزش ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اُس لغزش پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو آدمی غیر معمولی طریقے سے آپ کے پاس اُس وقت بھیجے جب آپ اپنی عبادت گاہ میں تھے۔ ان دونوں نے اپنا ایک جھگڑا فیصلے کے لئے آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فیصلہ تو فرمادیا، لیکن اُس کے ساتھ ہی آپ سمجھ گئے کہ یہ مقدمہ جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف پیرائے میں اُنہیں تنبیہ کی ہے، اس لئے وہ فوراً سجدے میں گرگئے، اور توبہ اور اِستغفار میں مشغول ہوگئے۔ قرآنِ کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ وہ لغزش کیا تھی؟ اور اس مقدمے کے پیش ہونے سے اُنہیں اُس کا خیال کس طرح آیا؟ کیونکہ قرآنِ کریم تو صرف یہ سبق دینا چاہتا ہے کہ بھول چوک تو اِنسان کی خاصیت ہے، بڑے بڑے بزرگوں، یہاں تک کہ انبیائے کرام سے بھی معمولی قسم کی لغزشیں ہوجاتی ہیں، لیکن یہ حضرات اپنی کسی لغزش پر اِصرار نہیں فرماتے، بلکہ جونہی اپنی غلطی واضح ہوتی ہے، فوراً

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡهُمۡ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ۚ خَصۡمٰنِ بَغٰی بَعۡضُنَا عَلٰی بَعۡضٍ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَلَا تُشۡطِطۡ وَاهۡدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

جب وہ داود کے پاس پہنچے تو داود اُن سے گھبرا گئے۔ اُنہوں نے کہا: ''ڈریئے نہیں، ہم ایک جھگڑے کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے، اور زیادتی نہ کیجئے، اور ہمیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتا دیجئے۔ ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُس پر توبہ اور اِستغفار کرتے ہیں۔ یہ عملی سبق حضرت داود علیہ السلام کے اس واقعے کی تفصیل جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ البتہ جو حضراتِ مفسرین تفصیل میں گئے ہیں، اُنہوں نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ اس سلسلے میں طرح طرح کی داستانیں بھی گھڑی گئی ہیں جن میں سے ایک بے ہودہ داستان بائبل میں بھی ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے ایک سپہ سالار ''اوریا'' کی بیوی سے (معاذ اللہ) زنا کا اِرتکاب کیا تھا۔ لیکن یہ داستان تو بیان کرنے کے بھی لائق نہیں ہے۔ ایک جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں، جنہیں خود قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل تھا، ایسی بات یقیناً من گھڑت ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اُس زمانے میں کسی شخص کی بیوی سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کر کے اُس کے شوہر سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ یہ ایک عام رواج تھا جس پر کوئی بُرا بھی نہیں مانتا تھا۔ اوریا کی بیوی چونکہ بہت ذہین تھی، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اپنے معاشرے کے چلن کے مطابق اُس سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اُسے طلاق دیدے، تاکہ وہ حضرت داود علیہ السلام کے نکاح میں آسکے۔ ایسی فرمائش نہ تو گناہ تھی، کیونکہ شوہر کو حق حاصل تھا کہ وہ یہ بات مانے یا نہ مانے، اور نہ معاشرے کے رواج کے مطابق معیوب تھی، لیکن ایک جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس لطیف پیرائے میں آپ کو تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے اس پر اِستغفار فرمایا، اور پھر نکاح کی تجویز پر عمل بھی نہیں کیا۔ یہ تشریح اگرچہ بائبل والے واقعے کی طرح لغو تو نہیں ہے، لیکن کسی مستند روایت سے ثابت بھی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لغزش جو کوئی بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو اس پر نہ صرف یہ کہ معاف فرمایا، بلکہ اُس پر اتنا پردہ ڈالا کہ قرآنِ کریم میں بھی اُسے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا، اس لئے اس بات کی چھان بین جسے اللہ تعالیٰ نے خود خفیہ رکھا ہے، نہ تو اس جلیل القدر پیغمبر کی تعظیم کے شایانِ شان ہے، نہ اُس کی کوئی ضرورت ہے، لہٰذا اُسے اتنا ہی مبہم رکھنا چاہئے جتنا قرآنِ کریم نے اُسے مبہم رکھا ہے، کیونکہ جو سبق قرآنِ کریم دینا چاہتا ہے، وہ اُس کے بغیر بھی پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ قف لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ قف فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ط وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ط وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ السجدۃ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط

السجدۃ ۱۰

یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کرو، اور اس نے زورِ بیان سے مجھے دبالیا ہے۔'' ﴿۲۳﴾ داود نے کہا: ''اس نے اپنی دُنبیوں میں شامل کرنے کے لئے تمہاری دُنبی کا جو مطالبہ کیا ہے، اُس میں یقیناً تم پر ظلم کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ جن کے درمیان شرکت ہوتی ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، سوائے اُن کے جو اِیمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ بہت کم ہیں۔'' اور داود کو خیال آیا کہ ہم نے دراصل اُن کی آزمائش کی ہے، اس لئے اُنہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے، اور اللہ سے لو لگائی۔ ﴿۲۴﴾ چنانچہ ہم نے اُس معاملے میں انہیں معافی دے دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا![12] ﴿۲۵﴾ اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

(۱۲) یہ آیتِ سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص اس کی عربی میں تلاوت کرے، یا تلاوت سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۢ بِمَا نَسُوۡا يَوۡمَ الۡحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ ؕ ﴿۲۷﴾ اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِيۡنَ كَالۡفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوۡۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۹﴾

یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، اُن کے لئے سخت عذاب ہے، کیونکہ اُنہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو چیزیں ہیں اُن کو فضول ہی پیدا نہیں کر دیا۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، چنانچہ ان کافروں کے لئے دوزخ کی شکل میں بڑی تباہی ہے۔ ﴿۲۷﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، کیا ہم اُن کو ایسے لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟ (۱۳) ﴿۲۸﴾ (اے پیغمبر!) یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر اس لئے اُتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں، اور تاکہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں۔ (۱۴) ﴿۲۹﴾

(۱۳) یہ آخرت کے ضروری ہونے کی دلیل ہے، اور پچھلی آیتوں سے اس کا ربط یہ ہے کہ جب ہم نے حضرت داود علیہ السلام کو اپنے خلیفہ کی حیثیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں تو کیا ہم خود انصاف نہیں کریں گے؟ اسی انصاف کے لئے آخرت میں حساب و کتاب ہوگا، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہم نے نیک لوگوں اور بدکاروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، اور دُنیا میں چاہے کوئی شخص اچھے کام کرے یا بدکاری کا مرتکب ہو، نہ اُس سے کوئی بازپُرس ہونی ہے، اور نہ نیک آدمی کو کوئی اِنعام ملنا ہے۔ ایسی بے انصافی اللہ تعالیٰ کیسے گوارا فرما سکتے ہیں؟

(۱۴) یعنی جب آخرت اور حساب و کتاب کی ضرورت معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف ہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسانوں کو پہلے سے متنبہ کرنے کے لئے کوئی ہدایت نامہ عطا فرمائیں، تاکہ لوگ اُس پر عمل کر کے اپنی آخرت کو دُرست کر سکیں۔ اس کے لئے قرآنِ کریم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۚ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے داود کو سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۳۰﴾ (وہ ایک یادگار وقت تھا) جب اُن کے سامنے شام کے وقت اچھی نسل کے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے، ﴿۳۱﴾ تو اُنہوں نے کہا: ''میں نے اس دولت کی محبت اپنے پروردگار کی یاد ہی کی وجہ سے اختیار کی ہے'' یہاں تک کہ وہ اوٹ میں چھپ گئے۔ ﴿۳۲﴾ (اس پر انہوں نے کہا:) ''ان کو میرے پاس واپس لے آؤ، چنانچہ وہ (اُن کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔''[15] ﴿۳۳﴾

---

(۱۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے وہ بہترین گھوڑے پیش کئے گئے جو جہاد کے مقصد سے اِکٹھے کئے گئے تھے، اور اُن سے آپ کی سلطنت کی شان وشوکت کا مظاہرہ ہو رہا تھا، آپ نے جب اُن کا معاینہ فرمایا تو یہ شان وشوکت آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کرسکی، بلکہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس دولت سے محبت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے میرے دبدبے کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہیں، اور جہاد اللہ تعالیٰ کی محبت میں کیا جاتا ہے۔ پھر وہ گھوڑے چلتے ہوئے آپ کی نگاہوں سے رُوپوش ہوگئے تو آپ نے اُنہیں دوبارہ بلوایا، اور اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس واقعے کو ذِکر فرما کر قرآنِ کریم نے یہ سبق دیا ہے کہ انسان کو دُنیا کی دولت یا عزت وشوکت حاصل ہو تو اُسے مغرور ہونے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کے بجائے اُس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا چاہئے، اور اُسے اُن کاموں میں استعمال کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے مطابق ہوں۔ اس آیت کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اور قرآنِ کریم کے الفاظ سے وہ زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابنِ جریر طبریؒ اور اِمام رازیؒ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے آیت اور اُس کے واقعے کی ایک اور تفسیر کی ہے جو زیادہ مشہور ہے، اور وہ یہ کہ گھوڑوں کے معاینے کے دوران آپ کی نماز قضا ہوگئی تھی، جس پر آپ نے افسوس کا اظہار کرتے

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے سلیمان کی ایک آزمائش کی تھی، اور اُن کی کرسی پر ایک دھڑ لاکر ڈال دیا تھا،(۱۶) پھر اُنہوں نے (اللہ سے) رُجوع کیا، ﴿۳۴﴾ کہنے لگے کہ: "میرے پروردگار! میری بخشش فرمادے، اور مجھے ایسی سلطنت بخش دے جو میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔(۱۷) بیشک تیری، اور صرف تیری ہی ذات وہ ہے جو اتنی سخی داتا ہے۔" ﴿۳۵﴾

ہوئے یہ فرمایا کہ اس دولت کی محبت نے مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت سے غافل کر دیا، اس لئے اُنہوں نے گھوڑوں کو واپس بلوا کر اُنہیں اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرنے کا ارادہ کیا، اور تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنی شروع کردیں۔ اس تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ بالکل مختلف اس طرح ہوگا: "جب اُن کے پاس اچھی نسل کے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو اُنہوں نے کہا کہ اس دولت کی محبت نے مجھے اللہ کی محبت سے غافل کر دیا، یہاں تک کہ وہ گھوڑے اوٹ میں چلے گئے، (تو اُنہوں نے کہا:) "اُنہیں واپس لاؤ" پھر اُنہوں نے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔"

(۱۶) یہ ایک اور واقعہ ہے جس کی تفصیل نہ قرآنِ کریم نے بیان فرمائی ہے، نہ کسی مستند حدیث سے اس آیت کی تفسیر کے طور پر کوئی واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ جو روایتیں اس آیت کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں، وہ یا تو اِنتہائی کمزور اور لغو ہیں، یا اُن کا اس آیت کی تفسیر ہونا ثابت نہیں، لہٰذا سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جس بات کو خود قرآنِ کریم نے مبہم چھوڑا ہے، اُسے مبہم ہی رہنے دیا جائے۔ واقعے کا حوالہ دینے کا جو مقصد ہے، وہ تفصیلات جانے بغیر بھی پورا ہو رہا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آزمائش فرمائی تھی جس کے بعد اُنہوں نے اللہ تعالیٰ ہی سے رُجوع فرمایا۔

(۱۷) حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہواؤں اور جنات اور پرندوں پر جو سلطنت حاصل ہوئی، وہ بعد میں کسی کو نہ ہو سکی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

چنانچہ ہم نے ہوا کو اُن کے قابو میں کر دیا جو اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے، ہموار ہو کر چلا کرتی تھی۔[۱۸] ﴿۳۶﴾ اور شریر جنات بھی اُن کے قابو میں دے دیئے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے۔ ﴿۳۷﴾ اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔[۱۹] ﴿۳۸﴾ (اور اُن سے کہا تھا کہ:) ''یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ احسان کر کے کسی کو کچھ دو، یا اپنے پاس رکھو، تم پر کسی حساب کی ذمہ داری نہیں ہے۔''[۲۰] ﴿۳۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا! ﴿۴۰﴾

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو، جب اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: ''شیطان مجھے دُکھ اور آزار لگا گیا ہے۔''[۲۱] ﴿۴۱﴾

(۱۸) اس کی تفصیل سورۂ انبیاء (۲۱:۸۱) میں گذر چکی ہے۔

(۱۹) یہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کی کیا خدمات انجام دیا کرتے تھے؟ اس کی تفصیل سورۂ سبأ (۳۴:۱۳ و ۱۴) میں گذری ہے یہاں یہ اضافہ ہے کہ وہ غوطے لگا کر سمندر سے موتی وغیرہ نکال لایا کرتے تھے۔ اور کچھ جنات جو نہایت شریر تھے، اُن کی شرارتوں سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لئے اُنہیں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔

(۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ دولت مالک بنا کر دے دی گئی تھی، اور یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جتنی چاہیں، خود رکھیں، اور جتنی چاہیں، کسی اور کو دیں۔

(۲۱) جیسا کہ سورۂ انبیاء (۲۱:۸۴) میں گذر چکا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک طویل بیماری لاحق ہو گئی تھی۔ وہ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہے جس کے بعد اُنہیں شفا حاصل ہوئی۔ آیت نمبر ۴۲ میں شفا کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہدایت فرمائی کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ اُنہوں نے

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

(ہم نے اُن سے کہا:) ''اپنا پاؤں زمین پر مارو، لو! یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کے لئے بھی، اور پینے کے لئے بھی۔'' ﴿۴۲﴾ اور (اس طرح) ہم نے اُنہیں اُن کے گھر والے بھی عطا کردیئے، اور اُن کے ساتھ اُتنے ہی اور بھی،[۲۲] تاکہ اُن پر ہماری رحمت ہو، اور عقل والوں کے لئے ایک یادگار نصیحت۔ ﴿۴۳﴾ اور (ہم نے اُن سے یہ بھی کہا کہ:) ''اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو، اور اُس سے مار دو، اور اپنی قسم مت توڑو۔''[۲۳] حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُنہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لَو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۴۴﴾

زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حکم دیا کہ اُس پانی سے نہائیں، اور اُسی کو پئیں۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا تو اُن کی بیماری جاتی رہی۔

(۲۲) بیماری میں اُن کی وفادار اہلیہ کے سوا سب اُن کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ صحت کے بعد نہ صرف وہ واپس آگئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مزید پوتے پوتیاں عطا فرمائیں، اور اس طرح اُن کے خاندان کی تعداد دُگنی ہوگئی۔

(۲۳) حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ کو ایک مرتبہ شیطان نے اس طرح ورغلایا کہ وہ ایک طبیب کی شکل میں اُن کے سامنے آیا، یہ اپنے شوہر کی بیماری سے پریشان تھیں، انہوں نے اُس کو واقعی طبیب سمجھ کر اُس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کردو، وہ تو شیطان تھا۔ اُس نے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر تمہارے شوہر کو شفا ہوگئی تو تمہیں یہ کہنا ہوگا کہ اس طبیب نے اُنہیں شفا دی ہے۔ یہ خاتون چونکہ اپنے شوہر کی بیماری سے پریشان تھیں، اس لئے ان کے دِل میں اُس کی بات ماننے کا میلان پیدا ہوا، اور اُنہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذِکر کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو بڑا رَنج ہوا کہ شیطان نے اُن کی اہلیہ تک رسائی حاصل کرلی ہے، اور وہ اُس کی بات ماننے کی طرف مائل ہورہی ہیں۔ اس رنج کے عالم میں اُنہوں نے قسم کھالی کہ میں صحت مند ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو قمچیاں ماروں گا۔ لیکن جب اُنہیں صحت حاصل ہوگئی تو اُنہیں اپنی قسم پر شرمندگی ہوئی،

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو (نیک عمل کرنے والے) ہاتھ اور (دیکھنے والی) آنکھیں رکھتے تھے۔﴿۴۵﴾ ہم نے اُنہیں ایک خاص وصف کے لئے چن لیا تھا، جو (آخرت کے) حقیقی گھر کی یاد تھی۔﴿۴۶﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ چنے ہوئے بہترین لوگوں میں سے تھے۔﴿۴۷﴾ اور اِسماعیل اور اَلیسع اور ذُوالکفل [۲۴] کو یاد کرو۔ اور یہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے۔﴿۴۸﴾ یہ سب کچھ ایک نصیحت کا پیغام ہے، اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، آخری ٹھکانے کی بہتری اُنہی کے حصے میں آئے گی، ﴿۴۹﴾ یعنی ہمیشہ بسے رہنے کے لئے جنتیں جن کے دروازے اُن کے لئے پوری طرح کھلے ہوں گے! ﴿۵۰﴾

اور خیال آیا کہ اپنی ایسی باوفا بیوی کو کس طرح یہ سزا دُوں؟ اور اگر نہ دُوں تو قسم ٹوٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وحی کے ذریعے حکم دیا کہ وہ سوسینکوں کا ایک مٹھا لے کر ایک ہی مرتبہ اپنی بیوی کو ماردیں، اس طرح قسم بھی نہیں ٹوٹے گی، اور بیوی کو کوئی خاص تکلیف بھی نہیں پہنچے گی۔

(۲۴) حضرت اَلیسع علیہ السلام کا ذِکر قرآنِ کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے، ایک یہاں اور ایک سورۂ اَنعام (۸۶:۶) میں۔ دونوں جگہ آپ کا صرف نام مذکور ہے، کوئی مفصل واقعہ بیان نہیں فرمایا گیا۔ تاریخی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو اِسرائیل کے انبیاء میں سے تھے، اور حضرت اِلیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ بائبل کی کتاب سلاطین اوّل باب ۱۹ میں آپ کا واقعہ مذکور ہے۔ اسی طرح حضرت ذُوالکفل علیہ السلام کا بھی دو جگہ صرف ذِکر آیا ہے، ایک یہاں اور دوسرے سورۂ انبیاء (۸۵:۲۱) میں۔ بعض مفسرین نے انہیں حضرت اَلیسع علیہ السلام کا خلیفہ قرار دیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی نہیں تھے، ولی اللہ تھے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿٦١﴾

جہاں وہ تکیہ لگائے ہوئے بہت سے میوے اور مشروبات منگوا رہے ہوں گے، ﴿۵۱﴾ اور اُن کے پاس وہ ہم عمر خواتین ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی۔ ﴿۵۲﴾ یہ ہے وہ (نعمتوں سے بھرپور زندگی) جس کا تم سے روزِ حساب میں وعدہ کیا گیا ہے۔ ﴿۵۳﴾ بیشک یہ ہماری عطا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ﴿۵۴﴾ ایک طرف تو یہ ہے، اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے سرکشی اختیار کی ہے، یقین جانو، اُن کا آخری ٹھکانا بہت بُرا ہوگا، ﴿۵۵﴾ یعنی دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے! پھر وہ اُن کا بدترین بستر بنے گی۔ ﴿۵۶﴾ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ! اب وہ اس کا مزہ چکھیں، ﴿۵۷﴾ اور اُن طرح طرح کی چیزوں کا جو اسی جیسی (تکلیف دہ) ہوں گی۔ ﴿۵۸﴾ (جب وہ اپنے پیروکاروں کو آتا دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے:) ''یہ ایک اور لشکر ہے جو تمہارے ساتھ گھسا چلا آرہا ہے، پھٹکار ہو ان پر، یہ سب آگ میں جلنے والے ہیں۔'' ﴿۵۹﴾ وہ (آنے والے) کہیں گے: ''نہیں، بلکہ پھٹکار تم پر ہو، تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ہو، اب تو یہی بدترین جگہ ہے جس میں رہنا ہوگا۔'' ﴿۶۰﴾ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ:) ''اے ہمارے پروردگار! جو شخص بھی یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے، اُسے دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے۔'' ﴿۶۱﴾

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور وہ (ایک دوسرے سے) کہیں گے: ''کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ (یہاں دوزخ میں) نظر نہیں آرہے جنہیں ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟[۲۵] ﴿۶۲﴾ کیا ہم نے اُن کا (ناحق) مذاق اُڑایا تھا، یا اُنہیں دیکھنے سے نگاہوں کو غلطی لگ رہی ہے؟'' ﴿۶۳﴾ ــــــ یقیناً دوزخیوں کے آپس میں جھگڑنے کی یہ ساری باتیں بالکل سچی ہیں جو ہو کر رہیں گی۔ ﴿۶۴﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''میں تو ایک خبردار کرنے والا ہوں، اور اُس اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو ایک ہے، جو سب پر غالب ہے، ﴿۶۵﴾ جو تمام آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کا مالک ہے، جس کا اِقتدار سب پر چھایا ہوا ہے، جو بہت بخشنے والا ہے۔'' ﴿۶۶﴾ کہہ دو کہ: ''یہ ایک عظیم حقیقت کا اظہار ہے، ﴿۶۷﴾ جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو،[۲۶] ﴿۶۸﴾

(۲۵) اس سے مراد مسلمان ہیں جن کو یہ کافر لوگ دُنیا میں بُرا سمجھتے تھے، اور اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔ وہ ان کو جہنم میں نظر نہیں آئیں گے۔

(۲۶) پیغمبروں کے واقعات اور قیامت کے حالات بیان کرنے کے بعد حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ ان منکرین سے فرمادیجئے اگر غور کرو تو ان واقعات سے تمہیں میری نبوت پر اِستدلال کرنا چاہئے، کیونکہ ان باتوں کے معلوم ہونے کا میرے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں تھا، میں جو یہ باتیں بتارہا ہوں، وہ یقیناً وحی کے ذریعے مجھے معلوم ہوئی ہیں، مگر تم وحی کی اس نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہو۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾

مجھے عالم بالا کی باتوں کا کچھ علم نہیں تھا جب وہ (فرشتے) سوال جواب کر رہے تھے[(۲۷)] ﴿۶۹﴾ میرے پاس وحی صرف اس لئے آتی ہے کہ میں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔" ﴿۷۰﴾

یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گارے سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، ﴿۷۱﴾ چنانچہ جب میں اُسے پوری طرح بنادُوں اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دُوں تو تم اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ ﴿۷۲﴾ پھر ہوا یہ کہ سارے کے سارے فرشتوں نے تو سجدہ کیا، ﴿۷۳﴾ البتہ اِبلیس نے نہ کیا، اُس نے تکبر سے کام لیا، اور کافروں میں شامل ہوگیا۔ ﴿۷۴﴾ اللہ نے کہا: "اِبلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اُس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا ہے؟ کیا تو نے تکبر سے کام لیا ہے، یا تو کوئی بہت اُونچی ہستیوں میں سے ہے؟" ﴿۷۵﴾ کہنے لگا: "میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اُس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔" ﴿۷۶﴾

---

(۲۷) اس سے فرشتوں کی اُس گفتگو کی طرف اشارہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہوئی تھی، اور جو تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ (۲:۳۱) میں گذر چکی ہے، اور اُس کا کچھ حصہ آگے آرہا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَّإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾

اللہ نے فرمایا کہ: ''اچھا تو نکل جا یہاں سے! کیونکہ تو مردُود ہے، ﴿۷۷﴾ اور یقین جان قیامت کے دن تک تجھ پر میری پھٹکار رہے گی۔'' ﴿۷۸﴾ اُس نے کہا: ''میرے پروردگار! پھر تو مجھے اُس دن تک کے لئے (جینے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔'' ﴿۷۹﴾ اللہ نے فرمایا: ''چل، تجھے اُن لوگوں میں شامل کرلیا گیا ہے جنہیں مہلت دی جائے گی، ﴿۸۰﴾ (لیکن) ایک متعین وقت کے دن تک۔''(۲۸) ﴿۸۱﴾ کہنے لگا: ''بس تو میں تیری عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان سب کو بہکاؤں گا، ﴿۸۲﴾ سوائے تیرے برگزیدہ بندوں کے۔'' ﴿۸۳﴾ اللہ نے فرمایا: ''تو پھر سچی بات یہ ہے، اور میں سچی بات ہی کہا کرتا ہوں، ﴿۸۴﴾ کہ میں تجھ سے اور اُن سب سے جو ان میں سے تیرے پیچھے چلیں گے، جہنم کو بھر کر رہوں گا۔'' ﴿۸۵﴾

---

(۲۸) اس واقعے کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ (۲:۳۱تا۳۶) میں گذر چکی ہے، نیز شیطان نے جو مہلت مانگی تھی، وہ روزِ حشر تک کے لئے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ ایک معین وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ لہٰذا پہلے صور کے بعد تمام مخلوقات کو موت آئے گی تو اُن میں شیطان کو بھی آئے گی۔ جیسا کہ سورۂ حجر (۱۵:۳۸) میں بھی گذر چکا ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

ع ۵ ۲۴ ۱۴

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "میں تم سے اس (اسلام کی دعوت) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔ ﴿۸۵﴾ یہ تو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے، ﴿۸۶﴾ اور تھوڑے سے وقت کے بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا۔" ﴿۸۶﴾

الحمدللہ! سورۂ صٓ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج ۷ رشوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۲۰۰۷ء کو دُبی سے کراچی جاتے ہوئے امارات کے جہاز میں تکمیل کو پہنچے، اور اس سورت کا کام کل سات دن میں پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الزُّمَر

تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی، اور اس میں مشرکینِ مکہ کے مختلف باطل عقیدوں کی تردید فرمائی گئی ہے۔ یہ مشرکین مانتے تھے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اُنہوں نے مختلف دیوتا گھڑ کر یہ مانا ہوا تھا کہ اُن کی عبادت کرنے سے وہ خوش ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، اور بعض نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا۔ اس سورت میں ان مختلف عقائد کی تردید کر کے اُنہیں توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں بدترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو اِجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے خطے کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں وہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ نیز کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر اُنہوں نے اپنی معاندانہ رَوِش نہ چھوڑی تو اُنہیں بدترین سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سورت کے آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آخرت میں کافر کس طرح گروہوں کی شکل میں دوزخ تک لے جائے جائیں گے، اور مسلمانوں کو کس طرح گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ گروہوں کے لئے عربی لفظ ''زُمر'' استعمال کیا گیا ہے، اور وہی اس سورت کا نام ہے۔

آیاتها ۷۵ ۳۹ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ رکوعاتها ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچھتّر آیتیں اور آٹھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی جارہی ہے، جو بڑے اِقتدار کا مالک ہے، بہت حکمت والا۔ ﴿۱﴾ (اے پیغمبر!) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لئے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اُسی کے لئے ہو۔ ﴿۲﴾ یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے۔ اور جن لوگوں نے اُس کے بجائے دوسرے رکھوالے بنالئے ہیں ـــــ (یہ کہہ کر کہ:) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں ـــــ [1] اُن کے درمیان اللہ اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو راستے پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔ ﴿۳﴾

(۱) مشرکینِ عرب عام طور سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن اُنہوں نے کچھ دیوتا گھڑ کر اُن کے بت بنالئے تھے، اور اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم ان کی عبادت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے، اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ قرآنِ کریم نے اس کو بھی شرک قرار دیا، کیونکہ اوّل تو ان دیوتاؤں کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی، دوسرے عبادت تو اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، کسی

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ

اگر اللہ یہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب کرلیتا، (لیکن) وہ پاک ہے (اس بات سے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو) وہ تو اللہ ہے، ایک، اور زبردست اِقتدار کا مالک! ﴿۴﴾ اُس نے سارے آسمان اور زمین برحق پیدا کیے ہیں۔ وہ رات کو دِن پر لپیٹ دیتا ہے، اور دِن کو رَات پر لپیٹ دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام پر لگایا ہوا ہے۔ ہر ایک کسی معین مدت تک کے لئے رواں دواں ہے۔ یاد رکھو وہ بڑے اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۵﴾ اُس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا،[۲] پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کیے۔[۳]

دوسرے کی عبادت، خواہ کسی نیت سے کی جائے، شرک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص واقعی بزرگ اور ولی اللہ ہو، تب بھی اُس کی عبادت شرک ہے، چاہے اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

(۲) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور اُن کے جوڑے سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔

(۳) اس سے مراد اُونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں جن میں سے ہر ایک کے نر اور مادہ مل کر آٹھ جوڑے ہوجاتے ہیں۔ ان کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عام طور پر یہی مویشی انسان کے زیادہ کام آتے ہیں۔ انہی آٹھ جوڑوں کا ذکر سورۂ اَنعام (۶: ۱۴۳) میں گذرا ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝٦ إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝٧ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ

وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیریوں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دُوسرے مرحلے سے گذرتے ہو۔(۴) وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے! ساری بادشاہی اُسی کی ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر بھی تمہارا منہ آخر کوئی کہاں سے موڑ دیتا ہے؟ ﴿۶﴾ اگر تم کفر اختیار کروگے تو یقین رکھو کہ اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کروگے تو وہ اُسے تمہارے لئے پسند کرے گا، اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ دِلوں کی باتیں بھی خوب جانتا ہے۔ ﴿۷﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف چھوجاتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اُسی سے لو لگا کر پکارتا ہے، پھر جب وہ انسان کو اپنی طرف سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اُس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا، اور اللہ کے لئے شریک گھڑ لیتا ہے، جس کے نتیجے میں دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے بھٹکاتا ہے۔

---

(۴) تین اندھیریاں اس طرح ہیں کہ ایک اندھیری پیٹ کی، دوسری رحم کی، اور تیسری اُس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اور بناوٹ کے مرحلوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر خون، پھر لوتھڑا، پھر ہڈیاں وغیرہ جس کی تفصیل سورۂ حج (۲۲:۵) اور سورۂ مؤمنون (۲۳:۱۴) میں گذری ہے، اور سورۂ غافر (۴۰:۶۷) میں آگے آئے گی۔

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ۝٨ أَمَّنْ هُوَ قٰنِتٌ ءَانَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا يَحْذَرُ الْءَاخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبٰبِ ۝٩ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِى هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وٰسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝١٠ قُلْ إِنِّىٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ۝١١

ع ۱۵

کہہ دو کہ: ''کچھ دن اپنے کفر کے مزے اُڑا لے، یقیناً تو دوزخ والوں میں شامل ہے۔'' ﴿۸﴾ بھلا (کیا ایسا شخص اُس کے برابر ہوسکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے پروردگار کی رحمت کا اُمیدوار ہے؟ کہو کہ: ''کیا وہ جو جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟''(۵) (مگر) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ ﴿۹﴾ کہہ دو کہ: ''اے میرے ایمان والے بندو! اپنے پروردگار کا خوف دِل میں رکھو۔ بھلائی اُنہی کی ہے جنہوں نے اس دُنیا میں بھلائی کی ہے، اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے،(۶) جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اُن کا ثواب اُنہیں بے حساب دیا جائے گا۔'' ﴿۱۰﴾ کہہ دو کہ: ''مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری بندگی خالص اُسی کے لئے ہو، ﴿۱۱﴾

---

(۵) یعنی اگر آخرت کا حساب و کتاب نہ ہو تو اُس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مؤمن کافر اور بدکار اور نیک سب برابر ہو جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور انصاف سے ممکن نہیں۔

(۶) یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر اپنے وطن میں دِین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو یا سخت مشکل ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں دِین پر عمل کرنا نسبۃً آسان ہو، اور اگر وطن چھوڑنے سے تکلیف ہو تو اُس پر صبر کرو، کیونکہ صبر کا ثواب بے حساب ہے۔

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلا فرماں بردار میں بنوں(۷)۔'' ﴿۱۲﴾ کہہ دو کہ: ''اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔'' ﴿۱۳﴾ کہہ دو کہ: ''میں تو اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بندگی صرف اُسی کے لئے خالص کرلی ہے۔ ﴿۱۴﴾ اب تم اُسے چھوڑ کر جس کی چاہو، عبادت کرو(۸)۔'' کہہ دو کہ: ''گھاٹے کا سودا کرنے والے تو وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں سب کو ہرا بیٹھیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلا ہوا گھاٹا یہی ہے۔'' ﴿۱۵﴾ ایسے لوگوں کے لئے اُن کے اُوپر بھی آگ کے بادل ہیں، اور اُن کے نیچے بھی ویسے ہی بادل۔ یہ وہی چیز ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ لہٰذا اے میرے بندو! میرا خوف دِل میں رکھو۔ ﴿۱۶﴾

(۷) اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کو کسی نیکی کی دعوت دے، اُسے چاہئے کہ پہلے خود اُس پر عمل کر کے دِکھائے۔

(۸) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کافروں کو کفر کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے، کیونکہ اگلے ہی جملے میں صاف فرمادیا گیا ہے کہ یہ گھاٹے کا سودا ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں فرماتا۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی طاقت ضرور دی گئی ہے کہ تم اگر کفر اختیار کرنا چاہو تو کرسکو، تمہیں ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنا سب کچھ ہار بیٹھو گے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿١٩﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿٢٠﴾

اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا ہے کہ وہ طاغوت کی عبادت کرنے لگیں،(۹) اور اُنہوں نے اللہ سے لَو لگائی ہے، خوشی کی خبر اُنہی کے لئے ہے، لہٰذا میرے اُن بندوں کو خوشی کی خبر سنادو ﴿۱۷﴾ جو بات کو غور سے سنتے ہیں تو اُس میں جو بہترین ہوتی ہے، اُس کی پیروی کرتے ہیں۔(۱۰) یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات طے ہوچکی، تو کیا تم اُسے بچالوگے جو آگ کے اندر پہنچ چکا ہے؟ ﴿۱۹﴾ البتہ جنہوں نے اپنے پروردگار کا خوف دِل میں رکھا ہے، اُن کے لئے اُوپر تلے بنی ہوئی اُونچی اُونچی عمارتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ﴿۲۰﴾

---

(۹) ''طاغوت'' شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور ہر باطل چیز کو بھی۔

(۱۰) اس کا زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ وہ سنتے تو سب کچھ ہیں، لیکن پیروی اُسی بات کی کرتے ہیں جو بہترین ہو (رُوح المعانی عن الزجاج)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

ع ۲ / ۱۲ / ۱۶

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اُسے زمین کے سوتوں میں پرو دیا؟ (۱۱) پھر وہ اُس پانی سے ایسی کھیتیاں وجود میں لاتا ہے جن کے رنگ مختلف ہیں، پھر وہ کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں تو تم اُنہیں دیکھتے ہو کہ پیلی پڑ گئی ہیں، پھر وہ اُنہیں چورا چورا کر دیتا ہے۔ یقیناً ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو عقل رکھتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگدلوں کے برابر ہوسکتا ہے؟) ہاں! بربادی اُن کی ہے جن کے دِل اللہ کے ذِکر سے سخت ہوچکے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جس کی باتیں بار بار دُہرائی گئی ہیں۔ وہ لوگ جن کے دِلوں میں اپنے پروردگار کا رُعب ہے ان کی کھالیں اس سے کانپ اُٹھتی ہیں، پھر اُن کے جسم اور اُن کے دِل نرم ہوکر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آسمان سے پانی پہاڑوں پر برستا ہے، پھر وہاں سے پگھل پگھل کر دریاؤں اور ندیوں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور زمین کی تہہ میں سوتوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور دُوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے شروع میں پانی پیدا کیا، اور اُسے آسمان سے اُتار کر براہِ راست زمین کے سوتوں تک پہنچا دیا (رُوح المعانی)۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ جس کو چاہتا ہے، راہِ راست پر لے آتا ہے، اور جسے اللہ راستے سے بھٹکا دے، اُسے کوئی راستے پر لانے والا نہیں۔ ﴿۲۳﴾ بھلا (اُس شخص کا کیسا بُرا حال ہوگا) جو قیامت کے دن اپنے چہرے ہی سے بدترین عذاب کو روکنا چاہے گا؟ (۱۲) اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ: ''چکھو مزہ اُس کمائی کا جو تم نے کر رکھی تھی۔'' ﴿۲۴﴾ جو لوگ ان سے پہلے تھے، اُنہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آیا جس کی طرف اُن کا گمان بھی نہیں جاسکتا تھا، ﴿۲۵﴾ چنانچہ اللہ نے اُن کو اسی دُنیوی زندگی میں رُسوائی کا مزہ چکھایا، اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے! ﴿۲۶﴾

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی خاطر ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سبق حاصل کریں، ﴿۲۷﴾ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں! تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔ ﴿۲۸﴾

(۱۲) یہ دوزخ کے ایک خوفناک پہلو کی منظر کشی ہے۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ انسان جب کوئی تکلیف دہ چیز اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں یا پاؤں سے اُسے روکنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن دوزخ میں یہ اس لئے ممکن نہیں ہوگا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، اس لئے جسم سے عذاب کو روکنے کی کوئی اور صورت نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ چہرے ہی کو آگے کر کے اُسے ڈھال بنایا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ چہرے پر روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ چہرے کو تکلیف سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

ع ۳ ۱۰ ۱۷

اللہ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ ایک (غلام) شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی لوگ شریک ہیں جن کے درمیان آپس میں کھینچ تان بھی ہے، اور دُوسرا (غلام) شخص وہ ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آدمی کی ملکیت ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک جیسی ہوسکتی ہے؟ (۱۳) الحمدللہ! (اس مثال سے بات بالکل واضح ہوگئی) لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ ﴿۲۹﴾ (اے پیغمبر!) موت تمہیں بھی آنی ہے، اور موت انہیں بھی آنی ہے، ﴿۳۰﴾ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس اپنا مقدمہ پیش کروگے۔ ﴿۳۱﴾

اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، اور جب سچی بات اُس کے پاس آئے تو وہ اُس کو جھٹلا دے؟ کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۳۲﴾ اور جو لوگ سچی بات لے کر آئیں، اور خود بھی اُسے سچ مانیں وہ ہیں جو متقی ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۳) جو غلام کئی آدمیوں کی مشترک ملکیت میں ہو، اور وہ کئی آدمی بھی آپس میں جھگڑتے رہتے ہوں، وہ ہمیشہ پریشانی کا شکار رہتا ہے کہ کس کا کہنا مانوں، اور کس کا نہ مانوں، اس کے برخلاف جو غلام کسی ایک ہی آقا کی ملکیت میں ہو، اُسے یہ پریشانی پیش نہیں آتی، وہ یکسو ہوکر اپنے آقا کی اطاعت کرسکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص توحید کا قائل ہے، وہ ہمیشہ یکسو ہوکر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے، اور اُسی کی عبادت کرتا ہے، اس کے برخلاف جن لوگوں نے کئی کئی خدا گھڑ رکھے ہیں، وہ کبھی ایک جھوٹے دیوتا کا سہارا لیتے ہیں، کبھی دوسرے کا، اور اُنہیں یکسوئی میسر نہیں آتی۔ اس طرح یہ مثال توحید کی دلیل بھی ہے، اور اُس کی حکمت بھی۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

اُن کو اپنے پروردگار کے پاس ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ ہے نیک لوگوں کا بدلہ، ﴿۳۴﴾ تاکہ اُنہوں نے جو بدترین کام کئے تھے، اللہ اُن کا کفارہ کردے، اور جو بہترین کام کرتے رہے تھے، اُن کا ثواب اُنہیں عطا فرمائے۔ ﴿۳۵﴾ (اے پیغمبر!) کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ تمہیں اُس کے سوا دُوسروں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ راستے سے بھٹکادے، اُسے کوئی راستے پر لانے والا نہیں، ﴿۳۶﴾ اور جسے اللہ راہِ راست پر لے آئے، اُسے کوئی راستے سے بھٹکانے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست، انتقام لینے والا نہیں؟ ﴿۳۷﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ (ان سے) کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کو پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کیا یہ اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان کو دُور کرسکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہے تو کیا یہ اُس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟“ کہو کہ: ”میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ رکھنے والے اُسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“ ﴿۳۸﴾

قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ‌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ‏ ﴿۳۹﴾ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ‏ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَـقِّ‌ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ‏ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا‌ ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ‏ ﴿۴۲﴾

ع ۱

کہہ دو کہ: ''اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے طریقے پر عمل کیے جاؤ، میں (اپنے طریقے پر) عمل کر رہا ہوں، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا ﴿۳۹﴾ کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ عذاب نازل ہوتا ہے جو ہمیشہ جم کر رہے گا۔'' ﴿۴۰﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے تم پر یہ کتاب برحق نازل کی ہے۔ اب جو شخص راہِ راست پر آجائے گا، وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، وہ اپنی گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرے گا، اور تم اُس کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ﴿۴۱﴾

اللہ تمام رُوحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، اُن کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے،) پھر جن کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کر لیا، اُنہیں اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دُوسری رُوحوں کو ایک معین وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ (۱۴) یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

(۱۴) نیند کی حالت میں بھی کسی درجے میں رُوح قبض ہوتی ہے، لیکن اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، واپس آجاتی ہے، اور اگر موت کا وقت آچکا ہو تو اسے پوری طرح قبض کر لیا جاتا ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾

بھلا کیا ان لوگوں نے اللہ (کی اجازت) کے بغیر کچھ سفارشی گھڑ رکھے ہیں؟ (ان سے) کہو کہ: "چاہے یہ نہ کوئی اختیار رکھتے ہوں، نہ کچھ سمجھتے ہوں (پھر بھی تم انہیں سفارشی مانتے رہوگے؟)"[15] ﴿۴۳﴾ کہو کہ: "سفارش تو ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اُسی کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، پھر اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔" ﴿۴۴﴾ اور جب کبھی تنہا اللہ کا ذِکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اُن کے دِل بیزار ہوجاتے ہیں، اور جب اُس کے سوا دُوسروں کا ذِکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھل اُٹھتے ہیں۔ ﴿۴۵﴾ کہو: "اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، ہر غائب و حاضر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔" ﴿۴۶﴾

---

(۱۵) اس سے مراد وہ من گھڑت دیوتا ہیں جن کو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سفارشی سمجھ رکھا تھا۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور جن لوگوں نے ظلم کا اِرتکاب کیا ہے، اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے، اور اُس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی، تو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ کے طور پر دینے لگیں گے، اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ ان کے سامنے آجائے گا جس کا اُنہیں گمان بھی نہیں تھا، ﴿۴۷﴾ اُنہوں نے جو کمائی کی تھی، اُس کی بُرائیاں اُن کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی، اور جن باتوں کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے، وہ اُنہیں چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ ﴿۴۸﴾ پھر[۱۶] اِنسان (کا حال یہ ہے کہ جب اُس) کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، اس کے بعد جب ہم اُسے اپنی طرف سے کسی نعمت سے نوازتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ: ''یہ تو مجھے (اپنے) ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔'' نہیں! بلکہ یہ آزمائش ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۴۹﴾

---

(۱۶) یعنی ایک طرف تو کافر لوگ توحید کا اِنکار کرتے ہیں، اور دُوسری طرف جب کوئی تکلیف آتی ہے تو بتوں کو نہیں، ہمیں پکارتے ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

یہی بات ان سے پہلے (کچھ) لوگوں نے بھی کہی تھی،(۱۷) نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ اُن کے کام نہیں آیا، ﴿۵۰﴾ اور اُنہوں نے جو کمائی کی تھی، اُس کی بُرائیاں اُنہی پر آپڑیں، اور اِن (عرب کے) لوگوں میں سے جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، ان کی کمائی کی بُرائیاں بھی عنقریب ان پر آپڑیں گی، اور یہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ ﴿۵۱﴾ اور کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور وہی تنگی بھی کر دیتا ہے؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۵۲﴾

کہہ دو کہ: "اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔(۱۸) یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۵۳﴾

(۱۷) مثلاً قارون نے یہی بات کہی تھی کہ مجھے جو دولت ملی ہے، وہ میرے علم و ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔ دیکھئے سورۂ قصص (۲۸:۷۸)۔

(۱۸) یعنی اگر کسی شخص نے ساری زندگی کفر، شرک یا گناہوں میں گذاری ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب اُس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے جس وقت بھی انسان اپنی اِصلاح کا پختہ

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

اور تم اپنے پروردگار سے لو لگاؤ، اور اُس کے فرماں بردار بن جاؤ قبل اس کے کہ تمہارے پاس عذاب آپہنچے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس جو بہترین باتیں نازل کی گئی ہیں، اُن کی پیروی کرو، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، ﴿۵۵﴾ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو یہ کہنا پڑے کہ: ''ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے معاملے میں برتی! اور سچی بات یہ ہے کہ میں تو (اللہ تعالیٰ کے اَحکام کا) مذاق اُڑانے والوں میں شامل ہوگیا تھا۔'' ﴿۵۶﴾ یا کوئی یہ کہے کہ: ''اگر مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں بھی متقی لوگوں میں شامل ہوتا۔'' ﴿۵۷﴾ یا جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ کہے کہ: ''کاش مجھے ایک مرتبہ واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں نیک لوگوں میں شامل ہوجاؤں!'' ﴿۵۸﴾ (تجھے ہدایت) کیوں نہیں (دی گئی؟) میری آیتیں تیرے پاس آچکی تھیں، پھر تو نے اُنہیں جھٹلایا، اور بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا، اور کافروں میں شامل رہا۔ ﴿۵۹﴾

ارادہ کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی پچھلی زندگی کی معافی مانگے، اور توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اُن کے چہرے سیاہ پڑے ہوئے ہیں۔ کیا جہنم میں ایسے متکبروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۶۰﴾ اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اللہ اُن کو نجات دے کر اُن کی مراد کو پہنچا دے گا، اُنہیں کوئی تکلیف چھوے گی بھی نہیں، اور نہ اُنہیں کسی بات کا غم ہوگا۔ ﴿۶۱﴾ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔ ﴿۶۲﴾ سارے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے، گھاٹے میں رہنے والے وہی ہیں۔ ﴿۶۳﴾ کہہ دو کہ: ''کیا پھر بھی اے جاہلو! تم مجھ سے کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟'' ﴿۶۴﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ تم سے اور تم سے پہلے تمام پیغمبروں سے وحی کے ذریعے یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا، اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ ﴿۶۵﴾ لہٰذا اس کے بجائے تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اور شکر گذار لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔ ﴿۶۶﴾

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اُس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، حالانکہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی، اور سارے کے سارے آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے، اور بہت بالا و برتر اُس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ﴿۶۷﴾ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔ پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ ﴿۶۸﴾ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی، اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اور انبیاء اور سب گواہوں کو حاضر کر دیا جائے گا، اور لوگوں کے درمیان بالکل برحق فیصلہ کیا جائے گا، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۹﴾ اور ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۷۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، اُنہیں جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے کھولے جائیں گے،

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

اور اُس کے محافظ اُن سے کہیں گے کہ: ''کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رَبّ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں، اور تمہیں اس دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے ہوں؟'' وہ کہیں گے کہ: ''بیشک آئے تھے، لیکن عذاب کی بات کافروں پر سچی ہو کر رہی۔'' ﴿۷۱﴾ کہا جائے گا کہ: ''جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ، کیونکہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اُن کا جو تکبر سے کام لیتے ہیں۔'' ﴿۷۲﴾ اور جنہوں نے اپنے پروردگار سے تقویٰ کا معاملہ رکھا تھا اُنہیں جنت کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے، جبکہ اُس کے دروازے اُن کے لئے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے، (تو وہ عجیب عالم ہوگا) اور اُس کے محافظ اُن سے کہیں گے کہ: ''سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے آ جایئے۔'' ﴿۷۳﴾ اور وہ (جنتی) کہیں گے کہ: ''تمام تر شکر اللہ کا ہے جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دِکھایا، اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنا لیں۔ ثابت ہوا کہ بہترین اِنعام (نیک) عمل کرنے والوں کا ہے۔'' ﴿۷۴﴾

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۸ ۵

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ: ''تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔'' ﴿۷۵﴾

الحمدللہ! سورۂ زُمر کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج شبِ جمعہ میں بتاریخ ۲۷ رشوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۸ رنومبر ۲۰۰۷ء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المؤمن

تعارف

یہاں سے سورۂ احقاف تک ہر سورت حٰمٓ کے حروفِ مقطعات سے شروع ہو رہی ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، ان حروف کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ یہ سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہو رہی ہیں، اس لئے ان کو "حوامیم" کہا جاتا ہے، اور ان کے اُسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو اَدبی حسن ہے، اُس کی وجہ سے انہیں ''عروس القرآن''، یعنی قرآن کی دُلہن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ یہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور ان میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر زور دیا گیا ہے، کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور کفر کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے، اور بعض انبیائے کرام کے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس پہلی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آیت ۲۸ سے ۳۵ تک فرعون کی قوم کے ایک ایسے مردِ مؤمن کی تقریر نقل فرمائی گئی ہے جنہوں نے اپنا ایمان اب تک چھپایا ہوا تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رُفقاء پر فرعون کے مظالم بڑھنے کا اندیشہ ہوا، اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اُنہوں نے اپنے ایمان کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں یہ مؤثر تقریر فرمائی۔ اسی مردِ مؤمن کے حوالے سے اس سورت کا نام بھی مؤمن ہے، اور اسے سورۂ غافر بھی کہتے ہیں، ''غافر'' کے معنی ہیں ''معاف کرنے والا''۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے سورت کی پہچان کے لئے اس کا ایک نام غافر بھی رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۸۵ ۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاسی آیتیں اور نو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری جارہی ہے جو بڑا صاحبِ اِقتدار، بڑے علم کا مالک ہے، ﴿۲﴾ جو گناہ کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اُسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۳﴾ اللہ کی آیتوں میں جھگڑے وہی لوگ پیدا کرتے ہیں جنہوں نے کفر اَپنا لیا ہے۔ لٰہذا ان لوگوں کا شہروں میں دندناتے پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔(۱) ﴿۴﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم اور اُن کے بعد بہت سے گروہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا، اور ہر قوم نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہ ارادہ کیا تھا کہ اُنہیں گرفتار کرلے، اور انہوں نے باطل کا سہارا لے کر جھگڑے کئے تھے تاکہ اُس کے ذریعے حق کو مٹادیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اُن کو پکڑ میں لے لیا۔ اب (دیکھ لو کہ) میری سزا کیسی (سخت) تھی؟ ﴿۵﴾

(۱) یعنی کافر لوگ اپنے کفر کے باوجود جس طرح خوش حال نظر آتے ہیں، اُس سے کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ اُنہیں اپنے کئے کی سزا نہیں ملے گی۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع

(حاشیہ: وقف لازم ۔ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اسی طرح جن لوگوں نے کفر اَپنا لیا ہے، اُن کے بارے میں تمہارے پروردگار کی یہ بات بھی پکی ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ﴿۶﴾

وہ (فرشتے) جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور اُس پر اِیمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اُن کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں (کہ): "اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے جن لوگوں نے توبہ کرلی ہے، اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں، اُن کی بخشش فرمادے، اور اُنہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ ﴿۷﴾ اور اے پروردگار! اُنہیں ہمیشہ رہنے والی اُن جنتوں میں داخل فرما جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ نیز اُن کے ماں باپ اور بیوی بچوں میں سے جو نیک ہوں، اُنہیں بھی۔ یقیناً تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۸﴾ اور اُن کو ہر طرح کی بُرائیوں سے محفوظ رکھ۔[۲] اور اُس دن جسے تو نے بُرائیوں سے محفوظ کرلیا، اُس پر تو نے بڑا رحم فرمایا۔ اور یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۹﴾

---

(۲) بُرائیوں سے مراد دوزخ کی تکلیفیں بھی ہوسکتی ہیں، اور دُنیا میں کی ہوئی بُرائیاں بھی، اور اُس صورت میں

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ: ''(آج) تمہیں جتنی بیزاری اپنے آپ سے ہورہی ہے،(۳) اُس سے زیادہ بیزاری اللہ کو اُس وقت ہوتی تھی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی، اور تم انکار کرتے تھے۔'' ﴿۱۰﴾ وہ کہیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی،(۴) اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟'' ﴿۱۱﴾ (جواب دیا جائے گا کہ:) ''تمہاری یہ حالت اس لئے ہے کہ جب اللہ کو تنہا پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے، اور اگر اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ اب تو فیصلہ اللہ ہی کا ہے جس کی شان بہت اُونچی، جس کی ذات بہت بڑی ہے۔'' ﴿۱۲﴾

مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں کی ہوئی بُرائیوں کے انجام سے بچائے، یعنی اُن بُرائیوں کو معاف فرمادے۔

(۳) یہ بات اُس وقت کہی جائے گی جب کافر لوگ دوزخ میں پہنچ کر عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور اُس وقت وہ خود اپنے آپ سے نفرت کریں گے کہ ہم نے دُنیا میں کفر کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔

(۴) ایک مرتبہ کی موت سے مراد تو پیدائش سے پہلے کا وہ وقت ہے جب انسان وجود ہی میں نہیں آیا تھا، اور اُس وقت گویا مُردہ تھا، اور دُوسری موت سے مراد وہ موت ہے جو زندگی کے آخر میں آئی۔ کافروں کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں اس بات کے تو قائل تھے کہ ہم پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھے، اور آخر میں ہمیں موت آنے والی ہے، لیکن دو مرتبہ زندگی کے قائل نہیں تھے۔ اب ہمیں اس دوسری زندگی کا بھی یقین آگیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ۬ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ ؕ۬ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿ؕ۱۸﴾

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دِکھاتا، اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اُتارتا ہے۔ اور نصیحت تو وہی مانا کرتا ہے جو (ہدایت کے لئے) دِل سے رُجوع ہو۔ ﴿۱۳﴾ لہٰذا (اے لوگو!) اللہ کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اُسی کے لئے ہو، چاہے کافروں کو کتنا بُرا لگے۔ ﴿۱۴﴾ وہ اُونچے درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے رُوح (یعنی وحی) نازل کردیتا ہے تاکہ ملاقات کے اُس دن سے (لوگوں کو) خبردار کرے ﴿۱۵﴾ جس دن وہ سب کُھل کر سامنے آجائیں گے، اللہ سے اُن کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوگی۔ (کہا جائے گا:) ''کس کی بادشاہی ہے آج؟'' (جواب ایک ہی ہوگا کہ:) ''صرف اللہ کی جو واحد و قہار ہے۔'' ﴿۱۶﴾ آج کے دن ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۱۷﴾ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک ایسی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جو قریب آنے والی ہے، جب لوگوں کے کلیجے گھٹ گھٹ کر منہ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا، اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ ﴿۱۸﴾

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقۡضِيۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَيۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۲۰﴾ ع اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡا هُمۡ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الۡاَرۡضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۳﴾ لا اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوۡنَ فَقَالُوۡا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

اللہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے، اور اُن باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔ ﴿۱۹﴾ اور اللہ برحق فیصلے کرتا ہے، اور اُسے چھوڑ کر جن (جھوٹے خداؤں) کو یہ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے، اُن کا کیسا انجام ہو چکا ہے۔ وہ طاقت میں بھی ان سے زیادہ مضبوط تھے، اور زمین میں چھوڑی ہوئی یادگاروں کے اعتبار سے بھی۔ پھر اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُنہیں پکڑ میں لے لیا، اور کوئی نہیں تھا جو اُنہیں اللہ سے بچائے۔ ﴿۲۱﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس اُن کے پیغمبر کھلی کھلی دلیلیں لے کر آتے تھے، تو یہ انکار کرتے تھے، اس لئے اللہ نے انہیں پکڑ میں لیا۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا، سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور بڑی واضح دلیل دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹا جادوگر ہے۔ ﴿۲۳ و ۲۴﴾

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

پھر جب وہ لوگوں کے پاس وہ حق بات لے کر گئے جو ہماری طرف سے آئی تھی (۵) تو اِنہوں نے کہا کہ: ''جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو، اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھو۔'' حالانکہ کافروں کی چال کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مقصد تک نہ پہنچ سکیں۔ ﴿۲۵﴾ اور فرعون نے کہا: ''لاؤ، میں موسیٰ کو قتل ہی کر ڈالوں، اور اُسے چاہئے کہ اپنے رَبّ کو پکار لے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دِین بدل ڈالے گا، یا زمین میں فساد برپا کر دے گا۔'' ﴿۲۶﴾ اور موسیٰ نے کہا: ''میں نے تو ہر اُس متکبر سے جو یومِ حساب پر اِیمان نہیں رکھتا، اُس کی پناہ لے لی ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔'' ﴿۲۷﴾

(۵) یعنی جب وہ سچے دِین کا پیغام عام لوگوں کے پاس لے کر گئے، اور بہت سے لوگ اُن پر اِیمان لانے لگے تو فرعون کے لوگوں نے یہ تجویز دی کہ جو مرد اِیمان لائیں، اُن کے بیٹوں کو قتل کر دو، اور عورتوں کو زندہ رکھو تا کہ اُنہیں غلام بنا کر اُن سے خدمت لی جائے۔ یہ حکم ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دیا گیا تھا، جس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ اور سورۂ قصص میں گذر چکی ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص فرعون کا تختہ اُلٹے گا۔ اور دُوسری بار یہ حکم اُس وقت دیا گیا جب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اِیمان لانے لگے۔ اور بیٹوں کو قتل کرنے کا منشاء ایک تو یہ تھا کہ ایمان لانے والوں کی نسل نہ پھیلے، اور دُوسرے عام طور سے انسان کو اپنے بیٹوں کے قتل ہونے کا زیادہ صدمہ ہوتا ہے، اس لئے لوگ ایمان لاتے ہوئے ڈریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کی اس طرح کی تدبیریں آخر کار ناکام ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوتا ہے، وہی غالب رہتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخر کار فرعون غرق ہوا، اور بنی اسرائیل کو فتح حاصل ہوئی۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مؤمن شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا،(۶) بول اُٹھا کہ: ''کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا،(۷) اور اگر سچا ہو تو جس چیز سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے، اُس میں سے کچھ تو تم پر آہی پڑے گی۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذر جانے والا (اور) جھوٹ بولنے کا عادی ہو۔ ﴿۲۸﴾ اے میری قوم! آج تو تمہیں ایسی سلطنت حاصل ہے کہ زمین میں تمہارا راج ہے، لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو کون ہے جو اُس کے مقابلے میں ہماری مدد کرے؟'' فرعون نے کہا: ''میں تو تمہیں وہی رائے دُوں گا جسے میں دُرست سمجھتا ہوں، اور میں تمہاری جو رہنمائی کر رہا ہوں، وہ بالکل ٹھیک راستے کی طرف کر رہا ہوں۔'' ﴿۲۹﴾

---

(۶) یہ صاحب کون تھے؟ ان کا نام قرآنِ کریم نے نہیں لیا، بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ فرعون کے چچازاد بھائی تھے، اور ان کا نام شمعان تھا۔ واللہ اعلم۔

(۷) یعنی جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، اُسے اللہ تعالیٰ دُنیا ہی میں رُسوا کر دیتا ہے، اس لئے اگر بالفرض یہ جھوٹے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں خود رُسوا کر دے گا، تمہیں ان کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوۡمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ مِّثۡلَ يَوۡمِ الۡاَحۡزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثۡلَ دَاۡبِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَ يٰقَوۡمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ يَوۡمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِيۡنَ ۚ مَا لَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِيۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُۨ ﴿۳۴﴾

اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اُس نے کہا: ''اے میری قوم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر ویسا ہی دن نہ آ جائے جیسا بہت سے گروہوں پر آ چکا ہے۔ ﴿۳۰﴾ (اور تمہارا حال بھی ویسا نہ ہو) جیسا حال نوح (علیہ السلام) کی قوم کا، اور عاد و ثمود کا اور اُن کے بعد کے لوگوں کا ہوا تھا۔ اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ ﴿۳۱﴾ اور اے میری قوم! مجھے تم پر اُس دن کا خوف ہے جس میں چیخ پکار مچی ہوگی، ﴿۳۲﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگو گے کہ کوئی بھی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا، اور جسے اللہ بھٹکا دے، اُسے کوئی راستہ دِکھانے والا میسر نہیں آتا۔ ﴿۳۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے،[8] تب بھی تم اُن کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق شک میں پڑے رہے۔ پھر جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ اُن کے بعد اللہ اب کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔[9] اسی طرح اللہ اُن تمام لوگوں کو گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے جو حد سے گذرے ہوئے، شکی ہوتے ہیں، ﴿۳۴﴾

(۸) یہ خطاب فرعون کی قوم یعنی قبطیوں کو ہو رہا ہے، اور قبطیوں کو ہدایت کا پیغام حضرت یوسف علیہ السلام نے دیا تھا۔

(۹) یعنی اوّل تو حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت ہی کا انکار کرتے رہے، اور جب اُن کی وفات ہوگئی تو اُن کے کارنامے یاد کر کے تم نے یہ کہا کہ اگر وہ رسول تھے بھی تو اب اُن جیسا آدمی پیدا نہیں ہوسکتا، اور اس طرح آئندہ بھی کسی پیغمبر کو ماننے کا دروازہ بند کر دیا۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ ع ۴

جو اپنے پاس کسی واضح دلیل کے آئے بغیر اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بھی قابلِ نفرت ہے، اور اُن لوگوں کے نزدیک بھی جو اِیمان لے آئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر جابر شخص کے دِل پر مہر لگا دیتا ہے۔" ﴿۳۵﴾

اور فرعون نے (اپنے وزیر سے) کہا کہ: "اے ہامان! میرے لئے ایک اُونچی عمارت بنادو، تاکہ میں اُن راستوں تک پہنچوں ﴿۳۶﴾ جو آسمانوں کے راستے ہیں، پھر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔[10] اور یقین رکھو کہ میں تو اُسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔" اسی طرح فرعون کی بدکرداری اُس کی نظر میں خوشنما بنادی گئی تھی، اور اُسے راستے سے روک دیا گیا تھا۔[11] اور فرعون کی کوئی چال ایسی نہیں تھی جو بربادی میں نہ گئی ہو۔ ﴿۳۷﴾ اور جو شخص اِیمان لے آیا تھا اُس نے کہا: "اے میری قوم! میری بات مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لے جاؤں گا۔ ﴿۳۸﴾

(۱۰) ظاہر یہ ہے کہ یہ بات فرعون نے طنز کے طور پر کہی تھی، کیونکہ وہ خود خدائی کا دعوے دار تھا، اور اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید کردوں گا (دیکھئے سورۂ شعراء ۲۶: ۲۹)۔

(۱۱) یعنی اُس کی نفسانی خواہشات نے اُسے سیدھے راستے پر چلنے سے روک رکھا تھا، اور یہ سجھا دیا تھا کہ جو کام تم کررہے ہو، وہ بہت اچھا ہے۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

النصف

اے میری قوم! یہ دُنیوی زندگی تو بس تھوڑا سا مزہ ہے، اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔ ﴿۳۹﴾ اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی ہوگی، اُسے اُسی کے برابر بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے نیک کام کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ وہاں اُنہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ ﴿۴۰﴾ اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں، اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو؟ ﴿۴۱﴾ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کا انکار کروں، اور اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک مانوں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، اور میں تمہیں اُس ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو بڑی صاحبِ اقتدار، بہت بخشنے والی ہے۔ ﴿۴۲﴾ سچ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ کسی دعوت کے اہل نہیں ہیں، نہ دُنیا میں، نہ آخرت میں،(۱۲) اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اور یہ کہ جو لوگ حد سے گذرنے والے ہیں، وہ آگ کے باسی ہیں۔ ﴿۴۳﴾

---

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو، خود اُن میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے پوجنے کی دعوت دیں، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جن کو تم پوجنے کی ہمیں دعوت دے رہے ہو، وہ اس دعوت کے ہرگز لائق نہیں ہیں۔

فَسَتَذۡكُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ‌ؕ وَاُفَوِّضُ اَمۡرِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝۴۴ فَوَقٰٮهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوۡا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡۤءُ الۡعَذَابِ‌ۚ ۝۴۵ اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا‌ ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۚ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ۝۴۶ وَاِذۡ يَتَحَآجُّوۡنَ فِى النَّارِ فَيَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَـكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِيۡبًا مِّنَ النَّارِ ۝۴۷ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُلٌّ فِيۡهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ ۝۴۸

غرض تم عنقریب میری یہ باتیں یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔'' ﴿۴۴﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن لوگوں نے جو بُرے بُرے منصوبے بنا رکھے تھے، اللہ نے اُس (مردِ مؤمن) کو اُن سب سے محفوظ رکھا، اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا۔ ﴿۴۵﴾ آگ ہے جس کے سامنے اُنہیں صبح و شام پیش کیا جاتا ہے،(۱۳) اور جس دن قیامت آجائے گی، (اُس دن حکم ہوگا کہ:) ''فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو۔'' ﴿۴۶﴾

اور اُس وقت (کا دھیان رکھو) جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے، چنانچہ جو (دُنیا میں) کمزور تھے، وہ اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ''ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا تم آگ کا کچھ حصہ ہمارے بدلے خود لے لو گے؟'' ﴿۴۷﴾ وہ جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے کہ: ''ہم سب ہی اس دوزخ میں ہیں۔ اللہ تمام بندوں کے درمیان فیصلہ کرچکا ہے۔'' ﴿۴۸﴾

---

(۱۳) انسان کے مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی رُوح جس عالم میں رہتی ہے، اُسے عالمِ برزخ کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرعون اور اُس کے ساتھیوں کو عالمِ برزخ میں دوزخ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ اُنہیں پتہ چلے کہ اُن کا ٹھکانا یہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

اور یہ سب جو آگ میں پڑے ہوں گے، دوزخ کے نگرانوں سے کہیں گے کہ: ''اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ وہ کسی دن ہم سے عذاب کو ہلکا کردے۔'' ﴿۴۹﴾ وہ کہیں گے کہ: ''کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کھلی کھلی نشانیاں لے کر آتے نہیں رہے تھے؟'' دوزخی جواب دیں گے کہ: ''بیشک (آتے تو رہے تھے۔)'' وہ کہیں گے: ''پھر تو تم ہی دُعا کرو، اور کافروں کی دُعا کا کوئی انجام اکارت جانے کے سوا نہیں ہے۔'' ﴿۵۰﴾

یقین رکھو کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دُنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اُس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے،[۱۴] ﴿۵۱﴾ جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی، اور اُن کے حصے میں پھٹکار ہوگی، اور اُن کے لئے رہائش کی بدترین جگہ۔ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی، اور بنی اسرائیل کو اُس کتاب کا وارث بنایا ﴿۵۳﴾ جو عقل والوں کے لئے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی۔ ﴿۵۴﴾

---

(۱۴) یعنی جب لوگوں کے اعمال کی گواہی دینے کے لئے گواہوں کو بلایا جائے گا۔ یہ گواہ فرشتے بھی ہوں گے، اور انبیائے کرام وغیرہ بھی۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اپنے قصور پر اِستغفار کرتے رہو،(۱۵) اور صبح وشام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۵۵﴾ یقین جانو کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑے نکالتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس (اپنے دعوے کی) کوئی سند نہیں آئی، اُن کے سینوں میں اور کچھ نہیں، بلکہ اُس بڑائی کا ایک گھمنڈ ہے جس تک وہ کبھی پہنچنے والے نہیں ہیں۔(۱۶) لہٰذا تم اللہ کی پناہ مانگو۔ یقیناً وہی ہے جو ہر بات سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ ﴿۵۶﴾ یقینی بات ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ (اتنی سی بات) نہیں سمجھتے۔(۱۷) ﴿۵۷﴾

---

(۱۵) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک بنایا ہے۔ اس کے باوجود آپ کثرت سے اِستغفار فرمایا کرتے تھے، اور قرآنِ کریم میں بھی آپ کو اس کی تاکید فرمائی گئی ہے، تاکہ آپ کی اُمت یہ سبق لے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اپنے ایسے کاموں کی معافی مانگتے ہیں جو درحقیقت گناہ نہیں ہیں، لیکن آپ اُن کو اپنے مقامِ بلند کی وجہ سے قصور یا گناہ سمجھتے ہیں، تو جو لوگ معصوم نہیں ہیں، اُن کو تو اور زیادہ اِستغفار کرنا چاہئے۔

(۱۶) یعنی ان کو اپنے بارے میں جو گھمنڈ ہے کہ ہم کوئی بہت اُونچے درجے پر فائز ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ نہ وہ اس وقت کسی بڑے مرتبے پر ہیں، اور نہ کبھی ایسے کسی مرتبے پر پہنچ پائیں گے۔

(۱۷) مشرکینِ عرب مانتے تھے کہ آسمان وزمین سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور اندھا اور بینائی رکھنے والا دونوں برابر نہیں ہوتے، اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے، وہ اور بدکار برابر ہیں، (لیکن) تم لوگ بہت کم دھیان دیتے ہو۔ ﴿۵۸﴾ یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۵۹﴾ اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: "مجھے پکارو، میں تمہاری دُعائیں قبول کروں گا، بیشک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔" ﴿۶۰﴾ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو دیکھنے والا بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر اَدا نہیں کرتے۔ ﴿۶۱﴾ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر کہاں سے کوئی چیز تمہیں اوندھا چلا دیتی ہے؟ ﴿۶۲﴾

کہ اتنی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ذات اتنی عظیم الشان چیزیں عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ چنانچہ اس واضح بات کا بھی وہ انکار کرتے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ

اسی طرح وہ لوگ بھی اوندھے چلے تھے جو (پہلے) اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ﴿۶۳﴾ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور آسمان کو ایک گنبد، اور تمہاری صورت گری کی، اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا، اور پاکیزہ چیزوں میں سے تمہیں رزق عطا کیا۔ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے۔ غرض بڑی برکت والا ہے اللہ، سارے جہانوں کا پروردگار! ﴿۶۴﴾ وہی سدا زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لئے اُس کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اُسی کے لئے ہو۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۶۵﴾ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو کہ: ”مجھے اس بات سے منع کردیا گیا ہے کہ جب میرے پاس میرے رَبّ کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں آچکی ہیں، تو پھر بھی میں اُن کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سر جھکا دوں۔“ ﴿۶۶﴾ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے۔ پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں باہر لاتا ہے، پھر (وہ تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جاؤ، اور پھر بوڑھے ہو جاؤ

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ۚ

ع ۸ ۱۲ معانقۃ ۱۳

—— اور تم میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس سے پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں —— اور تا کہ تم ایک مقرر میعاد تک پہنچو، اور تا کہ تم عقل سے کام لو۔ (۱۸) ﴿۶۷﴾ وہی ہے جو زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ: ''ہو جا'' بس وہ ہو جاتا ہے۔ ﴿۶۸﴾

کیا تم نے اُن لوگوں کو دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں؟ کوئی کہاں سے ان کا رُخ پھیر دیتا ہے؟ ﴿۶۹﴾ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اِس کتاب کو بھی جھٹلایا ہے، اور اُس (تعلیم) کو بھی جس کا حامل بنا کر ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔ چنانچہ اِنہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا ﴿۷۰﴾ جب ان کے گلوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا، پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا، ﴿۷۱ و ۷۲﴾

(۱۸) یعنی یہ سمجھو کہ جو ذات انسان کو تخلیق کے ان سارے مراحل سے گذار رہی ہے، اُس کو کسی اور شریک کی کیا حاجت ہے؟ اور اُس کے سوا کون ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ نیز جس نے انسان کو اتنے سارے مراحل سے گذارا، کیا وہ اُسے ایک اور مرحلے سے گذار کر اُسے ایک دوسری زندگی نہیں دے سکتی؟

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ

پھر اِن سے کہا جائے گا: ''کہاں ہیں اللہ کے سوا وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم خدائی میں اُس کا شریک مانا کرتے تھے؟'' یہ کہیں گے: ''وہ سب تو ہم سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے کسی چیز کونہیں پکارا کرتے تھے۔''(۱۹) اس طرح اللہ کافروں کو بدحواس کر دیتا ہے۔ ﴿۷۳ و ۷۴﴾ (ان سے یہ پہلے ہی کہہ دیا گیا ہوگا کہ:) ''یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم زمین میں ناحق بات پر اترایا کرتے تھے، اور اس لئے کہ تم اکڑ دِکھاتے تھے۔ ﴿۷۵﴾ جاؤ، جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہوجاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے۔'' ﴿۷۶﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اب ہم ان (کافروں کو) جس (عذاب) سے ڈرا رہے ہیں، چاہے اُس کا کچھ حصہ ہم تمہیں بھی (تمہاری زندگی میں) دِکھلا دیں، یا تمہیں دُنیا سے اُٹھالیں، بہرصورت ان کو ہمارے پاس ہی واپس لایا جائے گا۔ ﴿۷۷﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں بتا دیئے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں نہیں بتائے۔

---

(۱۹) اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اُس وقت جھوٹ بول جائیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا، جیسا کہ سورۂ اَنعام (۶:۲۳) میں مذکور ہے۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ اُس وقت وہ

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

اور کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے۔[۲۰] پھر جب اللہ کا حکم آئے گا تو سچائی کا فیصلہ ہو جائے گا، اور جو لوگ باطل کی پیروی کر رہے ہیں، وہ اُس موقع پر سخت نقصان اُٹھائیں گے۔ ﴿۷۸﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی پیدا کئے، تاکہ اُن میں سے کچھ پر تم سواری کرو، اور اُنہی میں سے وہ بھی ہیں جنہیں تم کھاتے ہو۔ ﴿۷۹﴾ اور تمہارے لئے اُن میں بہت سے فائدے ہیں، اور اُن کا مقصد یہ بھی ہے کہ تمہارے دِلوں میں (کہیں جانے کی) جو حاجت ہو اُس تک پہنچ سکو۔ اور تمہیں ان جانوروں پر اور کشتیوں پر اُٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔ ﴿۸۰﴾ اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دِکھا رہا ہے، پھر تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۸۱﴾ بھلا کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کا انجام کیسا ہوا؟

یہ اعتراف کریں گے کہ جن بتوں وغیرہ کو ہم دُنیا میں پکارا کرتے تھے، اب ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ کوئی حقیقی چیز نہیں تھے، اور ہم کسی حقیقی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔

(۲۰) کفارِ مکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار نت نئے معجزے دِکھانے کی فرمائش کرتے رہتے تھے، اور اِصرار کرتے تھے کہ وہی معجزہ دِکھائیں جو ہم کہیں۔ اور مقصد سوائے وقت گذاری کے کچھ نہیں تھا، کیونکہ آپ کے کئی معجزات دیکھنے کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں تھے۔ اس لئے یہاں اُن کو دینے کے لئے یہ جواب سکھایا جارہا ہے کہ معجزہ دِکھانا کسی پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے دِکھایا جاسکتا ہے، اس لئے آپ ان سے صاف کہہ دیں کہ میں تمہاری نت نئی فرمائشیں پوری کرنے سے معذور ہوں۔

كَانُوٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹ / ۱۴

وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے، اور طاقت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور ان یادگاروں میں بھی جو وہ زمین میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ پھر بھی جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ اُن کے کچھ کام نہیں آیا۔ ﴿۸۲﴾ چنانچہ جب اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے، تب بھی وہ اپنے اُس علم پر ہی ناز کرتے رہے جو اُن کے پاس تھا، اور جس چیز کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آگھیرا۔ ﴿۸۳﴾ پھر جب اُنہوں نے ہمارا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُس وقت کہا کہ: ''ہم خدائے واحد پر اِیمان لے آئے، اور اُن سب کا ہم نے انکار کردیا جن کو ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔'' ﴿۸۴﴾ لیکن جب ہمارا عذاب اُنہوں نے دیکھ لیا تھا تو اُس کے بعد اُن کا اِیمان لانا اُنہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہی معمول ہے جو اُس کے بندوں میں پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور اُس موقع پر کافروں نے سخت نقصان اُٹھایا۔ ﴿۸۵﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۲/ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳/دسمبر ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء سورۂ مؤمن کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ حٰمٓ السَّجْدَة

تعارف

یہ سورت اُس مجموعے کا ایک حصہ ہے جسے حوامیم کہا جاتا ہے، اور جس کا تعارف پیچھے سورۂ مؤمن کے شروع میں گذر چکا ہے۔ اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کے اِثبات اور مشرکین کی تردید وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۳۸ آیتِ سجدہ ہے، یعنی اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، اس لئے اس کو حٰمٓ السجدة کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام سورہ "فُصِّلَتْ" بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔ نیز اسے "سورة المصابيح" اور "سورة الأقوات" بھی کہا جاتا ہے۔ (رُوح المعانی)

آیاتہا ۵۴ ۴۱ سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۱ رکوعاتہا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ﴿۲﴾ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۵﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ وَ اسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ یہ کلام اُس ذات کی طرف سے نازل کیا جارہا ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲﴾ عربی قرآن کی شکل میں یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں علم حاصل کرنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، ﴿۳﴾ یہ قرآن خوشخبری دینے والا بھی ہے، اور خبردار کرنے والا بھی۔ پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ موڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں وہ سنتے نہیں ہیں، ﴿۴﴾ اور (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہتے ہیں کہ: ''جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، اُس کے لئے ہمارے دِل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ لہٰذا تم اپنا کام کرتے رہو، ہم اپنا کام کررہے ہیں۔'' ﴿۵﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ (البتہ) مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ لہٰذا تم اپنا رُخ سیدھا اُسی کی طرف رکھو، اور اُسی سے مغفرت مانگو۔ اور بڑی تباہی ہے اُن مشرکوں کے لئے ﴿۶﴾

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٨ ع قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝١٠ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝١١

جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے،(۱) اور اُن کا حال یہ ہے کہ آخرت کے وہ بالکل ہی منکر ہیں۔ ﴿۷﴾ (البتہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے بیشک ایسا اَجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔" ﴿۸﴾ کہہ دو کہ: "کیا تم واقعی اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے زمین کو دو دِن میں پیدا کیا، اور اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پروَرِش کرنے والی ہے۔ ﴿۹﴾ اور اُس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کئے جو اُس کے اُوپر اُبھرے ہوئے ہیں، اور اُس میں برکت ڈال دی،(۲) اور اُس میں توازن کے ساتھ اُس کی غذائیں پیدا کیں ــ سب کچھ چار دِن میں(۳) ــ تمام سوال کرنے والوں کے لئے برابر!(۴) ﴿۱۰﴾ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جبکہ وہ اُس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا،(۵) اور اُس سے اور زمین سے کہا: "چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی۔" دونوں نے کہا: "ہم خوشی خوشی آتے ہیں۔"(۶) ﴿۱۱﴾

(۱) یہ سورت مکی ہے، اور اس کے علاوہ بعض دوسری مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہوچکی تھی، البتہ اُس کے تفصیلی اَحکام مدینہ منورہ میں آئے ہیں۔

(۲) زمین میں برکت ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں مخلوقات کے فائدے کی چیزیں پیدا فرمائیں، اور ایسا

نظام بنادیا کہ وہ زمین سے ضرورت کے مطابق مناسب مقدار میں نکلتی رہیں۔

(۳) ان چار دِنوں میں زمین کی تخلیق بھی شامل ہے جس کے بارے میں پیچھے فرمایا گیا تھا کہ وہ دو دِن میں مکمل فرمائی گئی، لہٰذا دو دِن میں زمین پیدا کی گئی، اور دو دِن میں اُس زمین پر پہاڑ اور دُوسری انسانی ضروریات کی چیزیں اور خوراک وغیرہ پیدا کرنے کا انتظام فرمایا گیا، اس طرح زمین اور اُس کے اُوپر کی اشیاء پیدا کرنے میں کل چار دِن استعمال فرمائے گئے۔ اور دو دِن میں ساتوں آسمان پیدا فرمائے گئے۔ اس طرح کائنات کی تخلیق کل چھ دن میں مکمل ہوئی، جیسا کہ سورۂ اَعراف (۷:۵۴)، سورۂ یونس (۱۰:۳)، سورۂ ہود (۱۱:۷)، سورۂ فرقان (۲۵:۵۹)، سورۂ الم السجدہ (۳۲:۴) اور سورۂ حدید (۵۷:۴) میں مذکور ہے۔ سورۂ اَعراف میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جب دنوں کا حساب سورج کے طلوع وغروب کے بجائے کسی اور معیار پر ہوتا تھا جس کا ٹھیک ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ وہ ایک ہی لمحے میں سب کچھ پیدا فرما دیتے، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، نیز اس میں اور بھی نہ جانے کیا کیا مصلحتیں ہوں گی جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(۴) اس جملے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ جو لوگ بھی زمین وآسمان کی تخلیق کے بارے میں سوال کریں، اُن سب کے لئے یہ یکساں جواب ہے۔ اور دُوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ''سوال کرنے والوں'' سے مراد وہ ساری مخلوقات ہیں جو زمین سے غذائیں حاصل کرنا چاہیں، چاہے وہ انسان ہوں، یا جنات، یا جانور۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا فرمایا ہے کہ وہ زمین سے اپنی اپنی غذا حاصل کرسکیں۔ مختلف مفسرین نے اس جملے کی یہ دونوں تفسیریں کی ہیں، چنانچہ ترجمے میں بھی دونوں کی گنجائش ہے۔

(۵) شروع میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کا مادّہ پیدا فرما دیا تھا جو دُھویں کی شکل میں تھا، پھر دو دِن میں اُسے سات آسمانوں کی صورت میں تبدیل فرما کر اُس کا مستقل نظام قائم فرمایا۔

(۶) ''چلے آؤ'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکم کے تابع بن جاؤ، ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ تم خوشی سے ہمارے حکم کے تابع بننا نہ چاہو، تب بھی تمہیں زبردستی تابع بننا ہی پڑے گا، یعنی زمین اور آسمان میں وہی کام ہوں گے جن کا اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق تکوینی طور پر ہم حکم دیں گے، تمہارے اندر یہ قدرت پیدا نہیں کی گئی ہے کہ تم ہمارے تکوینی اَحکام کی مخالفت کرسکو، لہٰذا اگر تم خوشی سے نہیں چاہو گے تو زبردستی تمہیں کرنا وہی ہوگا جو ہمارا حکم ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ انسان کا معاملہ کائنات کی دوسری مخلوقات سے مختلف ہے، انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو قسم کے اَحکام کا پابند ہے، ایک تکوینی اَحکام ہیں، مثلاً یہ کہ وہ کب پیدا ہوگا، کتنی

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

چنانچہ اُس نے دو دِن میں اپنے فیصلے کے تحت اُن کے سات آسمان بنادیئے، اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب حکم بھیج دیا۔(۷) اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا، اور اُسے خوب محفوظ کردیا۔ یہ اُس ذات کی نپی تلی منصوبہ بندی ہے جس کا اِقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی مکمل۔ ﴿۱۲﴾

عمر پائے گا، اُسے کونسی بیماریاں لاحق ہوں گی، اُس کی کتنی اولاد ہوگی، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، اور ان معاملات میں انسان کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے تابع رہنے پر مجبور ہے۔ یہاں آسمان وزمین سے یہ مکالمہ حقیقی بھی ہوسکتا ہے، اور مجازی بھی، لیکن انسان کو بتانا یہ مقصود ہے کہ ان تکوینی اَحکام میں چونکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنے پر مجبور ہے، اس لئے وہ ان اَحکام پر خوشی سے چلے، یا اُن پر ناخوش ہو، ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ لہٰذا ایک بندہ ہونے کی وجہ سے انسان کو وہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے جو زمین اور آسمان نے کیا کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم تو خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے تابع رہیں گے۔ لہٰذا غیر اختیاری معاملات میں جو بات بھی پیش آئے، انسان کو اُس پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کم از کم عقلی طور پر راضی رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی ایک قسم اور ہے جنہیں تشریعی اَحکام کہا جاتا ہے، یعنی کونسی چیز حلال ہے، کونسی حرام، اللہ تعالیٰ کو کونسا کام پسند ہے، کونسا ناپسند۔ انسان کو حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ وہی کام کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، لیکن اس بات پر اُسے اس طرح مجبور نہیں کیا گیا جیسے تکوینی اَحکام پر وہ مجبور ہے، بلکہ یہ اَحکام دینے کے بعد اُسے یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان پر عمل کرے، اور اگر چاہے تو نافرمانی کا راستہ اختیار کرلے، اور یہی اُس کا امتحان ہے جس کے نتیجے میں اُس کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ چونکہ دوسری مخلوقات کو اس امتحان میں نہیں ڈالا گیا، اس لئے اُن کو نہ تشریعی اَحکام دیئے گئے ہیں، اور نہ نافرمانی کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان اَحکام پر بھی انسان کو خوشی خوشی عمل کرنا چاہئے، کیونکہ اُس کی ابدی زندگی کی صلاح وفلاح اسی پر موقوف ہے۔

(۷) یعنی آسمانوں کا نظام چلانے کے لئے جو اَحکام مناسب تھے، وہ متعلقہ مخلوقات کو عطا فرمادیئے۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ﴿۱۳﴾ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾

پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: ''میں نے تمہیں اُس کڑکے سے خبردار کر دیا ہے جیسا کڑکا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔'' ﴿۱۳﴾ یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُن کے پاس پیغمبر (کبھی) اُن کے آگے سے اور (کبھی) اُن کے پیچھے سے(۸) یہ پیغام لے کر آئے کہ اللہ کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرو۔ اُنہوں نے کہا کہ: ''اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے بھیجتا۔ لہٰذا جس بات کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔'' ﴿۱۴﴾ پھر عاد کا قصہ تو یہ ہوا کہ اُنہوں نے زمین میں ناحق تکبر کا رویہ اختیار کیا، اور کہا کہ: ''کون ہے جو طاقت میں ہم سے زیادہ ہو؟'' بھلا کیا اُن کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں اُن سے کہیں زیادہ ہے؟ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ ﴿۱۵﴾ چنانچہ ہم نے کچھ منحوس دنوں میں(۹) اُن پر آندھی کی شکل میں ہوا بھیجی تا کہ اُنہیں دُنیوی زندگی میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ اور آخرت کا عذاب اُس سے بھی زیادہ رُسوا کرنے والا ہے، اور اُن کو کوئی مدد میسر نہیں آئے گی۔ ﴿۱۶﴾

---

(۸) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر رُخ سے اپنی قوموں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

(۹) قرآن وسنت کے متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

رہے ثمود، تو ہم نے اُنہیں سیدھا راستہ دِکھایا تھا، لیکن اُنہوں نے سیدھا راستہ اختیار کرنے کے مقابلے میں اندھا رہنے کو زیادہ پسند کیا، چنانچہ اُنہوں نے جو کمائی کر رکھی تھی، اُس کی وجہ سے اُن کو ایسے عذاب کے کڑکے نے آ پکڑا جو سراپا ذِلت تھا، ﴿۱۷﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے، اور تقویٰ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن کو ہم نے نجات دے دی۔ ﴿۱۸﴾

اور اُس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دُشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا جائے گا، چنانچہ اُنہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔(۱۰) ﴿۲۰﴾ وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ: ''تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟'' وہ کہیں گی کہ: ''ہمیں اُسی ذات نے بولنے کی طاقت دے دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی۔'' اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور اُسی کی طرف تمہیں واپس لے جایا جا رہا ہے۔ ﴿۲۱﴾

کسی بھی دن میں بذاتِ خود کوئی عمومی نحوست نہیں ہوتی، اس لئے یہاں منحوس دنوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن اُن لوگوں کے لئے منحوس ثابت ہوئے۔

(۱۰) شروع میں مشرک لوگ بوکھلاہٹ کے عالم میں یہ جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو کبھی شرک نہیں کیا تھا،

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاۤءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۷

اورتم (گناہ کرتے وقت) اس بات سے تو چھپ ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں، لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کا علم نہیں ہے۔[11] ﴿۲۲﴾ اپنے پروردگار کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تمہیں برباد کیا، اور اسی کے نتیجے میں تم اُن لوگوں میں شامل ہوگئے جو سراسر خسارے میں ہیں۔ ﴿۲۳﴾ اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ صبر کریں تب بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر یہ معذرت چاہیں تو یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کی معذرت قبول کی جاتی ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور ہم نے (دُنیا میں) ان پر کچھ ساتھی مسلط کردیئے تھے[12] جنہوں نے ان کے آگے پیچھے کے سارے کاموں کو خوشنما بنادیا تھا، چنانچہ جو دوسرے جنات اور اِنسان ان سے پہلے گذر چکے ہیں، اُن کے ساتھ مل کر (عذاب کی) بات ان پر بھی سچی ہوئی۔ یقیناً وہ سب خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ اَنعام (۶: ۲۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اُس موقع پر اللہ تعالیٰ خود اُنہی کے جسم کے مختلف حصوں سے اُن کے خلاف گواہی دِلوائیں گے۔

(۱۱) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض احمق کافر یہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ کوئی گناہ چھپ کر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو اُس کا علم نہیں ہوگا، اُس وقت وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے گناہ کا نہ کوئی گواہ ہے، اور نہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اس کا پتہ چلے گا۔ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر بات کا گواہ ہے ہی، خود اُن کے جسم کے یہ اعضاء بھی اُن کے خلاف گواہ بن جائیں گے۔

(۱۲) اس سے مراد وہ شیاطین بھی ہیں جو اِنسانوں کو گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے گناہوں کے لئے بہکاتے تھے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور یہ کافر (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ''اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو تاکہ تم ہی غالب رہو۔''﴿۲۶﴾ اس لئے ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور یہ (دُنیا میں) جو بدترین کام کیا کرتے تھے، اُس کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔﴿۲۷﴾ یہی ہے سزا اللہ کے دُشمنوں کی جو آگ کی صورت میں ہوگی۔ اُسی میں اُن کا دائمی ٹھکانا ہوگا، جو اس بات کا بدلہ ہوگا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔﴿۲۸﴾ اور یہ کافر لوگ کہیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اُن جنات اور اِنسانوں دونوں کی صورت دِکھایئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، تاکہ ہم اُنہیں اپنے پاؤں تلے ایسا روندیں کہ وہ خوب ذلیل ہوں۔''(۱۳)﴿۲۹﴾ (دوسری طرف) جن لوگوں نے کہا ہے کہ: ''ہمارا ربّ اللہ ہے'' اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو اُن پر بیشک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اُتریں گے کہ: ''نہ کوئی خوف دِل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اُس جنت سے خوش ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔﴿۳۰﴾

اور ایسے انسان بھی جو گناہ کے کاموں کو مفید اور ضروری قرار دینے کے لئے طرح طرح کے دلائل گھڑتے اور اُن کی بنیاد پر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۳) دُنیا میں انسان کے جو ساتھی اُسے دِین سے غافل کرکے گمراہ کرتے رہے، وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ ع وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

ع ۴/۱۸

ہم دُنیا والی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے، اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تمہارا دِل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جو تم منگوانا چاہو، ﴿۳۱﴾ یہ سب کچھ اُس ذات کی طرف سے پہلی پہلی میزبانی ہے جس کی بخشش بھی بہت ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔'' ﴿۳۲﴾ اور اُس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔ ﴿۳۳﴾ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ تم بدی کا دِفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔(۱۴) نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دُشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے گا جیسے وہ (تمہارا) جگری دوست ہو۔ ﴿۳۴﴾ اور یہ بات صرف اُنہی کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں، اور یہ بات اُسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔ ﴿۳۵﴾

وہ شیطان جو اُسے بہکاتا رہا، وہ بھی۔ ان دونوں کے بارے میں دوزخی شخص یہ کہے گا کہ مجھے یہ گمراہ کرنے والے نظر آجائیں تو میں انہیں پاؤں تلے روند ڈالوں۔

(۱۴) یعنی جو شخص تمہارے ساتھ بُرا سلوک کر رہا ہو، اگرچہ تمہارے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اُس سے برابر کا بدلہ لے لو، لیکن بہتر یہ ہے کہ اُس کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔ ایسا کرو گے تو تمہارا دُشمن بھی دوست بن جائے گا، اور تم نے اُس کی بُرائی پر جو صبر کیا اُس کا بہترین ثواب آخرت میں تمہیں ملے گا۔

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

السجدۃ ۱۱

اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔(۱۵) بیشک وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔﴿۳۶﴾ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دِن اور سورج اور چاند۔ نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، اور سجدہ اُس اللہ کو کرو جس نے اُنہیں پیدا کیا ہے، اگر واقعی تمہیں اُسی کی عبادت کرنی ہے۔﴿۳۷﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) تکبر سے کام لیں، تو (کرتے رہیں) کیونکہ جو (فرشتے) تمہارے رَبّ کے پاس ہیں، وہ دن رات اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ اُکتاتے نہیں ہیں۔(۱۶) ﴿۳۸﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ مرجھائی پڑی ہے۔ پھر جونہی ہم نے اُس پر پانی اُتارا، وہ حرکت میں آگئی، اور اُس میں بڑھوتری پیدا ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اُس زمین کو زندہ کیا، وہی مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔﴿۳۹﴾

---

(۱۵) شیطان کے کچوکے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے دِل میں کوئی گناہ کا یا کوئی بُرائی کرنے کا وسوسہ ڈالے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ کہو: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ"۔

(۱۶) یہ آیتِ سجدہ ہے، یعنی جو شخص اس کی تلاوت کرے، یا کسی کو تلاوت کرتے ہوئے سنے، اُس پر ایک سجدہ کرنا واجب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ ءَاَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ

ای: حفص بتسہیل الہمزۃ الثانیۃ ۱۲

جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں،(۱۷) وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔ بھلا بتاؤ کہ جس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے، وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف وخطر آئے گا؟ (اچھا) جو چاہو، کرلو، یقین جانو کہ وہ تمہارے ہر کام کو خوب دیکھ رہا ہے۔ ﴿۴۰﴾ بیشک (اُن لوگوں نے بہت بُرا کیا ہے) جنہوں نے نصیحت کی اس کتاب کا انکار کیا جبکہ وہ اُن کے پاس آچکی تھی، حالانکہ وہ بڑی عزت والی کتاب ہے، ﴿۴۱﴾ جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ اُس کے آگے سے، نہ اُس کے پیچھے سے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے اُتاری جارہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اُسی کی طرف لوٹتی ہیں۔ ﴿۴۲﴾ (اے پیغمبر!) تم سے جو باتیں کہی جارہی ہیں، وہ وہی ہیں جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ یقین رکھو تمہارا پروردگار مغفرت کرنے والا بھی ہے، اور دردناک سزا دینے والا بھی۔ ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ: ''اس کی آیتیں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے کہ قرآن عجمی ہے، اور پیغمبر عربی؟''(۱۸)

(۱۷) ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اُن آیتوں کو ماننے سے انکار کیا جائے، اور یہ بھی کہ اُنہیں غلط سلط معنیٰ پہنائے جائیں۔ آیت کی وعید دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

(۱۸) بعض کفارِ مکہ قرآنِ کریم کے بارے میں یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا؟ اگر کسی

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

کہہ دو کہ: ''جو لوگ ایمان لائیں، اُن کے لئے یہ ہدایت اور شفا کا سامان ہے، اور جو اِیمان نہیں لاتے، اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، اور یہ (قرآن) اُن کے لئے اندھیرے میں بھٹکنے کا سامان ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی دُور دراز جگہ سے پکارا جا رہا ہے۔''(۱۹) ﴿۴۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، پھر اُس میں بھی اختلاف ہوا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، تو ان لوگوں کا معاملہ چکا ہی دیا گیا ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو خلجان میں ڈال رکھا ہے۔ ﴿۴۵﴾ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے، اور جو کوئی بُرائی کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے کرتا ہے، اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿۴۶﴾

اور زبان میں ہوتا تو یقیناً یہ ایک معجزہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے، اس لئے آپ پر کسی اور زبان کی وحی نازل ہونے سے واضح ہو جاتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر قرآن کسی اور زبان میں اُتارا جاتا تو کہنے والے یہ اعتراض کرتے کہ عربی پیغمبر پر غیر عربی قرآن کیوں نازل کیا گیا ہے؟ غرض جب بات ماننی نہ ہو تو ہزار بہانے پیدا کر لئے جاتے ہیں۔

(۱۹) کسی کو دُور دراز جگہ سے پکارا جائے تو بسا اوقات نہ وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا ہے، اور نہ دُور کی آواز پر توجہ دیتا ہے۔ اسی طرح یہ کافر لوگ قرآنِ کریم کی دعوت پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾

قیامت کا علم اُسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اور اللہ کے علم کے بغیر نہ پھلوں میں سے کوئی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتا ہے، اور نہ کسی مادہ کو حمل ٹھہرتا ہے، اور نہ اُس کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جس دن وہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ: ''کہاں ہیں میرے وہ شریک؟'' تو وہ کہیں گے کہ: ''ہم تو آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اب اس بات کا گواہ نہیں ہے (کہ آپ کا کوئی شریک ہے)'' ﴿۴۷﴾ اور پہلے یہ لوگ جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارا کرتے تھے، ان کو اب اُن کا کوئی سراغ نہیں ملے گا، اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے لئے اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ﴿۴۸﴾ انسان کا حال یہ ہے کہ وہ بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اُسے کوئی بُرائی چھو جائے تو ایسا مایوس ہو جاتا ہے کہ ہر اُمید چھوڑ بیٹھتا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور جو تکلیف اُسے پہنچی تھی، اگر اُس کے بعد ہم اُسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ لازماً یہ کہے گا کہ: ''یہ تو میرا حق تھا، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے، اور اگر مجھے اپنے ربّ کے پاس واپس بھیجا بھی گیا تو مجھے یقین ہے کہ اُس کے پاس بھی مجھے خوش حالی ہی ضرور ملے گی۔'' اب ہم ان کافروں کو یہ ضرور جتلائیں گے کہ اُنہوں نے کیا عمل کئے ہیں، اور اُنہیں ایک سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔ ﴿۵۰﴾

وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِۦ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَآءٍ عَرِيضٍ ﴿٥١﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِۦ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِى الْءَافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ فِى مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَآ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيطٌۢ ﴿٥٤﴾

اور جب ہم انسان پر کوئی اِنعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور پہلو بدل کر دُور چلا جاتا ہے، اور جب اُسے کوئی بُرائی چھو جاتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دُعائیں کرنے لگتا ہے۔ ﴿۵۱﴾ (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ''ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے آیا ہے، پھر بھی تم نے اس کا انکار کیا تو اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو (اس کی) مخالفت میں بہت دُور نکل گیا ہو؟'' ﴿۵۲﴾

ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دِکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔ کیا تمہارے رَبّ کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا گواہ ہے؟ ﴿۵۳﴾ یاد رکھو کہ یہ لوگ اپنے رَبّ کا سامنا کرنے کے معاملے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو اِحاطے میں لئے ہوئے ہے۔ ﴿۵۴﴾

الحمدللہ! سورۂ حٰم السجدہ کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل یومِ عرفہ ۱۴۲۸ھ کو میدانِ عرفات میں مغرب کے بعد مزدلفہ جانے کے لئے گاڑی کے انتظار کے وقت میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر بندے کی مغفرت اور نجات کا ذریعہ بنا دیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الشُّورَىٰ

تعارف

یہ حوامیم کے مجموعے کی تیسری سورت ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر زور دیا گیا ہے، اور اِیمان کی قابلِ تعریف صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسی ذیل میں آیت نمبر ۳۸ میں مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن کے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ مشورے کے لئے عربی کا لفظ ''شوریٰ'' استعمال کیا گیا ہے، اسی بنا پر سورت کا نام سورۂ شوریٰ ہے۔ سورت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان سے رُوبرو ہوکر ہم کلام نہیں ہوتا، بلکہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے، اور پھر اس وحی کی مختلف صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

آیاتہا ۵۳ ۴۲ سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ ۶۲ رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ ۞ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۞ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۞

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ جو عزیز و حکیم ہے، تم پر اور تم سے پہلے جو (پیغمبر) ہوئے ہیں، اُن پر اسی طرح وحی نازل کرتا ہے۔ ﴿۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے، اور وہی ہے جو برتری اور عظمت کا مالک ہے۔ ﴿۴﴾ ایسا لگتا ہے کہ آسمان اُوپر سے پھٹ پڑیں گے،[1] اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہیں، اور زمین والوں کے لئے اِستغفار کر رہے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵﴾ اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دُوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، اللہ اُن پر نگرانی رکھے ہوئے ہے، اور تم اُن کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ﴿۶﴾

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے اتنی بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں کہ ایسا لگتا ہے جیسے اُن کے بوجھ سے آسمان پھٹ پڑیں گے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِىُّ وَهُوَ يُحْىِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَىْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

اور اسی طرح ہم نے یہ عربی قرآن تم پر وحی کے ذریعے بھیجا ہے، تاکہ تم مرکزی بستی (مکہ) اور اُس کے اِردگرد والوں کو اُس دن سے خبردار کرو جس میں سب کو جمع کیا جائے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ ایک گروہ جنت میں جائے گا، اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ ﴿۷﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا،[۲] لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور جو ظالم لوگ ہیں، اُن کا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۸﴾ کیا ان لوگوں نے اُس کو چھوڑ کر دُوسرے رکھوالے بنالئے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ رکھوالا اللہ ہی ہے، اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۹﴾ اور تم جس بات میں بھی اختلاف کرتے ہو، اُس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ لوگو! وہی اللہ ہے جو میرا پروردگار ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور اُسی سے میں لَو لگاتا ہوں۔ ﴿۱۰﴾

(۲) یعنی سب کو زبردستی مسلمان بنا دیتا، لیکن انسان کو پیدا کرنے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ لوگ زبردستی نہیں، بلکہ خود اپنے اختیار سے سوچ سمجھ کر حق کو قبول کریں۔ اسی میں اُن کا امتحان ہے جس پر آخرت کی جزا اور سزا مرتب ہونے والی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں چاہا۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے ہیں، اور مویشیوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اسی ذریعے سے وہ تمہاری نسل چلاتا ہے۔ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ ﴿۱۱﴾ آسمانوں اور زمین کی ساری کنجیاں اُسی کے قبضے میں ہیں، وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت اور تنگی کرتا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اُس نے تمہارے لئے دِین کا وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح کو دیا تھا، اور جو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم دِین کو قائم کرو، اور اُس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (پھر بھی) مشرکین کو وہ بات بہت گراں گذرتی ہے جس کی طرف تم اُنہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور جو کوئی اُس سے لو لگاتا ہے، اُسے اپنے پاس پہنچا دیتا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور لوگوں نے آپس کی عداوتوں کی وجہ سے (دِین میں) جو تفرقہ ڈالا ہے وہ اس کے بعد ہی ڈالا ہے جب ان کے پاس یقینی علم آچکا تھا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾

اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معین مدت تک کے لئے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔(۳) اور ان لوگوں کے بعد جن کو کتاب کا وارث بنایا گیا ہے، وہ اُس کے بارے میں ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے اُنہیں خلجان میں ڈال کھا ہے۔ ﴿۱۴﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اُسی بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، (اسی دِین پر) جمے رہو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو، اور کہہ دو کہ: ''میں تو اُس کتاب پر اِیمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رَبّ ہے، اور تمہارا بھی رَبّ۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان (اب) کوئی بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا، اور اُسی کے پاس آخر سب کو لوٹنا ہے۔'' ﴿۱۵﴾ اور جو لوگ اللہ کے بارے میں بحثیں نکالتے ہیں جبکہ لوگ اُس کی بات مان چکے ہیں، اُن کی بحث اُن کے پروردگار کے نزدیک باطل ہے، اور اُن پر (اللہ کا) غضب ہے، اور اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔ ﴿۱۶﴾

---

(۳) پہلے سے طے شدہ بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو ایک دَم کسی عذاب سے ہلاک نہیں کیا جائے گا، بلکہ مہلت دی جائے گی جس میں اگر یہ چاہیں تو اِیمان لاسکیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

ع ۲ / ۱۰

اللہ وہ ہے جس نے حق پر مشتمل یہ کتاب اور اِنصاف کی ترازو اُتاری ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ، شاید کہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو۔ ﴿۱۷﴾ جو لوگ اُس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اُس کے آنے کی جلدی مچاتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اُس سے سہمے رہتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ ارے جو لوگ قیامت کے بارے میں بحثیں کر رہے ہیں، وہ گمراہی میں بہت دُور چلے گئے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، رزق دیتا ہے، اور وہی ہے جو قوت کا بھی مالک ہے، اِقتدار کا بھی مالک۔ ﴿۱۹﴾ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہو، ہم اُس کی کھیتی میں اور اِضافہ کریں گے، اور جو شخص (صرف) دُنیا کی کھیتی چاہتا ہو، ہم اُسے اُسی میں سے دے دیں گے، [۴] اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں۔ ﴿۲۰﴾ کیا ان (کافروں) کے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دِین طے کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ اور اگر (اللہ کی طرف سے) فیصلہ کن بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کا معاملہ چکا دیا گیا ہوتا۔ اور یقین رکھو کہ ان ظالموں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ ﴿۲۱﴾

(۴) یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۱۸) میں گذرا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صرف دُنیا

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

(اُس وقت) تم ان ظالموں کو دیکھو گے کہ انہوں نے جو کمائی کی ہے، اُس (کے وبال) سے سہمے ہوئے ہوں گے، اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، وہ جنتوں کی کیاریوں میں ہوں گے۔ اُنہیں اپنے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے۔ یہی بڑا فضل ہے۔ ﴿۲۲﴾ یہی وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ اپنے اُن بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں۔ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو کہ: ''میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔''(۵) اور جو شخص کوئی بھلائی کرے گا، ہم اُس کی خاطر اُس بھلائی میں مزید خوبی کا اضافہ کردیں گے۔(۶) یقین جانو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے۔ ﴿۲۳﴾

کی بہتری چاہے، اُس کو دُنیا کی نعمتیں دی جاتی ہیں، لیکن ہر مانگی ہوئی چیز پھر بھی نہیں ملتی، بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہتا ہے، اور جتنا دینا چاہتا ہے، اُتنا دیتا ہے۔

(۵) قریشِ مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رشتہ داریاں تھیں، اُن کے حوالے سے فرمایا جارہا ہے کہ میں تم سے تبلیغ کی کوئی اُجرت تو نہیں مانگتا، لیکن کم از کم اتنا تو کرو کہ تم پر میری رشتہ داری کے جو حقوق ہیں، ان کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو، اور میرے راستے میں رُکاوٹیں پیدا نہ کرو۔

(۶) یعنی اُس بھلائی پر جتنا اَجر ملنا چاہئے تھا، اُس سے زیادہ دیں گے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۗ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ کلام خود گھڑ کر جھوٹ موٹ اللہ کے ذمے لگا دیا ہے؟ حالانکہ اگر اللہ چاہے تو تمہارے دِل پر مہر لگا دے، اور اللہ تو باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔(۷) یقیناً وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں تک کو جانتا ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اُس کا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ اُن کی دُعا سنتا ہے، اور اُنہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے۔ اور کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کو کھلے طور پر پھیلا دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے، مگر وہ ایک خاص اندازے سے جتنا چاہتا ہے (رزق) اُتارتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر، اُن پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور وہی ہے جو لوگوں کے نااُمید ہونے کے بعد بارش برساتا اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہی ہے جو (سب کا) قابلِ تعریف رکھوالا ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۷) یعنی اگر (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے گھڑ کر یہ قرآن بنا رہے ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دِل پر مہر لگا دیتا، جس کی وجہ سے آپ کو ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت ہی نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ؕ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۙ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور وہ جاندار جو اُس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں۔ اور وہ جب چاہے، ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگذر ہی کرتا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور تمہاری مجال نہیں ہے کہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرسکو، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ مددگار۔ ﴿۳۱﴾ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہیں سمندر میں یہ پہاڑوں جیسے جہاز! ﴿۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے، جس سے یہ سمندر کی پشت پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں ـــــ یقیناً اس میں ہر اُس شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو صبر کا بھی خوگر ہو، شکر کا بھی ـــــ ﴿۳۳﴾ یا (اگر اللہ چاہے) تو ان جہازوں کو لوگوں کے بعض اعمال کی وجہ سے تباہ ہی کردے، اور بہت سوں سے درگذر کر جائے، ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں، اُنہیں پتہ چل جائے کہ اُن کے لئے کوئی بچاؤ کی جگہ نہیں ہے۔ ﴿۳۵﴾

سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اُس کی بات کو چلنے نہیں دیتے، اور باطل کو مٹا دیتے ہیں۔ اس کے برعکس سچے نبی کے دعوے کو اپنے کلمات کے ذریعے ثابت فرماتا ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا
مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ
يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾

غرض تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے، وہ دُنیوی زندگی کی پونجی ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے کہیں بہتر اور پائیدار ہے جو اِیمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾ اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو وہ درگذر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی ہے، اور نماز قائم کی ہے، اور اُن کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُنہیں جو رِزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، ﴿۳۸﴾ اور جب اُن پر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ اپنا دِفاع کرتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اور کسی بُرائی کا بدلہ اُسی جیسی بُرائی ہے۔(۸) پھر بھی جو کوئی معاف کردے، اور اِصلاح سے کام لے تو اُس کا ثواب اللہ نے ذمے لیا ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۴۰﴾ اور جو شخص اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی اِلزام نہیں ہے۔ ﴿۴۱﴾

---

(۸) یعنی اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی جائے تو مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُتنی ہی تکلیف ظالم کو پہنچادے جتنی اُس نے پہنچائی تھی، لیکن آگے اس بات کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ انسان بدلہ لینے کے بجائے صبر کرکے معاف کردے۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۴۳﴾ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن وَلِيٍّ مِّن بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنظُرُونَ مِن طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن سَبِيلٍ ﴿۴۶﴾

اِلزام تو اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ جو کوئی صبر سے کام لے، اور درگذر کر جائے تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔ ﴿۴۳﴾ اور جسے اللہ گمراہ کردے، تو اس کے بعد کوئی نہیں ہے جو اُس کا مددگار بنے۔ اور جب ظالموں کو عذاب نظر آجائے گا تو تم اُنہیں یہ کہتا ہوا دیکھو گے کہ: ’’کیا واپس جانے کا بھی کوئی راستہ ہے؟‘‘ ﴿۴۴﴾ اور تم اُنہیں دیکھو گے کہ دوزخ کے سامنے اُنہیں اس طرح پیش کیا جائے گا کہ وہ ذِلت کے مارے جھکے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں، وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: ’’واقعی اصل خسارے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔‘‘ یاد رکھو کہ ظالم لوگ ایسے عذاب میں ہوں گے جو ہمیشہ قائم رہے گا، ﴿۴۵﴾ اور اُن کو ایسے کوئی مددگار میسر نہیں آئیں گے جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کی کوئی مدد کریں۔ اور جسے اللہ گمراہ کردے، اُس کے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ ﴿۴۶﴾

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

(لوگو!) اپنے پروردگار کی بات اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے مان لو جسے اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا۔ اُس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی، اور نہ تمہارے لئے پوچھ گچھ کا کوئی موقع ہوگا۔[9] ﴿۴۷﴾ (اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر پھر بھی منہ موڑیں تو ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ تم پر بات پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور (انسان کا حال یہ ہے کہ) جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اُس پر اِترا جاتا ہے، اور اگر خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ایسے لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آجاتی ہے تو وہی انسان پکا ناشکرا بن جاتا ہے۔ ﴿۴۸﴾ سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، لڑکے دیتا ہے، ﴿۴۹﴾ یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے، اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے، بانجھ بنا دیتا ہے۔ یقیناً وہ علم کا بھی مالک ہے، قدرت کا بھی مالک۔ ﴿۵۰﴾

---

(۹) یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ پوچھ سکے کہ اس شخص کو یہ سزا کیوں دی گئی ہے، کیونکہ تمام انسانوں پر حجت پہلے ہی تمام ہو چکی ہوگی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ؑ

اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اُس سے (رُوبرو) بات کرے،(۱۰) سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اُس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچادے۔ یقیناً وہ بہت اُونچی شان والا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک رُوح بطور وحی نازل کی ہے۔(۱۱) تمہیں اس سے پہلے نہ یہ معلوم تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے، اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں کو وہ سیدھا راستہ دِکھا رہے ہو ﴿۵۲﴾ جو اللہ کا راستہ ہے، وہ اللہ جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔ یاد رکھو کہ سارے معاملات آخرکار اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿۵۳﴾

(۱۰) اس دُنیا میں کسی انسان سے اللہ تعالیٰ رُوبرو ہو کر ہم کلام نہیں ہوتا، البتہ تین طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار فرماتا ہے۔ ایک کو وحی سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات فرمانا چاہتا ہے، وہ کسی کے دِل میں ڈال دیتا ہے، دوسرے کو پردے کے پیچھے سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صورت نظر آئے بغیر کوئی بات کانوں کے ذریعے ہی سنادی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، اور تیسرا

طریقہ یہ ہے کہ اپنا کلام کسی فرشتے کے ذریعے کسی پیغمبر کے پاس بھیجا جاتا ہے۔
(۱۱) رُوح سے مراد قرآنِ کریم اور اُس کے اَحکام ہیں، کیونکہ وہ انسان کے لئے رُوحانی زندگی کا باعث ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ رُوح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں جنہیں رُوح القدس بھی کہا جاتا ہے، اور قرآنِ کریم کے نزول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو واسطہ بنایا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ شوریٰ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شبِ جمعہ ۲۴/ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳/جنوری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الزُّخرف

تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکینِ مکہ کی تردید ہے جس میں اُن کے اس عقیدے کا خاص طور پر ذِکر فرمایا گیا ہے جس کی رُو سے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ نیز وہ اپنے دِین کو صحیح قرار دینے کے لئے یہ دلیل دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ اُس کے جواب میں اوّل تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادوں کی تقلید بالکل غلط طرزِ عمل ہے، اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دے کر فرمایا گیا ہے کہ اگر باپ دادوں ہی کے پیچھے چلنا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کیوں نہیں کرتے جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان فرمایا تھا۔ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اِعتراضات کیا کرتے تھے، اس سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اُن کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو کسی دولت مند سردار کو اس مقصد کے لئے کیوں نامزد نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ دُنیوی مال و دولت کا انسان کے تقدس اور اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی سونا چاندی اور دُنیا بھر کی دولت دے سکتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، کیونکہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس سورت نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ معاشی وسائل کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق ایک خاص انداز سے فرماتے ہیں، جس کے لئے ایک مستحکم نظام بنایا گیا ہے۔ اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور

فرعون کا واقعہ بھی اِختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کیونکہ فرعون کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی اعتراض تھا کہ وہ دُنیوی مال و دولت کے اعتبار سے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتے، اور فرعون کے پاس سب کچھ ہے۔ لیکن انجام یہ ہوا کہ فرعون اپنے کفر کی وجہ سے غرق ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب آکر رہے۔ نیز اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مختصر ذِکر فرما کر اُن کی صحیح حیثیت واضح فرمائی گئی ہے۔

''زخرف'' عربی زبان میں سونے کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۳۵ میں اُس کا ذِکر اسی سیاق میں کِیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سارے کافروں کو سونے ہی سونے سے نہال کردے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام زخرف ہے۔

آیاتہا ۸۹ — ۴۳ سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ ۶۳ — رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ۞ ۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ ۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ ۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ ۴ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۞ ۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۞ ۶ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ ۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ۸

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں نواسی آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ قسم ہے اس واضح کتاب کی، ﴿۲﴾ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تاکہ تم سمجھو ﴿۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بڑے اُونچے درجے کی حکمت سے بھری ہوئی کتاب ہے۔[1] ﴿۴﴾ بھلا کیا ہم منہ موڑ کر اس نصیحت نامے کو تم سے اس بنا پر ہٹا لیں کہ تم حد سے گذرے ہوئے لوگ ہو؟[2] ﴿۵﴾ اور کتنے ہی نبی ہم نے پچھلے لوگوں میں بھی بھیجے ہیں، ﴿۶﴾ اور اُن لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اُڑاتے ہوں۔ ﴿۷﴾ پھر جو لوگ اِن (مکہ والوں) سے کہیں زیادہ زور آور تھے، ہم نے اُنہیں ہلاک کردیا، اور ان پچھلے لوگوں کا حال پیچھے گذر چکا ہے۔ ﴿۸﴾

---

(۱) قرآنِ کریم اَزل سے لوحِ محفوظ میں موجود تھا، پھر وہاں سے آسمانِ دُنیا پر، اور اُس کے بعد حسبِ موقع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ جو لوگ نافرمانی میں حد سے گذر گئے ہوں، اُن کو بھی ہدایت کا راستہ دِکھایا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تم پسند کرو یا ناپسند، ہم تمہیں ہدایت کا راستہ بتا کر نصیحت کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَأَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾

اور اگر تم ان (مشرکوں) سے پوچھو کہ سارے آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے ہیں، تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ''اُنہیں اُس ذات نے پیدا کیا ہے جو اِقتدار کی بھی مالک ہے، علم کی بھی مالک۔'' ﴿۹﴾ یہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور اُس میں تمہارے لئے راستے بنائے، تاکہ تم منزل تک پہنچ سکو، ﴿۱۰﴾ اور جس نے آسمان سے ایک خاص انداز ے سے پانی اُتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے ایک مردہ علاقے کو نئی زندگی دے دی ــــ اسی طرح تمہیں (قبروں سے) نکال کر نئی زندگی دی جائے گی ــــ ﴿۱۱﴾ اور جس نے ہر طرح کے جوڑے پیدا کئے، اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سواری کرتے ہو،(۳) ﴿۱۲﴾

---

(۳) انسان جن سواریوں پر سواری کرتا ہے، وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ سواریاں جن کے بنانے میں انسان کا کچھ نہ کچھ دخل ہوتا ہے۔ کشتیوں سے اس قسم کی سواریوں کی طرف اشارہ ہے، اور دُوسری قسم کی سواریاں وہ ہیں جن کے بنانے میں انسان کا کوئی دخل ہی نہیں ہے، جیسے گھوڑے، اُونٹ اور سواری کے دوسرے جانور، چوپایوں سے اُن کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیتِ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ دونوں قسم کی سواریاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ سواری کے جانور اگرچہ انسان سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنہیں انسان کے اس طرح قابو میں دے دیا ہے کہ ایک بچہ بھی اُن کو لگام دے کر جہاں چاہے لئے پھرتا ہے۔ اور جن سواریوں کی صنعت میں انسان کا کچھ دخل ہے، مثلاً کشتیاں، جہاز، کاریں، ریلیں وغیرہ، اُن کا خام مواد بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو اتنی سمجھ دی ہے کہ وہ یہ سواریاں بنانے کے قابل ہوا۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

تا کہ تم اُن کی پشت پر چڑھو، پھر جب اُن پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو، اور یہ کہو کہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں دے دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لاسکتے۔ ﴿۱۳﴾ اور بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''(۴) ﴿۱۴﴾

اور ان (مشرک) لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ اللہ کا خود اُس کے بندوں میں سے کوئی جزء ہے۔(۵) حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے۔ ﴿۱۵﴾

---

(۴) یہ وہ دُعا ہے جو کسی سواری پر سوار ہونے کے وقت پڑھنی چاہئے۔ اس میں اوّل تو اس بات کا شکر اور اِعتراف ہے کہ یہ سواری اللہ تعالیٰ کا اِنعام ہے، اور دُوسرے اس کے آخری جملے میں انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی سفر کرتے وقت یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اُسے ایک آخری سفر پیش آنے والا ہے جس میں وہ دُنیا کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچے گا، اور اُس وقت اپنے سارے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اس لئے یہاں رہتے ہوئے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس کے نتیجے میں وہاں شرمندگی اُٹھانی پڑے۔

(۵) مشرکینِ عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں سے اُن کے اس عقیدے کی تردید کی جارہی ہے، اور اُس کے خلاف چار دلیلیں اگلی آیتوں میں (آیت نمبر ۲۱ تک) پیش کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اولاد ہونا ناممکن ہے، اس لئے کہ اولاد ماں باپ کا جزء ہوتی ہے، کیونکہ وہ اُن کے نطفے سے پیدا ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کوئی جزء نہیں ہوسکتا، وہ ہر قسم کے اجزاء سے پاک ہے، لہٰذا اُس کی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ کہ ان مشرکین کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ اپنے لئے بیٹیوں کی ولادت کو عار سمجھتے ہیں، اور اگر کسی کے یہاں کوئی لڑکی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ اس پر بہت مغموم ہوتا ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ بیٹی کو خود اپنے لئے تو عیب سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُس کی بیٹیاں ہیں۔ تیسرے اس

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصۡفٰکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡہُہٗ مُسۡوَدًّا وَّ ہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَۃِ وَ ہُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ ﴿۱۸﴾ وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَہِدُوۡا خَلۡقَہُمۡ ؕ سَتُکۡتَبُ شَہَادَتُہُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰہُمۡ ؕ مَا لَہُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ٭ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿ؕ۲۰﴾

بھلا کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے تو بیٹیاں پسند کی ہیں، اور تمہیں بیٹوں کے لئے منتخب کیا ہے؟ ﴿۱۶﴾ حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اُس (بیٹی) کی (ولادت) کی خوشخبری دی جاتی ہے جو اُس نے خدائے رحمٰن کی طرف منسوب کررکھی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دِل ہی دِل میں گھٹتا رہتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور کیا (اللہ نے ایسی اولاد پسند کی ہے) جو زیوروں میں پالی پوسی جاتی ہے، اور جو بحث مباحثے میں اپنی بات کھل کر بھی نہیں کہہ سکتی؟ ﴿۱۸﴾ اس کے علاوہ انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں، مؤنث بنادیا ہے۔ کیا یہ لوگ اُن کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جائے گا، اور ان سے باز پُرس ہوگی۔ ﴿۱۹﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: ''اگر خدائے رحمٰن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی عبادت نہ کرتے۔'' ان کو اس بات کی حقیقت کا ذرا بھی علم نہیں ہے، اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے ہیں۔ ﴿۲۰﴾

عقیدے کی رُو سے فرشتے مؤنث قرار پاتے ہیں، حالانکہ وہ مؤنث نہیں ہیں۔ چوتھے اگرچہ عورت ہونا حقیقت میں کوئی عیب یا عار کی بات نہیں ہے، لیکن عام طور سے عورتوں کی صلاحیتیں مردوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہیں، کیونکہ اُن کی زیادہ توجہ زیورات اور زیب وزینت کی طرف رہتی ہے، اور اپنی بات کو خوب واضح کرکے کہنے کی صلاحیت بھی اکثر اُن میں کم ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کو کوئی اولاد رکھنی منظور ہوتی تو وہ مؤنث ہی کا کیوں انتخاب فرماتا؟

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

بھلا کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی جسے یہ تھامے بیٹھے ہیں؟[٦] ﴿۲۱﴾ نہیں، بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم اُنہی کے نقشِ قدم کے مطابق ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں کے دولت مند لوگوں نے یہی کہا کہ: ''ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم اُنہی کے نقشِ قدم کے پیچھے چل رہے ہیں۔'' ﴿۲۳﴾ پیغمبر نے کہا کہ: ''تم نے اپنے باپ دادوں کو جس طریقے پر پایا ہے، اگر میں تمہارے پاس اُس سے زیادہ ہدایت کی بات لے کر آیا ہوں تو کیا پھر بھی (تم اپنے طریقے پر چلے جاؤ گے؟)'' اُنہوں نے جواب دیا کہ: ''تم جو پیغام دے کر بھیجے گئے ہو، ہم تو اُس کو ماننے والے نہیں ہیں۔'' ﴿۲۴﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے انتقام لیا، اب دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۲۵﴾

(٦) اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی عقیدہ یا تو اُس وقت رکھا جا سکتا ہے جب وہ ہر عقل والے انسان کے لئے بالکل بدیہی طور پر واضح ہو، یا پھر خود اللہ تعالیٰ نے کسی آسمانی کتاب کے ذریعے اُس کی وضاحت فرمائی ہو۔ مشرکین کے عقیدوں کی دونوں طرح کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ان کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے، اور ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں ایسے عقائد بیان کئے گئے ہوں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُبِينٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۲۶﴾ سوائے اُس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، چنانچہ وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔" ﴿۲۷﴾ اور اِبراہیم نے اس (عقیدے) کو ایسی بات بنادیا جو اُن کی اولاد میں باقی رہی، تاکہ لوگ (شرک سے) باز آئیں۔ ﴿۲۸﴾ (پھر بھی بہت سے لوگ باز نہ آئے) اس کے باوجود میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے فائدے دیئے، یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف ہدایت دینے والا پیغمبر آگیا۔ ﴿۲۹﴾ اور جب وہ حق ان کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے کہ: "یہ تو جادو ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔" ﴿۳۰﴾ اور کہنے لگے کہ: "یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟"(۷) ﴿۳۱﴾ بھلا کیا یہ لوگ ہیں جو تمہارے پروردگار کی رحمت تقسیم کریں گے؟(۸)

---

(۷) دو بستیوں سے مراد مکہ مکرمہ اور طائف کے شہر ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں یہی دو بڑے شہر تھے، اس لئے مشرکین نے یہ کہا کہ ان شہروں کے دولت مند سرداروں پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا۔

(۸) یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے، اور مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جو تجویز پیش کر رہے ہیں کہ قرآن مکہ یا طائف

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

دُنیوی زندگی میں ان کی روزی کے ذرائع بھی ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں، اور ہم نے ہی ان میں سے ایک کو دُوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور تمہارے پروردگار کی رحمت تو اُس (دولت) سے کہیں بہتر چیز ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔[9] ﴿۳۲﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقے کے (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمٰن کے منکر ہیں، ہم اُن کے لئے اُن کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی بنا دیتے، اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں، ﴿۳۳﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے بھی، اور وہ تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، ﴿۳۴﴾

کے کسی بڑے آدمی پر نازل ہونا چاہئے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اس فیصلے کا حق دار سمجھتے ہیں کہ نبوت کی رحمت کس کو عطا کی جائے، کس کو نہ کی جائے۔

(۹) یہاں پھر رحمت سے مرادِ نبوت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ نبوت تو بہت اعلیٰ درجے کی چیز ہے، اُس کی تقسیم کا کام ان لوگوں کے حوالے کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دُنیا کا مال و دولت اور روزی کے ذرائع جو نبوت سے بہت کم درجے کی چیز ہیں، اُن کی تقسیم بھی ہم نے ان لوگوں کے حوالے نہیں کی، کیونکہ یہ اُس کے بھی اہل نہیں تھے، بلکہ خود ایسا نظام بنایا ہے جس کے ذریعے ہر شخص کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے، اسی باہمی احتیاج کی بنیاد پر لوگوں کی آمدنی میں بھی فرق ہے، اور اسی فرق کی بنیاد پر ایک شخص دوسرے کی حاجتیں پوری کرتا ہے، ''تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں'' کا یہی مطلب ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر ''معارف القرآن'' کا مطالعہ فرمایا جائے۔

وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

بلکہ انہیں سونا بنا دیتے۔[10] اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دُنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور آخرت تمہارے پروردگار کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ ﴿۳۵﴾
اور جو شخص خدائے رحمٰن کے ذِکر سے اندھا بن جائے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں جو اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔[11] ﴿۳۶﴾ ایسے شیاطین اُن کو راستے سے روکتے رہتے ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر ہیں۔ ﴿۳۷﴾ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے شیطان ساتھی سے) کہے گا کہ: ''کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا، کیونکہ تو بہت بُرا ساتھی تھا۔'' ﴿۳۸﴾

(۱۰) بتلانا یہ مقصود ہے کہ دُنیا کا مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بے حقیقت چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے ناراض ہونے کے باوجود اُن کے آگے سونے چاندی کے ڈھیر لگا سکتا ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ مال و دولت کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے کافروں کی دولت کو دیکھ کر کافر ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر اور اُن کے گھر کا سارا ساز و سامان سونے چاندی کا بنا دیتا، کیونکہ وہ فنا ہونے والی چیزیں ہیں، اور اصل دولت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی ابدی زندگی کی خوش حالی ہے جو پرہیزگاروں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی دولت مند شخص پر نازل کرنے کا مطالبہ سراسر لغو مطالبہ ہے۔

(۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ بے فکری کے ساتھ گناہ کئے جانے اور اُس پر شرمندہ نہ ہونے کا ایک عذاب یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر شیطان مسلط ہوجاتا ہے جو اُسے نیکی کی طرف آنے نہیں دیتا، اور گناہ کی زندگی پر ہی مگن رکھتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور آج جب تم ظلم کر چکے ہو تو تمہیں یہ بات ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہو۔(۱۲) ﴿۳۹﴾
تو پھر (اے پیغمبر!) کیا تم بہروں کو سناؤ گے، یا اندھوں کو اور اُن لوگوں کو راستے پر لاؤ گے جو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں؟ ﴿۴۰﴾ اب تو یہی ہوگا کہ اگر ہم تمہیں دُنیا سے اُٹھالیں، تب بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں، ﴿۴۱﴾ یا اگر تمہیں بھی وہ (عذاب) دِکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، تب بھی ہمیں ان پر ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔ ﴿۴۲﴾ لہٰذا تم پر جو وحی نازل کی گئی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ ﴿۴۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وحی تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے ایک نیک نامی کا ذریعہ ہے، اور تم سب سے پوچھا جائے گا (کہ تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟) ﴿۴۴﴾

---

(۱۲) دُنیا میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی قسم کی تکلیف بہت سے آدمیوں کو ایک ساتھ ہو رہی ہو تو اُس سے ہر ایک کے دِل میں تکلیف کا احساس کچھ کم ہو جاتا ہے کہ اس تکلیف میں میں تنہا نہیں ہوں، بلکہ دوسرے بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن دوزخ میں ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ ہر ایک کی تکلیف اتنی زیادہ ہوگی کہ دوسروں کے اُسی تکلیف میں مبتلا ہونے کے احساس سے بھی اُس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

ع ۱۰/۴

اورتم سے پہلے ہم نے اپنے جو پیغمبر بھیجے ہیں، اُن سے پوچھ لو[۱۳] کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود بھی مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ﴿۴۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ: ''میں ربّ العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔'' ﴿۴۶﴾ پھر جب اُنہوں نے ہماری نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیں تو وہ اُن کا مذاق اُڑانے لگے۔ ﴿۴۷﴾ اور ہم اُنہیں جو نشانی بھی دِکھاتے، وہ پہلی نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی، اور ہم نے اُنہیں عذاب میں بھی پکڑا، تاکہ وہ باز آجائیں۔[۱۴] ﴿۴۸﴾ اور وہ یہ کہنے لگے کہ: ''اے جادوگر! تم سے تمہارے پروردگار نے جو عہد کر رکھا ہے، اُس کا واسطہ دے کر اُس سے ہمارے لئے دُعا کرو، ہم یقیناً راہِ راست پر آجائیں گے۔'' ﴿۴۹﴾ پھر جب ہم اُن سے عذاب کو دُور کر دیتے تو پل بھر میں وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے۔ ﴿۵۰﴾

---

(۱۳) یعنی اُن پر جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اُن میں دیکھ لو کہ اُن کو کیا تعلیم دی گئی تھی۔

(۱۴) ان سے مراد وہ بلائیں ہیں جن میں مصر والوں کو یکے بعد دیگرے مبتلا کیا گیا، اور جن کی تفصیل سورۂ اَعراف (۷: ۱۳۳ تا ۱۳۵) میں گذر چکی ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ ع

اور فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا کہ: ''اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور (دیکھو) یہ دریا میرے نیچے بہہ رہے ہیں۔ کیا تمہیں دِکھائی نہیں دیتا؟ ﴿۵۱﴾ یا پھر مانو کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو بڑا حقیر قسم کا ہے، اور اپنی بات کھل کر کہنا بھی اس کے لئے مشکل ہے۔ ﴿۵۲﴾ بھلا (اگر یہ پیغمبر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا پھر اس کے ساتھ فرشتے پرے باندھے ہوئے کیوں نہ آئے؟'' ﴿۵۳﴾ اس طرح اُس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، اور اُنہوں نے اس کا کہنا مان لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب گنہگار لوگ تھے۔ (۱۵) ﴿۵۴﴾ چنانچہ جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور ان سب کو غرق کر دیا۔ ﴿۵۵﴾ اور ہم نے اُنہیں ایک گئی گذری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت کا نمونہ بنادیا۔ ﴿۵۶﴾

---

(۱۵) اس آیت میں فرعون کو بھی گنہگار کہا گیا ہے، اور اُس کی قوم کو بھی۔ فرعون تو اس لئے گنہگار تھا کہ اُس نے اپنی سلطنت کو خدائی کی علامت قرار دے کر خدائی کا دعویٰ کیا، اور اپنی قوم کو بے وقوف بنایا۔ اور اُس کی قوم اس لئے گنہگار تھی کہ اُس نے ایسے گمراہ شخص کو اپنا حکمران تسلیم کیا، اور اُس کی تمام گمراہیوں میں اُس کی پیروی کی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی قوم پر کوئی گمراہ شخص مسلط ہو جائے، اور وہ اپنی طاقت کے مطابق اُسے ہٹانے کی کوشش کرنے کے بجائے ہر غلط کام میں اُس کی اطاعت کئے جائے تو وہ بھی مجرم قرار پاتی ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿٥٩﴾ۭ

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم کی مثال دی گئی تو تمہاری قوم کے لوگ یکا یک شور مچانے لگے۔[16] ﴿۵۷﴾ اور کہنے لگے کہ: ''ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟'' انہوں نے تمہارے سامنے یہ مثال محض کٹ حجتی کے لئے دی ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ ﴿۵۸﴾ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) تو بس ہمارے ایک بندے تھے جن پر ہم نے اِنعام کیا تھا، اور بنی اسرائیل کے لئے اُن کو ایک نمونہ بنایا تھا۔ ﴿۵۹﴾

---

(۱۶) جب سورۂ انبیاء کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں بت پرستوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ: ''یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔'' (۲۱:۹۸) تو ایک کافر نے اس پر اِعتراض کرتے ہوئے کہا کہ بہت سے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی عبادت کرتے ہیں، اس لئے اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی جہنم کا ایندھن بنیں، حالانکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اُس کی یہ بات سن کر دُوسرے کافروں نے خوب شور مچایا کہ واقعی اس شخص نے بہت زبردست اعتراض کیا ہے، حالانکہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ اُس آیت میں بت پرستوں سے خطاب تھا، عیسائیوں سے نہیں، اور اس میں بتوں کے علاوہ وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہو۔ لہٰذا اُس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے داخل ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ یہ آیتیں اس موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کے شانِ نزول میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ کافر لوگوں میں سے کسی نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت اپنے آپ کو اسی طرح خدا کا بیٹا قرار دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تھا، اس پر بھی دوسرے مشرکین نے اُس کی تعریف میں خوشی سے شور مچایا، اور اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کا جامع جواب اس آیت کے ذریعے نازل فرما دیا ہو۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

اور اگر ہم چاہیں تو تم سے فرشتے پیدا کردیں جو زمین میں ایک دوسرے کے جانشین بن کر رہا کریں۔(۱۷) ﴿۶۰﴾ اور یقین رکھو کہ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں،(۱۸) اس لئے تم اس میں شک نہ کرو، اور میری بات مانو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۶۱﴾ اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ شیطان تمہیں اس راستے سے روک دے۔ یقین جانو وہ تمہارا کھلا دُشمن ہے۔ ﴿۶۲﴾

---

(۱۷) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ نہ خود اُنہوں نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور نہ ہم نے اُنہیں اپنا بیٹا قرار دیا تھا، بلکہ اُنہیں اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ عیسائی لوگ اس بنا پر اُنہیں خدا کہنے لگے، حالانکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا خدائی کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے، اور اُنہیں کوئی بھی خدا نہیں مانتا۔ درحقیقت اُن کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب کام کردیں کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کردیں جو اسی طرح ایک دوسرے کے جانشین ہوں جیسے انسان ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہیں۔

(۱۸) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا قیامت میں تمام انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی بھی ایک دلیل ہے، کیونکہ دوسری زندگی پر کافروں کو یہی تو اِعتراض ہے کہ ایسا ہونا بہت عجیب اور خلافِ عادت ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی خلافِ عادت اور عجیب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ واقعہ ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تمام مُردوں کو دُوسری زندگی ملے گی۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے ''بیان القرآن'' میں اختیار فرمائی ہے۔ اور دُوسرے بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامتوں میں سے ہیں، یعنی وہ قیامت کے قریب آسمان سے دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے، اور اُن کی تشریف آوری اس بات کی علامت ہوگی کہ قیامت قریب آگئی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ۧ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ۚ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ع ۶ ۱۱/۱۲

اور جب عیسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تھے تو اُنہوں نے (لوگوں سے) کہا تھا کہ: ''میں تمہارے پاس دانائی کی بات لے کر آیا ہوں، اور اس لئے لایا ہوں کہ تمہارے سامنے کچھ وہ چیزیں واضح کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مان لو۔ ﴿۶۳﴾ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رَبّ ہے، اور تمہارا بھی رَبّ ہے، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔'' ﴿۶۴﴾ پھر بھی ان میں سے کئی گروہوں نے اختلاف پیدا کیا، چنانچہ ان ظالموں کے لئے ایک دردناک دن کے عذاب کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی۔ ﴿۶۵﴾ یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان کے سامنے اچانک آکھڑی ہو، اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ ﴿۶۶﴾ اُس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دُشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے۔ ﴿۶۷﴾ (جن سے کہا جائے گا کہ:) ''اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ تم غمگین ہوگے۔ ﴿۶۸﴾ اے میرے وہ بندو جو ہماری آیتوں پر اِیمان لائے تھے، اور فرماں بردار رہے تھے! ﴿۶۹﴾ تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی، خوشی سے چمکتے چہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ۔'' ﴿۷۰﴾

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

ان کے آگے سونے کے پیالے اور گلاس گردش میں لائے جائیں گے۔ اور اُس جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی دِلوں کو خواہش ہوگی، اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔ (ان سے کہا جائے گا کہ:) ''اس جنت میں تم ہمیشہ رہوگے۔ ﴿۷۱﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں اپنے اعمال کے بدلے وارث بنادیا گیا ہے۔ ﴿۷۲﴾ اس میں تمہارے لئے خوب اِفراط کے ساتھ میوے ہیں جن میں سے تم کھاؤ گے۔'' ﴿۷۳﴾ البتہ جو لوگ مجرم تھے، وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۷۴﴾ وہ عذاب اُن کے لئے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا، اور وہ اُس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ ﴿۷۵﴾ اور ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے۔ ﴿۷۶﴾ اور وہ (دوزخ کے فرشتے سے) پکار کر کہیں گے کہ: ''اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔'' (۱۹) وہ کہے گا کہ: ''تمہیں اسی حال میں رہنا ہے۔'' ﴿۷۷﴾

---

(۱۹) دوزخ کی نگرانی پر جو فرشتہ مقرر ہے، اُس کا نام ''مالک'' ہے۔ دوزخی لوگ عذاب کی شدت سے تنگ آکر مالک سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرو کہ وہ ہمیں موت ہی دیدے۔ جواب میں ''مالک'' کی طرف سے کہا جائے گا کہ تمہیں اسی دوزخ میں زندہ رہنا ہوگا۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖۗ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہارے پاس حق بات لے کر آئے تھے، لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق بات ہی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ﴿۷۸﴾

ہاں کیا ان لوگوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟ اچھا تو ہم بھی کچھ کرنے کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔[20] ﴿۷۹﴾ کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے؟ کیسے نہیں سنتے؟ نیز ہمارے فرشتے اُن کے پاس ہیں، وہ سب کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ ﴿۸۰﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''اگر خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا میں ہوتا۔''[21] ﴿۸۱﴾ وہ جو آسمانوں اور زمین کا بھی مالک ہے، عرش کا بھی مالک، وہ اُن ساری باتوں سے پاک ہے جو یہ بنایا کرتے ہیں۔ ﴿۸۲﴾

---

(۲۰) مکہ مکرمہ کے کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ منصوبے بناتے رہتے تھے، مثلاً اُنہوں نے آپ کو گرفتار کرنے یا قتل کرنے کے لئے سازش تیار کی تھی جس کا ذکر سورۂ اَنفال (۸: ۳۰) میں گذرا ہے۔ اسی قسم کی کسی سازش کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اگر اُنہوں نے آپ کے خلاف کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو ہم نے بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ ان کی سازش خود اُنہی کے خلاف پڑے گی۔

(۲۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کا کوئی امکان ہے، بلکہ یہ بات فرضِ محال کے طور پر کہی گئی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے عقائد کا جو اِنکار کر رہا ہوں، وہ کسی ہٹ دھرمی یا عناد کی وجہ سے نہیں کر رہا، بلکہ دلائل کی بنا پر کر رہا ہوں، اور اگر دلیل سے اللہ تعالیٰ کی کسی اولاد کا کوئی ثبوت ہوتا تو میں اس سے کبھی انکار نہ کرتا۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو کہ یہ ان باتوں میں ڈوبے رہیں، اور ہنسی کھیل کرتے رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۸۳﴾ وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے، اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔ ﴿۸۴﴾ اور بڑی شان ہے اُس کی جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان تمام چیزوں کی سلطنت ہے، اور اُسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اُسی کے پاس تم سب کو واپس لے جایا جائے گا۔ ﴿۸۵﴾ اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں، اُنہیں کوئی سفارش کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، ہاں البتہ جن لوگوں نے حق بات کی گواہی دی ہو، اور اُنہیں اُس کا علم بھی ہو۔[۲۲] ﴿۸۶﴾

---

(۲۲) یعنی جن بتوں وغیرہ کو مشرکین نے اس اعتقاد سے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے تو درحقیقت ان کو سفارش کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ کسی کے بارے میں سچی گواہی دیں، اور پورے علم کے ساتھ دیں کہ وہ واقعی مؤمن تھا تو اُس کی گواہی بیشک قبول کی جائے گی۔ اور اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ''جن لوگوں نے حق کی گواہی دی ہو'' سے مراد وہ ہیں جنہوں نے ایمان قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا پیغمبر ہونے کی گواہی دی ہو، ایسے لوگوں کی سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت سے قبول کی جائے گی۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

ع ۷ ۱۴ ۲۲ وقف لازم

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ اُن کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ اس کے باوجود کوئی انہیں کہاں سے اوندھا چلا دیتا ہے؟ ﴿۸۷﴾ اور اللہ کو پیغمبر کی اس بات کا بھی علم ہے کہ: ''یا رَبّ! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔''(۲۳) ﴿۸۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ان کی پروا نہ کرو، اور کہہ دو: ''سلام!''(۲۴) کیونکہ عنقریب انہیں خود سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۸۹﴾

---

(۲۳) یہ جملہ یہ واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہونے کے کتنے شدید اَسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم بذاتِ خود بڑے سخت ہیں، اور دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں، وہ ان کی سفارش کے بجائے ان کی شکایت کریں تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپ کو کتنی اذیتیں پہنچائی ہوں گی، ورنہ معمولی بات پر آپ جو سراپا رحمت ہیں، ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے۔

(۲۴) یہاں سلام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے خوبصورتی کے ساتھ قطع تعلق کرلیا جائے، یعنی تمہاری کٹ حجتی کے بعد اَب میں تم سے مزید بحث کرنے کے بجائے تم سے شائستگی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرلیتا ہوں۔

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۱؍جنوری ۲۰۰۸ء کراچی میں سورۂ زُخرف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الدُّخَان

تعارف

مستند رِوایات کے مطابق یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک شدید قحط میں مبتلا فرمایا، اس موقع پر لوگ چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوئے، اور ابوسفیان کے ذریعے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قحط دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں، اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط دُور ہوگیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے قحط سے نجات عطا فرمادی، لیکن جب قحط دُور ہوگیا تو یہ کافر لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے، اور اِیمان نہیں لائے۔ اس واقعے کا تذکرہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵ میں آیا ہے، اور اسی سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دن آسمان پر دُھواں ہی دُھواں نظر آئے گا (اس کا مطلب اِن شاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا) دُھویں کو عربی میں ''دخان'' کہتے ہیں، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام ''سورۂ دخان'' ہے۔ سورت کے باقی مضامین توحید، رِسالت اور آخرت کے اِثبات پر مشتمل ہیں۔

آیاتها ۵۹ ۴۴ سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۶۴ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ۚ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ④ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ ⑤ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُنسٹھ آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ قسم ہے اس کتاب کی جو حق کو واضح کرنے والی ہے ﴿۲﴾ کہ ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اُتارا ہے،[1] (کیونکہ) ہم لوگوں کو خبر دار کرنے والے تھے، ﴿۳﴾ ـــــ اسی رات میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے[2] ـــــ (نیز) ہم ایک پیغمبر بھیجنے والے تھے، ﴿۴ و ۵﴾ تاکہ تمہارے رَبّ کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہو ـــــ یقیناً وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ـــ ﴿۶﴾ جو سارے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان ہر چیز کا رَبّ ہے، اگر تم واقعی یقین کرنے والے ہو۔ ﴿۷﴾ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی۔ وہ تمہارا بھی رَبّ ہے، اور تمہارے پہلے گذرے ہوئے باپ دادوں کا بھی رَبّ۔ ﴿۸﴾

(۱) اس سے مراد شبِ قدر ہے، کیونکہ اسی رات میں قرآنِ کریم لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر نازل کیا گیا، اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو اہم واقعات ہونے والے ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص پیدا ہوگا، اُسے اتنا رِزق دیا جائے گا، فلاں کا انتقال ہوگا، یہ ساری باتیں عملی تنفیذ کے لئے متعلقہ فرشتوں کے حوالے کردی جاتی ہیں۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾

(پھر بھی کافر ایمان نہیں لاتے) بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل کر رہے ہیں۔ ﴿۹﴾ لہٰذا اُس دن کا انتظار کرو جب آسمان ایک واضح دُھواں لے کر نمودار ہوگا[۳] ﴿۱۰﴾ جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ایک دردناک سزا ہے۔ ﴿۱۱﴾ (اُس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ:) ''اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ عذاب دُور کردیجئے، ہم ضرور اِیمان لے آئیں گے۔'' ﴿۱۲﴾ ان کو نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ حالانکہ ان کے پاس ایسا پیغمبر آیا ہے جس نے حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ پھر بھی یہ لوگ اُس سے منہ موڑے رہے، اور کہنے لگے کہ: ''یہ سکھایا پڑھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔'' ﴿۱۴﴾ (اچھا) ہم عذاب کو کچھ عرصے تک ہٹا دیتے ہیں۔ یقین ہے کہ تم پھر اُسی حالت پر لوٹ آؤ گے۔ ﴿۱۵﴾ جس دن ہماری طرف سے سب سے بڑی پکڑ ہوگی، اُس دن ہم پورا اِنتقام لے لیں گے۔[۴] ﴿۱۶﴾

---

(۳) اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے اُنہیں ایک سخت قحط میں مبتلا فرمادیا تھا، اُس وقت لوگ بھوک کی شدت کے عالم میں جب آسمان کی طرف دیکھتے تو اُنہیں آسمان پر دُھواں ہی دُھواں چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت میں اس قحط سالی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ کافروں کو سزا کے طور پر ایسے قحط میں مبتلا کیا جائے گا کہ اُنہیں بھوک کی وجہ سے آسمان پر دُھواں ہی دُھواں نظر آئے گا، اور اُس وقت یہ لوگ وعدہ کریں گے کہ اگر یہ قحط ہم سے دُور ہوگیا تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب قحط دُور ہوگا تو اپنے وعدے سے پھر کر دوبارہ شرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔

(۴) یعنی اس وقت تو یہ عذاب ان سے دُور کردیا جائے گا، لیکن جب قیامت میں ان کی پکڑ ہوگی، اُس وقت انہیں پورے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

اوران سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا، اوران کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے ﴿۱۷﴾ (اوراُنہوں نے کہا تھا) کہ: ''اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کردو۔[۵] میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں'' ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ: ''اللہ کے آگے سرکشی مت کرو، میں تمہارے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل پیش کرتا ہوں، ﴿۱۹﴾ اور میں اس بات سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔[۶] ﴿۲۰﴾ اور اگر تم مجھ پر اِیمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہوجاؤ۔[۷]'' ﴿۲۱﴾ پھر اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:) ''اچھا تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہوجاؤ۔ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا، ﴿۲۳﴾ اور تم سمندر کو ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا۔[۸] یقیناً یہ لشکر ڈبو یا جائے گا۔'' ﴿۲۴﴾

---

(۵) اس سے مراد بنو اِسرائیل ہیں جن کو فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔ دیکھئے سورۂ طٰہٰ (۲۰:۴۷)۔

(۶) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی دعوت کے جواب میں قتل کی دھمکیاں دی تھیں۔ یہ اُن کا جواب ہے۔

(۷) یعنی اگر میری دعوت پر اِیمان نہ لاؤ تو کم سے کم مجھے چھوڑ دو کہ میں حق کا پیغام اُن لوگوں کو پیش کروں جو ماننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور مجھے تکلیف پہنچانے اور میرے راستے میں رُکاوٹیں ڈالنے سے باز رہو۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے راستے میں سمندر آجائے گا تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سمندر کو ٹھہرا کر راستہ بنادیں گے۔ جب تم اُس سے پار ہوجاؤ تو اس بات کی فکر نہ کرنا کہ سمندر میں جو راستہ بنا ہوا ہے، وہ فرعون کے

كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۝۲۵ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۝۲۶ وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ ۝۲۷ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ۝۲۸ فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ ۝۲۹ وَلَقَدۡ نَجَّيۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ۝۳۰ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝۳۱ وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۳۲ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ مَا فِيۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيۡنٌ ۝۳۳ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوۡلُوۡنَ ۝۳۴ اِنۡ هِىَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِيۡنَ ۝۳۵

کتنے باغات اور چشمے تھے جو یہ لوگ چھوڑ گئے، ﴿۲۵﴾ اور کتنے کھیت اور شاندار مکانات، ﴿۲۶﴾ اور عیش کے کتنے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے! ﴿۲۷﴾ اُن کا انجام اسی طرح ہوا، اور ہم نے ان سب چیزوں کا وارث ایک دوسری قوم کو بنا دیا۔ ﴿۲۸﴾ پھر نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین، اور نہ اُن کو کچھ مہلت دی گئی۔ ﴿۲۹﴾ اور بنی اسرائیل کو ہم نے ذِلت کے عذاب سے نجات دے دی، ﴿۳۰﴾ یعنی فرعون سے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا سرکش، حد سے گذرے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے اُن کو اپنے علم کے مطابق دُنیا جہان والوں پر فوقیت دی، ﴿۳۲﴾ اور ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔[9] ﴿۳۳﴾

یہ لوگ صاف کہتے ہیں ﴿۳۴﴾ کہ: ''اور کچھ نہیں ہے، بس ہماری وہی پہلی موت ہوگی، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۳۵﴾

لشکر کے بھی کام آئے گا، اور وہ سمندر پار کر کے ہمارا تعاقب جاری رکھیں گے، بلکہ سمندر کو ویسا ہی ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کو ڈبونے کے لئے سمندر کو پھر پہلی حالت میں واپس کر دیں گے۔ اس واقعے کی تفصیل سورۂ یونس (۱۰:۹۰ تا ۹۲) اور سورۂ شعراء (۲۶:۵۶ تا ۶۷) میں گذر چکی ہے۔

(۹) اس سے مراد وہ اِنعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنو اِسرائیل پر فرمائے، مثلاً من وسلویٰ نازل کرنا، پتھر سے چشمے نکال دینا وغیرہ، جن کا ذکر سورۂ بقرہ (۲:۴۷ تا ۵۸) میں فرمایا ہے۔

فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

ع ۲ ۱۴ ۱۵

اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو اُٹھا لاؤ۔" ﴿۳۶﴾ بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبَّع کی قوم[10] اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے اُن سب کو ہلاک کر دیا، (کیونکہ) وہ یقینی طور پر مجرم لوگ تھے۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزیں بے فائدہ کھیل کرنے کے لئے پیدا نہیں کر دی ہیں۔ ﴿۳۸﴾ ہم نے اُنہیں برحق مقصد ہی کے لئے پیدا کیا ہے،[11] لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کا دن ان سب کی مقررہ میعاد ہے، ﴿۴۰﴾ جس دن کوئی حمایتی کسی حمایتی کے ذرا بھی کام نہیں آئے گا، اور اُن میں سے کسی کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، ﴿۴۱﴾ سوائے اُس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ یقیناً وہ مکمل اِقتدار کا مالک بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۴۲﴾

(۱۰) تبع دراصل یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا، قرآنِ کریم نے یہ متعین نہیں فرمایا کہ یہاں کونسا تبع مراد ہے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہاں مراد وہ تبع ہے جس کا نام اسعد ابو کریب تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے سات سو سال پہلے گذرا ہے، یہ خود دِینِ موسوی پر، جو اُس وقت دِینِ برحق تھا، ایمان لے آیا تھا، لیکن اُس کی قوم نے بعد میں بت پرستی اختیار کر لی جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب آیا۔

(۱۱) اگر آخرت کا انکار کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا دن آنے والا نہیں ہے جس میں نیک لوگوں کو اِنعام اور ظالموں کو سزا دی جائے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات (معاذ اللہ) یونہی بے فائدہ کھیل کے طور پر پیدا کر دی ہے۔

معانقہ ۱۲

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ
الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ
عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ
تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ
مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾
يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾

یقین جانو کہ زقوم کا درخت ﴿۴۳﴾ گنہگار کا کھانا ہوگا، ﴿۴۴﴾ تیل کی تلچھٹ جیسا۔ وہ لوگوں کے پیٹ میں اس طرح جوش مارے گا ﴿۴۵﴾ جیسے کھولتا ہوا پانی۔ ﴿۴۶﴾ (فرشتوں سے کہا جائے گا:) ''اس کو پکڑو، اور گھسیٹ کر دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، ﴿۴۷﴾ پھر اس کے سر کے اُوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب اُنڈیل دو۔'' ﴿۴۸﴾ (کہا جائے گا کہ:) ''لے چکھ۔ تو ہی ہے وہ بڑا صاحبِ اِقتدار، بڑا عزت والا![12] ﴿۴۹﴾ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔'' ﴿۵۰﴾ (دوسری طرف) پرہیزگار لوگ یقیناً امن و امان والی جگہ میں ہوں گے، ﴿۵۱﴾ باغات میں اور چشموں میں! ﴿۵۲﴾ وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے سندس اور اِستبرق کا لباس پہنے ہوں گے۔[13] ﴿۵۳﴾ اُن کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کا اُن سے بیاہ کردیں گے۔ ﴿۵۴﴾ وہ وہاں بڑے اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگواتے ہوں گے۔ ﴿۵۵﴾

---

(۱۲) یعنی دُنیا میں تو اپنے آپ کو بڑا صاحبِ اِقتدار اور بڑا باعزت سمجھتا تھا، اور اس پر تجھے گھمنڈ تھا، آج اپنی یہ حالت دیکھ لے کہ تکبر، گھمنڈ اور حق کے انکار کا انجام کیا ہوتا ہے؟

(۱۳) یہ دونوں ریشمی کپڑوں کی دو قسمیں ہیں۔ ''سندس'' باریک اور ''اِستبرق'' دبیز ہوتا ہے، لیکن جنت کے

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

ع ۳ ۱۷/۱۶

جو موت اُن کو پہلے آچکی تھی، اُس کے علاوہ وہاں وہ کسی اور موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، اور اللہ اُنہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، ﴿۵۶﴾ یہ سب تمہارے پروردگار کی طرف سے فضل ہوگا۔ (انسان کے لئے) زبردست کامیابی یہی ہے۔ ﴿۵۷﴾

غرض (اے پیغمبر!) ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان بنادیا ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۵۸﴾ اب تم بھی انتظار کرو، یہ لوگ بھی انتظار کررہے ہیں۔[۱۴] ﴿۵۹﴾

سندس اور اِستبرق کی صحیح کیفیت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

(۱۴) یہ لوگ تو جھٹلانے کے انداز میں قیامت کا انتظار کررہے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تصدیق کے ساتھ اُس کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے کہ اُس وقت ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، اور ان کافروں کو سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

الحمدللہ! سورۂ دُخان کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز عاشوراء ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ر جنوری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کو بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الجاثية

تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر تین باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی اتنی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ ایک انسان اگر معقولیت کے ساتھ اُن پر غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کائنات کے خالق کو اپنی خدائی کے انتظام میں کسی شریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اُس کی عبادت کرنا سراسر بے بنیاد بات ہے۔ دوسرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ آپ کو شریعت کے کچھ ایسے اَحکام دیئے گئے ہیں جو پچھلی اُمتوں کو دیئے ہوئے اَحکام سے کسی قدر مختلف ہیں۔ چونکہ یہ سارے اَحکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لئے اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ تیسرے اس سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں آیت نمبر ۲۸ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے۔ "جاثیہ" عربی زبان میں اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو گھٹنے کے بل بیٹھے ہوں۔ اسی لفظ کو سورت کا نام بنا دیا گیا ہے۔

آیاتھا ۳۷ ۴۵ سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۶۵ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری جارہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ماننے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ﴿۳﴾ اور خود تمہاری پیدائش میں، اور اُن جانوروں میں جو اُس نے (زمین میں) پھیلا رکھے ہیں، اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو یقین کریں۔ ﴿۴﴾ نیز رات اور دِن کے آنے جانے میں، اور اللہ نے آسمان سے رزق کا جو ذریعہ اُتارا، پھر اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہوجانے کے بعد نئی زندگی دی، اُس میں اور ہواؤں کی گردش میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۵﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اب اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد کونسی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ﴿۶﴾

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ ۚ

ع ۱۱/۱۷

بُرا ہو ہر اُس جھوٹے گنہگار کا ﴿۷﴾ جو اللہ کی آیتیں سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پڑھ کر سنائی جارہی ہوتی ہیں، پھر بھی وہ تکبر کے عالم میں اس طرح (کفر پر) اَڑا رہتا ہے جیسے اُس نے وہ آیتیں سنی ہی نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو دردناک عذاب کی ''خوشخبری'' سنادو۔ ﴿۸﴾ اور جب ہماری آیتوں میں سے کوئی آیت ایسے شخص کے علم میں آتی ہے تو وہ اُس کا مذاق بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۹﴾ اُن کے آگے جہنم ہے، اور جو کچھ اُنہوں نے کمایا ہے، نہ وہ اُن کے کچھ کام آئے گا، اور نہ وہ کام آئیں گے جن کو اُنہوں نے اللہ کے بجائے اپنا رکھوالا بنا رکھا ہے۔ اور اُن کے حصے میں ایک زبردست عذاب آئے گا۔ ﴿۱۰﴾ یہ (قرآن) سراپا ہدایت ہے، اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا ہے، اُن کے لئے بلا کا دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، تاکہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو،(۱) اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۱۲﴾

---

(۱) جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا قرآنِ کریم کی اِصطلاح میں روزی تلاش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں سمندری تجارت مراد ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٣﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُس سب کو اُس نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۱۳﴾ (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن سے کہو کہ جو لوگ اللہ کے دنوں کا اندیشہ نہیں رکھتے[۲] اُن سے درگذر کریں،[۳] تاکہ اللہ لوگوں کو اُن کاموں کا بدلہ دے جو وہ کیا کرتے تھے۔[۴] ﴿۱۴﴾ جو شخص بھی نیک کام کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے، اور جو برا کام کرتا ہے، وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس واپس لایا جائے گا۔ ﴿۱۵﴾

---

(۲) ''اللہ کے دنوں'' سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا یا جزا دے، چاہے دُنیا میں یا آخرت میں، اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس بات سے بے فکر ہیں، بلکہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ کوئی ایسے دن آنے والے ہیں۔

(۳) درگذر کرنے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ اُن کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچائی جائیں، اُن کا بدلہ نہ لیں۔ یہ حکم مکی زندگی میں دیا گیا تھا جہاں مسلمانوں کو مسلسل صبر کی تلقین کی جارہی تھی، اور ہاتھ اُٹھانے سے منع کیا گیا تھا۔

(۴) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ کافر لوگ اُن پر جو ستم ڈھا رہے ہیں، تم اُن کا فی الحال بدلہ نہ لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اُن کا بدلہ لے لے گا، چاہے وہ اسی دُنیا میں ہو، یا آخرت میں۔ اور ساتھ ہی یہ مطلب بھی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں صبر سے کام لیں گے، اور بدلہ نہیں لیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی اس نیکی کا بدلہ آخرت کی نعمتوں کی صورت میں ضرور عطا فرمائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَـيْــــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾

اور ہم نے بنو اِسرائیل کو کتاب، اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی، اور اُنہیں پاکیزہ چیزوں کا رِزق دیا تھا، اور اُنہیں دُنیا جہان کے لوگوں پر فوقیت بخشی تھی، ﴿۱۶﴾ اور اُنہیں کھلے کھلے اَحکام دیئے تھے۔ اس کے بعد اُن میں جو اِختلاف پیدا ہوا، وہ اُن کے پاس علم آجانے کے بعد ہی ہوا، صرف اس لئے کہ اُن کو ایک دوسرے سے ضد ہوگئی تھی۔(۵) یقیناً تمہارا پروردگار اُن کے درمیان قیامت کے دن اُن باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۷﴾ پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں دِین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے، لہٰذا تم اُسی کی پیروی کرو، اور اُن لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿۱۸﴾ وہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے ذرا بھی کام نہیں آسکتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔ ﴿۱۹﴾

(۵) یعنی بنو اِسرائیل کو تورات کا علم دیا گیا تھا، اُس کے باوجود اُنہوں نے ایک دوسرے سے حسد اور ضد کی وجہ سے آپس میں پھوٹ ڈال لی، اور اختلافات میں پڑ گئے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ

ع ۲ ۱۰ ۱۸

یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے بصیرتوں کا مجموعہ ہے، اور جو لوگ یقین کریں، اُن کے لئے منزل تک پہنچانے کا ذریعہ اور سراپا رحمت ہے۔ ﴿۲۰﴾ جن لوگوں نے بُرے بُرے کاموں کا ارتکاب کیا ہے، کیا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اُنہیں ہم اُن لوگوں کے برابر کردیں گے جو اِیمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، جس کے نتیجے میں اُن کا جینا اور مرنا ایک ہی جیسا ہو جائے؟[6] کتنی بُری بات ہے جو یہ طے کئے ہوئے ہیں! ﴿۲۱﴾ اللہ نے سارے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس لئے کیا ہے کہ ہر شخص کو اُس کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے، اور دیتے وقت اُن پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔[7] ﴿۲۲﴾ پھر کیا تم نے اُسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اُسے گمراہی میں ڈال دیا، اور اُس کے کان اور دِل پر مہر لگادی، اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا؟

(۶) یہ آخرت کی زندگی کی ضرورت بتائی جارہی ہے کہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو اچھے بُرے سب لوگ برابر ہو جائیں، اور جن نیک لوگوں نے دُنیا میں شریعت کے اَحکام پر عمل کر کے محنت اُٹھائی، یا مخالفین کی طرف سے تکلیفیں برداشت کیں، اُن کو مرنے کے بعد بھی اس قربانی کا کوئی اِنعام نہ ملے، اور اُن کا مرنا جینا بالکل برابر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ناانصافی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یہ کائنات اسی برحق مقصد کے لئے پیدا کی ہے کہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

(۷) یہ ترجمہ "وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" کے جملے کو "تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ" سے حال قرار دینے پر مبنی ہے۔

فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ‌ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ‌ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اب اللہ کے بعد کون ہے جو اُسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟ ﴿۲۳﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''جو کچھ زندگی ہے، بس یہی ہماری دُنیوی زندگی ہے، (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں کوئی اور نہیں، زمانہ ہی ہلاک کردیتا ہے۔'' حالانکہ اس بات کا اُنہیں کچھ بھی علم نہیں ہے، بس وہمی اندازے لگاتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور جب ہماری آیتیں پوری وضاحت کے ساتھ ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ کہنے کے سوا اُن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ: ''اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کرکے) لے آؤ۔'' ﴿۲۵﴾ کہہ دو کہ اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا[8] جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۶﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، اور جس دن قیامت آکھڑی ہوگی، اُس دن جو لوگ باطل پر ہیں، وہ سخت نقصان اُٹھائیں گے۔ ﴿۲۷﴾

(۸) یعنی آخرت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے انسانوں کو جمع کرے گا، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسی دُنیا میں مردوں کو زندہ کرے گا، لہٰذا آخرت کے عقیدے کے مقابلے میں تمہارا یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرکے لاؤ، سراسر لغو مطالبہ ہے۔ رہی یہ بات کہ مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا بہت مشکل بات ہے تو جس اللہ نے تمہیں عدم سے وجود عطا کرکے پیدا کیا ہے، اُس کے لئے کیا

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے۔(۹) ہر گروہ کو اُس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) ''آج تمہیں اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۸﴾ یہ ہمارا (لکھوایا ہوا) دفتر ہے جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ تم جو کچھ کرتے تھے، ہم اُس سب کو لکھوالیا کرتے تھے۔'' ﴿۲۹﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو تو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا ___ یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے ___ ﴿۳۰﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنا لیا تھا، (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ''بھلا کیا تمہارے سامنے میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم نے تکبر سے کام لیا، اور مجرم بنے رہے، ﴿۳۱﴾ اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت وہ حقیقت ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں ہے، تو تم یہ کہتے تھے کہ: ''ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے؟ اُس کے بارے میں ہم جو کچھ خیال کرتے ہیں، بس ایک گمان سا ہوتا ہے، اور ہمیں یقین بالکل نہیں ہے۔'' ﴿۳۲﴾

مشکل ہے کہ وہ ایک مرتبہ تمہاری رُوح قبض کر کے دوبارہ پیدا کردے، جبکہ اس ساری کائنات کی بادشاہی اُسی کے قبضے میں ہے؟

(۹) قیامت کے مختلف مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ وہاں کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بے ساختہ

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع ۴ ۱۱ ۲۰

اور (اس موقع پر) اُنہوں نے جو اعمال کئے تھے، اُن کی برائیاں کھل کر اُن کے سامنے آجائیں گی، اور جس چیز کا وہ مذاق اُڑاتے تھے، وہی اُن کو آگھیرے گی۔[10] ﴿۳۳﴾ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: "آج ہم تمہیں اُسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم نے یہ بات بھلا ڈالی تھی کہ تمہیں اپنے اس دن کا سامنا کرنا ہوگا، اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمہیں کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ ﴿۳۴﴾ یہ سب اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا تھا، اور دُنیوی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا۔" چنانچہ آج ایسے لوگوں کو نہ وہاں سے نکالا جائے گا، اور نہ اُن سے معافی مانگنے کو کہا جائے گا۔[11] ﴿۳۵﴾

غرض تعریف تمام تر اللہ کی ہے جو سارے آسمانوں کا بھی مالک ہے، زمین کا بھی مالک، اور تمام جہانوں کا بھی مالک۔ ﴿۳۶﴾ اور تمام تر بڑائی اُسی کو حاصل ہے، آسمانوں میں بھی، اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۳۷﴾

گھٹنوں کے بل گر جائیں گے یا بیٹھ جائیں گے۔

(۱۰) یعنی دوزخ کے جس عذاب کا یہ کافر لوگ مذاق اُڑایا کرتے تھے، وہی عذاب اُن کو آگھیرے گا۔

(۱۱) توبہ کرنے اور معافی مانگنے کا دروازہ انسان کے لئے ساری زندگی کھلا ہوا ہے، لیکن مرنے کے بعد اور

آخرت میں پہنچنے کے بعد یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور وہاں معافی مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے وہاں کسی سے یہ کہا بھی نہیں جائے گا کہ معافی مانگ لو۔ أعاذنا اللہ من ذلك۔

الحمدللہ! سورۂ جاثیہ کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج شبِ جمعہ میں ۱۵؍محرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴؍جنوری ۲۰۰۸ء کو دُبی سے لندن جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مغفرت فرما کر اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الأحقاف

تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۲۹ اور ۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب جنات کی ایک جماعت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم سنا تھا۔ معتبر رِوایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اُس وقت پیش آیا تھا جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اُسی زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آرہے تھے کہ ایک ہی گھرانے میں والدین مسلمان ہوگئے، اور اولاد مسلمان نہیں ہوئی، اور اُس نے اپنے والدین کو ملامت شروع کردی کہ وہ کیوں اسلام لائے۔ اس کے برعکس بعض گھرانوں میں اولاد مسلمان ہوگئی اور والدین مسلمان نہ ہوئے، اور اُنہوں نے اولاد پر تشدد شروع کردیا۔ اس سورت کی آیات ۱۶ و ۱۷ میں اسی قسم کی صورتِ حال کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اسی پس منظر میں اولاد پر ماں باپ کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ماضی میں جن قوموں نے کفر اور نافرمانی کی رَوِش اختیار کی، اُن کے بُرے انجام کا حوالہ دیا گیا ہے، اور قومِ عاد کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس جگہ یہ قوم آباد تھی، وہاں بہت سے ریت کے ٹیلے تھے جنہیں عربی زبان میں ''اَحقاف'' کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''اَحقاف'' ہے۔

اٰیاتھا ۳۵ ۴۶ سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ مَکِّیَّۃٌ ۶۶ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری جارہی ہے جو بڑا صاحبِ اِقتدار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ ﴿۲﴾ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کسی برحق مقصد کے بغیر اور کسی متعین میعاد کے بغیر پیدا نہیں کردیا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اَپنا لیا ہے، وہ اُس چیز سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس سے اُنہیں خبردار کیا گیا ہے۔ ﴿۳﴾ تم ان سے کہو کہ: ''کیا تم نے اُن چیزوں پر کبھی غور کیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ مجھے دِکھاؤ تو سہی کہ اُنہوں نے زمین کی کونسی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں (کی تخلیق) میں اُن کا کوئی حصہ ہے؟ میرے پاس کوئی ایسی کتاب لاؤ جو اس قرآن سے پہلے کی ہو، یا پھر کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو،[1] اگر تم واقعی سچے ہو۔ ﴿۴﴾

---

(۱) ان آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مشرکین کے پاس اپنے شرک والے عقیدوں کو ثابت کرنے کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے جو یہ ثابت کرسکے کہ جن معبودوں کو یہ پوجتے ہیں، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کوئی حصہ لیا ہے، اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے۔ نقلی دلیل دو قسم کی ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے کوئی ایسی کتاب

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶

اُس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت دیوتاؤں) کو پکارے جو قیامت کے دن تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، اور جن کو ان کی پکار کی خبر تک نہیں ہے۔ ﴿۵﴾ اور جب لوگوں کو محشر میں جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دُشمن بن جائیں گے، اور اُن کی عبادت ہی سے منکر ہوں گے۔[۲] ﴿۶﴾

نازل ہوئی ہو جس میں ان معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک قرار دیا گیا ہو، مشرکین سے کہا جارہا ہے کہ اگر ایسی کوئی کتاب ہے تو لا کر دِکھاؤ۔ نقلی دلیل کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی پیغمبر نے کوئی بات کہی ہو، اور اس بات پر کوئی علمی سند موجود ہو کہ واقعی اُنہوں نے ایسا کہا ہے۔ ''کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو'' سے مراد یہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مشرکین کے پاس اپنے عقیدے کے ثبوت میں نہ کوئی آسمانی کتاب ہے، اور نہ کسی پیغمبر کا کوئی قول جو مستند طریقے پر ثابت ہو۔

(۲) یعنی جن جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، آخرت میں وہ سب ان مشرکین سے براءة ظاہر کر کے یہ کہہ دیں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ بات سورۂ قصص (۲۸: ۶۳) میں بھی گذری ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مشرکین نے کچھ دُنیا سے گذرے ہوئے انسانوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ اُن انسانوں کو بسا اوقات یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن کی عبادت کی جارہی ہے، اس لئے وہ انکار کردیں گے۔ اور جن کو پتہ ہے، وہ یہ کہیں گے کہ درحقیقت یہ ہماری نہیں، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔ دوسرے بعض مشرکین وہ ہیں جو فرشتوں کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ اُن کے بارے میں سورۂ سبا (۳۴: ۴۰ و ۴۱) میں گذرا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو جنات اور شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے، کیونکہ اُنہوں نے ہی انہیں بہکایا تھا۔ مشرکین کی تیسری قسم وہ ہے جو پتھر کے بتوں کو پوجتی ہے۔ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو دِکھانے کے لئے ان بتوں کو بھی زبان دے دیں گے، اور چونکہ وہ دُنیا میں بے جان پتھر تھے، اس لئے انہیں واقعی یہ پتہ

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۙ ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ؕ﴿۷﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُہٗ فَلَا تَمۡلِکُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡہِ ؕ کَفٰی بِہٖ شَہِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ؕ وَہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۸﴾ قُلۡ مَا کُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ ؕ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحت کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو یہ کافر لوگ حق بات کے اُن تک پہنچ جانے کے بعد بھی اُس کے بارے میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔﴿۷﴾ کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ اسے پیغمبر نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ کہہ دو کہ: ''اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم مجھے اللہ کی پکڑ سے ذرا بھی نہیں بچا سکو گے۔(۳) جو باتیں تم بناتے ہو، وہ اُنہیں خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے وہ کافی ہے، اور وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''﴿۸﴾ کہو کہ: ''میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟۔(۴)

نہیں ہوگا کہ مشرکین اُن کی عبادت کرتے تھے، اس لئے وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور اگر یہ روایت ثابت نہ ہو تو پھر یہ بت زبانِ حال سے یہ کہیں گے کہ ہم تو بے جان پتھر ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ ہماری عبادت کی جاتی تھی۔ (رُوح المعانی)

(۳) اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی من گھڑت کلام منسوب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دُنیا ہی میں رُسوا فرما دیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر میں نے یہ کلام (نعوذ باللہ) خود گھڑا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُنیا ہی میں میری پکڑ کرلے گا، اور مجھے کوئی بچا نہیں سکے گا۔

(۴) اس جملے کو اگلے جملے کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے، اور مطلب یہ ہے کہ نہ میں کوئی انوکھا پیغمبر ہوں کہ مجھ

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ

میں کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔ اور میں تو صرف ایک واضح انداز سے خبردار کرنے والا ہوں۔" ﴿۹﴾ کہو کہ: "ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، اور تم نے اُس کا انکار کردیا، اور بنو اِسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسی بات کے حق میں گواہی بھی دے دی، اور اُس پر اِیمان بھی لے آیا،(۵) اور تم اپنے گھمنڈ میں مبتلا رہے (تو یہ کتنے ظلم کی بات ہے؟) یقین جانو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا جو ظالم ہوں۔" ﴿۱۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، وہ ایمان لانے والوں کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ: "اگر یہ (ایمان لانا) کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ اس بارے میں ہم سے سبقت نہ لے جاسکتے۔"(۶)

سے پہلے دوسرے پیغمبر نہ آئے ہوں، اور نہ میں کوئی ایسا غیر معمولی دعویٰ کر رہا ہوں کہ میں عالم الغیب ہوں، کیونکہ مجھے جو کچھ علم ملا ہے، وہ وحی کے ذریعے ملا ہے، یہاں تک کہ وحی کے بغیر مجھے ذاتی طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ دُنیا اور آخرت میں میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔

(۵) یہ پیشین گوئی کی جارہی ہے کہ بنو اسرائیل میں سے کچھ یہودی اور عیسائی لوگ قرآنِ کریم پر اِیمان لانے والے ہیں، جیسا کہ بعد میں یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عیسائیوں میں سے حضرت عدی بن حاتم اور نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے، اور اُنہوں نے گواہی دی کہ اسی جیسی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور قرآنِ کریم بنیادی عقائد میں اُسی کتاب جیسا ہے۔ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے کہا جارہا ہے کہ جو لوگ پہلے سے آسمانی کتاب رکھتے تھے، وہ تو اِیمان لانے میں تم سے آگے نکل جائیں، اور تم اپنے گھمنڈ میں بیٹھے رہو تو یہ کتنے ظلم کی بات ہوگی۔

(۶) یہ تھا ان کافروں کا گھمنڈ کہ ہر قسم کی خوبیاں ہم میں ہی پائی جاتی ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ ہم سے کم حیثیت ہیں، اس لئے اگر اِسلام کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب ان کافروں نے اس سے خود ہدایت حاصل نہیں کی تو وہ تو یہی کہیں گے کہ یہ وہی پرانے زمانے کا جھوٹ ہے۔ ﴿۱۱﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے۔ اور یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہوتے ہوئے اُس کو سچا بتا رہی ہے،(۷) تاکہ ان ظالموں کو خبردار کرے، اور نیک کام کرنے والوں کے لئے خوشخبری بن جائے۔ ﴿۱۲﴾ یقیناً جن لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ: ''ہمارا پروردگار اللہ ہے'' پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے،(۸) تو اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۱۳﴾ وہ جنت والے لوگ ہیں جو ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ یہ اُن اعمال کا بدلہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۴﴾

(۷) عربی زبان میں ہونے کا خاص طور پر ذِکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ پچھلی کوئی آسمانی کتاب عربی زبان میں نہیں آئی، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا کسی اور زبان سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود وہ عربی زبان میں اُن پچھلی کتابوں کی باتیں بتا رہے ہیں جن کا علم حاصل ہونے کا آپ کے پاس وحی کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

(۸) ثابت قدم رہنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرتے دَم تک اس ایمان پر قائم رہے، اور یہ بھی کہ اُس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ړ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔[9] اُس کی ماں نے بڑی مشقت سے اُسے (پیٹ میں) اُٹھائے رکھا، اور بڑی مشقت سے اُس کو جنا، اور اُس کو اُٹھائے رکھنے اور اُس کے دُودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے،[10] یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچ گیا، اور چالیس سال کی عمر تک پہنچا تو وہ کہتا ہے کہ: ''یا ربّ! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کی اُس نعمت کا شکر اَدا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی، اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہوجائیں، اور میرے لئے میری اولاد کو بھی صلاحیت دے دیجئے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔''[11] ﴿۱۵﴾

(۹) ایمان پر ثابت قدم رہنے کا جو ذِکر پچھلی آیت میں آیا ہے، اُس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے، نیز جیسا کہ اُوپر سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، بعض مرتبہ کچھ لوگ مسلمان ہوجاتے تھے، اور اُن کے والدین ایمان نہیں لاتے تھے۔ ایسے میں اُن کے سامنے یہ سوال آتا تھا کہ ان کافر والدین کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اس آیت نے یہ تعلیم دی کہ والدین کا انسان پر بہت بڑا اِحسان ہے، اس لئے جہاں تک اُن کے ساتھ عام برتاؤ کا تعلق ہے، اُس میں اچھا سلوک ہی کرنا چاہئے، لیکن نہ عقیدے میں اُن کا ساتھ دیا جائے، اور نہ کسی گناہ کے کام میں اُن کی بات مانی جائے، جیسا کہ سورۂ عنکبوت (۸:۲۹) میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ گذر چکی ہے۔

(۱۰) حمل کی وہ کم سے کم مدت جس میں زندہ بچے کی پیدائش ممکن ہے، چھ مہینے ہے، اور دُودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ اس طرح تیس مہینے یعنی ڈھائی سال کی مدت بنتی ہے۔

(۱۱) بعض روایات میں مذکور ہے کہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، انہوں نے ہی یہ دُعا فرمائی تھی۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّـَٔاتِهِمْ فِيٓ أَصْحَٰبِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَٰلِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ ءَامِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَٰسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَٰلَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم اُن کے بہترین اعمال قبول کریں گے، اور اُن کی خطاؤں سے درگذر کریں گے، (جس کے نتیجے میں) وہ جنت والوں میں شامل ہوں گے، اُس سچے وعدے کی بدولت جو اُن سے کیا جاتا تھا۔ ﴿۱٦﴾ اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے والدین سے کہا ہے کہ: ''تف ہے تم پر! کیا تم مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ مجھے زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی نسلیں گذر چکی ہیں۔'' اور والدین اللہ سے فریاد کرتے ہیں، (اور بیٹے سے کہتے ہیں کہ:) ''افسوس ہے تجھ پر، اِیمان لے آ۔ یقین جان کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' تو وہ کہتا ہے کہ: ''ان باتوں کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں ہے کہ یہ محض افسانے ہیں جو پچھلے لوگوں سے نقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔'' ﴿۱۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنات اور اِنسانوں کے اُن گروہوں سمیت جو ان سے پہلے گذرے ہیں، (عذاب کی) بات طے ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ اور ہر ایک (گروہ) کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں، اور اس لئے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۹﴾

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾

اور اُس دن کو یاد رکھو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) ''تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دُنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں،[۱۲] اور ان سے خوب مزہ لے لیا، لہٰذا آج تمہیں بدلے میں ذِلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے۔'' ﴿۲۰﴾

اور قومِ عاد کے بھائی (حضرت ہود علیہ السلام) کا تذکرہ کرو، جب اُنہوں نے اپنی قوم کو خم دار ٹیلوں کی سرزمین میں[۱۳] خبردار کیا تھا ـــ اور ایسے خبردار کرنے والے اُن سے پہلے بھی گذر چکے ہیں، اور اُن کے بعد بھی ـــ کہ: ''اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔'' ﴿۲۱﴾ اُنہوں نے کہا: ''کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے خداؤں سے ہمیں برگشتہ کرو؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس کی دھمکی دے رہے ہو۔'' ﴿۲۲﴾

(۱۲) یعنی اگر تم نے دُنیا میں کچھ اچھے کام کئے بھی تھے تو ہم نے دُنیا ہی میں ان کا بدلہ عیش و عشرت کی شکل میں تمہیں دے دیا، اور تم نے اُس کے مزے اُڑا کر اپنا حصہ دُنیا ہی میں لے لیا۔

(۱۳) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ''اَحقاف'' ہے۔ یہ ''حِقف'' کی جمع ہے جو لمبے مگر خم دار ریت کے ٹیلے کو کہتے

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۴﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖؗ

اُنہوں نے فرمایا: ''ٹھیک ٹھیک علم تو اللہ کے پاس ہے (کہ وہ عذاب کب آئے گا؟) مجھے جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے، میں تو تمہیں وہی پیغام پہنچا رہا ہوں، البتہ میں یہ ضرور دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کررہے ہو۔'' ﴿۲۳﴾ پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس (عذاب) کو ایک بادل کی شکل میں آتا دیکھا جو اُن کی وادیوں کا رُخ کر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ: ''یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔'' ــــــ نہیں! بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم نے جلدی مچائی تھی ــــــ ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے، ﴿۲۴﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے گی! غرض اُن کی حالت یہ ہوگئی کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے مجرم لوگوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور (اے عرب کے لوگو!) ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں کی طاقت دی تھی جن کی طاقت تمہیں نہیں دی، اور ہم نے اُن کو کان، آنکھیں اور دِل سب کچھ دے رکھے تھے،

ہیں۔ جس جگہ قومِ عاد آباد تھی، وہاں اسی قسم کے ٹیلے کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اُس سرزمین کا نام ہی ''اَحقاف'' تھا، اور یہ یمن کے علاقے میں واقع تھی، آج یہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ قومِ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، اور اُن کا تعارف پیچھے سورۂ اَعراف (۶۵:۷) کے حاشیے میں گذر چکا ہے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع۴ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾

لیکن نہ اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اُن کے کچھ کام آئیں، اور نہ اُن کے دِل، کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور جس چیز کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُنہیں آگھیرا۔ ﴿۲۶﴾

اور ہم نے اور بستیوں کو بھی ہلاک کیا ہے جو تمہارے اردگرد واقع تھیں،[۱۴] جبکہ ہم طرح طرح کی نشانیاں (اُن کے) سامنے لاچکے تھے، تاکہ وہ باز آجائیں۔ ﴿۲۷﴾ پھر انہوں نے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جن چیزوں کو اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا، اُنہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کرلی؟ اس کے بجائے وہ سب ان کے لئے بے نشان ہوگئے۔ یہ تو ان کا سراسر جھوٹ تھا، اور بہتان تھا جو انہوں نے تراش رکھا تھا۔ ﴿۲۸﴾

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں،[۱۵] چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ: ''خاموش ہوجاؤ'' پھر جب وہ پڑھا جاچکا تو وہ اپنی قوم کے پاس اُنہیں خبردار کرتے ہوئے واپس پہنچے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۴) اس سے مراد قومِ ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جو شام جاتے ہوئے اہلِ عرب کے راستے میں پڑتی تھیں۔

(۱۵) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کے لئے بھی پیغمبر بنایا تھا۔ چنانچہ

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ط

اُنہوں نے کہا: ''اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق بات اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کے داعی کی بات مان لو، اور اس پر اِیمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اور تمہیں ایک دردناک عذاب سے پناہ دیدے گا۔'' ﴿۳۱﴾ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات نہ مانے تو وہ ساری زمین میں کہیں بھی جاکر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتا، اور اللہ کے سوا اُس کو کسی قسم کے رکھوالے بھی نہیں ملیں گے۔

یہ واقعہ جس کا اس آیت میں تذکرہ ہے، اُس وقت پیش آیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف والوں کو تبلیغ فرمانے اور اُن سے دُکھ اُٹھانے کے بعد مکہ مکرمہ واپس تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک مقام کا نام نخلہ ہے، وہاں آپ نے قیام فرمایا، اور فجر کی نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کی۔ اُس وقت جنات کی ایک جماعت وہاں سے گذر رہی تھی۔ اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے سننے کے لئے رُک گئے، اور توجہ سے سننے کے لئے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔ قرآنِ کریم کا پُر اثر کلام، اور فجر کے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی، اُس نے ان جنات پر ایسا اثر کیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے، اور پھر اُن کے کئی وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اوقات میں آئے، آپ نے اُن کو تبلیغ اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ جن راتوں میں جنات سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں، اُن میں سے ہر ایک کو ''لیلۃ الجن'' کہا جاتا ہے، اور ان میں سے بعض راتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جنات کے اسلام قبول کرنے کی مزید تفصیل اِن شاء اللہ تعالیٰ سورۂ جن میں آئے گی۔

أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

ایسے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔﴿۳۲﴾ کیا ان کو یہ سمجھائی نہیں دیا کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور ان کو پیدا کرنے سے اُس کو ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی، وہ یقیناً اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے؟ اور کیوں نہ ہو؟ وہ بیشک ہر چیز کی پوری قدرت رکھنے والا ہے۔﴿۳۳﴾ اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، اُس دن (ان سے پوچھا جائے گا) کہ کیا یہ (دوزخ) سچ نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کہ: "ہمارے ربّ کی قسم! یہ واقعی سچ ہے۔" اللہ ارشاد فرمائے گا کہ: "پھر چکھو مزہ عذاب کا، اُس کفر کے بدلے میں جو تم نے اختیار کر رکھا تھا۔"﴿۳۴﴾ غرض (اے پیغمبر!) تم اُسی طرح صبر کئے جاؤ جیسے اُولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے، اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ وہ چیز دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جارہا ہے، اُس دن (انہیں) یوں محسوس ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔[16] یہ ہے وہ پیغام جو پہنچا دیا گیا ہے! اب برباد تو وہی لوگ ہوں گے جو نافرمان ہیں۔﴿۳۵﴾

(۱٦) یعنی آخرت میں پہنچ کر جب وہ عذاب سامنے آئے گا جس سے اُنہیں مسلسل آگاہ کیا جاتا رہا تھا،

تو اُس کی شدت دیکھ کر اُنہیں دُنیا کی ساری زندگی اتنی مختصر محسوس ہوگی جیسے وہ صرف ایک دن کا کوئی حصہ ہو۔

الحمدللہ! سورۂ اَحقاف کا ترجمہ اور حواشی آج بروز اتوار شب ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۳ فروری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ

تعارف

یہ سورت مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں، اور بیشتر مفسرین کی رائے میں جنگِ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب کے کفار مدینہ منورہ کی اُبھرتی ہوئی اسلامی حکومت کو کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، اور اُس پر حملے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے اس سورت میں بنیادی طور پر جہاد و قتال کے اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دِین کا کلمہ بلند رکھنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، اُن کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد اُن منافقوں کی تھی جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن دِل سے وہ کافر تھے۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب جہاد اور لڑائی کی بات کی جاتی تو اپنی بزدلی اور دِل کے کھوٹ کی وجہ سے لڑائی سے بچنے کے بہانے تلاش کرتے تھے۔ اس سورت میں اُن کی مذمت کر کے اُن کا برا انجام بتایا گیا ہے۔ جنگ کے دوران جو قیدی گرفتار ہوں، اُن کے اَحکام بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ اس سورت کی دوسری ہی آیت میں حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام لیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۂ محمد (ﷺ) ہے، اور چونکہ اس میں جہاد و قتال کے اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے اس کو سورۂ قتال بھی کہا جاتا ہے۔

آیاتھا ۳۸ ۴۷ سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّۃٌ ۹۵ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اڑتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا ہے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کردیئے ہیں۔[1] ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور ہر اُس بات کو دِل سے مانا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے ــــ اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے ــــ اللہ نے اُن کی بُرائیوں کو معاف کردیا ہے، اور ان کی حالت سنوار دی ہے۔ ﴿۲﴾ یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، وہ باطل کے پیچھے چلے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اُس حق کے پیچھے چلے ہیں جو اُن کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ اسی طرح اللہ لوگوں کو بتا رہا ہے کہ اُن کے حالات کیا کیا ہیں۔ ﴿۳﴾

---

(۱) کافر لوگ جو کوئی اچھے کام دُنیا میں کرتے ہیں، جیسے غریبوں کی امداد وغیرہ، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ اُنہیں دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، لیکن آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لئے ایمان شرط ہے، اس لئے آخرت کے لحاظ سے وہ اعمال اکارت چلے جاتے ہیں۔

فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۛۚ ذٰ لِكَ ؕ وَلَوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنۡهُمۡ وَلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَا۟ بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝۴ سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۝۵ وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَـنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ۝۶

اور جب اُن لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے، تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم اُن کی طاقت کچل چکے ہو، تو مضبوطی سے گرفتار کرلو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر،[۲] یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار پھینک کر ختم ہو جائے۔[۳] تمہیں تو یہی حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (تمہیں یہ حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعے امتحان لے۔[۴] اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے، اللہ اُن کے اعمال کو ہرگز اکارت نہیں کرے گا۔[۵] ﴿۴﴾ وہ انہیں منزل تک پہنچا دے گا، اور اُن کی حالت سنوار دے گا، ﴿۵﴾ اور اُنہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی اُنہیں خوب پہچان کرادی ہوگی۔[۶] ﴿۶﴾

(۲) جنگِ بدر میں جو ستر آدمی گرفتار ہوئے تھے، اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی اکثریت کے مشورے سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ اس پر سورۂ انفال (۸:۲۲-۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تک کافروں کی طاقت اچھی طرح کچلی نہیں جاتی، اُس وقت تک قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا صحیح فیصلہ نہیں تھا، کیونکہ ان حالات میں دُشمنوں کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُن کی طاقت کو اور مضبوط کیا جائے۔ سورۂ انفال کی ان آیتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ شاید آئندہ بھی جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہ ہو۔ اس آیت نے یہ وضاحت فرمادی کہ اُس وقت قیدیوں کو چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا جو اظہار فرمایا تھا، وہ اس لئے کہ دُشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچلے بغیر انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن جب اُن کی طاقت کچلی جا چکی ہو تو اُس وقت اُنہیں چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مسلمان حاکم کے لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، چاہے کوئی فدیہ یعنی معاوضہ لئے بغیر احسان کے طور پر اُنہیں چھوڑ دیا جائے، یا کوئی فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ چنانچہ

اس آیت کی روشنی میں اسلامی حکومت کو چار قسم کے اختیار حاصل ہیں، ایک یہ کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ احسان کے طور پر چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ یا معاوضہ لے کر چھوڑے جس میں جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی داخل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ان کو زندہ چھوڑنے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے خطرہ بنیں گے تو اُنہیں قتل کرنے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ سورۂ اَنفال (۸: ۲۲-۲۳) میں بیان فرمایا گیا ہے، اور چوتھے یہ کہ اگر ان میں یہ صلاحیت محسوس ہو کہ وہ زندہ رہ کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بننے کے بجائے اچھی خدمات انجام دے سکیں گے تو اُنہیں غلام بنا کر رکھا جائے، اور اُن اسلامی اَحکام کے مطابق رکھا جائے جو غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہیں، اور انہیں بھائیوں کا سا درجہ دیتے ہیں۔ ان چار صورتوں میں سے کوئی صورت لازمی نہیں ہے، بلکہ اسلامی حکومت حالات کے مطابق کسی بھی صورت کو اِختیار کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اُس وقت ہے جب دُشمنوں سے جنگی قیدیوں کے بارے میں کوئی معاہدہ نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا معاہدہ ہو تو مسلمانوں پر اُس کی پابندی لازم ہے۔ آج کل بین الاقوامی طور پر اکثر ملکوں نے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ کیا ہوا ہے کہ وہ قیدیوں کو نہ قتل کریں گے اور نہ غلام بنائیں گے۔ جو ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں، اور جب تک شریک ہیں، اُن کے لئے اُس کی پابندی شرعاً بھی لازم ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں کو قتل کرنا یا گرفتار کرنا صرف حالتِ جنگ میں جائز ہے۔ جب حالتِ جنگ ختم ہوگئی ہو، اور امن کا کوئی معاہدہ ہوگیا ہو تو قتل یا گرفتار کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ خود براہِ راست ان پر کوئی عذاب نازل کرکے ان سے انتقام لے سکتا تھا، لیکن اُس نے تم پر جہاد کا فریضہ اس لئے عائد فرمایا ہے کہ تمہارا امتحان مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دِین کی خاطر تم میں سے کون ثابت قدمی سے اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے، اور ان کافروں کا بھی امتحان مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت دیکھ کر اِیمان کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نہیں۔

(۵) جو لوگ جہاد میں شہید ہوجائیں، ان کے بارے میں یہ خیال ہوسکتا تھا کہ وہ فتح کی منزل تک پہنچے بغیر دُنیا سے چلے گئے، اس لئے شاید ان کے اَجر وثواب میں کوئی کمی ہو، آیت نے واضح فرمادیا کہ اُنہوں نے جو قربانی دی، اللہ تعالیٰ اُس کو ضائع نہیں کرے گا، اور ان کو اصلی منزل یعنی جنت تک پہنچادے گا۔

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا ہی میں اپنے پیغمبروں کے ذریعے مسلمانوں کو جنت کا تعارف کرادیا ہے۔ یہ جنت اُسی تعارف کے مطابق ہوگی۔ اور دُوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے، اور زیادہ تر مفسرین نے اُسی کو اختیار کیا ہے کہ ہر جنتی کو جنت میں اپنی جگہ تلاش کرنے میں کوئی دُشواری نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پہچان کرانے کا ایسا آسان انتظام کر رکھا ہے کہ ہر جنتی اپنی مقررہ جگہ پر کسی دُشواری اور تفتیش کے بغیر بے تکلف پہنچ جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ
يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دِین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔ ﴿۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، اُن کے لئے تباہی ہے، اور اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کردیئے ہیں۔ ﴿۸﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اُس بات کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تھی، چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے۔ ﴿۹﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے گذرے ہیں؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈالی، اور کافروں کے لئے اسی جیسے انجام مقدر ہیں۔ ﴿۱۰﴾ یہ اس لئے کہ اللہ اُن لوگوں کا رکھوالا ہے جو اِیمان لائیں، اور کافروں کا کوئی رکھوالا نہیں ہے۔ ﴿۱۱﴾ یقین رکھو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جنہوں نے کفر اَپنالیا ہے، وہ (یہاں تو) مزے اُڑا رہے ہیں، اور اس طرح کھا رہے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، اور جہنم اُن کا آخری ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۲﴾

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿۱۵﴾

اور کتنی بستیاں ہیں جو طاقت میں تمہاری اُس بستی سے زیادہ مضبوط تھیں جس نے (اے پیغمبر!) تمہیں نکالا ہے،(۷) ان سب کو ہم نے ہلاک کردیا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ ﴿۱۳﴾ اب بتاؤ کہ جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن راستے پر ہوں، کیا وہ اُن جیسے ہوسکتے ہیں جن کی بدکاری ہی اُن کے لئے خوشنما بنادی گئی ہو، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوں؟ ﴿۱۴﴾

متقی لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو خراب ہونے والا نہیں، ایسے دُودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا، ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی، اور ایسے شہد کی نہریں ہیں جو نتھرا ہوا ہوگا، اور ان جنتیوں کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے، اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت! کیا یہ لوگ اُن جیسے ہوسکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا، چنانچہ وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا؟ ﴿۱۵﴾

(۷) مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گھر بار چھوڑ کر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر جو مجبور کیا تھا، اُس کی طرف اشارہ ہے، اور فرمایا جارہا ہے کہ اُن کی اس کارروائی سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ لوگ طاقتور ہونے کی

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو تمہاری باتیں کانوں سے تو سنتے ہیں، لیکن جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو جنہیں علم عطا ہوا ہے، اُن سے پوچھتے ہیں کہ: "ابھی ابھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا تھا؟"(۸) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دِلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے، اور جو اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ نے اُنہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور اُنہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔ ﴿۱۷﴾ اب کیا یہ (کافر) لوگ قیامت ہی کا انتظار کررہے ہیں کہ وہ یکا یک ان پر آن پڑے؟ (اگر ایسا ہے) تو اُس کی علامتیں تو آچکی ہیں۔ پھر جب وہ آہی جائے گی تو اُس وقت ان کے لئے نصیحت ماننے کا موقع کہاں سے آئے گا؟ ﴿۱۸﴾

وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ طاقت ور قوموں کو ہلاک کرچکا ہے، ان کی تو ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لئے آخر کار غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہوگا۔

(۸) یہ منافقین کا ذکر ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ وہ آپ کی باتیں سن رہے ہیں، لیکن باہر نکل کر دُوسروں سے پوچھتے تھے کہ آپ نے کیا بات فرمائی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے مجلس میں بیٹھ کر توجہ سے آپ کی بات نہیں سنی۔ اور شاید آپس میں ایک دوسرے کو یہ جتانا بھی مقصود ہو کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو (معاذ اللہ) قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۗ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دُعا مانگتے رہو،(۹) اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش کی بھی، اور اللہ تم سب کی نقل و حرکت اور تمہاری قیام گاہ کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۹﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: "کیا اچھا ہو کہ کوئی (نئی) سورت نازل ہو جائے؟"(۱۰) پھر جب کوئی جچی تلی سورت نازل ہو جائے، اور اُس میں لڑائی کا ذِکر ہو تو جن لوگوں کے دِلوں میں روگ ہے، تم اُنہیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح نظریں اُٹھائے ہوئے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ بڑی خرابی ہے ایسے لوگوں کی۔ ﴿۲۰﴾

(۹) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم تھے، آپ سے گناہ کا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن آپ کی کسی کسی رائے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کے مقامِ بلند کے مناسب نہیں تھی (مثلاً جنگِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کا فیصلہ جس کا ذکر سورۂ انفال (۸: ۲۲-۲۳) میں گذرا ہے، نیز بشری تقاضے سے کبھی کبھی آپ سے نماز کی رکعتوں وغیرہ میں بھول بھی ہوئی)۔ اسی قسم کی باتوں کو یہاں قصور سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور در حقیقت اس میں آپ کی اُمت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی جو گناہ نہیں ہیں، اِستغفار فرماتے ہیں تو اُمت کے لوگوں کو اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ پر اور زیادہ اہتمام کے ساتھ اِستغفار کرنا چاہئے۔

(۱۰) صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو قرآنِ کریم سے عشق تھا، اس لئے اُنہیں ہمیشہ یہ اشتیاق رہتا تھا کہ کوئی نئی سورت نازل ہو، خاص طور پر جو حضرات جہاد کے مشتاق تھے، اُنہیں یہ انتظار تھا کہ کسی نئی سورت کے ذریعے اُنہیں جہاد کی اجازت ملے۔ منافق لوگ بھی اُن کی دیکھا دیکھی کبھی اس خواہش کا اظہار کر دیتے ہوں گے، لیکن

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

یہ فرماں برداری کا اظہار اور اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں، لیکن جب (جہاد کا) حکم پکا ہو جائے، اُس وقت اگر یہ اللہ کے ساتھ سچے نکلیں تو ان کے حق میں اچھا ہو۔ ﴿۲۱﴾ پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو! (۱۱) ﴿۲۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، چنانچہ اُنہیں بہرا بنا دیا ہے، اور ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں۔ ﴿۲۳﴾ بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دِلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دِلوں پر پڑا کرتے ہیں؟ ﴿۲۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حق بات سے پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں، باوجودیکہ ہدایت اُن کے سامنے خوب واضح ہو چکی تھی، اُنہیں شیطان نے پٹی پڑھائی ہے، اور اُنہیں دُور دراز کی اُمیدیں دِلائی ہیں۔ ﴿۲۵﴾

جب جہاد کی آیتیں آئیں تو اُن کے سارے اشتیاق کی قلعی کھل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبانی شوق ظاہر کرنے کا کیا فائدہ؟ جب وقت آئے، اُس وقت اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دِکھائیں تو ان کے حق میں بہتر ہو۔

(۱۱) جہاد کا ایک مقصد یہ ہے کہ اُس کے ذریعے دُنیا میں انصاف قائم ہو، اور غیر اسلامی حکومتوں کے ذریعے جو ظلم اور فساد پھیلا ہوا ہے، اُس کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم جہاد سے منہ موڑلو گے تو دُنیا میں فساد پھیلے گا، اور اللہ تعالیٰ کے اَحکام سے روگردانی کے نتیجے میں ظلم اور ناانصافی کا دور دورہ ہوگا جس کی ایک شکل یہ ہے کہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال ہوں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

یہ سب اس لئے ہوا کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، ان (منافقوں) نے اُن سے یہ کہا ہے کہ: ’’بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مانیں گے‘‘۔ اور اللہ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی رُوح اس طرح قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے؟ ﴿۲۷﴾ یہ سب اس لئے کہ یہ اس طریقے پر چلے جس نے اللہ کو ناراض کیا، اور اُس کی رضامندی حاصل کرنے کو خود انہوں نے ناپسند کیا، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ ﴿۲۸﴾

جن لوگوں کے دِلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے چھپے ہوئے کینوں کو اللہ کبھی ظاہر نہیں کرے گا؟ ﴿۲۹﴾ اور (مسلمانو!) اگر ہم چاہیں تو تمہیں یہ لوگ اس طرح دِکھا دیں کہ تم اُن کی علامت سے اُنہیں پہچان جاؤ، اور (اب بھی) تم اُنہیں بات کرنے کے ڈھب سے ضرور پہچان ہی جاؤ گے، اور اللہ تم سب کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے، تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون ہیں جو مجاہد اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہارے حالات کی جانچ پڑتال کر لیں۔ ﴿۳۱﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، اور دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اور پیغمبر سے دشمنی ٹھانی ہے باوجودیکہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہوکر آگئی تھی، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور عنقریب اللہ ان کا سارا کیا دھرا غارت کردے گا۔[12] ﴿۳۲﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ ﴿۳۳﴾ جن لوگوں نے کفر اَپنالیا ہے، اور دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، پھر کفر ہی کی حالت میں مرگئے ہیں، اللہ کبھی اُن کو نہیں بخشے گا۔ ﴿۳۴﴾ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم کمزور پڑ کر صلح کی دعوت نہ دو،[13] تم ہی سربلند رہوگے، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز برباد نہیں کرے گا۔[14] ﴿۳۵﴾

---

(۱۲) اس کے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ جو سازشیں اللہ تعالیٰ کے دِین کے خلاف کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو ملیامیٹ کردے گا، اور وہ مطلب بھی ہوسکتا ہے جو سورت کی پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان کے جو کوئی اچھے کام ہیں، آخرت میں اُن پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ بزدلی کی وجہ سے دُشمن کو صلح کی دعوت نہ دو، ورنہ قرآنِ کریم نے خود سورۂ انفال (۶۱:۸) میں فرمایا ہے کہ: ''اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ۔'' یعنی جب یہ صلح کسی بزدلی کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ مصلحت کا تقاضا ہو تو صلح جائز ہے۔

(۱۴) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دِین کی سربلندی کے لئے تم جو کوشش بھی جہاد وغیرہ کے ذریعے کروگے، اُسے اللہ تعالیٰ رائگاں نہیں جانے دے گا، اور تمہیں سربلندی حاصل ہوگی، اور یہ بھی کہ تم جو کوئی

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع

ع ۴ ۱۰ ۸

یہ دُنیوی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے اَجر تمہیں دے گا، اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ ﴿۳۶﴾ اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے، اور تم سے سب کچھ سمیٹ لے تو تم بخل سے کام لوگے، اور وہ تمہارے دِل کی ناراضیوں کو ظاہر کر دے گا۔(۱۵) ﴿۳۷﴾ دیکھو! تم ایسے ہو کہ تمہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں، اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے، وہ خود اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔(۱۶) اور اللہ بے نیاز ہے، اور تم ہو جو محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾

نیک کام کرو گے جس میں جہاد بھی داخل ہے، چاہے دُنیا میں فتح کی صورت میں اُس کا نتیجہ نہ نکلے، لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اُس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا، اور اُس ثواب میں صرف اس وجہ سے کوئی کمی نہیں ہوگی کہ تمہاری جدوجہد بظاہر کامیاب نہیں ہوئی۔

(۱۵) اطاعت کا اصل تقاضا تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیں کہ اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کردو تو تم اُس پر بھی خوشی سے راضی رہو، لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس حکم کو برداشت نہیں کرسکو گے، اور اس سے تمہارے دِلوں میں ناپسندیدگی پیدا ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے۔ البتہ تمہارے مال کا کچھ حصہ وہ خود تمہارے فائدے کے لئے جہاد میں خرچ کرنے کو کہہ رہا ہے، اپنے فائدے کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس سے

تمہیں بخل نہیں کرنا چاہئے۔

(۱٦) اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے سے بخل کروگے تو اُس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا، اوّل تو اس لئے کہ اس کے نتیجے میں جہاد نہ ہو سکے گا، اور دُشمن غالب آجائے گا، یا مثلاً زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں فقر و فاقہ عام رہے گا، اور دُوسرے اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا وبال بھگتنا پڑے گا۔

الحمدللہ! آج بتاریخ ۳؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۹؍فروری ۲۰۰۸ء شب دوشنبہ میں سورۂ محمد (ﷺ) کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کی تکمیل بحرین میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے قارئین کے لئے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الفتح

تعارف

یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں۔ آپ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ آپ مسجدِ حرام میں اپنے صحابہؓ کے ساتھ داخل ہورہے ہیں۔ چنانچہ آپ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دُور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، (یہ جگہ آج کل "شمیسی" کہلاتی ہے) وہاں سے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ایلچی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ وہ وہاں کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں، اور عمرہ کرکے پُر امن طور پر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو ان کے جانے کے کچھ ہی بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے اُنہیں قتل کردیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے اُن سے یہ بیعت لی، (یعنی ہاتھ میں ہاتھ لے کر یہ عہد لیا) کہ اگر کفارِ مکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ اُن کے مقابلے میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے قریش کے سرداروں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ اس کے لئے تیار ہیں۔ جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی ایلچی آئے، اور آخرکار ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں محمد بن اسحٰقؒ کی روایت کے مطابق یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ (سیرت ابنِ ہشام ۲: ۳۱۷ وفتح الباری ۸: ۲۸۳) اسی

معاہدے کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ اس موقع پر کافروں کے طرزِ عمل سے بہت غم و غصّے کی حالت میں تھے، اور کافروں نے صلح کی یہ شرط رکھی تھی کہ اس وقت مسلمان واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اور اگلے سال آ کر عمرہ کریں۔ تمام صحابہؓ احرام باندھ کر آئے تھے، اور کافروں کی ضد کی وجہ سے اِحرام کھولنا اُن کو بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، اس کے علاوہ کافروں نے ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اُسے واپس مکہ مکرمہ بھیجیں، اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش کے ذمے یہ نہیں ہوگا کہ وہ اُسے واپس مدینہ منورہ بھیجیں۔ یہ شرط بھی مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی، اور اس کی وجہ سے وہ یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجے میں آخر کار قریش کا اِقتدار ختم ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط منظور کرلیں۔ صحابۂ کرامؓ اُس وقت جہاد کے جوش سے سرشار تھے، اور موت پر بیعت کر چکے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے اُنہوں نے سر جھکا دیا، اور صلح پر راضی ہو کر واپس مدینہ منورہ چلے گئے، اور اگلے سال عمرہ کیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد ایک واقعہ تو یہ ہوا کہ ایک صاحب جن کا نام ابوبصیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھا، مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے مطابق اُنہیں واپس بھیج دیا، اُنہوں نے مکہ مکرمہ جانے کے بجائے ایک درمیانی جگہ پڑاؤ ڈال کر قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کردی، کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ اس چھاپہ مار جنگ سے قریش اتنے پریشان ہوئے کہ خود اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ اب ہم وہ شرط واپس لیتے ہیں جس کی رُو سے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو واپس بھیجنا ضروری قرار دیا گیا تھا، قریش نے کہا کہ اب جو کوئی مسلمان ہو کر آئے تو آپ اُسے مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، اور ابوبصیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو بھی اپنے پاس بلالیں، چنانچہ آپ نے اُنہیں مدینہ منورہ بلالیا۔ دُوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قریش کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر حدیبیہ کے

معاہدے کی خلاف ورزی کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں پیغام بھیجا کہ یا تو وہ اس کی تلافی کریں، یا معاہدہ ختم کریں، قریش نے اُس وقت غرور میں آکر کوئی بات نہ مانی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو پیغام بھیج دیا کہ اب ہمارا آپ کا معاہدہ ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ اُس وقت تک قریش کا غرور ٹوٹ چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خونریزی کے بغیر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اور قریش کے لوگوں نے شہر آپ کے حوالے کردیا۔

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے مختلف واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے، اور صحابۂ کرامؓ کی تعریف کی گئی ہے کہ اُنہوں نے اس واقعے کے ہر مرحلے پر بڑی بہادری، سرفروشی اور اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف منافقین کی بداعمالیوں اور اُن کے برے انجام کا بھی ذِکر فرمایا گیا ہے۔

آیاتہا ۲۹ ۴۸ سُوْرَۃُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۱ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ﴿۳﴾

یہ سورت مدنی ہے، اوراس میں اُنتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کردی ہے،(۱) ﴿۱﴾ تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے،(۲) اور تاکہ اپنی نعمت تم پر مکمل کردے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے،(۳) ﴿۲﴾ اور (تاکہ) اللہ تمہاری ایسی مدد کرے جو سب پر غالب آجائے۔ ﴿۳﴾

---

(۱) صحیح روایات کے مطابق یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ سورت کے تعارف میں گذر چکا ہے۔ اگرچہ بظاہر صلح کی شرائط ایسی نظر نہیں آرہی تھیں جنہیں ''کھلی ہوئی فتح'' کہا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جن حالات میں یہ صلح ہوئی ہے، اُن میں یہ ایک بڑی اور کھلی ہوئی فتح کا پیش خیمہ ہے، اور آخر کار اسی کے نتیجے میں مکہ مکرمہ فتح ہوگا۔

(۲) جیسا کہ پیچھے سورۂ محمد (ﷺ) کی آیت نمبر ۱۹ کی تشریح میں عرض کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم تھے، اور آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا تھا، لیکن کوئی معمولی قسم کی بھول چوک ہوجاتی تو آپ اُس کو بھی اپنا قصور سمجھتے تھے، یہاں اسی قسم کے قصور مراد ہیں۔

(۳) یعنی اب تک دِین کی تبلیغ اور اُس پر مکمل طور سے عمل کرنے میں کافروں کی طرف سے بڑی بڑی رُکاوٹیں ڈالی جارہی تھیں۔ اب اس فتح کے بعد سیدھا راستہ صاف ہوجائے گا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۶﴾

وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دِلوں میں سکینت اُتار دی،(۴) تا کہ اُن کے ایمان میں مزید اِیمان کا اضافہ ہو ــــ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ــــ ﴿۴﴾ تا کہ وہ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ بسے رہیں گے، اور اُن کی برائیوں کو اُن سے دُور کردے ــــ اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی زبردست کامیابی ہے ــــ ﴿۵﴾ اور تا کہ اُن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے ساتھ بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ بُرائی کا پھیر اُنہی پر پڑا ہوا ہے،(۵) اور اللہ اُن سے ناراض ہے، اُس نے اُن کو اپنی رحمت سے دُور کردیا ہے، اور اُن کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۶﴾

---

(۴) جیسا کہ سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کے خلاف بہت غم و غصّے اور جوش کی حالت میں تھے، اور اُنہیں صلح کی شرائط ماننا بھی بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی منظور تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں میں سکینت اور اِطمینان پیدا کردیا جس کے نتیجے میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔

(۵) یعنی وہ اپنے خیال میں مسلمانوں کے خلاف بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں، لیکن برائی کے پھیر میں وہ

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ

اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۷﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ﴿۸﴾ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اُس کے رسول پر اِیمان لاؤ، اور اُس کی مدد کرو، اور اُس کی تعظیم کرو، اور صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۹﴾ (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کررہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کررہے ہیں۔(۶) اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اس کے بعد جو کوئی عہد توڑے گا، اُس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو کوئی اُس عہد کو پورا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، تو اللہ اُس کو زبردست ثواب عطا کرے گا۔ ﴿۱۰﴾

وہ دیہاتی جو (حدیبیہ کے سفر میں) پیچھے رہ گئے تھے،(۷) اب وہ تم سے ضرور یہ کہیں گے کہ: ''ہمارے مال و دولت اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول کرلیا تھا، اس لئے ہمارے لئے مغفرت کی دُعا کردیجئے۔''

خود پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ ایک طرف اُن کے منصوبے ناکام ہوں گے، اور دُوسری طرف اُنہیں اللہ تعالیٰ کے قہر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۶) یہ اُسی بیعتِ رضوان کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لی تھی جس کا واقعہ سورت کے تعارف میں گذر چکا ہے۔

(۷) حدیبیہ کے سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو تمام مخلص صحابہ کرامؓ

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ښ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دِلوں میں نہیں ہوتیں۔ (ان سے) کہو کہ: ''اچھا تو اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا فائدہ پہنچانا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے معاملے میں کچھ بھی کرنے کی طاقت رکھتا ہو؟(۸) بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے مسلمان کبھی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے،(۹) اور یہی بات تمہارے دِلوں کو اچھی معلوم ہوتی تھی، اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے تھے، اور تم ایسے لوگ بن گئے تھے جنہیں برباد ہونا تھا۔ ﴿۱۲﴾

تو خود ہی بڑے اِشتیاق کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگئے تھے، لیکن چونکہ یہ اندیشہ شروع ہی سے تھا کہ شاید قریش کے کافر لوگ راستہ روکیں، اور لڑائی کی نوبت آجائے، اس لئے آپ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ سفر کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کے آس پاس کے دیہات میں بھی یہ اعلان فرمادیا تھا کہ وہاں کے لوگ بھی ساتھ چلیں۔ ان میں سے جو حضرات مخلص مسلمان تھے، وہ تو آپ کے ساتھ آگئے، لیکن ان میں سے جو لوگ منافق تھے، اُنہوں نے یہ سوچا کہ جنگ کی صورت میں ہمیں لڑائی میں حصہ لینا پڑے گا، اس لئے وہ مختلف بہانے کرکے رُک گئے۔ اس آیت میں ''پیچھے رہنے والوں'' سے وہی منافق مراد ہیں، اور فرمایا جارہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس پہنچیں گے تو یہ لوگ یہ بہانہ کریں گے کہ ہم اپنے گھربار کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہیں جاسکے تھے۔

(۸) یعنی تم تو یہ سوچ کر اپنے گھروں میں رُک گئے تھے کہ گھر میں رہنا فائدہ مند ہے، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے میں نقصان ہے، حالانکہ فائدہ اور نقصان تو تمام تر اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، وہ نفع یا نقصان پہنچانے کا ارادہ فرمالے تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُسے روک سکے۔

(۹) ان منافقین کا خیال یہ تھا کہ مسلمان چاہے عمرے کے ارادے سے جارہے ہوں، لیکن جنگ ضرور ہوگی، اور قریش کی طاقت اتنی بڑی ہے کہ مسلمان وہاں سے زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿١٣﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾

اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول پر اِیمان نہ لائے، تو (وہ یاد رکھے کہ) ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿١٣﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت تمام تر اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے، بخش دے، اور جس کو چاہے، عذاب دے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿١٤﴾ (مسلمانو!) جب تم غنیمت کے مال لینے کے لئے چلو گے تو یہ (حدیبیہ کے سفر سے) پیچھے رہنے والے تم سے کہیں گے کہ: ''ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔''(١٠) وہ چاہیں گے کہ اللہ کی بات کو بدل دیں۔(١١) تم کہہ دینا کہ: ''تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے۔ اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما رکھا ہے۔''(١٢) اس پر وہ کہیں گے کہ: ''دراصل آپ لوگ ہم سے حسد رکھتے ہیں۔''(١٣) نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی ایسے ہیں کہ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ ﴿١٥﴾ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دینا کہ: عنقریب تمہیں ایسے لوگوں کے پاس (لڑنے کے لئے) بلایا جائے گا جو بڑے سخت جنگجو ہوں گے، کہ یا تو اُن سے لڑتے رہو، یا وہ اطاعت قبول کرلیں۔(١٤) اُس وقت اگر تم (جہاد کے اُس حکم کی) اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا اَجر دے گا، اور اگر تم منہ موڑو گے جیسا کہ تم نے پہلے منہ موڑا تھا تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ ﴿١٦﴾

---

(١٠) صحابۂ کرامؓ نے حدیبیہ کے سفر میں جس جاں نثاری اور اطاعت کے جذبے سے کام لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے

اُس کے صلے میں یہ وعدہ فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کی فتح سے پہلے اُنہیں ایک اور فتح حاصل ہوگی جس میں بہت سا مالِ غنیمت بھی حصے میں آئے گا۔ اس سے مراد خیبر کی فتح تھی۔ چنانچہ سن ۷ ہجری میں جب آپ خیبر کے لئے روانہ ہورہے تھے تو صحابۂ کرامؓ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق خیبر ضرور فتح ہوگا، اور وہاں سے مالِ غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب یہ موقع آئے گا تو جو منافق حدیبیہ کے سفر میں حیلے بہانے کرکے پیچھے رہ گئے تھے، وہ خیبر کے سفر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہیں گے، کیونکہ اُنہیں یقین ہوگا کہ اس سفر میں فتح بھی ہوگی، اور مالِ غنیمت بھی ملے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ اُن کی یہ خواہش پوری نہ کریں، اور اُنہیں ساتھ لے جانے سے انکار کردیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی یہ حکم دے دیا تھا کہ خیبر کے سفر میں صرف اُن حضرات کو شرکت کی اجازت دیں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ اسی حکم کی طرف اس آیت میں ''اللہ کی بات'' فرماکر اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۲) یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس سے پہلے قرآنِ کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ خیبر کی جنگ میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جو حدیبیہ میں شامل تھے، بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا، اور آپ نے لوگوں تک پہنچایا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کے علاوہ بھی وحی کے ذریعے اَحکام آیا کرتے تھے، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اَحکام ہوتے تھے۔ لٰہذا منکرینِ حدیث جو یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے علاوہ کسی اور وحی کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ آیت اُس کی واضح تردید کررہی ہے۔

(۱۳) یعنی ہمیں مالِ غنیمت میں حصہ دار بنانا نہیں چاہتے۔

(۱۴) دیہات کے ان لوگوں سے کہا جارہا ہے کہ آپ لوگوں کا خیبر کی جنگ میں شامل ہونا تو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے، البتہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا جب آپ لوگوں کو سخت جنگجو قوموں سے لڑنے کی دعوت دی جائے گی، اُس وقت اگر آپ نے سچا مؤمن بن کر اِستقامت سے کام لیا تو آپ کا یہ گناہ دُھل جائے گا، اور اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس میں وہ تمام جنگیں داخل ہیں جن میں کسی بڑی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، اور دیہات کے ان لوگوں کو اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ صحابۂ کرامؓ سے منقول ہے کہ دیہات کے لوگوں کو یہ دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہدِ خلافت میں اُس وقت دی گئی جب مسلمانوں کا مقابلہ مسیلمہ کذاب اور قیصر و کسریٰ کی طاقتوں سے ہوا۔ اس موقع پر دیہات کے ان لوگوں میں سے کچھ حضرات تائب بھی ہوگئے تھے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾

اندھے آدمی پر (جہاد نہ کرنے کا) کوئی گناہ نہیں ہے، نہ لنگڑے آدمی پر کوئی گناہ ہے، اور نہ بیمار آدمی پر گناہ ہے۔ اور جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مانے، اللہ اُس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جو کوئی منہ موڑے گا، اُسے دردناک عذاب دے گا۔ ﴿۱۷﴾ یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دِلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا،(۱۵) اس لئے اُس نے اُن پر سکینت اُتار دی، اور اُن کو اِنعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی،(۱۶) ﴿۱۸﴾ اور غنیمت میں ملنے والے بہت سے مال بھی جو اُن کے ہاتھ آئیں گے! اور اللہ اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۹﴾

---

(۱۵) یہ اُسی بیعتِ رضوان کا ذِکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے ایک درخت کے نیچے لی تھی، اور جس کا ذِکر سورت کے تعارف میں آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان حضرات نے یہ بیعت دِل سے پورے عزم کے ساتھ کی تھی، وہ منافقوں کی طرح جھوٹا عہد کرنے والے نہیں تھے۔

(۱۶) اس سے مراد خیبر کی فتح ہے۔ اس سے پہلے مسلمان دوطرفہ خطرے سے دوچار تھے۔ جنوب میں قریشِ مکہ کی طرف سے ہر وقت حملوں کا خطرہ رہتا تھا جس کا سدِ باب حدیبیہ کی صلح کے ذریعے ہوا، اور شمال میں خیبر کے یہودی تھے جو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ مسلمانوں نے حدیبیہ کے موقع پر جس جاں نثاری اور پھر اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا، اُس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اُنہیں خیبر کی فتح عطا فرمادی جس سے ایک طرف شمالی خطرے کا سدِ باب ہوگا، اور دُوسری طرف بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آئے گا، اور اس کے نتیجے میں معاشی خوش حالی حاصل ہوگی۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

اللہ نے تم سے بہت سے مالِ غنیمت کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم حاصل کرو گے،(۱۷) اب فوری طور پر اُس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا،(۱۸) تاکہ یہ مؤمنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں اللہ سیدھے راستے پر ڈال دے، ﴿۲۰﴾ اور ایک فتح اور بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی، لیکن اللہ نے اُس کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے،(۱۹) اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۲۱﴾

اور یہ کافر لوگ تم سے لڑتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر اُنہیں کوئی یار و مددگار بھی نہ ملتا،(۲۰) ﴿۲۲﴾

---

(۱۷) اس سے مراد وہ فتوحات ہیں جو خیبر کے علاوہ حاصل ہونے والی تھیں۔

(۱۸) یعنی خیبر کے یہودی اور اُن کے حلیف اس فتح میں جوڑ کاوٹ ڈال سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُسے روک دیا۔

(۱۹) اس سے مراد مکہ مکرمہ اور اُس کے بعد حنین وغیرہ کی فتوحات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اگرچہ ابھی مسلمان مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کی حالت میں نہیں ہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب قریشِ مکہ خود حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اُسے توڑ دیں گے، اور اُس کے بعد مسلمانوں کے لئے فتحِ مکہ کا راستہ کھل جائے گا، اور اُس کے بعد حنین وغیرہ کی فتوحات حاصل ہوں گی۔

(۲۰) یعنی حدیبیہ کے مقام پر کافروں سے جو صلح کرائی گئی، اُس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمان کمزور تھے، اور جنگ کی صورت میں اُنہیں شکست اُٹھانی پڑتی، بلکہ اگر مقابلہ ہو جاتا تو یہ کافر ہی شکست کھاتے، اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، لیکن اس وقت کئی مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنگ کو روکا تھا، اُن میں سے ایک مصلحت کا بیان آگے آیت نمبر ۲۵ میں آ رہا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

جیسا کہ اللہ کا یہی دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے، اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے۔[۲۱] ﴿۲۳﴾ اور وہی اللہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے، اور تمہارے ہاتھوں کو اُن تک پہنچنے سے روک دیا،[۲۲] جبکہ وہ تمہیں اُن پر قابو دے چکا تھا، اور جو کچھ تم کر رہے تھے، اللہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ ﴿۲۴﴾

(۲۱) اللہ تعالیٰ کا دستور شروع سے یہ چلا آتا ہے کہ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی شرائط پوری کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اُن کو باطل والوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے، اور جہاں کہیں باطل والوں کو غلبہ حاصل ہو، وہاں سمجھ لینا چاہئے کہ حق والوں کے طرزِ عمل میں کوئی خرابی تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے۔

(۲۲) جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ جا کر قریش کے لوگوں کو صلح کا پیغام دے رہے تھے، اُس وقت مکہ مکرمہ کے کافروں نے پچاس آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس غرض سے بھیجے تھے کہ وہ خفیہ طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے (معاذ اللہ) آپ کو شہید کر دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔ دوسری طرف جب قریش نے ان آدمیوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو روک لیا۔ اُس وقت اگر مسلمان ان پچاس آدمیوں کو قتل کر دیتے تو جواب میں قریش کے لوگ حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کرتے، اور مکمل جنگ چھڑ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دِل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان قیدیوں کو قتل نہ کریں، اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو اُن کے قتل سے روک دیا، حالانکہ وہ اُن کے قابو میں آچکے تھے، اور دُوسری طرف قریش کے ہاتھوں کو مسلمانوں سے لڑنے سے اس طرح روک دیا کہ اُن کے دِل میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ صلح پر راضی ہوگئے، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ صاف انکار کر چکے تھے۔

هُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَالۡهَدۡىَ مَعۡكُوۡفًا اَنۡ يَّبۡلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُوۡنَ وَنِسَآءٌ مُّؤۡمِنٰتٌ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡهُمۡ اَنۡ تَطَــُٔوۡهُمۡ فَتُصِيۡبَكُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ لِيُدۡخِلَ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ لَوۡ تَزَيَّلُوۡا لَعَذَّبۡنَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۲۵﴾ اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الۡجَاهِلِيَّةِ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى وَكَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهۡلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۲٦﴾ ع

یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا، اور تمہیں مسجدِ حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو جو ٹھہرے ہوئے کھڑے تھے، اپنی جگہ پہنچنے سے روک دیا۔[۲۳] اور اگر کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں (مکہ میں) نہ ہوتیں جن کے بارے میں تمہیں خبر بھی نہ ہوتی کہ تم اُنہیں پیس ڈالو گے، اور اُس کی وجہ سے بے خبری میں تم کو نقصان پہنچ جاتا[۲۴] (تو ہم ان کافروں سے تمہاری صلح کے بجائے جنگ کروا دیتے، لیکن ہم نے جنگ کو اس لئے روکا) تاکہ اللہ جس کو چاہے، اپنی رحمت میں داخل کردے۔[۲۵] (البتہ) اگر وہ مسلمان وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم ان (اہلِ مکہ) میں سے جو کافر تھے، اُنہیں دردناک سزا دیتے۔[۲۶] ﴿۲۵﴾ (چنانچہ) جب ان کافروں نے اپنے دِلوں میں اُس حمیت کو جگہ دی جو جاہلیت کی حمیت تھی تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی،[۲۷] اور اُن کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا،[۲۸] اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۲٦﴾

(۲۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ چونکہ عمرے کے ارادے سے تشریف لائے تھے، اس لئے حرم

میں قربانی کرنے کے لئے جانور بھی ساتھ لائے تھے جنہیں حرم میں پہنچ کر قربان ہونا تھا، وہ ان کافروں کے رُکاوٹ ڈالنے کی وجہ سے حدیبیہ ہی میں کھڑے رہ گئے، اور جس جگہ لے جا کر اُنہیں قربان کرنے کا ارادہ تھا، وہاں نہیں پہنچ پائے۔

(۲۴) یہ اُن مصلحتوں میں سے ایک مصلحت کا بیان ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس وقت جنگ کو مناسب نہیں سمجھا۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان موجود تھے، اور اَب حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ جنگ ہوتی تو پورے زور وشور سے ہوتی، اور اس گھمسان کی جنگ میں مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں بے خبری میں نقصان پہنچ سکتا تھا جس پر بعد میں خود مسلمانوں کو ندامت اور نقصان کا احساس ہوتا۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں پر یہ رحمت فرمائی کہ اُنہیں قتل ہونے سے بچالیا، اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں پر یہ رحمت فرمائی کہ اُنہیں اپنے دِینی بھائیوں کے قتل سے بچالیا۔

(۲۶) یعنی اگر مکہ مکرمہ میں جو مسلمان کافروں کے ہاتھوں ظلم سہہ رہے تھے، وہ وہاں سے کہیں اور چلے گئے ہوتے تو ہم ان کافروں سے مسلمانوں کی جنگ کروادیتے جس کے نتیجے میں وہ دردناک شکست سے دوچار ہوتے۔

(۲۷) قریش اگرچہ آخر کار صلح پر راضی ہوگئے تھے، لیکن جب صلح نامہ لکھنے کا وقت آیا تو اُنہوں نے محض اپنے تکبر اور اپنی جاہلانہ حمیت کی وجہ سے کچھ ایسی باتوں پر اِصرار کیا جو صحابۂ کرامؓ کو بہت ناگوار ہوئیں۔ مثلاً صلح نامے کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھوایا تو انہوں نے اس پر اِعتراض کیا، اور اس کے بجائے "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھوانے پر زور دیا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ "رسول الله" لکھا گیا تھا، اُنہوں نے اُسے مٹانے پر اِصرار کیا۔ ان باتوں کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ کو بہت غصہ تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو صلح منظور تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کے دِلوں میں تحمل پیدا فرمادیا، اسی تحمل کو یہاں سکینت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۲۸) تقویٰ کی بات یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی جائے، چاہے وہ بات نفس کو کتنی ناگوار معلوم ہورہی ہو۔ صحابۂ کرامؓ نے اسی پر عمل فرمایا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دِکھایا ہے جو واقعے کے بالکل مطابق ہے۔ تم لوگ اِن شاء اللہ ضرور مسجدِ حرام میں اس طرح امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے کہ تم (میں سے کچھ) نے اپنے سروں کو بے خوف وخطر منڈوایا ہوگا، اور (کچھ نے) بال تراشے ہوں گے۔(۲۹) اللہ وہ باتیں جانتا ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہیں۔ چنانچہ اُس نے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے ایک قریبی فتح طے کردی ہے۔(۳۰) ﴿۲۷﴾ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دِین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اُسے ہر دُوسرے دِین پر غالب کردے۔ اور (اس کی) گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۲۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سفر سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابۂ کرامؓ مسجدِ حرام میں عمرے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ اسی خواب کے بعد آپ نے تمام صحابۂ کرامؓ سے عمرے پر روانہ ہونے کے لئے فرمایا تھا۔ لیکن جب حدیبیہ پہنچ کر صلح کے نتیجے میں اِحرام کھولنا پڑا اور عمرہ ادا نہ کیا جاسکا، تو بعض حضرات کو یہ خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب تو وحی ہوتا ہے، اور عمرہ کئے بغیر واپس جانا اس خواب کے مطابق نہیں ہے۔ اس آیت میں اس خیال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ خواب یقیناً سچا تھا، لیکن اُس میں مسجدِ حرام میں داخلے کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا تھا۔ اب بھی وہ خواب سچا ہے، اور اگرچہ اس سفر میں عمرہ نہیں ہوسکا، لیکن اِن شاء اللہ وہ خواب عنقریب پورا ہوگا۔ چنانچہ اگلے سال وہ پورا ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا۔

(۳۰) اس سے مراد خیبر کی فتح ہے، جس کا ذِکر آیت نمبر ۱۸ اور اُس کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

معانقۃ ۱۵ ع ۴ ۱۲

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں،(۳۱) اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دِل ہیں۔ تم اُنہیں دیکھو گے کہ کبھی رُکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کی علامتیں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں اُن کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔(۳۲) اور انجیل میں اُن کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اُس سے خوش ہوتے ہیں،(۳۳) تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دِل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کرلیا ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۳۱) جیسا کہ پیچھے حاشیہ نمبر ۲۷ میں گذرا ہے، کافروں نے صلح نامہ لکھواتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھوانے سے انکار کیا تھا، اور صرف "محمد بن عبد اللہ" لکھوایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کو "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" فرما کر یہ اشارہ دیا ہے کہ کافر لوگ اس حقیقت سے چاہے کتنا انکار کریں، اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک قرآنِ کریم میں ثبت فرما دیا ہے۔

(۳۲) اگرچہ تورات میں بہت سی تبدیلیاں ہوچکی ہیں، لیکن بائبل کے جن صحیفوں کو آج کل یہودی اور عیسائی مذہب میں "تورات" کہا جاتا ہے، اُن میں سے ایک یعنی استثناء ۳۳: ۲-۳ میں ایک عبارت ہے جس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ شاید قرآنِ کریم نے اُس کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔ وہ عبارت یہ ہے:

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے اُن پر آشکار ہوا، اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور وہ دس ہزار قدسیوں

میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے، اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔'' (استثناء: ۳۳: ۲-۳)

واضح رہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری خطبہ ہے، جس میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحی کوہِ سینا پر اُتری، جس سے مراد تورات ہے، پھر کوہِ شعیر پر اُترے گی، جس سے مراد اِنجیل ہے، کیونکہ کوہِ شعیر وہ پہاڑ ہے جسے آج جبل الخلیل کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکز تھا۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ تیسری وحی کوہِ فاران پر اُترے گی، جس سے مراد قرآنِ کریم ہے، کیونکہ فاران اس پہاڑ کا نام ہے جس پر غارِ حرا واقع ہے۔ اور اسی میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ فتحِ مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی تعداد دس ہزار تھی، لہٰذا ''دس ہزار قدسیوں میں سے آیا'' سے ان صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے۔ (واضح رہے کہ قدیم نسخوں میں دس ہزار کا لفظ ہے، اب بعض نسخوں میں اسے لاکھوں سے تبدیل کردیا گیا ہے)۔

نیز قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ ''یہ صحابہؓ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔'' استثناء کی مذکورہ عبارت میں ہے کہ: ''اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی'' قرآنِ کریم میں ہے کہ: ''وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دِل ہیں'' اور استثناء کی مذکورہ عبارت میں ہے کہ: ''وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے'' اس لئے یہ بات دُور از قیاس نہیں ہے کہ قرآنِ کریم نے اس عبارت کا حوالہ دیا ہو، اور وہ تبدیل ہوتے ہوتے موجودہ استثناء کی عبارت کی شکل میں رہ گئی ہو۔

(۳۳) اِنجیل مرقس میں بالکل یہی تشبیہ ان الفاظ میں مذکور ہے: ''خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے، اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔'' (مرقس ۴: ۲۶ تا ۲۹)

یہی تشبیہ اِنجیل لوقا (۱۳-۱۸ و ۱۹) اور اِنجیل متی (۱۳-۳۱) میں بھی موجود ہے۔

الحمدللہ! آج بروزِ جمعہ بتاریخ ۱۵ رصفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲ رفروری ۲۰۰۸ء نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مکرمہ میں سورۂ فتح کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الحُجُرَات

تعارف

اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعظیم کا کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اور دُوسرے یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اِتحاد و اِتفاق قائم رکھنے کے لئے کن اُصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دُوسرے مسلمانوں پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے، اور اُس کے بعد وہ اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جو عام طور سے رہن سہن کے دوران آپس کے لڑائی جھگڑے پیدا کرتے ہیں، مثلاً ایک دُوسرے کا مذاق اُڑانا، غیبت کرنا، دُوسروں کے معاملات میں ناحق مداخلت کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ۔ نیز یہ حقیقت پوری وضاحت اور تاکید کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کہ خاندان، قبیلے، زبان اور قومیت کی بنیاد پر ایک دُوسرے کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ تمام انسان برابر ہیں، اور اگر کسی کو دُوسرے پر کوئی فوقیت ہوسکتی ہے تو وہ صرف اپنے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوسکتی ہے۔ سورت کے آخر میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرلینا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اَحکام کو دِل سے ماننا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر اِسلام کا دعویٰ معتبر نہیں ہے۔

''حجرات'' عربی میں ''حُجرۃ'' کی جمع ہے جو کمرے کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی چوتھی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ حجرات رکھا گیا ہے۔

اٰیاتها ۱۸ ۴۹ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو،(۱) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۱﴾ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ ﴿۲﴾

---

(۱) سورت کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کے قبائل کے بہت سے وفد آتے رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے کسی کو آئندہ کے لئے قبیلے کا اَمیر مقرر فرمادیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ ابھی آپ نے اُن میں سے کسی کو اَمیر نہیں بنایا تھا، اور نہ اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔ لیکن آپ کی موجودگی میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے یہ مشورہ شروع کردیا کہ ان میں سے کس کو اَمیر بنایا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک نام لیا، اور حضرت عمرؓ نے دوسرا۔ پھر ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی رائے کی تائید اس طرح شروع کردی کہ کچھ بحث کا سا انداز پیدا ہوگیا، اور اس میں دونوں کی آوازیں بھی بلند ہوگئیں۔ اس پر پہلی تین آیتیں نازل ہوئیں۔ پہلی آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا ہو، اور آپ نے اُن

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝٣ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝٤ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝٥

یقین جانو جو لوگ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دِلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ اُن کو مغفرت بھی حاصل ہے، اور زبردست اَجر بھی۔ ﴿۳﴾ (اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، اُن میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔[۲] ﴿۴﴾ اور اگر یہ لوگ اُس وقت تک صبر کرتے جب تک تم خود باہر نکل کر ان کے پاس آجاتے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۵﴾

کے بارے میں کوئی مشورہ بھی طلب نہ فرمایا ہو، اُن معاملات میں آپ سے پہلے ہی کوئی رائے قائم کرلینا اور اس پر اِصرار یا بحث کرنا آپ کے ادب کے خلاف ہے۔ اگرچہ یہ پہلی آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن الفاظ عام استعمال فرمائے گئے ہیں، تاکہ یہ اُصولی ہدایت دی جائے کہ کسی بھی معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنا مسلمانوں کے لئے دُرست نہیں ہے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا ہو تو آپ سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ نیز آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو حدود مقرر فرمائی ہیں، اُن سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے بعد دُوسری اور تیسری آیتوں میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی آواز آپ کی آواز سے بلند نہیں کرنی چاہئے، اور آپ سے کوئی بات کہنی ہو تو وہ بھی بلند آواز سے نہیں کہنی چاہئے، بلکہ آپ کی مجلس میں آواز پست رکھنے کا اِہتمام ضروری ہے۔

(۲) تمیم کے جس وفد کا ابھی ذکر کیا گیا، وہ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا تھا جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے۔ یہ لوگ آداب سے واقف نہیں تھے، اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے گھر کے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کردیا۔ اس پر اس آیت میں تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو،(۴) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔ ﴿۶﴾ اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ اگر تمہاری بات مان لیں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہارے دِل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اور اُسے تمہارے دِلوں میں پُرکشش بنا دیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔(۵) ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک ٹھیک راستے پر آچکے ہیں، ﴿۷﴾ جو اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کا نتیجہ ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۸﴾

---

(۴) اس آیت کے شانِ نزول میں حافظ ابنِ جریرؒ اور دُوسرے مفسرین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ولید بن عقبہؓ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جب یہ اُن کی بستی کے قریب پہنچے تو وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایلچی کے استقبال کے لئے بڑی تعداد میں بستی کے باہر جمع ہو گئے۔ ولید بن عقبہؓ یہ سمجھے کہ یہ لوگ لڑائی کے لئے باہر نکل آئے ہیں۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اُن کے اور بنو مصطلق کے درمیان جاہلیت کے زمانے میں کچھ دُشمنی بھی تھی۔ اس لئے حضرت ولیدؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ وہ لوگ اس پرانی دُشمنی کی بنا پر اُن سے لڑنے کے لئے نکل آئے ہیں۔ چنانچہ وہ بستی میں داخل ہونے کے بجائے وہیں سے واپس لوٹ گئے، اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

بنو مصطلق کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے، اور وہ لڑائی کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرّر فرمایا کہ واقعے کی تحقیق کے بعد اگر واقعی اُن لوگوں کی سرکشی ثابت ہو تو اُن سے جہاد کریں۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ لوگ تو اِستقبال کے لئے جمع ہوئے تھے، اور اُنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان روایات کی بنا پر بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ آیت میں جو فاسق کا لفظ استعمال ہوا ہے، اُس سے مراد ولید بن عقبہؓ ہیں، پھر اُس پر جو اِشکال ہوتا ہے کہ ایک صحابی کو فاسق قرار دینا بظاہر عدالتِ صحابہ کے منافی ہے، اُس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض صحابہ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنہیں توبہ کی توفیق عطا فرمادی، اس لئے بحیثیتِ مجموعی اُن کی عدالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے کے بیان میں جو روایتیں آئی ہیں، اوّل تو وہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہیں، اور اُن میں تعارض واِختلاف بھی پایا جاتا ہے، دُوسرے اس واقعے کی بنا پر حضرت ولیدؓ کو فاسق قرار دینے کی کوئی معقول وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ اس واقعے میں اُنہوں نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ جو کچھ کیا، غلط فہمی کی وجہ سے کیا جس کی وجہ سے کسی کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ولیدؓ بستی کے قریب پہنچے، اور قبیلے کے لوگ بڑی تعداد میں وہاں جمع ہورہے تھے تو کسی شریر آدمی نے اُن سے یہ کہا ہوگا کہ یہ لوگ آپ سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔ اُس شریر آدمی کو آیت میں فاسق قرار دیا گیا ہے، اور حضرت ولیدؓ کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تنہا اُس شریر آدمی کی خبر پر بھروسہ کرکے کوئی اِقدام کرنے کے بجائے پہلے اُس خبر کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ اس خیال کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابنِ جریرؒ نے نقل کی ہے، اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: "فحدثه الشيطان انهم يريدون قتله" (تفسیر ابنِ جریر ج:۲۲ ص:۲۸۶) یعنی شیطان نے اُنہیں یہ بتایا کہ وہ لوگ اُنہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ شیطان نے کسی انسان کی شکل میں آکر اُنہیں یہ جھوٹی خبر دی ہوگی۔ اس لئے آیت کے لفظ "فَاسِقٌ" کو خواہ مخواہ ایک صحابی پر چسپاں کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اُنہوں نے جو کچھ کیا غلط فہمی میں کیا۔ اس کے بجائے اُسے اُس مخبر پر چسپاں کرنا چاہئے جس نے حضرت ولیدؓ کو یہ غلط خبر دی تھی۔

بہرحال! واقعہ کچھ بھی ہو، قرآنِ کریم کا اُسلوب یہ ہے کہ اُس کی آیتیں چاہے کسی خاص موقع پر نازل ہوئی ہوں، اکثر اُن کے الفاظ عام ہوتے ہیں، تاکہ اُن سے ایک اُصولی حکم معلوم ہوسکے۔ چنانچہ یہ ایک عام حکم ہے کہ کسی فاسق کی خبر پر بغیر تحقیق کے اعتماد نہیں کرنا چاہئے، خاص طور پر جب اُس خبر کے نتیجے میں کسی کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو۔

(۴) سورت کے شروع میں جو حکم دیا گیا تھا، اور جس کی تشریح اُوپر حاشیہ نمبر ۱ میں گذری ہے، اُس کا مطلب یہ

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دُوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اُس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے، تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور (ہر معاملے میں) انصاف سے کام لیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۹﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔ ﴿۱۰﴾

نہیں تھا کہ صحابۂ کرامؓ کبھی کوئی رائے ہی پیش نہ کریں، بلکہ رائے قائم کرکے اُس پر اِصرار سے منع فرمایا گیا تھا، اب یہ فرمایا جارہا ہے کہ مناسب موقع پر کوئی رائے دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری نہیں ہے کہ تمہاری ہر رائے پر عمل ضرور کریں، بلکہ آپ مصلحت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے، اور اگر وہ تمہاری رائے کے خلاف ہو، تب بھی تمہیں اُس پر راضی رہنا چاہئے، کیونکہ تمہاری ہر بات پر عمل کرنے سے خود تمہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ حضرت ولید بن عقبہؓ کے واقعے میں ہوا کہ وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ بنو مصطلق لڑائی پر آمادہ ہیں، اس لئے اُن کی رائے تو یہی ہوگی کہ اُن سے جہاد کیا جائے، لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی رائے پر عمل کرتے تو خود مسلمانوں کو نقصان پہنچتا۔ چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اس لئے وہ اطاعت کے اسی اُصول پر عمل کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ

اے ایمان والو! نہ تو مرد دُوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اُڑا رہے ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دُوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اُڑا رہی ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دُوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دُوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔(۵) اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں، تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔(۶) اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو،(۷) اور ایک دُوسرے کی غیبت نہ کرو۔(۸)

---

(۵) معاشرے میں جن باتوں سے لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، ان آیتوں میں اُن باتوں کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ کسی دوسرے کا کوئی ایسا بُرا نام رکھ دیا جائے جو اُسے ناگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ایسا کرنا گناہ ہے، اور اس سے خود تم گنہگار ہوگے، اور خود تم پر گنہگار ہونے کا نام لگے گا، اور کسی مسلمان پر یہ نام لگنا کہ وہ گنہگار ہے، ایمان لانے کے بعد بہت بری بات ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کسی دُوسرے پر برا نام لگا رہے تھے، اور اس عمل سے خود تم پر برا نام لگ گیا۔

(۶) یعنی کسی کے خلاف تحقیق کے بغیر بدگمانی دِل میں جمالینا گناہ ہے۔

(۷) کسی دُوسرے کے عیب تلاش کرنے کے لئے اُس کی ٹوہ اور جستجو میں لگنا بھی اس آیت کی رُو سے گناہ ہے۔ البتہ کوئی حاکم مجرموں کا پتہ لگانے کے لئے تفتیش کرے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

(۸) غیبت کی تعریف ایک حدیث میں خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ: ”تم اپنے بھائی کا

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو! اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۲﴾

اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دُوسرے کی پہچان کرسکو۔(۹) درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔ ﴿۱۳﴾

تذکرہ اس طرح کرو جو اُسے ناگوار ہو۔" ایک صحابی نے پوچھا کہ: "اگر اُس میں واقعی وہ عیب ہو تو (کیا اُس کا بیان کرنا بھی غیبت ہے؟)" آپ نے فرمایا کہ: "اگر اُس میں واقعی وہ عیب ہو تب تو وہ غیبت ہے، اور اگر وہ نہ ہو تو بہتان ہے۔" یعنی وہ دُہرا گناہ ہے۔

(۹) اس آیتِ کریمہ نے مساوات کا یہ عظیم اُصول بیان فرمایا ہے کہ کسی کی عزت اور شرافت کا معیار اُس کی قوم، اُس کا قبیلہ یا وطن نہیں ہے، بلکہ تقویٰ ہے۔ سب لوگ ایک مرد و عورت یعنی حضرت آدم وحواء (علیہما السلام) سے پیدا ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف قبیلے خاندان یا قومیں اس لئے نہیں بنائیں کہ وہ ایک دُوسرے پر اپنی بڑائی جتائیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بے شمار انسانوں میں باہمی پہچان کے لئے کچھ تقسیم قائم ہو جائے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ: ''ہم ایمان لے آئے ہیں۔'' ان سے کہو کہ: ''تم ایمان تو نہیں لائے، البتہ یہ کہو کہ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ (۱۰) اور ایمان ابھی تمہارے دِلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم واقعی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔'' ﴿۱۴﴾ ایمان لانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو دِل سے مانا ہے، پھر کسی شک میں نہیں پڑے، اور جنہوں نے اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ (اے پیغمبر! ان دیہاتیوں سے) کہو کہ: ''کیا تم اللہ کو اپنے دِین کی اطلاع دے رہے ہو؟ حالانکہ اللہ اُن تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔'' ﴿۱۶﴾

---

(۱۰) دیہات کے کچھ لوگ دِل سے ایمان لائے بغیر ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے تھے، جس کا مقصد مسلمانوں جیسے حقوق حاصل کرنا تھا۔ مدینہ منورہ میں آکر انہوں نے راستوں پر گندگی بھی پھیلائی تھی۔ ان آیات میں ان کی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے۔ اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سچا مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ دِل سے اسلامی عقائد کو ماننا اور اپنے آپ کو اِسلامی اَحکام کا پابند سمجھنا ضروری ہے۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

ع ۲ ۸ ۱۴

یہ لوگ تم پر اِحسان رکھتے ہیں کہ یہ اسلام لے آئے ہیں۔ ان سے کہو کہ: ''مجھ پر اپنے اسلام لانے کا اِحسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اگر تم واقعی (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو یہ اللہ کا تم پر اِحسان ہے کہ اُس نے تمہیں اِیمان کی ہدایت دی۔'' ﴿۱۷﴾ واقعہ یہ ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۱۸﴾

الحمدللہ! سورۂ حجرات کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز اتوار مؤرخہ ۱۷ر صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴ر فروری ۲۰۰۸ء کو مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُمت کے لئے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ قٓ

تعارف

اس سورت کا اصل موضوع آخرت کا اثبات ہے۔ اسلام کے عقائد میں عقیدۂ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اِنسان کے قول وفعل میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، اور اگر یہ عقیدہ دِل میں پیوست ہوجائے تو وہ ہر وقت انسان کو اس بات کی یاد دِلاتا رہتا ہے کہ اُسے اپنے ہر کام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اور پھر یہ عقیدہ انسان کو گناہوں، جرائم اور ناانصافیوں سے دُور رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے آخرت کی زندگی کو یاد دِلانے پر بہت زور دیا ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اب جو مکی سورتیں آرہی ہیں، اُن میں زیادہ تر اسی عقیدے کے دلائل اور قیامت کے حالات اور جنت اور دوزخ کی منظر کشی پر زور دیا گیا ہے۔ سورۂ قٓ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت فجر اور جمعہ کی نمازوں میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورت کا آغاز حروفِ مقطعات میں سے حرفِ قٓ سے کیا گیا ہے جس کے معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اسی حرف کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

رکوعاتها ۳ ۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴ اٰیاتها ۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قٓ، قرآن مجید کی قسم! (ان کافروں نے پیغمبر کو کسی دلیل کی وجہ سے نہیں جھٹلایا) ﴿۱﴾ بلکہ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کوئی (آخرت سے) ڈرانے والا خود اُنہی میں سے (کیسے) آ گیا، چنانچہ ان کافروں نے یہ کہا ہے کہ: "یہ تو بڑی عجیب بات ہے، ﴿۲﴾ بھلا کیا جب ہم مر کھپ جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، (اُس وقت ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا؟) یہ واپسی تو ہماری سمجھ سے دُور ہے۔" ﴿۳﴾ واقعہ تو یہ ہے کہ زمین ان کے جن حصوں کو (کھا کر) گھٹا دیتی ہے، ہمیں اُن کا پورا علم ہے،(۱) اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سب کچھ محفوظ رکھتی ہے۔(۲) ﴿۴﴾

---

(۱) یہ اس بات کا جواب ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو، پھر ہمارے جسم کے وہ حصے دوبارہ کیسے جمع ہوں گے جن کو مٹی کھا چکی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تمہارے جسم کے جن جن حصوں کو مٹی کھاتی ہے، اُن سب کا ہمیں پورا پورا علم ہے، اس لئے ان کو دوبارہ بحال کر دینا ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

(۲) اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۞ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۞ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۞ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞

دراصل انہوں نے سچ کو اُسی وقت جھٹلا دیا تھا جب وہ ان کے پاس آیا تھا، چنانچہ وہ متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔[۳] ﴿۵﴾ بھلا کیا انہوں نے اپنے اُوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسے بنایا ہے؟ اور ہم نے اُسے خوبصورتی بخشی ہے، اور اُس میں کسی قسم کے رخنے نہیں ہیں، ﴿۶﴾ اور زمین ہے کہ ہم نے اُسے پھیلا دیا ہے، اور اُس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں، اور اُس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائی ہیں، ﴿۷﴾ تاکہ وہ اللہ سے لَو لگانے والے ہر بندے کے لئے بصیرت اور نصیحت کا سامان ہو، ﴿۸﴾ اور ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی اُتارا، پھر اُس کے ذریعے باغات اور وہ اناج کے دانے اُگائے جن کی کٹائی ہوتی ہے، ﴿۹﴾ اور کھجور کے اُونچے اُونچے درخت جن میں تہہ بر تہہ خوشے ہوتے ہیں! ﴿۱۰﴾ تاکہ ہم بندوں کو رزق عطا کریں، اور (اس طرح) ہم نے اُس پانی سے ایک مردہ پڑے ہوئے شہر کو زندگی دے دی۔ بس اسی طرح (انسانوں کا قبروں سے) نکلنا بھی ہوگا۔[۴] ﴿۱۱﴾

(۳) یعنی کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں کہ یہ کاہنوں کی باتیں ہیں، کبھی قرآنِ کریم کو شاعری قرار دیتے ہیں، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) دیوانہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

(۴) جس طرح ایک مردہ پڑی ہوئی زمین کو اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے زندگی عطا کر دیتے ہیں کہ اُس میں

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم اور اَصحابُ الرس اور ثمود کے لوگوں نے بھی (اس بات کو) جھٹلایا تھا، ﴿۱۲﴾ نیز قومِ عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے بھی، ﴿۱۳﴾ اور اَصحابُ الایکہ اور تبع کی قوم نے بھی۔ ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، اس لئے میں نے جس عذاب سے ڈرایا تھا، وہ سچ ہو کر رہا۔ ﴿۱۴﴾ بھلا کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے تھے؟(۵) نہیں! لیکن یہ لوگ ازسرِنو پیدا کرنے کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۵﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اُس کے دِل میں جو خیالات آتے ہیں، اُن (تک) سے ہم خوب واقف ہیں، اور ہم اُس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں، ﴿۱۶﴾

ڈالے ہوئے بیج سے طرح طرح کی سبزیاں، پھل اور اناج وجود میں آجاتا ہے، اسی طرح جو لوگ قبروں میں مٹی ہو چکے ہیں اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نئی زندگی دینے پر قادر ہیں۔

(۵) کسی بھی چیز کو پہلی بار پیدا کرنا یعنی اُسے عدم سے وجود میں لانا ہمیشہ زیادہ مشکل ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ اُسے دوبارہ ویسا ہی بنا دیا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کو پہلی بار پیدا کرنے میں کوئی دُشواری یا تھکن لاحق نہیں ہوئی تو دوبارہ پیدا کرنے میں کیوں کوئی مشکل ہوگی؟

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۖ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

اُس وقت بھی جب (اعمال کو) لکھنے والے دو فرشتے لکھ رہے ہوتے ہیں،[۶] ایک دائیں جانب اور دُوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اُس پر ایک نگراں مقرر رہتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لئے) تیار! ﴿۱۸﴾

اور موت کی سختی سچ مچ آنے ہی والی ہے۔ (اے انسان!) یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا۔ ﴿۱۹﴾ اور صور پھونکا جانے والا ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس سے ڈرایا جاتا تھا۔ ﴿۲۰﴾ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا، اور ایک گواہی دینے والا۔[۷] ﴿۲۱﴾

---

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اچھے بُرے کاموں کو ریکارڈ کرنے کے لئے دو فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہر وقت اُس کے دائیں اور بائیں موجود ہوتے ہیں، لیکن یہ انتظام صرف اس لئے کیا گیا ہے تاکہ انسان کے اعمال نامے کو قیامت کے دن خود اُس کے سامنے حجت کے طور پر پیش کیا جاسکے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو اِنسان کے اعمال جاننے کے لئے کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر اِنسان کے دِل میں پیدا ہونے والے خیالات تک سے خوب واقف ہیں، اور انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں۔ (الترجمة مبنية على ان "إِذْ" ظرف لـ "أَقْرَبُ" كما في روح المعاني)۔

(۷) یعنی جب قبروں سے نکل کر انسان میدانِ حشر کی طرف جائیں گے تو دو فرشتے ہر ایک کے ساتھ ہوں گے، اُن میں سے ایک تو اُنہیں میدانِ حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا، اور ایک فرشتہ اس لئے ہوگا کہ وہ حساب و کتاب کے وقت اُس کے اعمال کی گواہی دے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو دُنیا میں اُس کا اعمال نامہ لکھا کرتے تھے۔

لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ ؕ ﴿۲۳﴾ اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ ۙ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ ۙ ﴿۲۵﴾ اۨلَّذِىۡ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلۡقِيٰهُ فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيۡنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَيۡتُهٗ وَلٰـكِنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۲۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ تو اس واقعے کی طرف سے غفلت میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تجھ سے وہ پردہ ہٹا دیا ہے جو تجھ پر پڑا ہوا تھا، چنانچہ آج تیری نگاہ خوب تیز ہوگئی ہے۔ ﴿۲۲﴾ اور اُس کا ساتھی کہے گا کہ: ''یہ ہے وہ (اعمال نامہ) جو میرے پاس تیار ہے۔''(۸) ﴿۲۳﴾ (حکم دیا جائے گا کہ) تم دونوں(۹) ہر اُس شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کٹر کافر اور حق کا پکا دُشمن تھا، ﴿۲۴﴾ جو دُوسروں کو بھلائی سے روکنے کا عادی، بے حد زیادتی کرنے والا اور (حق بات میں) شک ڈالنے والا تھا، ﴿۲۵﴾ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا رکھا تھا۔ لہٰذا اب تم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ ﴿۲٦﴾ اُس کا ساتھی(۱۰) کہے گا کہ: ''اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا، بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔'' ﴿۲۷﴾

(۸) ساتھی سے مراد وہی فرشتہ ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہ کر اُس کے اعمال کو لکھا کرتا تھا، اور قبر سے اُس کے ساتھ گواہ بن کر آیا تھا۔

(۹) یعنی اُن دونوں فرشتوں سے کہا جائے گا جو اُس کے ساتھ آئے تھے۔

(۱۰) یہاں ساتھی سے مراد شیطان ہے، کیونکہ وہ بھی ہر وقت انسان کو بہکانے کے لئے اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کافر لوگ چاہیں گے کہ اپنے حصے کی سزا یہ کہہ کر اپنے سرداروں پر اور خاص طور سے شیطان پر ڈال دیں کہ اس نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اُس کے جواب میں شیطان یہ کہے گا کہ میں نے گمراہ نہیں کیا، کیونکہ مجھے کوئی ایسا اختیار نہیں تھا کہ اسے زبردستی گمراہی کے راستے پر ڈالوں، زیادہ سے زیادہ میں نے انہیں ترغیب دی تھی، گمراہی میں تو یہ خود اپنے اختیار سے پڑا تھا۔ شیطان کے اس جواب کی تفصیل سورۂ ابراہیم (۱۴:۲۲) میں ملاحظہ فرمائیے۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿۳۳﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

اللہ تعالیٰ کہے گا کہ: ''تم میرے سامنے جھگڑے نہ کرو، اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس عذاب کی دھمکی بھیج چکا تھا۔ ﴿۲۸﴾ میرے سامنے وہ بات بدلی نہیں جاسکتی،(۱۱) اور میں بندوں پر کوئی ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔'' ﴿۲۹﴾

وہ وقت (یاد رکھو) جب ہم جہنم سے کہیں گے کہ: ''کیا تو بھرگئی؟'' اور وہ کہے گی کہ: ''کیا کچھ اور بھی ہے؟''(۱۲) ﴿۳۰﴾ اور پرہیزگاروں کے لئے جنت اتنی قریب کردی جائے گی کہ کچھ بھی دُور نہیں رہے گی۔ ﴿۳۱﴾ (اور کہا جائے گا کہ:) ''یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر اُس شخص کے لئے ہے جو اللہ سے خوب لَو لگائے ہوئے ہو، (اور) اپنی نگرانی رکھنے والا ہو،(۱۳) ﴿۳۲﴾ جو خدائے رحمٰن سے اُسے دیکھے بغیر ڈرتا ہو، اور اللہ کی طرف رُجوع ہونے والا دِل لے کر آئے۔ ﴿۳۳﴾ تم سب اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔'' وہ دن ابدی زندگی کا دن ہوگا۔ ﴿۳۴﴾

(۱۱) یعنی جو بات اُس دھمکی میں کہی گئی تھی کہ کفر اِختیار کرنے والا اور کفر کی ترغیب دینے والا دونوں جہنم کے مستحق ہیں۔

(۱۲) یعنی جہنم یہ کہے گی کہ میں اور لوگوں کو بھی لینے کے لئے تیار ہوں۔

(۱۳) اس بات کی نگرانی کہ میرا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

ان (جنتیوں) کو وہ سب کچھ ملے گا جو وہاں وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس کچھ اور زیادہ بھی ہے۔[۱۴] ﴿۳۵﴾

اور ان (مکہ کے کافروں) سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کی طاقت پر گرفت ان سے زیادہ سخت تھی، چنانچہ اُنہوں نے سارے شہر چھان مارے تھے۔[۱۵] کیا اُن کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ تھی؟ ﴿۳۶﴾ یقیناً اس میں اُس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے جس کے پاس دِل ہو، یا جو حاضر دِماغ بن کر کان دَھرے۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے سارے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، اور ہمیں ذرا سی تھکاوٹ بھی چھو کر نہیں گذری۔ ﴿۳۸﴾

---

(۱۴) جنت کی نعمتوں کی کچھ اِجمالی جھلک تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی مختلف آیتوں میں بیان فرمائی ہے، لیکن جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں، اور کسی شخص کے دِل میں اُس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہاں بڑے بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کچھ اور زیادہ بھی ہے۔ انہی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہے۔ مزید دیکھئے سورۂ یونس (۱۰:۲۶)۔

(۱۵) یعنی اُن کی خوش حالی کا عالم یہ تھا کہ وہ تجارت اور سیاحت کے لئے شہر شہر گھومتے تھے۔ اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے عذاب سے بچنے کے لئے مختلف بستیوں میں بہت ہاتھ پاؤں مارے، لیکن عذابِ اِلٰہی سے بچ نہیں سکے۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ﴿۳۹﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ﴿۴۰﴾ وَ اسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۴۱﴾ یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَۃَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ وَ اِلَیۡنَا الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۳﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں، تم اُس پر صبر کرو، اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی، اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔ ﴿۳۹﴾ اور رات کے حصوں میں بھی اُس کی تسبیح کرو،(16) اور سجدوں کے بعد بھی۔(17) ﴿۴۰﴾ اور ذرا توجہ سے سنو! جس دن ایک پکارنے والا ایک قریبی جگہ سے پکارے گا،(18) ﴿۴۱﴾ جس دن لوگ سچ مچ اُس پکار کی آواز سنیں گے،(19) وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔ ﴿۴۲﴾ یقین رکھو ہم ہی ہیں جو زندگی بھی دیتے ہیں، اور موت بھی، اور آخر کار سب کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے، ﴿۴۳﴾

---

(۱۶) تسبیح سے یہاں مراد نماز ہے۔ چنانچہ طلوعِ آفتاب سے پہلے کے الفاظ میں نمازِ فجر، غروب سے پہلے کے الفاظ میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں، اور رات کے حصوں میں تسبیح کرنے کے الفاظ میں مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں۔

(۱۷) سجدوں سے مراد فرض نمازیں ہیں، اور اُن کے بعد تسبیح کرنے سے مراد نفلی نمازیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے (رُوح المعانی)۔

(۱۸) یعنی اُس منادی کی آواز ہر شخص کو بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوگی۔ بظاہر یہ منادی حضرت اِسرافیل علیہ السلام ہوں گے جو مُردوں کو قبروں سے نکلنے کے لئے آواز دیں گے۔

(۱۹) اس سے مراد وہی منادی کی پکار بھی ہوسکتی ہے، اور صور پھونکنے کی آواز بھی۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ع ۳ ۱۶/۱۷

اُس دن جب زمین پھٹ کر ان کو اس طرح باہر کر دے گی کہ وہ جلدی جلدی نکل رہے ہوں گے۔ اس طرح سب کو جمع کر لینا ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۴۴﴾ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، ہمیں خوب معلوم ہے، اور (اے پیغمبر!) تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔[20] لہٰذا قرآن کے ذریعے ہر اُس شخص کو نصیحت کرتے رہو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔ ﴿۴۵﴾

(۲۰) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کریں۔ آپ کا فریضہ صرف یہ ہے کہ نصیحت کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ جس کے دِل میں کچھ خدا کا خوف ہوگا، وہ آپ کی بات مان لے گا، اور جو نہ مانے، اُس کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

الحمدللہ! سورۂ قٓ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بتاریخ ۲۹ ؍صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۸ ؍مارچ ۲۰۰۸ء کو کراچی میں عشاء سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الذّٰرِيٰت

تعارف

یہاں سے سورۂ حدید (سورت نمبر ۵۷) تک، سورۂ رحمٰن کے سوا، تمام سورتیں مکی ہیں، اور ان سب کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم، اور خاص طور پر آخرت کی زندگی، جنت اور دوزخ کے حالات اور پچھلی قوموں کے عبرت ناک انجام کا نہایت فصیح و بلیغ اور اِنتہائی مؤثر تذکرہ ہے۔ اس تاثیر کو کسی بھی ترجمے کے ذریعے کسی اور زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن ترجمے کے ذریعے ان کے مفہوم کو کسی درجے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ ان تمام سورتوں کے مضامین ایک جیسے ہیں، اس لئے سورۂ واقعہ تک ہر سورت کا الگ تعارف نہیں دیا گیا۔

آیاتھا ٦٠ ٥١ سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ ٦٧ رکوعاتھا ٣

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ① فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ② فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ③ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ④
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ⑤ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ⑥ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ⑦
اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ⑧ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ⑨

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو گرد اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں، ﴿١﴾ پھر اُن کی جو (بادلوں کا) بوجھ اُٹھاتی ہیں، ﴿٢﴾ پھر اُن کی جو آسانی سے رواں دواں ہوجاتی ہیں، ﴿٣﴾ پھر اُن کی جو چیزیں تقسیم کرتی ہیں،(١) ﴿٤﴾ کہ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے، وہ یقینی طور پر سچا ہے، ﴿٥﴾ اور اعمال کا بدلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ ﴿٦﴾ قسم ہے راستوں والے آسمان کی،(٢) ﴿٧﴾ کہ تم متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہو،(٣) ﴿٨﴾ اس (آخرت کی حقیقت) سے وہی منہ موڑتا ہے جو حق سے بالکل ہی مڑا ہوا ہے۔(٤) ﴿٩﴾

---

(١) یہاں دو باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کا یقین دِلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ اپنی کسی بات پر قسم کھائے، البتہ قرآنِ کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ کلام میں فصاحت و بلاغت کا زور پیدا کرنے کے لئے آئی ہیں، اور بسا اوقات اُن میں یہ پہلو بھی مدِنظر ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے، اگر اُس پر غور کیا جائے تو وہ اُس بات کی دلیل اور گواہ ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ یہاں قسم کے بعد جو بات بیان فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، اور جزا و سزا کا فیصلہ ضرور ہوگا۔ اور قسم اُن ہواؤں کی کھائی گئی ہے جو گرد اُڑاتی ہیں، اور بادلوں کا بوجھ اُٹھا کر انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اور جب وہ برستے

ہیں تو اُن کا پانی مردہ زمین میں رزق کا سامان پیدا کر کے اُنہیں مخلوقات میں تقسیم کرتا ہے، اور ان مخلوقات کے لئے نئی زندگی کا باعث بنتا ہے۔ ان کی قسم کھا کر اس طرف توجہ دِلائی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ان ہواؤں اور ان کے نتیجے میں برسنے والے پانی کو نئی زندگی کا ذریعہ بناتا ہے، وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ مردہ انسانوں کو دوسری زندگی عطا فرمادے۔

یہ تشریح اس بات پر مبنی ہے کہ جن چار چیزوں کی یہاں قسم کھائی گئی ہے، اُن سب سے مراد ہوائیں ہیں، اور ان کی چار مختلف صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ان آیتوں کی ایک اور تفسیر یہ منقول ہے کہ پہلی صفت یعنی گرد اُڑانا تو ہواؤں سے متعلق ہے، اور دُوسری صفت سے مراد خود بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، اور تیسری صفت سے مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں رواں دواں رہتی ہیں، اور چوتھی صفت سے مراد فرشتے ہیں جو مخلوقات میں رزق وغیرہ تقسیم کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ تفسیر ایک روایت میں خود حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، لیکن اس روایت کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ایک ضعیف راوی ابوبکر ابن ابی سبرہ سے مروی ہے جو متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج:۷ ص: ۲۴۴ و ۲۴۵ کتاب التفسیر حدیث نمبر: ۱۱۳۶۵) تاہم چونکہ اس تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت ہے، اس لئے بہت سے مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور ہم نے جو ترجمہ کیا ہے، اگر اُس میں سے قوسین والے الفاظ کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس ترجمے میں اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ان قسموں سے آخرت کا تعلق بظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کے یہ انتظامات بے مقصد نہیں فرمائے۔ اس سارے نظام کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو لوگ ٹھیک ٹھیک استعمال کریں، اُنہیں ان کی نیکی کا اِنعام دیا جائے، اور جو لوگ غلط استعمال کریں، اُنہیں سزا دی جائے، لہٰذا کائنات کی یہ ساری چیزیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ کوئی ایسا دن آئے جس میں اِنعام اور سزا کا یہ فیصلہ ہو۔

(۲) یہاں راستوں سے مراد بظاہر وہ راستے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن فرشتوں کی آمد و رفت اُن راستوں سے ہوتی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمان کا لفظ بعض اوقات ہر اُوپر والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور یہاں اُوپر کی وہ فضا مراد ہے جس میں ستاروں کے متعین راستے بنے ہوئے ہیں۔

(۳) یعنی ایک طرف اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا خالق مانتے ہو، اور دُوسری طرف اُس کی یہ قدرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو کہ وہ مرنے کے بعد اِنسانوں کو دوبارہ زندگی دے سکتا ہے۔

(۴) جو شخص حق کی طلب رکھتا ہو، اُس کے لئے آخرت کو ماننا ہرگز مشکل نہیں ہے، لیکن اس حقیقت سے وہی انکار کرتا ہے جو حق کی طلب رکھنے کے بجائے اُس سے برگشتہ ہو۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱٦﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

خدا کی مار ہو اُن پر جو (عقیدے کے معاملے میں) اٹکل پچوں باتیں بنایا کرتے ہیں، ﴿۱۰﴾ جو غفلت میں ایسے ڈُوبے ہیں کہ سب کچھ بھلائے بیٹھے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ پوچھتے ہیں کہ: ''جزا و سزا کا دن کب ہوگا؟''(۵) ﴿۱۲﴾ اُس دن ہوگا جب انہیں آگ پر تپایا جائے گا! ﴿۱۳﴾ کہ چکھو مزہ اپنی شرارت کا! یہی ہے وہ چیز جس کے بارے میں تم یہ مطالبے کرتے تھے کہ وہ جلدی آجائے!(٦) ﴿۱۴﴾ متقی لوگ بیشک باغوں اور چشموں میں اس طرح رہیں گے ﴿۱۵﴾ کہ اُن کا پروردگار اُنہیں جو کچھ دے گا، اُسے وصول کررہے ہوں گے۔ وہ لوگ اس سے پہلے ہی نیک عمل کرنے والے تھے، ﴿۱٦﴾ وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، ﴿۱۷﴾ اور سحری کے اوقات میں وہ اِستغفار کرتے تھے،(۷) ﴿۱۸﴾ اور اُن کے مال و دولت میں سائلوں اور محروم لوگوں کا (باقاعدہ) حق ہوتا تھا۔(۸) ﴿۱۹﴾

(۵) یہ سوال حقیقت جاننے کے لئے نہیں، بلکہ اُس کا مذاق اُڑانے کے لئے کرتے ہیں۔

(٦) کافر لوگوں کو جب آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا۔

(۷) یعنی رات کا بڑا حصہ عبادت میں گذارنے کے بعد بھی وہ اپنے اس عمل پر مغرور نہیں ہوتے، بلکہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِستغفار کرتے ہیں کہ نہ جانے ہماری عبادت میں کون کون سی کوتاہیاں رہ گئی ہوں جن کی وجہ سے وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق نہ ہو، اس لئے آخر میں اِستغفار کرتے ہیں۔

(۸) سائل سے مراد تو وہ حاجت مند ہے جو زبان سے اپنی ضرورت کا اِظہار کردے، اور محروم سے مراد وہ ہے جو

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾

اور اُن کے لئے جو یقین کرنے والے ہوں، زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، ﴿۲۰﴾ اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی! کیا پھر بھی تمہیں دِکھائی نہیں دیتا؟ ﴿۲۱﴾ اور آسمان ہی میں تمہارا رِزق بھی ہے، اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔(۹) ﴿۲۲﴾ لہٰذا آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم! یہ بات یقیناً ایسی ہی سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔(۱۰) ﴿۲۳﴾
(اے پیغمبر!) کیا اِبراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ تمہیں پہنچا ہے؟(۱۱) ﴿۲۴﴾ جب وہ اِبراہیم کے پاس آئے، تو انہوں نے سلام کہا۔ اِبراہیم نے بھی سلام کہا۔ (اور دِل میں سوچا کہ) یہ کچھ انجان لوگ ہیں۔ ﴿۲۵﴾

حاجت مند ہونے کے باوجود کسی سے کچھ مانگتا نہیں۔ اس آیت میں ''حق'' کا لفظ استعمال کرکے بتادیا گیا ہے کہ انسان ان لوگوں پر زکوٰۃ وغیرہ کی شکل میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، وہ کوئی اِحسان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کا حق ہے جو اُنہیں پہنچانا ہی چاہئے تھا، کیونکہ مال ودولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اُس کا یہ حکم ہے کہ اس میں حاجت مند لوگوں کا بھی حصہ ہے۔

(۹) آسمان سے یہاں مراد عالم بالا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے رزق کے فیصلے بھی آسمان میں ہوتے ہیں، اور تم سے جنت اور دوزخ وغیرہ کا جو وعدہ کیا جارہا ہے، اُس کا فیصلہ بھی آسمان ہی میں ہونا ہے۔

(۱۰) یعنی جس طرح یہ بات یقینی ہے کہ تم بول رہے ہو، اسی طرح آخرت کی جو بات کہی جارہی ہے، وہ بھی اتنی ہی یقینی ہے، کیونکہ اس کائنات کے خالق نے بتلائی ہے۔

(۱۱) یہ مہمان درحقیقت فرشتے تھے جو ایک طرف تو حضرت اِبراہیم علیہ السلام کو حضرت اِسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دینے آئے تھے، اور دُوسری طرف حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے، اور ایک موٹا سا بچھڑا لے آئے، ﴿۲۶﴾ اور اُسے ان مہمانوں کے سامنے رکھا۔ کہنے لگے: ''کیا آپ لوگ کھاتے نہیں؟'' ﴿۲۷﴾ اس سے اِبراہیم نے اُن کی طرف سے اپنے دِل میں ڈر محسوس کیا۔(۱۲) انہوں نے کہا: ''ڈریئے نہیں'' اور انہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دی جو بڑا عالم ہوگا۔ ﴿۲۸﴾ اس پر اُن کی بیوی زور سے بولتی ہوئی آئیں، اور انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا، اور کہنے لگیں: ''(کیا) ایک بانجھ بڑھیا (بچہ جنے گی؟)'' ﴿۲۹﴾ مہمانوں نے کہا: ''تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ یقین جانو وہی ہے جو بڑی حکمت کا، بڑے علم کا مالک ہے۔'' ﴿۳۰﴾ اِبراہیم نے کہا: ''اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کس مہم پر ہو؟'' ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا: ''ہمیں کچھ مجرم لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے، ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم ان پر پکی مٹی کے پتھر برسائیں ﴿۳۳﴾ جن پر حد سے گذرے ہوئے لوگوں کے لئے تمہارے پروردگار کے پاس سے خاص نشان بھی لگا ہوگا۔'' ﴿۳۴﴾

لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۶۹ تا ۸۳) اور سورۂ حجر (۱۵:۵۱ تا ۷۷) میں گذر چکا ہے۔

(۱۲) فرشتے چونکہ کچھ کھاتے نہیں ہیں، اس لئے انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ حضرت اِبراہیم علیہ السلام

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾

پھر ہوا یہ کہ اُس بستی میں جو کوئی مؤمن تھا، اُس کو ہم نے وہاں سے نکال لیا، ﴿۳۵﴾ اور اُس میں ایک گھر کے سوا ہم نے کسی اور گھر کو مؤمن نہیں پایا، [۱۳] ﴿۳۶﴾ اور ہم نے اُس بستی میں اُن لوگوں کے لئے (عبرت کی) ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں۔ ﴿۳۷﴾ اور موسیٰ (کے واقعے) میں بھی (ہم نے ایسی ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے اُنہیں ایک کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تھا، ﴿۳۸﴾ تو فرعون نے اپنی قوتِ بازو کے بل پر منہ موڑا، اور کہا کہ: "یہ جادوگر ہے، یا دیوانہ ہے۔" ﴿۳۹﴾ چنانچہ ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا، اور وہ تھا ہی ملامت کے لائق! ﴿۴۰﴾ نیز قومِ عاد میں (بھی ہم نے ایسی ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے اُن پر ایک ایسی آندھی بھیجی جو ہر بہتری سے بانجھ تھی، [۱۴] ﴿۴۱﴾ وہ جس چیز پر بھی گذرتی، اُسے ایسا کر چھوڑتی جیسے وہ گل کر چورا چورا ہوگئی ہو۔ ﴿۴۲﴾

اس علاقے کی عادت کے مطابق یہ سمجھے کہ یہ کوئی دُشمن ہیں۔ پھر جب انہوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، اس لئے آیت نمبر ۳۰ میں اُنہوں نے اسی حیثیت سے اُن سے خطاب فرمایا۔

(۱۳) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانہ ہے۔

(۱۴) یعنی وہ عذاب کی آندھی تھی، اس لئے ہواؤں میں عام طور سے جو فائدے ہوا کرتے ہیں، وہ اُس میں نہیں تھے۔ قومِ عاد کا تعارف سورۂ اعراف (۶۵:۷) میں اور قومِ ثمود کا تعارف سورۂ اعراف (۷۳:۷) میں گذر چکا ہے۔

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور ثمود میں بھی (ایسی ہی نشانی تھی)، جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ''تھوڑے وقت تک مزے اُڑالو۔'' (پھر سیدھے نہ ہوئے تو عذاب آئے گا) ﴿۴۳﴾ اس پر بھی اُنہوں نے اپنے پروردگار کا حکم ماننے سے سرکشی اِختیار کی تو اُنہیں کڑک نے آ پکڑا، اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ ﴿۴۴﴾ نتیجہ یہ کہ نہ تو اُن میں یہ سکت رہی کہ کھڑے ہوسکیں، اور نہ وہ اس قابل تھے کہ اپنا بچاؤ کرتے۔ ﴿۴۵﴾ اور اس سے بھی پہلے نوح کی قوم کو بھی ہم نے پکڑ میں لیا تھا۔[15] یقین جانو وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔ ﴿۴۶﴾ اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا ہے، اور ہم یقیناً وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔[16] ﴿۴۷﴾ اور زمین کو ہم نے فرش بنایا ہے، چنانچہ ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں! ﴿۴۸﴾ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے ہیں،[17] تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۴۹﴾

---

(۱۵) ان کا تفصیلی واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

(۱۶) اس کا مطلب کچھ مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسا کر لوگوں کے رزق میں وسعت پیدا فرماتے ہیں۔ کچھ مفسرین نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ: ''ہماری قدرت بہت وسیع ہے۔'' لیکن اس کے یہ معنیٰ بھی ممکن ہیں کہ ہم خود آسمان میں وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۷) قرآنِ کریم نے یہ حقیقت کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں (نر اور مادہ جیسے) جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔ یہ بات پہلے سائنس کو دریافت نہیں ہوئی تھی، لیکن اب سائنس نے بھی اس قرآنی حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۵۰﴾ وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَاۤ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

لہٰذا دوڑو اللہ کی طرف۔[18] یقین جانو، میں اُس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔﴿۵۰﴾ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ۔ یقین جانو میں اُس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔﴿۵۱﴾ اسی طرح ان سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کے پاس بھی کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کے بارے میں اُنہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ: ''جادوگر ہے، یا دیوانہ ہے۔''﴿۵۲﴾ کیا یہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں۔﴿۵۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ان سے بے رُخی اختیار کرو، کیونکہ تم قابلِ ملامت نہیں ہو۔﴿۵۴﴾ اور نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے۔﴿۵۵﴾ اور میں نے جنات اور اِنسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔﴿۵۶﴾ میں ان سے کسی قسم کا رِزق نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔﴿۵۷﴾

---

(۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے دِین پر ایمان لانے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے میں جلدی کرو۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾

ع ۳ ۱۴ ۲

اللہ تو خود ہی رزّاق ہے، مستحکم قوت والا! ﴿۵۸﴾ اب تو جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، اُن کی بھی ایسی ہی باری آئے گی جیسے ان کے (پچھلے) ساتھیوں کی باری آئی تھی، اس لئے وہ مجھ سے جلدی (عذاب لانے) کا مطالبہ نہ کریں۔ ﴿۵۹﴾ غرض جن لوگوں نے کفر اِختیار کیا ہے، اُن کی اُس دن کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ ﴿۶۰﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۶ ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ مارچ ۲۰۰۸ء کو بروز ہفتہ سورۂ ذاریات کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الطُّور

آیاتها ۴۹ ۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ الطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انچاس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے کوہِ طور کی، ﴿۱﴾ اور اُس کتاب کی جو ایک کھلے ہوئے صحیفے میں لکھی ہوئی ہے ﴿۲و۳﴾ اور قسم ہے بیتِ معمور کی ﴿۴﴾ اور بلند کی ہوئی چھت کی، ﴿۵﴾ اور بھرے ہوئے سمندر کی، ﴿۶﴾ کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے،[1] ﴿۷﴾ کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے، ﴿۸﴾ جس دن آسمان تھرتھرا کر لرز اُٹھے گا، ﴿۹﴾ اور پہاڑ ہولناک طریقے سے چل پڑیں گے، ﴿۱۰﴾

---

(۱) پچھلی سورت کے شروع میں قرآنِ کریم کی قسموں پر جو حاشیہ ہم نے دیا ہے، اُسے یہاں بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پہلے کوہِ طور کی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تورات عطا فرمائی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں نافرمانوں کو عذاب ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ کوہِ طور پر جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، وہ بھی اس بات کی گواہ ہے۔ دوسری قسم ایک کتاب کی کھائی گئی ہے جو ایک صحیفے میں لکھی ہوئی ہے۔ اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک تورات ہے، اُس صورت میں اس قسم کا بھی آخرت کے عذاب سے وہی تعلق ہے جو کوہِ طور کا عرض کیا گیا۔ البتہ بعض مفسرین نے اس سے مراد نامۂ اعمال لیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انسانوں

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ أَفَسِحْرٌ هٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا أَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾

تو اُس دن بڑی خرابی ہوگی اُن کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں، ﴿۱۱﴾ جو بے ہودہ باتوں میں ڈُوبے ہوئے کھیل رہے ہیں، ﴿۱۲﴾ اُس دن جب اُنہیں دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا، ﴿۱۳﴾ (کہ:) ''یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿۱۴﴾ بھلا کیا یہ جادو ہے یا تمہیں (اب بھی) کچھ نظر نہیں آرہا؟ ﴿۱۵﴾ داخل ہو جاؤ اس میں! پھر تم صبر کرو، یا نہ کرو، تمہارے لئے برابر ہے۔ تمہیں اُنہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔'' ﴿۱۶﴾ متقی لوگ بیشک باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے، ﴿۱۷﴾

کا جو نامۂ اعمال ہر آن لکھا جارہا ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ کبھی وقت حساب و کتاب ہوگا، اور نافرمانوں کو اُن کے اعمال کی سزا ملے گی۔ تیسری قسم بیتِ معمور کی کھائی گئی ہے۔ یہ عالمِ بالا میں ایک ایسا ہی گھر ہے جیسا دُنیا میں بیت اللہ ہے۔ عالمِ بالا کا یہ گھر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ اس کی قسم کھا کر اِشارہ فرمایا گیا ہے کہ فرشتے اگرچہ اِنسانوں کی طرح مکلف نہیں، لیکن وہ پھر بھی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ انسان تو مکلّف اسی لئے بنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور اگر نہیں کرے گا تو سزا کے لائق ہوگا۔ چوتھی قسم اُونچی چھت یعنی آسمان کی اور پانچویں قسم بھرے ہوئے سمندر کی کھائی گئی ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر جزا و سزا نہ ہو تو اس کائنات کا جس کے اُوپر آسمان اور نیچے سمندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، پیدا کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہتا، نیز یہ کہ جو ذات اتنی عظیم چیزیں پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً اِنسانوں کو دُوسری زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔

فَٰكِهِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَىٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ ٱلْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ هَنِيٓـًٔۢا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَٰنٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ أَلَتْنَٰهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَىْءٍ ۚ كُلُّ ٱمْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَٰهُم بِفَٰكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَٰزَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ ۞ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾

اُن کے پروردگار نے اُنہیں جس طرح نوازا اور اُن کے پروردگار ہی نے اُنہیں دوزخ کے عذاب سے جس طرح بچایا، اُس کا لطف اُٹھا رہے ہوں گے۔[۲] ﴿۱۸﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ''خوب مزے سے کھاؤ پیو، اُن اعمال کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔'' ﴿۱۹﴾ وہ ایک قطار میں لگی ہوئی اُونچی نشستوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اُن کا بیاہ کردیں گے۔ ﴿۲۰﴾ اور جو لوگ اِیمان لائے ہیں، اور اُن کی اولاد نے بھی اِیمان میں اُن کی پیروی کی ہے، تو اُن کی اولاد کو ہم اُنہی کے ساتھ شامل کردیں گے، اور اُن کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔[۳] ہر اِنسان کی جان اپنی کمائی کے بدلے رہن رکھی ہوئی ہے۔[۴] ﴿۲۱﴾ اور ہم اُنہیں ایک کے بعد ایک پھل اور گوشت، جو بھی اُن کا دِل چاہے گا، دیئے چلے جائیں گے۔ ﴿۲۲﴾ وہاں وہ ایسے جامِ شراب پر (دوستانہ) چھینا جھپٹی کررہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی، اور نہ کوئی گناہ ہوگا۔[۵] ﴿۲۳﴾ اور ان کے اِردگرد وہ نوجوان پھر رہے ہوں گے جو اُنہی (کی خدمت) کے لئے مخصوص ہوں گے، ایسے (خوبصورت) جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی! ﴿۲۴﴾

---

(۲) یہ ترجمہ اس تفسیر پر مبنی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے: ''وَوَقَىٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ ٱلْجَحِيمِ

عطف علی ... آتاھم ان جعلت ما مصدریۃ، ای فاکھین بایتائھم ربھم ووقایتھم عذاب الجحیم۔"

(۳) یعنی نیک لوگوں کی اولاد اگر مؤمن ہو تو اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے جنت میں اُس اُونچے درجے کی مستحق نہ ہو جو اُس کے والد کو ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ والد کو خوش کرنے کے لئے اولاد کو بھی وہی درجہ دے دیں گے، اور والد کے درجے میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) ''رہن'' اُس سامان کو کہتے ہیں جو کسی اُدھار دینے والے نے اپنے اُدھار کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر مقروض سے لے کر اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اِنسان کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، وہ انسان کے پاس اُدھار ہیں۔ یہ اُدھار اُسی صورت میں اُتر سکتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان صلاحیتوں کو استعمال کرے جس کا مظاہرہ دُنیا میں اِیمان لانے اور نیک عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ اس اُدھار کے لئے ہر اِنسان کی جان اس طرح رہن رکھی ہوئی ہے کہ اگر وہ اِیمان اور نیک عمل کے ذریعے اپنا اُدھار اُتار دے گا تو آخرت میں اُس کی جان کو آزادی حاصل ہوگی، اور وہ جنت میں اطمینان سے خوش حالی کے ساتھ رہے گا، اور اگر اُس نے یہ قرض نہ اُتارا تو پھر اُس کو دوزخ میں قید رہنا ہوگا۔ اس فقرے کو یہاں لانے کا مطلب یہ ہے کہ جن اِیمان والوں کے متعلق اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اُنہیں ثواب ملے گا، اور اُن کی مؤمن اولاد بھی اُن کے ساتھ ہوگی، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر کے اپنا اُدھار اُتار دیا، اور اپنی جان کو آزاد کرا لیا ہے، لیکن اگر کسی کی اولاد مؤمن ہی نہ ہو تو اُسے اپنے ماں باپ کا اِیمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ اُس نے وہ مطالبہ پورا نہیں کیا جس کے لئے اُس کی جان رہن رکھی ہوئی تھی۔ اس لئے اُسے دوزخ میں جا کر قید رہنا ہوگا۔ نیز اس فقرے کا یہاں ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ باپ کی نیکی کی وجہ سے اُس کی مؤمن اولاد کا درجہ تو بڑھا دیا جائے گا، لیکن اولاد کی بدعملی کی کوئی سزا باپ کو نہیں ملے گی، کیونکہ ہر شخص کی جان خود اپنی کمائی کے لئے رہن ہے، دوسرے کی کمائی کے لئے نہیں۔

(۵) چھینا جھپٹی سے مراد وہ چھینا جھپٹی ہے جو بے تکلف دوستوں میں کسی لذیذ چیز سے لطف لینے کے لئے ہوا کرتی ہے اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ مجلس کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اُس جامِ شراب میں اُس طرح کی بے ہودگی یا گناہ کی کوئی بات نہیں ہوگی جو دُنیا کے شرابیوں میں پائی جاتی ہے۔ اُس شراب میں وہ نشہ ہی نہیں ہوگا جو اِنسان کو بے ہودگیوں پر آمادہ کر دے۔

وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا قَبۡلُ فِیۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِیۡمُ ﴿۲۸﴾ فَذَکِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّکَ بِکَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾ؕ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ ﴿۳۰﴾ قُلۡ تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّیۡ مَعَکُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِیۡنَ ﴿۳۱﴾ؕ اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَاۤ اَمۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿۳۲﴾ۚ

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے، ﴿۲۵﴾ کہیں گے کہ: ''ہم پہلے جب اپنے گھر والوں (یعنی دُنیا) میں تھے تو ڈرے سہمے رہتے تھے، ﴿۲۶﴾ آخر اللہ نے ہم پر بڑا اِحسان فرمایا، اور ہمیں جھلسانے والی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔ ﴿۲۷﴾ ہم اس سے پہلے اُس سے دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی ہے جو بڑا محسن، بہت مہربان ہے۔'' ﴿۲۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم نصیحت کرتے رہو، کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن ہو، نہ مجنون۔ ﴿۲۹﴾ بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ: ''یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم زمانے کی گردش کا انتظار کررہے ہیں''؟ (۶) ﴿۳۰﴾ کہہ دو کہ: ''کرلو اِنتظار! میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کررہا ہوں۔'' ﴿۳۱﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی کچھ کرنے کو کہتی ہیں، یا وہ ہیں ہی سرکش لوگ؟ (۷) ﴿۳۲﴾

---

(۶) عربی لغت کے اعتبار سے اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ: ''یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم موت کے حادثے کا انتظار کررہے ہیں۔'' علامہ سیوطیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ قریش کے کچھ لیڈروں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ تو ایک شاعر ہیں، اور جس طرح دوسرے شاعر ہلاک ہوگئے، اور اُن کی شاعری بھی اُنہی کے ساتھ دفن ہوگئی، اُسی طرح یہ بھی انتقال کرجائیں گے تو پھر ان کی باتیں انہی کے ساتھ ختم ہوجائیں گی۔ اُس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۷) یعنی یہ لوگ تو بڑے عقل کے دعوے دار ہیں، کیا ان کی عقلوں کا یہی حال ہے کہ انہیں بالکل سامنے کی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں، اور وہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے رہتے ہیں؟ یا پھر حق بات ان کی عقل میں تو آجاتی ہے، لیکن اپنی سرکشی کی وجہ سے اُسے مانتے نہیں ہیں؟

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ ۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾

ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ان صاحب نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے''؟ نہیں! بلکہ یہ (ضد میں) اِیمان نہیں لا رہے۔ ﴿۳۳﴾ اگر یہ واقعی سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام (گھڑکر) لے آئیں۔[8] ﴿۳۴﴾ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے آپ سے آپ پیدا ہوگئے ہیں، یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں؟ ﴿۳۵﴾ یا کیا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کئے ہیں؟ نہیں! بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پروردگار کے خزانے ان کے پاس ہیں، یا وہ داروغہ بنے ہوئے ہیں؟[9] ﴿۳۷﴾ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ (عالمِ بالا کی باتیں) سن لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان میں سے جو سنتا ہو، وہ کوئی واضح ثبوت تو لائے۔[10] ﴿۳۸﴾

(۸) یہ چیلنج قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر دیا ہے کہ اگر تم قرآنِ کریم کو گھڑا ہوا کلام کہتے ہو، تو تم لوگوں میں بڑے بڑے ادیب، شاعر اور فصیح و بلیغ لوگ موجود ہیں، وہ سب مل کر قرآنِ کریم جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ (دیکھئے سورۂ بقرہ ۲: ۲۳، سورۂ یونس ۱۰: ۳۸، سورۂ ہود ۱۱: ۱۳ اور سورۂ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸) لیکن اس کھلے چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ان میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا۔

(۹) مکہ مکرمہ کے کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو مکہ مکرمہ یا طائف کے کسی بڑے سردار کو پیغمبر کیوں نہیں بنایا گیا؟ (دیکھئے سورۂ زُخرف ۴۳: ۳۱) اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے، جن میں کسی کو پیغمبر بنانے کا اِختیار بھی شامل ہے، اُن کی خواہشات کے تابع ہیں کہ وہ جسے چاہیں اُسے پیغمبر بنا دیا جائے؟

(۱۰) مشرکینِ مکہ بہت سے ایسے عقیدے رکھتے تھے جن کا تعلق عالمِ بالا سے تھا، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کے لئے چھوٹے چھوٹے بہت سے خداؤں کو اِختیار دے رکھا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، نیز

اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَكُمُ الۡبَنُوۡنَ ؕ﴿۳۹﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ؕ﴿۴۰﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ؕ﴿۴۱﴾ اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ ؕ﴿۴۲﴾ اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾

کیا اللہ کے حصے میں تو بیٹیاں ہیں، اور بیٹے تمہارے حصے میں آئے ہیں؟ ﴿۳۹﴾ اور کیا تم اِن سے کوئی اُجرت مانگ رہے ہو جس کی وجہ سے یہ تاوان کے بوجھ میں دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۴۰﴾ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لیتے ہوں؟[11] ﴿۴۱﴾ کیا یہ کوئی مکر کرنا چاہتے ہیں؟ تو درحقیقت جو کافر ہیں، مکر تو اُنہی پر پڑے گا۔[12] ﴿۴۲﴾ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں! ﴿۴۳﴾ اور اگر یہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتے ہوئے بھی دیکھ لیں تو یہ کہیں گے کہ یہ کوئی گھرا بادل ہے۔[13] ﴿۴۴﴾

یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں اُن کے اسی عقیدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عالمِ بالا کی یہ باتیں آخر کہاں سے تمہیں معلوم ہوئی ہیں؟ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر تم وہاں کی یہ معلومات حاصل کرتے ہو؟

(۱۱) مشرکین کے جن عقائد کا ذکر پچھلے حاشیہ میں کیا گیا ہے، وہ سب عالمِ غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جس کی باتیں انہوں نے لکھ کر محفوظ کر رکھی ہوں؟

(۱۲) اس سے اُن سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف کیا کرتے تھے۔

(۱۳) مشرکینِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نت نئے معجزات دِکھانے کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، مثلاً یہ کہ آسمان سے کوئی ٹکڑا ہمیں توڑ کر دِکھایئے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان سارے مطالبات کا مقصد حق کی طلب نہیں ہے، بلکہ محض ضد اور عناد ہے، اور اگر ان کو ایسا کوئی معجزہ دِکھا بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی نہیں مانیں گے، اور یہ کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ کوئی گھرا بادل ہے۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) تم انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس میں ان کے ہوش جاتے رہیں گے، ﴿۴۵﴾ جس دن ان کی مکاری ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔ ﴿۴۶﴾ اور اس سے پہلے بھی ان ظالموں کے لئے ایک عذاب ہے،[۱۴] لیکن ان میں سے اکثر لوگوں کو پتہ نہیں ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو،[۱۵] اور جب تم اُٹھتے ہو، اُس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کیا کرو،[۱۶] ﴿۴۸﴾ اور کچھ رات کو بھی اُس کی تسبیح کرو، اور اُس وقت بھی جب ستارے ڈُوبتے ہیں۔[۱۷] ﴿۴۹﴾

(۱۴) یعنی آخرت میں دوزخ کا جو عذاب ہونے والا ہے، اُس سے پہلے دُنیا میں بھی ان کافروں کو سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے جنگِ بدر وغیرہ میں مارے گئے، اور آخرکار جزیرۂ عرب میں ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں رہی۔

(۱۵) یہ بڑی پیار بھری تسلی ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جارہی ہے کہ آپ اپنے کام میں لگے رہئے، ہم ہر آن آپ کی نگرانی اور حفاظت کررہے ہیں۔

(۱۶) اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جب آپ تہجد کے لئے اُٹھیں، اُس وقت تسبیح فرمائیں، اور یہ بھی کہ جب آپ اپنی کسی مجلس سے اُٹھیں تو تسبیح پر اُس کا اِختتام ہونا چاہئے، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کسی مجلس کے آخر میں اگر "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" پڑھ لیا جائے تو یہ

اُس مجلس کا کفارہ ہوجاتا ہے، (ابوداود، حدیث نمبر ۴۲۱۶) یعنی اگر اُس مجلس میں دِینی اعتبار سے کوئی بھول چوک یا غلطی ہوگئی ہو، تو اُس کی تلافی ہوجاتی ہے۔

(۱۷) اس سے مراد سحری کا وقت یا فجر کا وقت ہے جب ستارے غائب ہونے لگتے ہیں۔

الحمدللہ! سورۂ طور کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج ۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱/مارچ ۲۰۰۸ء کو کراچی سے قاہرہ جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ النَّجم

تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو آپ نے علی الأعلان ایسے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ نیز یہ پہلی سورت ہے جس میں آیتِ سجدہ نازل ہوئی، اور جس وقت آپ نے سجدے کی آیت اُس مجمع کے سامنے تلاوت فرمائی تو یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ آپ نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تو سجدہ کیا ہی تھا، اُس وقت جو مشرکین موجود تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ غالباً اس سورت کے پُر شکوہ اور مؤثر مضامین نے اُنہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس سورت کا اصل موضوع حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اور یہ کہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی ہے، وہ کسی شک وشبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک اُس وقت دیکھا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اِثبات کے ساتھ اس میں مشرکینِ مکہ کے غلط عقائد اور اُن کے بعض بے ہودہ دعووں کی تردید بھی ہے اور پچھلی اُمتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے حوالے سے اُنہیں حق کو تسلیم کرنے کی مؤثر دعوت بھی دی گئی ہے۔ ''نجم'' عربی میں ستارے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ نجم ہے۔

آیاتہا ۶۲ ۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے،(۱) ﴿۱﴾ (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں،(۲) ﴿۲﴾ اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، ﴿۳﴾ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے، ﴿۴﴾ انہیں ایک ایسے مضبوط طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے ﴿۵﴾ جو قوت کا حامل ہے۔(۳) چنانچہ وہ سامنے آگیا، ﴿۶﴾ جبکہ وہ بلند اُفق پر تھا۔(۴) ﴿۷﴾ پھر وہ قریب آیا، اور جھک پڑا، ﴿۸﴾ یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگیا،(۵) بلکہ اُس سے بھی زیادہ نزدیک۔ ﴿۹﴾ اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔ ﴿۱۰﴾

---

(۱) ستارے کے گرنے سے مراد اُس کا غائب ہونا ہے۔ جیسا کہ سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت کا اصل موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اس لئے سورت کے شروع میں آپ پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک قابلِ اعتماد فرشتہ آپ کے پاس لے کر آتا ہے۔ شروع میں ستارے کی قسم کھانے سے اس بات کی طرف توجہ دِلائی گئی ہے کہ جس طرح ستارہ روشنی کی ایک علامت ہے، اور عرب کے لوگ اُس سے صحیح راستے کا پتہ لگاتے تھے، اسی طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت کا پیکر ہیں۔ اس کے علاوہ ستارے کے سفر کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ مقرر فرمادیا ہے، وہ اُس سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا، اور نہ اُس سے بھٹکتا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں۔ پھر جب ستارہ غائب ہونے والا ہوتا ہے تو اُس کے ذریعے راستہ زیادہ آسانی سے معلوم ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ مسافروں کو اُس کا زبانِ حال سے یہ پیغام ہوتا ہے کہ میں رُخصت ہونے والا ہوں، مجھ سے راستہ معلوم کرنے میں جلدی کرو۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں زیادہ عرصے مقیم نہیں رہیں گے، اس لئے آپ سے ہدایت حاصل کرنے والوں کو جلدی کرنی چاہئے۔

(۲) ''تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب'' سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کے لئے یہ لفظ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آپ نے کہیں باہر سے آکر نبوت کا دعویٰ نہیں کردیا، بلکہ وہ شروع سے تمہارے ساتھ رہتے ہیں، اور اُن کی پوری زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور نہ کبھی کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے برعکس آپ ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عام زندگی میں تو جھوٹ سے اتنا پرہیز کریں، اور اللہ تعالیٰ پر اتنا بڑا بہتان لگادیں؟

(۳) اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر تشریف لاتے تھے۔ اُن کی طاقت کا خاص طور سے ذکر فرما کر اس بات کی تردید کی گئی ہے جو کافروں کے دِل میں آسکتی تھی کہ اگر کوئی فرشتہ ہی وحی لاتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ درمیان میں کوئی شیطانی تصرف نہیں ہوا؟ آیت نے بتادیا کہ وحی لانے والا فرشتہ اتنا طاقت ور ہے کہ کوئی دوسرا اُسے اپنے مشن سے نہیں ہٹا سکتا۔

(۴) کافروں کا ایک اِعتراض یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو فرشتہ وحی لاتا ہے، وہ انسان ہی کی شکل میں آتا ہے، اس لئے آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ فرشتہ ہی ہے؟ ان آیتوں میں اُس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس فرشتے کو کم از کم دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں بھی دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک واقعے کا اس آیت میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آپ کے سامنے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی اصلی صورت میں اُفق پر ظاہر ہوئے، اور آپ نے اُنہیں دیکھا۔

(۵) یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے۔ جب دو آدمی آپس میں دوستی کا عہد کرتے تھے تو اپنی کمانیں ایک دوسرے سے ملالیتے تھے۔ اس وجہ سے جب زیادہ قرب بیان کرنا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگئے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

جو کچھ انہوں نے دیکھا، دِل نے اُس میں کوئی غلطی نہیں کی۔[6] ﴿۱۱﴾ کیا پھر بھی تم اِن سے اُس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟ ﴿۱۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اُس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے، ﴿۱۳﴾ اُس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے، ﴿۱۴﴾ اُسی کے پاس جنت الماویٰ ہے۔[7] ﴿۱۵﴾ اُس وقت اُس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اُس پر چھائی ہوئی تھیں۔[8] ﴿۱۶﴾ (پیغمبر کی) آنکھ نہ تو چکرائی، اور نہ حد سے آگے بڑھی۔[9] ﴿۱۷﴾ سچ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔ ﴿۱۸﴾

---

(۶) یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہو، دِل نے اُس کے سمجھنے میں غلطی کر دی ہو۔

(۷) یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں دیکھنے کا دوسرا واقعہ ہے جو معراج کے سفر میں پیش آیا۔ اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ عالم بالا میں ایک بیر کا بہت بڑا درخت ہے، اور اُسی کے پاس جنت واقع ہے جسے "جنت الماویٰ" اس لئے کہا گیا ہے کہ "ماویٰ" کے معنی ہیں "ٹھکانا" اور وہ مؤمنوں کا ٹھکانا ہے۔

(۸) یہ آیت بھی ایک عربی محاورے کے مطابق ہے جس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ اُس کے صحیح تأثر کے ساتھ بہت مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اُس بیر کے درخت پر چھائی ہوئی تھیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔ احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی جو تشریح فرمائی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت لاتعداد فرشتے سونے کے پروانوں کی شکل میں اس درخت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمع ہوگئے تھے۔

(۹) یعنی نہ تو نگاہ نے دیکھنے میں کوئی دھوکا کھایا، اور نہ وہ اُس حد سے آگے بڑھی جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے مقرر فرمادی تھی کہ اُس سے آگے نہ دیکھے۔

اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ﴿۲۱﴾ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴿۲۲﴾ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰى ﴿۲۵﴾ ع ۲۵/۵

بھلا کیا تم نے لات اور عزّیٰ (کی حقیقت) پر بھی غور کیا ہے؟ ﴿۱۹﴾ اور اُس ایک اور تیسرے پر جس کا نام منات ہے؟ (۱۰) ﴿۲۰﴾ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں، اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ (۱۱) ﴿۲۱﴾ پھر تو یہ بڑی بھونڈی تقسیم ہوئی! ﴿۲۲﴾ ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے حق میں کوئی ثبوت نازل نہیں کیا۔ درحقیقت یہ (کافر) لوگ محض وہم وگمان اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ ﴿۲۳﴾ کیا انسان کو ہر اُس چیز کا حق پہنچتا ہے جس کی وہ تمنا کرے؟ (۱۲) ﴿۲۴﴾ (نہیں!) کیونکہ آخرت اور دُنیا تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿۲۵﴾

---

(۱۰) لات، عزّیٰ اور منات تینوں بتوں کے نام ہیں جو عرب کے مختلف قبائل نے مختلف جگہوں پر بنا رکھے تھے، اور اُن کو خدا مان کر اُن کی عبادت کی جاتی تھی۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ اُن کی حقیقت بے جان پتھروں کے سوا کیا ہے؟ پھر اُن کو خدا ماننا کتنی بڑی جہالت کی بات ہے۔

(۱۱) مشرکینِ مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اس عقیدے کی طرف اِشارہ ہے کہ تم خود تو بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیاں منسوب کر رکھی ہیں۔

(۱۲) یہ مشرک لوگ اپنے من گھڑت خداؤں کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے۔ (دیکھئے سورۂ یونس ۱۰:۱۸) یہاں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ تمہاری تمنا ضرور ہوگی، لیکن انسان کو ہر وہ چیز نہیں ملا کرتی جس کی وہ تمنا کرے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

ع

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکتی، البتہ اِس کے بعد ہی کام آسکتی ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت دیدے، اور اُس پر راضی ہوجائے۔[۱۳] ﴿۲۶﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کو زنانے ناموں سے یاد کرتے ہیں،[۱۴] ﴿۲۷﴾ حالانکہ اُنہیں اس بات کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ وہ محض وہم وگمان کے پیچھے چل رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہم وگمان حق کے معاملے میں بالکل کارآمد نہیں۔ ﴿۲۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ایسے آدمی کی فکر نہ کرو جس نے ہماری نصیحت سے منہ موڑ لیا ہے، اور دُنیوی زندگی کے سوا وہ کچھ اور چاہتا ہی نہیں۔ ﴿۲۹﴾ ایسے لوگوں کے علم کی پہنچ بس یہیں تک ہے۔[۱۵] تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے بھٹک چکا ہے، اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون راہ پا گیا ہے۔ ﴿۳۰﴾

---

(۱۳) یعنی جب فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی اِجازت اور مرضی کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کرسکتے تو یہ من گھڑت خدا کیسے کسی کی سفارش کرسکتے ہیں؟

(۱۴) یعنی اُنہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

(۱۵) یہ اُن لوگوں پر تبصرہ ہے جو بس اسی دُنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور آخرت کا اُنہیں کوئی خیال ہی نہیں ہے کہ ان بیچاروں کی رسائی بس یہیں تک ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۳۱ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲ ع اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝۳۳ ۙ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴

اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، وہ بھی اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ بھی اللہ ہی کا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جنہوں نے بُرے کام کئے ہیں، وہ اُن کو اُن کے عمل کا بھی بدلہ دے گا، اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں، اُن کو بہترین بدلہ عطا کرے گا۔ ﴿۳۱﴾ اُن لوگوں کو جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، البتہ کبھی کبھار پھسل جانے کی بات اور ہے۔ (۱۶) یقین رکھو تمہارا پروردگار بہت وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، لہٰذا تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ (۱۷) ﴿۳۲﴾ (اے پیغمبر!) بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جو (حق سے) منہ موڑ گیا، ﴿۳۳﴾ اور جس نے تھوڑا سا دیا، پھر رُک گیا؟ (۱۸) ﴿۳۴﴾

(۱۶) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ”لَمَم“ استعمال ہوا ہے۔ اس کے لفظی معنیٰ ہیں ”تھوڑا سا“ چنانچہ عام طور سے مفسرین نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ جو کبھی کبھار سرزد ہو جائیں۔ اور ”لَمَم“ کے معنیٰ قریب ہونے کے بھی ہوتے ہیں، اس لحاظ سے بعض مفسرین نے اس لفظ کی تشریح یہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کے قریب چلا جائے، مگر اُس کا اِرتکاب نہ کرے۔

(۱۷) اس آیت میں اپنے آپ کو مقدس اور متقی سمجھنے اور اپنی تعریفیں کرتے رہنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱۸) ان آیتوں کا پس منظر حافظ ابنِ جریرؒ وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک کافر شخص قرآنِ کریم کی کچھ آیتیں سن کر اِسلام لانے کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ اُس کے ایک دوست نے کہا کہ تم اپنے باپ دادا کے دِین کو کیوں چھوڑ

اَمْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے جو وہ دیکھ رہا ہو؟ ﴿۳۵﴾ کیا اُسے اُن باتوں کی خبر نہیں ملی جو موسیٰ کے صحیفوں میں درج ہے، ﴿۳۶﴾ اور اِبراہیم کے صحیفوں میں بھی، جو مکمل وفادار رہے؟[19] ﴿۳۷﴾ یعنی یہ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا،[20] ﴿۳۸﴾ اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا،[21] ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ اُس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، ﴿۴۰﴾ پھر اُس کا بدلہ اُسے پورا پورا دیا جائے گا، ﴿۴۱﴾

رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ دوست نے کہا کہ اگر تم مجھے کچھ پیسے دو تو میں یہ ذمہ داری لیتا ہوں کہ اگر آخرت میں تمہیں عذاب ہونے لگا تو وہ میں اپنے سر لے کر تمہیں بچالوں گا۔ چنانچہ اُس شخص نے کچھ پیسے دے دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد اُس نے مزید پیسے مانگے تو اور دے دیئے، لیکن پھر دینا بند کر دیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک دستاویز لکھ کر دے دی۔ یہ آیات ان دونوں کی حماقت بتا رہی ہیں کہ اوّل تو جو شخص یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں آخرت کے عذاب سے بچالوں گا، کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس پر قادر ہوگا؟ دوسرے اللہ تعالیٰ یہ عام قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ بات آج پہلی بار نہیں کہی جا رہی، بلکہ حضرت اِبراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے تھے، اُن میں بھی لکھ دی گئی تھی۔

(۱۹) حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی مکمل وفاداری کے تذکرے کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ (۲:۱۲۴)۔

(۲۰) چنانچہ آج بھی بائبل کی کتاب حزقیل میں یہ اُصول وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ (دیکھئے حزقی ایل ۱۸:۲۰)۔

(۲۱) یعنی انسان کو صرف اپنے عمل کے ثواب کا حق پہنچتا ہے، کسی اور کے عمل کا ثواب لینے کا حق نہیں ہے، لیکن

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَکَ عَادَاْ الْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْقٰی ﴿۵۱﴾

اور یہ کہ آخر کار (سب کو) تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے، ﴿۴۲﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا اور رُلاتا ہے، ﴿۴۳﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے، اور زندگی بھی، ﴿۴۴﴾ اور یہ کہ اُسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کئے ہیں ﴿۴۵﴾ (وہ بھی صرف) ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے، (۲۲) ﴿۴۶﴾ اور یہ کہ دوسری زندگی دینے کا بھی اُسی نے ذمہ لیا ہے، ﴿۴۷﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو مال دار بناتا اور دولت کو محفوظ کراتا ہے، ﴿۴۸﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو شعریٰ ستارے کا پروردگار ہے، (۲۳) ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ وہی ہے جس نے پچھلے زمانے کی قومِ عاد کو ہلاک کیا، ﴿۵۰﴾ اور ثمود کو بھی، اور کسی کو باقی نہ چھوڑا، ﴿۵۱﴾

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اُس کو اُس کے اِستحقاق کے بغیر کسی اور کے عمل کا ثواب عطا فرمادیں تو یہ اُن کی رحمت ہے جس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ کسی دوسرے شخص کو اِیصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اور متعدد اَحادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے وہ ثواب مُردے کو پہنچاتے ہیں، کیونکہ عام طور سے کوئی شخص دوسرے کو اُسی وقت ایصالِ ثواب کرتا ہے جب اُس نے اُس کے ساتھ کوئی نیکی کی ہو، یا اور نیک اعمال کئے ہوں۔

(۲۲) نطفہ تو ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اُسی سے کبھی نر پیدا ہوتا ہے، اور کبھی مادہ۔ جو اللہ تعالیٰ نطفے کی چھوٹی سی بوند میں نر اور مادہ پیدا کرنے کے لئے الگ الگ خصوصیات پیدا فرماتا ہے، کیا وہ اُسی نر اور مادہ کو موت کے بعد دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہے؟

(۲۳) شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے، جاہلیت میں عرب لوگ اُس کی عبادت کرتے تھے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ وہ

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

ع ۷ — السجدة ۱۲

اور اس سے پہلے نوح کی قوم کو بھی (ہلاک کیا)۔ بیشک وہ سب سے زیادہ ظالم اور سرکش تھے۔ ﴿۵۲﴾ اور جو بستیاں اوندھی گری تھیں،(۲۴) اُن کو بھی اُسی نے اُٹھا پھینکا تھا، ﴿۵۳﴾ پھر جس (خوفناک) چیز نے اُنہیں ڈھانپا، وہ اُنہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ ﴿۵۴﴾ لہٰذا (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں میں شک کرے گا؟(۲۵) ﴿۵۵﴾ یہ (پیغمبر) بھی پہلے خبردار کرنے والے پیغمبروں کی طرح ایک خبردار کرنے والے ہیں۔ ﴿۵۶﴾ جو گھڑی جلد آنے والی ہے، وہ قریب آپہنچی ہے، ﴿۵۷﴾ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے ہٹا سکے۔ ﴿۵۸﴾ تو کیا تم اسی بات پر حیرت کرتے ہو؟ ﴿۵۹﴾ اور (اُس کا مذاق بنا کر) ہنستے ہو، اور روتے نہیں ہو، ﴿۶۰﴾ جبکہ تم تکبر کے ساتھ کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو؟ ﴿۶۱﴾ اب (بھی) جھک جاؤ اللہ کے سامنے، اور اُس کی بندگی کرلو۔(۲۶) ﴿۶۲﴾

ہمیں کچھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ ستارہ تو ایک مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی اُس کے پروردگار ہیں۔

(۲۴) اس سے مراد اُس قوم کی بستیاں ہیں جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، اور اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُن بستیوں کو اُلٹ دیا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ ہود (۱۱:۷۷ تا ۸۲)۔

(۲۵) یعنی اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھے ان عذابوں سے بچا کر جن نعمتوں میں رکھا ہوا ہے، پھر تیری ہدایت

کے لئے یہ قرآنِ کریم جن مختلف طریقوں سے تجھے متنبہ کررہا ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس محبت سے تجھے سمجھا کر تجھے عذاب سے بچانے کی کوشش کررہے ہیں، ان عظیم نعمتوں میں سے کس کس نعمت میں شک کرے گا۔

(۲۶) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۷ ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ مطابق ۵/اپریل ۲۰۰۸ء کو اسلام آباد میں سورۂ نجم کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے، جبکہ اس سورت پر کام کا آغاز قاہرہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ القمر

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اُس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دِکھلایا، اسی لئے اس کا نام سورۂ قمر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، اُس وقت میں بچی تھی، اور کھیلا کرتی تھی۔ سورت کا موضوع دوسری مکی سورتوں کی طرح کفارِ عرب کو توحید، رِسالت اور آخرت پر اِیمان لانے کی دعوت دینا ہے، اور اسی ضمن میں عاد و ثمود، حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں اور فرعون کے دردناک انجام کا مختصر لیکن بہت بلیغ انداز میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور بار بار یہ جملہ دُہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآنِ کریم کو بہت آسان بنادیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

آیاتها ۵۵ ۵۴ سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۳۷ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچپن آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قیامت قریب آلگی ہے، اور چاند پھٹ گیا ہے۔ (۱) ﴿۱﴾ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ موڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ (۲) ﴿۲﴾ انہوں نے حق کو جھٹلایا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے۔ اور ہر کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک کر رہنا ہے۔ (۳) ﴿۳﴾

---

(۱) قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا وہ معجزہ بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک چاندنی رات میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ دِکھانے کا مطالبہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دِکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، جن میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ کی مشرقی جانب چلا گیا، اور دوسرا مغربی جانب، اور پہاڑ ان کے درمیان آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ: ''لو دیکھ لو!''۔ جب سارے لوگوں نے جو وہاں موجود تھے، یہ حیرت انگیز نظارہ کرلیا تو یہ دونوں ٹکڑے دوبارہ آپس میں مل گئے۔ جو کافر لوگ اُس وقت موجود تھے، وہ اس مشاہدے کا تو اِنکار نہیں کرسکتے تھے، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہ کوئی جادو ہے۔ بعد میں مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ اُنہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ فرشتہ میں بھی مذکور ہے کہ گوالیار کے راجہ نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

(۲) اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اسی قسم کے جادو مدت سے چلے آرہے ہیں، اور یہ بھی کہ یہ ایسا جادو ہے جس کا اثر جلدی ہی ختم ہوجائے گا۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام کا ایک انجام ہوتا ہے، لہٰذا جو کچھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں، اور جو کچھ یہ کافر کررہے ہیں، اس کا انجام عنقریب معلوم ہوجائے گا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝۹ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝۱۰ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲

اور ان لوگوں کو (پچھلی قوموں کے) واقعات کی اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ کا بڑا سامان تھا، ﴿۴﴾ دِل میں اُتر جانے والی دانائی کی باتیں تھیں، پھر بھی یہ تنبیہات (ان پر) کچھ کارگر نہیں ہو رہیں۔ ﴿۵﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم بھی ان کی پروا مت کرو۔[۴] جس دن پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، ﴿۶﴾ اُس دن یہ اپنی آنکھیں جھکائے قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے جیسے ہر طرف پھیلی ہوئی ٹڈیاں، ﴿۷﴾ دوڑے جا رہے ہوں گے اُسی پکارنے والے کی طرف! یہی کافر (جو قیامت کا انکار کرتے تھے) کہیں گے کہ یہ تو بہت ہی کٹھن دن ہے۔ ﴿۸﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلانے کا رویہ اِختیار کیا تھا۔ اُنہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا، اور کہا کہ: "یہ دیوانے ہیں" اور اُنہیں دھمکیاں دی گئیں۔ ﴿۹﴾ اس پر اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: "میں بے بس ہو چکا ہوں، اب آپ ہی بدلہ لیجئے۔" ﴿۱۰﴾ چنانچہ ہم نے ٹوٹ کر برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے، ﴿۱۱﴾ اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا۔ اور اس طرح (دونوں قسم کا) سارا پانی اُس کام کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔[۵] ﴿۱۲﴾

(۴) یعنی آپ چونکہ اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، اس لئے ان کے طرزِ عمل پر زیادہ صدمہ نہ کیجئے۔

(۵) یعنی ایک تو آسمان سے موسلا دھار پانی برسا، اور دوسرے زمین سے پانی اُبلنا شروع ہو گیا۔ دونوں طرح

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

ع ۱ ۲۲ ۸

اور نوح کو ہم نے ایک تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کردیا، ﴿۱۳﴾ جو ہماری نگرانی میں رواں دواں تھی، تاکہ اُس (پیغمبر) کا بدلہ لیا جائے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ ﴿۱۴﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کو (عبرت کی) ایک نشانی بنادیا۔ تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۱۵﴾ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۱۶﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۱۷﴾

عاد کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلانے کا رویہ اِختیار کیا، پھر دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۱۸﴾ ہم نے ایک مسلسل نحوست کے دن میں اُن پر تیز آندھی والی ہوا چھوڑ دی تھی،[۶] ﴿۱۹﴾ جو لوگوں کو اس طرح اُکھاڑ پھینک دیتی تھی جیسے وہ کھجور کے اُکھڑے ہوئے درخت کے تنے ہوں۔ ﴿۲۰﴾ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۲۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۲۲﴾

کے یہ پانی مل گئے، اور ان سے وہ طوفان آگیا جس میں اس قوم کی تباہی مقدر تھی۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ ہود (۱۱:۴۰) اور سورۂ مؤمنون (۲۳:۲۷) میں گذر چکی ہے۔

(۶) تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اَعراف (۷:۶۵)۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوٓا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ إِنَّآ إِذًا لَّفِي ضَلٰلٍ وَّ
سُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا
مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾
وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى
فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

ثمود کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا۔ ﴿۲۳﴾ چنانچہ کہنے لگے کہ: "کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک تنہا آدمی کے پیچھے چل پڑیں؟ ایسا کریں گے تو یقیناً ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ ﴿۲۴﴾ بھلا کیا ہم سارے لوگوں کے درمیان یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر نصیحت نازل کی گئی؟ نہیں! بلکہ دراصل یہ پرلے درجے کا جھوٹا شیخی باز شخص ہے۔" ﴿۲۵﴾ (ہم نے پیغمبر صالح علیہ السلام سے کہا کہ:) "کل ہی انہیں پتہ چل جائے گا کہ پرلے درجے کا جھوٹا شیخی باز کون تھا؟ ﴿۲۶﴾ ہم ان کے پاس ان کی آزمائش کے طور پر اُونٹنی بھیج رہے ہیں، اس لئے تم انہیں دیکھتے رہو، اور صبر سے کام لو، ﴿۲۷﴾ اور ان کو بتادو کہ (کنویں کا) پانی اُن کے درمیان تقسیم کردیا گیا ہے۔ ہر پانی کا حق دار اپنی باری میں حاضر ہوگا۔"(۷) ﴿۲۸﴾ پھر انہوں نے اپنے آدمی کو بلایا، چنانچہ اُس نے ہاتھ بڑھایا، اور (اُونٹنی کو) قتل کرڈالا۔(۸) ﴿۲۹﴾ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۳۰﴾ ہم نے اُن پر بس ایک ہی چنگھاڑ بھیجی، جس سے وہ ایسے ہوکر رہ گئے جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑھ ہوتی ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۳۲﴾

(۷) یہ اُونٹنی اُنہی کے مطالبے پر پیدا کی گئی تھی، اور اُن سے کہا گیا تھا کہ بستی کے کنویں سے ایک دن وہ پانی پئے گی، اور ایک دن بستی والے، تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۷۳) اور اُس کے حواشی۔

(۸) اس آدمی کا نام روایتوں میں قدار آیا ہے۔ اُس نے اُونٹنی کو قتل کیا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِى مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَٰوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِۦ فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

ع ۲ ۱۸ ۹

لوط کی قوم نے (بھی) تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا۔ ﴿۳۳﴾ ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا، سوائے لوط کے گھر والوں کے جنہیں ہم نے سحری کے وقت بچا لیا تھا، ﴿۳۴﴾ یہ ہماری طرف سے ایک نعمت تھی۔ جو لوگ شکر گذار ہوتے ہیں، اُن کو ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ اور لوط نے اُن لوگوں کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا، لیکن وہ ساری تنبیہات میں مین میکھ نکالتے رہے۔ ﴿۳۶﴾ اور اُنہوں نے لوط کو اُن کے مہمانوں کے بارے میں پھسلانے کی کوشش کی،(۹) جس پر ہم نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا کہ: "چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ!" ﴿۳۷﴾ اور صبح سویرے اُن پر ایسا عذاب حملہ آور ہوا جو جم کر رہ گیا ﴿۳۸﴾ کہ: "چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ!"(۱۰) ﴿۳۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۴۰﴾

(۹) سورۂ ہود (۱۱: ۷۸) میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے۔ اُن کی قوم ہم جنسی کی بیماری میں مبتلا تھی، اس لئے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو اُن کے حوالے کر دیں، اور وہ ان سے اپنی ہوس پوری کریں۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور اس طرح وہ مہمانوں تک نہ پہنچ سکے (تفسیر الدر المنثور عن قتادة)۔

(۱۰) سورۂ ہود میں گذر چکا ہے کہ ان کی بستیاں اُلٹ ڈالی گئی تھیں۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

اور فرعون کے خاندان کے پاس بھی تنبیہات آئیں، ﴿۴۱﴾ اُنہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا، اس لئے ہم نے اُن کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔ ﴿۴۲﴾

کیا تمہارے یہ کافر لوگ اُن سے اچھے ہیں، یا تمہارے لئے (خدا کی) کتابوں میں کوئی بے گناہی کا پروانہ لکھا ہوا ہے؟ (۱۱) ﴿۴۳﴾ یا ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایسی جمعیت ہیں جو اپنا بچاؤ آپ کرلے گی؟ (۱۲) ﴿۴۴﴾ (حقیقت تو یہ ہے کہ) اس جمعیت کو عنقریب شکست ہو جائے گی، اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ (۱۳) ﴿۴۵﴾ یہی نہیں، بلکہ ان کے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے، اور قیامت اور زیادہ مصیبت اور کہیں زیادہ کڑوی ہوگی۔ ﴿۴۶﴾

---

(۱۱) پچھلی اُمتوں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ کے کافروں سے کہا جارہا ہے کہ جن قوموں کو ہلاک کیا گیا ہے، تم میں اُن کے مقابلے میں کونسی اچھائی ہے جس کی بنا پر تمہیں عذاب سے محفوظ رکھا جائے؟ اور کیا تمہارے بارے میں کسی آسمانی کتاب میں کوئی معافی یا بے گناہی کا وعدہ کرلیا گیا ہے؟

(۱۲) جب مکہ مکرمہ کے کافروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا جتھہ بڑا مضبوط ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(۱۳) یہ پیشین گوئی اُس وقت کی جارہی تھی جب مسلمان ان کافروں کے مقابلے میں بہت کمزور تھے، اور خود اپنا

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَٰحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجرم لوگ بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔(۱۴) ﴿۴۷﴾ جس دن ان کو منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، (اُس دن انہیں ہوش آئے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ:) ''چکھو دوزخ۔ کے چھونے کا مزہ!'' ﴿۴۸﴾ ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے۔(۱۵) ﴿۴۹﴾ اور ہمارا حکم بس ایک ہی مرتبہ آنکھ جھپکنے کی طرح (پورا) ہو جاتا ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہم پہلے ہی ہلاک کر چکے ہیں۔ اب بتاؤ، ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۵۱﴾ اور جو جو کام انہوں نے کیے ہیں، وہ سب اعمال ناموں میں درج ہیں، ﴿۵۲﴾ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ ﴿۵۳﴾ (البتہ) جن لوگوں نے تقویٰ کی رَوِش اپنا رکھی ہے، وہ باغات اور نہروں میں ہوں گے، ﴿۵۴﴾ ایک سچی عزت والی نشست میں! ــــ اُس بادشاہ کے پاس جس کے قبضے میں سارا اقتدار ہے! ﴿۵۵﴾

بچاؤ بھی نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن دُنیا نے دیکھا کہ یہ خدائی پیشین گوئی جنگِ بدر میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں کافروں کے جو بڑے بڑے سردار تھے، سب بدر میں مارے گئے، ستر افراد گرفتار ہوئے، اور باقی بھاگ گئے۔

(۱۴) یہ قومِ ثمود کی اُس بات کا جواب ہے جو اُوپر آیت نمبر ۲۴ میں ذکر کی گئی تھی۔ چونکہ مکہ مکرمہ کے کافر بھی اسی

جیسی بات کہا کرتے تھے، اس لئے اُن کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔

(۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ناپ تول اور ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس لئے وہ قیامت اُسی وقت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما رکھا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ قمر کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج مؤرخہ ۲۹/ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ مطابق ۷/اپریل ۲۰۰۸ء کو لندن میں دو دن میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کے کام کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الرَّحمٰن

تعارف

یہ سورت وہ واحد سورت ہے جس میں بیک وقت انسانوں اور جنات دونوں کو صراحت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی وہ بیشمار نعمتیں یاد دِلائی گئی ہیں جو اس کائنات میں پھیلی پڑی ہیں، اور بار بار یہ فقرہ دُہرایا گیا ہے کہ: ''اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' اپنے اُسلوب اور فصاحت و بلاغت کے اِعتبار سے بھی یہ ایک منفرد سورت ہے جس کی تأثیر کو کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، یا مدنی۔ عام طور سے قرآنِ کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ قرطبیؒ نے کئی روایتوں کی بنا پر یہ رُجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ واللہ اعلم۔

آیاتها ۷۸ ۵۵ سُورَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ رکوعاتها ۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اَلرَّحۡمٰنُ ① عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ② خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ③ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ④ اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ⑤ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ⑥

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

وہ رحمٰن ہی ہے [1] ﴿۱﴾ جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ ﴿۲﴾ اُسی نے انسان کو پیدا کیا، ﴿۳﴾ اُسی نے اُس کو بات واضح کرنا سکھایا۔ ﴿۴﴾ سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں، ﴿۵﴾ اور بیلیں اور درخت سب اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں، [2] ﴿۶﴾

---

(۱) مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کے نام ''رحمٰن'' کو نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ سورۂ فرقان (۲۵:۶۰) میں گذرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رحمٰن کے نام سے ان لوگوں کو جو چڑ تھی، وہ اس لئے کہ اگر ہر طرح کی رحمت اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص مان لی جائے تو پھر اُن من گھڑت خداؤں کے حصے میں کچھ نہیں آتا جن سے یہ لوگ اپنی مرادیں مانگا کرتے تھے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کو رحمٰن مان لینے سے خود بخود اُن کے شرک کی نفی ہوجاتی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رحمٰن اُسی اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کی رحمتوں سے یہ ساری کائنات بھری ہوئی ہے۔ اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو تمہیں رزق، اولاد یا کوئی اور نعمت دے سکے۔ اس لئے عبادت کا حق دار صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

(۲) سجدہ حقیقی بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم نے کئی جگہ یہ فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں کچھ نہ کچھ احساس موجود ہے۔ (دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل ۱۷:۴۴) اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝٧ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝٨ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝٩ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝١٠ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٣ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝١٤ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝١٥ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٦ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝١٧ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٨

اور آسمان کو اُسی نے بلند کیا ہے، اور اُسی نے ترازو قائم کی ہے، ﴿۷﴾ کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو۔ ﴿۸﴾ اور اِنصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو۔ ﴿۹﴾ اور زمین کو اُسی نے ساری مخلوقات کے لئے بنایا ہے، ﴿۱۰﴾ اُسی میں میوے اور کھجور کے گابھوں والے درخت بھی ہیں، ﴿۱۱﴾ اور بھوسے والا غلہ اور خوشبودار پھول بھی۔ ﴿۱۲﴾ (اے انسانو اور جنات!) اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۳﴾ اُسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، ﴿۱۴﴾ اور جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا، ﴿۱۵﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۶﴾ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا پروردگار وہی ہے۔[۳] ﴿۱۷﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۱۸﴾

---

(۳) مشرق دراصل اُفق کے اُس حصے کا نام ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، اور مغرب اُس حصے کا جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ چونکہ سردی اور گرمی کے موسموں میں مشرق اور مغرب کے یہ حصے بدل جاتے ہیں، اس لئے ان کو دو مشرقوں اور دو مغربوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾

اُسی نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا کہ وہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں، ﴿۱۹﴾ (پھر بھی) اُن کے درمیان ایک آڑ ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنی حد سے بڑھتے نہیں۔[۴] ﴿۲۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۱﴾ ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے، ﴿۲۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۳﴾ اور اُسی کے قبضے میں وہ جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے کئے گئے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۵﴾

اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے، ﴿۲۶﴾ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل وکرم والی ذات باقی رہے گی۔ ﴿۲۷﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اُسی سے (اپنی حاجتیں) مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز کسی شان میں ہے![۵] ﴿۲۹﴾

---

(۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ نظارہ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے سنگھم پر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دونوں دریاؤں یا سمندروں کے پانی ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں، پھر بھی دونوں کے درمیان ایک لکیر جیسی ہوتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ دریا یا سمندر ہیں۔

(۵) یعنی ہر روز اور ہر آن وہ اپنی کائنات کی تدبیر اور اپنی مخلوقات کی حاجت روائی میں اپنی کسی نہ کسی شان یا صفت کا مظاہرہ فرماتا رہتا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۳۰ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝۳۱ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۳۲ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝۳۳ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۳۴

اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۰﴾ اے دو بھاری مخلوقو![۶] ہم عنقریب تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہونے والے ہیں۔[۷] ﴿۳۱﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۲﴾ اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو، تو پار نکل جاؤ۔ تم زبردست طاقت کے بغیر پار نہیں ہوسکو گے۔[۸] ﴿۳۳﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۴﴾

---

(۶) اصل عربی لفظ "ثَقَلان" ہے جس کے معنیٰ ہیں دو بھاری چیزیں۔ اور اس سے مراد جنات اور انسان ہیں، کیونکہ یہی دو مخلوقات ہیں جنہیں اس کائنات میں عقل وشعور کے علاوہ مکلّف بننے کی صلاحیت بخشی گئی ہے۔

(۷) یہاں فارغ ہونا مجازی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ کائنات کے دوسرے اُمور انجام دے رہے ہیں، اور ابھی حساب لینے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، لیکن وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ حساب کی طرف متوجہ ہوں گے۔ واضح رہے کہ آگے آیت نمبر ۴۴ تک دوزخیوں کے عذاب کا تذکرہ ہے، اور اُس کے ساتھ بھی یہ فقرہ ہر جگہ فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس ہولناک انجام کی جو پہلے سے خبر دے رہا ہے، وہ بذاتِ خود ایک نعمت ہے، اس کو مت جھٹلاؤ، اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلانے کا یہ انجام ہونے والا ہے، کیا اس انجام سے باخبر ہونے کے بعد بھی تم نعمتوں کو جھٹلانے کا رویہ جاری رکھو گے؟

(۸) مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ طاقت نہیں ہے جس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کی باز پُرس اور عذاب سے بھاگ کر کہیں اور چلے جاؤ۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ۚ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۘ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ؑ ﴿۴۵﴾

ع ۲
۱۲

تم پر آگ کا شعلہ اور تانبے کے رنگ کا دُھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم اپنا بچاؤ نہیں کرسکو گے۔ ﴿۳۵﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۶﴾ غرض (وہ وقت آئے گا) جب آسمان پھٹ پڑے گا، اور لال چمڑے کی طرح سرخ گلاب بن جائے گا۔ ﴿۳۷﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۸﴾ پھر اُس دن نہ کسی انسان سے اُس کے گناہ کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور نہ کسی جن سے۔ (۹) ﴿۳۹﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۰﴾ مجرم لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا، پھر اُنہیں سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا، ﴿۴۱﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۲﴾ یہ ہے وہ جہنم جسے یہ مجرم لوگ جھٹلاتے تھے! ﴿۴۳﴾ یہ اُسی کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔ ﴿۴۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۵﴾

(۹) یعنی سوال و جواب اور حساب و کتاب کا مرحلہ تو اُس وقت گذر چکا ہوگا جس میں ان لوگوں سے حجت قائم کرنے کے لئے سوالات بھی کئے گئے تھے۔ لیکن اب ان کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے نہ تو اللہ تعالیٰ کو کسی سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہوگی کہ اُس نے کیا گناہ کیا تھا، کیونکہ اُسے خود ہی معلوم ہے، اور نہ فرشتوں

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾

اور جو شخص (دُنیا میں) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا تھا، اُس کے لئے دو باغ ہوں گے۔ ﴿۴۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۷﴾ دونوں باغ شاخوں سے بھرے ہوئے! ﴿۴۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۹﴾ اُنہی دو باغوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، ﴿۵۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۱﴾ اُن دونوں میں ہر پھل کے دو دو جوڑے ہوں گے، ﴿۵۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونون اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۳﴾ وہ (جنتی لوگ) ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے اَستر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور دونوں باغوں کے پھل جھکے پڑرہے ہوں گے۔ ﴿۵۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۵﴾ انہی باغوں میں وہ نیچی نگاہ والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے کبھی چھوا ہوگا، اور نہ کسی جن نے! ﴿۵۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۷﴾

کو ضرورت ہوگی، کیونکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، مجرم لوگ اپنے چہرے کی علامتوں ہی سے پہچان لئے جائیں گے۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَامَّتَانِ ﴿٦٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٥﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ﴿٦٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٧﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾

وہ ایسی ہوں گی جیسے یاقوت اور مرجان! ﴿۵۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۹﴾ اچھائی کا بدلہ اچھائی کے سوا اور کیا ہے؟ ﴿۶۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۱﴾

اور ان دو باغوں سے کچھ کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے۔[10] ﴿۶۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۳﴾ دونوں سبزے کی کثرت سے سیاہی کی طرف مائل![11] ﴿۶۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۵﴾ اُنہی میں دو اُبلتے ہوئے چشمے ہوں گے، ﴿۶۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۷﴾ اُنہی میں میوے اور کھجوریں اور اَنار ہوں گے، ﴿۶۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۹﴾

---

(۱۰) اکثر مفسرین کے مطابق پہلے (آیت نمبر ۴۶ میں) جن دو باغوں کا ذکر ہوا تھا، وہ اعلیٰ درجے کے مقرب بندوں کے لئے ہیں، جیسا کہ اگلی سورت (سورۂ واقعہ) میں اس کی تفصیل آنے والی ہے، اور اَب آیت نمبر ۶۲ سے جن دو باغوں کا ذکر ہو رہا ہے، وہ عام مؤمنوں کے لئے ہیں۔

(۱۱) سبزہ جب خوب گھنا اور گہرا ہو جائے تو وہ دُور سے سیاہی مائل نظر آتا ہے۔ یہ اُسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

فِيهِنَّ خَيْرَٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۱﴾ حُورٌ مَّقْصُورَٰتٌ فِى الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِى الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

ع ۳ ۱۲

اُنہی میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی، ﴿۷۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۱﴾ وہ حوریں جنہیں خیموں میں حفاظت سے رکھا گیا ہوگا![12] ﴿۷۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۳﴾ اُنہیں ان جنتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے کبھی چھوا ہوگا، اور نہ کسی جن نے۔ ﴿۷۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۵﴾ وہ (جنتی) سبز رَفرَف[13] اور عجیب و غریب قسم کے خوبصورت فرش پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۷۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۷﴾ بڑا بابرکت نام ہے تمہارے پروردگار کا جو عظمت والا بھی ہے، کرم والا بھی! ﴿۷۸﴾

(۱۲) ان خیموں کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ تفصیل آئی ہے کہ یہ موتی سے بنے ہوئے بہت طویل وعریض خیمے ہوں گے۔

(۱۳) رَفرَف نقش ونگار والے قالین کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ جنت کی نعمتوں میں سے جن جن چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اگرچہ دُنیا میں بھی اُن کے وہی نام ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں، لیکن اُن کی حقیقت، اُن کا حسن اور اُن کی لذت دُنیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگی، کیونکہ صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ

نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار فرمائی ہیں جو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں، اور نہ کسی کے دِل پر اُن کا خیال گذرا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ! سورۃ الرحمٰن کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۹/اپریل ۲۰۰۸ء لندن میں ایک ہی دن میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الواقعة

تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور کی سورتوں میں سے ہے، اور اس میں معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہلے تو قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ آخرت میں تمام انسان اپنے انجام کے لحاظ سے تین مختلف گروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے، ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ہوگا جو اِیمان اور عملِ صالح کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مرتبے کے حامل ہیں، دُوسرا گروہ اُن عام مسلمانوں کا ہوگا جنہیں اُن کے اعمال نامے اُن کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور تیسرا گروہ اُن کافروں کا ہوگا جن کے اعمال نامے اُن کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ پھر ان تینوں گروہوں کو جن حالات سے سابقہ پیش آئے گا، اُس کی ایک جھلک بڑے مؤثر انداز میں دِکھائی گئی ہے۔ اس کے بعد اِنسان کو خود اُس کے اپنے وجود اور اُن نعمتوں کی طرف توجہ دِلائی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اُسی کا شکر بجالا کر اُس کی وحدانیت کا اعتراف کرے، اور توحید پر اِیمان لائے۔ پھر آخری رُکوع میں قرآنِ کریم کی حقانیت کا بیان فرماتے ہوئے انسان کو اُس کی موت کا وقت یاد دِلایا گیا ہے کہ اُس وقت وہ کتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا ہو، نہ تو خود اپنی موت سے چھٹکارا پاسکتا ہے، نہ اپنے کسی محبوب کو موت سے بچاسکتا ہے۔ لہٰذا جو پروردگار موت اور زندگی کا مالک ہے، وہی مرنے کے بعد بھی انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اور اِنسان کا کام یہ ہے کہ اُس کی عظمت کے آگے سربسجود ہو۔

سورت کی پہلی ہی آیت میں ''واقعہ'' کا لفظ آیا ہے جس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے، اور اُسی کے نام پر اس سورت کو سورۂ واقعہ کہا جاتا ہے۔

آیاتها ۹۶ ۵۶ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۴۶ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۹﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھیانوے آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا،[1] ﴿۱﴾ تو اُس کے پیش آنے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا، ﴿۲﴾ وہ ایک تہہ و بالا کرنے والی چیز ہوگی، ﴿۳﴾ جب زمین ایک بھونچال سے جھنجوڑ دی جائے گی، ﴿۴﴾ اور پہاڑوں کو پیس کر چورا کر دیا جائے گا ﴿۵﴾ یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے، ﴿۶﴾ اور (لوگو!) تم تین قسموں میں بٹ جاؤ گے۔ ﴿۷﴾ چنانچہ جو دائیں ہاتھ والے ہیں، کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا![2] ﴿۸﴾ اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں وہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟[3] ﴿۹﴾

(۱) اس آیت میں قیامت کو واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ کافر لوگ اس کا اِنکار کر رہے ہیں، لیکن جب وہ واقعہ پیش آجائے گا تو کوئی اُسے جھٹلا نہیں سکے گا۔

(۲) دائیں ہاتھ والوں سے مراد وہ خوش نصیب مؤمن ہیں جن کا نامۂ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ صاحبِ ایمان ہیں، اور ان کو جنت نصیب ہونے والی ہے۔

(۳) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اُن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اُن کے کفر کی علامت ہوگی۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ﴿۱۶﴾ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ۬ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِیْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

اور جو سبقت لے جانے والے ہیں، وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے![4] ﴿۱۰﴾ وہی ہیں جو اللہ کے خاص مقرب بندے ہیں، ﴿۱۱﴾ وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے، ﴿۱۲﴾ ـــــ شروع کے لوگوں میں سے بہت سے، ﴿۱۳﴾ اور بعد کے لوگوں میں سے تھوڑے ـــــ[5] ﴿۱۴﴾ سونے کے تاروں سے بُنی ہوئی اُونچی نشستوں پر ﴿۱۵﴾ ایک دوسرے کے سامنے اُن پر تکیہ لگائے ہوئے! ﴿۱۶﴾ سدا رہنے والے لڑکے اُن کے سامنے گردش میں ہوں گے، ﴿۱۷﴾ ایسی شراب کے پیالے، جگ اور جام لے کر ﴿۱۸﴾ جس سے نہ اُن کے سر میں درد ہوگا، اور نہ اُن کے ہوش اُڑیں گے، ﴿۱۹﴾ اور وہ پھل لے کر جو وہ پسند کریں، ﴿۲۰﴾ اور پرندوں کا وہ گوشت لے کر جس کو اُن کا دِل چاہے! ﴿۲۱﴾ اور وہ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں! ﴿۲۲﴾ ایسی جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی! ﴿۲۳﴾ یہ سب بدلہ ہوگا اُن کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۴﴾ وہ اُس جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی گناہ کی بات، ﴿۲۵﴾ ہاں جو بات ہوگی، سلامتی ہی سلامتی کی ہوگی۔ ﴿۲۶﴾

---

(۴) اس سے مراد انبیائے کرام اور وہ اعلیٰ درجے کے پاکباز حضرات ہیں جنہوں نے تقویٰ کا سب سے اُونچا مقام پایا ہوگا۔

(۵) یعنی اس اعلیٰ درجے کے لوگوں میں اکثریت قدیم زمانے کے انبیائے کرام وغیرہ کی ہوگی، اور بعد کے زمانوں میں بھی اگرچہ اس درجے کے لوگ ہوں گے، مگر کم۔

وَاَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ۙ﴿۲۸﴾ وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ﴿۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ؕ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۙ﴿۳۵﴾

اور وہ جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا! ﴿۲۷﴾ (وہ عیش کریں گے) کانٹوں سے پاک بیریوں میں! (۶) ﴿۲۸﴾ اور اُوپر تلے لدے ہوئے کیلے کے درختوں میں، ﴿۲۹﴾ اور دُور تک پھیلے ہوئے سائے میں، ﴿۳۰﴾ اور بہتے ہوئے پانی میں، ﴿۳۱﴾ اور ڈھیر سارے پھلوں میں ﴿۳۲﴾ جو نہ کبھی ختم ہوں گے، اور نہ اُن پر کوئی روک ٹوک ہوگی، ﴿۳۳﴾ اور اُونچے رکھے ہوئے فرشوں میں۔ (۷) ﴿۳۴﴾ یقین جانو، ہم نے اُن عورتوں کو نئی اُٹھان دی ہے، (۸) ﴿۳۵﴾

(۶) جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے، جنت کے پھلوں کے نام تو ہمارے سمجھانے کے لئے وہی ہیں جنہیں ہم دُنیا میں جانتے ہیں، لیکن اُن کی کیفیت، اُن کی لذت اور اُن کا حجم ہر چیز یہاں سے کہیں زیادہ خوشنما اور لذیذ ہوگی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بیری کا درخت تو عام طور سے تکلیف دہ ہی ہوتا ہے، قرآنِ کریم نے اُس کا تذکرہ کیسے فرمایا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کانٹوں سے پاک ہوگا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا فرمائیں گے، اور اُس ایک پھل میں بہتّر قسم کے مختلف ذائقے ہوں گے، اور کوئی ذائقہ دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہوگا (روح المعانی بحوالہ حاکم وبیہقی، وصححہ الحاکم)۔

(۷) جنت کی اُونچی نشستوں کا ذکر قرآنِ کریم میں کئی جگہ آیا ہے، انہی نشستوں پر یہ فرش بچھے ہوں گے، اس لئے انہیں اُونچے رکھے ہوئے فرشوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۸) قرآنِ کریم نے ان خواتین کا ذکر بڑے لطیف انداز میں فرمایا ہے کہ بس ضمیر سے اُن کی طرف اِشارہ فرمادیا ہے، صراحت کے ساتھ نام نہیں لیا۔ اس میں بڑی بلاغت بھی ہے، اور ان خواتین کی پردہ داری بھی۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد وہ حوریں لی ہیں جو جنتیوں کے لئے خاص طور پر پیدا کی گئی ہیں، یا پیدا کی جائیں گی۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد نیک لوگوں کی وہ نیک بیویاں ہیں جو دُنیا میں اُن کی شریکِ حیات تھیں۔ آخرت میں اُن کو نئی اُٹھان دینے کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں وہ کیسی ہی رہی ہوں، جنت میں اُنہیں

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾

چنانچہ اُنہیں کنواریاں بنایا ہے،(۹) ﴿۳۶﴾ (شوہروں کے لئے) محبت سے بھری ہوئی، عمر میں برابر!(۱۰) ﴿۳۷﴾ سب کچھ دائیں ہاتھ والوں کے لئے، ﴿۳۸﴾ (جن میں سے) بہت سے شروع کے لوگوں میں سے ہوں گے، ﴿۳۹﴾ اور بہت سے بعد والوں میں سے۔(۱۱) ﴿۴۰﴾

اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ ﴿۴۱﴾ وہ ہوں گے تپتی ہوئی لُو میں، اور کھولتے ہوئے پانی میں، ﴿۴۲﴾ اور سیاہ دُھویں کے سائے میں، ﴿۴۳﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا، نہ کوئی فائدہ پہنچانے والا۔ ﴿۴۴﴾ یہ لوگ اس سے پہلے بڑے عیش میں تھے، ﴿۴۵﴾ اور بڑے بھاری گناہ پر اَڑے رہتے تھے(۱۲) ﴿۴۶﴾

اپنے شوہروں کے لئے بہت خوبصورت بنادیا جائے گا، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اسی طرح جو خواتین دُنیا میں بن بیاہی رہ گئی تھیں، اُنہیں بھی نئی اُٹھان دے کر کسی نہ کسی جنتی سے اُن کا نکاح کردیا جائے گا۔ حدیث کی متعدد روایتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے، حوروں کو بھی، اور دُنیا کی نیک خواتین کو بھی (تفصیل کے لئے دیکھئے روح المعانی)۔

(۹) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا کنوارپن کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۱۰) اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی، کیونکہ اپنی ہم عمر کے ساتھ ہی رفاقت کا صحیح لطف حاصل ہوتا ہے، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی۔ بعض احادیث میں ہے کہ جنتیوں کی عمر ۳۳ سال کردی جائے گی جو شباب کی پختگی کا زمانہ ہوتا ہے (ترمذی عن معاذؓ)۔

(۱۱) یعنی اس درجے کے مؤمن پچھلے زمانے کے لوگوں میں سے بھی بہت سے ہوں گے، اور بعد کے زمانوں میں سے بھی بہت سے۔

(۱۲) بڑے بھاری گناہ سے مراد کفر اور شرک ہے۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِــُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور کہا کرتے تھے کہ: ''کیا جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ﴿۴۷﴾ اور کیا ہمارے پہلے گذرے ہوئے باپ دادوں کو بھی؟'' ﴿۴۸﴾ کہہ دو کہ: ''یقیناً سب اگلے اور پچھلے لوگ ﴿۴۹﴾ ایک متعین دن کے طے شدہ وقت پر ضرور اِکٹھے کئے جائیں گے، ﴿۵۰﴾ پھر اَے جھٹلانے والے گمراہو! تم لوگوں کو ﴿۵۱﴾ ایک ایسے درخت میں سے کھانا پڑے گا جس کا نام زقوم ہے، (۱۳) ﴿۵۲﴾ پھر اُسی سے پیٹ بھرنے ہوں گے، ﴿۵۳﴾ پھر اُس کے اُوپر سے کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا، ﴿۵۴﴾ اور پینا بھی اس طرح جیسے پیاس کی بیماری والے اُونٹ پیتے ہیں۔'' (۱۴) ﴿۵۵﴾ یہ ہوگی جزا و سزا کے دن ان لوگوں کی مہمانی! ﴿۵۶﴾ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۵۷﴾ ذرا یہ بتلاؤ کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو، ﴿۵۸﴾ کیا اُسے تم پیدا کرتے ہو، یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ (۱۵) ﴿۵۹﴾

---

(۱۳) دوزخ کے اس درخت کا ذکر پیچھے سورۂ صافات (۳۷:۶۲) اور سورۂ دُخان (۴۴:۴۳) میں گذر چکا ہے۔

(۱۴) اس سے مراد وہ اُونٹ ہیں جو اِستسقاء کی بیماری کی وجہ سے پیتے چلے جائیں، اور ان کی پیاس نہ بجھے۔

(۱۵) اس سے مراد خود نطفے کی تخلیق بھی ہو سکتی ہے کہ اُسے پیدا کرنے میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے، اور اُس

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝٦٠ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِى مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝٦١ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ٱلنَّشْأَةَ ٱلْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ۝٦٢ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝٦٣ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝٦٤

ہم نے ہی تمہارے درمیان موت کے فیصلے کر رکھے ہیں، اور کوئی نہیں ہے جو ہمیں اس بات سے عاجز کرسکے ﴿۶۰﴾ کہ ہم تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ لے آئیں، اور تمہیں پھر سے کسی ایسی حالت میں پیدا کردیں جسے تم نہیں جانتے۔ (۱۶) ﴿۶۱﴾ اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا پورا پتہ ہے، پھر کیوں سبق نہیں لیتے؟ (۱۷) ﴿۶۲﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم زمین میں بوتے ہو، ﴿۶۳﴾ کیا اُسے تم اُگاتے ہو، یا اُگانے والے ہم ہیں؟ (۱۸) ﴿۶۴﴾

نطفے سے جو بچہ پرورش پاتا ہے، اُس کی تخلیق بھی مراد ہوسکتی ہے، کیونکہ نطفے کے اُس قطرے کو کئی مرحلوں سے گذار کر انسان کی شکل دینا، اُس میں جان ڈالنا، اور پھر اُسے دیکھنے، سُننے اور سمجھنے کی طاقت عطا فرمانا سوائے اللہ تعالیٰ کے کس کا کام ہے؟

(۱۶) یہاں بتایا جارہا ہے کہ جس طرح انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اسی طرح اُسے موت دینا بھی اُسی کا کام ہے، اور اُس کے بعد اُس کو کسی بھی ایسی صورت میں دوبارہ پیدا کردینا بھی اُسی کی قدرت میں ہے جس سے اُس کو کوئی عاجز نہیں کرسکتا۔

(۱۷) یعنی کم از کم اتنی بات تو تم بھی جانتے ہو کہ تمہاری پہلی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا دخل نہیں تھا، پھر اُسی کو تنہا معبود ماننے، اور اُس کی دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کی تصدیق کرنے میں کیا رُکاوٹ ہے؟

(۱۸) یعنی تمہارا کام بس اتنا ہی تو ہے کہ تم زمین میں بیج ڈال دو۔ اس بیج کو پروان چڑھا کر کونپل کی شکل دینا، اور اُسے درخت یا کھیتی بنادینا اور اس میں تمہارے فائدے کے پھل یا غلے پیدا کرنا کیا تمہارے اپنے بس میں تھا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو تمہارے ڈالے ہوئے بیج کو یہاں تک پہنچادیتا ہے؟

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ع ۲ / ۱۵

اگر ہم چاہیں تو اُسے چورا چورا کر ڈالیں، جس پر تم بھونچکے رہ جاؤ ﴿۶۵﴾ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ﴿۶۶﴾ بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب! ﴿۶۷﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو، ﴿۶۸﴾ کیا اُسے بادلوں سے تم نے اُتارا ہے، یا اُتارنے والے ہم ہیں؟ ﴿۶۹﴾ اگر ہم چاہیں تو اُسے کڑوا بنا کر رکھ دیں، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿۷۰﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، ﴿۷۱﴾ کیا اُس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے،[19] یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ﴿۷۲﴾ ہم نے ہی اُس کو نصیحت کا سامان اور صحرائی مسافروں کے لئے فائدے کی چیز بنایا ہے۔[20] ﴿۷۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اپنے عظیم پروردگار کا نام لے کر اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۷۴﴾

---

(۱۹) اس سے مراد مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو عرب میں پائے جاتے تھے، اور ان کی ٹہنیوں کو رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی تھی، اور اہلِ عرب اس سے چقماق یا ماچس کا کام لیتے تھے۔ اس کا ذکر سورۂ یٰسٓ (۳۶: ۸۰) میں بھی گذر چکا ہے۔

(۲۰) نصیحت کا سامان اس لئے کہ اوّل تو اس پر غور کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرتا ہے کہ اُس نے کس طرح ایک درخت کو آگ پیدا کرنے کا ذریعہ بنا دیا، اور دُوسرے اس سے دوزخ کی آگ بھی یاد آتی ہے تو اُس سے بچنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اگرچہ یہ درخت سبھی کے لئے آگ جلانے کے کام آتے ہیں، لیکن صحرا میں سفر کرنے والوں کے لئے یہ خاص طور پر بڑی نعمت تھی کہ چلتے چلتے یہ درخت مل جائے، اور مسافر اُس سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ اس لئے مسافروں کا بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

اب میں اُن جگہوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جہاں ستارے گرتے ہیں، (۲۱) ﴿۷۵﴾ اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی زبردست قسم ہے ﴿۷٦﴾ کہ یہ بڑا باوقار قرآن ہے (۲۲) ﴿۷۷﴾ جو ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے) درج ہے، ﴿۷۸﴾ اُس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو خوب پاک ہیں، (۲۳) ﴿۷۹﴾ یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا جارہا ہے۔ ﴿۸۰﴾

کیا پھر بھی تم اس کلام سے بے پروائی برتتے ہو؟ ﴿۸۱﴾ اور تم نے اسی کو اپنا روزگار بنالیا ہے کہ (اس کو) جھٹلاتے رہو؟ ﴿۸۲﴾ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب (کسی کی) جان گلے تک پہنچ جاتی ہے، ﴿۸۳﴾ اور اُس وقت تم (حسرت سے اُس کو) دیکھ رہے ہوتے ہو، ﴿۸۴﴾ اور تم سے زیادہ ہم اُس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا ﴿۸۵﴾ اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو ایسا کیوں نہیں ہوتا ﴿۸٦﴾ کہ تم اُس جان کو واپس لے آؤ، اگر تم سچے ہو؟ (۲۴) ﴿۸۷﴾

---

(۲۱) یہاں سے قرآنِ کریم کی حقانیت اور اُس کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ مکہ مکرمہ کے کافر لوگ بعض اوقات یہ کہا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) دراصل کاہن ہیں، اور یہ قرآن کاہنوں کا کلام ہے۔ کاہنوں کا معاملہ یہ تھا کہ وہ اپنی پیشین گوئیوں میں جنات اور شیطانوں سے مدد لیتے تھے، اور قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر بتلایا ہے کہ شیطانوں کو آسمان کے قریب جا کر وہاں کی باتیں سننے سے روک دیا گیا ہے، اور اگر کوئی شیطان سننے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کو شہابِ ثاقب سے مار بھگایا جاتا ہے

(دیکھئے سورۂ حجر ۱۵: ۱۸ اور سورۂ صافات ۷۳: ۱۰) شہابِ ثاقب کو چونکہ عام بول چال میں تارے ٹوٹنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے قرآنِ کریم نے ستاروں کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو شیاطین سے حفاظت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے سورۂ صافات ۷۳: ۷ اور سورۂ ملک ۶۷: ۵) لہٰذا جب جنات اور شیاطین کی آسمان تک رسائی ہی نہیں ہے تو وہ کبھی ایسا مستحکم اور سچا کلام پیش نہیں کرسکتے جیسا قرآنِ کریم ہے۔ اس مناسبت سے یہاں ستاروں کے گرنے کے مقامات کی قسم کھائی گئی ہے کہ اگر ان کی حقیقت پر غور کرو تو صاف پتہ چل جائے گا کہ قرآنِ کریم ایسا باوقار کلام ہے جو کوئی کاہن بناکر نہیں لاسکتا، کیونکہ یہ ستارے اُسے عالمِ بالا تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔

(۲۲) بیچ میں یہ جملہ معترضہ ہے جس میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھانے کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ ایک تو اس قسم سے یہ جتایا جارہا ہے کہ ستارے گرنے کے یہ مقامات خود بتارہے ہیں کہ کوئی کاہن یہ کلام بناکر نہیں لایا، دوسرے جس طرح ان ستاروں کا نظام انتہائی مستحکم نظام ہے جس میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی نہایت محکم اور ناقابلِ شکست نظام کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(۲۳) راجح تفسیر کے مطابق اس سے مراد فرشتے ہیں، اور کافروں کے اس اِشکال کا جواب دیا جارہا ہے کہ ہم یہ کیسے یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی کمی زیادتی کے بغیر اپنی اصلی صورت میں ہمارے پاس پہنچ رہا ہے، اور کسی شیطان وغیرہ نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قرآنِ کریم لوحِ محفوظ میں درج ہے، اور اُسے پاک فرشتوں کے سوا کوئی اور چھو بھی نہیں سکتا۔ اگرچہ یہاں ''خوب پاک'' سے مراد فرشتے ہیں، لیکن اس میں ایک اِشارہ اس طرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عالمِ بالا میں پاک فرشتے ہی اسے چھوتے ہیں، اسی طرح دُنیا میں بھی انہی لوگوں کو چھونا چاہئے جو پاک حالت میں ہوں۔ چنانچہ احادیث میں قرآنِ کریم کو بغیر وضو کے چھونے کی ممانعت آئی ہے۔

(۲۴) کافر لوگ قرآنِ کریم پر ایمان لانے سے جو اِنکار کرتے تھے، اس کا ایک بڑا حصہ اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۵ میں گذرا ہے۔ اللہ تعالیٰ اب اس طرف توجہ دِلارہے ہیں کہ اتنی بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس دُنیا میں جو کوئی آتا ہے، ایک نہ ایک دن اُسے موت ضرور آتی ہے، اور ایسی حالت میں آتی ہے کہ اُس کے عزیز رشتہ دار، دوست احباب اور اُس کے معالج ہر قسم کے جتن کرگذرتے ہیں کہ کسی طرح وہ موت سے بچ جائے، لیکن موت اس طرح آجاتی ہے کہ وہ سب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مرنے کے بعد دُوسری زندگی میں حساب وکتاب ہونا نہیں ہے تو آخر ہر اِنسان کسی نہ کسی وقت موت کے منہ میں کیوں جارہا ہے، اور تم اُس کو موت سے بچانے میں اتنے بے بس کیوں ہو؟ دُنیا میں

فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۙ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ؕ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ۙ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ۙ ﴿۹۳﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ۚ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾

پھر اگر وہ (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو ﴿۸۸﴾ تو (اُس کے لئے) آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے، اور نعمتوں سے بھرا باغ ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو ﴿۹۰﴾ تو (اُس سے کہا جائے گا کہ:) ''تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے کہ تم دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو۔'' ﴿۹۱﴾ اور اگر وہ اُن گمراہوں میں سے ہو جو حق کو جھٹلانے والے تھے ﴿۹۲﴾ تو (اُس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے، ﴿۹۳﴾ اور دوزخ کا داخلہ ہے! ﴿۹۴﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ بالکل صحیح معنیٰ میں یہی یقینی بات ہے۔ ﴿۹۵﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اپنے عظیم پروردگار کا نام لے کر اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۹۶﴾

موت اور زندگی کا جو یہ نظام کارفرما ہے، وہ بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور زندگی کے مالک نے یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی ہے کہ انسان کو عمر بھر کی مہلت دے کر آخر میں اُس سے حساب لیا جائے کہ اُس نے اس مہلت سے کیا فائدہ اُٹھایا؟

الحمدللہ! آج بتاریخ ۱۲ر ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ر اپریل ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ سورۂ واقعہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے قارئین کے لئے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الحديد

تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتحِ مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی دُشمنی کی کارروائیاں بڑی حد تک دھیمی پڑگئی تھیں، اور جزیرۂ عرب پر مسلمانوں کا تسلط بڑھ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرنے پر زیادہ توجہ دیں جو اُن کے دِین کو مطلوب ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں پر مغفرت مانگیں، نیز انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں، اور آخرت کی بہبود کو دُنیا کے مال و دولت پر ترجیح دیں جس کے نتیجے میں انہیں آخرت میں ایک ایسا نور عطا ہوگا جو انہیں جنت تک لے جائے گا، جبکہ منافق لوگ اس نور سے محروم کردیئے جائیں گے۔ سورت کے آخر میں عیسائیوں کو یاد دِلایا گیا ہے کہ جو رَہبانیت (ترکِ دُنیا) انہوں نے اِختیار کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دُنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ یہ تاکید فرمائی تھی کہ اسی دُنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے اَحکام پر عمل کرو، اور تمام حقوق اُسی کی ہدایت کے مطابق ادا کرو۔ نیز عیسائیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تو اس کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۲۵ میں لوہے کا ذکر آیا ہے، لوہے کو عربی میں ''حدید'' کہتے ہیں، اس لئے سورت کا نام سورۃ الحدید ہے۔

آیاتها ۲۹ ۵۷ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴ رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اُنتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے،[1] اور وہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، وہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ وہی اوّل بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی،[2] اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔ ﴿۳﴾

---

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۴۴)۔

(۲) اللہ تعالیٰ اوّل اس معنی میں ہے کہ اُس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہ آخر اس معنی میں ہے کہ جب اس کائنات کی ہر چیز فنا ہوجائے گی، تو وہ اُس وقت بھی موجود رہے گا۔ وہ ظاہر اس لحاظ سے ہے کہ اُس کے وجود، اُس کی قدرت اور اُس کی حکمت کی نشانیاں اس کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ موجود ہے، اور چھپا ہوا اس معنی میں ہے کہ یہاں دُنیا میں وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر اِستواء فرمایا۔(۳) وہ ہر اُس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اور جو اُس سے نکلتی ہے، اور ہر اُس چیز کو جو آسمان سے اُترتی ہے، اور جو اُس میں چڑھتی ہے، اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس کو دیکھتا ہے۔ ﴿۴﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ﴿۵﴾ وہ رات کو دن میں داخل کردیتا ہے، اور دِن کو رات میں داخل کردیتا ہے،(۴) اور وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۶﴾ اللہ اور اُس کے رسول پر اِیمان رکھو، اور جس (مال) میں اللہ نے تمہیں قائم مقام بنایا ہے،(۵) اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو۔

---

(۳) تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اَعراف (۷:۵۴)، سورۂ یونس (۱۰:۳) اور سورۂ رعد (۱۳:۲) یہی حقیقت قرآنِ کریم نے سورۂ طٰہٰ (۲۰:۵)، سورۂ فرقان (۲۵:۵۹)، سورۂ تنزیل السجدہ (۳۲:۴) اور سورۂ حٰمٓ السجدۃ (۴۱:۱۱) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

(۴) سورۂ آلِ عمران (۳:۲۷) میں اس کی تشریح گذر چکی ہے۔ مزید دیکھئے سورۂ حج (۲۲:۶۱)، سورۂ لقمان (۳۱:۲۹) اور سورۂ فاطر (۳۵:۱۳)۔

(۵) مال و دولت میں انسان کو قائم مقام بنانے سے دو عظیم حقیقتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مال و

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

چنانچہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا ہے، اُن کے لئے بڑا اَجر ہے۔ ﴿۷﴾ اور تمہارے لئے کونسی وجہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہ رکھو، حالانکہ رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان رکھو، اور وہ تم سے عہد لے چکے ہیں، اگر تم واقعی مؤمن ہو۔ (۶) ﴿۸﴾ اللہ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتا ہے، تاکہ تمہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور یقین جانو اللہ تم پر بہت شفیق، بہت مہربان ہے۔ ﴿۹﴾

دولت، خواہ کسی قسم کا ہو، اصل میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، کیونکہ اُسی نے اُس کو پیدا فرمایا ہے، البتہ اُس نے انسان کو اُس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے، اس لئے انسان اُس کی ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا قائم مقام ہے، اور جب وہ قائم مقام ہے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اُسے اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی اور اُس کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔ اور دُوسری حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان جو دولت کماتا ہے، وہ اُس سے پہلے کسی اور کے قبضے میں تھی، اور اَب خریداری، تحفے یا میراث وغیرہ کے ذریعے سے اُس کے پاس آگئی ہے، اس لحاظ سے وہ اپنے سے پچھلے مالک کا قائم مقام یا جانشین ہے۔ اس سے یہ اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح یہ دولت تم سے پہلے مالک کے پاس ہمیشہ نہیں رہی، بلکہ تمہارے پاس منتقل ہوگئی، اسی طرح یہ تمہارے پاس بھی ہمیشہ نہیں رہے گی، بلکہ کسی اور کے پاس چلی جائے گی، اور جب اسے ہمیشہ تمہارے پاس نہیں رہنا، کسی نہ کسی کے پاس جانا ہے تو تمہاری خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کو ان لوگوں کی طرف منتقل کرو جنہیں دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(۶) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب کافروں کو ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خطاب اُن مسلمانوں کو ہے جن کے ایمان میں کسی قدر کمزوری محسوس کی گئی تھی، جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہچکچارہے تھے۔ سیاق وسباق کے لحاظ سے شاید یہ دوسری تفسیر زیادہ راجح ہے۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۚ أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰى ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۱﴾

اورتمہارے لئے کونسی وجہ ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔ تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں۔ وہ درجے میں اُن لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے (فتحِ مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی۔(۷) یوں اللہ نے بھلائی کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔﴿۱۰﴾

کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض!(۸) جس کے نتیجے میں اللہ اُسے دینے والے کے لئے کئی گنا بڑھا دے؟ اور ایسے شخص کو بڑا باعزت اَجر ملے گا﴿۱۱﴾

(۷) فتحِ مکہ (سن ۸ھ) سے پہلے مسلمانوں کی تعداد اور اُن کے وسائل کم تھے، اور دُشمنیاں زیادہ، اس لئے اُس زمانے میں جن حضرات نے جہاد کیا، اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اُن کی قربانیاں زیادہ تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ثواب میں بھی اُن کا زیادہ بڑا درجہ رکھا ہے، اور فتحِ مکہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور وسائل میں بھی اضافہ ہوگیا تھا، اور دُشمنیاں بھی کم ہوگئی تھیں۔ اس لئے جن حضرات نے فتحِ مکہ کے بعد جہاد اور صدقات وخیرات میں حصہ لیا، اُن کو اتنی قربانی دینی نہیں پڑی، اس لئے اُن کا درجہ وہاں تک نہیں پہنچا، لیکن اگلے ہی فقرے میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ بھلائی یعنی جنت کی نعمتیں دونوں ہی کو ملیں گی۔

(۸) اللہ تعالیٰ کو نہ مال کی حاجت ہے، نہ کسی سے قرض لینے کی، وہ ہر حاجت سے بے نیاز ہے، لیکن انسان جو کچھ صدقہ خیرات کرتا ہے، یا جہاد اور دِینی کاموں میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُسے قرض کے لفظ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا صلہ ایسے شخص کو دُنیا اور آخرت میں اس اہتمام سے عطا فرماتا ہے جیسے کوئی قرض دار اپنا قرض واپس کرتا ہے۔ اور اچھے قرض سے مراد یہ ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ صرف

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ

اُس دن جب تم مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا،(۹) (اور اُن سے کہا جائے گا کہ:) ''آج تمہیں خوش خبری ہے اُن باغات کی جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے جو بڑی زبردست کامیابی ہے۔'' ﴿۱۲﴾ اُس دن جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ: ''ذرا ہمارا اِنتظار کرلو کہ تمہارے نور سے ہم بھی کچھ روشنی حاصل کرلیں۔''(۱۰) اُن سے کہا جائے گا کہ: ''تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر نور تلاش کرو۔''(۱۱)

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو، دِکھاوا مقصود نہ ہو۔ سورۂ بقرہ (۲:۲۴۵) اور سورۂ مائدہ (۵:۱۲) میں بھی اچھے قرض کی یہ تعبیر گذر چکی ہے۔

(۹) اس سے مراد غالباً وہ وقت ہے جب تمام لوگ پل صراط سے گذر رہے ہوں گے، وہاں ہر اِنسان کا اِیمان اُس کے سامنے نور بن کر اُسے راستہ دِکھائے گا۔

(۱۰) منافق لوگ چونکہ دُنیا میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اس لئے شروع میں وہ آخرت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ لگ جائیں گے، لیکن جب حقیقی مسلمان تیزی سے آگے نکل جائیں گے تو اُن کے ساتھ وہ نور بھی آگے بڑھ جائے گا، اور منافق لوگ اندھیرے میں پیچھے رہ جائیں گے، اُس وقت وہ اپنے ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا حوالہ دے کر آگے جانے والے مسلمانوں کو آواز دیں گے کہ ذرا ہمارا اِنتظار کرلو، تاکہ تمہارے نور سے ہم بھی فائدہ اُٹھا سکیں۔

(۱۱) یعنی یہ فیصلہ پیچھے ہو رہا ہے کہ کس کو نور ملے، کس کو نہ ملے، اس لئے پیچھے جا کر نور حاصل کرنے کی درخواست کرو۔

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر اُن کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی، اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔'' ﴿۱۳﴾ وہ مؤمنوں کو پکاریں گے کہ: ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟'' مؤمن کہیں گے کہ: ''ہاں! تھے تو سہی، لیکن تم نے خود اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا، اور اِنتظار میں رہے،[۱۲] شک میں پڑے رہے، اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا،[۱۳] یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا، اور وہ بڑا دھوکے باز (یعنی شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا ہی دیتا رہا۔ ﴿۱۴﴾ چنانچہ آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے (کھلے بندوں) کفر اِختیار کیا تھا۔ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہاری رکھوالی ہے، اور یہ بہت بُرا اَنجام ہے۔'' ﴿۱۵﴾ جو لوگ اِیمان لے آئے ہیں، کیا اُن کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ اُن کے دِل اللہ کے ذِکر کے لئے اور جو حق اُترا ہے، اُس کے لئے پسیج جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر ایک لمبی مدت گذر گئی، اور اُن کے دِل سخت ہوگئے، اور (آج) اُن میں سے بہت سے نافرمان ہیں؟ ﴿۱۶﴾

(۱۲) یعنی اس انتظار میں رہے کہ کب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے، اور ہم کھلے بندوں اپنے کفر کا اظہار کریں۔

(۱۳) منافقین اس انتظار اور آرزو میں تھے کہ مسلمانوں کو اُن کے دُشمنوں کے ہاتھوں شکست ہوجائے، اور

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿17﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿18﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿19﴾ ع

ع ۲ ۹ ۱۸

خوب سمجھ لو کہ اللہ زمین کو اُس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔(۱۴) ہم نے تمہارے لئے نشانیاں کھول کھول کر واضح کردی ہیں، تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۷﴾ یقیناً وہ جو صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں ہیں ـــــ اور انہوں نے اللہ کو قرض دیا ہے، اچھا قرض ـــــ اُن کے لئے اُس (صدقے) کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا، اور اُن کے لئے باعزت اجر ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اِیمان لائے ہیں، وہی اپنے رَبّ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔(۱۵) اُن کے لئے اُن کا اَجر اور اُن کا نور ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اَپنالیا، اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ﴿۱۹﴾

(معاذ اللہ) اسلام کا بالکل خاتمہ ہی ہوجائے۔

(۱۴) یعنی جن مسلمانوں سے اب تک کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، اور وہ اپنے اِیمان کے تمام تقاضے پورے نہیں کرسکے، اُنہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ پڑی ہوئی زمین کو زندگی بخشتا ہے، اُسی طرح وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرما کر اُنہیں بھی نئی زندگی بخش دیتا ہے۔

(۱۵) ''صدیق'' کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنے قول و فعل کا سچا ہو، اور یہ انبیائے کرام کے بعد پرہیزگاری کا سب سے اُونچا درجہ ہے، جیسا کہ سورۂ نساء (۴:۷۰) میں گذرا ہے، اور ''شہید'' کے لفظی معنی تو گواہ کے ہیں، اور قیامت میں اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے پرہیزگار اَفراد پچھلے انبیائے کرام (علیہم السلام) کے حق میں گواہی دیں گے، جیسا کہ سورۂ بقرہ (۱۴۳) میں گذرا ہے، نیز شہید اُن حضرات کو بھی کہا جاتا ہے جو

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰

خوب سمجھ لو کہ اس دُنیا والی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمہارے ایک دُوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد میں ایک دُوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کا۔[۱۶] اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش جس سے اُگنے والی چیزیں کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہیں، پھر وہ اپنا زور دِکھاتی ہے، پھر تم اُس کو دیکھتے ہو کہ زرد پڑ گئی ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں (ایک تو) سخت عذاب ہے، اور (دُوسرے) اللہ کی طرف سے بخشش ہے، اور خوشنودی ــــ اور دُنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان کی قربانی پیش کریں۔ یہاں یہ بات منافقوں کے مقابلے میں فرمائی جارہی ہے کہ صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کر کے کوئی شخص صدیق اور شہید کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ وہی لوگ یہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو دِل سے سچا اور پکا اِیمان لائے ہوں، یہاں تک کہ اس اِیمان کے آثار اُن کی عملی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوں۔

(۱۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن دِلچسپیوں کا ذِکر فرمایا ہے جن سے انسان اپنی زندگی کے مختلف مرحلوں میں دِل لگاتا ہے۔ بچپن میں ساری دِلچسپی کھیل کود سے ہوتی ہے، اور جوانی کے دور میں زیب وزینت اور سجاوٹ کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس زیب وزینت اور دُنیا کے ساز وسامان میں ایک دُوسرے کے سامنے اپنی برتری جتانے اور اُس پر فخر کرنے کا ذوق ہوتا ہے۔ پھر بڑھاپے میں مال اور اولاد میں ایک دُوسرے سے بڑھ جانے کو ہی انسان دِلچسپی کا مرکز بنالیتا ہے۔ اور ہر مرحلے میں انسان جس چیز کو اپنی دِلچسپی کی معراج سمجھتا ہے، اگلے مرحلے میں وہ بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے، بلکہ بعض اوقات اِنسان اُس پر ہنستا ہے کہ میں نے کس چیز کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا ہوا تھا۔ آخرت میں پہنچ کر اِنسان کو پتہ چلے گا کہ یہ ساری دِلچسپیاں بے حقیقت تھیں، اور اَصل حاصل کرنے کی چیز تو یہ آخرت کی خوش حالی تھی۔

سَابِقُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿ۚۖ۲۲﴾ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿ۙ۲۳﴾

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے، یہ اُن لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿۲۱﴾ کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہوتی یا تمہاری جانوں کو لاحق ہوتی ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اُس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا۔[۱۷] یقین جانو یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۲۲﴾ یہ اس لئے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اُس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اُس پر تم اِتراؤ نہیں،[۱۸] اور اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اِتراہٹ میں مبتلا ہو، شیخی بگھارنے والا ہو، ﴿۲۳﴾

---

(۱۷) کتاب سے مراد یہاں لوحِ محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔

(۱۸) جس شخص کا اس بات پر ایمان ہو کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اُسی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے جو لوحِ محفوظ میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے، اُسے کسی ناگوار واقعے پر اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو اُسے دائمی پریشانی اور حسرت میں مبتلا رکھے، بلکہ یہ چیز اُس کی تسلی کا باعث ہوتی ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا، وہی ہوا، اور یہ کہ اس دُنیا کی تکلیفیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی خوشی کا واقعہ پیش آتا ہے تو اِنسان اس پر اِترا کر تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تقدیر کے مطابق ہے، اور اس پر اِنسان کو اِترانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ

وہ ایسے لوگ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں، اور دُوسرے لوگوں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں۔[19] اور جو شخص منہ موڑ لے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ﴿۲۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب بھی اُتاری، اور ترازو بھی،[20] تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں جنگی طاقت بھی ہے، اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی،[21] اور یہ اس لئے تاکہ اللہ جان لے کہ کون ہے جو اُس کو دیکھے بغیر اُس (کے دِین) کی اور اُس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔

(۱۹) چونکہ اس سورت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے یہاں فرمایا جارہا ہے کہ جو لوگ تقدیر پر اِیمان نہیں رکھتے، وہ اپنے مال کو تنہا اپنی کوشش کا پھل سمجھ کر شیخی بگھارتے ہیں، اور نیک کاموں کے لئے کچھ خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔

(۲۰) ترازو اصل میں اُس آلے کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز تولی جائے، اُس کو اُتارنے کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترازو پیدا کی ہے، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مطابق انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ اور درحقیقت انبیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ترازو کا ذکر کرنے سے اشارہ یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر توازن اور اِعتدال سے کام لے، اور یہی توازن اور اِعتدال انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے۔

(۲۱) لوہا اُن دھاتوں میں سے ہے جس کی ہر صنعت میں ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اس کی تخلیق بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، لیکن انبیائے کرام، آسمانی کتابوں اور ترازو کے بعد اُس کو ذِکر فرما کر اشارہ یہ دیا گیا ہے کہ انسانوں کی اِصلاح کا اصل ذریعہ انبیائے کرام اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کی تعلیمات ہیں، ان پر ٹھیک

إِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّإِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْإِنْجِیْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ

یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت کا، بڑے اِقتدار کا مالک ہے۔(۲۲) ﴿۲۵﴾

اور ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کیا۔ پھر ان میں سے کچھ تو ہدایت پر آگئے، اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان رہے۔ ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے اُن کے پیچھے اُنہی کے نقشِ قدم پر اپنے اور پیغمبر بھیجے، اور اُن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اور اُنہیں انجیل عطا کی، اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی، اُن کے دِلوں میں ہم نے شفقت اور رحم دِلی پیدا کردی۔(۲۳)

ٹھیک عمل ہوجائے تو دُنیا میں انصاف قائم ہوسکتا ہے، لیکن شر کی بہت سی طاقتیں ایسی ہیں جو ان تعلیمات سے سدھرنے کے بجائے بگڑی ہی رہتی ہیں، اور اِنصاف قائم کرنے کے بجائے فساد پھیلاتی ہیں، اُن کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہا اتارا ہے جس سے جنگی طاقت کا سامان تیار ہوتا ہے، اور آخر میں جہاد کے لئے اُسے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

(۲۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی طاقت اور اس کا اِقتدار اتنا بڑا ہے کہ اُسے شر کی طاقتوں کو کچلنے کے لئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اُس نے انسانوں کو جہاد کا مکلّف اس لئے فرمایا ہے تاکہ اُن کی آزمائش ہو، اور یہ بات نکھر کر سامنے آجائے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے دِین کی نصرت میں جان کی بازی لگاتا ہے، اور کون ہے جو سرکشی اختیار کرتا ہے۔

(۲۳) یوں تو شفقت اور رحم دِلی سارے ہی انبیائے کرام کی تعلیمات میں شامل رہی ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا، اور بظاہر اُن کی شریعت میں جہاد اور قتال کے اَحکام بھی نہیں تھے، اس لئے اُن کے متبعین میں شفقت و رحمت ہی کا پہلو بہت نمایاں تھا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور جہاں تک رَہبانیت کا تعلق ہے، وہ انہوں نے خود اِیجاد کرلی تھی، ہم نے اُس کو ان کے ذمے واجب نہیں کیا تھا، (۲۴) لیکن انہوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی، پھراُس کی ویسی رعایت نہ کرسکے جیسے اُس کا حق تھا۔ (۲۵) غرض اُن میں سے جو اِیمان لائے تھے، اُن کو ہم نے اُن کا اَجر دیا، اور ان میں سے بہت لوگ نافرمان ہی رہے۔ ﴿۲۷﴾ اے اِیمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اُس کے پیغمبر پر اِیمان لاؤ، تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے، (۲۶) اور تمہارے لئے وہ نور پیدا کرے جس کے ذریعے تم چل سکو، (۲۷) اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے، ﴿۲۸﴾ تاکہ اہلِ کتاب کو معلوم ہوجائے کہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر اُنہیں کوئی اِختیار نہیں ہے، (۲۸) اور یہ کہ فضل تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۲۴) رَہبانیت کا مطلب ہے دُنیا کی لذتوں سے الگ رہنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے کافی عرصے بعد عیسائیوں نے ایک خانقاہی نظام ایسا بنایا تھا کہ جو لوگ اس میں داخل ہوجاتے، وہ دُنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے، نہ شادی کرتے تھے، نہ دُنیا کی کسی لذت میں حصہ لیتے تھے، ان کے اس خانقاہی نظام

کو "رَہبانیت" کہا جاتا ہے۔ اس کی اِبتدا اس طرح ہوئی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکاروں پر مختلف بادشاہوں نے بڑے ظلم ڈھائے تو اُنہوں نے اپنے دِین کو بچانے کے لئے شہروں سے دُور رہنا شروع کردیا جہاں دُنیا کی عام سہولیات میسر نہیں تھیں، اور رفتہ رفتہ اسی مشکل طرزِ زندگی کو بذاتِ خود عبادت سمجھ لیا، اور بعد کے لوگوں نے وسائل دستیاب ہونے کے باوجود اُن کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس مشکل طرزِ زندگی کا ہم نے اُنہیں حکم نہیں دیا تھا۔

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ شروع میں انہوں نے رَہبانیت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہی اپنایا تھا، لیکن بعد میں وہ اُس کی پوری رعایت نہیں رکھ سکے۔ رعایت نہ رکھنے کے دو پہلو ہیں، ایک یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر لازم نہیں کیا تھا، انہوں نے اُسے لازم سمجھ لیا، حالانکہ دِین میں اپنی طرف سے کسی ایسی بات کو لازم سمجھنا جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے لازم نہ فرمائی ہو، اور دُوسرے یہ کہ جو باتیں انہوں نے اپنے ذمے لازم کی تھیں، اُن کی عملی طور پر پابندی نہ کرسکے۔ چونکہ یہ پابندیاں انسانی فطرت کے خلاف تھیں، اس لئے رفتہ رفتہ بشری تقاضوں نے زور دِکھایا، اور مختلف حیلوں بہانوں سے یا خفیہ طور پر ان لذتوں کا حصول شروع ہوگیا۔ پابندی تو نکاح پر بھی تھی، لیکن اِس پابندی کے نتیجے میں بدکاری کی وبائیں پھوٹ پڑیں، اور جس مقصد سے رَہبانیت شروع کی گئی تھی، وہ سراسر ناکام ہوکر رہ گیا۔

(۲۶) یہ ان اہلِ کتاب کا ذکر ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لے آئے تھے۔ اُن کے بارے میں سورۂ قصص (۲۸: ۵۴) میں بھی یہ گذرا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ دُوہرا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر بھی اِیمان رکھا، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اِیمان لائے۔

(۲۷) اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ نور جہاں بھی تم جاؤ گے، تمہارے ساتھ رہے گا، اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ پل صراط پر وہ تمہارے لئے روشنی پیدا کرے گا جس میں تم چل سکو گے۔

(۲۸) اس فقرے میں اہلِ کتاب کا تذکرہ فرماتے ہوئے دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو یہودی یا عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان نہیں لائے تھے، ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو صرف اس حسد کے مارے اِیمان سے محروم رہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بنو اِسرائیل کے بجائے بنو اِسماعیل میں کیوں بھیج دیئے گئے۔ ان سے کہا جارہا ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، یہ تمہارے اختیار کا معاملہ نہیں ہے کہ جس کو تم چاہو، اُسی کو دیا جائے۔ دُوسری حقیقت یہ ہے کہ عیسائیوں میں ایک زمانے میں یہ طریقہ عام ہوگیا تھا کہ عیسائی پادری پیسے لے کر لوگوں کے لئے مغفرت نامے

جاری کردیتے تھے، وہ مغفرت نامہ مرنے والے کے ساتھ ہی دفن کیا جاتا، اور یہ سمجھا جاتا کہ مغفرت کے اس پروانے سے مُردے کی بخشش ہوجائے گی۔ آیتِ کریمہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی بندے کے اِختیار میں نہیں ہوتا، یہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے اِختیار میں ہے کہ وہ کس کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

الحمدللہ! سورۂ حدید کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی آج بروز شنبہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۳ مئی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ المُجَادلة

تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر چار اہم موضوعات کا بیان ہے۔ پہلا موضوع ''ظہار'' ہے۔ اہلِ عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا تھا کہ ''اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ'' یعنی تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کہنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ سورت کی اِبتدا میں اسی کے اَحکام کا بیان ہے جس کی تفصیل اِن شاء اللہ ان آیتوں کے حواشی میں آنے والی ہے۔ دُوسرا موضوع یہ ہے کہ بعض یہودی اور منافقین آپس میں اس طرح سرگوشیاں کیا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، نیز بعض صحابہ کرامؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں کوئی مشورہ یا کوئی اور بات کرنا چاہتے تھے۔ اس سورت میں ان خفیہ باتوں کے اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ تیسرا موضوع اُن آداب کا بیان ہے جو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی مجلسوں میں ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ چوتھا اور آخری موضوع اُن منافقوں کا تذکرہ ہے جو ظاہر میں تو اِیمان کا اور مسلمانوں سے دوستی کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے، اور درپردہ وہ مسلمانوں کے دُشمنوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔

سورت کا نام ''مجادلہ'' (یعنی بحث کرنا) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس میں ایک خاتون کے بحث کرنے کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ خاتون کا یہ واقعہ نیچے حاشیہ نمبر ۱ میں آرہا ہے۔

آیاتها ۲۲ ۵۸ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللهِ ۖ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بائیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی ہے جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کرتی جاتی ہے۔[1] اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔ ﴿۱﴾

---

(۱) اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت خولہؓ ایک خاتون تھیں جو حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جو بوڑھے ہو چکے تھے، اور ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو یہ کہہ دیا کہ: ''تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو'' (یعنی میں نے تم کو اپنے اُوپر ماں کی پشت کی طرح حرام کر لیا ہے)۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ جملہ کہہ دے تو اسی کو ''ظہار'' کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے ظہار کے نتیجے میں میاں بیوی ہمیشہ کے لئے جدا ہو جایا کرتے تھے، اور پھر ان کے ملاپ کا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ اگرچہ حضرت اوس بن صامتؓ یہ جملہ جذبات میں آکر کہہ تو گئے تھے، لیکن بعد میں شرمندہ ہوئے تو یہ خاتون پریشان ہو کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور آپ سے پوچھا کہ اس صورتِ حال کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ابھی میرے پاس کوئی حکم نہیں آیا، اور یہ شبہہ ظاہر فرمایا کہ شاید تم اپنے شوہر کے لئے حرام ہو چکی ہو۔ اس پر خاتون نے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ: ''میرے شوہر نے مجھ سے طلاق کا کوئی لفظ تو نہیں کہا'' اُن کے اسی بار بار کہنے کو آیت میں بحث کرنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کر دی کہ: ''یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو ضائع ہو جائیں گے۔''

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۳

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (ان کے اس عمل سے) وہ بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں جو بہت بُری ہے، اور جھوٹ ہے،(۲) اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ کہا ہے، اُس سے رُجوع کرتے ہیں، تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔(۳) یہ ہے وہ بات جس کی تمہیں نصیحت کی جارہی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳﴾

پھر آسمان کی طرف سر اُٹھا کر بار بار کہتی ہی رہیں کہ: ''یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں۔'' ابھی وہ یہ فریاد کر ہی رہی تھیں کہ یہ آیات نازل ہوگئیں جن میں ظہار کا حکم اور اُس سے رُجوع کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔ (خلاصہ از تفسیر ابنِ کثیر)۔

(۲) یعنی ایسا کہنا گناہ ہے، لیکن اگلے ہی جملے میں اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ اگر کوئی اس گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمادیں گے۔

(۳) یہاں سے ظہار کا حکم بیان فرمایا جارہا ہے، اور وہ یہ کہ ظہار کے بعد میاں بیوی کے لئے اپنے مخصوص تعلقات، یعنی جماع، بوس وکنار وغیرہ جائز نہیں رہتے، البتہ ظہار سے رُجوع ہوسکتا ہے، جس کے بعد میاں بیوی والے تعلقات بحال ہوجاتے ہیں، لیکن اس کے لئے کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ان آیتوں میں کفارہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے لئے ایک غلام کو آزاد کرنا ممکن ہو تو اُس کے ذمے واجب ہے کہ وہ غلام آزاد

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ۧ

ع

پھر جس شخص کو غلام میسر نہ ہو، اُس کے ذمے دو متواتر مہینوں کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جس کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو، اُس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لئے تا کہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر اِیمان لاؤ۔ اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۴﴾

یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ایسے ہی ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے تھے، اور ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کردی ہیں، اور کافروں کے لئے ایسا عذاب ہے جو خوار کر کے رکھ دے گا، ﴿۵﴾ اُس دن جب اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ اللہ نے اُسے گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے، اور یہ اُسے بھول گئے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ ﴿۶﴾

کرنے کی صورت میں کفارہ ادا کرے، لیکن اگر کسی کو غلام کی قدرت نہ ہو، (جیسے کہ آج کل غلاموں کا وجود ہی نہیں رہا) تو اُس کو دو مہینے متواتر روزے رکھنے ہوں گے، اور اگر کوئی شخص بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے روزے بھی نہ رکھ سکے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال ہو جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۖ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ اُسے جانتا ہے؟ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔[۴] پھر وہ قیامت کے دن اُنہیں بتائے گا کہ اُنہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ﴿۷﴾ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی کرنے سے منع کردیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے اُنہیں منع کیا گیا تھا؟ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہوتی ہیں۔

(۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے یہودیوں سے امن وامان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا۔ دوسری طرف یہودیوں کو مسلمانوں سے جو دِلی بغض تھا، اُس کی بنا پر وہ مختلف ایسی شرارتیں کرتے رہتے تھے جو مسلمانوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوں، چنانچہ ایک شرارت یہ تھی کہ بعض اوقات جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو آپس میں اس طرح کانا پھوسی اور ایسے اشارے شروع کردیتے تھے جیسے وہ ان کے خلاف کوئی سازش کررہے ہوں۔ بعض منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، اس لئے اُنہیں اس طرح کی سرگوشیاں کرنے سے منع کردیا گیا تھا، اس کے باوجود وہ اس سے باز نہیں آئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

اور (اے پیغمبر!) جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں ایسے طریقے سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے تمہیں سلام نہیں کیا،(۵) اور اپنے دِلوں میں کہتے ہیں کہ: ''ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اُس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دے دیتا؟''(۶) ـــــ جہنم ہی ان (کی خبر لینے) کے لئے کافی ہے، وہ اسی میں جا پہنچیں گے، اور وہ پہنچنے کی بہت بُری جگہ ہے۔ ﴿۸﴾ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرو تو ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہو، ہاں ایسی سرگوشی کرو جو نیک کاموں اور تقویٰ پر مشتمل ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۹﴾ ایسی سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کو غم میں مبتلا کرے، اور وہ اللہ کے حکم کے بغیر انہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

---

(۵) یہودیوں کی ایک اور شرارت یہ تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو "السّلام علیکم" کہنے کے بجائے "السّام علیکم" کہتے تھے۔ السّلامِ علیکم کے معنی ہیں: ''تم پر سلامتی ہو'' اور السّام علیکم کے معنی ہیں کہ ''تم پر ہلاکت ہو'' چونکہ دونوں لفظوں میں صرف ایک لام کا فرق ہے، اس لئے بولتے وقت سننے والے خیال بھی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ لوگ اس طرح اپنے بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی شرارت کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) اپنی مذکورہ بالا شرارتوں کے بعد وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر سزا کیوں نہیں دیتا، اور چونکہ ہم پر کوئی سزا مسلط نہیں ہو رہی، اس لئے ثابت ہوا کہ ہم برحق ہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں دوسروں کے لئے گنجائش پیدا کرو، تو گنجائش پیدا کردیا کرو،(۷) اللہ تمہارے لئے وسعت پیدا کرے گا، اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ، تو اُٹھ جاؤ، تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

---

(۷) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی کے ساتھ اس چبوترے پر تشریف فرما تھے جسے صفہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے اِردگرد بہت سے صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں کچھ ایسے بزرگ صحابہ آئے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، اور ان کا درجہ اُونچا سمجھا جاتا تھا۔ ان کو مجلس میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو وہ کھڑے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ ذرا سمٹ سمٹ کر آنے والوں کے لئے جگہ پیدا کریں، اس کے باوجود اُن کے لئے جگہ کافی نہ ہوئی تو آپ نے بعض شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ اُٹھ جائیں، اور آنے والوں کے لئے جگہ خالی کردیں۔ اس پر کچھ منافقین نے بُرا منایا کہ لوگوں کو مجلس سے اُٹھایا جارہا ہے۔ عام طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا، لیکن شاید کچھ منافقین نے آنے والوں کو جگہ دینے میں تردّد کیا ہو، اس لئے آپ نے انہیں اُٹھادیا ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک تو مجلس کا عام حکم بیان فرمایا گیا کہ آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہئے، اور دُوسرے یہ حکم بھی واضح کردیا گیا کہ اگر مجلس کا سربراہ کسی وقت محسوس کرے کہ آنے والوں کے لئے جگہ خالی کرنی چاہئے تو وہ مجلس میں پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ اُٹھ کر نئے آنے والوں کو بیٹھنے کی جگہ دیں۔ البتہ کوئی نیا آنے والا خود کسی کو اُٹھنے پر مجبور نہیں کرسکتا، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم مذکور ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ ءَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ ع

اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو۔(۸) یہ طریقہ تمہارے حق میں بہتر اور زیادہ ستھرا طریقہ ہے۔ ہاں اگر تمہارے پاس (صدقہ کرنے کے لئے) کچھ نہ ہو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔﴿۱۲﴾ کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی تنہائی کی بات سے پہلے صدقات دیا کرو؟ اب جبکہ تم ایسا نہیں کر سکے، اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرتے رہو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو۔(۹) اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔﴿۱۳﴾

(۸) جو لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں بات کرنے کا وقت مانگتے تھے، بعض اوقات وہ غیر ضروری طور پر آپ کا زیادہ وقت لے لیتے تھے، چونکہ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرتا تو خود سے اُس کی بات نہیں کاٹتے تھے، اس لئے بعض لوگ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے جن میں کچھ منافقین بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس آیت نے یہ حکم دیا تھا کہ جو کوئی شخص آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہے، وہ پہلے کچھ غریبوں کو صدقہ خیرات کر کے آئے۔ البتہ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا تھا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کی اِستطاعت نہ ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ صدقے کی کوئی مقدار متعین نہیں فرمائی گئی تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ تنہائی کا وقت لیا تو ایک دِینار صدقہ کیا تھا۔ اس کی ایک مصلحت یہ تھی کہ وہی لوگ تنہائی میں آپ کا وقت لیں جنہیں واقعی ضرورت ہو۔ اگلی آیت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ اگلے حاشیہ میں آ رہا ہے۔

(۹) صدقہ کرنے کا جو حکم پچھلی آیت میں دیا گیا تھا، اس آیت نے اُس کو منسوخ کر دیا، کیونکہ جس مقصد سے وہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَ يَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

کیا تم نے اُن کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایسے لوگوں کو دوست بنایا ہوا ہے جن پر اللہ کا غضب ہے؟ (۱۰) یہ نہ تو تمہارے ہیں، اور نہ اُن کے، اور یہ جانتے بوجھتے جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت بُرے ہیں وہ کام جو یہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنالیا ہے، (۱۱) پھر وہ دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے رہے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ایسا عذاب ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۶﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ یہ دوزخ والے لوگ ہیں۔ یہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۱۷﴾

حکم دیا گیا تھا، وہ پورا ہو چکا تھا، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت لینے سے احتیاط کرنے لگے تھے، اور منافقین کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ اب بھی پہلے جیسا طرزِ عمل جاری رکھیں گے تو ان کا راز کھل جائے گا۔ چنانچہ اس آیت نے فرمایا کہ اب صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اپنے دوسرے دِینی فرائض مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتے رہو۔

(۱۰) اس سے مراد منافقین ہیں جنہوں نے یہودیوں سے ایسی دوستی گانٹھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔

(۱۱) یعنی جس طرح ڈھال سے تلوار کے وار کو روکا جاتا ہے، یہ لوگ سازشیں کرنے کے باوجود قسمیں کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دِلاتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کسی جوابی کارروائی سے بچ سکیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ

جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو اُس کے سامنے بھی یہ اُسی طرح قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں، اور یہ سمجھیں گے کہ انہیں کوئی سہارا مل گیا ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ ان پر شیطان نے پوری طرح قبضہ جما کر انہیں اللہ کی یاد سے غافل کردیا ہے۔ یہ شیطان کا گروہ ہے۔ یاد رکھو شیطان کا گروہ ہی نامراد ہونے والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اِقتدار والا ہے۔ ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر اِیمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ اُن سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے خاندان والے۔(۱۲)

---

(۱۲) سورۂ آل عمران (۲۸:۳) کے حاشیہ میں تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ غیر مسلموں سے کس قسم کی دوستی جائز اور کس قسم کی ناجائز ہے۔

أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دِلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی رُوح سے اُن کی مدد کی ہے، اور اُنہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوگیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ ﴿۲۲﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰ رمئی ۲۰۰۸ء کو بروز ہفتہ سورۂ مجادلہ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی ٹوکیو سے کچھ فاصلے پر جاپان کے شہر ابینا میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الحشر

تعارف

یہ سورت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ آپس میں امن وامان سے رہیں گے، اور مدینہ منورہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مل کر اُس کا دِفاع کریں گے۔ یہودیوں نے اس معاہدے کو قبول تو کرلیا تھا، لیکن اُن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دِلی بغض تھا، اس لئے وہ خفیہ طور پر آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، چنانچہ اُنہوں نے در پردہ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھے، اور اُن کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتے رہتے تھے، اور اُن سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اگر تم مسلمانوں پر حملہ کروگے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنونضیر کہلاتا تھا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے معاہدے کی کچھ شرائط پر عمل کرانے کے لئے اُن کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ سازش کی کہ جب آپ بات چیت کرنے کے لئے بیٹھیں تو ایک شخص اُوپر سے آپ پر ایک چٹان گرادے جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو ان کی اس سازش سے باخبر فرمادیا، اور آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ اس واقعے کے بعد آپ نے بنونضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اب آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ ختم ہوگیا ہے، اور ہم آپ کے لئے ایک مدت مقرر کرتے ہیں کہ اس مدت کے اندر اندر آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں، ورنہ مسلمان آپ پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ کچھ منافقین نے

بنونضیر کو جا کر یقین دِلایا کہ آپ لوگ ڈٹے رہیں، اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ بنونضیر مقررہ مدت میں مدینہ منورہ سے نہیں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت گذرنے کے بعد اُن کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، اور منافقین نے اُن کی کوئی مدد نہیں کی۔ آخر کار اُن لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا، البتہ یہ اجازت دی کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنا سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ یہ سورت اس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی، اور اس میں اس واقعے پر تبصرہ بھی فرمایا گیا ہے، اور اس سے متعلق بہت سی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ ''حشر'' کے لفظی معنی ہیں: ''جمع کرنا''۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۲ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی تشریح آیت نمبر ۲ کے حاشیہ میں آرہی ہے، اس لئے اس سورت کا نام ''سورۂ حشر'' ہے، اور بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ وہ اسے سورۂ بنی نضیر بھی کہا کرتے تھے۔

آیاتھا ۲۴ ۵۹ سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چوبیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اُس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے کافر لوگوں کو اُن کے گھروں سے پہلے اجتماع کے موقع پر نکال دیا۔ (۱) (مسلمانو!) تمہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُن کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے۔ پھر اللہ اُن کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں اُن کا گمان بھی نہیں تھا،

(۱) ''پہلے اجتماع'' کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اس سے مسلمانوں کا لشکر مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن سے جنگ کرنی نہیں پڑی، بلکہ پہلے اجتماع ہی پر وہ قابو میں آ گئے۔ لیکن بیشتر مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد جلاوطنی کے لئے بنونضیر کے یہودیوں کا اِجتماع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ ان یہودیوں کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ جلاوطنی کے لئے جمع ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے کبھی ان کو ایسے اجتماع کا موقع پیش نہیں آیا تھا۔ اور اس لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ بنونضیر کی پہلی جلاوطنی تھی، اس کے بعد ان کو ایک اور جلاوطنی سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کو دوبارہ خیبر سے جلاوطن فرمایا۔

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٢﴾ وَلَوْلَا أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥﴾

اور اللہ نے اُن کے دِلوں میں رُعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے۔[(۲)] لہٰذا اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرلو۔ ﴿۲﴾ اور اگر اللہ نے اُن کی قسمت میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دُنیا ہی میں اُن کو عذاب دے دیتا،[(۳)] البتہ آخرت میں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ ﴿۳﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے دُشمنی ٹھانی، اور جو شخص اللہ سے دُشمنی کرتا ہے، تو اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔ ﴿۴﴾ تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے، یا اُنہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا،[(۴)] اور اس لئے تھا تاکہ اللہ نافرمانوں کو رُسوا کرے۔ ﴿۵﴾

---

(۲) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اِجازت دی تھی کہ جتنا مال وہ اپنے ساتھ لے جاسکیں، ساتھ لے جائیں، اس لئے ان لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے تک اکھاڑ لئے تھے۔

(۳) یعنی انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کروا دیتا۔

(۴) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے قلعے کا محاصرہ فرمایا تو آس پاس کے کچھ کھجور کے درخت کاٹنے پڑے تھے، اس پر کچھ لوگوں نے اِعتراض کیا تھا کہ پھل دار درخت کاٹنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے جواب میں اس آیت نے فرمایا کہ جو درخت کاٹے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹے گئے ہیں، اور جنگی حکمتِ عملی کے طور پر اگر کسی برحق جہاد میں ایسا کرنا پڑ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور اللہ نے اپنے رسول کو اُن کا جو مال بھی فیئ کے طور پر دِلوایا، اُس کے لئے تم نے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے، نہ اُونٹ، لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے، تسلط عطا فرما دیتا ہے۔(۵) اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۶﴾

اللہ اپنے رسول کو (دُوسری) بستیوں سے جو مال بھی فیئ کے طور پر دِلوادے، تو وہ اللہ کا حق ہے، اور اُس کے رسول کا، اور قرابت داروں کا، اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا، تاکہ وہ مال صرف اُنہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں دولت مند لوگ ہیں۔ اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اُس سے رُک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ﴿۷﴾

(۵) ''فیئ'' اُس مال کو کہتے ہیں جو کوئی دُشمن ایسی حالت میں چھوڑ جائے کہ مسلمانوں کو اُس سے باقاعدہ لڑائی کرنی نہ پڑی ہو۔ بنو نضیر کے یہودیوں کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال و دولت ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی، اس لئے وہ جو کچھ ساتھ لے جاسکتے تھے، لے گئے، لیکن ان کی جو زمینیں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے، اس لئے وہ چھوڑ کر گئے۔ یہ زمینیں مالِ فیئ کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی یہ نعمت یاد دِلا رہے ہیں کہ یہ مالِ فیئ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح عطا فرمادیا کہ مسلمانوں کو باقاعدہ لڑائی کی محنت بھی اُٹھانی نہیں پڑی۔ آیت میں گھوڑوں اور اُونٹوں کو دوڑانے سے مراد لڑائی کی کارروائی ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مالِ فیئ کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ اُسے کن کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

(نیز یہ مالِ فیئ) اُن حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جنہیں اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے بے دخل کیا گیا ہے۔[۶] وہ اللہ کی طرف سے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں۔ ﴿۸﴾ (اور یہ مالِ فیئ) اُن لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں،[۷] جو کوئی ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، یہ اُس سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ اُن (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے، یہ اپنے سینوں میں اُس کی کوئی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے، اور اُن کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے اُن پر تنگ دستی کی حالت گذر رہی ہو۔[۸] اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں، وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۹﴾

(۶) یعنی وہ صحابہ جنہیں کافروں نے مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اور وہ اپنے گھروں اور جائیدادوں سے محروم ہو گئے۔

(۷) اس سے مراد وہ انصاری صحابہ ہیں جو مدینہ منورہ کے اصل باشندے تھے، اور انہوں نے مہاجرین کی مدد کی۔

(۸) اگرچہ سارے ہی انصار کی یہی کیفیت تھی کہ وہ ایثار سے کام لیتے تھے، لیکن روایات میں ایک صحابی (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) کا خاص طور پر ذکر آیا ہے جن کے گھر میں کھانا بہت تھوڑا سا تھا، پھر بھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ کچھ مہمانوں کو اپنے گھر لے جائیں، اور انہیں کھانا کھلائیں تو یہ کچھ مہمان اپنے ساتھ لے گئے، اور ان کی تواضع اس طرح کی کہ خود کچھ نہیں کھایا، اور چراغ بجھا کر مہمانوں کو بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کچھ نہیں کھا رہے ہے۔ اس آیت میں اُن کے ایثار کی بھی تعریف فرمائی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠ ع

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١١

اور (یہ مالِ فیئ) اُن لوگوں کا بھی حق ہے جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئے،(9) وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمایئے، اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے اِیمان لاچکے ہیں، اور ہمارے دِلوں میں اِیمان لانے والوں کے لئے کوئی بغض نہ رکھئے۔ اے ہمارے پروردگار! آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔'' ﴿۱۰﴾

کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جنھوں نے منافقت سے کام لیا ہے کہ وہ اپنے اُن بھائیوں سے جو کافر اہلِ کتاب میں سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ: ''اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور تمہارے بارے میں کبھی کسی اور کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔'' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۱﴾

---

(۹) اس سے ایک تو وہ حضرات مراد ہیں جو مذکور صحابہؓ کے بعد پیدا ہوئے، یا مسلمان ہوئے، ان کو بھی اس مالِ فیئ سے حصہ دیا جائے گا، دُوسرے اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مالِ فیئ کا جو حصہ بیت المال میں محفوظ رہے گا، وہ آنے والے مسلمانوں کی ضروریات میں استعمال ہوگا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی بنا پر عراق کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے اُن پر خراج عائد کردیا تھا، تاکہ وہ بیت المال میں جاکر تمام آنے والوں کے کام آئے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لئے اہلِ علم ''معارف القرآن'' اور بندے کی کتاب ''ملکیتِ زمین کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٢﴾ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾

یہ پکی بات ہے کہ اگر ان (اہلِ کتاب) کو نکالا گیا تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے،(۱۰) اور اگر اُن سے جنگ کی گئی تو یہ اُن کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر بالفرض اُن کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ ﴿۱۲﴾ (مسلمانو!) حقیقت یہ ہے کہ ان کے دِلوں میں تمہاری دہشت اللہ سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں سمجھ نہیں ہے۔ ﴿۱۳﴾ یہ سب لوگ اکٹھے ہوکر بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے، مگر ایسی بستیوں میں جو قلعوں میں محفوظ ہوں، یا پھر دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔ ان کی آپس کی مخالفتیں بہت سخت ہیں۔ تم انہیں اِکٹھا سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دِل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عقل نہیں ہے۔ ﴿۱۴﴾ ان کی حالت ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کرتوت کا مزہ چکھ چکے ہیں(۱۱) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۵﴾

---

(۱۰) یعنی جب یہ منافقین یہودیوں کو یقین دِلا رہے تھے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، اُس وقت بھی ان کے دِل میں اِرادہ نہیں تھا، اور آئندہ بھی اگر کوئی ایسا موقع آئے تو یہ لوگ اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ جنگ میں کسی کی مدد کریں۔

(۱۱) اس سے مراد ایک اور قبیلے بنوقینقاع کے یہودی ہیں۔ انہوں نے بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امن اور باہمی تعاون کا معاہدہ کیا تھا، لیکن پھر خود ہی آپ سے جنگ ٹھان لی جس کے نتیجے میں انہوں نے شکست بھی کھائی، اور ان کو بھی مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾

ان کی مثال شیطان کی سی ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ: ''کافر ہو جا'' پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ: ''میں تجھ سے بَری ہوں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔''(۱۲) ﴿۱۶﴾ چنانچہ ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی ظلم کرنے والوں کی سزا ہے۔ ﴿۱۷﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور تم اُن جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے، تو اللہ نے اُنہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔(۱۳) وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ ﴿۱۹﴾

---

(۱۲) شیطان کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ شروع میں تو اِنسان کو کفر اور گناہوں پر اُکساتا ہے، لیکن جب اُس کے نتیجے میں اُس کی بات ماننے والوں کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو وہ اُن سے بے تعلقی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ایک واقعہ غزوۂ بدر کے سلسلے میں سورۂ انفال (۸:۴۸) میں گذر چکا ہے۔ اور آخرت میں تو وہ کافروں کی ذمہ داری لینے سے صاف مکر ہی جائے گا، جس کی تفصیل سورۂ اِبراہیم (۱۴:۲۲) میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ منافق لوگ شروع میں تو یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتے رہے، لیکن جب وقت آیا تو مدد کرنے سے صاف مکر گئے۔

(۱۳) یعنی وہ اس بات سے غافل اور بے پروا ہو گئے کہ خود اُن کی جانوں کے لئے کونسی بات فائدے کی اور کونسی نقصان کی ہے، اور غفلت کے عالم میں وہی کام کرتے رہے جو انہیں تباہی کی طرف لے جانے والے تھے۔

لَا يَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳

جنت والے اور دوزخ والے برابر نہیں ہوسکتے۔ جنت والے ہی وہ ہیں جو کامیاب ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارا ہوتا تو تم اُسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رُعب سے جھکا جارہا ہے، اور پھٹا پڑتا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔ ﴿۲۱﴾ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو بادشاہ ہے، تقدس کا مالک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن بخشنے والا ہے، سب کا نگہبان ہے، بڑے اِقتدار والا ہے، ہر خرابی کی اِصلاح کرنے والا ہے، بڑائی کا مالک ہے۔ پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ وہ اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے،(۱۴) اُسی کے سب سے اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، وہ اُس کی تسبیح کرتی ہیں، اور وہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۲۴﴾

(۱۴) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے کئی اسمائے حسنیٰ ذِکر فرمائے گئے ہیں، یہاں اُن کا ترجمہ دیا گیا ہے،

لیکن اصل نام یہ ہیں: الرَّحْمٰنُ ، الرَّحِیْمُ ، الْمَلِكُ ، الْقُدُّوْسُ ، السَّلٰمُ ، الْمُؤْمِنُ ، الْمُهَيْمِنُ ، الْعَزِيْزُ ، الْجَبَّارُ ، الْمُتَكَبِّرُ ، الْخَالِقُ ، الْبَارِئُ ، الْمُصَوِّرُ۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کل ننانوے نام بیان فرمائے ہیں جنہیں ''اسمائے حسنیٰ'' کہا جاتا ہے۔ وللہ الحمد اوّلاً و آخراً۔

الحمد للہ! سورۂ حشر کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بتاریخ ۸؍ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵؍ مئی ۲۰۰۸ء کو جاپان کے شہر کوبے سے کویوہاما جاتے ہوئے ریل میں تکمیل کو پہنچے، اور اس سورت کا تمام تر کام جاپان کے سفر میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے مفید بنادیں، اور باقی سورتوں کے کام کو بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المُمتَحَنَة

تعارف

یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتحِ مکہ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی ہے، ان دونوں واقعات کی تفصیل پیچھے سورۂ فتح کے تعارف میں گزر چکی ہے۔ اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں، ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں جو بات طے ہوئی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اُسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، اس کا اطلاق مسلمان ہوکر آنے والی عورتوں پر نہیں ہوگا، اور اگر کوئی عورت مسلمان ہوکر آئے گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہوکر آئی ہے، یا آنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ اگر اس جائزے سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ واقعی مسلمان ہوکر آئی ہے تو پھر اُسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ شادی شدہ ہو، اور اُس کا شوہر مکہ مکرمہ میں رہ گیا ہو اُس کے نکاح اور مہر وغیرہ سے متعلق کیا اَحکام ہوں گے؟ وہ بھی اس سورت میں بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن مسلمانوں کے نکاح میں ابھی تک بت پرست عورتیں تھیں، اُن کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اب وہ اُن کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ چونکہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کا اِمتحان یا جائزہ لینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام ممتحنہ ہے، یعنی اِمتحان لینے والی۔

سورت کا دُوسرا موضوع جو بالکل شروع میں بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں سے کس قسم کے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور کس قسم کے ناجائز۔ چنانچہ سورت کو اس حکم سے شروع فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دُشمنوں سے خصوصی دوستی نہیں رکھنی چاہئے۔ ان آیتوں کے

نزول کا پس منظر یہ ہے کہ سورۂ فتح کے تعارف میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو مکہ مکرمہ کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر ہی توڑ دیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لوگوں پر واضح فرمادیا تھا کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کے کفار پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاری شروع فرمادی تھی، لیکن ساتھ ہی کوشش یہ تھی کہ قریش کے لوگوں کو آپ کی تیاری کا علم نہ ہو۔ اسی دوران سارہ نام کی ایک عورت جو گا بجا کر پیسے کماتی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئی، اور اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئی، بلکہ وہ شدید مفلسی میں مبتلا ہے، کیونکہ جنگِ بدر کے بعد قریشِ مکہ کی عیش و عشرت کی محفلیں ویران ہو چکی ہیں، اب کوئی اُسے گانے بجانے کے لئے نہیں بلاتا۔ اس لئے مالی اِمداد حاصل کرنے کے لئے آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو اُس کی مدد کرنے کی ترغیب دی، اور اُس کو کچھ نقدی اور کچھ کپڑے دے کر رُخصت کیا گیا۔

دُوسری طرف مہاجر صحابۂ کرام میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک ایسے بزرگ تھے جو اصل میں یمن کے باشندے تھے، اور مکہ مکرمہ آ کر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں اُن کا قبیلہ نہیں تھا۔ وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے جن کے بارے میں اُنہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ اُن پر ظلم نہ کریں۔ دُوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل و عیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ اُن کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے اُنہیں تحفظ دے سکتا ہے، لیکن حضرت حاطبؓ کے اہل و عیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا۔ جب سارہ نامی عورت مکہ مکرمہ واپس جانے لگی تو اُن کے دِل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں قریش کے لوگوں کو خفیہ طور پر ایک خط میں یہ اِطلاع دے دُوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے، لیکن میری طرف سے قریش پر ایک اِحسان ہو جائے گا، اور اس اِحسان کی وجہ سے وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ نرمی کا

معاملہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر سارہ کے حوالے کر دیا کہ وہ قریش کے سرداروں کو پہنچادے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِطلاع دے دی کہ سارہ ایک خفیہ خط لے کر گئی ہے، اور روضۃ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت مرثدؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ اُس عورت کا پیچھا کر کے اُس سے وہ خط برآمد کریں، اور یہاں واپس لے آئیں۔ یہ حضرات گئے، اور انہوں نے وہ خط برآمد کرلیا۔ حضرت حاطبؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی، اور اپنی اس غلطی کی وہی وجہ بیان کی جو اُوپر ذکر کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نیک نیتی کی وجہ سے اُن کی اس غلطی کو معاف فرمادیا۔ اسی واقعے پر اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

آیاتہا ۱۳ ۶۰ سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۱ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْہِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ ؕ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِہَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ٭ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَیْہِمْ بِالْمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تیرہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (گھروں سے) نکلے ہو تو میرے دُشمنوں اور اپنے دُشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ اُن کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے کہ وہ رسول کو بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (مکے سے) باہر نکالتے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر اِیمان لائے ہو۔ تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو، اور جو کچھ علانیہ کرتے ہو، میں اُس سب کو پوری طرح جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو کوئی بھی ایسا کرے، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔(1) ﴿۱﴾

(1) حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے جس واقعے کے پس منظر میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، وہ اُوپر سورت کے تعارف میں تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی کیا حدود ہونی چاہئیں؟ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔

إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ

(حاشیہ: النصف / ع ۱۲ معانقۃ)

اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے، اور اپنے ہاتھ اور زبانیں پھیلا پھیلا کر تمہارے ساتھ بُرائی کریں گے، اور اُن کی خواہش یہ ہے کہ تم کافر بن جاؤ۔ ﴿۲﴾ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں ہرگز تمہارے کام آئیں گی، اور نہ تمہاری اولاد۔ اللہ ہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے۔ ﴿۳﴾ تمہارے لئے اِبراہیم اور اُن کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دُشمنی اور بغض پیدا ہوگیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر اِیمان نہ لاؤ۔ البتہ اِبراہیم نے اپنے باپ سے یہ ضرور کہا تھا کہ: "میں آپ کے لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا ضرور مانگوں گا، اگرچہ اللہ کے سامنے میں آپ کو کوئی فائدہ پہنچانے کا کوئی اِختیار نہیں رکھتا۔" (۲)

(۲) مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت اِبراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور کنبے سے برائت کا اظہار کردیا تھا، لیکن شروع میں اپنے والد سے مغفرت کی دُعا کا وعدہ ضرور کیا تھا، لیکن جیسا کہ سورۂ توبہ (۹: ۱۱۴) میں گذرا ہے،

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦﴾ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ ع

اے ہمارے پروردگار! آپ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اور آپ ہی کی طرف ہم رُجوع ہوئے ہیں، اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۴﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنایئے، اور ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرمادیجئے۔ یقیناً آپ، اور صرف آپ کی ذات وہ ہے جس کا اِقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔'' ﴿۵﴾ (مسلمانو!) یقیناً تمہارے لئے ان لوگوں کے طرزِ عمل میں بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ اور روزِ آخرت سے اُمید رکھتا ہو۔ اور جو شخص منہ موڑے، تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ ﴿۶﴾ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تمہارے اور جن لوگوں سے تمہاری دُشمنی ہے، اُن کے درمیان دوستی پیدا کردے، اور اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ (۳) ﴿۷﴾

جب اُنہیں یہ پتہ چل گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کا دُشمن ہے، اور اُس کی قسمت میں اِیمان نہیں ہے، تو انہوں نے اس دُعا سے بھی علیحدگی اِختیار فرمالی۔

(۳) یعنی اُمید ہے کہ مکہ مکرمہ میں جو لوگ اس وقت دُشمنی پر آمادہ ہیں، اُن میں سے کچھ اِیمان بھی لے آئیں گے، اور اُن کی دُشمنی دوستی میں تبدیل ہوجائے گی۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ اِیمان لے آئے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دِین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اُن کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔[۴] ﴿۸﴾ اللہ تو تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دِین کے معاملے میں جنگ کی ہے، اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے، اور تمہیں نکالنے میں ایک دُوسرے کی مدد کی ہے، تم اُن سے دوستی رکھو۔ اور جو لوگ اُن سے دوستی رکھیں گے، وہ ظالم لوگ ہیں۔ ﴿۹﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کو جانچ لیا کرو۔ اللہ ہی اُن کے ایمان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن عورتیں ہیں تو تم اُنہیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجنا۔

---

(۴) یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں سے نہ جنگ کرتے ہیں، اور نہ اُنہیں کوئی اور تکلیف دیتے ہیں، اُن سے اچھا برتاؤ اور نیکی کا سلوک اللہ تعالیٰ کو ہرگز ناپسند نہیں ہے، بلکہ انصاف کا معاملہ کرنا تو ہر مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ واجب ہے۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

وہ ان کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں، اور وہ کافر ان کے لئے حلال نہیں ہیں۔(۵) اور ان کافروں نے جو کچھ (ان عورتوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا ہو، وہ انہیں اَدا کردو۔(۶) اور تم پر ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ تم نے اُن کے مہر انہیں ادا کردیئے ہوں۔ اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں اپنے قبضے میں باقی نہ رکھو، اور جو کچھ تم نے (ان کافر بیویوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا تھا، وہ تم (اُن کے نئے شوہروں سے) مانگ لو،(۷) اور اُنہوں نے جو کچھ (اپنی مسلمان ہوجانے والی بیویوں پر) خرچ کیا تھا، وہ (اُن کے نئے مسلمان شوہروں سے) مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑے علم والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے پاس جاکر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، پھر تمہاری نوبت آئے(۸) تو جن لوگوں کی بیویاں جاتی رہی ہیں، اُن کو اتنی رقم ادا کردو(۹) جتنی انہوں نے (اپنی ان بیویوں پر) خرچ کی تھی، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم اِیمان لائے ہو۔ ﴿۱۱﴾

(۵) اس آیت نے یہ واضح حکم عطا فرمادیا کہ کوئی مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ اگر کسی غیر مسلم کی بیوی مسلمان ہوجائے تو اُس کے شوہر کو بھی اسلام لانے کی پیشکش کی جائے گی، اگر وہ بھی عورت کی عدت کے دوران اسلام قبول کرلے تو ان کا نکاح باقی رہے گا، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہو، تو اُس کی

مسلمان بیوی اُس کے نکاح سے نکل جائے گی، اور عدت کے بعد کسی مسلمان سے نکاح کر سکے گی۔

(۶) جو شادی شدہ عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آتیں، اُن کے شوہروں سے اُن کا نکاح ختم ہو جاتا تھا، لیکن چونکہ مکہ مکرمہ کے کافروں سے اُس وقت صلح کا معاہدہ تھا، اس لئے اُن کو یہ سہولت دی گئی تھی کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو جو مہر دیا تھا، وہ ان کو اس طرح واپس کرنے کا حکم دیا گیا کہ جو مسلمان اُن عورتوں سے نکاح کرے، وہ اُس کا مہر اُس کے پہلے کافر شوہر کو ادا کر دے۔

(۷) اس آیت کے نزول سے پہلے بہت سے صحابہ ایسے تھے کہ وہ خود تو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن اُن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئی تھیں، اور وہ ابھی تک اُن کے نکاح میں چلی آ رہی تھیں۔ اس آیت نے حکم دے دیا کہ اب کوئی بت پرست عورت کسی مسلمان کے نکاح میں باقی نہیں رہ سکتی اور جیسا کہ مشرکین کے بارے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنی مسلمان ہونے والی بیویوں کو جو مہر ادا کیا تھا، وہ انہیں واپس کیا جائے، اسی طرح مسلمانوں کی جن کافر بیویوں کا نکاح مسلمانوں سے ختم ہوا، اُن کا جو مہر اُن کے مسلمان شوہروں نے دیا تھا، اُس کے بارے میں بھی انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان عورتوں کے نئے شوہر وہ مہر پرانے مسلمان شوہروں کو واپس کریں، اس لئے مسلمان شوہروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی ان مطلقہ بیویوں کے نئے شوہروں سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے بعد ایسے صحابہؓ نے اپنی مشرک بیویوں کو طلاق دے کر الگ کر دیا، لیکن اس کے بعد اُن سے جن مشرک مردوں نے نکاح کیا، انہوں نے مسلمانوں کو ان کا مہر واپس نہیں کیا۔ اس لئے اگلے فقرے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن مسلمانوں کی بیویاں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے نکاح میں چلی گئیں، اور اُن کے نئے شوہروں نے مسلمانوں کو اُن کا دیا ہوا مہر نہیں لوٹایا، وہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے یہ کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئی ہو، اور اُس سے کسی مسلمان نے نکاح کیا ہو، تو اُس پر جو یہ واجب کیا گیا تھا کہ وہ اُن کے پرانے شوہروں کو اُن کا دیا ہوا مہر لوٹائے، اب وہ اُس کافر شوہر کو دینے کے بجائے اُس مسلمان کو دیدے جس کی بیوی کافر ہونے کی بنا پر کسی کافر کے نکاح میں آ گئی ہو، اور اُس کے نئے شوہر نے اُس مسلمان کو مذکورہ قاعدے کے مطابق مہر واپس نہ کیا ہو۔ اس طرح مسلمان کو اُس کا حق مل جائے گا، اور کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے تصفیہ کر لیں گے۔

(۸) یعنی تمہیں اپنا دیا ہوا مہر اُن عورتوں کے نئے شوہروں سے وصول کرنے کی نوبت آئے۔

(۹) یہ خطاب اُن مسلمانوں سے ہے جنہوں نے مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورتوں سے نکاح کیا، اور اُن کے ذمے واجب ہو گیا کہ وہ اُن کے پرانے شوہروں کو اُن کا دیا ہوا مہر لوٹائیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع ۲ / ۸

اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو اُنہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو،[10] اور نہ کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی، تو تم اُن کو بیعت کر لیا کرو، اور اُن کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دُعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۲﴾
اے اِیمان والو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے۔ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر لوگ قبروں میں مدفون لوگوں سے مایوس ہیں۔[11] ﴿۱۳﴾

(۱۰) عربی محاورے کے مطابق ''ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان'' بہتان باندھنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کھلم کھلا اور جانتے بوجھتے کسی پر جھوٹا بہتان باندھا جائے، اور ''ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان'' بہتان باندھنے کا دُوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنے شوہر کا بیٹا قرار دیں جو درحقیقت اُس کا نہیں ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں یا تو کسی اور کا بچہ اُٹھا لاتیں اور کہتیں کہ یہ میرے شوہر کا بچہ ہے، یا جانتے بوجھتے زنا کرتیں، اور اُس حرام کی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی تھیں۔ یہاں اس گھناؤنے جرم سے باز رہنے کا معاہدہ کرانا مقصود ہے۔ واضح رہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عورت کو بیعت کرتے تھے تو

اُس کا ہاتھ کبھی اپنے ہاتھ میں لے کر نہیں کرتے تھے، بلکہ بس زبانی بیعت فرما لیتے تھے۔

(۱۱) یعنی جس طرح کافر لوگ اپنے مرے ہوئے عزیزوں دوستوں اور باپ دادوں سے مایوس ہیں کہ وہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے، اسی طرح یہ لوگ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ''یہ لوگ آخرت سے ایسے ہی مایوس ہو چکے ہیں جیسے وہ کافر مایوس ہیں جو قبروں میں جا چکے'' اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو کافر قبروں میں جا چکے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ آخرت کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی آخرت کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔

الحمدللہ! سورۂ ممتحنہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز دوشنبہ مؤرخہ ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/ اپریل ۲۰۰۸ء کو بحرین میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور اسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الصَّفّ

تعارف

یہ سورت مدینہ منورہ میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب منافقین آس پاس کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کررہے تھے۔ اس سورت میں بنی اسرائیل کے یہودیوں کا یہ کردار خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے خود اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، جس کے نتیجے میں اُن کے مزاج میں ٹیڑھ پیدا ہوگئی، اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اُن کی نبوت کا بھی انکار کیا، اور انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو بشارتیں دی تھیں، اُن پر بھی کان نہیں دھرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی نبوت پر اِیمان لانے سے انکار کردیا، بلکہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ بنی اسرائیل کے اس کردار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سورت میں مخلص مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی، اور وہ کام کئے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں خاص طور پر حکم دیا ہے، اور اُن میں جہاد خصوصی اہمیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کو عنقریب فتح ونصرت عطا فرمانے والے ہیں جس کے نتیجے میں منافقین اور یہودیوں کی ساری سازشیں خاک میں مل جائیں گی۔ اسی سیاق میں اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صف بنا کر جہاد کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ صف ہے۔

آیاتها ۱۴ ۶۱ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چودہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اُس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔(۱) ﴿۱﴾ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟(۲) ﴿۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابلِ نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ ﴿۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔ ﴿۴﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے تکلیف کیوں پہنچاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں؟“(۳) پھر جب اُنہوں نے ٹیڑھ اِختیار کی تو اللہ نے ان کے دِلوں کو ٹیڑھا کر دیا،(۴) اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۵﴾

---

(۱) یہ بات کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، پیچھے کئی مقامات پر گذر چکی ہے، مثلاً سورۂ نور

(۲۴:۶:۳۴ ۳اور ۴۱)اور سورۂ حشر (۵۹: ۲۴)اور سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ پیچھے سورۂ حدید (۵۷) اور سورۂ حشر (۵۹) کو اور آگے سورۂ جمعہ (۶۲) اور سورۂ تغابن (۶۴) کو اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کے بیان سے شروع فرمایا ہے، اور بظاہر اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہیں اپنی توحید پر ایمان لانے اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اُس کی ذات بے نیاز ہے، تم اُس کی عبادت کرو یا نہ کرو، کائنات کی ہر چیز اُس کے آگے سر بہ خم ہے۔

(۲) اِمام احمدؒ اور اِمام بغویؒ نے روایت نقل کی ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ نے آپس میں اس قسم کی باتیں کی تھیں کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم اُس کے لئے جان تک قربان کردیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، اور یہ سورت اُنہیں پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر مظہری اور ابنِ کثیر) اس میں پہلے تو انہیں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہئے جس میں دعوے کا کوئی پہلو نکلتا ہو کہ میں فلاں کام ضرور کروں گا، کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی وجہ سے وہ کام ہو نہ سکے اور دعویٰ جھوٹا ہو جائے، اور اِنسان جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ کر نہ سکے۔ ہاں اپنے اُوپر بھروسہ کرنے کے بجائے عاجزی کے ساتھ کوئی ارادہ ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد اُن کی خواہش کے مطابق بتادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو جہاد کا عمل بہت پسند ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قرآن وحدیث میں بہت سے اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ مختلف حالات اور مختلف انسانوں کے لحاظ سے مختلف اعمال کو سب سے زیادہ محبوب قرار دیا گیا ہے، مثلاً کسی وقت جہاد ہو رہا ہو تو اُس وقت وہی عمل سب سے زیادہ محبوب ہوگا، کسی وقت کسی کے والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو اُس وقت اُن کی خدمت ہی سب سے بہتر عمل قرار پائے گا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوم نے کس کس طرح تکلیفیں پہنچائیں، اس کی تفصیل سورۂ بقرہ (۲: ۵۹) وغیرہ میں گذر چکی ہے۔

(۴) یعنی جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کرنے کی یہ سزا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِل ایسے ٹیڑھے کردیئے کہ اب ان میں حق بات قبول کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: ''اے بنو اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اُس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اُس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔''(۵) پھر جب وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ: ''یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''﴿۶﴾

(۵) ''احمد'' حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کی بشارت دی تھی۔ اس قسم کی ایک بشارت آج بھی اِنجیل یوحنا میں تحریف شدہ حالت میں موجود ہے۔ اِنجیل یوحنا کی عبارت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔'' (یوحنا ۱۴:۱۶) یہاں جس لفظ کا ترجمہ مددگار کیا گیا ہے، وہ اصل یونانی میں ''فارقلیط'' (Periclytos) تھا جس کے معنی ہیں ''قابلِ تعریف شخص'' اور یہ ''احمد'' کا لفظی ترجمہ ہے، لیکن اس لفظ کو "Paracletus" سے بدل دیا گیا ہے، جس کا ترجمہ ''مددگار'' اور بعض تراجم میں ''وکیل'' یا ''شفیع'' کیا گیا ہے۔ اگر ''فارقلیط'' کا لفظ مدِنظر رکھا جائے تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ: ''وہ تمہارے پاس اُس قابلِ تعریف شخص (احمد) کو بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔'' اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص علاقے یا کسی خاص زمانے کے لئے نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کی نبوت قیامت تک آنے والے ہر زمانے کے لئے ہوگی۔ نیز برناباس کی اِنجیل میں کئی مقامات پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ عیسائی مذہب والے اس اِنجیل کو معتبر نہیں مانتے، لیکن ہمارے نزدیک وہ اُن چاروں اِنجیلوں سے زیادہ مستند ہے جنہیں عیسائی مذہب میں معتبر مانا گیا ہے۔ اس کے مفصل دلائل میں نے اپنی کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟'' میں بیان کئے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷﴾ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴿۹﴾ ع یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، جبکہ اُسے اسلام کی طرف بلایا جارہا ہو؟(۶) اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۷﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھادیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کرکے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے۔ ﴿۸﴾ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دِین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے تمام دُوسرے دِینوں پر غالب کردے،(۷) چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بُری لگے۔ ﴿۹﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ دُوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دِلادے؟(۸) ﴿۱۰﴾

---

(۶) جس شخص کو اِسلام کی دعوت دی جائے، اور وہ کسی پیغمبر کی رِسالت کا انکار کرے تو درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا۔

(۷) دلیل اور حجت کے میدان میں تو اِسلام ہمیشہ سے غالب ہے، اور رہے گا، البتہ دُنیا میں مسلمانوں کا غلبہ بہت سی شرائط سے مشروط ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانوں میں، نیز اُس کے بعد بھی صدیوں تک مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، پھر ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے یہ غلبہ ختم ہوا۔ اور آخر زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ اسلام اور مسلمان پھر دُنیا پر غالب ہوں گے۔

(۸) تجارت میں کوئی چیز کسی کو دے کر اُس کی قیمت حاصل کی جاتی ہے، اسی طرح ایک مسلمان اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے صلے میں جنت اور عذاب سے رہائی عطا فرماتے ہیں۔ دیکھئے سورۂ توبہ (۹:۱۱۱)۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

ع ۲ ۵ ۱۰

(وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہترین بات ہے، اگر تم سمجھو۔ ﴿۱۱﴾ اس کے نتیجے میں اللہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور تمہیں ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ایسے عمدہ گھروں میں بسائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں واقع ہوں گے۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور ایک اور چیز تمہیں دے گا جو تمہیں پسند ہے، (اور وہ ہے) اللہ کی طرف سے مدد، اور ایک ایسی فتح جو عنقریب حاصل ہوگی! اور (اے پیغمبر!) ایمان والوں کو (اس بات کی) خوشخبری سنادو۔ ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو! تم اللہ (کے دِین) کے مددگار بن جاؤ، اسی طرح جیسے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے حواریوں[9] سے کہا تھا کہ: ''وہ کون ہیں جو اللہ کے واسطے میرے مددگار بنیں؟'' حواریوں نے کہا: ''ہم اللہ کے (دِین کے) مددگار ہیں۔'' پھر

بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا، اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے، ہم نے ان کے دُشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب آئے۔ ﴿۱۴﴾

---

(۹) ''حواری'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان ساتھیوں کو کہتے ہیں جو آپ پر ایمان لائے تھے، جیسے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ''صحابہ'' کہا جاتا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ صف کا ترجمہ اور تشریح آج بتاریخ ۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱/مئی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الجُمُعَة

تعارف

اس سورت کے پہلے رُکوع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ پر اِیمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ جس کتاب یعنی تورات پر اِیمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے، اس کے باوجود وہ آپ پر اِیمان نہ لاکر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ پھر دُوسرے رُکوع میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی تجارتی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے راستے میں رُکاوٹ نہیں بنی چاہئیں، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اَذان کے بعد ہر قسم کی خرید وفروخت بالکل ناجائز ہے۔ نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے ہوں، اُس وقت کسی تجارتی کام کے لئے آپ کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں ہے، اور اگر دُنیوی مصروفیات کا شوق کسی دِینی فریضے میں رُکاوٹ بننے لگے تو اس بات کا دھیان کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے آخرت میں جو کچھ تیار کر رکھا ہے، وہ دُنیا کی ان دِلفریبیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور دِینی فرائض کو رِزق کی خاطر چھوڑنا سراسر نادانی ہے، کیونکہ رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لٰہذا رزق اُس کی نافرمانی کرکے نہیں، بلکہ اُس کی اِطاعت کرکے طلب کرنا چاہئے۔ چونکہ دُوسرے رُکوع میں جمعہ کے اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے سورت کا نام جمعہ ہے۔

آیاتھا ۱۱ ۶۲ سُورَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۰ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ ہے، بڑے تقدس کا مالک ہے، جس کا اِقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں اُنہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو اُن کے سامنے اُس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور اُن کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے،[1] ﴿۲﴾ اور (یہ رسول جن کی طرف بھیجے گئے ہیں) ان میں کچھ اور بھی ہیں جو ابھی ان کے ساتھ آکر نہیں ملے۔[2] اور وہ بڑے اِقتدار والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے یہی مقاصد سورۂ بقرہ (۲:۱۲۹) اور سورۂ آل عمران (۳:۱۶۴) میں بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۲) اس کا مقصد یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان عربوں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے جو آپ کے زمانے میں موجود تھے، بلکہ آپ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں، چاہے وہ کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۴﴾ مَثَلُ الَّذِيۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵﴾ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶﴾

یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔[۳] ﴿۴﴾ جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اُس کا بوجھ نہیں اُٹھایا،[۴] ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔ بہت بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو! اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ سارے لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔"[۵] ﴿۶﴾

---

(۳) یہودی یہ چاہتے تھے کہ آخر زمانے کے نبی اُنہی میں سے یعنی بنی اسرائیل میں سے آئیں، اور عرب کے بت پرست یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی نبی بھیجنا تھا تو وہ ہمارے بڑے بڑے سرداروں میں سے کوئی ہونا چاہئے تھا (دیکھئے سورۂ زُخرف ۴۳:۳۱) اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ کسی اور کے لئے اس معاملے میں دخل دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) یعنی تورات کے اَحکام پر عمل کرنے کی جو ذمہ داری اُن پر ڈالی گئی تھی، اُس کو پورا نہیں کیا۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہیں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن وہ آپ پر ایمان نہیں لائے۔

(۵) یہی بات سورۂ بقرہ (۲:۹۵) میں بھی فرمائی گئی ہے۔ یہ بہت آسان چیلنج تھا جو یہودیوں کو دیا گیا تھا، ان کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سامنے آکر یہ کہہ دیں کہ ہم موت کی تمنا کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی یہ کہنے کے لئے آگے نہیں بڑھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا چیلنج ہے، اس لئے جونہی وہ یہ تمنا کریں گے، واقعی انہیں موت آجائے گی۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ ع

اور انہوں نے اپنے ہاتھوں جو اَعمال آگے بھیج رکھے ہیں، اُن کی وجہ سے یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۷﴾ کہو کہ: ’’جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ تم سے آملنے والی ہے، پھر تمہیں اُس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔‘‘ ﴿۸﴾

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دِن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذِکر کی طرف لپکو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔(۶) یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ ﴿۹﴾ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو،(۷) اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۱۰﴾ اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا تو اُس کی طرف ٹوٹ پڑے، اور تمہیں کھڑا ہوا چھوڑ دیا۔(۸) کہہ دو کہ: ’’جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کھیل اور تجارت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رِزق دینے والا ہے۔ ﴿۱۱﴾

---

(۶) جمعہ کی پہلی اَذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی اور کام جائز نہیں، نیز جب تک نمازِ جمعہ ختم نہ ہو جائے،

خرید وفروخت کا کوئی معاملہ جائز نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر سے مراد جمعہ کا خطبہ اور نماز ہے۔

(۷) جیسا کہ بارہا گذر چکا ہے، اللہ کا فضل تلاش کرنا قرآنِ کریم کی اِصطلاح میں تجارت وغیرہ کے ذریعے روزگار حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ خرید وفروخت پر جو پابندی اَذان کے بعد عائد ہوئی تھی، جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد وہ اُٹھ جاتی ہے، اور خرید وفِروخت جائز ہوجاتی ہے۔

(۸) حافظ ابنِ کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب جمعہ کی نماز ختم ہوچکی تھی، اور آپ خطبہ دے رہے تھے تو ایک قافلہ کچھ سامان لے کر آیا، اور ڈھول بجا کر اُس کے آنے کا اعلان بھی کیا جارہا تھا۔ اُس وقت مدینہ منورہ میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی تھی، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی تعداد خطبہ چھوڑ کر اُس قافلے کی طرف نکل گئی، اور تھوڑے سے اَفراد مسجد میں رہ گئے۔ اس آیت میں اس طرح جانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خطبہ چھوڑ کر جانا جائز نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کی صرف نماز ہی فرض نہیں ہے، بلکہ خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

الحمدللہ! سورۂ جمعہ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز بدھ ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۴/ جون ۲۰۰۸ء کو کراچی سے لاہور جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ المُنَافِقُون

تعارف

یہ سورت ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنوالمصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کررہا ہے۔ آپ اپنے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ خود وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی، اور آخر کار اُن لوگوں نے شکست کھائی، اور بعد میں مسلمان بھی ہوئے۔ جنگ کے بعد چند دن آپ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا جس کا نام مریسیع تھا۔ اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہوگیا۔ جھگڑے میں نوبت ہاتھاپائی کی آگئی، اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا، اور اَنصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہوگیا کہ کہیں مہاجرین اور اَنصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے، اور فرمایا کہ مہاجر اور اَنصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے۔ ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو، اُس کی مدد کرنی چاہئے، اور ظالم جو کوئی ہو، اُسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا فرو ہوگیا، اور جن حضرات میں ہاتھاپائی ہوئی تھی، ان کے درمیان معافی تلافی ہوگئی۔ یہ جھگڑا تو ختم ہوگیا، لیکن مسلمانوں کے لشکر میں کچھ منافق لوگ بھی تھے جو مالِ غنیمت میں حصہ دار بننے کے لئے شامل ہوگئے تھے، اُن کے سردار عبداللہ بن اُبی کو جب اس جھگڑے کا علم ہوا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے مہاجروں کو اپنے شہر

میں پناہ دے کر اپنے سر پر چڑھالیا ہے، یہاں تک کہ اب وہ مدینے کے اصل باشندوں پر ہاتھ اُٹھانے لگے ہیں، یہ صورتِ حال قابلِ برداشت نہیں ہے۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ ذِلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ اُس کا واضح اِشارہ اس طرف تھا کہ مدینے کے اصل باشندے مہاجروں کو نکال باہر کریں گے۔ اس موقع پر ایک مخلص انصاری صحابی حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے، اُنہوں نے اس بات کو بہت بُرا سمجھا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ عبداللہ بن اُبیّ نے ایسا کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبیّ سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درگذر فرمایا کہ شاید حضرت زید بن ارقمؓ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ حضرت زید بن ارقمؓ کو یہ رنج تھا کہ عبداللہ بن اُبیّ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُن کو جھوٹا بنایا۔ اُس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ یہ سورت نازل ہوگئی جس نے حضرت زید بن ارقمؓ کی تصدیق کی، اور منافقین کی حقیقت واضح فرمائی۔

آیاتها ۱۱ ۶۳ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③

یہ سورت مدنی ہے، اوراس میں گیارہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں'' اور اللہ جانتا ہے کہ آپ واقعی اُس کے رسول ہیں، اور اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں۔ ﴿۱﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا رکھا ہے،(1) پھر یہ لوگ دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲﴾ یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ (شروع میں بظاہر) ایمان لے آئے، پھر انہوں نے کفر اپنا لیا، اس لئے ان کے دِلوں پر مہر لگا دی گئی، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ (حق بات) سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ ﴿۳﴾

---

(۱) جس طرح ڈھال سے تلوار سے بچاؤ کیا جاتا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ قسمیں کھالی ہیں کہ وہ مؤمن ہیں، تاکہ دُنیا میں کافروں کا جو بُرا انجام ہونے والا ہے، یہ اُس سے بچ جائیں۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۚ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۚ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۚ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤

جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔[۲] ان کی مثال ایسی ہے جیسے یہ لکڑیاں ہیں جو کسی سہارے سے لگی رکھی ہیں۔[۳] یہ ہر چیخ پکار کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔[۴] یہی ہیں جو (تمہارے) دُشمن ہیں، اس لئے ان سے ہوشیار رہو۔ اللہ کی مار ہو ان پر! یہ کہاں اوندھے چلے جارہے ہیں؟ ﴿۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے رسول تمہارے حق میں مغفرت کی دُعا کریں، تو یہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں،[۵] اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ بڑے گھمنڈ کے عالم میں بے رُخی سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۵﴾

---

(۲) یعنی ان کا ظاہری حلیہ بڑا پُرکشش ہے، اور باتیں بڑی لچھے دار ہیں، کہ آدمی اُنہیں سنتا ہی رہ جائے، لیکن اندر سے ان میں نفاق کی نجاست بھری ہوئی ہے۔ روایات میں ہے کہ عبداللہ بن اُبَیّ اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پُرکشش شخصیت رکھتا تھا، اور اُس کی باتیں بھی بڑی فصاحت و بلاغت کی حامل ہوتی تھیں۔

(۳) لکڑیاں اگر کسی دیوار کے سہارے لگی رکھی ہوں تو دیکھنے میں کتنی اچھی لگیں، اُن کا فائدہ کوئی نہیں ہوتا، اسی طرح یہ منافق لوگ دیکھنے میں کتنے اچھے لگیں، حقیقت میں بالکل بے مصرف ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو ان کا جسم اگرچہ مجلس میں ہوتا تھا، لیکن دِل و دِماغ آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا، اس لحاظ سے بھی اُنہیں بے جان لکڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۴) چونکہ ان کے دِل میں چور ہے، اس لئے اگر مسلمانوں میں کوئی شور ہو تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کچھ ہو رہا ہے۔

(۵) قرآنِ کریم نے جو لفظ اِستعمال فرمایا ہے، اُس کا ترجمہ سر کا موڑنا بھی ہوسکتا ہے، اور ہلانا بھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاید اسی لئے اس کا ترجمہ مٹکانے سے کیا ہے جس میں ایک مکاری کا تصور پنہاں ہے، اور جو اُن کی کیفیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآٮِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۷﴾ يَقُوۡلُوۡنَ لَٮِٕنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ ع

(اے پیغمبر!) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم ان کے لئے مغفرت کی دُعا کرو یا نہ کرو، اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔(۶) یقین جانو اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۶﴾ یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں گے۔(۷) حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۷﴾ کہتے ہیں کہ: ''اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذِلت والے کو نکال باہر کرے گا''(۸) حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور اُس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۸﴾

(۶) مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنی منافقت سے توبہ کر کے صحیح معنی میں مسلمان نہیں ہو جاتے، اُس وقت تک ان کی بخشش نہیں ہوگی۔

(۷) سورت کے تعارف میں جو واقعہ اُوپر آچکا ہے، اُس میں یہ بات عبداللہ بن اُبیّ نے اپنے ساتھیوں سے کہی تھی کہ مسلمانوں پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو، اُس کے نتیجے میں معاذ اللہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔

(۸) یہ وہی بات ہے جو عبداللہ بن اُبیّ نے کہی تھی، اور پھر اُس سے مکر گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ اُوپر آچکا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿٩﴾ وَأَنفِقُوا۟ مِن مَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَآ أَخَّرْتَنِىٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١٠﴾ وَلَن يُؤَخِّرَ ٱللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ۚ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

ع ۲ ۱۴

اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے، وہ بڑے گھاٹے کا سودا کرنے والے ہوں گے۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے تمہیں جو رِزق دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرلو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ یہ کہے کہ: ''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی دیر کے لئے اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خوب صدقہ کرتا، اور نیک لوگوں میں شامل ہوجاتا۔'' ﴿۱۰﴾ اور جب کسی شخص کا معین وقت آجائے گا تو اللہ اُسے ہرگز مہلت نہیں دے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

الحمدللہ! سورۂ منافقون کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج ۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۸/ جون ۲۰۰۸ء کو بھوربن کے مقام پر تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ التَّغَابُن

تعارف

اگرچہ بعض مفسرین نے اس سورت کی کچھ آیتوں کو مکی اور کچھ کو مدنی کہا ہے، لیکن اکثر مفسرین نے پوری سورت کو مدنی قرار دیا ہے۔ البتہ اس کے مضامین مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حوالے سے توحید، رِسالت اور آخرت پر اِیمان کی دعوت دی گئی ہے، اور پچھلی اُمتوں کی تباہی کے اسباب بتاتے ہوئے توجہ دِلائی گئی ہے کہ ہر اِنسان کو اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر اِیمان لاکر آخرت کی تیاری کرنی چاہیے، اور اگر اِنسان کے بیوی بچے اس راستے میں رُکاوٹ بنیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ انسان کی خیرخواہی نہیں، دُشمنی کررہے ہیں۔ سورت کا نام آیت نمبر ۹ سے ماخوذ ہے جس کی تشریح اُسی آیت کے حاشیے (حاشیہ نمبر ا) میں آرہی ہے۔

آیاتها ۱۸ ۶۴ سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور بادشاہی اُسی کی ہے، اور تعریف اُسی کی، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے، اور کوئی مؤمن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے خوب دیکھتا ہے۔ ﴿۲﴾ اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمہاری صورتیں بنائی ہیں، اور تمہاری صورتیں اچھی بنائی ہیں، اور اُسی کی طرف آخرکار (سب کو) پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿۳﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اُسے جانتا ہے، اور جو کچھ تم چھپ کر کرتے ہو اور جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہو، اُس کا بھی اُسے پورا علم ہے، اور اللہ دِلوں کی باتوں تک کا خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۴﴾ کیا تمہارے پاس اُن لوگوں کے واقعات نہیں پہنچے جنہوں نے پہلے کفر اختیار کیا تھا، پھر اپنے کاموں کا وبال چکھا، اور (آئندہ) ان کے حصے میں ایک دردناک عذاب ہے؟ ﴿۵﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ؗ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن دلائل لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ: ’’کیا (ہم جیسے) انسان ہیں جو ہمیں ہدایت دیں گے؟ غرض انہوں نے کفر اختیار کیا، اور منہ موڑا، اور اللہ نے بھی بے نیازی برتی، اور اللہ بالکل بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ﴿۶﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنہیں کبھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہہ دو: ’’کیوں نہیں؟ میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا، اور یہ اللہ کے لئے معمولی سی بات ہے۔‘‘ ﴿۷﴾ لہٰذا اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس روشنی پر اِیمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۸﴾ (یہ دُوسری زندگی) اُس دن (ہوگی) جب اللہ تمہیں روزِ حشر میں اِکٹھا کرے گا۔ وہ ایسا دِن ہوگا جس میں کچھ لوگ دُوسروں کو حسرت میں ڈال دیں گے،[1] اور جو شخص اللہ پر اِیمان لایا ہوگا، اور اس نے نیک عمل کئے ہوں گے، اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کردے گا، اور اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ ﴿۹﴾

---

(۱) قرآنِ کریم نے یہاں ’’تغابن‘‘ کا لفظ اِستعمال فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ ایک دُوسرے کو نقصان یا

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

ع ۱۵

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہوگا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا، وہ دوزخ والے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۰﴾ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے، وہ اُس کے دِل کو ہدایت بخشتا ہے،(۲) اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۱۱﴾ اور تم اللہ کی فرماں برداری کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑا تو ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچادے۔ ﴿۱۲﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ﴿۱۳﴾

حسرت میں مبتلا کریں۔ قیامت کے دِن کو تغابن کا دِن اس لئے کہا گیا ہے کہ اُس دن جو لوگ جنت میں جائیں گے، دوزخی لوگ انہیں دیکھ کر یہ حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے دُنیا میں ان جنتیوں جیسے عمل کئے ہوتے تو آج ہم بھی جنت کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ''ہار جیت کا دِن'' کیا ہے جو مفہوم کو اِختصار کے ساتھ واضح کردیتا ہے۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دِل کو مصیبت کے وقت یہ اطمینان عطا فرماتا ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے، اور اُس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس تصور کے نتیجے میں اِیمان والوں کو ناقابلِ برداشت تکلیف نہیں ہوتی، اور اُنہیں صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَٰدَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ ع ۲ ۸ ۱۶

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دُشمن ہیں، اس لئے اُن سے ہوشیار رہو۔ اور اگر تم معاف کردو، اور درگذر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔(۳) ﴿۱۴﴾ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں،(۴) اور وہ اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔ ﴿۱۵﴾ لہٰذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو،(۵) اور سنو اور مانو، اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اور جو لوگ اپنے دِل کی لالچ سے محفوظ ہوجائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دوگے تو اللہ تمہارے لئے اُس کو کئی گنا بڑھا دے گا،(۶) اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدردان، بہت بُردبار ہے۔ ﴿۱۷﴾ وہ ہر بھید کا اور ہر کھلی ہوئی چیز کا جاننے والا ہے، بڑے اِقتدار کا، بڑی حکمت کا مالک! ﴿۱۸﴾

(۳) جو بیوی بچے انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُکسائیں، وہ انسان کے دُشمن ہیں۔ البتہ اگر وہ اپنے اس عمل سے توبہ کریں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُنہیں معاف کردیا جائے، اور درگذر سے کام لے کر اُن سے اچھا سلوک کیا جائے۔

(۴) آزمائش یہ ہے کہ انسان مال و دولت اور اولاد کی محبت میں منہمک ہوکر اللہ تعالیٰ کے اَحکام سے غافل تو

نہیں ہوتا، اور جو شخص ایسی غفلت سے اپنے آپ کو بچالے، اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اَجر وثواب ہے۔
(۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ واضح فرمادیا ہے کہ انسان کو جو تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے، وہ اُس کی اِستطاعت کے مطابق ہے، یعنی کسی انسان کو اُس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ یہی مضمون سورۂ بقرہ (۲:۲۳۳و۲۸۶)، سورۂ اَنعام (۶:۱۵۲)، سورۂ اَعراف (۷:۴۲) اور سورۂ مؤمنون (۲۳:۶۲) میں گذر چکا ہے۔
(۶) اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اس تعبیر میں یہ اِشارہ ہے کہ جس طرح کسی کو قرض دیتے وقت انسان کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ یہ قرض اُسے کسی وقت واپس مل جائے گا، اسی طرح نیک کاموں میں خرچ کرتے وقت انسان کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے بدلے بہترین اَجر عطا فرمائیں گے، اور اچھی طرح قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نیک کاموں میں اِخلاص سے خرچ کرے، نام ونمود اور دِکھاوا مقصود نہ ہو۔ نیک کاموں میں خرچ کرنے کو سورۂ بقرہ (۲:۲۴۵)، سورۂ مائدہ (۵:۱۲)، سورۂ حدید (۵۷:۱۱و۱۸) اور سورۂ مزمل (۷۳:۲۰) میں بھی قرضِ حسن سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

الحمد للہ! سورۂ تغابن کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بتاریخ ۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ر جون ۲۰۰۸ء کو بھوربن مری کے مقام پر تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الطّلاق

تعارف

پچھلی دوسورتوں میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی گئی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار ہوکر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ اب اس سورت اور اگلی سورت میں میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق کچھ ضروری اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ اِزدواجی تعلقات کے مسائل میں طلاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عملاً بہت اِفراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے اس کے بارے میں متوازن طرزِ عمل اِختیار کرنے کے لئے طلاق کے کچھ اَحکام سورۂ بقرہ (۲۲۶:۲ تا ۲۳۲) میں بیان فرمائے ہیں۔ اب اس سورت میں طلاق کے وہ اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ اگر طلاق دینی ہوتو اُس کے لئے صحیح وقت اور صحیح طریقہ کیا ہے، نیز جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت کتنی ہوگی، عدت کے دوران اُن کے سابق شوہروں کو ان کا خرچ کس معیار پر اور کب تک اُٹھانا ہوگا۔ اگر اولاد ہوچکی ہوتو اُس کو دُودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔ اس قسم کے اَحکام بیان فرماتے ہوئے بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں، کیونکہ میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ ان کی ہر شکایت کا علاج عدالتوں سے نہیں مل سکتا۔ ایک متوازن خاندانی نظام اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک ہر فریق اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام نہ دے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، انہی کو دُنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

آیاتھا ۱۲ ۶۵ سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۹ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُنہیں اُن کی عدت کے وقت طلاق دو،(۱) اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے۔ اُن عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، اِلّا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا اِرتکاب کریں۔(۲) اور یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، اور جو کوئی اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود سے آگے نکلے، اُس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے۔(۳) ﴿۱﴾

---

(۱) جب میاں بیوی میں طلاق کے ذریعے علیحدگی ہوجائے تو عورت کو دُوسرا نکاح کرنے کے لئے کچھ مدت اِنتظار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس مدت کو ''عدت'' کہا جاتا ہے۔ سورۂ بقرہ (۲۲۸:۲) میں گذر چکا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق ہوگئی ہو، اُن کی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد ان کو تین ماہواریاں آجائیں۔ اب اس آیت میں طلاق دینے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر انہیں طلاق دینی ہو تو وہ ایسے وقت طلاق دیں کہ عدت شروع ہونے والی ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ ایسے وقت طلاق نہ دی جائے جب بیوی کو ماہواری آرہی ہو، بلکہ ایسے طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں بیوی سے جماع بھی نہ کیا ہو۔ اس حکم میں دو مصلحتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اوّل تو جب میاں بیوی کا رشتہ ایک مرتبہ قائم ہوجائے تو وہ قائم رہے، اور اگر طلاق کے ذریعے اُس کے ٹوٹنے کی نوبت آئے تو وہ بھی اچھی

طرح سوچ سمجھ کر شریفانہ طریقے پر ہو جس میں فریقین میں سے کوئی دوسرے کے لئے ناواجبی تکلیف کا سبب نہ بنے۔ اگر ماہواری کی حالت میں طلاق دی جائے، تو ہوسکتا ہے کہ وہ وقتی نفرت کی وجہ سے دی جارہی ہو، یا اگر ایسی پاکی کی حالت میں دی جائے جس میں دونوں جماع کر چکے ہوں تب بھی ہوسکتا ہے کہ بیوی کی طرف شوہر کی رغبت کم ہوگئی ہو۔ اس کے برخلاف اگر ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ ہوا ہو، تو عام طور پر یہ وقت ایسا ہوتا ہے جب بیوی کی طرف شوہر کی رغبت اپنے شباب پر ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ طلاق دے رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ طلاق کسی وقتی بے رغبتی کا نتیجہ نہیں ہے۔ دُوسری مصلحت یہ ہے کہ اگر ماہواری کے زمانے میں طلاق دی جائے تو عورت کے لئے عدت کا زمانہ بلاوجہ لمبا ہوجاتا ہے، کیونکہ جس ماہواری کے دوران طلاق دی گئی ہے، وہ تو عدت میں شمار نہیں ہوگی، اس لئے عدت اُس وقت شروع ہوگی جب عورت اس ماہواری سے پاک ہوجائے، پھر دوبارہ ماہواری آنے کا اِنتظار کرے۔ اس سے عورت کو تکلیف ہوسکتی ہے۔ لہٰذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ ہوا ہو۔

یہ اس آیت کی وہ تفسیر ہے جو اکثر مفسرین نے اختیار کی ہے، اور اس کی تائید کچھ صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی ایک اور تفسیر کی ہے، وہ آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ: ''اُنہیں عدت کے لئے طلاق دو'' اور مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ انسان جب بیوی کو طلاق دے تو رجعی طلاق یعنی ایسی طلاق دے جس سے عدت کے دوران رُجوع کرنا ممکن ہو، گویا عدت تک کے لئے طلاق دی جائے۔ اس دوران سوچنے سمجھنے کا موقع ہوگا، اور اگر حالات معمول پر آجائیں تو طلاق سے رُجوع کرلیا جائے، جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) عدت کے دوران شوہر کے ذمے واجب ہے کہ جس بیوی کو طلاق دی ہے، اُس کو اپنے گھر میں رہائش فراہم کرے، اور عورت کے ذمے بھی یہ واجب ہے کہ وہ شوہر ہی کے گھر میں عدت گذارے، اور کہیں نہ جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے وہ صورت اس سے مستثنیٰ فرمادی ہے جب عورت کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کسی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے، اور دُوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے میں بدزبانی کرنے لگے۔ اس صورت میں بھی اُس کا شوہر کے گھر میں رہنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات باہمی جھگڑے کی وجہ سے لوگ طلاق دے ڈالتے ہیں، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان صلح صفائی کرادیتے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح کا رشتہ دوبارہ قائم ہوسکتا ہے، لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب طلاق رجعی دی گئی ہو، اس لئے اس آیت میں ترغیب یہی دی گئی ہے کہ طلاق دینی بھی ہو تو رجعی طلاق دینی چاہئے، کیونکہ طلاق بائن کے بعد شوہر کے ہاتھ سے رُجوع کا اِختیار نکل جاتا ہے، اور طلاق مغلظ (تین طلاقوں) کے بعد میاں بیوی دونوں کے ہاتھ سے دُوسرا نکاح کرنے کا اِختیار بھی ختم ہوجاتا ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَّأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿۲﴾

پھر جب وہ عورتیں اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچنے لگیں تو تم یا تو انہیں بھلے طریقے پر (اپنے نکاح میں) روک رکھو، یا پھر بھلے طریقے سے اُن کو الگ کردو،[۴] اور اپنے میں سے دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو عدل والے ہوں۔[۵] اور اللہ کی خاطر سیدھی سیدھی گواہی دو۔[۶] لوگو! یہ وہ بات ہے جس کی نصیحت اُس شخص کو کی جارہی ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے لئے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا، ﴿۲﴾

---

(۴) یہ اُس صورت کا تذکرہ ہورہا ہے جب شوہر نے طلاق رجعی دی ہو۔ اس صورت میں جب عدت پوری ہونے سے پہلے شوہر کو فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا وہ طلاق سے رُجوع کرکے بیوی سے اِزدواجی تعلق بحال کرنا چاہتا ہے، یا اب بھی علیحدگی ہی مناسب سمجھتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اُسے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ جو کام بھی کرے، بھلے طریقے سے کرے۔ اگر نکاح کا رشتہ باقی رکھنا ہے تو طلاق سے رُجوع کرلے، اور آئندہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور اگر علیحدگی چاہتا ہے تب بھی شریفانہ انداز میں بھل منسی کے ساتھ بیوی کو رُخصت کرے۔

(۵) رُجوع کی صورت میں ترغیب دی گئی ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق سے رُجوع کرلیا۔ عدل والے گواہوں سے مراد گواہوں کا نیک ہونا ہے۔ یہ رُجوع کا پسندیدہ طریقہ ہے، لیکن رُجوع کی لازمی شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اگر شوہر زبان سے کچھ نہ کہے، لیکن بیوی سے حقوقِ زوجیت ادا کرلے، بلکہ بوس وکنار ہی کرلے، تب بھی رُجوع ہوجاتا ہے۔

(۶) یہ ان گواہوں سے خطاب ہے جن کی موجودگی میں شوہر نے طلاق سے رُجوع کیا ہو کہ اگر کبھی رُجوع کو ثابت کرنے کے لئے گواہی دینی پڑے تو ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۳ وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵

اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اُس (کا کام بنانے) کے لئے کافی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ (البتہ) اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔[۷] ﴿۳﴾ اور تمہاری عورتوں میں سے جو ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو (یاد رکھو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے،[۸] اور اُن عورتوں کی (عدت) بھی (یہی ہے) جنہیں ابھی ماہواری آئی ہی نہیں۔ اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ ﴿۴﴾ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تم پر اُتارا ہے، اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اُس کو زبردست ثواب دے گا۔ ﴿۵﴾

---

(۷) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ اُس کا کام بنا دیتا ہے، لیکن کام بنانے کی نوعیت اور اس کا وقت اللہ تعالیٰ خود مقرر فرماتا ہے، کیونکہ اس نے ہر چیز کا ایک نپا تُلا اندازہ طے فرما رکھا ہے۔

(۸) سورۂ بقرہ (۲۲۸:۲) میں طلاق یافتہ عورتوں کی عدت تین ماہواری بتائی گئی ہے۔ اس پر بعض حضرات کے دِل میں سوال پیدا ہوا کہ جن عورتوں کی ماہواری بڑی عمر میں پہنچنے پر بند ہو جاتی ہے، ان کی عدت کیا ہوگی۔ اس

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ ۝۶

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اُسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو، اور اُنہیں تنگ کرنے کے لئے اُنہیں ستاؤ نہیں،(۹) اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن کو اُس وقت تک نفقہ دیتے رہو جب تک وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔(۱۰) پھر اگر وہ تمہارے لئے بچے کو دُودھ پلائیں تو انہیں ان کی اُجرت ادا کرو، اور (اُجرت مقرر کرنے کے لئے) آپس میں بھلے طریقے سے بات طے کرلیا کرو، اور اگر تم ایک دوسرے کے لئے مشکل پیدا کرو گے تو اُسے کوئی اور عورت دُودھ پلائے گی۔(۱۱) ﴿۶﴾

آیت نے واضح فرمادیا کہ تین ماہواری کے بجائے ان کی عدت تین مہینے ہوگی۔ اور اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جنہیں ابھی ماہواری آنی شروع ہی نہیں ہوئی، اُن کی عدت بھی تین مہینے ہوگی۔ اور جن عورتوں کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو، ان کی عدت اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ان کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے، یا حمل کسی وجہ سے گر جائے، چاہے وہ تین مہینے سے کم مدت میں ہو یا زیادہ مدت میں۔

(۹) مرد کو یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اب بیوی کو رُخصت تو کرنا ہی ہے، اس لئے اسے ستا کر رُخصت کروں۔ اس کے بجائے اُس کے گھر میں رہنے کے دوران اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے، اور اسی آیت سے حنفی حضرات نے یہ بھی اِستدلال کیا ہے کہ مطلقہ چاہے رجعی ہو یا بائنہ، عدت کے دوران اُس کا نفقہ شوہر کے ذمے واجب ہے، کیونکہ نفقہ نہ دینا ستانے کا ہی ایک طریقہ ہے جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۰) عام حالت میں تو عدت تین مہینے کے قریب قریب پوری ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ حمل کی مدت اس سے لمبی بھی ہو سکتی ہے، اس لئے اس حالت کا خاص طور پر ذکر فرما کر حکم دیا گیا ہے کہ نفقہ بچے کی پیدائش تک جاری رہے گا، چاہے اُس میں کتنی دیر لگے۔

(۱۱) مطلقہ عورت خود اپنے بچے کو دُودھ پلانے کے لئے اپنے سابق شوہر اور بچے کے باپ سے اُجرت کا مطالبہ

لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ۝۷ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ۝۸ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ۝۹

ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے۔ اور جس شخص کے لئے اُس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو، تو جو کچھ اللہ نے اُسے دیا ہے، وہ اُسی میں سے نفقہ دے۔ اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے، اُس پر اُس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔[۱۲] کوئی مشکل ہو تو اللہ اُس کے بعد کوئی آسانی بھی پیدا کر دے گا۔ ﴿۷﴾

اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے اُن کا سخت حساب لیا، اور اُنہیں سزا دی، ایسی بُری سزا جو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی! ﴿۸﴾ چنانچہ انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا، اور ان کے اعمال کا آخری انجام نقصان ہی نقصان ہوا۔ ﴿۹﴾

کر سکتی ہے، اور آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ اُجرت آپس کی رضامندی سے طے کر لینی چاہئے۔ نہ تو شوہر اس میں بخل سے کام لے، کیونکہ اگر آپس کی رضامندی سے بات طے نہ ہو سکی تو کسی اور عورت کو رکھنا پڑے گا، اور ظاہر ہے کہ وہ رِواج کے مطابق اُجرت مانگے گی، لہٰذا کیوں نہ بچے کی ماں ہی کو وہ اُجرت دے دی جائے۔ نیز ماں کو بھی یہ نہ چاہئے کہ وہ رِواج سے زیادہ اُجرت کا مطالبہ کرے، کیونکہ اُس صورت میں بچے کا باپ کسی اور عورت سے دُودھ پلوانے پر مجبور ہوگا، اور ماں کے لئے یہ اچھی بات نہیں ہے کہ وہ محض زیادہ پیسوں کے لالچ میں اپنے بچے کو کسی اور سے دُودھ پلوائے۔

(۱۲) شوہر پر بیوی بچوں کا جو نفقہ واجب ہوتا ہے، وہ اُس کی اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب ہوتا ہے۔ اُس سے زیادہ نہیں۔

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۖ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

ع ۲ ۵ ۱۸

(اور آخرت میں) ہم نے اُن کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لہٰذا اے عقل والو جو ایمان لے آئے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔(۱۳) اللہ نے تمہارے پاس ایک سراپا نصیحت بھیجی ہے، ﴿۱۰﴾ یعنی وہ رسول جو تمہارے سامنے روشنی دینے والی اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے، اللہ اُس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں جنتی لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ایسے شخص کے لئے بہترین رزق طے کر دیا ہے۔ ﴿۱۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے، اور زمین بھی اُنہی کی طرح۔(۱۴) اللہ کا حکم ان کے درمیان اُترتا رہتا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۲﴾

(۱۳) یہ قرآنِ کریم کا خاص اُسلوب ہے کہ وہ جو اَحکام عطا فرماتا ہے، اُن کے آگے پیچھے بار بار یہ یاد دِلاتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے اِحساس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ یہی وہ اِحساس ہے جو تمہارے

لئے ان احکام پر عمل کرنا آسان بنادے گا۔

(۱۴) احادیث سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ البتہ ان کی کوئی تفصیل قرآن وحدیث نے نہیں بتائی کہ یہ سات زمینیں تہہ برتہہ ہیں، یا ان کے درمیان فاصلہ ہے، اور اگر فاصلہ ہے تو وہ کہاں واقع ہیں۔ کائنات کی بیشمار چیزیں ایسی ہیں جن تک ابھی انسان کے علم کی رسائی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت جانتا ہے، اور قرآنِ کریم کے مقصد کے لئے یہ ساری تفصیلات جاننا ضروری بھی نہیں ہے۔ آیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ کائنات کے ان حقائق سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمان لانا ہی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ طلاق کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز جمعہ مؤرخہ ۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳ رجون ۲۰۰۸ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرماکر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تشریح بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ التَّحرِيم

تعارف

جیسا کہ پچھلی سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت کا بنیادی موضوع بھی یہ ہے کہ میاں بیوی کو آپس میں اور اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح معتدل اور متوازن رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایک طرف اُن سے معقول حدود میں محبت بھی دِین کا تقاضا ہے، اور دُوسری طرف اُن کی یہ نگرانی بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام سے اِنحراف نہ کریں۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا کہ اپنی کچھ اَزواجِ مطہرات کی خوشنودی کی خاطر آپ نے یہ قسم کھالی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا جس کی تفصیل آیت نمبر ۱ کے حاشیہ میں آرہی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہے، اُسے آپ اپنے اُوپر حرام کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے سورت کا نام تحریم ہے جس کے معنیٰ ہیں: ''حرام کرنا''۔

آیاتہا ۱۲ ۶۶ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟ (۱) اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱﴾ اللہ نے تمہاری قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ (۲) اور اللہ تمہارا کارساز ہے، اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۲﴾

---

(۱) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اپنی تمام اَزواجِ مطہرات کے پاس تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق آپ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو شہد پیش کیا جو آپ نے پیا۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو دونوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ (مغافیر ایک گھاس کا نام ہے جس میں کچھ بُو ہوتی تھی) آپ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے پوچھا کہ: "آپ کے منہ میں یہ بُو کیسی ہے؟" آپ کو اس سے شبہ ہوا کہ شاید جو شہد میں نے پیا تھا، اُس کی مکھی نے مغافیر چوسا ہو۔ چونکہ آپ کو اپنے مبارک منہ سے کوئی ناگوار بو محسوس ہونا اِنتہائی ناپسند تھا، اس لئے آپ نے اُس وقت یہ قسم کھالی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ پینے کی جو قسم کھالی تھی، اُس پر اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ آپ

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾

اور یاد کرو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی تھی۔[۳] پھر جب اُس بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتلا دی،[۴] اور اللہ نے یہ بات نبی پر ظاہر کر دی تو اُس نے اُس کا کچھ حصہ جتلا دیا، اور کچھ حصے کو ٹال گئے۔[۵] پھر جب اُنہوں نے اُس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ: ''آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟'' نبی نے کہا کہ: ''مجھے اُس نے بتائی جو بڑے علم والا، بہت باخبر ہے۔'' ﴿۳﴾ (اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کرلو (تو یہی مناسب ہے) کیونکہ تم دونوں کے دِل مائل ہوگئے ہیں،[۶] اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے ایک دُوسری کی مدد کی، تو (یاد رکھو کہ) اُن کا ساتھی اللہ ہے، اور جبرئیل ہیں، اور نیک مسلمان ہیں۔ اور اس کے علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں۔ ﴿۴﴾

وہ قسم توڑ دیں، اور کفارہ ادا کر دیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نامناسب قسم کھالے تو اُسے قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ کفارہ وہی ہے جو سورۂ مائدہ (۸۹:۵) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۳) راز کی بات آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمائی تھی کہ میں نے شہد نہ پینے کی قسم کھالی ہے، مگر یہ بات کسی کو بتانا نہیں، تاکہ حضرت زینبؓ جن کے گھر میں آپ شہد نوش فرماتے تھے، ان کا دِل نہ ٹوٹے۔

(۴) یعنی حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو بتلا دی۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو یہ تو جتلا دیا کہ انہوں نے راز کی بات جو حضرت عائشہؓ کو بتائی، اُس کا علم مجھے ہوگیا ہے، لیکن پوری بات نہیں بتلائی، تاکہ ان کو زیادہ شرمندگی نہ ہو۔

(۶) یہ خطاب حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہو رہا ہے، اور اس کا مطلب اکثر مفسرین

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ ع

ع ۱ ۷ ۱۹

اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اُن کو (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطا فرمادے جو تم سب سے بہتر ہوں، مسلمان، ایمان والی، طاعت شعار، توبہ کرنے والی، عبادت گذار اور روزہ دار ہوں، چاہے پہلے اُن کے شوہر رہے ہوں، یا کنواری ہوں۔ ﴿۵﴾

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔(۷) اُس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم میں اُس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ﴿۶﴾ اے کفر اِختیار کرنے والو! آج معذرتیں پیش مت کرو۔ تمہیں اُنہی اعمال کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۷﴾

نے یہ بتایا ہے کہ: ''تم دونوں کے دِل حق سے مائل ہوگئے ہیں، یعنی حق طریقے سے ہٹ گئے ہیں'' لیکن بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ تمہارے دِل توبہ کی طرف مائل تو ہو ہی گئے ہیں، اس لئے اب تمہیں توبہ کرلینی چاہئے۔

(۷) پتھر سے مراد پتھر کے وہ بت ہیں جنہیں بت پرست لوگ پوجا کرتے تھے۔ ان کو دوزخ میں عبرت کے طور پر ڈالا جائے گا، تاکہ بت پرست ان پتھروں کا انجام دیکھیں جن کو انہوں نے خدا بنایا ہوا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٩﴾

اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں تم سے جھاڑ دے، اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو رُسوا نہیں کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔(۸) وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے اس نور کو مکمل کر دیجئے،(۹) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے۔ یقیناً آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔" ﴿۸﴾ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو،(۱۰) اور اُن کے مقابلے میں سخت ہو جاؤ۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۹﴾

(۸) اس سے مراد غالباً وہ وقت ہے جب تمام لوگ پل صراط سے گذر رہے ہوں گے، وہاں ہر انسان کا ایمان اُس کے سامنے نور بن کر اُسے راستہ دِکھائے گا، جیسا کہ سورۂ حدید (۵۷:۱۲) میں گذر چکا ہے۔

(۹) یعنی آخر تک اُسے برقرار رکھئے۔ کیونکہ سورۂ حدید میں گذر چکا ہے کہ منافق بھی شروع میں اس نور سے فائدہ اُٹھائیں گے، لیکن بعد میں اُن سے نور سلب کر لیا جائے گا۔

(۱۰) جہاد کے معنی دراصل جدوجہد کے ہیں۔ اس میں پُر امن جدوجہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے کسی کو دِین کی دعوت دی جائے، اور دِین کی نشر و اشاعت اور اُس کی تنفیذ کے لئے کام کیا جائے، اور مسلح جدوجہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے دُشمن کا مقابلہ کیا جائے، مگر یہ مسلح جدوجہد کافروں ہی کے مقابلے میں ہوسکتی ہے، منافق چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اس لئے دُنیا میں اُن کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا معاملہ کیا جاتا ہے، اور عام حالات میں اُن سے لڑائی نہیں کی جاتی، اِلَّا یہ کہ وہ بغاوت پر اُتر آئیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ⑪ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۧ⑫

جن لوگوں نے کفر اِختیار کیا ہے، اللہ اُن کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ دونوں ہمارے دو ایسے بندوں کے نکاح میں تھیں جو بہت نیک تھے۔ پھر انہوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی،(۱۱) تو وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ بھی کام نہیں آئے، اور (اُن بیویوں سے) کہا گیا کہ: ''دُوسرے جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں چلی جاؤ۔'' ﴿۱۰﴾ اور جن لوگوں نے اِیمان اِختیار کیا ہے، اُن کے لئے اللہ، فرعون کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے(۱۲) جب اُس نے کہا تھا کہ: ''میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنادے، اور مجھے فرعون اور اُس کے عمل سے نجات دیدے، اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی نجات عطا فرما۔'' ﴿۱۱﴾ نیز عمران کی بیٹی مریم کو (مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، تو ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی،(۱۳) اور اُنہوں نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ طاعت شعار لوگوں میں شامل تھیں۔ ﴿۱۲﴾

---

(۱۱) حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے اپنے مقدس شوہر کو مجنون کہا کرتی تھی، اور حضرت نوح علیہ السلام کے راز اُن کے دُشمنوں کو بتادیا کرتی تھی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی آپ کے دُشمنوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ (روح المعانی) یہ مثال دے کر اللہ تعالیٰ متنبہ فرمارہے ہیں کہ کسی قریب ترین رشتہ دار کا اِیمان بھی

انسان کو فائدہ نہیں دے سکتا جب تک وہ خود ایمان نہ لائے۔

(۱۲) فرعون کی بیوی کا نام آسیہ تھا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جادوگروں پر فتح عطا فرمائی تو اُن جادوگروں کے ساتھ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں جس کے نتیجے میں فرعون نے اُن پر بہت ظلم ڈھائے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ دُعا فرمائی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فرعون نے اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ کر اُوپر سے ایک پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح قبض فرمالی۔ (روح المعانی)۔

(۱۳) اسی رُوح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی لئے ان کو ''رُوح اللہ'' کہا جاتا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ تحریم کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بروز جمعہ ۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰/ جون ۲۰۰۸ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ المُلك

تعارف

یہاں سے قرآنِ کریم کے آخر تک زیادہ تر مکی سورتیں ہیں۔ تقریباً ان سب سورتوں کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رِسالت اور آخرت کا اِثبات، جنت و دوزخ کے حالات اور اِسلام کی تبلیغ کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات اور تسلی دینا ہے۔ چونکہ یہ پچھلی سورتوں کے مقابلے میں مختصر سورتیں ہیں، اس لئے ان سب کے الگ الگ تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جس سورت میں ضرورت محسوس ہوگی، اِن شاء اللہ وہاں تعارف عرض کردیا جائے گا۔

آیاتها ۳۰ ٦٧ سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ ٧٧ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ؗ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ ① الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ② الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۱﴾ جس نے موت اور زندگی اس لئے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اِقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے، ﴿۲﴾ جس نے سات آسمان اُوپر تلے پیدا کیے۔ تم خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤگے۔(۱) اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ ﴿۳﴾ پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ یہی ہوگا کہ نظر تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی۔ ﴿۴﴾

---

(۱) فرق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص توازن اور ربط کے ساتھ پیدا فرمائی ہے، اس میں کہیں غیر موزونیت نہیں ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ﴿٥﴾ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾ اِذَآ اُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَّهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ اَصْحٰبِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾

اور ہم نے قریب والے آسمان کو روشن چراغوں سے سجا رکھا ہے، اور ان کو شیطانوں پر پتھر برسانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے،(۲) اور ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۵﴾ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کا معاملہ کیا ہے، اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۶﴾ جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اُس کے دہاڑنے کی آوازیں سنیں گے، اور وہ جوش مارتی ہوگی، ﴿۷﴾ ایسا لگے گا جیسے وہ غصّے سے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی اُس میں (کافروں کا) کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو اُس کے محافظ اُن سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ ﴿۸﴾ وہ کہیں گے کہ ہاں بیشک ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا، مگر ہم نے (اُسے) جھٹلا دیا، اور کہا کہ: ''اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم بڑی بھاری گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔'' ﴿۹﴾ اور وہ کہیں گے کہ: ''اگر ہم سن لیا کرتے اور سمجھ سے کام لیا کرتے تو (آج) دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔'' ﴿۱۰﴾

---

(۲) چراغوں سے مراد ستارے اور اَجرامِ فلکی ہیں جو رات کے وقت سجاوٹ کا بھی ذریعہ بنتے ہیں، اور ان سے شیطانوں کو مارنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ شیطانوں کو مارنے کی تفصیل سورۂ حجر (۱۵:۱۸) کے حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ ع هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾

اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اِعتراف کرلیں گے۔ غرض پھٹکار ہے دوزخ والوں پر! ﴿۱۱﴾ (اس کے برخلاف) جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن کے لئے بیشک مغفرت اور بڑا اَجر ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور تم اپنی بات چھپا کر کرو، یا زور سے کرو، (سب اُس کے علم میں ہے، کیونکہ) وہ دِلوں تک کی باتوں کا پورا علم رکھنے والا ہے۔ ﴿۱۳﴾ بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ جبکہ وہ بہت باریک بین، مکمل طور پر باخبر ہے! ﴿۱۴﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو رام کر دیا ہے، لہٰذا تم اُس کے مونڈھوں پر چلو پھرو، اور اُس کا رِزق کھاؤ، اور اُسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔(۳) ﴿۱۵﴾ کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، تو وہ ایک دم تھرتھرانے لگے؟(۴) ﴿۱۶﴾ یا کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے؟ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ﴿۱۷﴾

(۳) یعنی زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے تصرف میں دے دی ہیں، لیکن ان کو اِستعمال کرتے وقت یہ مت بھولو کہ تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا، بلکہ ایک دن یہاں سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے جہاں تمہیں ان نعمتوں کا حساب دینا ہوگا، لہٰذا یہاں کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی استعمال کرو۔

(۴) آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ ہے، لیکن بد اَعمالیوں کے نتیجے میں اس دُنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے، مثلاً یہ کہ

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

(وقف غفران / اختلاف / وقف لازم)

اور ان سے پہلے جو لوگ تھے، انہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا تھا؟ ﴿۱۸﴾ اور کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اُوپر نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ پَروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اُن کو خدائے رحمٰن کے سوا کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کی خوب دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ بھلا خدائے رحمٰن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کرے؟ کافر لوگ تو نرے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔(۵) ﴿۲۰﴾ اگر وہ اپنا رِزق بند کردے تو بھلا وہ کون ہے جو تمہیں رزق عطا کر سکے؟ اس کے باوجود وہ سرکشی اور بیزاری پر جمے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چل رہا ہو، وہ منزل تک زیادہ پہنچنے والا ہوگا یا وہ جو ایک سیدھے راستے پر سیدھا سیدھا چل رہا ہو؟ ﴿۲۲﴾ کہہ دو کہ: "وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دِل بنائے۔ (مگر) تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔" ﴿۲۳﴾

انسان کو قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیا جائے، اور زمین تھرتھرانے لگے جس کے نتیجے میں انسان زمین کے اندر اور زیادہ دھنستا چلا جائے۔

(۵) یعنی یہ کافر لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے من گھڑت معبود ہماری مدد کریں گے، وہ خالص دھوکے میں ہیں۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ
مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ
مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ
ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

کہہ دو کہ: ”وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، اور اُسی کے پاس تمہیں اِکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔“ ﴿۲۴﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟“[۶] ﴿۲۵﴾ کہہ دو کہ: ”اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، اور میں تو بس صاف صاف طریقے پر خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۲۶﴾ پھر جب وہ اس (قیامت کے عذاب) کو پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ: ”یہ ہے وہ چیز جو تم مانگا کرتے تھے۔“ ﴿۲۷﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ چاہے اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمادے، (دونوں صورتوں میں) کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟“[۷] ﴿۲۸﴾ کہہ دو کہ: ”وہ رحمٰن ہے، ہم اس پر اِیمان لائے ہیں، اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ چنانچہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۲۹﴾ کہہ دو کہ: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی صبح تمہارا پانی نیچے کو اُتر کر غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے سے اُبلتا ہوا پانی لا کر دیدے؟“[۸] ﴿۳۰﴾

---

(۶) کافر لوگ بار بار آخرت کا مذاق اُڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کا عذاب برحق ہے تو اس میں دیر کیوں ہو رہی ہے، ابھی کیوں نہیں آجاتا؟

(۷) بہت سے کافر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے چلے جائیں گے تو ان کا دِین ختم ہو جائے گا، چنانچہ وہ آپ کی وفات کا اِنتظار کر رہے تھے، جیسا کہ سورۂ طور (۵۲: ۳۰) میں گذرا ہے۔ یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ چاہے اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو ہلاک فرمائے، یا ان پر رحم فرما کر انہیں فتح عطا فرمائے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے) لیکن اس سے تمہارے انجام پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں صورتوں میں کافروں کو عذاب سے ضرور سابقہ پڑے گا۔

(۸) جب یہ بات طے ہے کہ پانی سمیت ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے تو آخر اُس کے سوا کون ہے جو عبادت کا مستحق ہو، اور کونسی وجہ ہے جس کی بنا پر اُس کی اس قدرت کا انکار کیا جائے کہ وہ انسانوں کو زندہ کر کے انہیں جزا یا سزا دے گا؟

الحمد للہ! سورۂ ملک کا ترجمہ اور اس کے تشریحی حواشی آج بروز بدھ ۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲/ جولائی ۲۰۰۸ء مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ القلم

آیاتہا ۵۲ ۶۸ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

نٓ۔[۱] (اے پیغمبر!) قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں،[۲] ﴿۱﴾ اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں ہو، ﴿۲﴾ اور یقین جانو تمہارے لئے ایسا اَجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ﴿۳﴾ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔ ﴿۴﴾

---

(۱) یہاں حرف نون اُنہی حروف مقطعات میں سے ہے جو مختلف قرآنی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور جن کے بارے میں سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کے ٹھیک ٹھیک معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ کے کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہا کرتے تھے۔ اگلی آیت میں اُن کی تردید فرمائی گئی ہے، اور اس سے پہلے اس آیت میں اس تردید پر یہ قسم کھائی گئی ہے۔ اس کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے مراد تقدیر کا قلم ہے، اور ''وہ'' سے مراد فرشتے ہیں، یعنی قسم ہے تقدیر کے قلم کی، اور تقدیر کے ان فیصلوں کی جو فرشتے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے نہیں ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر ہونا اور مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا تقدیر میں پہلے سے لکھا جاچکا تھا، اس لئے آپ اگر اللہ تعالیٰ کا پیغام دُنیا والوں تک پہنچا رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی غیر معقول بات ہے، اور نہ اس پر کسی کو حیرت ہونی چاہئے۔
دُوسرے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے مراد عام قلم ہے، اور ''جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں'' سے مراد عام لوگوں کا لکھنا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ قلم سے لکھنا جاننے والے بھی وہ اعلیٰ مضامین لکھنے سے عاجز ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کے ذریعے لوگوں تک پہنچا رہے ہیں، حالانکہ آپ اُمّی ہیں،

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳

چنانچہ تم بھی دیکھ لوگے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے ﴿۵﴾ کہ تم میں سے کون دیوانگی میں مبتلا ہے ﴿۶﴾ یقیناً تمہارا پروردگار اُسے بھی خوب جانتا ہے جو اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے، اور اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جنہوں نے سیدھی راہ پالی ہے۔ ﴿۷﴾ لہٰذا تم ان کی باتوں میں نہ آنا جو (تمہیں) جھٹلا رہے ہیں، ﴿۸﴾ یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔[۳] ﴿۹﴾ اور کسی بھی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت شخص ہے،[۴] ﴿۱۰﴾ طعنے دینے کا عادی ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، ﴿۱۱﴾ بھلائی سے روکنے والا، زیادتی کرنے والا، بدعمل ہے ﴿۱۲﴾ بدمزاج ہے، اور اس کے علاوہ نچلے نسب والا بھی۔ ﴿۱۳﴾

اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ ایک اُمی کی زبان مبارک پر ایسا اُونچے درجے کا کلام جاری ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آرہی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو دیوانگی کا طعنہ دینا خود دیوانگی ہے۔

(۳) کافروں کی طرف سے کئی بار اس قسم کی تجویزیں پیش کی گئی تھیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائضِ تبلیغ کی ادائیگی میں کچھ نرمی کا مظاہرہ فرمائیں، اور ہمارے بتوں کو باطل نہ کہیں تو ہم بھی آپ کو ستانا چھوڑ دیں گے۔ یہ ان کی اس تجویز کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) جو کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اور آپ کو اپنے دین کی تبلیغ سے ہٹانا چاہتے تھے، اُن میں سے کئی لوگ ایسے تھے جن میں وہ اخلاقی خرابیاں پائی جاتی تھیں جن کا تذکرہ آیات ۱۰ تا ۱۲ میں فرمایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے ایسے اَفراد کا نام بھی لیا ہے کہ وہ اخنس بن شریق، اسود بن عبد یغوث یا ولید بن مغیرہ تھے۔

اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿ؕ۱۴﴾ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُہٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا بَلَوۡنٰہُمۡ کَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ ۚ اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَیَصۡرِمُنَّہَا مُصۡبِحِیۡنَ ﴿ۙ۱۷﴾

صرف اس وجہ سے کہ وہ بڑے مال اور اولاد والا ہے۔[۵] ﴿۱۴﴾ جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ﴿۱۵﴾ عنقریب ہم اُس کی سونڈ پر داغ لگادیں گے۔[۶] ﴿۱۶﴾

ہم نے ان (مکہ والوں) کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جیسے (ایک) باغ والوں کو اُس وقت آزمائش میں ڈالا تھا جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس باغ کا پھل توڑ لیں گے[۷] ﴿۱۷﴾

---

(۵) یعنی صرف مال دار اور بڑے خاندان والا ہونے کی وجہ سے ایسے آدمی کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔

(۶) سونڈ سے مراد ناک ہے جسے اہانت کے طور پر سونڈ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کی ناک کو داغ کر اُس پر ایک بدنما نشان لگا دیا جائے گا جس سے اُس کی مزید رُسوائی ہوگی۔

(۷) مکہ مکرمہ کے بعض مال دار کافروں کو یہ زعم تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں مال و دولت سے نہ نوازتا، جیسا کہ سورۂ مؤمنون (۵۶:۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کا ذِکر فرمایا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ ہم بعض اوقات کسی کو مال و دولت اس کو آزمانے کے لئے دیتے ہیں، اور اگر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنے کے بجائے ناشکری کرے تو اس پر دُنیا ہی میں عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں اسی طرح کا ایک واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جو اہلِ عرب میں مشہور تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک نیک شخص کا بہت بڑا باغ تھا۔ اُس نیک آدمی کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے باغ اور کھیت کی پیداوار کا ایک اچھا خاصا حصہ غریبوں کو دیا کرتا تھا۔ جب اُس کا اِنتقال ہوا تو اُس کے بیٹوں نے یہ طے کیا کہ ہمارا باپ بے وقوف تھا جو اتنی ساری پیداوار غریبوں کو دے کر اپنی دولت میں کمی کر دیتا تھا۔ اب جو ہم باغ کی کٹائی کریں گے تو ایسا اِنتظام کریں گے کہ کوئی غریب آدمی وہاں آنے ہی نہ پائے۔ اس کے نتیجے میں جب وہ کٹائی کے لئے پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ پر ایک ایسی آفت بھیج دی کہ سارا باغ تباہ ہو کر رہ گیا۔ اکثر روایتوں کے مطابق یہ واقعہ یمن کے شہر صنعاء سے کچھ فاصلے پر

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور (یہ کہتے ہوئے) وہ کوئی اِستثناء نہیں کر رہے تھے۔[۸] ﴿۱۸﴾ پھر ہوا یہ کہ جس وقت وہ سو رہے تھے، اُس وقت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بلا اُس باغ پر پھیرا لگا گئی، ﴿۱۹﴾ جس سے وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہوگیا۔ ﴿۲۰﴾ پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دُوسرے کو آواز دی، ﴿۲۱﴾ کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو اپنے کھیت کی طرف سویرے چل نکلو۔ ﴿۲۲﴾ چنانچہ وہ ایک دُوسرے سے چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے ﴿۲۳﴾ کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس اُس باغ میں نہ آنے پائے۔ ﴿۲۴﴾ اور وہ بڑے زوروں میں تیز تیز چلتے ہوئے نکلے۔[۹] ﴿۲۵﴾

ضروان نامی ایک علاقے میں پیش آیا تھا۔ یہ علاقہ اب بھی ضروان کہلاتا ہے، اور میں نے دیکھا ہے۔ وہاں چاروں طرف پھیلے ہوئے سبزے کے درمیان ایک کالے کالے پتھروں والا ویران علاقہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہی اُس باغ کی جگہ تھی جو بعد میں آباد نہیں ہوسکی۔ واللہ اعلم۔

(۸) اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ سارے کا سارا پھل ہم توڑ لیں گے، اور اُس کے کسی حصے کا اِستثناء نہیں کریں گے، یعنی کوئی حصہ غریبوں کے لئے نہیں چھوڑیں گے۔ دُوسرے اِستثناء کرنے کا ایک مطلب ''اِن شاء اللہ'' کہنا بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم صبح ہوتے ہی پھل توڑ لیں گے تو اُس وقت انہوں نے ''اِن شاء اللہ'' نہیں کہا تھا۔

(۹) اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: ''وہ یہ سوچ کر سویرے روانہ ہوئے کہ وہ غریبوں کو منع کرنے پر قادر ہوجائیں گے۔''

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

وقف لازم ۳۴ ع

پھر جب اُس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ: ''ہم ضرور راستہ بھٹک گئے ہیں،''(۱۰) ﴿۲۶﴾ (پھر کچھ دیر کے بعد کہا کہ:) نہیں! بلکہ ہم سب لٹ گئے ہیں۔'' ﴿۲۷﴾ ان میں جو شخص سب سے اچھا تھا، وہ کہنے لگا: ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟''(۱۱) ﴿۲۸﴾ کہنے لگے: ''ہم اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں، یقیناً ہم ظالم تھے۔'' ﴿۲۹﴾ پھر ایک دُوسرے کی طرف متوجہ ہوکر ایک دُوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ ﴿۳۰﴾ (پھر) سب نے (متفق ہوکر) کہا کہ: ''افسوس ہے ہم سب پر! یقیناً ہم سب نے سرکشی اِختیار کرلی تھی۔ ﴿۳۱﴾ کیا بعید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس باغ کے بدلے اُس سے اچھا عطا فرمادے۔ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''(۱۲) ﴿۳۲﴾ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے، اور آخرت کا عذاب یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے! ﴿۳۳﴾

---

(۱۰) یعنی جب اِنہوں نے اپنے باغ کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ وہاں درختوں کا نام ونشان ہی نہیں ہے تو شروع میں یہ سمجھے کہ وہ راستہ بھٹک کر کہیں اور پہنچ گئے ہیں۔

(۱۱) ان بھائیوں میں ایک دُوسروں کی بہ نسبت اچھا تھا، اُس نے پہلے بھی بھائیوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذِکر کرو، اور غریبوں کو منع نہ کرو، لیکن بعد میں وہ بھی دُوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔

(۱۲) اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کے بعد انہوں نے توبہ کرلی تھی۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾

البتہ متقیوں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس نعمتوں بھرے باغات ہیں۔ ﴿۳۴﴾ بھلا کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کردیں گے؟ ﴿۳۵﴾ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم کیسی باتیں طے کرلیتے ہو؟ ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو ﴿۳۷﴾ کہ تمہیں وہاں وہی کچھ ملے گا جو تم پسند کروگے؟ (۱۳) ﴿۳۸﴾ یا تم نے ہم سے قیامت کے دن تک باقی رہنے والی قسمیں لے رکھی ہیں کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو تم طے کروگے؟ ﴿۳۹﴾ (اے پیغمبر!) ان سے پوچھو کہ: ''ان میں سے کون ہے جس نے اس بات کی ضمانت لے رکھی ہو؟'' ﴿۴۰﴾ کیا خدائی میں ان کے مانے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو یہ ضمانت لیتے ہوں؟) تو پھر لے آئیں اپنے ان شریکوں کو، اگر وہ سچے ہیں! ﴿۴۱﴾ جس دن ساق کھول دی جائے گی، اور ان کو سجدے کے لئے بلایا جائے گا تو یہ سجدہ کر نہیں سکیں گے۔ (۱۴) ﴿۴۲﴾

---

(۱۳) بعض کافر یہ کہتے تھے کہ اگر بالفرض ہمیں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تب بھی وہ ہمیں وہاں جنت کی نعمتیں دے گا، جیسا کہ سورۂ حٰم السجدہ (۴۱:۵۰) میں گذرا ہے۔ یہ آیتیں اس بے بنیاد خیال کی تردید فرمارہی ہیں۔

(۱۴) ''ساق'' پنڈلی کو کہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ پنڈلی کا کھل جانا عربی میں ایک محاورہ ہے جو بہت سخت مصیبت پیش آجانے کے لئے بولا جاتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کی سخت مصیبت پیش آجائے گی تو ان کافروں کا یہ حال ہوگا۔ اور بہت سے مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے

خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدۡ كَانُوۡا يُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ وَهُمۡ سٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرۡنِىۡ وَمَنۡ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۴﴾ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ﴿۴۵﴾ اَمۡ تَسۡـَٔـلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ۚ﴿۴۶﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾ فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰى وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ ؕ﴿۴۸﴾

وقف لازم

ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ان پر ذِلت چھائی ہوئی ہوگی۔ اُس وقت بھی انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا جب یہ لوگ صحیح سالم تھے، (اُس وقت قدرت کے باوجود یہ انکار کرتے تھے) ﴿۴۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) جو لوگ اس کلام کو جھٹلا رہے ہیں اُنہیں مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم انہیں اس طرح دھیرے دھیرے (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ﴿۴۴﴾ اور میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں۔ یقین رکھو میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ ﴿۴۵﴾

کیا تم ان سے کوئی اُجرت مانگ رہے ہو کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۴۶﴾ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ رہے ہوں؟ ﴿۴۷﴾ غرض تم اپنے پروردگار کا حکم آنے تک صبر کئے جاؤ، اور مچھلی والے کی طرح مت ہوجانا،[15] جب انہوں نے غم سے گھٹ گھٹ کر (ہمیں) پکارا تھا۔ ﴿۴۸﴾

کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی انسانوں کی پنڈلی کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بہرحال! مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وہ صفت ظاہر فرمائیں گے، اور لوگوں کو سجدے کے لئے بلایا جائے گا، مگر یہ کافر لوگ اُس وقت سجدے پر قادر نہیں ہوں گے، کیونکہ جب ان کو قدرت تھی، اُس وقت انہوں نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس تفسیر کی تائید ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱۵) اس سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جن کا واقعہ سورۂ یونس (۱۰:۹۸) اور سورۂ انبیاء (۲۱:۸۷) اور سورۂ صافات (۳۷:۱۴۰) میں گذر چکا ہے۔

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٥٢﴾ ع

اگر ان کے پروردگار کے فضل نے انہیں سنبھال نہ لیا ہوتا تو انہیں بُری حالت کے ساتھ اُسی کھلے میدان میں پھینک دیا جاتا۔[16] ﴿٤٩﴾ پھر ان کے پروردگار نے انہیں منتخب فرمالیا، اور انہیں صالحین میں شامل کردیا۔ ﴿٥٠﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے جب وہ نصیحت کی یہ بات سنتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنی (تیز تیز) آنکھوں سے تمہیں ڈگمگا دیں گے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔ ﴿٥١﴾ حالانکہ یہ تو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہی نصیحت ہے۔ ﴿٥٢﴾

(١٦) اس سے مراد وہ میدان ہے جہاں مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل کر چلی گئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے باوجود وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ان کا زندہ رہنا بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں سنبھالا، اور وہ دوبارہ تندرست ہو گئے۔

الحمدللہ! سورۂ قلم کا ترجمہ اور اس کے حواشی آج بروز جمعہ ۴ رجولائی ۲۰۰۸ء مطابق ۲۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ دبی میں تکمیل کو پہنچے، جبکہ اس سورت کی خدمت کی اِبتداء مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الحَاقَّة

آیاتھا ۵۲ ۶۹ سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ ۷۸ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ؕ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی! ﴿۱﴾ کیا ہے وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی؟ ﴿۲﴾ اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ حقیقت کیا ہے جو ہو کر رہے گی؟[1] ﴿۳﴾ ثمود اور عاد کی قوموں نے اُسی جھنجوڑ ڈالنے والی حقیقت کو جھٹلایا تھا۔ ﴿۴﴾ نتیجہ یہ کہ جو ثمود کے لوگ تھے، وہ (چنگھاڑ کی) ایسی آفت سے ہلاک کئے گئے جو حد سے زیادہ (خوفناک) تھی۔[2] ﴿۵﴾ اور جو عاد کے لوگ تھے، انہیں ایک ایسی بے قابو طوفانی ہوا سے ہلاک کیا گیا ﴿۶﴾

---

(۱) اس حقیقت سے مراد قیامت ہے۔ عربی محاورے کے مطابق یہ انتہائی پُرزور تعبیر ہے جو کسی واقعے کے خوفناک پہلو کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت بلیغ پیرائے میں بیان فرمائی گئی ہے، اور اُس کو کسی دُوسری زبان میں اپنی پوری تاثیر کے ساتھ منتقل کرنا ممکن نہیں، لیکن مفہوم واضح کرنے کے لئے قریب قریب لفظی ترجمہ کردیا گیا ہے۔

(۲) سورۂ اَعراف (۷:۷۳) میں قومِ ثمود کا تعارف گذر چکا ہے۔ انہیں حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے ایک زبردست چنگھاڑ کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ گئے تھے۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ⑦ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ ⑨ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۙ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫

جسے اللہ نے اُن پر سات رات اور آٹھ دن لگا تار مسلط رکھا۔(۳) چنانچہ تم (اگر وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ لوگ وہاں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح پچھاڑے ہوئے پڑے تھے۔(۴) ﴿۷﴾ اب کیا اُن میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ ﴿۸﴾ اور فرعون اور اُس سے پہلے کے لوگوں نے اور (لوط علیہ السلام کی) اُلٹی ہوئی بستیوں نے بھی اسی جرم کا اِرتکاب کیا تھا، ﴿۹﴾ کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تھی، اس لئے اللہ نے انہیں سخت پکڑ میں لے لیا۔ ﴿۱۰﴾ جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کردیا،(۵) ﴿۱۱﴾ تاکہ ہم اس واقعے کو تمہارے لئے سبق آموز بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اُسے (سن کر) یاد رکھیں۔ ﴿۱۲﴾

---

(۳) قومِ عاد کا تعارف بھی سورۂ اَعراف (۷:۶۵) میں گذر گیا ہے۔ ان پر زبردست آندھی مسلط کی گئی تھی جو آٹھ دن جاری رہی۔

(۴) قومِ عاد کے لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے، اس لئے ان کی زمین پر گری ہوئی لاشوں کو کھجور کے تنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۵) اس سے مراد اُس طوفان کا پانی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے طور پر بھیجا گیا تھا، اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر اِیمان لے آئے تھے، اُنہیں پانی کی طغیانی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں کشتی میں سوار کردیا جس کا مفصل واقعہ سورۂ ہود (۱۱:۳۶ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالۡمَلَكُ عَلٰٓى اَرۡجَآئِهَا ؕ وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ ﴿۱۹﴾ اِنِّيۡ ظَنَنۡتُ اَنِّيۡ مُلٰقٍ حِسَابِيَهۡ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوۡفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا بِمَآ اَسۡلَفۡتُمۡ فِي الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

پھر جب ایک ہی دفعہ صور میں پھونک ماردی جائے گی، ﴿۱۳﴾ اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کردیا جائے گا، ﴿۱۴﴾ تو اُس دن وہ واقعہ پیش آجائے گا جسے پیش آنا ہے۔ ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ پڑے گا، اور وہ اُس دن بالکل بودا پڑ جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہوں گے، اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اُس دن آٹھ فرشتے اپنے اُوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۱۷﴾ اُس دن تمہاری پیشی اس طرح ہوگی کہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہیں رہے گی۔ ﴿۱۸﴾ پھر جس کسی کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا،(۶) وہ کہے گا کہ: "لوگو! لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو، ﴿۱۹﴾ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔" ﴿۲۰﴾ چنانچہ وہ من پسند عیش میں ہوگا، ﴿۲۱﴾ اُس اُونچی جنت میں ﴿۲۲﴾ جس کے پھل جھکے پڑرہے ہوں گے، ﴿۲۳﴾ (کہا جائے گا کہ:) "اپنے اُن اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گذرے ہوئے دنوں میں کئے تھے۔" ﴿۲۴﴾

---

(۶) نیک لوگوں کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور بُرے لوگوں کو بائیں ہاتھ میں۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝۲۵ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝۲۶ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝۲۷ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝۲۸ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝۲۹ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝۳۰ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝۳۱ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝۳۲ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝۳۳ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳۴ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝۳۵ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝۳۶ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ۝۳۷ ع ۵

رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کہ: ''اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا، ﴿۲۵﴾ اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے؟ ﴿۲۶﴾ اے کاش! کہ میری موت ہی پر میرا کام تمام ہوجاتا! ﴿۲۷﴾ میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، ﴿۲۸﴾ میرا سارا زور مجھ سے جاتا رہا۔'' ﴿۲۹﴾ (ایسے شخص کے بارے میں حکم ہوگا:) ''پکڑو اسے، اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، ﴿۳۰﴾ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، ﴿۳۱﴾ پھر اسے ایسی زنجیر میں پروودو جس کی پیمائش ستر ہاتھ کے برابر ہو۔ ﴿۳۲﴾ یہ نہ تو خدائے بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا، ﴿۳۳﴾ اور نہ غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا، ﴿۳۴﴾ لہٰذا آج یہاں نہ اُس کا کوئی یار و مددگار ہے، ﴿۳۵﴾ اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز میسر ہے، سوائے غسلین کے،(۷) ﴿۳۶﴾ جسے گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔'' ﴿۳۷﴾

(۷) ''غِسلین'' اصل میں تو اُس پانی کو کہتے ہیں جو زخموں کو دھوتے وقت زخموں سے گرتا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ جہنمیوں کی کوئی غذا ہوگی جو اُس زخموں کے پانی کے مشابہ ہوگی، واللہ سبحانہ اعلم۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

اب میں قسم کھاتا ہوں اُس کی بھی جسے تم دیکھتے ہو، ﴿۳۸﴾ اور اُس کی بھی جسے تم نہیں دیکھتے [۸] ﴿۳۹﴾ کہ یہ (قرآن) ایک معزز پیغام لانے والے کا کلام ہے، [۹] ﴿۴۰﴾ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ (مگر) تم اِیمان تھوڑا ہی لاتے ہو، ﴿۴۱﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ (مگر) تم سبق تھوڑا ہی لیتے ہو۔ ﴿۴۲﴾ یہ کلام تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اُتارا جارہا ہے۔ ﴿۴۳﴾ اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بناکر ہماری طرف منسوب کردیتے، ﴿۴۴﴾ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، ﴿۴۵﴾ پھر ہم ان کی شہ رَگ کاٹ دیتے ﴿۴۶﴾ پھر تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو اُن کے بچاؤ کے لئے آڑے آسکتا۔ [۱۰] ﴿۴۷﴾

---

(۸) اس سے مراد کائنات کی تمام مخلوقات ہیں جن میں سے کچھ انسانوں کو نظر آتی ہیں، اور کچھ نظر نہیں آتیں، جیسے عالمِ بالا کی مخلوقات۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ "جسے تم دیکھتے ہو" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور "جسے نہیں دیکھتے" سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو آپ پر وحی لے کر آتے۔

(۹) یہ اُن کافروں کی تردید ہے جو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کبھی کاہن کہا کرتے تھے۔

(۱۰) فرمایا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے تو اللہ تعالیٰ اسی دُنیا میں اُسے رُسوا بھی فرماتے ہیں، اور اُس کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر (خدانخواستہ) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت کا دعویٰ دُرست نہ ہوتا، اور آپ (معاذ اللہ) جھوٹی باتیں

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۲ ۱۵

اور یقین جانو کہ یہ پرہیزگاروں کے لئے ایک نصیحت ہے، ﴿۴۸﴾ اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم مین کچھ لوگ جھٹلانے والے بھی ہیں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ (قرآن) ایسے کافروں کے لئے حسرت کا سبب ہے۔[11] ﴿۵۰﴾ اور یہی وہ یقینی بات ہے جو سراسر حق ہے۔ ﴿۵۱﴾ لہٰذا تم اپنے پروردگار کے عظمت والے نام کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۵۲﴾

بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تو اللہ تعالیٰ اسی دُنیا میں آپ کے ساتھ وہ معاملہ فرماتے جس کا ذِکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

(۱۱) یعنی آخرت میں جب عذاب ان کے سامنے آئے گا تو انہیں حسرت ہوگی کہ کاش ہم قرآنِ کریم پر اِیمان لے آئے ہوتے۔

الحمدللہ! سورۂ الحاقہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی کا کام آج شبِ جمعہ مؤرخہ ۷؍رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو مقبول اور نافع بنا کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المَعَارِج

آیاتھا ۴۴ ۷۰ سُوْرَۃُ المَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ ۷۹ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ۚ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چوالیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا ہے جو کافروں پر آنے والا ہے،(۱) کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے۔ ﴿۱-۲﴾ وہ اللہ کی طرف سے آئے گا جو چڑھنے کے تمام راستوں کا مالک ہے،(۲) ﴿۳﴾ فرشتے اور رُوح القدس اُس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ کر جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔(۳) ﴿۴﴾

(۱) ایک کافر نے اسلام کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر یہ قرآن اور اِسلام برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے، یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آئیے، جیسا کہ سورۂ انفال (۸:۳۲) میں گذرا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص نضر بن حارث تھا۔ یہاں اسی کی بات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ وہ عذاب مانگ رہا ہے، اور اُس کا اصل مقصد مذاق اُڑا کر اس عذاب کو جھٹلانا ہے، حالانکہ وہ ایسی چیز ہے کہ جب آجائے گی تو کوئی اُسے روک نہیں سکے گا۔

(۲) چڑھنے کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جن سے چڑھ کر فرشتے عالمِ بالا تک پہنچتے ہیں۔ یہاں ان کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اگلی آیت میں انہی فرشتوں کے چڑھنے کا ذکر آرہا ہے۔

(۳) اس دن سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک قیامت کا دن ہے جو کافروں کو حساب و کتاب کی سختی کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اسی دن کو سورۂ تنزیل السجدہ (۳۲:۵) میں ایک ہزار

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾

لہٰذا تم خوبصورتی کے ساتھ صبر سے کام لو۔ ﴿٥﴾ یہ لوگ اُسے دُور سمجھ رہے ہیں، ﴿٦﴾ اور ہم اُسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ ﴿٧﴾ (وہ عذاب) اُس دن ہوگا جب آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوجائے گا، ﴿٨﴾ اور پہاڑ رنگین رُوئی کی طرح ہوجائیں گے، ﴿٩﴾ اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو پوچھے گا بھی نہیں، ﴿١٠﴾ حالانکہ وہ ایک دُوسرے کو دِکھا بھی دیئے جائیں گے۔ مجرم یہ چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹے فدیہ میں دیدے، ﴿١١﴾ اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی، ﴿١٢﴾ اور اپنا وہ خاندان جو اُسے پناہ دیتا تھا، ﴿١٣﴾ اور زمین کے سارے کے سارے باشندے۔ پھر (ان سب کو فدیہ میں دے کر) اپنے آپ کو بچالے۔ ﴿١٤﴾

سال کے برابر قرار دیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ حساب و کتاب کی سختی کی نوعیت کے لحاظ سے کسی کو وہ ایک ہزار سال کا معلوم ہوگا، اور جس کسی کو اور زیادہ سختی اُٹھانی ہوگی، اُسے پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ لیکن اس آیت کی ایک دوسری تفسیر یہ ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گذر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ سورۂ حج (٢٢:٤٧) میں بھی یہ بات اسی سلسلے میں فرمائی گئی ہے کہ یہ لوگ عذاب کو جلدی لانے کا مطالبہ کررہے ہیں، اور یہاں سورۂ معارج میں بھی اُسی شخص کے جواب میں یہ بات اِرشاد فرمائی گئی ہے جو عذاب مانگ رہا تھا۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

(لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوسکے گا! وہ تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے، ﴿۱۵﴾ جو کھال اُتار لے گی، ﴿۱۶﴾ ہر اُس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیر کر منہ موڑا ہوگا، (۴) ﴿۱۷﴾ اور (مال) اِکٹھا کیا ہوگا، پھر اُسے سینت سینت کر رکھا ہوگا۔ (۵) ﴿۱۸﴾

حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے، ﴿۱۹﴾ جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جاتا ہے، ﴿۲۰﴾ اور جب اُس کے پاس خوش حالی آتی ہے تو بہت بخیل بن جاتا ہے، ﴿۲۱﴾ مگر وہ نمازی ایسے نہیں ہیں، ﴿۲۲﴾ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، ﴿۲۳﴾ اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق ہے (۶) ﴿۲۴﴾ سوالی اور بے سوالی کا (۷) ﴿۲۵﴾ اور جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں، ﴿۲۶﴾ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے سہمے رہتے ہیں، ﴿۲۷﴾

(۴) یعنی جس جس نے دُنیا میں حق سے پیٹھ موڑی ہوگی اُسے وہ اپنے پاس بلا لے گی۔

(۵) یعنی مال پر اللہ تعالیٰ نے جو حقوق عائد فرمائے ہیں، ان کو ادا کئے بغیر وہ اُسے جمع کرتا رہا ہوگا۔

(۶) اس سے مراد زکوٰۃ اور دُوسرے واجب حقوق ہیں۔ ان الفاظ میں یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ زکوٰۃ دینا غریبوں پر کوئی احسان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کا حق ہے۔

(۷) جو غریب اپنی حاجت ظاہر کردیتے ہیں، انہیں سوالی سے اور جو حاجت مند ہونے کے باوجود اپنی حاجت کسی سے نہیں کہتے، اُنہیں بے سوالی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾

—— یقیناً اُن کے پروردگار کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے بے فکری برتی جائے —— ﴿۲۸﴾ اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، ﴿۲۹﴾ —— سوائے اپنی بیویوں اور اُن باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ﴿۳۰﴾ البتہ جو لوگ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ اِختیار کرنا چاہیں، وہ حد سے گذرے ہوئے لوگ ہیں —— (۸) ﴿۳۱﴾ اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، ﴿۳۲﴾ اور جو اپنی گواہیاں ٹھیک ٹھیک دینے والے ہیں، ﴿۳۳﴾ اور جو اپنی نماز کی پوری پوری حفاظت کرنے والے ہیں، (۹) ﴿۳۴﴾ وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔ ﴿۳۵﴾

تو (اے پیغمبر!) ان کافروں کو کیا ہو گیا کہ یہ تمہاری طرف چڑھے چلے آرہے ہیں، ﴿۳۶﴾ دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی، ٹولیاں بنا بنا کر! (۱۰) ﴿۳۷﴾

(۸) یعنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور طریقے سے جنسی خواہش پوری کرنا حرام ہے، اس لئے ایسے لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں۔

(۹) آیت نمبر ۲۳ میں نماز کی پابندی کا ذکر ہے، اور یہاں اُس کی پوری حفاظت سے مراد اُس کے تمام آداب کی رعایت ہے۔ مسلمانوں کے انہی جیسے اوصاف سورۂ مؤمنون کی اِبتدائی آیات میں بھی گذرے ہیں۔

(۱۰) جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو کافر لوگ ٹولیاں بنا بنا کر آپ کے

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ع ٢ ٩ ٨

کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ لالچ ہے کہ اُسے نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے؟ ﴿۳۸﴾ ہرگز ایسا نہیں ہوگا! ہم نے ان کو اُس چیز سے پیدا کیا ہے جسے یہ خود جانتے ہیں۔ (۱۱) ﴿۳۹﴾ اب میں قسم کھاتا ہوں ان تمام مقامات کے مالک کی جہاں سے ستارے نکلتے اور جہاں سے غروب ہوتے ہیں کہ ہم یقیناً اس بات پر قادر ہیں ﴿۴۰﴾ کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، (۱۲) اور کوئی ہمیں ہرا نہیں سکتا۔ ﴿۴۱﴾ لہٰذا تم انہیں چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ باتوں میں منہمک اور کھیل کود میں پڑے رہیں، یہاں تک کہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۴۲﴾ جس دن یہ جلدی جلدی قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے اپنے بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہوں۔ ﴿۴۳﴾ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ذِلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ وہی دن ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۴۴﴾

اِردگرد جمع ہو جاتے، اور مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے کہ اگر یہ صاحب جنت میں جائیں گے تو ہم ان سے پہلے چلے جائیں گے۔ (روح المعانی) یہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

(۱۱) یعنی یہ جانتے ہیں کہ ہم نے انہیں نطفے سے پیدا کیا ہے، حالانکہ نطفے سے انسان بننے تک کتنے مراحل آتے

ہیں۔ لہٰذا جب ہم ان تمام مراحل سے گذار کر نطفے کو جیتا جاگتا انسان بنانے پر قادر ہیں تو اُس کی لاش کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟

(۱۲) یعنی ان سب کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کوئی اور قوم پیدا کر دیں جو ان سے بہتر ہو۔

الحمد للہ! سورۂ معارج کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بتاریخ ۷/رجب ۱۴۲۹ھ بروزِ جمعہ مطابق ۱۱/جولائی ۲۰۰۸ء بلوچستان کے شہر چمن میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ نُوح

آیاتھا ۲۸ ۷۱ سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَّکِّیَّۃٌ ۷۱ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا کہ اپنی قوم کو خبردار کرو، قبل اس کے کہ اُن پر کوئی دردناک عذاب آ کھڑا ہو۔(۱) ﴿۱﴾ (چنانچہ) اُنہوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ: ''اے میری قوم! میں تمہارے لئے ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں ﴿۲﴾ کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اُس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو، ﴿۳﴾ اللہ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، اور تمہیں ایک مقرر وقت تک باقی رکھے گا۔(۲) بیشک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ مؤخر نہیں ہوتا۔ کاش کہ تم سمجھتے ہوتے!'' ﴿۴﴾ (پھر) نوح نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ: ''میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (حق کی) دعوت دی ہے، ﴿۵﴾

(۱) اس سورت میں صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی جدوجہد اور اُن کی دُعاؤں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ آپ کا مفصل واقعہ سورۂ یونس (۱۰:۷۱) اور سورۂ ہود (۱۱:۳۶) میں گذر چکا ہے۔

(۲) یعنی جب تک تمہاری زندگی مقدر ہے، اُس وقت تک تمہیں زندہ رکھے گا۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾

لیکن میری دعوت کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوا کہ وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ ﴿۶﴾ اور میں نے جب بھی اُنہیں دعوت دی، تا کہ آپ اُن کی مغفرت فرمائیں، تو انہوں نے اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں، اپنے کپڑے اپنے اُوپر لپیٹ لئے، اپنی بات پر اَڑے رہے، اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ﴿۷﴾ پھر میں نے اُنہیں پکار پکار کر دعوت دی، ﴿۸﴾ پھر میں نے اُن سے علانیہ بھی بات کی، اور چپکے چپکے بھی سمجھایا، ﴿۹﴾ چنانچہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے، ﴿۱۰﴾ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، ﴿۱۱﴾ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا، اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کر دے گا، ﴿۱۲﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۳﴾ حالانکہ اُس نے تمہیں تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گذار کر پیدا کیا ہے، [۳] ﴿۱۴﴾

---

(۳) اشارہ اس طرف ہے کہ انسان نطفے سے لے کر جیتا جاگتا آدمی بننے تک مختلف مرحلوں سے گذرتا ہے جن کا تذکرہ سورۂ حج (۲۲:۵) اور سورۂ مؤمنون (۲۳:۱۴) میں گذرا ہے۔ یہ سارے مراحل اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دَلالت کرتے ہیں۔ پھر تمہیں اس بات میں کیوں شک ہے کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾

کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اُوپر تلے پیدا فرمائے ہیں؟ ﴿۱۵﴾ اور اُن میں چاند کو نور بنا کر اور سورج کو چراغ بنا کر پیدا کیا ہے، ﴿۱۶﴾ اور اللہ نے تمہیں زمین سے بہترین طریقے پر اُگایا ہے،(۴) ﴿۱۷﴾ پھر وہ تمہیں دوبارہ اُسی میں بھیج دے گا، اور (وہیں سے پھر) باہر نکال کھڑا کرے گا۔ ﴿۱۸﴾ اور اللہ نے ہی تمہارے لئے زمین کو ایک فرش بنا دیا ہے، ﴿۱۹﴾ تاکہ تم اُس کے کھلے ہوئے راستوں پر چلو۔'' ﴿۲۰﴾

نوح نے کہا: ''اے میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا، اور اُن (سرداروں) کے پیچھے چل پڑے جن کو اُن کے مال اور اولاد نے نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں دیا، ﴿۲۱﴾ اور انہوں نے بڑی بھاری مکاری سے کام لیا ہے،(۵) ﴿۲۲﴾

(۴) یعنی جس طرح ایک پودا زمین میں مختلف مراحل طے کر کے اُگتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف مراحل سے گذار کر اس زمین میں پیدا فرمایا ہے، نیز جس طرح زمین سے اُگنے والا سبزہ فنا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے، اور پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اُس سبزے کو دوبارہ اُسی مٹی سے اُگا دیتا ہے، اسی طرح تم بھی مر کر مٹی میں مل جاؤ گے، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر زمین سے دوبارہ نکال لے گا۔

(۵) یہ اُن سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے دُشمن اُن کے خلاف کر رہے تھے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع ۸/۱۰

اور (اپنے آدمیوں سے) کہا ہے کہ: ''اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑنا۔ نہ وَدّ اور سواع کو کسی صورت میں چھوڑنا، اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا''(۶) ﴿۲۳﴾ اس طرح انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کردیا ہے، لہٰذا (یا ربّ!) آپ بھی ان کو گمراہی کے سوا کسی اور چیز میں ترقی نہ دیجئے۔'' ﴿۲۴﴾ ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ ہی سے انہیں غرق کیا گیا، پھر آگ میں داخل کیا گیا، اور انہیں اللہ کو چھوڑ کر کوئی حمایتی میسر نہیں آئے۔ ﴿۲۵﴾ اور نوح نے یہ بھی کہا کہ: ''میرے پروردگار! ان کافروں میں سے کوئی ایک باشندہ بھی زمین پر باقی نہ رکھئے، ﴿۲۶﴾ اگر آپ ان کو باقی رکھیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور ان سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بدکار اور پکی کافر ہی پیدا ہوگی۔(۷) ﴿۲۷﴾ میرے پروردگار! میری بھی بخشش فرمادیجئے، میرے والدین کی بھی، ہر اُس شخص کی بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا ہے(۸) اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی بھی۔ اور جو لوگ ظالم ہیں، اُن کو تباہی کے سوا کوئی اور چیز عطا نہ فرمائیے۔'' ﴿۲۸﴾

---

(۶) یہ سب اُن بتوں کے نام ہیں جن کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پوجا کرتی تھی۔

(۷) سورۂ ہود (۱۱:۳۶) میں گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتادیا تھا کہ اب تک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، اب آپ کی قوم میں سے اُن کے سوا کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔

(۸) اِیمان کی قید اس لئے لگائی کہ آپ کے گھر والوں میں سے آپ کی بیوی آخر تک کافر رہی، اور اِیمان نہیں لائی، جیسا کہ سورۂ تحریم (۶۶:۱۰) میں گذر چکا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ نوح کا کام آج بروز دوشنبہ ۹/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۴/جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الجِنّ

آیاتها ۲۸ ۷۲ سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) کہہ دو: ''میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، اور (اپنی قوم سے جاکر) کہا کہ: ''ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، ﴿۱﴾ جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اَب اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو (عبادت میں) ہرگز شریک نہیں مانیں گے۔(۱) ﴿۲﴾

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح انسانوں کے لئے پیغمبر بنایا گیا تھا، اسی طرح آپ جنات کے لئے بھی پیغمبر تھے۔ چنانچہ آپ نے جنات کو بھی تبلیغ فرمائی۔ اور جنات کو تبلیغ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کی نبوت سے پہلے جنات کو آسمانوں کے قریب تک پہنچنے دیا جاتا تھا، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اُنہیں آسمانوں کے قریب جانے سے اس طرح روک دیا گیا تھا کہ جب کوئی جن یا شیطان آسمان کے قریب پہنچنا چاہتا تو اُسے ایک روشن شعلے کے ذریعے مار بھگایا جاتا تھا، جیسا کہ سورۂ حجر (۱۵:۱۷) اور سورۂ صافات (۳۷:۱۰) میں گذر چکا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ جنات نے جب اس بدلی ہوئی صورتِ حال کو دیکھا تو ان کے دِل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے کہ اب اُنہیں آسمان کے پاس بھی پھٹکنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اس غرض کے لئے اُن کی ایک جماعت دُنیا کا دورہ کرنے کے لئے نکلی۔ یہ وہ وقت تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور نخلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے فجر کی نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کی تو جنات کی یہ جماعت اُس وقت وہاں سے گذر رہی تھی۔ اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے اطمینان سے سننے کے لئے رُک گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾

اور یہ کہ: 'ہمارے پروردگار کی بہت اُونچی شان ہے، اُس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا' ﴿۳﴾ اور یہ کہ: 'ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے تھے جو حقیقت سے بہت دُور ہیں' (۲) ﴿۴﴾ اور یہ کہ: 'ہم نے یہ سمجھا تھا کہ انسان اور جنات اللہ کے بارے میں جھوٹی بات نہیں کہیں گے' (۳) ﴿۵﴾ اور یہ کہ: 'انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات کے کچھ لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، اس طرح ان لوگوں نے جنات کو اور سر چڑھا دیا تھا' (۴) ﴿۶﴾

کی مبارک زبان سے فجر کے وقت قرآنِ کریم کے پُر اَثر کلام نے ان کے دِل پر ایسا اثر کیا کہ وہ جنات مسلمان ہوگئے، اور پھر اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے۔ انہوں نے اپنی قوم سے جا کر جو باتیں کیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ اس واقعے کی طرف مختصر اِشارہ سورۂ اَحقاف (۴۶: ۳۰) میں بھی گذر چکا ہے۔ اس کے بعد جنات کے کئی وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور آپ نے انہیں تبلیغ و تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔

(۲) اس سے مراد کفر، شرک اور بدعقیدگی کی باتیں ہیں۔

(۳) یعنی اب تک جو ہم غلط عقائد رکھتے رہے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ سارے انسان اور جنات یہی عقائد رکھتے تھے، اس لئے خیال یہی ہوا کہ اتنے سارے لوگ جھوٹے عقائد نہیں رکھتے ہوں گے، چنانچہ ہم ان کی تقلید میں انہی عقائد کے قائل رہے۔

(۴) زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ اپنے سفر کے دوران کسی جنگل میں قیام کرتے تو اُس جنگل کے جنات کی پناہ مانگتے تھے۔ یعنی اُس جنگل کے جنات سے یہ درخواست کرتے تھے کہ وہ اُنہیں اپنی پناہ میں لے کر تکلیف پہنچانے والی مخلوقات سے بچائیں۔ اس عمل سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ وہ ہماری پناہ کے محتاج ہیں۔ اس طرح ان کی گمراہی میں اور اِضافہ ہوگیا۔

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

اور یہ کہ: 'جیسا گمان تم لوگوں کا تھا، انسانوں نے بھی یہی گمان کیا تھا کہ اللہ کسی کو بھی مرنے کے بعد دُوسری زندگی نہیں دے گا۔'(۵) ﴿۷﴾ اور یہ کہ: 'ہم نے آسمان کو ٹٹولنا چاہا تو ہم نے پایا کہ وہ بڑے سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا ہے۔'(۶) ﴿۸﴾ اور یہ کہ: 'ہم پہلے سن گن لینے کے لئے آسمان کی کچھ جگہوں پر جا بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن اب جو کوئی سننا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک شعلہ اُس کی گھات میں لگا ہوا ہے،' ﴿۹﴾ اور یہ کہ: 'ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آیا زمین والوں سے کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے، یا اُن کے پروردگار نے اُن کو راہِ راست دِکھانے کا ارادہ فرمایا ہے۔'(۷) ﴿۱۰﴾

---

(۵) اس فقرے میں جنات اپنی قوم کے دُوسرے جنات سے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح تم آخرت کے قائل نہیں تھے، اسی طرح انسان بھی اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن اب یہ بات غلط ثابت ہوگئی ہے۔

(۶) یہ وہی بات ہے جس کا ذکر حاشیہ نمبر ۱ میں اُوپر گذرا ہے کہ جنات کو آسمان کے قریب پہنچنے سے بھی روک دیا گیا ہے، اور اس غرض سے فرشتوں کو پہرے پر مقرر کر دیا گیا ہے جو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے والے کو شعلے پھینک کر مار بھگاتے ہیں۔

(۷) یعنی ہمیں یقین سے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی حفاظت کا جو اِنتظام فرمایا ہے، اُس سے زمین والوں کو سزا دینا مقصود ہے کہ زمین والے پہلے سے اُس سزا سے باخبر نہ ہوسکیں، یا اس کے پیچھے کوئی بھلائی ہے جو زمین والوں کو پہنچانا پیشِ نظر ہے، اور جنات کو روکنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس بھلائی میں کھنڈت نہ ڈال سکیں۔ بظاہر مقصد یہ ہے کہ پہلے تو ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی، اسی لئے ہم حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تھے، لیکن

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾

اور یہ کہ: 'ہم میں کچھ نیک ہیں، اور کچھ ایسے نہیں ہیں، اور ہم مختلف طریقوں پر چلے آرہے ہیں(۸)۔' ﴿۱۱﴾ اور یہ کہ: 'ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ نہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں، اور نہ (کہیں اور) بھاگ کر اُسے بے بس کر سکتے ہیں۔' ﴿۱۲﴾ اور یہ کہ: 'جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تو اُس کو نہ کسی گھاٹے کا اندیشہ ہوگا، اور نہ کسی زیادتی کا۔' ﴿۱۳﴾ اور یہ کہ: 'ہم میں سے کچھ تو مسلمان ہو گئے ہیں، اور ہم میں سے (اب بھی) کچھ ظالم ہیں۔ چنانچہ جو اِسلام لا چکے ہیں، انہوں نے ہدایت کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ ﴿۱۴﴾ اور رہے وہ لوگ جو ظالم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔'' ﴿۱۵﴾

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم سن کر یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے زمین والوں کو قرآنِ کریم کی ہدایت سے سرفراز فرمانا چاہتے تھے، اس لئے یہ انتظام فرمایا گیا تھا۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ جنات میں کچھ تو ایسے ہیں جو طبعی طور پر نیک ہیں جو حق بات کو قبول کرنے کا مادّہ رکھتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو طبعی طور پر شریر ہیں۔ اس کے علاوہ تمام جنات کا مذہب ایک نہیں ہے، بلکہ جنات میں بھی مختلف عقیدوں کے لوگ ہیں۔ اس لئے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پوری ہوگئی ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾

اور (اے پیغمبر! اہلِ مکہ سے کہو کہ مجھ پر) یہ (وحی بھی آئی ہے) کہ: ''اگر یہ لوگ راستے پر آکر سیدھے ہوجائیں تو ہم انہیں وافر مقدار میں پانی سے سیراب کریں، ﴿۱۶﴾ تاکہ اس کے ذریعے اُن کو آزمائیں۔(۹) اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے گا، اللہ اُسے چڑھتے ہوئے عذاب میں پرودے گا۔'' ﴿۱۷﴾ اور یہ کہ: ''سجدے تو تمام تر اللہ ہی کا حق ہیں،(۱۰) اس لئے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔'' ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ: ''جب اللہ کا بندہ اُس کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایسا معلوم ہوا جیسے یہ لوگ اُن پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔''(۱۱) ﴿۱۹﴾ کہہ دو کہ: ''میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں، اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں مانتا۔'' ﴿۲۰﴾ کہہ دو کہ: ''نہ تمہارا کوئی نقصان میرے اختیار میں ہے، اور نہ کوئی بھلائی۔'' ﴿۲۱﴾ کہہ دو کہ: ''مجھے اللہ سے نہ کوئی بچا سکتا ہے، اور نہ میں اُسے چھوڑ کر کوئی پناہ کی جگہ پاسکتا ہوں۔ ﴿۲۲﴾

(۹) اب جنات کا واقعہ سنا کر اہلِ مکہ سے فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح یہ جنات حق طلبی کا ثبوت دے کر ایمان لے آئے، اسی طرح تمہیں بھی قرآنِ کریم پر ایمان لے آنا چاہئے، اور اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے سیراب فرمائیں گے۔ بارشوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اُس وقت اہلِ مکہ قحط میں مبتلا تھے (بیان القرآن)۔

(۱۰) اس جملے کا دُوسرا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ: ''تمام مسجدیں اللہ کی ہیں۔''

(۱۱) اللہ کے بندے سے یہاں مراد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ٹوٹے پڑنے کا مطلب ایک تو یہ ممکن

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

البتہ (جس چیز پر مجھے اِختیار دیا گیا ہے، وہ) اللہ کی طرف سے بات پہنچا دینا، اور اُس کے پیغامات ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔'' ﴿۲۳﴾ (اور یہ لوگ نافرمانی کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ جب وہ چیز انہیں نظر آجائے گی جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے تو اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں، اور کون تعداد میں کم ہے۔[۱۲] ﴿۲۴﴾ کہہ دو کہ: ''مجھے معلوم نہیں ہے کہ جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے، آیا وہ نزدیک ہے یا میرا پروردگار اُس کے لئے کوئی لمبی مدت مقرر فرماتا ہے۔''[۱۳] ﴿۲۵﴾ وہی سارے بھید جاننے والا ہے، چنانچہ وہ اپنے بھید پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ﴿۲۶﴾

ہے کہ کافر لوگ آپ کے اِرد گرد جمع ہو کر ایسا انداز اِختیار کرتے تھے جیسے وہ آپ پر حملہ کر دیں گے، اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ عبادت کے دوران قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو قرآن سننے کے لئے آپ کے گرد جنات کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔

(۱۲) سورۂ مریم (۱۹: ۷۳) میں ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ: ''ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے۔'' یعنی کس کے مددگار طاقت اور گنتی میں زیادہ ہیں۔ اس آیت میں کافروں کی اسی قسم کی باتوں کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سامنے آئے گا، اُس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کس کے مددگار کمزور یا تعداد میں زیادہ ہیں۔

(۱۳) اس سے مراد قیامت ہے جس کا ٹھیک ٹھیک وقت کوئی نہیں جانتا۔

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

ع ۲ ۹ ۱۲

سوائے کسی پیغمبر کے جسے اُس نے (اس کام کے لئے) پسند فرمالیا ہو۔[۱۴] ایسی صورت میں وہ اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے کچھ محافظ لگا دیتا ہے، ﴿۲۷﴾ تاکہ اللہ جان لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں، اور وہ ان کے سارے حالات کا اِحاطہ کئے ہوئے ہے، اور اُس نے ہر ہر چیز کی پوری طرح گنتی کر رکھی ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، البتہ وہ اپنے جس پیغمبر کو چاہتا ہے، وحی کے ذریعے غیب کی خبریں پہنچا دیتا ہے، اور ایسے موقع پر فرشتوں کو اُس وحی کا محافظ بنا کر بھیجا جاتا ہے، تاکہ کوئی شیطان اُس میں کوئی خلل نہ ڈال سکے۔

الحمدللہ! سورۂ جن کے ترجمے اور تشریح کی تکمیل آج شبِ جمعہ ۱۳ر رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی تکمیل کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المزّمّل

آیاتها ۲۰ ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۳ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے چادر میں لپٹنے والے![1] ﴿۱﴾ رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو جایا کرو،[2] ﴿۲﴾ رات کا آدھا حصہ! یا آدھے سے کچھ کم کرلو، ﴿۳﴾ یا اُس سے کچھ زیادہ کرلو، اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔ ﴿۴﴾ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔[3] ﴿۵﴾ بے شک رات کے وقت اُٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔[4] ﴿۶﴾ دن میں تو تم لمبی مصروفیت میں رواں دواں رہتے ہو۔[5] ﴿۷﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذِکر کرو، اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اُسی کے ہو رہو۔[6] ﴿۸﴾ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے اُسی کو کارساز بنالو۔ ﴿۹﴾ اور جو باتیں یہ (کافر لوگ) کہتے ہیں، اُن پر صبر سے کام لو، اور خوبصورتی کے ساتھ اُن سے کنارہ کرلو۔[7] ﴿۱۰﴾

---

(۱) یہ پیار بھرا خطاب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جب آپ پر پہلی پہلی بار غارِ حراء میں جبرئیل علیہ

السلام وحی لے کر آئے تھے تو آپ پر نبوت کی ذمہ داری کا اتنا بوجھ ہوا کہ آپ کو جاڑا لگنے لگا، اور جب آپ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو یہ فرمارہے تھے کہ مجھے چادر میں لپیٹ دو، مجھے چادر میں لپیٹ دو۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں محبوبانہ انداز میں آپ کو "اے چادر میں لپٹنے والے" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

(۲) اس آیت میں آپ کو تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کے مطابق شروع میں تہجد کی نماز نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر، بلکہ تمام صحابہ پر فرض کردی گئی تھی، اور اُس کی مقدار کم سے کم ایک تہائی رات مقرر فرمائی گئی تھی۔ یہ فرضیت بعض روایات کی رُو سے سال بھر تک جاری رہی۔ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۲۰ نازل ہوئی جس نے تہجد کی فرضیت منسوخ کردی، جیسا کہ اس آیت کی تشریح میں آنے والا ہے۔

(۳) اس سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ چونکہ یہ سورت ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، اس لئے قرآنِ کریم کا بیشتر حصہ ابھی نازل ہونا باقی تھا۔

(۴) یعنی رات کو اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے سے انسان کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا آسان ہوجاتا ہے، اور رات کے وقت میں چونکہ شور وغل نہیں ہوتا، اس لئے تلاوت اور دُعا ٹھیک ٹھیک اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا ہوتی ہیں۔ دِن کے وقت یہ فائدے کم ہوتے ہیں۔

(۵) یعنی دن کا وقت چونکہ دُوسرے کاموں میں مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، اس لئے اُس میں اتنی دِلجمعی کے ساتھ عبادت مشکل ہے۔

(۶) ذِکر میں دونوں باتیں داخل ہیں، زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذِکر بھی، اور دِل سے اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنا بھی۔ اور سب سے الگ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کے سارے تعلقات چھوڑ دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ کے تعلق کو غالب رکھو، یہاں تک کہ دُنیا کے تعلقات بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اَحکام کے مطابق اور اُسی کے حکم کی تعمیل میں ہونے چاہئیں۔ اس طرح وہ تعلقات بھی اللہ ہی کے لئے ہوجائیں گے۔

(۷) مکی زندگی میں ہمیشہ حکم یہی دیا گیا ہے کہ کافروں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرو، اور اُن سے لڑائی ٹھاننے کے بجائے خوبصورتی سے علیحدگی اختیار کرلو۔

وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِیْمًا ﴿۱۲﴾ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۱۹﴾

ع ۱ ۱۹ ۱۳

اور تمہیں جھٹلانے والے جو عیش و عشرت کے مالک بنے ہوئے ہیں، اُن کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو، اور انہیں تھوڑے دن اور مہلت دو۔ ﴿۱۱﴾ یقین جانو ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں، اور دہکتی ہوئی آگ ہے، ﴿۱۲﴾ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے، ﴿۱۳﴾ اُس دن جب زمین اور پہاڑ لرز اُٹھیں گے، اور سارے پہاڑ ریت کے بکھرے ہوئے تودے بن کر رہ جائیں گے! ﴿۱۴﴾

(جھٹلانے والو!) یقین جانو ہم نے تمہارے پاس تم پر گواہ بننے والا ایک رسول اُسی طرح بھیجا ہے، جیسے ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ ﴿۱۵﴾ پھر فرعون نے رسول کا کہنا نہیں مانا، تو ہم نے اُسے ایسی پکڑ میں لے لیا جو اُس کے لئے زبردست وبال تھی۔ ﴿۱۶﴾ اگر تم بھی نہ مانے تو پھر اُس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنادے گا ﴿۱۷﴾ (اور) جس سے آسمان پھٹ پڑے گا۔ اللہ کے وعدے کو تو پورا ہو کر رہنا ہے۔ ﴿۱۸﴾ یہ ایک نصیحت کی بات ہے۔ اب جو چاہے، اپنے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرلے۔ ﴿۱۹﴾

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ ع

(اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب، اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔(۸) اور رات اور دِن کی ٹھیک ٹھیک مقدار اللہ ہی مقرر فرماتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ تم اُس کا ٹھیک حساب نہیں رکھ سکو گے، اس لئے اُس نے تم پر عنایت فرمادی ہے۔(۹) اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔(۱۰) اللہ کو علم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار ہوں گے، اور کچھ دُوسرے ایسے ہوں گے جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے زمین میں سفر کر رہے ہوں گے،(۱۱) اور کچھ ایسے جو اللہ کے راستے میں جنگ کر رہے ہوں گے۔ لہٰذا تم اُس (قرآن) میں سے اتنا ہی پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔ اور نماز قائم کرو،(۱۲) اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو قرض دو، اچھا والا قرض!(۱۳) اور تم اپنے آپ کے لئے جو بھلائی بھی آگے بھیجو گے، اُسے اللہ کے پاس جا کر اس طرح پاؤ گے کہ وہ کہیں بہتر حالت میں اور بڑے زبردست ثواب کی شکل میں موجود ہے۔ اور اللہ سے مغفرت مانگتے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲۰﴾

(۸) یہ آیت اُوپر کی آیات سے کم از کم ایک سال بعد نازل ہوئی، اور اس کے ذریعے تہجد کے حکم میں آسانی پیدا

فرمائی گئی۔ جیسا کہ اُوپر ذِکر ہوا، شروع میں ایک تہائی رات کی مقدار تہجد پڑھنا ضروری تھا، لیکن چونکہ گھڑیوں وغیرہ کا رواج نہیں تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ احتیاط کے پیشِ نظر تہائی رات سے کافی زیادہ مقدار تہجد پڑھنے میں گذارتے تھے، کبھی آدھی رات، کبھی دو تہائی کے قریب قریب۔

(۹) مطلب یہ ہے کہ دن اور رات کی ٹھیک ٹھیک مقدار چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مقرر فرماتا ہے، اس لئے اُسے معلوم ہے کہ تم لوگوں کے لئے تہائی رات کا حساب رکھنا بھی مشکل ہے، اور اس عمل کو نبھانا بھی، اس لئے اب جبکہ ایک مدت تک تم نے یہ مشقت اُٹھالی ہے، اور اس کے ذریعے تمہارے اندر جو صفات پیدا کرنی مقصود تھیں، وہ بڑی حد تک حاصل ہوگئی ہیں، اس لئے اب اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو ختم فرمادیا ہے۔

(۱۰) اس سے مراد تہجد کی نماز میں قرآنِ کریم پڑھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اب نہ تو تہجد کی نماز فرض ہے، اور نہ اُس کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے۔ اب بھی وہ مستحب ضرور ہے لیکن جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ سکتے ہو۔ واضح رہے کہ اگرچہ تہجد کا افضل طریقہ یہ ہے کہ انسان رات کو سونے کے بعد آخر رات میں بیدار ہوکر تہجد پڑھے، لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرسکے تو عشاء کے بعد کسی بھی وقت صلاۃ اللیل کی نیت سے نماز پڑھ لینے سے بھی اس نماز کی فضیلت حاصل ہوسکتی ہے۔

(۱۱) یعنی تجارت یا روزگار حاصل کرنے کے لئے سفر کررہے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آئندہ تمہیں بہت سے ایسے حالات سے سابقہ پڑے گا جن میں رات کے وقت اتنی لمبی نماز کا نبھانا مشکل ہوجائے گا، اس لئے اب وہ فرض نہیں رہی۔

(۱۲) اس سے مراد پانچ وقت کی فرض نمازیں ہیں۔

(۱۳) اس سے مراد صدقہ دینا اور دُوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ اُسے مجازی طور پر قرض اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اُس کے اَجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اور ''اچھا والا قرض'' کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں نیت صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، دِکھاوا وغیرہ مقصود نہ ہو۔

الحمدللہ! ۱۶؍رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں سورۂ مزمل کا ترجمہ اور تشریحات مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کو بھی عافیت اور اپنی رضا کے ساتھ تکمیل کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المُدَّثِّر

ایاتها ۵۶ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوْمَىِٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھپن آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے کپڑے میں لپٹنے والے![1] ﴿۱﴾ اُٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو ﴿۲﴾ اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو، ﴿۳﴾ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، ﴿۴﴾ اور گندگی سے کنارہ کرلو،[2] ﴿۵﴾ اور کوئی احسان اس نیت سے نہ کرو کہ زیادہ وصول کرسکو۔[3] ﴿۶﴾ اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر سے کام لو۔[4] ﴿۷﴾ پھر جب صور میں پھونک ماری جائے گی، ﴿۸﴾ تو وہ بڑا مشکل دن ہوگا، ﴿۹﴾ کافروں کے لئے وہ آسان نہیں ہوگا۔ ﴿۱۰﴾

---

(۱) یہ اُسی طرح کا خطاب ہے جیسا پچھلی سورت کے شروع میں گذرا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اصل عربی لفظ "مزمل" تھا، اور یہاں "مدثر" ہے۔ معنی دونوں کے تقریباً ایک ہیں۔ اس کی تشریح کے لئے پچھلی سورت کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔ صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ پر سب سے پہلی وحی کے طور پر تو سورۂ علق (سورت نمبر ۹۶) کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اُس کے بعد ایک عرصے تک وحی کا سلسلہ بند رہا۔ پھر سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۲) بہت سے مفسرین نے یہاں گندگی سے مراد بت لئے ہیں، لیکن الفاظ ہر قسم کی گندگی کے لئے عام ہیں۔

(۳) کسی کو اس نیت سے کوئی ہدیہ تحفہ دینا کہ جواب میں وہ اُس سے زیادہ دے اس آیت کی رُو سے ممنوع ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق یہی حکم سورۂ رُوم (۳۹:۳۰) میں بھی گذرا ہے۔

(۴) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ کا حکم ہوا تو اس بات کا پورا اندیشہ تھا کہ کافر لوگ آپ کو

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾
وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾

اُس شخص کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا،(۵) ﴿۱۱﴾ اور اُس کو مال دیا جو دُور تک پھیلا پڑا ہے، ﴿۱۲﴾ اور بیٹے دیئے جو سامنے موجود رہتے ہیں، ﴿۱۳﴾ اور اُس کے لئے ہر کام کے راستے ہموار کردیئے، ﴿۱۴﴾ پھر بھی وہ یہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دُوں۔ ﴿۱۵﴾

ستائیں گے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ فی الحال کوئی مسلح جدوجہد نہیں کرنی ہے، صبر سے کام لینا ہے، اور ان کی زیادتیوں کی اصل سزا انہیں اُس وقت ملے گی جب قیامت کے لئے صور پھونکا جائے گا جس کا ذِکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔

(۵) متعدد تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جو مکہ مکرمہ کا بڑا دولت مند سردار تھا۔ اُس کی دولت مکہ مکرمہ سے طائف تک پھیلی پڑی تھی۔ وہ کبھی کبھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس جایا کرتا تھا، اور ایک مرتبہ وہ قرآنِ کریم سن کر یہ اعتراف کرچکا تھا کہ یہ ایک بے نظیر کلام ہے جو کسی انسان کا نہیں ہوسکتا۔ اس سے ابوجہل کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں مسلمان نہ ہوجائے۔ چنانچہ اُس نے ولید بن مغیرہ کے پاس جاکر اُسے غیرت دِلائی، اور کہا کہ لوگ تمہارے بارے میں یہ باتیں کررہے ہیں کہ تم مسلمانوں کے پاس دولت حاصل کرنے جاتے ہو۔ ولید کو اس پر غیرت آگئی، اور اُس نے کہا کہ آئندہ میں کبھی ابوبکرؓ وغیرہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ابوجہل نے کہا کہ جب تک تم قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہو گے، لوگ مطمئن نہیں ہوں گے۔ ولید نے کہا کہ میں اُسے نہ شعر کہہ سکتا ہوں، نہ کاہنوں کا کلام کہہ سکتا ہوں، نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون کہہ سکتا ہوں، کیونکہ یہ باتیں چلنے والی نہیں ہیں۔ پھر کچھ سوچنے کے بعد کہا کہ: ''البتہ اُسے سحر (جادو) کہا جاسکتا ہے، کیونکہ جس طرح جادو کے ذریعے جادوگر میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں، اسی طرح اس کلام کو سن کر جو مسلمان ہوجاتا ہے، وہ اپنے کافر ماں باپ وغیرہ سے الگ ہوجاتا ہے۔'' اور بعض روایات میں ہے کہ ولید نے یہ بات اُس موقع پر کہی تھی جب قریش کے لوگوں نے حج سے کچھ پہلے یہ مشورہ کیا کہ حج میں سارے عرب سے لوگ آئیں گے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کریں گے، ہمیں یہ طے کرلینا چاہئے کہ اُن سے کیا کہیں۔ ولید نے کہا کہ انہیں نہ مجنون کہا جاسکتا ہے، نہ شاعر نہ کاہن، نہ جھوٹا۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر کیا کہیں، تو اُس نے کچھ سوچ کر جواب دیا کہ اگر انہیں جادوگر کہا جائے تو بات کچھ چل جائے گی۔ (ابن کثیر)

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚۖ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ﴿۳۰﴾

ہرگز نہیں! وہ ہماری آیتوں کا دُشمن بن گیا ہے، ﴿۱۶﴾ عنقریب میں اُسے ایک کٹھن چڑھائی پر چڑھاؤں گا۔[۶] ﴿۱۷﴾ اُس کا حال تو یہ ہے کہ اُس نے سوچ کر ایک بات بنائی،[۷] ﴿۱۸﴾ خدا کی مار ہو اُس پر کہ کیسی بات بنائی! ﴿۱۹﴾ دوبارہ خدا کی مار ہو اُس پر کہ کیسی بات بنائی! ﴿۲۰﴾ پھر اُس نے نظر دوڑائی،[۸] ﴿۲۱﴾ پھر تیوری چڑھائی، اور منہ بنایا، ﴿۲۲﴾ پھر پیچھے کو مڑا، اور غرور دِکھایا، ﴿۲۳﴾ پھر کہنے لگا کہ: ”کچھ نہیں، یہ تو ایک روایتی جادو ہے، ﴿۲۴﴾ کچھ نہیں، یہ تو ایک انسان کا کلام ہے۔“ ﴿۲۵﴾ عنقریب میں اس شخص کو دوزخ میں جھونک دُوں گا، ﴿۲۶﴾ اور تمہیں کیا پتہ کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ ﴿۲۷﴾ وہ نہ کسی کو باقی رکھے گی، اور نہ چھوڑے گی،[۹] ﴿۲۸﴾ وہ کھالوں کو جھلس دینے والی چیز ہے، ﴿۲۹﴾ اُس پر اُنیس (کارندے) مقرر ہوں گے۔ ﴿۳۰﴾

---

(۶) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ”صعود“ ہے جس کے لفظی معنیٰ پُرمشقت چڑھائی کے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ یہ دوزخ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

(۷) یعنی یہی بات بنائی کہ قرآن کو نہ شاعری کہہ سکتے ہیں، نہ کہانت، البتہ جادو کہہ سکتے ہیں۔

(۸) یعنی آس پاس کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اُس کے بارے میں کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔

(۹) دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا جو جلے نہیں، اور نہ دوزخ کسی مجرم کو اپنے سے باہر رہنے دے گی، کہ اُسے باہر رہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

اور ہم نے دوزخ کے یہ کارندے کوئی اور نہیں، فرشتے مقرر کئے ہیں۔ (۱۰) اور اُن کی جو تعداد مقرر کی ہے، وہ صرف اس لئے کہ اُس کے ذریعے کافروں کی آزمائش ہو، (۱۱) تاکہ اہلِ کتاب کو یقین آجائے، (۱۲) اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں، اُن کے ایمان میں اور اِضافہ ہو، اور اہلِ کتاب اور مؤمن لوگ کسی شک میں نہ پڑیں، اور تاکہ وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ ہے، (۱۳) اور جو لوگ کافر ہیں، وہ یہ کہیں کہ بھلا اس عجیب سی بات سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کردیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے،

(۱۰) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر اُنیس کارندے مقرر ہیں تو کافروں نے اس کا مذاق اُڑایا، اور ایک نے تو لوگوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ اُنیس میں سے سترہ کے لئے تو میں ہی کافی ہوں، باقی دو سے تم نمٹ لینا۔ (ابن کثیر) اس کے جواب میں یہ آیت ۳۱ نازل ہوئی کہ یہ اُنیس کارندے سب کے سب فرشتے ہیں، کوئی مذاق نہیں کہ تم ان کا مقابلہ کرسکو۔

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو دوزخ کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی خاص تعداد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ تعداد اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو کہ وہ اُس کی تصدیق کرتے ہیں، یا مذاق اُڑاتے ہیں۔

(۱۲) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کی کچھ کتابوں میں بھی دوزخ پر متعین فرشتوں کی تعداد اُنیس بیان کی گئی ہوگی، (چاہے وہ اس وقت ہمارے علم میں نہ ہوں) اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ اس بات پر یقین کرلیں گے۔

(۱۳) روگ سے یہاں مراد شک یا نفاق ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝۳۱ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝۳۲ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝۳۳ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝۳۴ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝۳۵ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝۳۶ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝۳۷

اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا،[۱۴] اور یہ ساری بات تو نوع بشر کے لئے ایک یاددہانی کرانے والی نصیحت ہے، اور بس! ﴿۳۱﴾

خبردار! قسم ہے چاند کی، ﴿۳۲﴾ اور رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگے، ﴿۳۳﴾ اور صبح کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے، ﴿۳۴﴾ کہ یہ بڑی بڑی باتوں میں سے ایک ہے ﴿۳۵﴾ جو تمام انسانوں کو خبردار کررہی ہے،[۱۵] ﴿۳۶﴾ تم میں سے ہر اُس شخص کو جو آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہے۔[۱۶] ﴿۳۷﴾

---

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، اُن کی نہ صرف تعداد، بلکہ اُن کو عطا فرمائی ہوئی قوتوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کی کسی مخلوق کے بارے میں اپنے محدود علم کی بنیاد پر یہ قیاس کرلینا کہ وہ ہم جیسی ہی ہوگی، نری حماقت ہے۔

(۱۵) دوزخ جیسی بڑی مصیبت کا یہ تذکرہ اُن مضامین میں سے ہے جو لوگوں کو غفلت سے ہوش میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے چاند کی قسم کھائی ہے کہ جس طرح چاند پہلے روز بروز بڑھتا اور پھر روز بروز گھٹتا ہے، یہاں تک کہ مہینے کے آخر میں بالکل غائب ہوجاتا ہے، اسی طرح انسان کی طاقت پہلے بڑھتی ہے، پھر بڑھاپے میں گھٹنی شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک دن انسان مرجاتا ہے، اور دُنیا کی ہر چیز کا یہی حال ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کی قسم کھائی ہے جب رات ڈھلنے لگتی ہے، اور صبح کا اُجالا نمودار ہوکر پورے ماحول کو روشن کردیتا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی تو کافروں کے سامنے غفلت کا اندھیرا پھیلا ہوا ہے، پھر ایک وقت آئے گا جب یہ اندھیرا دُور ہوگا، اور حق اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوکر ماحول کو روشن کردے گا، یا اس طرف اشارہ ہے کہ دُنیا میں رہتے ہوئے بہت سے حقائق انسان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں، جو قیامت میں پوری طرح روشن ہوکر سامنے آجائیں گے۔

(۱۶) یعنی یہ اُس شخص کو بھی خبردار کرتا ہے جو بھلائی کی طرف آگے بڑھے، اور اُس کو بھی جو بھلائی سے پیچھے ہٹے۔

مع ۶ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝۳۸ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝۳۹ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۴۰ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۱ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝۴۲ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝۴۳ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝۴۴ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝۴۵ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴۶ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝۴۷ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝۴۸

ہر شخص اپنے کرتوت کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے،(۱۷) ﴿۳۸﴾ سوائے دائیں ہاتھ والوں کے(۱۸) ﴿۳۹﴾ کہ وہ جنتوں میں ہوں گے۔ وہ پوچھ رہے ہوں گے ﴿۴۰﴾ مجرموں کے بارے میں، ﴿۴۱﴾ کہ: "تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کردیا؟" ﴿۴۲﴾ وہ کہیں گے کہ: "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے، ﴿۴۳﴾ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، ﴿۴۴﴾ اور جو لوگ بے ہودہ باتوں میں گھستے، ہم بھی اُن کے ساتھ گھس جایا کرتے تھے،(۱۹) ﴿۴۵﴾ اور ہم روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ وہ یقینی بات ہمارے پاس آہی گئی۔" ﴿۴۷﴾ چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ایسے لوگوں کے کام نہیں آئے گی۔ ﴿۴۸﴾

(۱۷) یعنی جس طرح قرض کی توثیق کے لئے کوئی چیز گروی (رہن) رکھی جاتی ہے، کہ اگر قرض ادا نہ ہوا تو قرض خواہ اُسے بیچ کر اپنا حق حاصل کرسکتا ہے، اسی طرح کافر اس طرح رہن رکھا ہوا ہے کہ یا تو ہدایت کا راستہ اختیار کرلے، ورنہ اُس کا پورا وجود دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

(۱۸) اس سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ اُنہیں اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۱۹) اس سے مراد کافروں کے وہ سردار ہیں جو اِسلام اور قرآن کا مذاق اُڑانے کے لئے محفلیں سجایا کرتے تھے، اور بے ہودہ مذاق سے حق کی تردید کیا کرتے تھے۔ لیکن قرآنِ کریم کے الفاظ عام ہیں جو ہر قسم کی بے ہودہ گفتگو اور بے ہودہ مشغلوں کو شامل ہیں، جو آخرت میں انسان کے لئے مصیبت کا سبب بنیں گے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

ع ۲ ۲۵ ۱۶

اب ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ نصیحت کی بات سے منہ موڑے ہوئے ہیں؟ ﴿۴۹﴾ اس طرح جیسے وہ جنگلی گدھے ہوں ﴿۵۰﴾ جو کسی شیر سے (ڈر کر) بھاگ پڑے ہوں۔ ﴿۵۱﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے پکڑا دیئے جائیں۔(۲۰) ﴿۵۲﴾ ہرگز نہیں!(۲۱) بات اصل میں یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف نہیں ہے۔(۲۲) ﴿۵۳﴾ ہرگز نہیں! یہ (قرآن ہی) ایک نصیحت ہے، ﴿۵۴﴾ اب جو چاہے، اس سے نصیحت حاصل کرلے۔ ﴿۵۵﴾ اور یہ لوگ نصیحت حاصل کریں گے نہیں، اِلَّا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ وہی اس بات کا اہل ہے کہ اُس سے ڈرا جائے، اور وہی اس کا اہل ہے کہ لوگوں کی مغفرت کرے۔ ﴿۵۶﴾

(۲۰) یہ اُن کافروں کا ذکر ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ قرآنِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیوں نازل ہوا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو ہدایت کے لئے کوئی کتاب بھیجنی تھی تو ہم میں سے ہر شخص پر الگ کتاب آنی چاہئے تھی۔

(۲۱) یعنی یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص کو الگ کتاب دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمیشہ کسی پیغمبر کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے، کیونکہ اگر ہر شخص پر براہِ راست کتاب بھیجی جائے تو اوّل تو اِیمان بالغیب کا تصور ہی ختم ہوجائے جو سارے امتحان کی بنیاد ہے، دوسرے تنہا کتاب انسان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، جب تک پیغمبر کی شکل میں کوئی معلّم ساتھ نہ ہو۔ وہی انسانوں کو کتاب کا صحیح مطلب سمجھاتا ہے، اور وہی اُس پر عمل کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے، ورنہ ہر شخص کتاب کی من مانی تشریحات کرکے اُس کا سارا مفہوم ہی خراب کرسکتا ہے۔

(۲۲) یعنی یہ بے سروپا اِعتراضات کسی حق طلبی کی وجہ سے نہیں کئے جارہے ہیں، بلکہ ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے دِلوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا کوئی خوف ہی نہیں ہے۔ اس لئے جو منہ میں آتا ہے کہہ گذرتے ہیں۔

الحمدللہ! سورۂ مدثر کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بروز ہفتہ ۲۱/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی سے اوسلو (ناروے) جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ القيامة

ایاتها ۴۰ ۷۵ سُوْرَةُ الْقِیٰمَةِ مَکِّیَّةٌ ۳۱ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، ﴿۱﴾ اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی،(۱) (کہ ہم انسان کو ضرور دوبارہ زندہ کریں گے) ﴿۲﴾ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو اِکٹھا نہیں کرسکیں گے؟ ﴿۳﴾ کیوں نہیں؟ جبکہ ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ اُس کی اُنگلیوں کے پور پور کو ٹھیک ٹھیک بنادیں۔(۲) ﴿۴﴾

---

(۱) ملامت کرنے والے نفس سے مراد انسان کا وہ ضمیر ہے جو اُسے غلط کاموں پر ملامت کرتا ہے۔ نفس انسان کی اُس اندرونی کیفیت کا نام ہے جس میں خواہشات اور اِرادے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے تین قسم کے نفس کا ذِکر فرمایا ہے۔ ایک نفسِ اَمّارہ یعنی بُرائی پر مائل کرنے والا۔ (دیکھئے ۱۲: ۵۳) دوسرے نفسِ لوّامہ جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور جو اچھائی کی طرف مائل کرتا اور بُرائی پر ملامت کرتا ہے۔ تیسرے نفسِ مطمئنہ (دیکھئے ۸۹: ۲۷) اس سے مراد وہ نفس ہے جو مسلسل کوشش کرکے اچھائی پر مطمئن ہوگیا ہو، اور بُرائی کے تقاضے اُس میں یا تو پیدا ہی نہ ہوتے ہوں، یا بہت کمزور ہوگئے ہوں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نفسِ لوّامہ کی قسم کھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر اِنسان کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مادّہ رکھا ہے جو اُسے بُرائی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہئے کہ یہ ملامت کرنے والی چیز جو خود اُس کے وجود میں رکھی ہوئی ہے، خود اس بات کی دلیل ہے کہ جس ذات نے اُسے پیدا کیا ہے، اُس نے ساتھ ساتھ اُس کو ایک تنبیہ کرنے والا وجود عطا فرمادیا ہے۔ اگر آخرت آنے والی نہ ہوتی، اور انسان کو اُس کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملنے والا نہ ہوتا تو اس نفسِ لوّامہ کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) فرمایا جارہا ہے کہ ہڈیوں کو جمع کرلینا تو بہت معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو انسان کی اُنگلیوں کے ایک ایک

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ ١لْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳

اصل بات یہ ہے کہ انسان چاہتا یہ ہے کہ اپنی آگے کی زندگی میں بھی ڈھٹائی سے گناہ کرتا رہے۔[۳] ﴿۵﴾ پوچھتا ہے کہ: ''کب آئے گا وہ قیامت کا دِن؟'' ﴿۶﴾ پھر جب آنکھیں چندھیا جائیں گی، ﴿۷﴾ اور چاند بے نور ہوجائے گا، ﴿۸﴾ اور چاند اور سورج اِکٹھے کردیئے جائیں گے، ﴿۹﴾ اُس وقت انسان کہے گا کہ: ''کہاں ہے کوئی جگہ جہاں بھاگ کر جاؤں؟'' ﴿۱۰﴾ نہیں نہیں! پناہ کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ ﴿۱۱﴾ اُس دن تو ہر ایک کو تمہارے پروردگار ہی کے سامنے جا کر ٹھہرنا پڑے گا۔ ﴿۱۲﴾ اُس دن ہر اِنسان کو جتلا دیا جائے گا کہ اُس نے کیا کچھ آگے بھیجا ہے، اور کیا کچھ پیچھے چھوڑا ہے۔[۴] ﴿۱۳﴾

پورے کو دوبارہ ٹھیک ٹھیک اُسی طرح دوبارہ بنانے پر قادر ہیں جیسے وہ شروع میں تھے۔ اُنگلیوں کے پورے کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان پوروں میں جو باریک باریک لکیریں ہوتی ہیں، وہ ہر انسان کی دوسرے سے الگ ہوتی ہیں، اسی وجہ سے دُنیا میں دستخط کے بجائے انگوٹھے کے نشان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان لکیروں میں اتنا باریک باریک فرق ہوتا ہے کہ اربوں پدموں انسانوں کی اُنگلیوں کے اس فرق کو یاد رکھ کر پھر دوبارہ ویسی ہی لکیریں بنا دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔

(۳) یعنی آخرت کی زندگی کا انکار یہ لوگ کسی علمی دلیل کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ آئندہ بھی وہ بے خوف وخطر گناہ کرتے رہیں، اور آخرت کا تصوّر ان کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کوئی رُکاوٹ نہ بنے۔

(۴) یعنی کونسے کام وہ دُنیا میں کر آیا ہے، اور وہ اُس کے اعمال نامے میں پہنچ چکے ہیں، اور کونسے کام وہ چھوڑ آیا ہے کہ اُسے کرنے چاہئے تھے، لیکن اُس نے نہیں کئے۔

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوۡ اَلۡقٰى مَعَاذِيۡرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۚ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۚ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلۡ تُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ ۙ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ ؕ﴿۲۱﴾

بلکہ انسان خود اپنے آپ سے اچھی طرح واقف ہوگا، ﴿۱۴﴾ چاہے وہ کتنے بہانے بنائے۔(۵) ﴿۱۵﴾ ـــــ (اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو ہلایا نہ کرو۔(۶) ﴿۱۶﴾ یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے، ﴿۱۷﴾ پھر جب ہم اسے (جبرئیل کے واسطے سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔(۷) ﴿۱۸﴾ پھر اُس کی وضاحت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔(۸) ﴿۱۹﴾ ـــــ خبردار (اے کافرو!)! اصل بات یہ ہے کہ تم فوری طور پر حاصل ہونے والی چیز (یعنی دُنیا) سے محبت کرتے ہو، ﴿۲۰﴾ اور آخرت کو نظر انداز کئے ہوئے ہو۔ ﴿۲۱﴾

---

(۵) مطلب یہ ہے کہ انسان خود بھی جانتا ہے کہ اُس نے کیا گناہ کئے ہیں، اگرچہ وہ ان کا جواز تلاش کرنے کے لئے بہانوں اور تأویلوں کا سہارا لے۔

(۶) یہ ایک جملۂ معترضہ ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم نازل ہوتا تو آپ اُس کے الفاظ ساتھ ساتھ دُہراتے جاتے تھے، تاکہ آپ اُنہیں بھول نہ جائیں۔ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ زبان مبارک سے الفاظ کو دُہرانے کی مشقت نہ اُٹھائیں، کیونکہ ہم نے ذمہ داری لے لی ہے کہ ہم اُنہیں آپ کو یاد بھی کرائیں گے، اور ان کی تشریح بھی آپ کے قلب مبارک میں واضح کردیں گے۔

(۷) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنی توجہ الفاظ کو یاد رکھنے کے بجائے ان آیات کی عملی پیروی کرنے پر مرکوز رکھیں، اور یہ بھی کہ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھ رہے ہیں، آئندہ آپ بھی اُسی طرح پڑھا کریں۔

(۸) یعنی آیاتِ کریمہ کی تشریح بھی ہم آپ کے قلب مبارک میں محفوظ کردیں گے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ اِلْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾

اُس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، ﴿۲۲﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے،[9] ﴿۲۳﴾ اور بہت سے چہرے اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے، ﴿۲۴﴾ سمجھ رہے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا جو کمر توڑ دینے والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ خبردار! جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی، ﴿۲۶﴾ اور (تیمارداروں کی طرف سے) کہا جائے گا کہ: "ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟"[10] ﴿۲۷﴾ اور اِنسان سمجھ جائے گا کہ جدائی کا وقت آگیا، ﴿۲۸﴾ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی[11] ﴿۲۹﴾ تو اُس دن تمہارے پروردگار ہی کی طرف روانگی ہوگی۔ ﴿۳۰﴾ اس کے باوجود اِنسان نے نہ مانا، اور نہ نماز پڑھی،[12] ﴿۳۱﴾ بلکہ حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑلیا، ﴿۳۲﴾ پھر اَکڑ دِکھاتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس چلا گیا۔ ﴿۳۳﴾

(۹) مؤمنوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دِیدار بھی نصیب ہوگا جو جنت کی تمام دوسری نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگی۔

(۱۰) جب کوئی شخص موت کے قریب پہنچ کر بستر سے لگ جاتا ہے تو اُس کے تیماردار اُس کے علاج کی کوشش کرتے ہیں، اُسی علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی سے جھاڑ پھونک کرائی جائے۔

(۱۱) نزع کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے، اُس میں بسا اوقات مریض دونوں پنڈلیوں کو ملا لیتا ہے۔ یہ اُسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یہ کسی خاص کافر کی طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے، اور کافروں کی عام حالت کا تذکرہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اتنے واضح دلائل کے سامنے آنے کے بعد بھی ماننے کے بجائے تکبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔

أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۵﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿۳۹﴾ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

ع ۲ ۱۰ ۱۸

بربادی ہے تیری، ہاں بربادی ہے تیری! ﴿۳۴﴾ پھر سن لے کہ بربادی ہے تیری، ہاں بربادی ہے تیری! ﴿۳۵﴾ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ (۱۳) ﴿۳۶﴾ کیا وہ اُس منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو (ماں کے رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ ﴿۳۷﴾ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اُسے بنایا، اور اُسے ٹھیک ٹھاک کیا، (۱۴) ﴿۳۸﴾ نیز اُسی سے مرد اور عورت کی دو صنفیں بنائیں، ﴿۳۹﴾ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو پھر سے زندہ کردے؟ ﴿۴۰﴾

(۱۳) یعنی اُسے اس دُنیا میں اس طرح چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کسی شرعی قاعدے قانون کا پابند نہ ہو، اور جو جی میں آئے، کرتا پھرے۔

(۱۴) انسانی تخلیق کے تمام مراحل کا تذکرہ سورۂ مؤمنون (۲۳: ۱۴) میں فرمایا گیا ہے۔

الحمدللہ! سورۂ قیامہ کا کام ناروے کے شہر یائلو میں بروز منگل ۲۹/جولائی ۲۰۰۸ء مطابق ۲۵/رجب ۱۴۲۹ھ کو تکمیل تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی تکمیل بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الدَّهْرِ

اٰیاتہا ۳۱ ۷۶ سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَکِّیَّۃٌ ۹۸ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اکتیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا؟ ﴿۱﴾ ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا،(۱) کہ اُسے آزمائیں، پھر اُسے ایسا بنایا کہ وہ سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے۔ ﴿۲﴾ ہم نے اُسے راستہ دِکھایا کہ وہ یا تو شکر گذار ہو، یا ناشکرا بن جائے۔ ﴿۳﴾ ہم نے ہی کافروں کے لئے زنجیریں، گلے کے طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ ﴿۴﴾ بیشک نیک لوگ ایسے جام سے مشروبات پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، ﴿۵﴾ یہ مشروبات ایک ایسے چشمے کے ہوں گے جو اللہ کے (نیک) بندوں کے پینے کے لئے مخصوص ہے، وہ اُسے (جہاں چاہیں گے) آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔(۲) ﴿۶﴾

---

(۱) یعنی مرد اور عورت کے ملے جلے اجزاء سے پیدا کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جنتیوں کو یہ اختیار عطا فرمائیں گے کہ وہ اُس چشمے کو جہاں چاہیں لے جاسکیں گے، جس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ اُسی نہر کی شاخیں آسانی سے جہاں چاہیں نکال لیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جس جگہ چاہیں زمین سے وہ چشمہ جاری کردیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں، اور اُس دن کا خوف دِل میں رکھتے ہیں جس کے بُرے اثرات ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۷﴾ اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ﴿۸﴾ (اور اُن سے کہتے ہیں کہ:) ''ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں، اور نہ کوئی شکریہ! ﴿۹﴾ ہمیں تو اپنے پروردگار کی طرف سے اُس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس میں چہرے بُری طرح بگڑے ہوئے ہوں گے۔'' ﴿۱۰﴾ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو اُس دن کے بُرے اثرات سے بچالے گا، اور اُن کو شادابی اور سرور سے نوازے گا، ﴿۱۱﴾ اور اُنہوں نے جو صبر سے کام لیا تھا، اُس کے بدلے میں اُنہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ ﴿۱۲﴾ وہ ان باغوں میں آرام دہ اُونچی نشستوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، جہاں نہ وہ دُھوپ کی تپش دیکھیں گے، اور نہ کڑاکے کی سردی۔ ﴿۱۳﴾ اور حالت یہ ہوگی کہ اُن باغوں کے سائے اُن پر جھکے ہوئے ہوں گے، اور اُن کے پھل مکمل طور سے اُن کے آگے رام کردیئے جائیں گے۔(۳) ﴿۱۴﴾

(۳) یعنی تمام پھل اُن کی دسترس اور اُن کے قابو میں دے دیئے جائیں گے۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

ع ۲۲ / ۱۹

قرء حفص بغیر الالف فی الوصل فیھما ووقف علی الاول بالالف وعلی الثانی بغیر الالف ۱۲

اور ان کے سامنے چاندی کے برتن اور وہ پیالے گردش میں لائے جائیں گے جو شیشے کے ہوں گے، ﴿۱۵﴾ شیشے بھی چاندی کے[۴] جنہیں بھرنے والوں نے توازن کے ساتھ بھرا ہوگا۔ ﴿۱۶﴾ اور وہاں ان کو ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ ملا ہوا ہوگا، ﴿۱۷﴾ وہاں کے ایسے چشمے سے جس کا نام سلسبیل ہے۔ ﴿۱۸﴾ ان کے سامنے (خدمت کے لئے) ایسے لڑکے گردش میں ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔[۵] جب تم انہیں دیکھو گے تو یہ محسوس کرو گے کہ وہ موتی ہیں جو بکھیر دیئے گئے ہیں۔ ﴿۱۹﴾ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) جب تم وہ جگہ دیکھو گے تو تمہیں نعمتوں کا ایک جہان اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی۔ ﴿۲۰﴾ اُن کے اُوپر باریک ریشم کا سبز لباس اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے، اور اُنہیں چاندی کے کنگنوں سے آراستہ کیا جائے گا، اور اُن کا پروردگار اُنہیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ ﴿۲۱﴾ (اور فرمائے گا کہ:) "یہ ہے تمہارا اِنعام! اور تم نے (دُنیا میں) جو محنت کی تھی، اُس کی پوری قدردانی کی گئی ہے۔" ﴿۲۲﴾

---

(۴) یہ جنت کی ایک عجیب خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ عام طور سے چاندی شفاف نہیں ہوتی، اس لئے چاندی کا برتن شیشے کی طرح شفاف نہیں ہوسکتا، لیکن وہاں کے یہ گلاس چاندی کے ہونے کے باوجود شیشے کی طرح شفاف ہوں گے۔

(۵) یعنی ان لڑکوں کی عمر ایک جیسی ہی رہے گی، اور ان پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا ﴿۲۳﴾ فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تُطِعۡ مِنۡہُمۡ اٰثِمًا اَوۡ کَفُوۡرًا ﴿۲۴﴾ وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۲۵﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَاسۡجُدۡ لَہٗ وَ سَبِّحۡہُ لَیۡلًا طَوِیۡلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَۃَ وَ یَذَرُوۡنَ وَرَآءَہُمۡ یَوۡمًا ثَقِیۡلًا ﴿۲۷﴾ نَحۡنُ خَلَقۡنٰہُمۡ وَ شَدَدۡنَاۤ اَسۡرَہُمۡ ۚ وَ اِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَہُمۡ تَبۡدِیۡلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ﴿۲۹﴾ وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۳۰﴾ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ وَ الظّٰلِمِیۡنَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲ ۹ ۲۰

(اے پیغمبر!) ہم نے ہی تم پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔﴿۲۳﴾ لہٰذا تم اپنے پروردگار کے حکم پر ثابت قدم رہو، اور ان لوگوں میں سے کسی نافرمان یا کافر کی بات نہ مانو۔﴿۲۴﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا صبح وشام ذکر کیا کرو۔﴿۲۵﴾ اور کچھ رات کو بھی اُس کے آگے سجدے کیا کرو، اور رات کے لمبے وقت میں اُس کی تسبیح کرو۔﴿۲۶﴾ یہ لوگ تو (دُنیا کی) فوری چیزوں سے محبت کرتے ہیں، اور اپنے آگے جو بھاری دن آنے والا ہے، اُسے نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔﴿۲۷﴾ ہم نے ہی انہیں پیدا کیا ہے، اور اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں۔ اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے ان جیسے دوسرے پیدا کردیں۔(۶)﴿۲۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نصیحت کی بات ہے۔ اب جو چاہے، اپنے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرلے۔﴿۲۹﴾ اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک،﴿۳۰﴾ وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے، اور یہ جو ظالم لوگ ہیں، ان کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔﴿۳۱﴾

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسرے انسان پیدا کر دیں، اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انہیں شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم جب چاہیں گے، ان کے مرنے کے بعد بھی انہیں دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

الحمدللہ! سورۂ دَہر کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز اتوار ۳/اگست ۲۰۰۸ء کو بحری جہاز میں کوپن ہیگن سے اوسلو جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المُرسَلٰت

آیاتها ۵۰ ۷۷ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۳۳ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو ایک کے بعد ایک بھیجی جاتی ہیں، ﴿۱﴾ پھر جو آندھی بن کر زور سے چلتی ہیں، ﴿۲﴾ اور جو (بادلوں کو) خوب اچھی طرح پھیلا دیتی ہیں،[1] ﴿۳﴾ پھر قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو حق اور باطل کو الگ الگ کر دیتے ہیں، ﴿۴﴾ پھر نصیحت کی باتیں نازل کرتے ہیں، ﴿۵﴾ جو یا تو لوگوں کے لئے معافی مانگنے کا سبب بنتی ہیں، یا ڈرانے کا،[2] ﴿۶﴾ یقیناً وہ واقعہ ضرور پیش آکر رہے گا جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔[3] ﴿۷﴾

---

(۱) اس دُنیا میں جو ہوائیں چلتی ہیں، اُن میں سے کچھ تو ایسی ہوتی ہیں جو اِنسان کو فائدہ پہنچاتی اور اُس کے لئے زندگی کا سامان مہیا کرتی ہیں، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو آندھی طوفان بن کر اِنسان کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر اِنسانوں کے پاس آتے ہیں، وہ نیک لوگوں کے لئے خوشخبری اور بُرے لوگوں کے لئے ڈرانے کا سامان لے کر آتے ہیں۔ اس لئے پہلی تین آیتوں میں ہواؤں کی قسم کھائی گئی ہے، اور دُوسری تین آیتوں میں فرشتوں کی۔

(۲) یعنی نیک لوگوں کو اس کلام کے ذریعے گناہوں سے معافی کی دعوت دی جاتی ہے، اور بُرے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد قیامت کا دِن ہے۔

فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ﴿۸﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ﴿۹﴾ وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ﴿ۙ۱۰﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ﴿ؕ۱۱﴾ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ﴿ؕ۱۲﴾ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ﴿ۚ۱۳﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ﴿ؕ۱۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمۡ نُہۡلِکِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ؕ۱۶﴾ ثُمَّ نُتۡبِعُہُمُ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾ کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۹﴾

چنانچہ (وہ واقعہ اُس وقت ہوگا) جب ستارے بجھا دیئے جائیں گے، ﴿۸﴾ اور جب آسمان کو چیر دیا جائے گا، ﴿۹﴾ اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، ﴿۱۰﴾ اور جب پیغمبروں کے جمع ہونے کا وقت آجائے گا۔[۴] ﴿۱۱﴾ (کوئی پوچھے کہ) اس معاملے کو کس دن کے لئے ملتوی کیا گیا ہے؟[۵] ﴿۱۲﴾ (تو جواب یہ ہے کہ) فیصلے کے دن کے لئے! ﴿۱۳﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا چیز ہے؟ ﴿۱۴﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ﴿۱۶﴾ پھر اُنہی کے پیچھے بعد والوں کو بھی چلتا کر دیں گے۔[۶] ﴿۱۷﴾ ایسا ہی سلوک ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾

---

(۴) اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ایک وقت مقرّر فرمایا ہوا ہے جس میں تمام پیغمبر جمع ہو کر اپنی اپنی اُمت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ یہاں وہی وقت مراد ہے۔

(۵) یہ کافروں کا وہی سوال ہے جو وہ اکثر کیا کرتے تھے کہ اگر عذاب وثواب ہونا ہے تو ابھی کیوں نہیں ہو جاتا؟ دیر کیا ہے؟

(۶) یعنی جس طرح پچھلے زمانے کے کافر ہلاک ہوئے، عرب کے یہ کافر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے ہیں یہ بھی ہلاک ہوں گے۔

اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍۙ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍۙ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍۙ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ۙ﴿۲۵﴾ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ۙ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ؕ﴿۲۷﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۚ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ﴿۳۰﴾

کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ﴿۲۰﴾ پھر ہم نے اُسے مقرّرہ وقت تک ایک مضبوط قرار کی جگہ میں رکھا، (۷) ﴿۲۱و۲۲﴾ پھر ہم نے توازن پیدا کیا، چنانچہ اچھا توازن پیدا کرنے والے ہم ہیں! (۸) ﴿۲۳﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ سمیٹ کر رکھنے والی ہے، ﴿۲۵﴾ زندوں کو بھی، اور مُردوں کو بھی؟ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے اُس میں گڑے ہوئے اُونچے اُونچے پہاڑ پیدا کئے، اور تمہیں میٹھے پانی سے سیراب کرنے کا انتظام کیا۔ ﴿۲۷﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ (ان سے کہا جائے گا کہ:) ''چلو اَب اُسی چیز کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿۲۹﴾ چلو اُس سائبان کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، (۹) ﴿۳۰﴾

---

(۷) اس سے مراد ماں کا پیٹ ہے۔

(۸) یعنی انسان کو ہم نے صرف پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ اُس کی بناوٹ میں ایسا بہترین توازن رکھا ہے جو ہمارے سوا کوئی قائم نہیں رکھ سکتا۔ انسان کے جسم کے مختلف حصوں پر جتنا غور کیا جائے، یہ حقیقت اتنی ہی زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔

(۹) اس سے مراد دوزخ کی آگ کا دُھواں ہے جو سائبان کی طرح بلند ہوگا، اور تین شاخوں میں تقسیم ہوجائے گا۔

لَّا ظَلِيلٍ وَّلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ
صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ
فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ
وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾ ع ۲۱ إِنَّ
الْمُتَّقِينَ فِي ظِلٰلٍ وَّعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

جس میں نہ تو (ٹھنڈک والا) سایہ ہے، اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچا سکتا ہے۔﴿۳۱﴾ وہ آگ تو محل جیسے بڑے بڑے شعلے پھینکے گی،﴿۳۲﴾ ایسا لگے گا جیسے وہ زرد رنگ کے اُونٹ ہوں۔[10] ﴿۳۳﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔﴿۳۴﴾ یہ ایسا دن ہے جس میں یہ لوگ بول نہیں سکیں گے،﴿۳۵﴾ اور نہ انہیں اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ کوئی عذر پیش کرسکیں۔﴿۳۶﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔﴿۳۷﴾ یہ فیصلے کا دِن ہے۔ ہم نے تمہیں اور پچھلے لوگوں کو اِکٹھا کرلیا ہے۔﴿۳۸﴾ اب اگر تمہارے پاس کوئی داؤ ہے تو مجھ پر وہ داؤ چلالو۔﴿۳۹﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔"﴿۴۰﴾

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، وہ بیشک سایوں اور چشموں کے درمیان ہوں گے،﴿۴۱﴾ اور اپنے من پسند میووں کے درمیان!﴿۴۲﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) مزے سے کھاؤ، اور پیو اُن اعمال کی بدولت جو تم کیا کرتے تھے۔﴿۴۳﴾

---

(۱۰) یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ دوزخ کی آگ کے شعلے اتنے بڑے ہوں گے جیسے عظیم الشان محل ہوتے ہیں، اور اُن سے جو شاخیں نکلیں گی، وہ زرد رنگ کے اُونٹوں جیسی ہوں گی۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا یَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ع ۲ ۱۰ ۲۲

ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔﴿۴۴﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جوحق کو جھٹلاتے ہیں۔﴿۴۵﴾

(اے کافرو!) کچھ وقت کھالو، اور مزے اُڑالو۔ حقیقت میں تم لوگ مجرم ہو۔﴿۴۶﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جوحق کو جھٹلاتے ہیں۔﴿۴۷﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے آگے جھک جاؤ، تو یہ جھکتے نہیں ہیں۔﴿۴۸﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جوحق کو جھٹلاتے ہیں۔﴿۴۹﴾ اب اس کے بعد اور کونسی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟﴿۵۰﴾

الحمدللہ! سورۂ مرسلات کا کام ۵؍اگست ۲۰۰۸ء مطابق ۳؍شعبان ۱۴۲۹ھ کو ناروے کے شہر اوسلو میں تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی ایک پارے کی خدمت بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق انجام دِلوا دیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ النَّبَأ

آیاتہا ۴۰ ۷۸ سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ② الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ⑩ وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا ⑪ وَّبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا ⑫ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّھَّاجًا ⑬

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ (کافر) لوگ کس چیز کے بارے میں سوالات کررہے ہیں؟ ﴿۱﴾ اُس زبردست واقعے کے بارے میں جس میں خود ان کی باتیں مختلف ہیں![1] ﴿۲و۳﴾ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا، ﴿۴﴾ دوبارہ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا۔ ﴿۵﴾ کیا ہم نے زمین کو ایک بچھونا نہیں بنایا؟ ﴿۶﴾ اور پہاڑوں کو (زمین میں گڑی ہوئی) میخیں؟ ﴿۷﴾ اور تمہیں (مرد وعورت کے) جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا، ﴿۸﴾ اور تمہاری نیند کو تھکن دُور کرنے کا ذریعہ ہم نے بنایا، ﴿۹﴾ اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا، ﴿۱۰﴾ اور دِن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا، ﴿۱۱﴾ اور ہم نے ہی تمہارے اُوپر سات مضبوط وجود (آسمان) تعمیر کئے، ﴿۱۲﴾ اور ہم نے ہی ایک دہکتا ہوا چراغ (سورج) پیدا کیا، ﴿۱۳﴾

---

(۱) اس سے قیامت اور آخرت مراد ہے۔ کافر لوگ قیامت کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾

اور ہم نے ہی بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، ﴿۱۴﴾ تاکہ اُس سے غلہ اور دُوسری سبزیاں بھی اُگائیں، ﴿۱۵﴾ اور گھنے باغات بھی۔ ﴿۱۶﴾ یقین جانو فیصلے کا دِن ایک متعین وقت ہے، ﴿۱۷﴾ وہ دن جب صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج در فوج چلے آؤ گے، ﴿۱۸﴾ اور آسمان کھول دیا جائے گا، تو اُس کے دروازے ہی دروازے بن جائیں گے، ﴿۱۹﴾ اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کرلیں گے، ﴿۲۰﴾ یقین جانو جہنم گھات لگائے بیٹھی ہے، ﴿۲۱﴾ وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے ﴿۲۲﴾ جس میں وہ مدتوں اس طرح رہیں گے (۲) ﴿۲۳﴾

تھے۔ کوئی اُس کا مذاق اُڑاتا، کوئی اُس کے خلاف دلیلیں پیش کرتا، کوئی مسلمانوں سے اُس کی تفصیلات کے بارے میں سوالات کرتا، اور سوال کرنے کا مقصد حق کی تلاش نہیں، بلکہ اِستہزاء ہوتا تھا۔ ان آیتوں میں اُن کے اسی طرزِ عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذِکر فرمایا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، تو اُس کی یہ قدرت تسلیم کرنے میں تمہیں کیوں مشکل پیش آرہی ہے کہ وہ اس عالم کو ایک مرتبہ ختم کر کے دوبارہ پیدا فرمادے گا۔

(۲) اصل عربی لفظ "اَحقاب" ہے جو "حقبہ" کی جمع ہے جو بڑی طویل مدت کو کہتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ ان کے دوزخ میں رہنے کی مدتیں یکے بعد دیگرے بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ بعض لوگوں نے اس لفظ سے جو اِستدلال کیا ہے کہ جن سرکش لوگوں کا ذِکر ہورہا ہے، وہ بھی طویل مدتیں گذرنے کے بعد دوزخ سے نکل جائیں

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

کہ اُس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، اور نہ کسی پینے کے قابل چیز کا، ﴿۲۴﴾ سوائے گرم پانی اور پیپ لہو کے، ﴿۲۵﴾ یہ اُن کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔ ﴿۲۶﴾ وہ (اپنے اعمال کے) حساب کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، ﴿۲۷﴾ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بڑھ چڑھ کر جھٹلایا تھا۔ ﴿۲۸﴾ اور ہم نے ہر ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے، ﴿۲۹﴾ "اب مزہ چکھو! اس لئے کہ ہم تمہارے لئے سزا کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے۔" ﴿۳۰﴾

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا، اُن کی بیشک بڑی جیت ہے، ﴿۳۱﴾ باغات اور اَنگور! ﴿۳۲﴾ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں! ﴿۳۳﴾ اور چھلکتے ہوئے پیمانے! ﴿۳۴﴾ وہاں پر وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی جھوٹی بات، ﴿۳۵﴾ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہوگا ــــ (اللہ کی) ایسی دین ہوگی جو لوگوں کے اعمال کے حساب سے دی جائے گی،(۳) ﴿۳۶﴾

گے، وہ غلط اِستدلال ہے، اس لئے کہ قرآنِ کریم نے بہت سے مقامات پر صریح لفظوں میں وضاحت فرمادی ہے کہ وہ کبھی نہیں نکلیں گے۔ مثلاً دیکھئے سورۂ مائدہ (۵:۳۷)۔

(۳) یہ ترجمہ ایک تفسیر کے مطابق ہے جو حضرت عطاءؒ سے منقول ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

اُسی پروردگار کی طرف سے جو سارے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کا مالک، بہت مہربان ہے! کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُس کے سامنے بول سکے۔(۴) ﴿۳۷﴾ جس دن ساری رُوحیں اور فرشتے قطاریں بنا کر کھڑے ہوں گے، اُس دن سوائے اُس کے کوئی نہیں بول سکے گا جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دی ہو، اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔(۵) ﴿۳۸﴾ وہ دن ہے جو برحق ہے۔ اب جو چاہے، وہ اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ﴿۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایک ایسے عذاب سے خبردار کردیا ہے جو قریب آنے والا ہے، جس دن ہر شخص وہ اعمال آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اُس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں، اور کافر یہ کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔(۶) ﴿۴۰﴾

دین ہوگی، جو کسی اِستحقاق کے بغیر ملے گی، لیکن اللہ تعالیٰ یہ دین ہر ایک کو اُس کے اعمال کے حساب سے دیں گے۔ اور اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے کہ: ''۔۔۔ (اللہ کی) ایسی دین ہوگی جو ہر ایک کے لئے کافی ہوجائے گی'' یعنی اُن کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

(۴) یعنی جس کو جو کچھ دے دیا جائے گا، اُس کے خلاف کسی کو بولنے کی مجال نہیں ہوگی۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان یا فرشتہ کسی کی سفارش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کچھ بول نہیں سکے گا، اور وہ بھی اُس وقت جب وہ سفارش بھی ٹھیک کرے، یعنی اُس طریقے سے کرے جو اللہ تعالیٰ

نے مقرّر فرمایا ہوگا۔

(۶) بعض روایتوں میں ہے کہ جن جانوروں نے دُنیا میں ایک دوسرے پر ظلم کیا تھا، میدانِ حشر میں اُن کو بھی جمع کر کے اُن سے اُن کے ظلم کا بدلہ دِلوایا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ والی بکری کو سینگ مارا تھا تو حشر میں اُس کا بھی بدلہ دِلوایا جائے گا۔ اور جب یہ بدلہ پورا ہو جائے گا تو ان جانوروں کو مٹی میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اُس وقت وہ کافر لوگ جنہیں دوزخ کا انجام نظر آرہا ہوگا، وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مٹی ہو جاتے (مسلم و ترمذی)۔

الحمدللہ! سورۂ نبأ کا کام ۹ رشعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۲ ر اگست ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی بھی تکمیل اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ النّازعات

آیاتھا ۴۶ ۷۹ سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۸۱ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾

وقف لازم

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں چھیالیس آیتیں اور دو رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو (کافروں کی رُوح) سختی سے کھینچتے ہیں،[1] ﴿۱﴾ اور جو (مؤمنوں کی رُوح کی) گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں، ﴿۲﴾ پھر (فضا میں) تیرتے ہوئے جاتے ہیں، ﴿۳﴾ پھر تیزی سے لپکتے ہیں، ﴿۴﴾ پھر جو حکم ملتا ہے، اُس (کو پورا کرنے) کا انتظام کرتے ہیں، ﴿۵﴾

---

(۱) قرآنِ کریم میں اصل لفظ صرف اتنا ہے کہ: ''قسم اُن کی جو سختی سے کھینچتے ہیں'' لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد رُوح قبض کرنے والے فرشتے ہیں جو کسی کی (اور عام طور سے کافروں کی) رُوح کو سختی سے کھینچتے ہیں، اور کسی کی (اور عام طور سے مؤمنوں کی) رُوح کو آسانی سے اس طرح کھینچ لیتے ہیں جیسے کوئی گرہ کھول دی ہو۔ پھر وہ ان رُوحوں کو لے کر تیرتے ہوئے جاتے ہیں، اور جلدی جلدی اُن کی منزل پر پہنچا کر اُن اَحکام کے مطابق اُن کا انتظام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلی چار آیتوں کا یہی مطلب ہے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حالات بیان فرمائے ہیں کہ جب وہ آئے گی تو بہت سے دِل لرز رہے ہوں گے۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بات کا یقین دِلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن عربی بلاغت کے قاعدے سے بات میں زور پیدا کرنے کے لئے قسمیں کھائی گئی ہیں، اور عام طور سے جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے، وہ اُس دعوے پر گواہ ہوتی ہے جو بعد میں بیان ہو رہا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ فرشتے اس بات کے

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۭ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۭ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۭ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۭ﴿١٤﴾

وقف لازم وقف لازم

کہ جس دن بھونچال (ہر چیز کو) ہلا ڈالے گا،[۲] ﴿۶﴾ پھر اُس کے بعد ایک اور جھٹکا آئے گا،[۳] ﴿۷﴾ اُس دن بہت سے دِل لرز رہے ہوں گے، ﴿۸﴾ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ﴿۹﴾ یہ (کافر لوگ) کہتے ہیں کہ: ''کیا ہم پہلی والی حالت پر لوٹا دیئے جائیں گے؟[۴] ﴿۱۰﴾ کیا اُس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے؟'' ﴿۱۱﴾ کہتے ہیں کہ: ''اگر ایسا ہوا تو یہ بڑے گھاٹے کی واپسی ہوگی۔''[۵] ﴿۱۲﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی، ﴿۱۳﴾ جس کے بعد وہ اچانک ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔ ﴿۱۴﴾

گواہ ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے رُوح قبض فرماتا ہے، اُسی طرح فرشتوں سے صور پھنکوا کر اُنہیں دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

(۲) اس سے مراد پہلا صور ہے۔ جب وہ پھونکا جائے گا تو ہر جان دار کو موت آجائے گی، اور پوری کائنات زیروزبر ہو جائے گی۔

(۳) اس سے مراد دُوسرا صور ہے۔ پہلے صور کے نتیجے میں سب مر چکے ہوں گے، اور دُوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر حشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

(۴) یعنی کیا ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی حالت میں واپس لایا جائے گا؟

(۵) مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں واقعی دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ ہمارے لئے گھاٹے کا سودا ہوگا، کیونکہ اس دوسری زندگی کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہیں کر رکھی ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾

(اے پیغمبر!) کیا تمہیں موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ﴿۱۵﴾ جب اُن کے پروردگار نے اُنہیں طویٰ کی مقدس وادی میں آواز دی تھی[۶] ﴿۱۶﴾ کہ: ''فرعون کے پاس چلے جاؤ، اُس نے بہت سرکشی اختیار کررکھی ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور اُس سے کہو کہ کیا تمہیں یہ خواہش ہے کہ تم سنور جاؤ؟ ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ میں تمہیں تمہارے پروردگار کا راستہ دِکھاؤں تو تمہارے دِل میں خوف پیدا ہوجائے؟'' ﴿۱۹﴾ چنانچہ موسیٰ نے اُس کو بڑی زبردست نشانی دِکھائی،[۷] ﴿۲۰﴾ پھر بھی اُس نے (اُنہیں) جھٹلایا، اور کہنا نہیں مانا، ﴿۲۱﴾ پھر دوڑ دُھوپ کرنے کے لئے پلٹا، ﴿۲۲﴾ پھر سب کو اِکٹھا کیا، اور آواز لگائی ﴿۲۳﴾ اور کہا کہ: ''میں تمہارا اعلیٰ درجے کا پروردگار ہوں۔'' ﴿۲۴﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُسے آخرت اور دُنیا کے عذاب میں پکڑلیا۔[۸] ﴿۲۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ اِس واقعے میں اُس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ کا خوف دِل میں رکھتا ہو۔ ﴿۲۶﴾

(۶) اس سے مراد صحرائے سینا کی وہ وادی ہے جس میں پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ طٰہٰ (۲۰:۹ تا ۴۸ اور ان کے حواشی)۔

(۷) یعنی یہ معجزہ دِکھایا کہ اُن کی لاٹھی سانپ بن گئی، اور اُن کا ہاتھ چمکنے لگا (دیکھئے سورۂ طٰہٰ ۲۰: ۱۷ تا ۲۲)۔

(۸) دُنیا کا عذاب یہ کہ اُسے اور اُس کے لشکر کو غرق کردیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ شعراء (۲۶: ۶۱ تا ۶۴) اور آخرت میں دوزخ کا عذاب ہوگا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَاۗءَتِ الطَّاۗمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

(انسانو!) کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے، یا آسمان کو؟(۹) اُس کو اللہ نے بنایا ہے، ﴿۲۷﴾ اُس کی بلندی اُٹھائی ہے، پھر اُسے ٹھیک کیا ہے، ﴿۲۸﴾ اور اُس کی رات کو اندھیری بنایا ہے، اور اُس کے دن کی دُھوپ باہر نکال دی ہے، ﴿۲۹﴾ اور زمین کو اُس کے بعد بچھا دیا ہے، ﴿۳۰﴾ اُس میں سے اُس کا پانی اور اُس کا چارہ نکالا ہے، ﴿۳۱﴾ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے، ﴿۳۲﴾ تاکہ تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچائے۔ ﴿۳۳﴾ پھر جب وہ سب سے بڑا ہنگامہ برپا ہوگا، ﴿۳۴﴾ جس دن انسان اپنا سارا کیا دھرا یاد کرے گا، ﴿۳۵﴾ اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے سامنے ظاہر کردی جائے گی، ﴿۳۶﴾ تو وہ جس نے سرکشی کی تھی، ﴿۳۷﴾ اور دُنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، ﴿۳۸﴾ تو دوزخ ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔ ﴿۳۹﴾ لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا، اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکتا تھا، ﴿۴۰﴾ تو جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔ ﴿۴۱﴾

---

(۹) عرب کے کافر لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا جو اِنکار کرتے تھے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

ع ۲ / ۴

یہ لوگ تم سے قیامت کی گھڑی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی؟ ﴿۴۲﴾ تمہارا یہ بات بیان کرنے سے کیا کام؟ ﴿۴۳﴾ اس کا علم تو تمہارے پروردگار پر ختم ہے۔ ﴿۴۴﴾ جو شخص اُس سے ڈرتا ہو، تم تو صرف اُس کو خبردار کرنے والے ہو۔ ﴿۴۵﴾ جس دن یہ اُس کو دیکھ لیں گے، اُس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔ (۱۰) ﴿۴۶﴾

مُردے کے زندہ ہونے کو بہت مشکل سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ کائنات کی دوسری چیزوں، مثلاً آسمان، کے مقابلے میں انسان کو پیدا کرنا زیادہ آسان ہے، اگر تم مانتے ہو کہ آسمان اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو پھر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟

(۱۰) یعنی آخرت میں پہنچنے کے بعد دُنیا میں گذری ہوئی زندگی یا قبر کے عالمِ برزخ میں قیام کی مدت بہت مختصر معلوم ہوگی۔

الحمدللہ! سورۂ نازعات کا کام ۱۸/شعبان ۱۴۲۹ھ ۲۱/اگست ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ عَبَسَ

آیاتها ۴۲ ۸۰ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رُکوع

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(پیغمبر نے) منہ بنایا، اور رُخ پھیر لیا،[1] ﴿۱﴾ اس لئے کہ اُن کے پاس وہ نابینا آگیا تھا۔ ﴿۲﴾ اور (اے پیغمبر!) تمہیں کیا خبر؟ شاید وہ سدھر جاتا، ﴿۳﴾ یا وہ نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت کرنا اُسے فائدہ پہنچاتا! ﴿۴﴾ ـــــ وہ شخص جو بے پروائی دِکھا رہا تھا، ﴿۵﴾ اُس کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، ﴿۶﴾ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی، ﴿۷﴾ اور وہ جو محنت کر کے تمہارے پاس آیا ہے، ﴿۸﴾ اور وہ دِل میں اللہ کا خوف رکھتا ہے، ﴿۹﴾ اُس کی طرف سے تم بے پروائی برتتے ہو! ﴿۱۰﴾

---

(۱) یہ آیات ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کچھ بڑے بڑے سرداروں کو اِسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اور اُن سے گفتگو میں مشغول تھے کہ اتنے میں آپ کے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ وہاں آگئے، اور چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے یہ نہ دیکھ سکے کہ آپ کن کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں، چنانچہ اُنہوں نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سکھانے کی درخواست شروع کردی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا یہ طریقہ پسند نہ آیا کہ دوسروں کی بات کاٹ کر اُنہوں نے بیچ میں مداخلت شروع کردی۔ اس لئے آپ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، اور آپ نے اُن کی بات کا جواب دینے کے بجائے اُن کافروں کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھی۔ جب وہ

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿١٢﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾

ہرگز ایسا نہیں چاہئے! یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے، ﴿۱۱﴾ اب جو چاہے، اُسے یاد کرلے، [۲] ﴿۱۲﴾ وہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو بڑے مقدس ہیں، [۳] ﴿۱۳﴾ اُونچے رُتبے والے ہیں، پاکیزہ ہیں، ﴿۱۴﴾ اُن لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں ﴿۱۵﴾ جو خود بڑی عزت والے، بہت نیک ہیں۔ [۴] ﴿۱۶﴾

خدا کی مار ہو ایسے انسان پر، وہ کتنا ناشکرا ہے! ﴿۱۷﴾ (وہ ذرا سوچے کہ) اللہ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا؟ ﴿۱۸﴾ نطفے کی ایک بوند سے! اُسے پیدا بھی کیا، پھر اُس کو ایک خاص انداز بھی دیا۔ [۵] ﴿۱۹﴾

لوگ چلے گئے تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اِظہار فرمایا۔ منہ بنانے کو عربی میں "عبس" کہتے ہیں، چونکہ یہ سورت اسی لفظ سے شروع ہوئی ہے، اس لئے اس کا نام "عبس" ہے، اور اس میں بنیادی تعلیم یہ دی گئی ہے کہ جو شخص دِل میں حق کی طلب رکھتا ہو، اور سچے دِل سے اپنی اِصلاح چاہتا ہو، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کو وقت دیا جائے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں کے دِل میں حق کی طلب ہی نہیں ہے، اور وہ اپنی کسی اِصلاح کی ضرورت نہیں سمجھتے، حق کے طلبگاروں سے منہ موڑ کر اُنہیں ترجیح نہیں دینی چاہئے۔

(۲) یعنی قرآنِ کریم کی بات کو قبول کر کے اُس پر عمل کرے۔

(۳) اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ اس میں دوسری باتوں کے علاوہ قرآنِ کریم بھی محفوظ ہے۔

(۴) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لوحِ محفوظ پر مقرّر ہیں۔

(۵) یعنی ماں کے پیٹ میں اُس کے ایسے اعضاء اور ایسی صورت بنائی جو حیرت انگیز توازن کی حامل ہے۔ نیز اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اُس کی تقدیر طے فرمائی۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

پھر اُس کے لئے راستہ بھی آسان بنادیا،[6] ﴿۲۰﴾ پھر اُسے موت دی، اور قبر میں پہنچادیا، ﴿۲۱﴾ پھر جب چاہے گا، اُسے دوبارہ اُٹھا کر کھڑا کردے گا۔ ﴿۲۲﴾ ہرگز نہیں! جس بات کا اللہ نے اُسے حکم دیا تھا، ابھی تک اُس نے وہ پوری نہیں کی۔[7] ﴿۲۳﴾ پھر ذرا اِنسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ لے! ﴿۲۴﴾ کہ ہم نے اُوپر سے خوب پانی برسایا، ﴿۲۵﴾ پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا،[8] ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے اُس میں غلے اُگائے، ﴿۲۷﴾ اور اَنگور اور ترکاریاں، ﴿۲۸﴾ اور زیتون اور کھجور، ﴿۲۹﴾ اور گھنے گھنے باغات، ﴿۳۰﴾ اور میوے اور چارہ، ﴿۳۱﴾ سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کی خاطر! ﴿۳۲﴾

---

(۶) اس کی ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ بچے کو ماں کے پیٹ سے باہر آنے کا راستہ اللہ تعالیٰ نے آسان بنادیا کہ وہ ایک تنگ جگہ سے بہ آسانی باہر آجاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ انسان کے دُنیا میں جینے کا راستہ آسان بنادیا، اور اُس کی ساری ضروریات دُنیا میں مہیا فرمادیں۔

(۷) اس سے مراد کافر بھی ہوسکتے ہیں کہ اُن کی نافرمانی بالکل ظاہر ہے، اور اگر مسلمان مراد ہوں تب بھی یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا پورا پورا حق کون ادا کرسکتا ہے؟

(۸) ایک ننھے سے پودے کی کونپل اتنی بھاری زمین کو پھاڑ کر جس طرح باہر نکل آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

آخر جب وہ کان پھاڑنے والی آواز آہی جائے گی،(۹) (اُس وقت اس ناشکری کی حقیقت پتہ چل جائے گی) ﴿۳۳﴾ یہ اُس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا، ﴿۳۴﴾ اور اپنے ماں باپ سے بھی، ﴿۳۵﴾ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی، ﴿۳۶﴾ (کیونکہ) ان میں سے ہر ایک کو اُس دن اپنی ایسی فکر پڑی ہوگی کہ اُسے دوسروں کا ہوش نہیں ہوگا۔ ﴿۳۷﴾ اُس روز کتنے چہرے تو چمکتے دمکتے ہوں گے، ﴿۳۸﴾ ہنستے، خوشی مناتے ہوئے، ﴿۳۹﴾ اور کتنے چہرے اُس دن ایسے ہوں گے کہ اُن پر خاک پڑی ہوگی، ﴿۴۰﴾ سیاہی نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔ ﴿۴۱﴾ یہ وہی لوگ ہوں گے جو کافر تھے، بدکار تھے۔ ﴿۴۲﴾

(۹) اس سے مراد قیامت ہے جس کا آغاز صور کی آواز سے ہوگا۔

الحمدللہ! سورۂ عبس کا کام دُبی سے برمنگھم جاتے ہوئے ۲۰؍شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۳؍اگست ۲۰۰۸ء کو طیارے میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اور باقی کام کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ التَّكوير

ایاتھا ۲۹ ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُنتیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا،(۱) ﴿۱﴾ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے، ﴿۲﴾ اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا، ﴿۳﴾ اور جب دس مہینے کی گابھن اُونٹنیوں کو بھی بیکار چھوڑ دیا جائے گا،(۲) ﴿۴﴾ اور جب وحشی جانور اِکٹھے کردیئے جائیں گے،(۳) ﴿۵﴾ اور جب سمندروں کو بھڑکایا جائے گا،(۴) ﴿۶﴾

---

(۱) یہاں سے آیت نمبر ۱۴ تک قیامت اور آخرت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورج کو لپیٹنے کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں سورج میں روشنی باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ بعض حضرات نے اس آیت کا ترجمہ یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''جب سورج بے نور ہوجائے گا۔'' چونکہ لپیٹنے کو عربی میں ''تکویر'' کہا جاتا ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ تکویر ہے۔

(۲) اُونٹنی اُس وقت عرب کے لوگوں کے لئے سب سے بڑی دولت سمجھی جاتی تھی، اور اگر اُونٹنی گابھن یعنی حاملہ ہو تو اُس کی قیمت اور بڑھ جاتی تھی، اور دس مہینے کی گابھن ہو تو اُسے سب سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے وقت ہر شخص پر ایسی حالت طاری ہوگی کہ اُسے اتنی بڑی دولت کو بھی سنبھالنے کا ہوش نہیں رہے گا، اس لئے ایسی اُونٹنیاں بھی بیکار چھوٹی پھریں گی۔

(۳) قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر سارے وحشی جانور بھی گھبراہٹ کے عالم میں اِکٹھے ہوجائیں گے، جیسے کہ کسی عام مصیبت کے موقع پر تنہا رہنے کے بجائے دوسروں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا جاتا ہے۔

(۴) سمندروں کو بھڑکانے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن میں طغیانی آجائے گی، اور دریا سمندر آپس میں

وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۪ۙ﴿۷﴾ وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۪ۙ﴿۸﴾ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۪ۙ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ ۪ۙ﴿۱۱﴾ وَ اِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ ۪ۙ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا الۡجَنَّۃُ اُزۡلِفَتۡ ۪ۙ﴿۱۳﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ﴿ؕ۱۴﴾ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ۙ﴿۱۶﴾

اور جب لوگوں کے جوڑے جوڑے بنادیئے جائیں گے،(۵) ﴿۷﴾ اور جس بچی کو زِندہ قبر میں گاڑ دیا گیا تھا، اُس سے پوچھا جائے گا ﴿۸﴾ کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟(۶) ﴿۹﴾ اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے، ﴿۱۰﴾ اور جب آسمان کا چھلکا اُتار دیا جائے گا، ﴿۱۱﴾ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی، ﴿۱۲﴾ اور جب جنت قریب کردی جائے گی، ﴿۱۳﴾ تو اُس وقت ہر شخص کو اپنا سارا کیا دَھرا معلوم ہوجائے گا۔ ﴿۱۴﴾

اب میں قسم کھاتا ہوں اُن ستاروں کی جو پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں، ﴿۱۵﴾ جو چلتے چلتے دبک جاتے ہیں،(۷) ﴿۱۶﴾

مل کر ایک ہوجائیں گے، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ ان کا پانی خشک ہوجائے گا، اور ان میں آگ لگادی جائے گی۔

(۵) یعنی ایک قسم کے لوگ ایک جگہ جمع کردیئے جائیں گے۔ کافر ایک جگہ، اور مؤمن ایک جگہ۔ نیز نیک لوگ ایک جگہ، اور بدکار ایک جگہ۔

(۶) جاہلیت کے زمانے میں ایک انتہائی وحشیانہ رسم یہ تھی کہ لوگ عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے، اور بعض قبیلے ایسے تھے کہ اگر اُن میں سے کسی کے یہاں بچی پیدا ہوجاتی تو وہ شرم کے مارے اُس بچی کو زندہ زمین میں دفن کردیتا تھا۔ قیامت میں اُس بچی کو لاکر پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم میں موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا؟ اس سے اُن ظالموں کو سزا دینا مقصود ہوگا جنہوں نے اُس بچی کے ساتھ ایسی درندگی کا معاملہ کیا۔

(۷) بعض ستارے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چلتے نظر آتے ہیں، اور کبھی مغرب سے مشرق کی طرف۔ گویا وہ ایک سمت میں چلتے چلتے واپس پلٹ رہے ہیں، پھر چلتے چلتے نگاہوں سے غائب

وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾

اور قسم کھاتا ہوں رات کی جب وہ رُخصت ہو، ﴿۱۷﴾ اور صبح کی جب وہ سانس لے، (۸) ﴿۱۸﴾ کہ یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزّز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے، (۹) ﴿۱۹﴾ جو قوت والا ہے، جس کا عرش والے کے پاس بڑا رُتبہ ہے۔ ﴿۲۰﴾ وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے (۱۰) وہ امانت دار ہے۔ ﴿۲۱﴾ اور (اے مکہ والو!) تمہارے ساتھ رہنے والے یہ صاحب (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی دیوانے نہیں ہیں، ﴿۲۲﴾ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ انہوں نے اس فرشتے کو کھلے ہوئے اُفق پر دیکھا ہے، (۱۱) ﴿۲۳﴾

ہوجاتے ہیں، گویا وہ کہیں دبک کر چھپ گئے ہیں۔ ان ستاروں کی یہ گردش اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عجیب مظہر ہے۔ اس لئے اُن کی قسم کھائی گئی ہے۔

(۸) صبح کے وقت عموماً ہلکی ہلکی ہوا چلتی ہے جسے بادِ نسیم کہا جاتا ہے۔ اس ہوا کے چلنے کو بڑی بلاغت کے ساتھ صبح کے سانس لینے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۹) اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے ذریعے قرآنِ کریم لایا کرتے تھے۔

(۱۰) یعنی دوسرے فرشتے اُن کی بات مانتے ہیں۔

(۱۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام عام طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی انسان کی صورت میں آیا کرتے تھے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اُنہیں اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اس موقع پر وہ اُفق پر اپنی اصل صورت میں بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوئے۔ اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورۂ نجم میں پیچھے گذر چکی ہے۔ اس موقع پر اُس سورت کے حواشی نمبر ۲، ۳ اور ۴ ضرور دیکھ لئے جائیں۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿٢٩﴾

اور وہ غیب کی باتوں کے بارے میں بخیل بھی نہیں ہیں۔[۱۲] ﴿۲۴﴾ اور نہ یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی بات ہے۔ ﴿۲۵﴾ پھر بھی تم لوگ کدھر چلے جارہے ہو؟ ﴿۲۶﴾ یہ تو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، ﴿۲۷﴾ ـــــ تم میں سے ہر اُس شخص کے لئے جو سیدھا سیدھا رہنا چاہے! ﴿۲۸﴾ اور تم چاہو گے نہیں، اِلّا یہ کہ خود اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۲) یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ اُنہیں لوگوں سے چھپاتے نہیں ہیں، بلکہ سب کے سامنے ظاہر فرمادیتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں جو لوگ کاہن کہلاتے تھے، وہ بھی غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ کرتے تھے، اور شیطانوں سے دوستی کرکے اُن سے کچھ جھوٹی سچی باتیں سن لیا کرتے تھے، لیکن جب لوگ اُن سے پوچھتے تو وہ اُنہیں فیس لئے بغیر کچھ بتانے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کافروں سے فرمارہے ہیں کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہتے ہو، حالانکہ کاہن تو تمہیں جھوٹی باتیں بتانے میں بھی بڑے بخل سے کام لیتے ہیں، اور پیسے لئے بغیر کچھ نہیں بتاتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی جو سچی باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ بتانے میں بھی نہ بخل سے کام لیتے ہیں، اور نہ اُس پر کوئی معاوضہ مانگتے ہیں۔

الحمدللہ! سورۂ تکویر کا کام ۲۲ رشعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵ راگست ۲۰۰۸ء کو برطانیہ کے شہر والسال میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع بنائیں، اور باقی کام کی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الانفطار

آیاتها ۱۹ ۸۲ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں اُنیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب آسمان چِر جائے گا، ﴿۱﴾ اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے، ﴿۲﴾ اور جب سمندروں کو اُبال دیا جائے گا، ﴿۳﴾ اور جب قبریں اُکھاڑ دی جائیں گی، ﴿۴﴾ اُس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔[1] ﴿۵﴾ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے اُس پروردگار کے معاملے میں دھوکا لگا دیا ہے جو بڑا کرم والا ہے، ﴿۶﴾ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا، پھر تیرے اندر اِعتدال پیدا کیا؟ ﴿۷﴾ جس صورت میں چاہا، اُس نے تجھے جوڑ کر تیار کیا۔ ﴿۸﴾ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیئے،[2] لیکن تم جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو، ﴿۹﴾

---

(۱) ''جو آگے بھیجا'' سے مراد وہ اعمال ہیں جو کسی شخص نے دُنیا میں کر کے انہیں آخرت کے لئے آگے بھیج دیا، یعنی اُنہیں آخرت کا ذخیرہ بنالیا، اور ''جو پیچھے چھوڑا'' سے مراد وہ اعمال ہیں جو اُسے کرنے چاہئیں تھے، لیکن اُس نے نہیں کئے، اور دُنیا میں چھوڑ آیا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ معاذ اللہ وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾ ع

حالانکہ تم پر کچھ نگراں (فرشتے) مقرر ہیں، ﴿۱۰﴾ وہ معزز لکھنے والے ﴿۱۱﴾ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔(۳) ﴿۱۲﴾ یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے، ﴿۱۳﴾ اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ ﴿۱۴﴾ وہ اُس میں جزا و سزا کے دن داخل ہوں گے، ﴿۱۵﴾ اور وہ اُس سے غائب نہیں ہوسکتے۔ ﴿۱۶﴾ اور تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دِن کیا چیز ہے؟ ﴿۱۷﴾ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دِن کیا چیز ہے؟ ﴿۱۸﴾ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا چلے گا۔ ﴿۱۹﴾

(۳) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اِنسان کے سارے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں، اور اسی سے اُس کا اعمال نامہ تیار ہوتا ہے۔

الحمدللہ! اس سورت پر کام کی تکمیل والسال برطانیہ میں ۲۳ رشعبان ۱۴۲۹ھ
مطابق ۲۶ راگست ۲۰۰۸ء کو ہوئی۔
تَقَبَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَوَفَّقَنِيْ لِمَا يُحِبُّهٗ وَيَرْضَاهُ

سُورَةُ المُطَفِّفِين

ایاتها ۳۶ ۸۳ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ۸۶ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿۷﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿۸﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھتیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ﴿۱﴾ جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں، ﴿۲﴾ اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔[1] ﴿۳﴾ کیا یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اُنہیں ایک بڑے زبردست دن میں زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا؟ ﴿۴و۵﴾ جس دن سب لوگ رَبّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ﴿۶﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے! یقین جانو کہ بدکار لوگوں کا اعمال نامہ سجّین میں ہے[2] ﴿۷﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجّین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ ﴿۸﴾

---

(۱) ان آیتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے جو دُوسروں سے اپنا حق وصول کرنے میں تو بڑی سرگرمی دِکھاتے ہیں، لیکن جب دُوسروں کا حق دینے کا وقت آتا ہے تو ڈنڈی مارتے ہیں۔ یہ وعید صرف ناپ تول ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے حقوق کو شامل ہے، اور اس طرح ڈنڈی مارنے کو عربی میں "تطفیف" کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام تطفیف ہے۔

(۲) سجّین کے لفظی معنی قید خانے کے ہیں۔ یہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں مرنے کے بعد کافروں کی رُوحوں کو رکھا جاتا ہے۔ وہیں پر اُن کا اعمال نامہ بھی موجود رہتا ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾

وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔﴿۹﴾ اُس دن بڑی خرابی ہوگی حق کو جھٹلانے والوں کی، ﴿۱۰﴾ جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اور اُس دن کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گذرا ہوا گنہگار ہو، ﴿۱۲﴾ اُسے جب ہماری آیتیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہوں تو وہ کہتا ہو کہ: ''یہ تو پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔'' ﴿۱۳﴾ ہرگز نہیں! بلکہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں، اُس نے اِن کے دِلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔ ﴿۱۴﴾ ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ ﴿۱۵﴾ پھر ان کو دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا۔ ﴿۱۶﴾ پھر کہا جائے گا کہ: ''یہ ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے!'' ﴿۱۷﴾ خبردار! نیک لوگوں کا اعمال نامہ علّیّین میں ہے۔[۳] ﴿۱۸﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ علّیّین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ ﴿۱۹﴾ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ﴿۲۰﴾ جسے مقرّب فرشتے دیکھتے ہیں[۴] ﴿۲۱﴾

(۳) علّیّین کے لفظی معنی بالاخانوں کے ہیں۔ یہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں مؤمنوں کی رُوحیں مرنے کے بعد بھیجی جاتی ہیں، اور وہیں پر اُن کا اعمال نامہ بھی رہتا ہے۔

(۴) مؤمنوں کا اعمال نامہ چونکہ نیکیوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لئے مقرّب فرشتے اُس کے اِعزاز و اِکرام کے طور پر اُسے دیکھتے ہیں، اور دیکھنے کا مطلب اُس کی نگرانی بھی ہوسکتا ہے۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَی الۡاَرَآئِکِ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ﴿۲۴﴾ یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَ مِزَاجُہٗ مِنۡ تَسۡنِیۡمٍ ﴿۲۷﴾ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا کَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِہِمۡ یَتَغَامَزُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰۤی اَہۡلِہِمُ انۡقَلَبُوۡا فَکِہِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوۡہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَیۡہِمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿۳۳﴾

یقین جانو کہ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ ﴿۲۲﴾ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کررہے ہوں گے۔ ﴿۲۳﴾ اُن کے چہروں پر نعمتوں میں رہنے سے جو رونق آئے گی، تم اُسے صاف پہچان لوگے۔ ﴿۲۴﴾ اُنہیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی، ﴿۲۵﴾ اُس کی مہر بھی مشک ہی مشک ہوگی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر للچانے والوں کو بڑھ چڑھ کر للچانا چاہئے۔ ﴿۲۶﴾ اور اُس شراب میں تسنیم کا پانی ملا ہوا ہوگا،(۵) ﴿۲۷﴾ جو ایک ایسا چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے مقرّب بندے پانی پئیں گے۔ ﴿۲۸﴾ جو لوگ مجرم تھے، وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے۔ ﴿۲۹﴾ اور جب اُن کے پاس سے گذرتے تھے تو ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اِشارے کرتے تھے۔ ﴿۳۰﴾ اور جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تھے، تو دِل لگی کرتے ہوئے جاتے تھے۔ ﴿۳۱﴾ اور جب ان (مؤمنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں، ﴿۳۲﴾ حالانکہ ان کو ان مسلمانوں پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ ﴿۳۳﴾

---

(۵) جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، تسنیم جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اُس کا پانی جب اُس شراب میں ملے گا تو اُس کے ذائقے اور لطف میں بہت اضافہ کردے گا۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

آخر ہوگا یہ کہ آج ایمان لانے والے کافروں پر ہنس رہے ہوں گے، ﴿۳۴﴾ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے ﴿۳۵﴾ کہ کافر لوگوں کو واقعی اُن کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۶﴾

الحمدللہ! سورۂ تطفیف کا کام ۲۳/شعبان ۱۴۲۹ھ ۲۶/اگست ۲۰۰۸ء کو برمنگھم سے دُبئی جاتے ہوئے جہاز میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کو بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الانشقاق

آیاتہا ۲۵ ۸۴ سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ ۸۳ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ؕ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۚ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچّیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب آسمان پھٹ پڑے گا،[1] ﴿۱﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گا، اور اُس پر لازم ہے کہ یہی کرے، ﴿۲﴾ اور جب زمین کو کھینچ دیا جائے گا،[2] ﴿۳﴾ اور اُس کے اندر جو کچھ ہے، وہ اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہوجائے گی،[3] ﴿۴﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی، اور اُس پر لازم ہے کہ یہی کرے، (اُس وقت انسان کو اپنا انجام معلوم ہوجائے گا) ﴿۵﴾ اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ اُس سے جا ملے گا۔[4] ﴿۶﴾

---

(۱) پچھلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ عربی میں پھٹ پڑنے کو "اِنشقاق" کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام انشقاق ہے۔

(۲) روایات سے اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ قیامت میں زمین کو ربر کی طرح کھینچ کر موجودہ سائز سے بڑا کردیا جائے گا، تاکہ اُس میں تمام اگلے پچھلے لوگ سما سکیں۔

(۳) اس سے مراد وہ مُردے ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں کہ ان کو قبروں سے باہر نکال دیا جائے گا۔ البتہ آیت کے الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ زمین کے اندر جو اور چیزیں مثلاً معدنیات وغیرہ ہیں، اُنہیں بھی باہر نکال دیا جائے گا۔

(۴) انسان کی پوری زندگی کسی نہ کسی کوشش میں خرچ ہوتی ہے۔ جو نیک لوگ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی تعمیل

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰٓ
أَهْلِهِۦ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ وَرَآءَ ظَهْرِهِۦ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوا۟ ثُبُورًا ﴿١١﴾
وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُۥ كَانَ فِىٓ أَهْلِهِۦ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُۥ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾
بَلَىٰٓ إِنَّ رَبَّهُۥ كَانَ بِهِۦ بَصِيرًا ﴿١٥﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِٱلشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَٱلَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾

معانقة ۱۷

پھر جس شخص کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ﴿۷﴾ اُس سے تو آسان حساب لیا جائے گا، ﴿۸﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا، ﴿۹﴾ لیکن وہ شخص جس کو اُس کا اعمال نامہ اُس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا،(۵) ﴿۱۰﴾ وہ موت کو پکارے گا، ﴿۱۱﴾ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۱۲﴾ پہلے وہ اپنے گھر والوں کے درمیان بہت خوش رہتا تھا، ﴿۱۳﴾ اُس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر (اللہ کے سامنے) نہیں جائے گا۔ ﴿۱۴﴾ بھلا کیوں نہیں؟ اُس کا پروردگار اُسے یقینی طور پر دیکھ رہا تھا۔ ﴿۱۵﴾ اب میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، ﴿۱۶﴾ اور رات کی اور اُن تمام چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لے،(۶) ﴿۱۷﴾

میں محنت کرتے ہیں، اور جو دُنیا پرست ہیں، وہ صرف دُنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ہر انسان کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ محنت کرتا کرتا اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

(۵) سورۃ الحاقہ (۶۹: ۲۵) میں فرمایا گیا ہے کہ بُرے لوگوں کو ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں بھی پیچھے کی طرف سے دیا جائے گا۔

(۶) یعنی جن چیزوں کو رات اپنے اندھیرے میں چھپا لے۔ یہاں شفق، رات اور چاند کی قسم کھائی گئی ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، ان کی قسم کھا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ انسان بھی ایک منزل سے دوسری منزل تک سفر کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے گا۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

السجدۃ ۱۴ — ع ۱ ۲۵ ۹

اور چاند کی جب وہ بھر کر پورا ہو جائے، ﴿۱۸﴾ کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔[۷] ﴿۱۹﴾ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟ ﴿۲۰﴾ اور جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟[۸] ﴿۲۱﴾ بلکہ یہ کافر لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں، ﴿۲۲﴾ اور جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں، اللہ کو خوب معلوم ہے۔[۹] ﴿۲۳﴾ اب تم انہیں ایک دردناک عذاب کی 'خوشخبری' سنادو۔ ﴿۲۴﴾ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو ایسا ثواب ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ﴿۲۵﴾

---

(۷) انسان اپنی زندگی میں مختلف مرحلوں سے گذرتا ہے۔ بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا۔ نیز اس کی سوچ میں بھی مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ سارے مراحل اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(۸) یہ سجدے کی آیت ہے، یعنی اس آیت کو جب عربی میں تلاوت کیا جائے تو پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

(۹) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جو ذخیرہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے دِلوں میں جو باتیں چھپا رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے خوب واقف ہے۔

الحمد للہ! سورۂ انشقاق کا کام ۲۴ رشعبان ۱۴۲۹ھ، ۲۷ راگست ۲۰۰۸ء کو دُبی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ البُرُوج

آیاتہا ۲۲ ۸۵ سُورَۃُ البُرُوجِ مَکِّیَّۃٌ ۲۷ رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ﴿۲﴾ وَشَاہِدٍ وَّمَشۡہُوۡدٍ ؕ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ﴿۵﴾ اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ ؕ﴿۷﴾

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں بائیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی، ﴿۱﴾ اور اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے،[1] ﴿۲﴾ اور حاضر ہونے والے کی اور اُس کی جس کے پاس لوگ حاضر ہوں،[2] ﴿۳﴾ کہ خدا کی مار ہے اُن خندق (کھودنے) والوں پر[3] ﴿۴﴾ اُس آگ والوں پر جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی، ﴿۵﴾ جب وہ اُس کے پاس بیٹھے تھے، ﴿۶﴾ اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے، اُس کا نظارہ کرتے جاتے تھے۔ ﴿۷﴾

---

(۱) یعنی قیامت کا دِن۔

(۲) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ''شاہد'' اور ''مشہود'' ہیں۔ شاہد کا ترجمہ ''حاضر ہونے والے'' سے، اور مشہود کا ''جس کے پاس لوگ حاضر ہوں'' سے کیا گیا ہے۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دِن ہے، اور مشہود سے مراد عرفہ کا دِن ہے۔ اس کی تائید ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذیؒ نے ضعیف کہا ہے، اور طبرانی میں حضرت ابو مالک اشعریؓ کی ایک حدیث سے بھی جسے علامہ ہیثمیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ اس کی ایک دوسری تفسیر یہ ہے کہ شاہد سے مراد اِنسان ہے، اور مشہود سے مراد قیامت کا دِن ہے، کیونکہ ہر اِنسان اُس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوجائے گا۔ حافظ ابنِ جریرؒ نے یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ اور حضرت ضحاکؒ وغیرہ سے نقل کی ہے۔ ''شاہد'' کا ایک ترجمہ گواہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور ''مشہود'' کا وہ جس کے

بارے میں گواہی دی جائے۔ قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ ایمان کے ایمان کی گواہی دیں گے، اس لئے اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ حافظ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ سب تفسیریں نقل کرکے فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں ان سب کی گنجائش موجود ہے۔

(۳) مشہور تفسیر کے مطابق ان آیتوں میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں منقول ہے۔ اور وہ یہ کہ پچھلی کسی اُمت میں ایک بادشاہ تھا جو ایک جادوگر سے کام لیا کرتا تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دیا کرو جسے میں جادو سکھاؤں، تاکہ میرے بعد وہ تمہارے کام آسکے۔ بادشاہ نے ایک لڑکے کو جادوگر کے پاس بھیجنا شروع کردیا۔ یہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو راستے میں ایک عبادت گذار شخص کے پاس سے گذرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین پر تھا (ایسے شخص کو راہب کہتے تھے) اور توحید کا قائل تھا۔ یہ لڑکا اُس کے پاس بیٹھ جاتا اور اُس کی باتیں سنتا تھا جو اُسے اچھی لگتی تھیں۔ ایک دن وہ جارہا تھا تو راستے میں ایک بڑا جانور نظر آیا جس نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا، (بعض روایتوں میں ہے کہ وہ جانور شیر تھا، اور لوگ اُس سے ڈر رہے تھے) لڑکے نے ایک پتھر اُٹھایا، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ یا اللہ! اگر راہب کی باتیں آپ کو جادوگر کی باتوں سے زیادہ پسند ہیں تو اس پتھر سے اس جانور کو مروا دیجئے۔ اب جو اُس نے پتھر اُس جانور کی طرف پھینکا تو جانور مرگیا، اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ اس کے بعد لوگوں کو اندازہ ہوا کہ اس لڑکے کے پاس کوئی خاص علم ہے۔ چنانچہ ایک اندھے شخص نے اُس سے درخواست کی کہ اُس کی بینائی واپس آجائے۔ لڑکے نے اُس سے کہا کہ شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اگر تم یہ وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آؤگے تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں گا۔ اُس نے یہ شرط مان لی۔ لڑکے نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو بینائی عطا فرمادی، اور وہ توحید پر ایمان لے آیا۔ ان واقعات کی خبر جب بادشاہ کو ہوئی تو اُس نے اُس نابینا کو بھی گرفتار کرلیا، اور لڑکے اور راہب کو بھی۔ اور ان سب کو توحید کے انکار پر مجبور کیا۔ جب وہ نہ مانے تو اُس نے اُس نابینا شخص اور راہب کو تو آری سے چِروا دیا، اور لڑکے کے بارے میں اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اُسے کسی اُونچے پہاڑ پر لے جاکر نیچے پھینک دیں۔ لیکن جب وہ لوگ لڑکے کو لے کر گئے تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، پہاڑ پر زلزلہ آیا جس سے وہ لوگ مرگئے، اور لڑکا زندہ رہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسے کشتی میں لے جاکر سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ لڑکے نے پھر دُعا کی، جس کے نتیجے میں کشتی اُلٹ گئی، وہ سب ڈوب گئے، اور لڑکا پھر سلامت رہا۔ بادشاہ جب عاجز آگیا تو لڑکے نے اُس سے کہا کہ اگر تم مجھے واقعی مارنا چاہتے ہو تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرکے مجھے سولی پر چڑھاؤ، اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں چڑھاؤ، اور یہ کہو کہ:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ؕ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ ﴿۱۱﴾

منزل ۷ — ۱۲

اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اُس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابلِ تعریف ہے، ﴿۸﴾ جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ﴿۹﴾ یقین رکھو کہ جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے، پھر توبہ نہیں کی ہے، اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور اُن کو آگ میں جلنے کی سزا دی جائے گی۔ ﴿۱۰﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے بیشک (جنت کے) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی! ﴿۱۱﴾

''اُس اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے'' پھر تیر سے میرا نشانہ لگاؤ۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، اور تیر اُس لڑکے کی کنپٹی پر جا کر لگا، اور اُس سے وہ شہید ہوگیا۔ لوگوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بہت سے ایمان لے آئے۔ اس موقع پر بادشاہ نے اُن کو سزا دینے کے لئے سڑکوں کے کناروں پر خندقیں کھدوا کر اُن میں آگ بھڑکائی، اور حکم دیا کہ جو کوئی دینِ حق کو نہ چھوڑے، اُسے ان خندقوں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس طرح ایمان والوں کی ایک بڑی تعداد کو زندہ جلا دیا گیا۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ سورۂ بروج میں خندق والوں کا جو ذِکر ہے، اُس سے یہی واقعہ مراد ہے۔ محمد بن اسحاقؒ نے اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے، اور اُس کو سورۂ بروج کی تفسیر قرار دیا ہے۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ نے ''قصص القرآن'' میں اس پر بہت مفصل بحث کی ہے۔ اہلِ علم اُس کی مراجعت فرمائیں۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ﴿۱۲﴾ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ ﴿۱۳﴾ اور وہ بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے، ﴿۱۴﴾ عرش کا مالک ہے، بزرگی والا ہے، ﴿۱۵﴾ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر گذرتا ہے۔ ﴿۱۶﴾ کیا تمہارے پاس اُن لشکروں کی خبر پہنچی ہے، ﴿۱۷﴾ فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی؟ ﴿۱۸﴾ اس کے باوجود کافر لوگ حق کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں،(۴) ﴿۱۹﴾ جبکہ اللہ نے اُن کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ ﴿۲۰﴾ (ان کے جھٹلانے سے قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا) بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، ﴿۲۱﴾ جو لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ ﴿۲۲﴾

(۴) یعنی کفر کا بُرا انجام معلوم ہو جانے کے باوجود وہ اپنے کفر سے باز نہیں آرہے ہیں۔

الحمد للہ! سورۂ بروج کا کام کراچی میں ۲۸ رشعبان ۱۴۲۹ھ، ۳۱ راگست ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

آیاتها ۱۷ ۸۶ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَکِّیَّةٌ ۳۶ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں سترہ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے آسمان کی، اور رات کو آنے والے کی[1] ﴿۱﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ﴿۲﴾ چمکتا ہوا ستارا! ﴿۳﴾ کہ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو۔ ﴿۴﴾ اب انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ﴿۵﴾ اُسے ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ﴿۶﴾ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔[2] ﴿۷﴾ بیشک وہ اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۸﴾

---

(۱) یہ ''طارق'' کا ترجمہ ہے، اور اسی کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اور اگلی دو آیتوں میں اس کا مطلب خود بتا دیا گیا ہے کہ اس سے مراد چمکتا ہوا ستارا ہے، کیونکہ وہ رات ہی کے وقت نظر آتا ہے۔ اُس کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس پر کوئی نگراں مقرّر نہ ہو۔ ستارے کی قسم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ جس طرح ستارے آسمان پر دُنیا کی ہر جگہ نظر آتے ہیں، اور دُنیا کی ہر چیز اُن کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی ہر انسان کے ہر قول و فعل کی نگرانی فرماتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی اس کام پر مقرّر ہیں۔

(۲) اس سے مراد وہ مادّۂ منویہ ہے جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے، اور اُس کے پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دھڑ کا یہ درمیانی حصہ ہی اس مادّے کا اصل مرکز ہے۔

يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ۚۖ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾

جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ ہوگی، ﴿۹﴾ تو انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۱۰﴾ قسم ہے بارش بھرے آسمان کی، ﴿۱۱﴾ اور پھوٹ پڑنے والی زمین کی[۳] ﴿۱۲﴾ کہ یہ (قرآن) ایک فیصلہ کن بات ہے، ﴿۱۳﴾ اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ ﴿۱۴﴾ بیشک یہ (کافر لوگ) چالیں چل رہے ہیں، ﴿۱۵﴾ اور میں بھی اپنی چال چل رہا ہوں۔ ﴿۱۶﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ان کافروں کو ڈھیل دو، انہیں تھوڑے دنوں اپنے حال پر چھوڑ دو۔[۴] ﴿۱۷﴾

(۳) یعنی اُس زمین کی جو پانی برسنے کے بعد کونپل کو باہر نکالنے کے لئے پھٹ پڑتی ہے۔ یہاں بارش اور زمین کے پھٹ پڑنے کی قسم کھانے سے بظاہر یہ اشارہ مقصود ہے کہ بارش کے پانی سے وہی زمین فائدہ اُٹھاتی ہے جس میں اُگنے کی صلاحیت ہو، اسی طرح قرآنِ کریم سے وہی شخص فائدہ اُٹھاتا ہے جس کے دِل میں حق کو قبول کرنے کی گنجائش ہو۔

(۴) یعنی ابھی ان کافروں کو سزا دینے کا وقت نہیں آیا۔ اس لئے ان کو فی الحال اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو خود اپنی پکڑ میں لے لے گا۔

کراچی ۲۹ رشعبان ۱۴۲۹ھ یکم ستمبر ۲۰۰۸ء

آیاتها ۱۹ ۸۷ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ ۸ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ؕ﴿۷﴾

یہ مکی سورت اُنیس آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جس کی شان سب سے اُونچی ہے، ﴿۱﴾ جس نے سب کچھ پیدا کیا، اور ٹھیک ٹھیک بنایا، ﴿۲﴾ اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا، پھر راستہ بتایا،[۱] ﴿۳﴾ اور جس نے سبز چارہ (زمین سے) نکالا، ﴿۴﴾ پھر اُسے کالے رنگ کا کوڑا بنادیا۔[۲] ﴿۵﴾ (اے پیغمبر!) ہم تمہیں پڑھائیں گے، پھر تم بھولو گے نہیں، ﴿۶﴾ سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔[۳] یقین رکھو وہ کھلی ہوئی چیزوں کو بھی جانتا ہے، اور اُن چیزوں کو بھی جو چھپی ہوئی ہیں۔ ﴿۷﴾

---

(۱) اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص انداز سے بنائی ہے، پھر ہر ایک کو اُس کے مناسب دُنیا میں رہنے کا طریقہ بھی بتادیا ہے۔

(۲) اشارہ اس طرف ہے کہ اس دُنیا میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ کچھ عرصے اپنی بہار دِکھانے کے بعد وہ بدشکل اور پھر فنا ہوجاتی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر رہتی تھی کہ کہیں آپ قرآنِ کریم کا کچھ حصہ بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اطمینان کرادیا کہ ہم آپ کو بھولنے نہیں دیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جن احکام کو منسوخ کرنا ہی چاہے گا، اُنہیں آپ بھول سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ (۱۰۶:۲) میں گذرا ہے۔

وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝٨ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝١٧ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝١٨ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝١٩

اور ہم تمہیں آسان شریعت (پر چلنے کے لئے) سہولت دیں گے۔[۴] ﴿۸﴾ لٰہذا تم نصیحت کئے جاؤ، اگر نصیحت کا فائدہ ہو۔ ﴿۹﴾ جس کے دِل میں اللہ کا خوف ہوگا، وہ نصیحت مانے گا، ﴿۱۰﴾ اور اُس سے دُور وہ رہے گا جو بڑا بد بخت ہوگا، ﴿۱۱﴾ جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۱۲﴾ پھر اُس آگ میں نہ مرے گا، اور نہ جئے گا۔[۵] ﴿۱۳﴾

فلاح اُس نے پائی ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی، ﴿۱۴﴾ اور اپنے پروردگار کا نام لیا، اور نماز پڑھی۔ ﴿۱۵﴾ لیکن تم لوگ دُنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، ﴿۱۶﴾ حالانکہ آخرت کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ ﴿۱۷﴾ یہ بات یقیناً پچھلے (آسمانی) صحیفوں میں بھی درج ہے، ﴿۱۸﴾ اِبراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ ﴿۱۹﴾

(۴) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت عطا فرمائی ہے، وہ بذاتِ خود آسان ہے، پھر مزید تسلی دی گئی ہے کہ ہم اُس پر چلنے کو بھی آپ کے لئے آسان کردیں گے۔

(۵) یعنی زندہ رہنے کا کوئی آرام اُسے حاصل نہیں ہوگا۔

سورۂ اعلیٰ کا ترجمہ اور اُس کے حواشی یکم رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ۲ر ستمبر ۲۰۰۸ء کو دمام اور مدینہ منوّرہ کے درمیان لکھے گئے۔

آیاتها ۲٦ ۸۸ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ٦٨ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝۱۲

وقف لازم

اس مکی سورت میں چھبیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تمہیں اُس واقعے (یعنی قیامت) کی خبر پہنچی ہے جو سب پر چھا جائے گا؟[1] ﴿۱﴾ بہت سے چہرے اُس دن اُترے ہوئے ہوں گے، ﴿۲﴾ مصیبت جھیلتے ہوئے، تھکن سے چور! ﴿۳﴾ وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ﴿۴﴾ اُنہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا، ﴿۵﴾ اُن کے لئے ایک کانٹے دار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا، ﴿٦﴾ جو نہ جسم کا وزن بڑھائے گا، اور نہ بھوک مٹائے گا۔ ﴿۷﴾ بہت سے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، ﴿۸﴾ (دُنیا میں) اپنی کی ہوئی محنت کی وجہ سے پوری طرح مطمئن ﴿۹﴾ عالیشان جنت میں ہوں گے، ﴿۱۰﴾ جس میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ ﴿۱۱﴾ اُس جنت میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے، ﴿۱۲﴾

(۱) یہ "غاشیہ" کا ترجمہ ہے، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام غاشیہ ہے۔

فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾ أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿۲۶﴾

اُس میں اُونچی اُونچی نشستیں ہوں گی ﴿۱۳﴾ اور سامنے رکھے ہوئے پیالے، ﴿۱۴﴾ اور قطار میں لگائے ہوئے گداز تکیے، ﴿۱۵﴾ اور بچھے ہوئے قالین! ﴿۱۶﴾

تو کیا یہ لوگ اُونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ اُنہیں کیسے پیدا کیا گیا؟[۲] ﴿۱۷﴾ اور آسمان کو کہ اُسے کس طرح بلند کیا گیا؟ ﴿۱۸﴾ اور پہاڑوں کو کہ اُنہیں کس طرح گاڑا گیا؟ ﴿۱۹﴾ اور زمین کو کہ اُسے کیسے بچھایا گیا؟ ﴿۲۰﴾ اب (اے پیغمبر!) تم نصیحت کئے جاؤ۔ تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو۔ ﴿۲۱﴾ آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا۔[۳] ﴿۲۲﴾ ہاں مگر جو کوئی منہ موڑے گا، اور کفر اِختیار کرے گا، ﴿۲۳﴾ تو اللہ اُس کو بڑا زبردست عذاب دے گا۔ ﴿۲۴﴾ یقین جانو ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، ﴿۲۵﴾ پھر یقیناً ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۲) عرب کے لوگ عام طور سے صحراؤں میں اُونٹوں پر سفر کرتے تھے، اور اُونٹ کی تخلیق میں جو عجیب خصوصیات ہیں، اُن سے واقف تھے، نیز اُونٹوں پر سفر کرتے وقت اُنہیں آسمان، زمین اور پہاڑ نظر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ اگر اپنے آس پاس کی چیزوں پر ہی غور کرلیں تو انہیں پتہ چل جائے کہ جس ذات نے کائنات کی یہ حیرت انگیز چیزیں پیدا فرمائی ہیں، اُسے اپنی خدائی میں کسی شریک کی ضرورت نہیں ہوسکتی، نیز یہ کہ جو اللہ تعالیٰ کائنات کی ان چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ

انسانوں کو مرنے کے بعد دُوسری زندگی عطا کردے، اور اُن سے اُن کے اعمال کا حساب لے۔ کائنات کا یہ عظیم کارخانہ اللہ تعالیٰ نے یونہی بے مقصد پیدا نہیں فرمایا ہے، بلکہ اس کا مقصد یہی ہے کہ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا اِنعام دیا جائے، اور بدکاروں کو اُن کی بدکاری کی سزا دی جائے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی ہٹ دھرمی سے جو تکلیف ہوتی تھی، اُس پر آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ کر کے پورا ہوجاتا ہے، آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنائیں۔ اس میں ہر مبلغ اور حق کے داعی کے لئے بھی یہ اُصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اُسے اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے، اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ان سے زبردستی اپنی بات منوانے کا ذمہ دار ہے۔

مدینہ منوّرہ، شب ۲/رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۳/ستمبر ۲۰۰۸ء

آیاتہا ۳۰ ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ﴿۴﴾ هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ؕ﴿۵﴾

تیس آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے فجر کے وقت کی، ﴿۱﴾ اور دس راتوں کی،[۱] ﴿۲﴾ اور جفت کی اور طاق کی،[۲] ﴿۳﴾ اور رات کی جب وہ چل کھڑی ہو[۳] (کہ آخرت میں جزا و سزا ضرور ہوگی) ﴿۴﴾ ایک عقل والے (کو یقین دلانے) کے لئے یہ قسمیں کافی ہیں کہ نہیں؟ ﴿۵﴾

(۱) فجر کا وقت دُنیا کی ہر چیز میں ایک نیا انقلاب لے کر نمودار ہوتا ہے، اس لئے اُس کی قسم کھائی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت میں خاص دس ذُوالحجہ کی صبح مراد لی ہے۔ اور دس راتوں سے مراد ذُوالحجہ کے مہینے کی پہلی دس راتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے، اور اس میں عبادت کا بہت ثواب ہے۔

(۲) جفت سے مراد ۱۰ ر ذُوالحجہ کا دِن اور طاق سے مراد عرفے کا دِن ہے جو ۹ ر ذُوالحجہ کو آتا ہے۔ ان ایام کی قسم کھانے سے ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جب رات رُخصت ہونے لگے۔ ان تمام دنوں اور راتوں کا حوالہ شاید اس لئے دیا گیا ہے کہ عرب کے کافر لوگ بھی ان کو مقدس سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ تقدس ان دِنوں اور راتوں میں خود سے نہیں آ گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے یہ سارے دن رات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دَلالت کرتے ہیں، اور اسی قدرت اور حکمت کا ایک مظاہرہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اور بد کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہ فرمائے، بلکہ نیک لوگوں کو اِنعام دے، اور بُرے لوگوں کو سزا۔ چنانچہ اس سورت میں انہی دونوں باتوں کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ﴿۶﴾ اُس اُونچے ستونوں والی قوم اِرم کے ساتھ[۴] ﴿۷﴾ جس کے برابر دُنیا کے ملکوں میں کوئی اور قوم پیدا نہیں کی گئی؟ ﴿۸﴾ اور ثمود کی اُس قوم کے ساتھ کیا کیا جس نے وادی میں پتھر کی چٹانوں کو تراش رکھا تھا؟[۵] ﴿۹﴾ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا کیا؟[۶] ﴿۱۰﴾ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دُنیا کے ملکوں میں سرکشی اِختیار کرلی تھی، ﴿۱۱﴾ اور ان میں بہت فساد مچایا تھا، ﴿۱۲﴾ چنانچہ تمہارے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ ﴿۱۳﴾ یقین رکھو تمہارا پروردگار سب کو نظر میں رکھے ہوئے ہے۔ ﴿۱۴﴾

---

(۴) ''اِرم'' قومِ عاد کے جدِاعلیٰ کا نام ہے، اس لئے قومِ عاد کی جس شاخ کا یہاں ذکر ہے، اُس کو عادِ اِرم کہا جاتا ہے۔ اور اُن کو ستونوں والا کہنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اُن کے قد وقامت اور ڈیل ڈول بہت زیادہ تھے اسی لئے آگے فرمایا گیا ہے کہ ان جیسے لوگ کہیں اور پیدا نہیں کئے گئے۔ اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انہوں نے اپنی تعمیرات میں بڑے بڑے ستون بنائے ہوئے تھے۔ ان کے پاس حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا جن کا مفصل واقعہ سورۂ اَعراف (۷:۶۵) اور سورۂ ہود (۱۱:۵۰) میں گذر چکا ہے۔

(۵) قومِ ثمود کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُن کے تعارف کے لئے دیکھئے سورۂ اَعراف (۷:۷۳)۔

(۶) فرعون کو میخوں والا اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو سزا دینے کے لئے اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیا کرتا تھا۔

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِاىْٓءَ يَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى ﴿۲۳﴾

لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اُس کا پروردگار اُسے آزماتا ہے، اور اِنعام واِکرام سے نوازتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ: ''میرے پروردگار نے میری عزت کی ہے۔'' ﴿۱۵﴾ اور دُوسری طرف جب اُسے آزماتا ہے، اور اُس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ: ''میرے پروردگار نے میری توہین کی ہے۔'' ﴿۱۶﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔[(۷)] صرف یہی نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، ﴿۱۷﴾ اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے، ﴿۱۸﴾ اور میراث کا مال سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو، ﴿۱۹﴾ اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو۔ ﴿۲۰﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ﴿۲۱﴾ اور تمہارا پروردگار اور قطاریں باندھے ہوئے فرشتے (میدانِ حشر میں) آئیں گے، ﴿۲۲﴾ اور اُس دن جہنم کو سامنے لایا جائے گا، تو اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی، اور اُس وقت سمجھ آنے کا موقع کہاں ہوگا؟[(۸)] ﴿۲۳﴾

(۷) اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق فرمائی ہے، لہٰذا رزق میں تنگی ہو تو اُسے اپنی توہین سمجھنا بھی غلط ہے، اور رزق میں زیادتی ہو تو اُسے لازماً اپنی عزت سے تعبیر کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کو مال و دولت سے نوازا ہے جو نیک نہیں ہیں۔

(۸) یعنی اُس وقت اگر کوئی شخص ایمان لانا بھی چاہے تو ایمان اُس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا۔ ایمان تو وہی معتبر ہے جو قیامت اور موت کے آنے سے پہلے پہلے ہو۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

ع ۱ / ۱۴

وہ کہے گا کہ: "کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیج دیا ہوتا!" ﴿۲۴﴾ پھر اُس دن اللہ کے برابر کوئی عذاب دینے والا نہیں ہوگا، ﴿۲۵﴾ اور نہ اُس کے جکڑنے کی طرح کوئی جکڑنے والا ہوگا۔ ﴿۲۶﴾ (البتہ نیک لوگوں سے کہا جائے گا کہ:) "اے وہ جان جو (اللہ کی اطاعت میں) چین پاچکی ہے![9] ﴿۲۷﴾ اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آجا کہ تو اُس سے راضی ہو، اور وہ تجھ سے راضی، ﴿۲۸﴾ اور شامل ہوجا میرے (نیک) بندوں میں، ﴿۲۹﴾ اور داخل ہوجا میری جنت میں۔" ﴿۳۰﴾

(۹) یہ قرآنِ کریم کے اصل لفظ "نفس مطمئنہ" کا ترجمہ ہے۔ اس سے مراد اِنسان کا وہ دِل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے کرتے بالکل سکون پاگیا ہو، اور نافرمانی سے محفوظ ہوگیا ہو۔

مکہ مکرمہ شب ۴ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۵ ستمبر ۲۰۰۸ء

آیاتها ۲۰ ۹۰ سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَأَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۴ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ أَحَدٌ ۝۷ أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰

اس مکی سورت میں بیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی ﴿۱﴾ جبکہ (اے پیغمبر!) تم اس شہر میں مقیم ہو،[(۱)] ﴿۲﴾ اور (قسم کھاتا ہوں) باپ کی اور اُس کی اولاد کی،[(۲)] ﴿۳﴾ کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔[(۳)] ﴿۴﴾ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس پر کسی کا بس نہیں چلے گا؟ ﴿۵﴾ کہتا ہے کہ: ''میں نے ڈھیروں مال اُڑا ڈالا ہے۔''[(۴)] ﴿۶﴾ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کو کسی نے دیکھا نہیں؟[(۵)] ﴿۷﴾ کیا ہم نے اُسے دو آنکھیں نہیں دیں؟ ﴿۸﴾ اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ ﴿۹﴾ اور ہم نے اُس کو دونوں راستے بتا دیئے ہیں۔[(۶)] ﴿۱۰﴾

---

(۱) اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے، اور اُس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقیم ہونے کی بنا پر اُس کے تقدس میں اور اضافہ ہوا ہے، کیونکہ آپ کی تشریف آوری کے لئے اس شہر کا انتخاب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اُس کی شان اور بڑھا دی ہے۔ اس جملے کی دو تفسیریں اور بھی ہیں جن کی تفصیل ''معارف القرآن'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) باپ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور چونکہ تمام انسان اُنہی کی اولاد ہیں، اس لئے اس آیت میں تمام نوعِ انسانی کی قسم کھائی گئی ہے۔

(۳) یہ ہے وہ بات جو قسم کھا کر فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی مشقت میں لگا رہتا ہے۔ چاہے کوئی کتنا بڑا حاکم ہو، یا دولت مند شخص ہو، اُسے زندہ رہنے کے لئے مشقت اُٹھانی ہی پڑتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اُسے دُنیا میں کبھی کوئی محنت کرنی نہ پڑے تو یہ اُس کی خام خیالی ہے۔ ایسا کبھی ممکن ہی نہیں ہے۔ ہاں مکمل راحت کی زندگی جنت کی زندگی ہے جو دُنیا میں کی ہوئی محنت کے نتیجے میں ملتی ہے۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ انسان کو دُنیا میں جب کسی مشقت کا سامنا ہو تو اُسے یہ حقیقت یاد کرنی چاہئے۔ خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو مکہ مکرمہ میں جو تکلیفیں پیش آرہی تھیں، اس آیت نے اُن کو بھی تسلی دی ہے۔ اور یہ بات کہنے کے لئے اوّل تو شہرِ مکہ کی قسم کھائی ہے، شاید اس لئے کہ مکہ مکرمہ کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا سب سے مقدس شہر بنایا ہے، لیکن وہ شہر بذاتِ خود مشقتوں سے بنا، اور اُس کے تقدس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے آج بھی مشقت کرنی پڑتی ہے، پھر خاص طور پر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقیم ہونے کا حوالہ دینے میں شاید یہ اشارہ ہے کہ افضل ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین شہر میں مقیم ہیں، لیکن مشقتیں اُن کو بھی اُٹھانی پڑ رہی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ساری اولاد کی قسم کھانے سے اشارہ ہے کہ انسان کی پوری تاریخ پر غور کر جاؤ، یہ حقیقت ہر جگہ نظر آئے گی کہ انسان کی زندگی مشقتوں سے پُر رہی ہے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں کئی کافر ایسے تھے جنہیں اپنی جسمانی طاقت پر ناز تھا۔ جب اُنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ کہتے کہ ہمیں کوئی قابو نہیں کرسکتا۔ نیز وہ آپس میں دِکھاوے کے طور پر کہتے تھے کہ ہم نے ڈھیر ساری دولت خرچ کی ہے۔ اور خرچ کرنے کو اُڑا ڈالنے سے تعبیر اس لئے کرتے کہ گویا ہمیں اس خرچ کی بالکل پروا بھی نہیں ہوئی۔ خاص طور پر یہ بات وہ اُس دولت کے بارے میں کہتے تھے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دُشمنی میں خرچ کی۔

(۵) یعنی جو کچھ خرچ کیا، دِکھاوے کے لئے کیا، پھر اُس پر ناز کرنا کیسا؟ کیا اللہ تعالیٰ دیکھ نہیں رہے تھے کہ وہ کس کام میں اور کس مقصد سے خرچ کر رہا ہے۔

(۶) انسان کو اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی دونوں کے راستے دِکھا دیئے ہیں، اور اِختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہو اِختیار کر سکتے ہو، لیکن بدی کا راستہ اختیار کرو گے تو سزا ہوگی۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

پھر بھی وہ اُس گھاٹی میں داخل نہیں ہوسکا،(۷) ﴿۱۱﴾ ـــ اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ ﴿۱۲﴾ کسی کی گردن (غلامی سے) چھڑا دینا، ﴿۱۳﴾ یا پھر کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلا دینا ﴿۱۴﴾ کسی رشتہ دار یتیم کو، ﴿۱۵﴾ یا کسی مسکین کو جو مٹی میں رُل رہا ہو، ـــ ﴿۱۶﴾ پھر وہ اُن لوگوں میں بھی شامل نہ ہوا جو اِیمان لائے ہیں، اور جنہوں نے ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تاکید کی ہے، اور ایک دوسرے کو رحم کھانے کی تاکید کی ہے۔ ﴿۱۷﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے نصیب والے ہیں،(۸) ﴿۱۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے، وہ نحوست والے لوگ ہیں۔(۹) ﴿۱۹﴾ اُن پر ایسی آگ مسلط ہوگی جو اُن پر بند کردی جائے گی۔(۱۰) ﴿۲۰﴾

---

(۷) گھاٹی دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے جنگ کے دوران ایسے راستے کو دُشمن سے بچنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، اور یہاں گھاٹی میں داخل ہونے سے مراد ثواب کے کام کرنا ہے، جیسے کہ اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خود تشریح فرمادی ہے۔ ان کو گھاٹی میں داخل ہونا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں مدد دیتے ہیں۔

(۸) یہ "اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ" کا ترجمہ ہے، اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: "وہ دائیں ہاتھ والے ہیں" اور ان سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۹) یہ "اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ" کا ترجمہ ہے، اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: "وہ بائیں ہاتھ والے ہیں" اور ان سے مراد وہ بدکار ہیں جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۱۰) یعنی اُس کے دروازے بند کردیئے جائیں گے، تاکہ دوزخیوں کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

سورۂ بلد کا ترجمہ اور حواشی ۵؍رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو بفضلہ تعالیٰ مکہ مکرمہ ہی میں تکمیل کو پہنچے جہاں کی اس سورت میں قسم کھائی گئی ہے۔

تَقَبَّلَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَاَکْرَمَنِیْ بِتَوْفِیْقِہٖ

اٰیاتھا ۱۵ ۹۱ سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ ۲۶ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰىہَا ۪ۙ﴿۱﴾ وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪ۙ﴿۲﴾ وَ النَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ﴿۳﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا ۪ۙ﴿۴﴾ وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىہَا ۪ۙ﴿۵﴾ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰىہَا ۪ۙ﴿۶﴾ وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا ۪ۙ﴿۷﴾ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا ۪ۙ﴿۸﴾

پندرہ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے سورج کی اور اُس کی پھیلی ہوئی دُھوپ کی،[1] ﴿۱﴾ اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے آئے، ﴿۲﴾ اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دِکھادے، ﴿۳﴾ اور رات کی جب وہ اُس پر چھا کر اُسے چھپالے، ﴿۴﴾ اور قسم ہے آسمان کی، اور اُس کی جس نے اُسے بنایا، ﴿۵﴾ اور زمین کی، اور اُس کی جس نے اُسے بچھایا، ﴿۶﴾ اور اِنسانی جان کی، اور اُس کی جس نے اُسے سنوارا، ﴿۷﴾ پھر اُس کے دِل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اُس کے لئے بدکاری کی ہے، اور وہ بھی جو اُس کے لئے پرہیزگاری کی ہے، ﴿۸﴾

---

(۱) سورج کو عربی میں ''شمس'' کہتے ہیں، اور اسی کے نام پر اس سورت کا نام سورۃ الشّمس ہے۔ سورت میں اصل مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اِنسان کے دِل میں نیکی اور بدی دونوں قسم کے تقاضے پیدا فرمائے ہیں، اب انسان کا کام یہ ہے کہ وہ نیکی کے تقاضوں پر عمل کرے، اور بُرائی سے اپنے آپ کو روکے۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور دن اور رات کی قسمیں کھائی ہیں۔ اس میں شاید اِشارہ یہ ہے کہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵

فلاح اُسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے،[۲] ﴿۹﴾ اور نامراد وہ ہوگا جو اُس کو (گناہ میں) دھنسا دے۔ ﴿۱۰﴾ قومِ ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر کو) جھٹلایا، ﴿۱۱﴾ جب ان کا سب سے سنگدل شخص اُٹھ کھڑا ہوا، ﴿۱۲﴾ تو اللہ کے پیغمبر نے اُن سے کہا کہ: ''خبردار! اللہ کی اُونٹنی کا اور اُس کے پانی پینے کا پورا خیال رکھنا''۔ ﴿۱۳﴾ پھر بھی اُنہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، اور اُس اُونٹنی کو مار ڈالا۔[۳] نتیجہ یہ کہ اُن کے پروردگار نے اُن کے گناہ کی وجہ سے اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا کر سب کو برابر کردیا۔[۴] ﴿۱۴﴾ اور اللہ کو اس کے کسی بُرے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے۔[۵] ﴿۱۵﴾

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دِن کی روشنی بھی پیدا کی ہے، اور رات کا اندھیرا بھی، اسی طرح انسان کو نیکی کے کاموں کی بھی صلاحیت دی ہے، اور بدی کے کاموں کی بھی۔

(۲) نفس کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہی ہے کہ انسان کے دِل میں جو اچھی خواہشات اور اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اُنہیں اُبھار کر اُن پر عمل کرے، اور جو بُری خواہشات یا جذبات پیدا ہوتے ہیں، اُنہیں دبائے۔ اسی طرح مسلسل مشق کرتے رہنے سے نفس پاکیزہ ہوکر وہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے جس کا ذِکر سورۃ الفجر کی آخری آیتوں میں گذرا ہے۔

(۳) قومِ ثمود کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے یہ اُونٹنی پیدا فرمائی تھی، اور لوگوں سے کہا تھا کہ ایک دن کنویں سے یہ پانی پیئے گی، اور دُوسرے دن تم پانی بھرلیا کرنا۔ لیکن اس قوم کے ایک سنگدل شخص نے جس کا نام ''قدار'' بتایا جاتا

ہے، اُونٹنی کو قتل کر دیا، اُس کے بعد اس قوم پر عذاب آیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اَعراف (۷:۷۳) اور اُس کا حاشیہ۔

(۴) یعنی سب فنا ہو گئے، اور کوئی باقی نہیں بچا۔

(۵) جب انسانوں کا کوئی لشکر کسی بستی میں تباہی مچائے تو اُسے یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ کوئی اُس سے انتقام نہ لے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے تو اُسے کسی کے انتقام کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

کراچی، شب ۸/ رمضان ۱۴۲۹ھ ۹/ ستمبر ۲۰۰۸ء

آیاتہا ۲۱ ۹۲ سُوْرَةُ الَّیْلِ مَکِّیَّةٌ ۹ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓی ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰی ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ﴿۷﴾

اس مکی سورت میں اِکیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، ﴿۱﴾ اور دِن کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے، ﴿۲﴾ اور اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، ﴿۳﴾ کہ حقیقت میں تم لوگوں کی کوششیں الگ الگ قسم کی ہیں۔[۱] ﴿۴﴾ اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا، ﴿۵﴾ اور سب سے اچھی بات کو دِل سے مانا،[۲] ﴿۶﴾ تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔[۳] ﴿۷﴾

(۱) کوششوں سے مراد اعمال ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال مختلف قسم کے ہیں، اچھے بھی اور بُرے بھی، اور اُن اعمال کے نتائج بھی مختلف ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ یہ بات کہنے کے لئے رات اور دِن کی قسم کھانے کا شاید یہ مقصد ہے کہ جس طرح رات اور دن کے نتائج مختلف ہیں، اسی طرح نیکی اور بدی کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ کی خاصیتیں الگ الگ رکھی ہیں، اسی طرح اعمال کی خاصیتیں بھی جدا جدا ہیں۔

(۲) سب سے اچھی بات سے مراد دِینِ اسلام اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی جنت ہے۔

(۳) آرام کی منزل سے مراد جنت ہے، کیونکہ حقیقی آرام کی جگہ وہی ہے، دُنیا میں تو ہر آرام کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف لگی رہتی ہے۔ اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ اُن اعمال کی توفیق دیں گے جو جنت تک پہنچانے

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ وَ مَا يُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع ۲۱/۱۷

رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا، اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی، ﴿۸﴾ اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا، ﴿۹﴾ تو ہم اُس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔[۴] ﴿۱۰﴾ اور جب ایسا شخص تباہی کے گڑھے میں گرے گا تو اُس کا مال اُس کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ ﴿۱۱﴾ یہ سچ ہے کہ راستہ بتلا دینا ہمارے ذمے ہے، ﴿۱۲﴾ اور یہ بھی سچ ہے کہ آخرت اور دُنیا دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔[۵] ﴿۱۳﴾ لہٰذا میں نے تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کردیا ہے۔ ﴿۱۴﴾ اس آگ میں کوئی اور نہیں، وہی بدبخت داخل ہوگا ﴿۱۵﴾ جس نے حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑا، ﴿۱۶﴾ اور اُس سے ایسے پرہیزگار شخص کو دُور رکھا جائے گا ﴿۱۷﴾ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے،[۶] ﴿۱۸﴾ حالانکہ اُس پر کسی کا کوئی اِحسان نہیں تھا جس کا بدلہ دیا جاتا، ﴿۱۹﴾ البتہ وہ صرف اپنے اُس پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے جس کی شان سب سے اُونچی ہے۔ ﴿۲۰﴾ یقین رکھو ایسا شخص عنقریب خوش ہوجائے گا۔[۷] ﴿۲۱﴾

والے ہوں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں جو لفظ "نیسرہ" آیا ہے، اُس کا ترجمہ جو "تیاری کرادینے" سے کیا گیا ہے، وہ اس لفظ کی تشریح میں علامہ آلوسیؒ کی پیروی میں کیا گیا ہے (دیکھئے رُوح المعانی ۳۰:۵۱۲)۔

(۴) تکلیف کی منزل سے مراد دوزخ ہے، کیونکہ حقیقی تکلیف وہیں کی ہے۔ اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ وہ جس جس گناہ میں مبتلا ہونا چاہے گا، اُسے مبتلا ہونے دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی کی توفیق

نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ہولناک وعید سے محفوظ رکھیں۔ آمین

(۵) لہٰذا یہ حق ہم کو ہی حاصل ہے کہ دُنیا میں رہنے کے لئے انسان کو اَحکام اور ہدایات عطا فرمائیں، اور آخرت میں اُن اَحکام و ہدایات کی تعمیل یا خلاف ورزی پر ثواب اور عذاب کا فیصلہ کریں۔

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، اُس میں دِکھاوا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے انسان کو اَخلاقی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہت مال خرچ کرتے تھے۔ تاہم الفاظ عام ہیں، اور ہر اُس شخص کے لئے خوشخبری پر مشتمل ہیں جو ان صفات کا حامل ہو۔

(۷) اس مختصر جملے میں نعمتوں کی ایک کائنات پوشیدہ ہے۔ یعنی جنت میں اُس کو اپنے اعمال کا ایسا صلہ ملے گا کہ وہ صحیح معنیٰ میں خوش ہوجائے گا۔

کراچی، شب ۸ ررمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیاتھا ۱۱ ۹۳ سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ ۱۱ رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ۪﴿۷﴾ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡہَرۡ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡہَرۡ ؕ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ﴿ع۱۱﴾

ع ۱۱/۱۸

اس مکی سورت میں گیارہ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، ﴿۱﴾ اور رات کی جب اُس کا اندھیرا بیٹھ جائے، ﴿۲﴾ کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے،(۱) ﴿۳﴾ اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔(۲) ﴿۴﴾ اور یقین جانو کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ ﴿۵﴾ کیا اُس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا، پھر (تمہیں) ٹھکانا دیا؟(۳) ﴿۶﴾ اور تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دِکھایا،(۴) ﴿۷﴾ اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا۔(۵) ﴿۸﴾ اب جو یتیم ہے، تم اُس پر سختی مت کرنا، ﴿۹﴾ اور جو سوال کرنے والا ہو، اُسے جھڑکنا نہیں،(۶) ﴿۱۰﴾ اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے، اُس کا تذکرہ کرتے رہنا۔ ﴿۱۱﴾

---

(۱) نبوّت کے بعد شروع شروع میں کچھ دن ایسے گذرے، جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی نہیں آئی، اس پر ابولہب کی بیوی نے طعنہ دیا کہ تمہارے پروردگار نے ناراض ہو کر تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اُس پر یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ ''ضحیٰ'' عربی میں دن چڑھنے کے وقت جو روشنی ہوتی ہے، اُس کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ

نے پہلی آیت میں اُس کی قسم کھائی ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الضحیٰ ہے۔ اور چڑھتے دن اور اندھیری رات کی قسم کھانے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ رات کو جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب دن کی روشنی نہیں آئے گی، اسی طرح اگر کسی مصلحت کی وجہ سے وحی کچھ دن نہیں آئی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہو گیا ہے۔

(۲) آگے آنے والے حالات سے مراد آخرت کی نعمتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور پہلے حالات سے دُنیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہر آن آپ کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی، اور دُشمنوں کی طرف سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، آخر کار وہ دُور ہو کر آپ ہی کا بول بالا ہوگا۔

(۳) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے، اور والدہ کا بھی بہت کم عمری میں انتقال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا عبدالمطلب اور آپ کے چچا ابو طالب کے دِل میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ انہوں نے آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پالا تھا۔

(۴) یعنی آپ وحی نازل ہونے سے پہلے شریعت کے اَحکام سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو شریعت عطا فرمائی۔ نیز بعض روایتوں میں کچھ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں جن میں آپ کسی سفر کے دوران راستہ بھول گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طریقے پر آپ کو راستے پر لگا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اس قسم کے کسی واقعے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

(۵) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ نے تجارت میں جو شرکت فرمائی، اُس سے آپ کو اچھا خاصا نفع حاصل ہوا تھا۔

(۶) سوال کرنے والے سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جو مالی مدد چاہتا ہو، اور وہ بھی جو حق طلبی کے ساتھ دِین کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہتا ہو۔ دونوں کو جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو نرمی سے معذرت کر لینی چاہئے۔

ایاتہا ۸ ۹۴ سُورَۃُ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ مَکِّیَّۃٌ ۱۲ رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۸﴾

یہ مکی سورت آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ ﴿۱﴾ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اُتار دیا ہے ﴿۲﴾ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی، (۱) ﴿۳﴾ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اُونچا مقام عطا کردیا ہے۔ (۲) ﴿۴﴾ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، ﴿۵﴾ یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ (۳) ﴿۶﴾ لہٰذا جب تم فارغ ہوجاؤ تو (عبادت میں) اپنے آپ کو تھکاؤ، (۴) ﴿۷﴾ اور اپنے پروردگار ہی سے دِل لگاؤ۔ ﴿۸﴾

(۱) جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت کی عظیم ذمہ داریاں سونپی گئیں تو شروع میں آپ نے اُن کا زبردست بوجھ محسوس فرمایا۔ اس بوجھ کی وجہ سے شروع میں آپ بے چین رہتے تھے۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ حوصلہ عطا فرمایا جس کے نتیجے میں آپ نے مشکل سے مشکل کام انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ انجام دیئے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے اسی اِنعام کا تذکرہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ دُنیا کے ہر خطے میں پانچ وقت آپ کا مبارک نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسجدوں سے بلند ہوتا ہے۔ نیز آپ کے مبارک تذکرے دُنیا بھر میں انتہائی عقیدت کے ساتھ ہوتے ہیں، اور انہیں ایک عظیم عبادت قرار دیا جاتا ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ شروع میں آپ کو فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں، وہ عنقریب آسانی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اُس کے ساتھ ایک عام قاعدے کے طور پر یہ حقیقت بتلا کر عام انسانوں کو بھی یہ سبق دیا گیا ہے کہ دُنیا میں مشکلات پیش آئیں تو یہ سمجھ لیں کہ ان کے بعد آسانی کا وقت بھی آئے گا۔

(۴) ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیت تمام تر دِین ہی کے لئے تھی، تبلیغ ہو یا تعلیم، جہاد ہو یا حکمرانی، سارے کام ہی دِین کے لئے ہونے کی وجہ سے بذاتِ خود عبادت کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن فرمایا جارہا ہے کہ جب ان کاموں سے فراغت ہو تو خالص عبادت، مثلاً نفلی نمازوں، اور زبانی ذِکر وغیرہ میں اتنے لگئے کہ جسم تھکنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دِین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں، اُن کو بھی کچھ وقت خالص نفلی عبادتوں کے لئے مخصوص کرنا چاہئے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، اور اسی سے دوسرے دِینی کاموں میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

آیاتھا ۸ ۹۵ سُوْرَةُ التِّیْنِ مَكِّیَّةٌ ۲۸ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ﴿۷﴾ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸﴾

آٹھ آیتوں پر مشتمل یہ سورت بھی مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے انجیر اور زیتون کی، ﴿۱﴾ اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی، ﴿۲﴾ اور اس امن وامان والے شہر کی،[1] ﴿۳﴾ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے، ﴿۴﴾ پھر ہم اُسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کردیتے ہیں،[2] ﴿۵﴾ سوائے اُن کے جو ایمان لائے، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے، تو اُن کو ایسا اَجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ﴿۶﴾ پھر (اے انسان!) وہ کیا چیز ہے جو تجھے جزا وسزا کو جھٹلانے پر آمادہ کررہی ہے؟ ﴿۷﴾ کیا اللہ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران نہیں ہے؟[3] ﴿۸﴾

(۱) انجیر اور زیتون فلسطین اور شام میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان سے فلسطین کے علاقے کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور انہیں اِنجیل عطا فرمائی گئی تھی۔ اور صحرائے سینا کا پہاڑ طور وہ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی تھی، اور ’’اس امن وامان والے شہر‘‘ سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، اور آپ پر قرآنِ کریم نازل ہوا۔ ان تینوں کی قسم کھانے سے مقصود یہ ہے کہ جو بات آگے کہی جارہی ہے، وہ ان تینوں کتابوں میں درج ہے، اور تینوں

پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمتوں کو بتائی ہے۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ مؤمن نہ ہوں، وہ دُنیا میں چاہے کتنے خوبصورت رہے ہوں، آخرت میں وہ انتہائی نچلی حالت کو پہنچ جائیں گے، کیونکہ اُنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اسی لئے آگے اُن انسانوں کا اِستثنا کیا گیا ہے جو اِیمان لائیں، اور نیک عمل کریں۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر اِنسان بڑھاپے میں جا کر اِنتہائی خستہ حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ اُس کی خوبصورتی بھی جاتی رہتی ہے، اور طاقت بھی جواب دے جاتی ہے، اور آئندہ کسی اچھی حالت کے واپس آنے کی اُنہیں کوئی اُمید نہیں ہوتی، کیونکہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ البتہ نیک مسلمان چاہے اس بڑھاپے کی بُری حالت کو پہنچ جائیں، لیکن اُن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ بُری حالت عارضی ہے، اور آگے دُوسری زندگی آنے والی ہے جس میں اِن شاء اللہ اُنہیں بہترین نعمتیں میسر آئیں گی، اور یہ عارضی تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔ اس احساس کی وجہ سے ان کی بڑھاپے کی تکلیفیں بھی ہلکی ہو جاتی ہیں۔

(۳) ابوداود اور ترمذی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو پڑھنے کے وقت یہ کہنا مستحب ہے کہ: "بَلٰی، وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ" (کیوں نہیں؟ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران ہے)۔

کراچی شب ۹ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیاتها ۱۹ ۹۶ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ③ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ ⑤

اُنیس آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا،[1] ﴿۱﴾ اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، ﴿۳﴾ جس نے قلم سے تعلیم دی، ﴿۴﴾ انسان کو اُس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔[2] ﴿۵﴾

---

(۱) اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حراء میں نازل ہوئی۔ آپ نبوّت سے پہلے کئی دن اس غار میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک روز اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، اور آپ کو دبایا، اور کہا کہ: ''پڑھو'' آپ نے فرمایا کہ: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' یہ مکالمہ تین مرتبہ ہوا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ پانچ آیتیں پڑھیں۔

(۲) اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ تعلیم دینے کا عام طریقہ یہی ہے کہ قلم سے لکھی ہوئی کوئی تحریر پڑھوائی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی کسی کو تعلیم دے سکتا ہے، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی ہونے کے باوجود وہ علوم عطا فرمائے گا جو کتاب سے پڑھنے والوں کے خیال میں بھی نہیں آئے۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ﴿٦﴾ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ ﴿٧﴾ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰٓ ﴿٨﴾ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ﴿١٠﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ﴿١٢﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ ﴿١٩﴾

السجدة ۱۲ ع ۱۹ / ۲۱

حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلی سرکشی کر رہا ہے[۳] ﴿۶﴾ کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے۔[۴] ﴿۷﴾ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے پروردگار ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ ﴿۸﴾ بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ ﴿۹-۱۰﴾ بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (نماز پڑھنے والا) ہدایت پر ہو، ﴿۱۱﴾ یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو، (تو کیا اُسے روکنا گمراہی نہیں؟) ﴿۱۲﴾ بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (روکنے والا) حق کو جھٹلاتا ہو، اور منہ موڑتا ہو، ﴿۱۳﴾ کیا اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ﴿۱۴﴾ خبردار! اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم (اُسے) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، ﴿۱۵﴾ اُس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے۔ ﴿۱۶﴾ اب وہ بُلا لے اپنی مجلس والوں کو! ﴿۱۷﴾ ہم دوزخ کے فرشتوں کو بُلا لیں گے۔[۵] ﴿۱۸﴾ ہرگز نہیں! اُس کی بات نہ مانو، اور سجدہ کرو، اور قریب آجاؤ۔[۶] ﴿۱۹﴾

---

(۳) یہاں سے سورت کے آخر تک جو آیتیں ہیں، وہ غارِ حراء کے مذکورہ بالا واقعے کے کافی بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور اُن کا واقعہ یہ ہے کہ ابوجہل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دُشمن تھا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے تو اُس نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا، اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ نے نماز پڑھی تو میں (معاذ اللہ) آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دُوں گا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

(۴) یعنی اپنے مال و دولت اور سرداری کی وجہ سے اپنے آپ کو بے نیاز اور بے پروا سمجھتا ہے کہ کوئی مجھے کچھ

نقصان نہیں پہنچا سکتا، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب کو آخر کار اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنا ہے، وہاں یہ ساری بے نیازی اور بے پروائی دھری رہ جائے گی۔

(۵) شروع میں جب ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکا تھا تو آپ نے اُسے جھڑک دیا تھا۔ اُس پر ابوجہل نے کہا تھا کہ مکہ میں میری مجلس میں بڑا مجمع ہوتا ہے، وہ سب میرے ساتھ ہے۔ اُس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے لئے اپنی مجلس والوں کو بلائے گا تو ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے بڑھا تو تھا، لیکن پھر رُک گیا، ورنہ فرشتے اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے (الدر المنثور)۔

(۶) یہ بڑا پیارا بھرا فقرہ ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا خاص قرب عطا ہوتا ہے۔ یہ آیت سجدے کی آیت ہے، اور اس کی تلاوت کرنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

آیاتہا ۵ ۹۷ سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ ۲۵ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

وقفِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ع ۱۸ ۲۲ معانقۃ

پانچ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔[1] ﴿۱﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟ ﴿۲﴾ شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔[2] ﴿۳﴾ اُس میں فرشتے اور رُوح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لئے اُترتے ہیں،[3] ﴿۴﴾ وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک۔ ﴿۵﴾

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ سے اس رات میں اُتارا گیا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کا نزول سب سے پہلے شبِ قدر میں شروع ہوا۔ شبِ قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے۔ یعنی اِکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا اُنتیسویں رات میں۔

(۲) یعنی اس ایک رات میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینوں میں عبادت کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

(۳) اس رات میں فرشتوں کے اُترنے کے دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس رات جو لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، فرشتے اُن کے حق میں رحمت کی دُعا کرتے ہیں، اور دُوسرا مقصد آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس رات میں سال بھر کے تقدیر کے فیصلے فرشتوں کے حوالے فرما دیتے ہیں، تا کہ وہ اپنے اپنے وقت پر اُن کی تعمیل کرتے رہیں۔ "ہر کام اُترنے" کا یہی مطلب مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔

آیاتہا ۸ ۹۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۭ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۭ﴿۴﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے، وہ اُس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ اُن کے پاس روشن دلیل نہ آتی[1] ﴿۱﴾ یعنی ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، ﴿۲﴾ جن میں سیدھی سچی تحریریں لکھی ہوں۔ ﴿۳﴾ اور جو اہلِ کتاب تھے، اُنہوں نے جدا راستہ اُسی کے بعد اِختیار کیا جب اُن کے پاس روشن دلیل آچکی تھی۔[2] ﴿۴﴾

(۱) ان آیتوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجنے کی وجہ بتائی جارہی ہے، اور وہ یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں جو کافر لوگ تھے، چاہے وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا بت پرستوں میں سے، وہ اُس وقت تک اپنے کفر سے باز نہیں آسکتے تھے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک روشن دلیل اُن کے سامنے نہ آجاتی۔ چنانچہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر کھلے دِل سے غور کیا، وہ واقعی اپنے کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے۔ البتہ جن کی طبیعت میں ضد تھی، وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

(۲) یہ اُن اہلِ کتاب کی بات ہو رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے روشن دلائل دیکھنے کے بعد بھی آپ پر اِیمان نہیں لائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کو ایک نعمت سمجھنے کے بجائے ان لوگوں نے ضد اور حسد کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مانی، اور الگ راستہ اختیار کرلیا، حالانکہ ان کے پاس روشن دلیل آچکی تھی۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝٨ ع ٨/٢٢

اور انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ بندگی کو بالکل یکسو ہو کر صرف اُسی کے لئے خالص رکھیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی سیدھی سچی اُمت کا دِین ہے۔ ﴿۵﴾ یقین جانو کہ اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر اَپنالیا ہے، وہ جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ ساری مخلوق میں سب سے بُرے ہیں۔ ﴿۶﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ بیشک ساری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ ﴿۷﴾ اُن کے پروردگار کے پاس اُن کا اِنعام وہ سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے خوش ہوگا، اور وہ اُس سے خوش ہوں گے۔ یہ سب کچھ اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار کا خوف دِل میں رکھتا ہو۔ ﴿۸﴾

کراچی، شب ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیاتھا ۸ ۹۹ سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۳ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۗ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۗ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۗ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۧ﴿۸﴾

یہ مدنی سورت ہے، اور آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجوڑ دی جائے گی، ﴿۱﴾ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی،(۱) ﴿۲﴾ اور اِنسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا ہے؟ ﴿۳﴾ اُس دن زمین اپنی ساری خبریں بتادے گی،(۲) ﴿۴﴾ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اُسے یہی حکم دیا ہوگا۔ ﴿۵﴾ اُس روز لوگ مختلف ٹولیوں میں واپس ہوں گے، تاکہ اُن کے اعمال اُنہیں دِکھا دیئے جائیں۔(۳) ﴿۶﴾ چنانچہ جس نے ذرّہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا، ﴿۷﴾ اور جس نے ذرّہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔(۴) ﴿۸﴾

(۱) یعنی سارے مُردے جو زمین میں دفن ہیں، وہ بھی باہر آجائیں گے، اور زمین میں جو خزانے دفن ہیں، زمین اُن کو بھی اُگل دے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کسی نے مال کی خاطر کسی کو قتل کیا ہوگا، یا جس نے مال و دولت کی خاطر رشتہ داروں کا حق پامال کیا ہوگا، یا اُس کی خاطر چوری کی ہوگی، وہ اس مال کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ ہے وہ مال جس کی وجہ سے میں نے یہ گناہ کئے تھے۔ پھر کوئی بھی اس سونے چاندی کی طرف توجہ نہیں دے گا۔

(۲) زمین پر کسی نے جو اچھے یا بُرے عمل کئے ہوں گے، زمین اُن کی گواہی دے گی۔

(۳) واپس آنے سے مراد قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف جانا بھی ہوسکتا ہے، اُس صورت میں اعمال دِکھانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اعمال نامہ دکھا دیا جائے گا۔ اور واپسی کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہوکر مختلف حالتوں میں واپس آئیں گے تاکہ اُنہیں اُن کے اعمال کا نتیجہ دِکھا دیا جائے۔ نیک لوگوں کو اپنی نیکیوں کا اِنعام دِکھا دیا جائے گا، اور بُرے لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا دِکھا دی جائے گی۔

(۴) بُرائی سے مراد وہ بُرائی ہے جس سے کسی شخص نے دُنیا کی زندگی میں توبہ نہ کی ہو، کیونکہ سچی توبہ سے گناہ معاف ہوکر ایسے ہوجاتے ہیں جیسے وہ کئے ہی نہیں تھے، اور سچی توبہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس گناہ کی تلافی ممکن ہو، اُس کی تلافی بھی کی جائے۔ مثلاً کسی کا حق ہے تو اُسے دے دیا جائے، یا اُس سے معاف کرالیا جائے، یا فرائض چھوٹے ہیں تو اُن کی قضا کرلی جائے۔

آیاتہا ۱۱ ۱۰۰ سُوْرَةُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّةٌ ۱۴ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝۸ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ۝۱۱

یہ مکی سورت گیارہ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں، ﴿۱﴾ پھر جو (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں اُڑاتے ہیں، ﴿۲﴾ پھر صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، ﴿۳﴾ پھر اُس موقع پر غبار اُڑاتے ہیں، ﴿۴﴾ پھر اُسی وقت کسی جمگھٹے کے بیچوں بیچ جا گھستے ہیں،(۱) ﴿۵﴾ کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، ﴿۶﴾ اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے۔(۲) ﴿۷﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔(۳) ﴿۸﴾ بھلا کیا وہ وقت اُسے معلوم نہیں ہے جب قبروں میں جو کچھ ہے، اُسے باہر بکھیر دیا جائے گا، ﴿۹﴾ اور سینوں میں جو کچھ ہے، اُسے ظاہر کر دیا جائے گا۔(۴) ﴿۱۰﴾ یقیناً اُن کا پروردگار اُس دن اُن (کی جو حالت ہوگی اُس) سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

(۱) اس سے مراد وہ جنگی گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر اُس زمانے میں لڑائیاں لڑی جاتی تھیں۔ ان کی قسم کھانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ گھوڑے اپنے مالکوں کے اتنے وفادار ہوتے تھے کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے مالکوں کے حکم کی تعمیل بھی کرتے تھے، اور اُن کی جان کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے مضبوط جانور کو اِنسان کا ایسا تابع دار اور وفادار بنا دیا ہے۔ گنہگار اِنسان کو یاد دِلایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کے اس احسان کا

شکر اَدا کرنے کے بجائے اُس کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنے پروردگار کا اتنا بھی وفادار نہیں جتنے اُس کے گھوڑے اُس کے وفادار ہوتے ہیں، چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ انسان، یعنی گنہگار انسان، بڑا ناشکرا ہے۔

(۲) یعنی اُس کا طرزِ عمل گواہی دیتا ہے کہ وہ ناشکرا ہے۔

(۳) اس سے مراد مال کی وہ محبت ہے جو اِنسان کو اپنے دِینی فرائض سے غافل کردے، یا گناہوں میں مبتلا کردے۔

(۴) یعنی مُردوں کو قبروں سے نکال دیا جائے گا، اور لوگوں کے سینوں میں چھپے ہوئے راز کھل جائیں گے۔

آیاتها ۱۱ ۱۰۱ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَکِّیَّةٌ ۳۰ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾ ع ۱۱ ۲۶

یہ مکی سورت گیارہ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(یاد کرو) وہ واقعہ جو دِل دہلا کر رکھ دے گا! ﴿۱﴾ کیا ہے وہ دِل دہلانے والا واقعہ؟ ﴿۲﴾ اور تمہیں کیا معلوم وہ دِل دہلانے والا واقعہ کیا ہے؟ ﴿۳﴾ جس دن سارے لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے، ﴿۴﴾ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہوجائیں گے، ﴿۵﴾ اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے ﴿۶﴾ تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا، ﴿۷﴾ اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے ﴿۸﴾ تو اُس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا۔ ﴿۹﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے؟ ﴿۱۰﴾ ایک دہکتی ہوئی آگ! ﴿۱۱﴾

کراچی، شب ۱۱/رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

ایاتہا ۸ ۱۰۲ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۶ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸ ع

یہ مکی سورت آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دُنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے،[1] ﴿۱﴾ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو، ﴿۲﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، ﴿۳﴾ پھر (سن لو کہ:) ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۴﴾ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ یہ بات جانتے ہوتے (تو ایسا نہ کرتے) ﴿۵﴾ یقین جانو تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے،[2] ﴿۶﴾ پھر یقین جانو کہ تم اُسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لو گے۔ ﴿۷﴾ پھر تم سے اُس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ اُن کا کیا حق ادا کیا)۔[3] ﴿۸﴾

(۱) یعنی دُنیا سمیٹنے کی دُھن میں لگ کر تم آخرت کو بھولے ہوئے ہو۔

(۲) جو لوگ جنت میں جائیں گے، انہیں بھی دوزخ دِکھائی جائے گی، تاکہ اُنہیں جنت کی صحیح قدر معلوم ہو۔ دیکھئے سورۂ مریم (۱۹:۷۱)۔

(۳) یعنی دُنیا میں جو نعمتیں میسر تھیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا؟ اور اُس کی کس طرح فرماں برداری کی؟

آیاتها ۳ ۱۰۳ سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع ۲۸

اس مکی سورت میں تین آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

زمانے کی قسم،[۱] ﴿۱﴾ انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے، ﴿۲﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اِیمان لائیں، اور نیک عمل کریں، اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔[۲] ﴿۳﴾

---

(۱) یعنی زمانے کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور نیک عمل سے محروم ہوتے ہیں، وہ بڑے گھاٹے میں ہیں۔ اس لئے کہ ایسی بہت سی قوموں کو دُنیا ہی میں آسمانی عذاب کا سامنا کرنا پڑا، اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر خبردار کرتے رہے ہیں کہ اگر اِیمان اور نیک عمل کی رَوِش اِختیار نہ کی گئی تو آخرت میں بڑا سخت عذاب انسان کا منتظر ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ خود نیک بن جانا ہی نجات کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے اثر و رسوخ کے دائرے میں دوسروں کو حق بات اور صبر کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہوں پر گذرا ہے، ''صبر'' قرآنِ کریم کی ایک اِصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کی دِلی خواہشات اُسے کسی فریضے کی ادائیگی سے روک رہی ہوں، یا کسی گناہ پر آمادہ کر رہی ہوں، اُس وقت ان خواہشات کو کچلا جائے، اور جب کوئی ناگوار بات سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اِعتراض سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ ہاں تقدیر کا شکوہ کئے بغیر اُس ناگوار چیز کے تدارک کی جائز تدبیر کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ مزید دیکھئے سورۂ آل عمران کی آخری آیت پر ہمارا حاشیہ۔

کراچی، شب ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیاتھا ۹ ۱۰۴ سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝۱ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝۲ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝۴ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

ع ۱ ۹ ۲۹

اس مکی سورت میں نو آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی خرابی ہے اُس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا، (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو،[1] ﴿۱﴾ جس نے مال اِکٹھا کیا ہو، اور اُسے گنتا رہتا ہو، ﴿۲﴾ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔[2] ﴿۳﴾ ہرگز نہیں! اُس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کرنے والی ہے، ﴿۴﴾ اور تمہیں کیا معلوم وہ چورا چورا کرنے والی چیز کیا ہے؟ ﴿۵﴾ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ﴿۶﴾ جو دِلوں تک جا چڑھے گی! ﴿۷﴾ یقین جانو وہ اُن پر بند کردی جائے گی، ﴿۸﴾ جبکہ وہ (آگ کے) لمبے چوڑے ستونوں میں (گھرے ہوئے) ہوں گے۔[3] ﴿۹﴾

(۱) پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت ہے جسے سورۂ حجرات (۴۹: ۱۲) میں نہایت گھناؤنا گناہ قرار دیا گیا ہے، اور کسی کے منہ پر طعنے دینا جس سے اُس کی دِل آزاری ہو، اُس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(۲) جائز طریقے سے مال حاصل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اُس کی ایسی محبت کہ ہر وقت انسان اُسی کی گنتی میں

لگا رہے، اُسے گناہ پر آمادہ کردیتی ہے، اور جب کسی شخص پر مال کی محبت اس طرح سوار ہوجائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری ہر مشکل اسی مال کے ذریعے آسان ہوگی، اور وہ موت سے غافل ہوکر دُنیاداری کے منصوبے اس طرح بناتا رہتا ہے جیسے یہ مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

(۳) اللہ بچائے، دوزخ میں آگ کے شعلے لمبے چوڑے ستونوں کی شکل میں ہوں گے، اور وہ چاروں طرف سے دوزخیوں کو اس طرح گھیر لیں گے کہ باہر نکلنے کا راستہ بند ہوگا۔

آیاتها ۵ ۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

ع ۵ ۳۰

پانچ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ (۱) ﴿۱﴾ کیا اُس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کردی تھیں؟ ﴿۲﴾ اور اُن پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے، ﴿۳﴾ جو اُن پر پکی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، ﴿۴﴾ چنانچہ اُنہیں ایسا کرڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا! ﴿۵﴾

(۱) یہ ابرہہ کے لشکر کی طرف اشارہ ہے جو کعبے پر چڑھائی کرنے کے لئے ہاتھیوں پر سوار ہوکر آیا تھا۔ ابرہہ یمن کا حکمران تھا، اور اُس نے یمن میں ایک عالیشان کلیسا تعمیر کرکے یمن کے لوگوں میں یہ اعلان کرادیا کہ آئندہ کوئی شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائے، اور اسی کلیسا کو بیت اللہ سمجھے۔ عرب کے لوگ اگرچہ بت پرست تھے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ سے کعبے کی عظمت اُن کے دِلوں میں پیوست تھی، اس اعلان سے اُن میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، اور اُن میں سے کسی نے رات کے وقت اُس کلیسا میں جاکر گندگی پھیلادی، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اُس کے کچھ حصے میں آگ بھی لگائی۔ ابرہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے ایک بڑا لشکر تیار کرکے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا، راستے میں عرب کے کئی قبیلوں نے اُس سے جنگ کی، لیکن ابرہہ کے لشکر کے ہاتھوں اُنہیں شکست ہوئی۔ آخرکار یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب مغمس نامی ایک جگہ تک پہنچ گیا۔ لیکن جب اگلی صبح اُس نے بیت اللہ کی طرف بڑھنا چاہا تو اُس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا، اور اُسی وقت سمندر کی طرف سے

عجیب وغریب قسم کے پرندوں کا ایک غول آیا اور پورے لشکر پر چھا گیا۔ ہر پرندے کی چونچ میں تین تین کنکر تھے جو انہوں نے لشکر کے لوگوں پر برسائے۔ ان کنکروں نے لشکر کے لوگوں پر وہ کام کیا جو بارودی گولی بھی نہیں کرسکتی۔ جس پر بھی یہ کنکری لگتی، اُس کے پورے جسم کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سارے ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے، لشکر کے سپاہیوں میں سے کچھ وہیں ہلاک ہوگئے، اور کچھ جو بھاگ نکلے، وہ راستے میں مرے، اور اَبرہہ کے جسم میں ایسا زہر سرایت کرگیا کہ اُس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا۔ اسی حالت میں اُسے یمن لایا گیا، اور وہاں اُس کا سارا بدن بہہ بہہ کر ختم ہوگیا، اور اُس کی موت سب سے زیادہ عبرت ناک ہوئی۔ اُس کے دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے جو اپاہج اور اندھے ہوگئے۔ یہ واقعہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی پہلے پیش آیا تھا، اور حضرت عائشہ اور اُن کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے ان دو اندھے اپاہجوں کو دیکھا ہے۔ (تفصیلی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن)۔

اس سورت میں اس واقعے کا تذکرہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے، اس لئے جو لوگ آپ کی دُشمنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، آخر میں وہ بھی اَصحابُ الفیل کی طرح منہ کی کھائیں گے۔

أياتها ۴ ۱۰۶ سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ ۲۹ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۧ﴿۴﴾

ع ۱ ۳۱

چار آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

چونکہ قریش کے لوگ عادی ہیں، ﴿۱﴾ یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یمن اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں،[1] ﴿۲﴾ اس لئے اُنہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ﴿۳﴾ جس نے بھوک کی حالت میں اُنہیں کھانے کو دیا، اور بدامنی سے اُنہیں محفوظ رکھا۔ ﴿۴﴾

---

(۱) اس سورت کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں، یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ کوئی شخص آزادی اور اَمن کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ راستے میں چور ڈاکو یا اُس کے دُشمن قبیلے کے لوگ اُسے مارنے اور لوٹنے کے درپے رہتے تھے۔ لیکن قریش کا قبیلہ چونکہ بیت اللہ کے پاس رہتا تھا، اور اسی قبیلے کے لوگ بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے، اس لئے سارے عرب کے لوگ اُن کی عزت کرتے تھے، اور جب وہ سفر کرتے تو کوئی اُنہیں لوٹتا نہیں تھا۔ اس وجہ سے قریش کے لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی تجارت کی خاطر سردیوں میں یمن کا سفر کرتے تھے، اور گرمیوں میں شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت سے اُن کا روزگار وابستہ تھا۔ اور اگرچہ مکہ مکرمہ میں نہ کھیت تھے، نہ باغ، لیکن انہی سفروں کی وجہ سے وہ خوشحال زندگی گذارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت میں اُنہیں یاد دِلا رہے ہیں کہ اُن کو سارے عرب میں جو عزت حاصل ہے، اور جس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی میں آزادی سے تجارتی سفر کرتے ہیں، یہ سب کچھ اس بیت اللہ کی برکت ہے کہ اُس کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے سب اُن کا احترام کرتے ہیں۔

لہٰذا اُنہیں چاہئے کہ اس گھر کے مالک، یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں، اور بتوں کو پوجنا چھوڑیں، کیونکہ اسی گھر کی وجہ سے اُنہیں کھانے کومل رہا ہے، اور اسی کی وجہ سے اُنہیں امن وامان کی نعمت ملی ہوئی ہے۔ اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جس کسی شخص کو کسی دِینی خصوصیت کی وجہ سے دُنیا میں کوئی نعمت میسر ہو، اُسے دوسروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اِطاعت کرنی چاہئے۔

شب ۱۳ ؍ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

ایاتھا ۷ ۱۰۷ سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃٌ ۱۷ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝۱ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝۲ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝۳ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝۴ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ۝۵ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ ۝۶ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

ع ۷ / ۳۲

یہ مکی سورت سات آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تم نے اُسے دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ ﴿۱﴾ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے[1] ﴿۲﴾ اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔[2] ﴿۳﴾ پھر بڑی خرابی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کی جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں،[3] ﴿۴-۵﴾ جو دِکھاوا کرتے ہیں[4] ﴿۶﴾ اور دُوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔[5] ﴿۷﴾

---

(۱) کئی کافروں کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کے پاس کوئی یتیم خستہ حالت میں کچھ مانگنے کو آیا تو اُنہوں نے اُسے دھکا دے کر نکال دیا۔ یہ عمل ہر ایک کے لئے انتہائی سنگدلی اور بڑا گناہ ہے، لیکن کافروں کا ذِکر فرما کر اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ کام اصل میں کافروں ہی کا ہے، کسی مسلمان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

(۲) یعنی خود تو کسی غریب کی مدد کیا کرتا، دوسروں کو بھی ترغیب نہیں دیتا۔

(۳) نماز سے غفلت برتنے میں یہ بھی داخل ہے کہ نماز پڑھے ہی نہیں، اور یہ بھی کہ اُس کو صحیح طریقے سے نہ پڑھے۔

(۴) یعنی اگر پڑھتے بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کو دِکھاوا کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ اصل میں تو یہ کام منافقوں کا تھا۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی، منافق موجود نہ ہوں، لیکن چونکہ

قرآنِ کریم عام اَحکام بیان فرماتا ہے، اور آئندہ ایسے منافق پیدا ہونے والے تھے، اس لئے ان گناہوں کا ذِکر فرمایا گیا ہے۔

(۵) ''معمولی چیز'' قرآنِ کریم کے لفظ ''ماعون'' کا ترجمہ کیا گیا ہے، اسی لفظ کے نام پر سورت کا نام ماعون ہے۔ اصل میں ''ماعون'' اُن برتنے کی معمولی چیزوں کو کہتے ہیں جو عام طور سے پڑوسی ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں، جیسے برتن وغیرہ۔ پھر ہر قسم کی معمولی چیز کو بھی ماعون کہہ دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہؓ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے اس کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے، کیونکہ وہ بھی انسان کی دولت کا معمولی (چالیسواں) حصہ ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یہی فرمائی ہے کہ کوئی پڑوسی دوسرے سے کوئی برتنے کی چیز مانگے تو انسان اُسے منع کرے۔

أیاتها ۳ ۱۰۸ سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۵ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۚ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۚ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ ع ۳۳

تین آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کردی ہے،[1] ﴿۱﴾ لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو، اور قربانی کرو، ﴿۲﴾ یقین جانو تمہارا دُشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے۔[2] ﴿۳﴾

(۱) ''کوثر'' کے لفظی معنیٰ ہیں ''بہت زیادہ بھلائی''۔ اور کوثر جنت کی اُس حوض کا نام بھی ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں دی جائے گی، اور آپ کی اُمت کے لوگ اُس سے سیراب ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ اُس حوض پر رکھے ہوئے برتن اِتنے زیادہ ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے۔ یہاں یہ لفظ اگر ''بہت زیادہ بھلائی'' کے معنیٰ میں لیا جائے تو اُس بھلائی میں حوضِ کوثر بھی داخل ہے۔

(۲) قرآنِ کریم میں اصل لفظ ''ابتر'' ہے، اس کے لفظی معنیٰ ہیں: ''جسکی جڑ کٹی ہوئی ہو'' اور عرب کے لوگ اُس شخص کو اَبتر کہتے تھے جس کی نسل آگے نہ چلے، یعنی جس کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہو۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا انتقال ہوا تو آپ کے دُشمنوں نے جن میں عاص بن وائل پیش پیش تھا، آپ کو یہ طعنہ دیا کہ معاذ اللہ آپ اَبتر ہیں، اور آپ کی نسل نہیں چلے گی۔ اُس کے جواب میں اس آیت نے فرمایا ہے کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے کوثر عطا فرمائی ہے، آپ کے مبارک ذکر اور آپ کے دِین کو آگے چلانے والے تو بے شمار ہوں گے۔ اَبتر تو آپ کا دُشمن ہے جس کا مرنے کے بعد نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور آپ کی سیرتِ طیبہ تو الحمد للہ زندۂ جاوید ہے، اور طعنے دینے والوں کو کوئی جانتا بھی نہیں، اور اگر کوئی اُن کا ذِکر کرتا بھی ہے تو بُرائی سے کرتا ہے۔

ایاتھا ۶ ۱۰۹ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۱۸ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝۶

یہ مکی سورت چھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تم کہہ دو کہ: ''اے حق کا اِنکار کرنے والو! ﴿۱﴾ میں اُن چیزوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۲﴾ اور تم اُس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، ﴿۳﴾ اور نہ میں (آئندہ) اُس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم کرتے ہو، ﴿۴﴾ اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ ﴿۵﴾ تمہارے لئے تمہارا دِین ہے، اور میرے لئے میرا دِین۔''[1] ﴿۶﴾

---

(۱) یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے جن میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شامل تھے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرلیا کریں تو دُوسرے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرلیں گے۔ کچھ اور لوگوں نے اسی قسم کی کچھ اور تجویزیں بھی پیش کیں جن کا خلاصہ یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی طرح ان کافروں کے طریقے پر عبادت کے لئے آمادہ ہوجائیں تو آپس میں صلح ہوسکتی ہے۔ اس سورت نے دوٹوک الفاظ میں واضح فرمادیا کہ کفر اور اِیمان کے درمیان اس قسم کی کوئی مصالحت قابلِ قبول نہیں ہے جس سے حق اور باطل کا اِمتیاز ختم

ہوجائے، اور دِینِ برحق میں کفر یا شرک کی ملاوٹ کردی جائے۔ ہاں! اگر تم حق کو قبول نہیں کرتے تو تم اپنے دِین پر عمل کرو جس کے نتائج تم خود بھگتو گے، اور میں اپنے دِین پر عمل کروں گا، اور اُس کے نتائج کا میں ذمہ دار ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے کوئی ایسی مصالحت جائز نہیں ہے جس میں اُن کے دِین کے شعائر کو اِختیار کرنا پڑے۔ البتہ اپنے دِین پر قائم رہتے ہوئے امن کا معاہدہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ انفال (۸:۶۱) میں فرمایا ہے۔

اٰیاتها ۳ — ۱۱۰ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

وقف لازم — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ع ۲۵

تین آیتوں پر مشتمل یہ سورت مدنی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے[1] ﴿۱﴾ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، ﴿۲﴾ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت مانگو۔[2] یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) اس سے مراد مکہ مکرمہ کی فتح ہے، یعنی جب مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ زیادہ تر مفسرین کے مطابق یہ سورت فتحِ مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس میں ایک طرف تو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا، اور اُس کے بعد عرب کے لوگ جوق در جوق دینِ اسلام میں داخل ہوں گے، چنانچہ واقعہ بھی یہی ہوا، اور دُوسری طرف چونکہ اسلام کے پھیل جانے سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں تشریف لانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے آپ کو دُنیا سے رُخصت ہونے کی تیاری کے لئے حمد، تسبیح اور اِستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس میں دی ہوئی خوشخبری کی وجہ سے بہت سے صحابہؓ خوش ہوئے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسے سن کر رونے لگے، اور وجہ یہ بیان کی کہ اس سورت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب آرہا ہے۔

(۲) اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے گناہوں سے بالکل پاک اور معصوم تھے، اور اگر آپ کی شان

کے لحاظ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی ہو تو سورۂ فتح (۲:۴۸) میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی معاف کرنے کا اعلان فرمادیا تھا، اِس کے باوجود آپ کو اِستغفار کی تلقین اُمت کو یہ بتانے کے لئے کی جارہی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستغفار کرنے کو کہا جارہا ہے تو دُوسرے مسلمانوں کو تو اور زیادہ اہتمام کے ساتھ اِستغفار کرنا چاہئے۔

شب ۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیاتها ۵ ۱۱۱ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ٦ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

یہ مکی سورت پانچ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے، (۱) ﴿۱﴾ اُس کی دولت اور اُس نے جو کمائی کی تھی، وہ اُس کے کچھ کام نہیں آئی۔ ﴿۲﴾ وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا، (۲) ﴿۳﴾ اور اُس کی بیوی بھی، (۳) لکڑیاں ڈھوتی ہوئی، (۴) ﴿۴﴾ اپنی گردن میں مونجھ کی رسّی لئے ہوئے۔ (۵) ﴿۵﴾

(۱) ابولہب، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چچا تھا جو آپ کی دعوتِ اسلام کے بعد آپ کا دُشمن ہوگیا تھا، اور طرح طرح سے آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنے خاندان کے لوگوں کو صفا پہاڑ پر جمع فرما کر اُن کو اِسلام کی دعوت دی تو ابولہب نے یہ جملہ کہا تھا کہ: "تبًّا لك! الهذا جمعتنا؟" یعنی "بربادی ہو تمہاری! کیا اس کام کے لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟" اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، اور اس میں پہلے تو ابولہب کو بددُعا دی گئی ہے کہ بربادی (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے، بلکہ ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں۔ (عربی محاورے میں ہاتھوں کی بربادی کا مطلب انسان کی بربادی ہی ہوتا ہے) پھر فرمایا گیا ہے کہ وہ برباد ہو ہی گیا ہے، یعنی اُس کی بربادی اتنی یقینی ہے جیسے ہو ہی چکی۔ چنانچہ جنگِ بدر کے سات دن بعد اُسے طاعون جیسی بیماری ہوئی جسے عدسہ کہتے ہیں، عرب کے لوگ چھوت چھات کے قائل تھے، اور جسے عدسہ کی بیماری ہوتی، اُسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں مرگیا، اور اُس کی لاش میں سخت بدبو پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ لوگوں نے کسی لکڑی کے سہارے اُسے ایک گڑھے میں دفن کیا (روح المعانی)۔

(۲) بھڑکتے شعلے کو عربی میں "لھب" کہتے ہیں۔ ابولہب بھی اُس کو اس لئے کہتے تھے کہ اُس کا چہرہ شعلے کی طرح سرخ تھا۔ قرآنِ کریم نے یہاں دوزخ کے شعلوں کے لئے یہی لفظ استعمال کر کے یہ لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ اُس کے نام میں بھی شعلے کا مفہوم داخل ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام بھی سورۃ اللھب ہے۔

(۳) ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل کہلاتی تھی، اور وہ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دُشمنی میں اپنے شوہر کے ساتھ برابر کی شریک تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے دار لکڑیاں بچھادیا کرتی تھی، اور آپ کو طرح طرح ستایا کرتی تھی۔

(۴) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ وہ اگرچہ ایک باعزت گھرانے کی عورت تھی، لیکن اپنی کنجوسی کی وجہ سے ایندھن کی لکڑیاں خود ڈھو کر لاتی تھی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جو کانٹے دار لکڑیاں بچھاتی تھی، اُس کی طرف اشارہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں لکڑیاں ڈھونے کی یہ صفت دُنیا ہی سے متعلق ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اُس کے دوزخ میں داخلے کی حالت بیان فرمائی گئی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھڑ اُٹھائے داخل ہوگی۔ قرآنِ کریم کے الفاظ میں دونوں معنی ممکن ہیں، اور ہم نے جو ترجمہ کیا ہے، اُس میں بھی دونوں تفسیروں کی گنجائش موجود ہے۔

(۵) پہلی تفسیر کے مطابق جب یہ عورت لکڑیاں ڈھو کر لاتی تو اُن کو مونجھ کی رسّی سے باندھ کر رسّی کو اپنے گلے میں لپیٹ لیتی تھی۔ اور دُوسری تفسیر کے مطابق یہ بھی دوزخ میں داخلے کی کیفیت بیان ہو رہی ہے کہ اُس کے گلے میں مونجھ کی رسّی کی طرح طوق پڑا ہوا ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

آیاتہا ۴ ۱۱۲ سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ③

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۴ ع

یہ مکی سورت چار آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہہ دو:[1] "بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔[2] ﴿۱﴾ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں،[3] ﴿۲﴾ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔[4] ﴿۳﴾ اور اُس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔[5]" ﴿۴﴾

---

(۱) بعض کافروں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ آپ جس خدا کی عبادت کرتے ہیں، وہ کیسا ہے؟ اُس کا حسب نسب بیان کر کے اُس کا تعارف تو کرایئے۔ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (روح المعانی بحوالہ بیہقی وطبرانی وغیرہ)۔

(۲) یہ قرآنِ کریم کے لفظ "اَحَدٌ" کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صرف "ایک" کا لفظ اس کے پورے معنی ظاہر نہیں کرتا۔ "ہر لحاظ سے ایک" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ذات اس طرح ایک ہے کہ اُس کے نہ اجزاء ہیں، نہ حصے ہیں، اور نہ اُس کی صفات کسی اور میں پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنی ذات میں بھی ایک ہے، اور اپنی صفات میں بھی۔

(۳) یہ قرآنِ کریم کے لفظ "الصَّمَدُ" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم بھی اُردو کے کسی ایک لفظ سے ادا نہیں ہوسکتا۔ عربی میں "صمد" اُس کو کہتے ہیں جس سے سب لوگ اپنی مشکلات میں مدد لینے کے لئے رُجوع کرتے ہوں، اور سب اُس کے محتاج ہوں، اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ عام طور سے اِختصار کے پیشِ نظر اس لفظ کا ترجمہ "بے نیاز" کیا جاتا ہے، لیکن وہ اس کے صرف ایک پہلو کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن یہ پہلو

اُس میں نہیں آتا کہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہاں ایک لفظ سے ترجمہ کرنے کے بجائے اُس کا پورا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یہ اُن لوگوں کی تردید ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے، یا حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

(۵) یعنی کوئی نہیں ہے جو کسی معاملے میں اُس کی برابری یا ہمسری کرسکے۔ اس سورت کی ان چار مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو اِنتہائی جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں اُن کی تردید ہے جو ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں۔ دوسری آیت میں اُن کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود کسی اور کو اپنا مشکل کشا، کارساز یا حاجت روا قرار دیتے ہیں۔ تیسری آیت میں اُن کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں، اور چوتھی آیت میں اُن لوگوں کا رَدّ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت میں کسی اور کی برابری کے قائل ہیں، مثلاً بعض مجوسیوں کا کہنا یہ تھا کہ روشنی کا خالق کوئی اور ہے، اور اندھیرے کا خالق کوئی اور، یا بھلائی پیدا کرنے والا اور ہے، اور بُرائی پیدا کرنے والا کوئی اور۔ اس طرح اس مختصر سورت نے شرک کی تمام صورتوں کو باطل قرار دے کر خالص توحید ثابت کی ہے۔ اسی لئے اس سورت کو سورۂ اِخلاص کہا جاتا ہے، اور ایک صحیح حدیث میں اس کو قرآنِ کریم کا ایک تہائی حصہ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بنیادی طور پر تین عقیدوں پر زور دیا ہے: توحید، رسالت اور آخرت۔ اور اس سورت نے ان میں سے توحید کے عقیدے کی پوری وضاحت فرمائی ہے۔ اس سورت کی تلاوت کے بھی احادیث میں بہت فضائل آئے ہیں۔

آیاتها ۵ ۱۱۳ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِیَّةٌ ۲۰ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع ۵ ۳۸

یہ مدنی سورت ہے، اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہو[1] کہ: ''میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں، ﴿۱﴾ ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے، ﴿۲﴾ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ پھیل جائے،[2] ﴿۳﴾ اور اُن جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں[3] ﴿۴﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔'' ﴿۵﴾

(۱) قرآنِ کریم کی یہ آخری دو سورتیں معوّذتین کہلاتی ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کچھ یہودیوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادُو کرنے کی کوشش کی تھی، اور اُس کے کچھ اثرات آپ پر ظاہر بھی ہوئے تھے۔ ان سورتوں میں آپ کو جادُو ٹونے سے حفاظت کے لئے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور کئی احادیث سے ثابت ہے کہ ان سورتوں کی تلاوت اور اُن سے دَم کرنا جادُو کے اثرات دُور کرنے کے لئے بہترین عمل ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے ان سورتوں کی تلاوت کر کے اپنے مبارک ہاتھوں پر دَم کرتے، اور پھر ان ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیر لیتے تھے۔

(۲) اندھیری رات کے شر سے خاص طور پر اس لئے پناہ مانگی گئی ہے کہ عام طور پر جادُوگروں کی کارروائیاں رات کے اندھیرے میں ہوا کرتی ہیں۔

(۳) ''جانوں'' کے لفظ میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں۔ جادُوگر مرد ہوں یا عورت، دھاگے کے گنڈے بنا کر اُس میں گرہیں لگاتے جاتے ہیں، اور اُن پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتے رہتے ہیں۔ اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

آیاتھا ۶ ۱۱۴ سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ ۲۱ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾ ع ۳۹

یہ آخری سورت بھی مدنی ہے، اور اس میں چھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہو[1] کہ: ''میں پناہ مانگتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی، ﴿۱﴾ سب لوگوں کے بادشاہ کی، ﴿۲﴾ سب لوگوں کے معبود کی،[2] ﴿۳﴾ اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے کو چھپ جاتا ہے[3] ﴿۴﴾ جو لوگوں کے دِلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، ﴿۵﴾ چاہے وہ جنات میں سے ہو، یا انسانوں میں سے۔[4]'' ﴿۶﴾

---

(۱) پچھلی سورت کا حاشیہ نمبر ا ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو سب کا پروردگار بھی ہے، صحیح معنی میں سب کا بادشاہ بھی، اور سب کا معبودِ حقیقی بھی۔

(۳) ایک مستند حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ''جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، اُس کے دِل پر وسوسہ ڈالنے والا (شیطان) مسلط ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہوش میں آ کر اللہ تعالیٰ کا ذِکر کرتا ہے تو یہ وسوسہ ڈالنے والا پیچھے کو دبک جاتا ہے، اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو دوبارہ آ کر وسوسے ڈالتا ہے۔'' (روح المعانی بحوالہ حاکم وابن المنذر روضیاء)۔

(۴) قرآنِ کریم نے سورۂ اَنعام (۶:۱۱۲) میں بتایا ہے کہ شیطان جنات میں سے بھی ہوتے ہیں، اور اِنسانوں میں سے بھی۔ البتہ شیطان جو جنات میں سے ہے، وہ نظر نہیں آتا، اور دِلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، لیکن انسانوں میں سے جو شیطان ہوتے ہیں، وہ نظر آتے ہیں، اور اُن کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُنہیں سن کر اِنسان کے دِل

میں طرح طرح کے بُرے خیالات اور وَسوسے آجاتے ہیں۔ اس لئے اس آیتِ کریمہ میں دونوں قسم کے وسوسہ ڈالنے والوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ان آیتوں میں اگرچہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طاقت کا ذِکر فرمایا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین کر کے یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اُس کا ذِکر کرنے سے وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، نیز سورۂ نساء (۴:۷٦) میں فرمایا گیا ہے کہ اُس کی چالیں کمزور ہیں، اور اُس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور کر سکے۔ سورۂ ابراہیم (۱۴:۲۲) میں خود اُس کا یہ اعتراف اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ مجھے انسانوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ یہ تو اِنسان کی ایک آزمائش ہے کہ وہ انسان کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جو بندہ اُس کے بہکائے میں آنے سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے تو شیطان اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

قرآنِ کریم کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اللہ تعالیٰ ہی سے سیدھے راستے کی ہدایت کی دُعا کی گئی ہے، اور اِختتام سورۂ ناس پر ہوا ہے جس میں شیطان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ سیدھے راستے پر چلنے میں اُس کے شر سے جو رُکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی، اُسے دُور کرنے کا طریقہ بتادیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس اور شیطان دونوں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور توفیق سے آج رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کی سترہویں شب میں (بروز چہارشنبہ ۱۸رستمبر ۲۰۰۸ء) قرآنِ کریم کی اس خدمت کو تکمیل تک پہنچایا۔ یا اللہ! کوئی زبان اور کوئی قلم آپ کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں کہ آپ نے ایک ذرّۂ بے مقدار کو اپنے کلام مجید کی اس خدمت کی سعادت بخشی۔ یا اللہ! جب آپ نے یہ توفیق عطا فرمائی تو خالص اپنے فضل وکرم ہی سے اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیجئے، اِس کو اس ناکارہ مترجم کے لئے قبر سے لے کر حشر ونشر تک کے تمام مراحل آسان فرما کر آخرت کا ذخیرہ بنا دیجئے، اور اُس کے ذریعے پڑھنے والوں کے دِل میں قرآنِ کریم کو سمجھنے، اُس پر عمل کرنے اور اُس کے مقدس پیغام کو عام کرنے کا داعیہ پیدا فرما دیجئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَاءَ اَحْزَانِنَا وَذَهَابَ هُمُوْمِنَا، وَاَنْ تُخَلِّطَهُ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَائِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ اَجْسَادَنَا، وَاَنْ تُذَكِّرَنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَتُعَلِّمَنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا، وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ آنَآءَ اللَّيْلِ وَآنَآءَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَصَلِّ اللّٰهُمَّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ، اَلْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ، وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔



تصدیق نامہ

میں نے ''مکتبۂ معارف القرآن کراچی'' کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام ''توضیح القرآن'' (آسان ترجمۂ قرآن) کے عربی متن کو بغور پڑھا، الحمد للہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ قرآن پاک کے عربی متن میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

المصدق

(مولانا حافظ) محمد ایوب بندھانی

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر محکمہ اوقاف سندھ

مولوی محمد اللہ وسایا خان بلوچ

مستند پروف ریڈر وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد

